تاریخِ اسلام

عہدِ نبوی ﷺ تا عہدِ خلفائے راشدینؓ



حکیم محمود احمد ظفر

نشریات

Marfat.com

705/—

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تاریخِ اسلام

عہدِ نبوی تا عہدِ خلفائے راشدین

Marfat.com

Marfat.com

تاریخِ اسلام

عہدِ نبوی تا عہدِ خلفائے راشدین

حکیم محمود احمد ظفر

نشریات

الحمد مارکیٹ، اُردو بازار، لاہور۔ فون: 0321-4589419

Marfat.com

297.91
ظہار
۱۱۰۶۸۵

جملہ حقوق محفوظ
۲۰۱۳ء

نام کتاب:	———	تاریخ اسلام
مصنف:	———	حکیم محمود احمد ظفر
اہتمام:	———	نشریات
مطبع:	———	شفیق پریس
حروف خوانی:	———	محمد شبیر قمر
صفحات:	———	۷۱۵
جلد ساز:	———	بنیامین
سرورق:	———	ضیاء الرحمٰن
کمپوزنگ:	———	محمود فرید

ڈسٹری بیوٹرز

کتاب سرائے
پبلشرز، ڈسٹری بیوٹرز،
مشیران کتب خانہ جات
فرسٹ فلور، الحمد مارکیٹ، غزنی سٹریٹ
اُردو بازار، لاہور فون: 37320318 فیکس: 37239884
ای میل: Kitabsaray@hotmail.com

فضلی بک سپر مارکیٹ
اُردو بازار، نزد ریڈیو پاکستان، کراچی۔
فون: 32212991-32629724

Marfat.com

ترتیب

◆ پیش آہنگ	۱۹
◆ تاریخ	۱۹
◆ واقعات کی حفاظت بذریعہ تاریخ	۲۰
◆ موجودہ تاریخ کے بنیادی پتھر	۲۲
◆ تاریخ کی اقسام	۲۳
◆ اسلامی تاریخ	۲۳
◆ تاریخ کی ابتداء	۲۴
◆ تاریخ اور جغرافیہ کا باہمی ارتباط	۲۴
◆ عرب	۲۴
◆ محل وقوع	۲۵
◆ آب وہوا	۲۶
◆ عرب کی قدیم اقوام	۲۷
◆ عرب بائدہ	۲۷
◆ عرب عاربہ	۲۸
◆ عرب مستعربہ	۲۹
◆ ① حجاج کی خدمت	۳۰
◆ ② قریشی قبائل کا اتحاد	۳۱
◆ ③ مکہ مکرمہ کی توسیع	۳۱
◆ ④ دارالندوہ کا قیام	۳۱
◆ عبد مناف بن قصی	۳۲
◆ ہاشم بن عبد مناف	۳۲
◆ عبدالمطلب بن ہاشم	۳۳
◆ تمدنی حالات	۳۴
◆ فال	۳۵
◆ شاعری	۳۵
◆ دختر کشی	۳۵
◆ مفاخرت	۳۶
◆ ضعیف الاعتقادی	۳۶
◆ سیاہ رات	۳۹
◆ سلطنت رومہ	۴۱
◆ جزیرۂ عرب	۴۴
◆ العرب البائدہ	۴۵
◆ العرب الباقیہ	۴۵
◆ اہل عرب کی خصوصیات	۴۵
◆ ۱۔ ذہانت وفراست	۴۶
◆ ۲۔ قوت حافظہ کی تیزی	۴۷
◆ ۳۔ سخاوت	۴۷
◆ ۴۔ شجاعت	۴۷
◆ ۵۔ وفائے عہد	۴۸
◆ ۶۔ غیرت وحمیت	۴۸
◆ اہل عرب کی برائیاں	۴۸
◆ عربوں کے مشہور بت	۵۰
◆ حسب نسب	۵۳
◆ قصی کی اولاد	۵۳

Marfat.com

♦	ہاشم بن عبد مناف	۵۴
♦	عبدالمطلب بن ہاشم	۵۴
♦	چاہِ زمزم کی دریافت	۵۶
♦	بیٹے کی قربانی	۵۶
♦	کعبہ پر ابرہہ کی چڑھائی	۵۷
♦	عبدالمطلب کی اولاد	۵۷
♦	حضرت عبداللہ کی شادی	۵۸
♦	حضرت عبداللہ کا انتقال	۵۸
◆	صبح سعادت	۵۹
♦	نام نامی	۶۰
♦	ختنہ	۶۰
♦	رضاعت	۶۰
♦	شق صدر	۶۱
♦	سیدہ آمنہ کا سفر آخرت	۶۲
♦	دادا کی سرپرستی	۶۲
♦	زبیر بن عبدالمطلب کی کفالت	۶۳
◆	بچپن	۶۴
♦	حرب فجار	۶۵
♦	حلف الفضول	۶۵
♦	سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے نکاح	۶۶
♦	بیت اللہ کی تعمیر	۶۷
◆	وحی کا نزول	۷۰
◆	پریشانی	۷۳
♦	آغوش اسلام میں آنے والے اولین خوش نصیب	۷۳
♦	اشراف مکہ کی گھبراہٹ	۷۴
♦	سب سے پہلا مسلمان	۷۴
♦	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دارارقم میں	۷۶
♦	سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام	۷۶
◆	تین سالوں میں ایمان لانے والے	۷۷
◆	پہاڑی وعظ	۷۸
♦	پہاڑی وعظ کا اثر	۷۰
♦	قبول اسلام پر اذیتیں	۸۰
♦	قریش مکہ کی الجھن	۸۰
	سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام	۸۲
♦	سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام	۸۲
♦	طفیل بن عمر الدوسی رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام	۸۴
◆	ہجرت حبشہ اولیٰ	۸۵
♦	ہجرت حبشہ ثانیہ	۸۵
◆	قریش کی ابوطالب سے گفتگو	۸۹
◆	سوشل بائیکاٹ	۹۱
◆	غم کا سال	۹۴
♦	① ابوطالب موت کی آغوش میں	۹۴
♦	② سیدہ خدیجہ طاہرہ رضی اللہ عنہا کا انتقال	۹۴
◆	پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم طائف میں	۹۶
♦	طائف سے واپسی	۹۸
♦	مکہ میں داخلہ	۹۸
◆	دعوتی جدوجہد میں دوبارہ مصروفیت	۹۹
◆	اسراء اور معراج	۱۰۰
◆	اسلام مدینہ طیبہ میں	۱۰۲

Marfat.com

♦	سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکاح	۱۰۳
◆	بیعت عقبہ اولیٰ اور بیعت عقبہ ثانیہ	۱۰۴
♦	بیعت عقبہ اولیٰ	۱۰۴
♦	بیعت عقبہ ثانیہ	۱۰۵
♦	بارہ نقیب	۱۰۷
♦	معاہدے کا افشاء	۱۰۸
◆	ہجرت مدینہ کا آغاز	۱۰۹
♦	ہجرت میں رکاوٹ	۱۱۰
♦	مہاجرین کا ایثار	۱۱۰
◆	قریش کا ڈائریکٹ ایکشن	۱۱۱
◆	رسول اللہ ﷺ کی ہجرت مدینہ	۱۱۳
♦	رسول اللہ ﷺ مدینہ کی راہ پر	۱۱۵
♦	ام معبد کے ہاں قیام	۱۱۷
◆	مدینہ میں خوشی کی لہر	۱۱۹
◆	حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ میں	۱۲۱
♦	انصار مدینہ سے مواخات	۱۲۲
♦	مسجد نبوی کی تعمیر	۱۲۲
♦	نماز جنازہ کی جگہ	۱۲۳
♦	اذان کی ابتداء	۱۲۳
◆	میثاق مدینہ	۱۲۴
◆	سنہ ۲ ہجری، تحویل قبلہ اور غزوات کی ابتداء	۱۲۶
♦	اذنِ جہاد	۱۲۶
◆	غزوات وسرایا	۱۲۸
♦	غزوۂ بدر	۱۲۸
♦	لشکر قریش کی مکہ سے روانگی	۱۳۰
♦	مبارزت	۱۳۳
♦	مدینہ میں فتح کی خوش خبری	۱۳۵
♦	مکہ میں شکست کی خبر	۱۳۵
♦	رسول اللہ ﷺ کا مدینہ میں داخلہ	۱۳۶
♦	اسیران بدر سے معاملہ	۱۳۶
♦	سیدنا ابوالعاص رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام	۱۳۷
♦	غزوۂ بنی قینقاع	۱۳۷
♦	غزوۂ سویق	۱۳۹
◆	سنہ ۳ ھ	۱۴۰
♦	کعب بن اشرف یہودی کا قتل	۱۴۰
◆	غزوۂ احد	۱۴۲
♦	اسلامی لشکر کی صف بندی	۱۴۴
♦	قریش کے لشکر کی ترتیب و تنظیم	۱۴۵
♦	تیراندازوں کی بہادری	۱۴۶
♦	ایک خوفناک غلطی	۱۴۷
♦	ابوسفیان کا نعرہ	۱۵۱
♦	شہداء کی تجہیز و تکفین	۱۴۲
♦	شہداء کی تدفین کا مرحلہ	۱۳۵
♦	غزوۂ حمراء الاسد	۱۵۴
◆	سنہ ۴ ھ	۱۵۶
♦	سریہ ابوسلمہ رضی اللہ عنہ	۱۵۶
♦	سریہ عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ	۱۵۷
♦	حادثۂ رجیع	۱۵۷
♦	بئر معونہ کی لرزہ خیز داستان	۱۵۸
♦	بنونضیر کی جلاوطنی	۱۵۹
♦	غزوۂ بدر دوم	۱۶۱

Marfat.com

◆ سنہ ۵ھ	۱۶۳
◆ غزوۂ دومۃ الجندل	۱۶۳
◆ غزوۂ بنی المصطلق	۱۶۳
◆ پہلا واقعہ	۱۶۵
◆ واقعۂ افک کی تخلیق	۱۶۶
◆ غزوۂ احزاب	۱۶۸
◆ غزوۂ بنوقریظہ	۱۷۳
◆ سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی شہادت	۱۷۵
◆ سنہ ۶ھ	۱۷۶
◆ سریہ محمد رضی اللہ عنہ بن مسلمہ انصاری	۱۷۶
◆ غزوۂ بنولحیان	۱۷۷
◆ غزوۂ ذی قرد	۱۷۷
◆ معاہدۂ حدیبیہ	۱۷۹
◆ بیعت رضوان	۱۸۱
◆ بادشاہان عالم اور امراء کے نام خطوط	۱۸۴
◆ غزوۂ خیبر	۱۸۶
◆ قلعہ ناعم کی فتح	۱۸۷
◆ قلعہ صعب بن معاذ کی فتح	۱۸۹
◆ قلعہ زبیر کی فتح	۱۸۹
◆ قلعہ ابی کی فتح	۱۹۰
◆ قلعہ نزار کی فتح	۱۹۰
◆ وطیح اور سلالم کی فتح	۱۹۰
◆ سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا سے نکاح	۱۹۲
◆ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو زہر دینے کا واقعہ	۱۹۲
◆ یہود کے باقی مراکز	۱۹۳
◆ ① فدک	۱۹۳
◆ ② فتح وادی القریٰ	۱۹۳
◆ یہود کا انجام	۱۹۳
◆ غزوۂ ذات الرقاع	۱۹۴
◆ عمرۃ القضاء	۱۹۴
◆ سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام	۱۹۷
◆ معرکۂ موتہ	۱۹۸
◆ سریۂ ذات السلاسل	۲۰۲
◆ غزوۃ الفتح الاعظم	۲۰۲
◆ لشکر اسلام مکہ کی راہ پر	۲۰۵
◆ مرالظہران میں پڑاؤ	۲۰۵
◆ مرالظہران سے مکہ روانگی	۵۰۷
◆ اسلام ابی قحافہ رضی اللہ عنہ	۲۰۹
◆ اسلام سہیل رضی اللہ عنہ بن عمرو	۲۱۰
◆ اسلام صفوان رضی اللہ عنہ بن امیہ	۲۱۰
◆ مستورات سے بیعت	۲۱۰
◆ وفود سرایا	۲۱۱
◆ غزوۂ حنین	۲۱۳
◆ غزوۂ طائف	۲۱۷
◆ مال غنیمت کی تقسیم	۲۱۸
◆ بنوہوازن کے وفد کی آمد	۲۱۹
◆ سنہ ۹ھ	۲۲۱
◆ عمال کی روانگی	۲۲۱
◆ سریۂ علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب	۲۲۱
◆ کعب بن زہیر کا قبول اسلام	۲۲۲
◆ غزوۂ تبوک	۲۲۳
◆ چندے کی اپیل	۲۲۴
◆ تبوک روانگی	۲۲۶
◆ واپسی	۲۲۷

Marfat.com

♦ مخلفین (پیچھے رہ جانے والے)	۲۲۸
♦ ابوبکر رضی اللہ عنہ پہلے امیر الحج	۲۲۹
◆ عام الوفود	۲۳۱
♦ وفد ہوازن	۲۳۱
♦ وفد بنوثقیف	۲۳۲
♦ وفد عبدالقیس	۲۳۳
♦ وفد بنوحنیفہ	۲۳۳
♦ وفد اشعریین	۲۳۴
♦ وفد ہمدان	۲۳۴
♦ وفد تجیب	۲۳۵
♦ وفد نجران	۲۳۵
◆ حجۃ الوداع	۲۳۷
♦ خطبۂ غدیر خم	۲۴۲
♦ جیش اسامہ رضی اللہ عنہ	۲۴۳
◆ رفیق اعلیٰ کی طرف	۲۴۵
♦ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی امامت	۲۴۷
♦ بیکراں اضطراب	۲۴۹
♦ تاسیس خلافت	۲۵۱
♦ تجہیز و تکفین اور تدفین	۲۵۲
◆ خلافت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفۂ رسول	۲۵۳
♦ نام ونسب	۲۵۳
♦ قبول اسلام	۲۵۴
♦ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا قریش کے ظلم وستم سے غلاموں کو نجات دلانا	۲۵۵
♦ ہجرت حبشہ کا ارادہ	۲۵۶
♦ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد میں	۲۵۶
♦ ہجرت مدینہ منورہ	۲۵۷
♦ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی علالت	۲۶۱
♦ مواخات	۲۶۲
♦ تعمیر مسجد	۲۶۲
♦ غزوات	۲۶۲
♦ غزوۂ بدر	۲۶۳
♦ غزوۂ احد	۲۶۴
♦ غزوۂ خندق	۲۶۵
♦ غزوۂ بنی المصطلق	۲۶۵
♦ غزوۂ خیبر	۲۶۷
♦ فتح مکہ	۲۶۷
♦ غزوۂ حنین	۲۶۷
♦ غزوۂ طائف	۲۶۸
♦ غزوۂ تبوک	۲۶۹
♦ امارت حج	۲۶۹
♦ حجۃ الوداع	۲۶۹
♦ وفات نبویؐ اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ	۲۷۰
♦ سقیفہ بنی ساعدہ	۲۷۲
♦ بیعت عامہ	۲۷۳
♦ مخلفین	۲۷۴
♦ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا استحقاق خلافت	۲۷۵
♦ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور وراثت رسول صلی اللہ علیہ وسلم	۲۷۵
♦ سیدنا ابوبکر کا استحقاق خلافت	۲۸۰
◆ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ خلیفہ اسلام کی حیثیت سے	۲۸۵

Marfat.com

♦ جیش اسامہ رضی اللہ عنہ کی روانگی	۲۸۵
♦ مرتدین کی سرکوبی	۲۸۷
♦ مدعیان نبوت کا استیصال	۲۸۷
♦ منکرین زکوٰۃ	۲۸۹
♦ جمع القرآن	۲۸۹
♦ جمع القرآن کی حقیقت	۲۹۰
♦ فتوحات	۲۹۲
♦ عراق کی مہم	۲۹۴
♦ حیرہ کی فتح	۲۹۶
♦ عین التمر کی فتح	۲۹۶
♦ دومۃ الجندل کی فتح	۲۹۷
♦ ایرانیوں اور اہل عراق کی بغاوت	۲۹۷
♦ فتوحات شام	۲۹۹
♦ معرکۂ اجنادین	۳۰۱
♦ عراق کی بغاوت	۳۰۲
♦ وفات	۳۰۴
♦ خدمات	۳۰۸
♦ نظام حکومت	۳۰۸
♦ ملکی نظم ونسق	۳۰۹
♦ عہدہ داران کا احتساب	۳۱۳
♦ فوجی نظام	۳۱۴
♦ فوجی چناؤ میں احتیاط	۳۱۴
♦ اسلحہ کی فراہمی	۳۱۵
♦ فوج کی اخلاقی تربیت	۳۱۵
♦ فوجی مراکز کا معائنہ	۳۱۶
♦ مالی نظام	۳۱۶
♦ ① زکوٰۃ	۳۱۶
♦ ② لگان اجارہ	۳۱۷
♦ ③ خراج	۳۱۷
♦ ④ جزیہ	۳۱۷
♦ مصارف	۳۱۷
♦ اہل بیت کے مالی حقوق کی ادائیگی	۳۱۸
♦ دینی خدمات	۳۱۹
♦ اصلاح عقائد	۳۱۹
♦ بدعات کا سدباب	۳۱۹
♦ خدمت قرآن وحدیث	۳۱۹
♦ محکمۂ افتا	۳۲۰
♦ اشاعت اسلام	۳۲۰
♦ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلقین کا خیال	۳۲۱
♦ علمی کمالات	۳۲۳
♦ علم القرآن	۳۲۳
♦ علم الحدیث	۳۲۴
♦ قیاس واجتہاد	۳۲۴
♦ تعبیر رؤیا	۳۲۵
♦ علم الانساب	۳۲۵
♦ ایام العرب	۳۲۶
♦ تقریر وخطابت	۳۲۷
♦ عادات واخلاق	۳۲۸
♦ تقویٰ وطہارت	۳۲۸
♦ خوف خدا	۳۳۰
♦ زہد وورع	۳۳۰
♦ تواضع	۳۳۱
♦ فقر ودرویشی	۳۳۲
♦ انفاق فی سبیل اللہ	۳۳۲

Marfat.com

♦ شجاعت وبہادری	۳۳۳
◆ ذاتی حالات	۳۳۵
♦ لباس وغذا	۳۳۵
♦ ذریعۂ معاش	۳۳۵
♦ حلیہ	۳۳۶
♦ ازواج واولاد	۳۳۶
♦ اولیات	۳۳۸
◆ خلافت سیدنا عمر بن الخطاب، فاروق اعظم رضی اللہ عنہ	۳۳۹
♦ نام ونسب	۳۳۹
♦ اسلام سیدنا عمر رضی اللہ عنہ	۳۴۰
♦ ہجرت	۳۴۵
♦ مواخات	۳۴۶
♦ غزوات	۳۴۷
♦ غزوۂ احد	۳۴۸
♦ سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کا نکاح	۳۴۹
♦ غزوۂ خندق	۳۵۰
♦ عمرۃ الحدیبیہ	۳۵۱
♦ غزوۂ خیبر	۳۵۳
♦ فتح مکہ	۳۵۳
♦ ایلاء اور تخییر	۳۵۴
♦ غزوۂ حنین اور غزوۂ تبوک	۳۵۶
♦ علالت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم	۳۵۶
♦ ایک شبہہ کا ازالہ	۳۵۷
♦ وفات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم	۳۵۸
♦ سقیفہ بنی ساعدہ کا اجتماع	۳۵۸
♦ خلافت صدیقی اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ	۳۵۹
◆ فتوحات	۳۶۱
♦ فتوحات عراق	۳۶۱
♦ جنگ بویب	۳۶۳
♦ مفتوحہ علاقوں میں بغاوت	۳۶۳
♦ مسلمانوں کی تیاریاں	۳۶۳
♦ فتح مدائن	۳۷۰
♦ معرکۂ جلولاء	۳۷۳
♦ حلوان پر قبضہ	۳۷۴
♦ جزیرہ اور تکریت پر قبضہ	۳۷۵
♦ خوزستان اور دیگر علاقوں پر قبضہ	۳۷۵
♦ معرکۂ نہاوند	۳۷۷
♦ عام لشکر کشی	۳۷۸
♦ خراسان کی فتح	۳۸۰
◆ شام کی فتوحات	۲۸۲
♦ حمص کی فتح	۳۸۳
♦ بیت المقدس کی مہم	۳۸۶
♦ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کی معزولی	۳۸۶
♦ طاعون عمواس	۳۸۷
♦ مصر کی فتوحات	۳۸۸
♦ شہادت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ	۳۸۹
♦ ازواج واولاد	۳۹۱
♦ فاروقی خدمات	۳۹۲
♦ اسلامی نظام حکومت کا قیام	۳۹۲
♦ احتساب	۳۹۵
♦ زرعی اصلاحات	۳۹۷
♦ ترقیاتی کام	۳۹۸

Marfat.com

♦ فوجی اصلاحات	۴۰۰
♦ عدلیہ	۴۰۳
♦ محاصل	۴۰۴
♦ بیت المال کا قیام	۴۰۷
♦ دینی خدمات	۴۰۹
♦ مسجد الحرام اور مسجد نبوی ﷺ کی توسیع	۴۱۲
♦ عدل فاروقی	۴۱۲
♦ رعایا کی خبر گیری	۴۱۴
♦ علم وادب میں فضل وکمال	۴۱۵
♦ اخلاق وعادات	۴۱۷
♦ خشیت الٰہی	۴۱۷
♦ حب رسول	۴۱۸
♦ متعلقین رسالت ﷺ کا احترام	۴۱۹
♦ زہد وقناعت	۴۲۲
♦ تشدد وترحم	۴۲۴
♦ رفاہ عام	۴۲۵
♦ غیرت	۴۲۶
♦ خانگی زندگی	۴۲۷
♦ خلافت سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ	۴۲۹
♦ نام ونسب	۴۲۹
♦ لقب	۴۲۹
♦ خاندان	۴۳۰
♦ بنوامیہ مخالفت اور موافقت کے روپ میں	۴۳۰
♦ اسلامی اسٹیٹ اور بنوامیہ	۴۳۱
♦ قبول اسلام	۴۳۳
♦ دامادیٔ رسول ﷺ کا اعزاز	۴۳۳
♦ دامادیٔ رسول ﷺ کے منکرین	۴۳۴
♦ پہلی ہجرت	۴۳۴
♦ دوسری ہجرت	۴۳۵
♦ مدینہ میں قیام	۴۳۵
♦ بئر رومہ کا وقف	۴۳۶
♦ خلافت سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور غزوات نبویؐ	۴۳۷
♦ غزوۂ بدر اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ	۴۳۷
♦ غزوۂ احد اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ	۴۳۷
♦ غزوۂ ذات الرقاع اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ	۴۳۸
♦ معاہدۂ حدیبیہ اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ	۴۳۸
♦ غزوۂ تبوک اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ	۴۴۰
♦ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور عہد صدیقی	۴۴۱
♦ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور عہد فاروقی	۴۴۱
♦ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ ایک خلیفہ کی حیثیت سے	۴۴۳
♦ فتوحات	۴۴۶
♦ آذربائیجان کی فتح	۴۴۷
♦ رے پر فوج کشی	۴۴۷
♦ اسکندریہ کی فتح	۴۴۷
♦ افریقہ کی فتح	۴۴۸
♦ سبیطلہ کی فتح	۴۵۱
♦ اندلس کی فتح	۴۵۱
♦ قبرص کی فتح	۴۵۲
♦ فارس کی بغاوت	۴۵۳
♦ قیصر روم کے بحری بیڑے کو شکست	۴۵۴
♦ کسریٰ فارس کی ہلاکت	۴۵۵
♦ فتنہ کی لہریں	۴۵۸

Marfat.com

♦ فتنہ کے اسباب	۴۵۹
♦ عبداللہ بن سباء.....قائد تحریک	۴۶۴
♦ عبداللہ ابن سباء کا حدود اربعہ	۴۶۵
♦ بصرہ میں فتنے کی ابتداء	۴۶۶
♦ کوفہ میں داخلہ	۴۶۶
♦ سبائی تحریک کے اغراض ومقاصد	۴۶۷
♦ صحابہ زادوں کی تخریبی سرگرمیاں	۴۶۸
♦ ① محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ	۴۶۸
♦ ② محمد بن ابی حذیفہ رضی اللہ عنہ	۴۶۹
♦ سیدنا ابوذر غفاریؓ کا نظریۂ معیشت	۴۶۹
♦ گورنروں کی مجلس مشاورت	۴۷۲
♦ کوفہ میں انقلاب کی لہریں	۴۷۲
♦ تحقیقاتی کمیشن	۴۷۳
♦ گشتی مراسلہ	۴۷۴
♦ مدینہ پر پہلی یورش	۴۷۵
♦ باغیوں کی دوسری یورش	۴۷۶
♦ باغیوں کی تیسری یورش	۴۷۸
♦ کیا کوئی خط لکھا گیا تھا؟	۴۸۰
♦ معزولی پر اصرار	۴۸۱
♦ شہادت کی تیاری	۴۸۲
♦ شہادت کے بعد	۴۸۴
♦ شہادت عثمان رضی اللہ عنہ کے نقصانات	۴۸۴
♦ شہادت عثمانؓ پر صحابہؓ کے تاثرات	۴۸۶
♦ قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ کا انجام	۴۸۷
♦ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے گورنر اور عہدیدار	۴۹۰
♦ عثمانی دور خلافت	۴۹۲
♦ نظم مملکت	۴۹۲
♦ عمال سے احتساب	۴۹۲
♦ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے موافقت	۴۹۳
♦ جوہر قابل کا انتخاب	۴۹۳
♦ اصلاحات	۴۹۴
♦ رفاہ عام کے کام	۴۹۴
♦ روزینوں میں اضافہ	۴۹۵
♦ کنویں	۴۹۵
♦ سرائیں	۴۹۵
♦ جنت البقیع کی توسیع	۴۹۶
♦ مسجد الحرام کی توسیع	۴۹۶
♦ مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی توسیع	۴۹۶
♦ اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کو مدینہ سے باہر آباد ہونے کی اجازت	۴۹۷
♦ محکمہ افتاء وقضاء	۴۹۷
♦ فوجی اصلاحات	۴۹۷
♦ فوجی مراکز	۴۹۷
♦ تنخواہوں میں اضافہ	۴۹۸
♦ فوجی چراگاہیں	۴۹۸
♦ بحری بیڑا	۴۹۹
♦ دینی خدمات	۴۹۹
♦ قرآنی تعلیم کا انتظام	۵۰۰
♦ جمع القرآن	۵۰۰
♦ فضائل ومناقب	۵۰۳
♦ فضل وکمال	۵۰۶
♦ کتابت وحی	۵۰۶
♦ کثرت تلاوت	۵۰۶
♦ روایت حدیث	۵۰۷

Marfat.com

♦ اجتہاد	۵۰۷
♦ علم الفرائض والمناسک	۵۰۸
♦ شعروشاعری	۵۰۸
♦ اخلاق وعادات	۵۰۹
♦ خوف خدا	۵۰۹
♦ محبت رسول ﷺ	۵۱۰
♦ آلِ نبوت ﷺ کا احترام	۵۱۰
♦ اتباع سنت	۵۱۰
♦ حیاء	۵۱۱
♦ تواضع	۵۱۱
♦ ایثار	۵۱۲
♦ امانت ودیانت	۵۱۲
♦ صبر وتحمل	۵۱۲
♦ زہد واتقاء	۵۱۲
♦ جود وسخا	۵۱۳
♦ صلہ رحمی	۵۱۳
◆ ذاتی حالات	۵۱۵
♦ شکل وصورت	۵۱۵
♦ لباس	۵۱۵
♦ مکان	۵۱۶
♦ ذرائع معاش	۵۱۶
♦ عبادت	۵۱۷
◆ ازواج واولاد	۵۱۸
♦ ازواج	۵۱۸
♦ ① سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا بنت رسول اللہ ﷺ	۵۱۸
♦ ② سیدہ ام کلثوم بنت رسول اللہ ﷺ	۵۱۸
♦ ③ فاختہ بنت غزوان	۵۱۸
♦ ④ ام عمرو بنت جندب دوسیہ	۵۱۹
♦ ⑤ فاطمہ بنت ولید المخزومیہ	۵۱۹
♦ ⑥ ام البنین بنت عیینہ فزاریہ	۹۱۵
♦ ⑦ رملہ بنت شیبہ بن ربیعہ	۹۱۵
♦ ⑧ نائلہ بنت فراضہ کلبیہ	۹۱۵
◆ اولاد	۵۲۰
♦ ① عبداللہ بن عثمان رضی اللہ عنہ	۵۲۰
♦ ② ابان بن عثمان رضی اللہ عنہ	۵۲۰
♦ ③ عمرو بن عثمان رضی اللہ عنہ	۵۲۰
♦ ④ عمر بن عثمان رضی اللہ عنہ	۵۲۱
♦ ⑤ سعید بن عثمان رضی اللہ عنہ	۵۲۱
◆ خلافت سیدنا علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب	۵۲۲
♦ نام ونسب	۵۲۲
♦ خاندان	۵۲۲
♦ ابوطالب	۵۲۳
♦ ابوطالب کی اولاد	۵۲۴
◆ سیدنا علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب	۵۲۶
♦ رسول اللہ ﷺ کی کفالت	۵۲۶
♦ اسلام	۵۲۶
♦ سب سے پہلا مسلمان	۵۲۷
♦ اسلام کی معاونت کا اعلان	۵۲۸
♦ دعوت اسلامی کا پھیلاؤ	۵۲۸
♦ سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور ہجرت	۵۲۹
♦ مسجد نبوی ﷺ کی تعمیر میں حصہ	۵۳۱
♦ ہجرت مدینہ کے بعد	۵۳۱
♦ مواخات	۵۳۲

Marfat.com

♦ غزوۂ بدر اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ	۵۳۲
♦ ذوالفقار علی رضی اللہ عنہ	۵۳۳
♦ دامادیٔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم	۵۳۴
♦ غزوۂ احد اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ	۵۳۵
♦ غزوۂ خندق اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ	۵۳۶
♦ غزوۂ بنو قریظہ اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ	۵۳۷
♦ صلح حدیبیہ	۵۳۸
♦ غزوۂ خیبر اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ	۵۳۹
♦ فتح مکہ اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ	۵۴۱
♦ یمن کو روانگی	۵۴۲
♦ غزوۂ حنین اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ	۵۴۲
♦ غزوۂ تبوک اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ	۵۴۳
♦ سورہ برأت کی آیات کا اعلان	۵۴۵
♦ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی یمن روانگی	۵۴۵
♦ حجۃ الوداع اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ	۵۴۵
♦ غدیر خم	۵۴۶
♦ سانحۂ جانکاہ	۵۴۸
◆ سیدنا علی رضی اللہ عنہ وفات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد	۵۴۹
♦ سیدنا علی رضی اللہ عنہ عہد صدیق میں	۵۴۹
♦ میراث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ	۵۵۰
♦ سیدنا علی رضی اللہ عنہ عہد فاروقی میں	۵۵۱
♦ سیدنا علی رضی اللہ عنہ عہد عثمانی میں	۵۵۳
◆ سیدنا علی رضی اللہ عنہ خلیفۃ المسلمین کی حیثیت سے	۵۵۷
♦ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا پہلا خطبہ	۵۵۸
♦ مدینہ طیبہ کی حالت	۵۵۸
♦ بصرہ کی روانگی	۵۶۰
♦ گورنر بصرہ سے بات چیت	۵۶۰
♦ جنگ جمل	۵۶۲
♦ ام المومنینؓ کے وفادار بیٹے	۵۶۴
♦ سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ اور سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ کی شہادت	۵۶۴
♦ جنگ جمل کے مقاصد	۵۶۵
♦ جنگ جمل کے نتائج	۵۶۶
◆ جنگ صفین	۵۶۷
♦ ملکی انتظامیہ میں تبدیلی	۵۶۷
♦ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی معزولی اور اس کا ردعمل	۵۶۸
♦ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے مصالحت کی کوشش	۵۷۰
♦ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی جوابی کارروائی	۵۷۰
♦ مصالحت کی ایک اور کوشش	۵۷۱
♦ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی شام روانگی	۵۷۲
♦ میدان جنگ میں مصالحت کی کوشش	۵۷۳
♦ جنگ کا دوبارہ آغاز	۵۷۴
♦ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے لشکر میں انتشار	۵۷۶
♦ سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کا قتل	۵۷۶
♦ جنگ صفین کے مقتولین	۵۷۸
◆ تحکیم	۵۷۹
♦ فیصلۂ تحکیم	۵۹۰
♦ خوارج اور جنگ نہروان	۵۸۲
♦ مصر پر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا قبضہ	۵۸۲
♦ بغاوتوں کی سرکوبی	۵۸۳

Marfat.com

♦ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا استعفیٰ	۵۸۴
♦ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح	۵۸۴
♦ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی شہادت	۵۸۴
◆ اصلاحات	۵۸۷
♦ نظم مملکت	۵۸۷
♦ محاصل میں اصلاحات	۵۸۷
♦ رعایا سے حسن سلوک	۵۸۸
♦ عمال حکومت کا احتساب	۵۸۸
♦ عسکری انتظامات	۵۸۹
♦ دینی خدمات	۵۸۹
♦ علم وفضل	۵۸۹
♦ علم القرآن	۵۹۰
♦ علم الحدیث	۵۹۰
♦ علم الفقہ	۵۹۱
♦ تقریر وشاعری	۵۹۳
◆ اخلاق وعادات	۵۹۵
♦ اعتراف حق	۵۹۵
♦ دیانت وامانت	۵۹۶
♦ زہد اور سادگی	۵۹۶
♦ انفاق فی سبیل اللہ	۵۹۷
♦ عبادت	۵۹۸
♦ شجاعت وبسالت	۵۹۸
♦ خانگی زندگی	۵۹۹
♦ ازواج واولاد	۶۰۰
◆ سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہ	۶۰۳
♦ نام رکھنا	۶۰۴
♦ عقیقہ	۶۰۴
♦ آل نبوت صلی اللہ علیہ وسلم پر صدقہ جائز نہیں	۶۰۵
♦ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت وشفقت	۶۰۵
♦ صحابہ کرام صلی اللہ علیہ وسلم کی سیدنا حسن رضی اللہ عنہ سے محبت وشفقت	
♦ آیت تطہیر اور سیدنا حسن رضی اللہ عنہ	۶۱۰
♦ دعوت مباہلہ میں سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی شرکت	۶۱۷
◆ خلافت صدیقی اور سیدنا حسن رضی اللہ عنہ	۶۲۰
◆ خلافت فاروقی اور سیدنا حسن رضی اللہ عنہ	۶۲۲
◆ خلافت عثمانی اور سیدنا حسن رضی اللہ عنہ	۶۲۳
♦ افریقہ اور طرابلس کی جنگ	۶۲۳
♦ خراسان اور طبرستان وغیرہ کی جنگوں میں شرکت	۶۲۶
♦ حضرات حسنین رضی اللہ عنہما کے ہاتھوں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی حفاظت	۶۲۷
♦ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کا سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی مدافعت میں زخمی ہونا	۶۲۹
♦ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی تدفین میں شرکت	۶۳۱
خلافت علوی اور سیدنا حسن رضی اللہ عنہ	۶۳۲
♦ جنگ جمل کے اثرات اور سیدنا حسن رضی اللہ عنہ	۶۳۸
♦ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی حجاز روانگی	۶۳۸
♦ جنگ صفین اور سیدنا حسن رضی اللہ عنہ	۶۳۹
♦ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی ندامت	۶۴۰
♦ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی شہادت اور استخلاف سیدنا حسن رضی اللہ عنہ	۶۴۱

Marfat.com

◆ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کا عہد خلافت	۶۴۵
◆ مبارک بادی پر طلاق	۶۴۵
◆ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ سے مشورہ	۶۴۹
◆ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے صلح کی پیشکش	۶۵۱
◆ شرائط صلح	۶۵۴
◆ دست برداری کا اعلان	۶۵۷
◆ مخالفت کا طوفان	۶۶۱
◆ اعتراضات کے جوابات	۶۶۴
◆ اجتماع امت	۶۶۵
◆ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کا ایک عظیم کارنامہ	۶۶۷
◆ عراق سے مدینۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم آمد	۶۶۸
◆ مدینہ منورہ میں آپ کے مشاغل	۶۷۰
◆ وفات	۶۷۱
◆ جنازہ	۶۷۵
◆ ایک غلط روایت	۶۷۶
◆ فضل وکمال	۶۷۸
◆ خطابت	۶۸۰
◆ حلم وبردباری	۶۸۰
◆ استغنا	۶۸۲
◆ سخاوت وفیاضی	۶۸۲
◆ زہد وتقویٰ	۶۸۴
◆ اکابر کی شفقت ومحبت	۶۸۵
◆ سیاہ خضاب لگانا	۶۸۶
◆ انگوٹھی کا پہننا	۶۸۶
◆ حقوق کی ادائیگی	۶۸۷
◆ دعوت کو قبول کرنا	۶۸۷
◆ اصلاح عقائد	۶۸۸
◆ عبادت الٰہی میں مصروفیت	۶۸۸
◆ حج بیت اللہ	۶۸۹
◆ فضائل	۶۹۰
◆ فضائل کے دوسرے زاویے	۶۹۰
◆ اہل جنت کے نوجوانوں کے سردار	۶۹۲
◆ ازواج واولاد	۶۹۳
◆ ازواج	۶۹۳
◆ اولادِ ذکور	۶۹۴
◆ اولادِ اناث	۶۹۵
◆ کیا خلافت راشدہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی وفات کے ساتھ ختم ہوگئی؟	۶۹۵
◆ باپ کے بعد بیٹے کا خلیفہ ہونا	۷۱۲

Marfat.com

Marfat.com

پیش آہنگ

تاریخ:

تاریخ ایک ضروری اور مفید علم ہے جس سے ہم دنیا کی مختلف قوموں کے حالات معلوم کر سکتے ہیں، اور ان کی ترقی اور تنزل کی داستانوں سے آشنائی حاصل کر سکتے ہیں۔ اس علم کے ذریعے بادشاہوں، فاتحوں اور نبیوں وغیرہ کے حالات سے واقف ہو سکتے ہیں۔ اس کے ذریعے ہم گذشتہ اقوام کی معاشرت، تہذیب وتمدن اور اخلاق وغیرہ سے بھی واقفیت حاصل کر سکتے ہیں۔ واقعات تاریخ اور پچھلوں کو پہلوں سے سن کر واقعات کو اکٹھا کرنے اور اپنے سے پیچھے آنے والوں کی عبرت اور نصیحت کے لیے بطور نمونہ چھوڑ جانے کو تاریخ کہتے ہیں۔ تاریخ کے پڑھنے سے پتا چلتا ہے کہ ایک قوم کس طرح آسمان عزت کا ستارہ بن کر چمکی اور دوسری قوم کس طرح ادبار وتنزل کے گرداب میں ہچکولے کھا کر تشتت وافتراق کا شکار ہوئی۔ اس کو پڑھنے سے ترقی یافتہ قوموں کی عادات واطوار اپنے اندر پیدا کر کے ترقی کی منزلیں طے کی جا سکتی ہیں اور تنزل شدہ قوموں کے غلط اقدام سے اجتناب کر کے ادبار وتنزل سے بچا جا سکتا ہے۔ تاریخ کے مطالعہ سے جہاں ہمارا تجربہ بڑھتا ہے وہاں ہماری معلومات میں بھی زیادتی ہوتی ہے اور ہم نہ صرف اپنی بلکہ اپنے ملک وقوم کی زندگی کو بہتر اور شاندار بنا سکتے ہیں۔

تاریخ کا مطالعہ ہمارے دل ودماغ میں ایک بابرکت جوش پیدا کر دیتا ہے کیونکہ جب ہم اپنے بزرگوں اور گذشتہ لوگوں کے کارناموں سے واقف ہوتے ہیں تو ہمارے اندر ایک خاص قسم کی خواہش اور پیاس پیدا ہوتی ہے کہ گذشتہ قوموں کے حالات وواقعات کا مطالعہ اور ان کے ممالک اور کوہ وصحرا اور ان کے کھنڈرات کی سیاحت کی جائے۔ تاریخ کا مطالعہ آدمی کو حوصلہ مند بناتا اور اس کی ہمت بندھاتا ہے، اسے نیکیوں کی ترغیب اور برائیوں سے روکتا ہے۔ آدمی کی بصیرت ودانش میں اضافہ اور دور اندیشی میں ترقی اور اس میں حزم واحتیاط کی عادت پیدا ہوتی ہے۔ اس کے دل سے رنج وغم دور ہو کر خوشی اور مسرت میسر آتی ہے، قوت فیصلہ بڑھتی ہے اور احقاق حق اور ابطال باطل کی قوت میں اضافہ ہوتا ہے۔ صبر واستقلال کی صفت پیدا ہوتی ہے اور دل ودماغ میں ہر وقت تازگی اور نشوونما کی کیفیت موجود رہتی ہے۔ مختصر یہ کہ تاریخ کا مطالعہ ہزاروں واعظوں کا ایک وعظ اور گذشتہ واقعات

Marfat.com

سے عبرت آموزی کا ایک بہترین ذریعہ ہے۔ تاریخ کا مطالعہ کرنے والا انسان ہر وقت اپنے آپ کو بادشاہوں، فاتحوں اور باکمال لوگوں کی مجلس میں موجود سمجھتا ہے اور ان تمام لوگوں کے علم و دانش سے استفادہ کرتا ہے۔ ان لوگوں سے جو جو غلطیاں سرزد ہوئیں جن کی وجہ سے ان کو نقصان پہنچا اور ان کی شخصیتیں مجروح ہوئیں، ان غلطیوں سے اپنے کو محفوظ رکھنے کی کوشش کرتا ہے۔ علم تاریخ کے مقابلے میں اور کوئی علم ایسا نہیں جس سے آدمی کو اس قدر مسرت و شادمانی حاصل ہو۔

انسان کی عادت اور فطرت میں یہ ہے کہ جب اس کی زندگی میں کوئی بڑا اور اہم واقعہ پیش آتا ہے تو وہ اسے ہمیشہ یاد رکھنے کی کوشش کرتا ہے بلکہ اپنی روزمرہ کی زندگی کے چھوٹے چھوٹے واقعات کو بھی اس کی طرف نسبت دے کر یاد رکھنے کی کوشش کرتا ہے جیسے سرکار دو عالم ﷺ کی پیدائش سے قبل مکہ مکرمہ پر ابرہہ نے ہاتھیوں سے حملہ کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے ابرہہ کے اس لشکر کو ابابیل پرندوں کے ایک جھنڈ کے ذریعے نیست و نابود کر دیا۔ یہ ایک بہت اہم واقعہ تھا۔ اب اس کے بعد جس قدر واقعات ہوئے ان کی نسبت یہ کہنا شروع کیا گیا کہ فلاں واقعہ عام الفیل سے اتنے سال یا اتنے ماہ پہلے یا بعد میں ہوا، جیسا کہ مؤرخین اور سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ کی پیدائش عام الفیل سے پچاس یا پچپن روز بعد ہوئی یا فلاں واقعہ عام الفیل سے اتنے دن یا اتنے ماہ قبل ہوا۔ اس طرح ان واقعات کو ایک بڑے واقعہ کی طرف نسبت دینے سے تاریخ کی بنیاد پڑی اور اس طرح آہستہ آہستہ بڑے ملکوں اور قوموں کی تاریخ تیار ہوگئی۔

واقعات کی حفاظت بذریعہ تاریخ:

جس قوم کو اپنے تاریخی حالات سے پوری طرح آگاہی اور آشنائی ہوتی ہے، اس کے قومی امتیازات اور خصوصیات بھی محفوظ رہتی ہیں، اور اس کے یہ تاریخی واقعات قوم کے افراد کا کسی میدان اور کسی مقابلہ میں دل نہیں ٹوٹنے دیتے بلکہ وہ افراد کو مجبور کرتے ہیں کہ وہ کمر ہمت کس کر حالات کا مقابلہ کریں اور اپنے کھوئے ہوئے کمالات اور مقام کو دوبارہ حاصل کریں۔ وہ شخص جو اپنے باپ دادا اور بزرگوں کے حالات سے ناآشنا اور بے خبر ہے، وہ موقع پا کر کسی معاملے میں خیانت کا مرتکب ہو سکتا ہے، لیکن جو اس بات سے باخبر ہے کہ میرے فلاں بزرگ نے فلاں موقع پر لاکھوں روپے کی پروا نہ کر کے دیانت و امانت کو ہاتھ سے نہ جانے دیا اور نہ صرف اپنی قوم میں بلکہ ہر قوم اور ملک میں ناموری حاصل کی، وہ کسی صورت بھی خیانت اور غداری کر کے اپنے بزرگوں کا نام ضائع نہیں کرے گا بلکہ اپنی آئندہ آنے والی نسلوں کے لیے بھی اپنی ایک اچھی مثال قائم کرے گا۔ اسی طرح جو شخص اپنے باپ دادا کے بارے میں یہ جان لے گا کہ انہوں نے فلاں فلاں معرکہ میں اپنی جان کو معرض ہلاکت میں ڈال کر میدان کارزار سے منہ نہیں موڑا تھا اور دشمن کو پیٹھ نہیں دکھائی تھی، اور اس طرح انہوں نے قوم اور ملک میں عزت و شہرت حاصل کی تھی، وہ بھی موقع آنے پر میدان جنگ سے کبھی

Marfat.com

نہیں بھاگے گا اور اگر کسی سخت جان موقع پر فرار کا خیال دل میں آتے ہی اس کے باپ دادا کے کارناموں کی یاد اس کے پاؤں کی زنجیر ہو جائے گی اور وہ کبھی بھاگ نہ سکے گا۔ اسی طرح صدق مقال، سخاوت اور دوسرے اخلاق فاضلہ کو قیاس کیا جا سکتا ہے۔ گویا بزرگوں کے حالات سے باخبر رہنا اور آشنائی حاصل کرنا دنیا میں امن اور قوموں میں تازہ روح پیدا کر سکتا ہے۔

تاریخ میں اچھے آدمیوں کی اچھائیاں اور خوبیاں اور برے آدمی کی برائیاں لکھی جاتی ہیں کیونکہ مؤرخ کسی کا لحاظ تو کرتا نہیں۔ اس لیے ایک ایسے شخص کو جس کے بزرگوں کی تاریخ میں برائیاں مندرج ہوں گی، اس کو تاریخ سے بہت کم محبت ہو سکتی ہے، لیکن اس کے برعکس ایسے لوگ جن کے بزرگوں یا قائدین نے اپنے وقت میں نیکی کے کام کیے یا شجاعت و بہادری کے کارہائے نمایاں انجام دیئے، وہ اپنے بزرگوں کے کارہائے نمایاں یاد رکھنے کے لیے تاریخ سے محبت کرتے ہیں اور اپنے بزرگوں کے ان کارناموں کی تشہیر کرتے ہیں جن کی وجہ سے انہوں نے دنیا میں نام کمایا، لیکن رذیل قومیں امتدادِ زمانہ کے باعث اپنے بزرگوں اور قائدین کے اچھے اور شاندار کارناموں کو بھی یک قلم فراموش کر دیتی ہیں۔ کسی خاندان یا قوم کو جس کے باپ دادا نے عبادت و ریاضت، جوان مردی و بہادری، علم و ہنر اور جاہ و حشمت وغیرہ میں خصوصی امتیاز حاصل کیا ہو اور وہ اس کو بالکل فراموش نہ کر چکے ہوں، تو ان کو بزرگوں کے کارہائے نمایاں یاد دلا کر ان میں عزم و ہمت اور غیرت و حمیت پیدا کر سکتے ہیں، لیکن رذیل لوگوں میں ایسا کام کرنا نہ صرف محال بلکہ ناممکن ہے کیونکہ رذالت نے ان کے نفس کو پامال کر دیا ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علم تاریخ کا شوق رکھنے والے اکثر شریف القوم، عالی نسب، بزرگ زادے اور نیک لوگ ہوتے ہیں۔ کوئی کمینہ اور رذیل خاندان کا آدمی، یا کوئی بزدلی میں شہرت رکھنے والا، دنیا میں اعلیٰ درجہ کا مؤرخ اور تاریخ کا امام نہیں گزرا۔

پھر تاریخ لکھنے والے ایک مؤرخ کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ غیر متعصب ہو، سالم العقیدہ اور پاک مذہب ہو، اور جو کچھ وہ لکھے وہ حالات کی صحیح تصویر کشی ہو، وہ نہ کسی واقعہ کو چھپائے اور نہ اس میں افراط و تفریط سے کام لے۔ جہاں کہیں کم فہم اور غبی لوگوں کے ٹھوکر کھانے اور غلط فہمی میں پڑنے کا اندیشہ ہو، وہاں اس واقعہ کے بارے میں اپنی طرف سے تشریح کر دینا اور حقیقت کو سمجھا دینا جائز اور اچھا ہے، لیکن اس واقعہ کی تشریح غیر جانب دار ہو کر کرے، اپنے نظریے اور اپنی رائے کو اس میں ٹھونسنے کی کوشش نہ کرے۔ مؤرخ کے لیے یہ بھی نہایت ضروری ہے کہ وہ نہ تو کسی کی خوشامد کرے اور نہ ہی کسی سے عداوت رکھے۔ واقعہ کو بیان کرتے وقت عبارت سادہ اور بے ساختہ ہونی چاہیے۔ تکلفات اور قافیہ بندی میں اکثر و بیشتر تاریخ کا مدعا فوت ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جو تاریخیں نظم میں لکھی گئی ہیں وہ عموماً پایۂ اعتبار سے ساقط ہیں جیسے شاہنامۂ ایران جو فردوسی نے لکھا۔ ایک تو رستم و سہراب کا قصہ ایک فرضی داستان ہے۔ یہ رستم کوئی پہلوان نہ تھا بلکہ یزدگرد کسریٰ ایران کا وزیر جنگ تھا جو ساڑھے تین لاکھ فوج جس میں ہاتھی بھی تھے، سیدنا سعد رضی اللہ عنہ بن ابی وقاص کے مقابلے میں قادسیہ کے میدان میں لے کر آیا

Marfat.com

تھااور مسلمانوں کے ہاتھوں شکست فاش کھا کر وہیں مارا گیا تھا۔اس کے علاوہ اور کوئی رستم نہیں تھا جو سہراب کا باپ ہواور پہلوان ہو۔ پھر فردوسی نے اپنے اس شاہ نامۂ ایران میں دوسرا تکلف یہ کیا کہ اس نے ہر ممکن یہ کوشش کی کہ عربی کا کوئی لفظ اس میں نہ آئے کیونکہ ایرانی النسل ہونے کے ناطے اسے عربوں سے سخت دشمنی تھی اور وہ عربوں کی زبان عربی کا کوئی لفظ بھی اپنی اس تاریخ ایران میں نہیں لانا چاہتا تھا۔اس وجہ سے اس نے جو تاریخ نظم میں لکھی اس کی حیثیت ایک افسانے سے زیادہ کچھ نہیں۔یہی وجہ ہے کہ سلطان محمود غزنوی نے اس کو اس کے اشعار کا حسب وعدہ انعام نہ دیا کیونکہ فردوسی نے تاریخ نہیں لکھی تھی بلکہ اپنے عقیدہ کا پرچار کیا تھا اور جو داستان لکھی وہ بھی فرضی تھی۔ یہ درست ہے کہ فردوسی بحیثیت شاعر کے ایک بہت بڑا شاعر تھا جیسا کہ کسی نے کہا ہے:

در شعر سہ پیغمبراں اند
ہر چند کہ لا نبی بعدی
ابیات و قصیدہ و غزل را
فردوسی و انوری و سعدی

مؤرخ کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ امانت ودیانت میں ممتاز ہو، بات سچی کرنے کا عادی ہواور حسن اعمال میں خصوصی امتیاز رکھتا ہو۔ جھوٹ سے کوسوں دور اور بیہودہ سرائی سے نفور ومہجور ہو کیوں کہ تدوین وترتیب تاریخ میں ایک مؤرخ کو بڑی کاوش اور دقت نظر سے کام لینا پڑتا ہے۔واقعات کے ماحول سے آشنائی اس کے لیے ضروری ہے کیونکہ فلاں واقعہ کس ماحول میں پیدا ہوا؟ کیوں ہوا؟ اور کیسے ہوا؟ ان چیزوں کے بغیر اصل حقائق تک رسائی یقینی نہیں ہوتی۔ایک مؤرخ کو علم طبقات الارض، علم تمدن اور مذاہب عالم سے واقف ہونے کے ساتھ ساتھ ذہین، نکتہ رس، حقیقت پسند، غیر متعصب، منصف مزاج، ادیب اور اپنے مافی الضمیر کو آسانی سے ادا کرنے پر پوری قدرت رکھنے والا ہونا چاہیے۔

موجودہ تاریخ کے بنیادی پتھر:

اقوام عالم کی تواریخ کی ابتداء اور اس کے بنیادی پتھر مختلف ہیں۔ دنیا کی اقوام کو جو بڑے بڑے واقعات پیش آئے، اُن کی طرف نسبت دے کر ان قوموں نے اپنے اپنے حالات کو محفوظ رکھا، مگر موجودہ زمانے میں یہ تین واقعات خاص طور پر قابل ذکر ہیں جن پر تاریخ کی بنیادیں اٹھیں:

① دنیا کی ابتداء ② ولادت سیدنا مسیح علیہ السلام ③ ہجرت جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

لیکن معتبر تاریخ وہی ہے جو ہجرت نبویؐ سے شروع ہوئی کیونکہ ان لوگوں نے واقعات کے راویوں کے حالات بھی قلم بند کیے اور ہر واقعہ میں راوی کی سند بھی بیان کی۔

Marfat.com

تاریخ کی اقسام:

مؤرخین نے لکھا ہے کہ انسانی تاریخ کی دو قسمیں ہیں۔ عام تاریخ اور خاص تاریخ۔ عام تاریخ میں تو دنیا کے انسانوں کے حالات بیان کیے گئے ہیں اور تاریخ خاص میں کسی خاص قوم، کسی خاص گروہ یا کسی خاص سلطنت کے واقعات بیان کیے جاتے ہیں جیسے تاریخ خاندان خلجی، تاریخ مغلیہ اور تاریخ برصغیر پاک و ہند۔

بعض مؤرخین نے تاریخ کو تین زمانوں پر منقسم کیا ہے:

① قرون اولیٰ ② قرون وسطیٰ ③ قرون متاخرہ

قرون اولیٰ میں ابتدائے عالم سے لے کر سلطنت روما کے اختتام تک کا زمانہ شامل ہے۔ قرون وسطیٰ میں سلطنت روما کے آخری زمانہ سے لے کر قسطنطنیہ کی فتح تک کا زمانہ شامل ہے جب یہ شہر سلطان محمد فاتح ثانی عثمانی کے ہاتھوں فتح ہوا۔

اسلامی تاریخ:

دنیا کی تمام قوموں اور تمام مذہبوں میں صرف اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے اور مسلمان ہی ایک ایسی قوم ہے جس کی تاریخ از اول تا آخر مکمل حالت میں محفوظ ہے اور اس کے کسی حصے یا کسی زمانے کی نسبت شک وشبہ کو کوئی دخل نہیں ہے۔ اگرچہ مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے کہ دنیا میں مذہب اسلام کی ابتداء سیدنا آدم علیہ السلام سے ہوئی۔ ان کے بعد دنیا میں جس قدر پیغمبر آئے ان سب نے اپنی امتوں کو اسلام کے دین ہی کا سندیسہ دیا اور اسی کی تبلیغ و اشاعت کی، لیکن اللہ تعالیٰ کا یہ پیغام اس کے ابتدائی زمانہ اس وقت کی ضرورتوں ہی کے مطابق تھا۔ جب دنیا نے ترقی کی شاہراہ پر قدم رکھا اور اس کی ضرورتوں اور مسائل میں اضافہ ہوا تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس دین کو مکمل صورت میں لے کر آئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اس دین کی تکمیل ہوئی۔ اب اس میں کمی بیشی کا کوئی احتمال نہیں۔ اس لیے اس زمانہ میں ''تاریخ اسلام'' سے اس گروہ کی تاریخ مراد لی جاتی ہے جس نے اللہ تعالیٰ کے اس آخری پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین اسلام کے پیغام کو پورے طور پر قبول کیا اور جو آج دنیا میں ڈیڑھ ارب کے قریب مختلف ملکوں میں پھیلے ہوئے ہیں۔ مسلمانوں کی یہ تاریخ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے شروع ہوئی۔ مسلمانوں نے ابتداء سے لے کر آج تک مسلمانوں پر گزرنے والے حالات کے قلم بند کرنے اور بذریعہ تحریر محفوظ کرنے میں قطعاً کوئی کوتاہی نہیں کی اور نہ ہی کسی قسم کی غفلت سے کام لیا۔ اس لحاظ سے مسلمانوں کی تاریخ ایک خاص خصوصیت کی حامل ہے۔ دنیا کی اکثر قوموں کی تاریخ قصوں اور کہانیوں کی صورت میں ملتی ہے جب کہ اسلام کی تاریخ میں یہ بات نہیں ہے۔ مسلمانوں نے ابتداء ہی سے اپنی تاریخ کو مستند طور پر لکھا ہے اور ہر بات کی سند اور حوالہ دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا کی تاریخ میں ''تاریخ اسلام'' ایک خاص امتیاز رکھتی ہے۔ مسلمانوں کو اس بات پر بجا فخر ہے کہ وہ

Marfat.com

اسلام کی مکمل تاریخ ہم عہد مؤرخین اور عینی شاہدوں کے بیان سے مرتب کر سکتے ہیں اور پھر ہم عہد مؤرخین اور مستند وثقہ راویوں کے بیانات میں تواتر کا درجہ بھی دکھا سکتے ہیں۔ مختصر یہ کہ مسلمان ہی دنیا میں ایک ایسی قوم ہے جو اپنی مکمل اور مستند تاریخ رکھتی ہے اور دنیا کی کوئی قوم اس بارے میں مسلمانوں کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ مؤرخین اسلام نے واقعات کے نقل کرنے میں اس حد تک احتیاط ملحوظ رکھی ہے کہ ہر ایک واقعہ اور ہر ایک کیفیت کو جوں کا توں بیان کر دیا ہے اور اس واقعہ کے نقل کرنے میں اپنی رائے بالکل نہیں لکھی کیونکہ اس طرح اندیشہ تھا کہ مؤرخ کی رائے اور خواہش تاریخ کا مطالعہ کرنے والے کو متاثر کرے اور مطالعہ کرنے والا مؤرخ کے مخصوص خیال کا مقلد ہو جائے۔ پھر مؤرخین نے واقعات کے نقل کرنے میں روایت کے اصولوں ہی کو مدنظر نہیں رکھا بلکہ درایت کے اصولوں کو بھی ذہن میں رکھا۔ چنانچہ اسلامی تاریخ کی عظمت وہیبت اس وقت اور بھی قلب پر طاری ہو جاتی ہے جب یہ دیکھا جاتا ہے کہ اسلامی تاریخ کے جس حصہ کو چاہیں اصول درایت پر بھی پرکھ اور علوم عقلیہ کی کسوٹی پر بھی کس لیں، آپ کو کوئی سقم، کوئی کھوٹ اور کوئی نقص نظر نہیں آئے گا۔

تاریخ کی ابتداء:

مسلمان مؤرخین نے عام طور پر اپنی کتابوں کی ابتداء سیدنا آدم علیہ السلام سے کی ہے، لیکن ہمارے خیال میں ''تاریخ اسلام'' کی ابتداء رسول اللہ ﷺ سے ہوتی ہے اور میں نے بھی اپنی تاریخ کو سرکار دو عالم ﷺ کی حیات طیبہ ہی سے شروع کیا ہے کیونکہ سرکار دو عالم ﷺ سے پہلے کی تاریخ شک واشتباہ سے داغ دار ہے۔ اس کی شاید بڑی وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے قبل تاریخ نویسی کا کوئی خاص اہتمام نہیں تھا۔ یہ بھی مسلمانوں کی امتیازی خصوصیت ہے کہ انہوں نے دنیا میں تاریخ نویسی کا خاص اہتمام کیا اور جید اور ثقہ راویوں کے ذریعے تاریخ کو قلم بند کیا۔

تاریخ اور جغرافیہ کا باہمی ارتباط:

جغرافیہ اور تاریخ کے مابین اہم تعلق ہے۔ چنانچہ زمانہ حال میں جو تاریخیں لکھی گئی ہیں ان کے ساتھ جغرافیہ کو بھی شامل کر دیا گیا ہے۔ چنانچہ مسلمان مؤرخین جنہوں نے اسلام کی تاریخ کو لکھنا شروع کیا انہوں نے بھی توضیح مطالب کے لیے ملک عرب کا جغرافیہ لکھنا ضروری سمجھا۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ کی بعثت چونکہ عرب میں ہوئی تھی اس وجہ سے ملک عرب کا مختصر سا جغرافیہ ملحق کر دیا گیا ہے۔

عرب:

مؤرخین نے نسل انسانی کو تین جنسوں میں تقسیم کیا ہے:

Marfat.com

① جنس ابیض: یہ وہ قوم ہے جو ایران میں پیدا ہوئی اور پھر وہاں سے نکل کر ہندوستان، مغربی ایشیا اور پھر تمام یورپ میں پھیل گئی۔
② جنس اصفر: یہ وہ قوم ہے جو چین میں پیدا ہوئی، پھر وہاں سے نکل کر شمالی ایشیا اور جزائر ملاکا تک پہنچی۔
③ جنس اسود: یہ وہ قوم ہے جو افریقہ اور آسٹریلیا میں پیدا ہوئی۔

ان تین جنسوں کے میل ملاپ سے اور بہت سی درمیانی جنسیں پیدا ہوئیں۔ چنانچہ عرب کے لوگ اس درمیانی جنس میں سے ہیں جو جنس ابیض اور جنس اسود کے ملاپ سے پیدا ہوئی۔ علمائے تاریخ نے اس کو جنس اسمر کا نام دیا ہے۔

محل وقوع:

ایشیاء کے نقشے میں جنوب کی جانب اور برصغیر پاک و ہند سے مغرب کی طرف ایک بہت بڑا مستطیل جزیرہ نما نظر آتا ہے۔ اسی کو ملک عرب یا جزیرۂ عرب کہتے ہیں۔ اس کا حدود اربعہ یہ ہے:

مشرق میں خلیج فارس اور بحر عمان، جنوب میں بحر ہند یا بحیرۂ عرب، مغرب میں بحر قلزم اور نہر سویز اور شمال میں ملک عرب۔ اس کا رقبہ تیرہ لاکھ مربع میل ہے جس میں چار پانچ لاکھ مربع میل کے قریب خالص ریگستانی اور غیر آباد علاقے شامل ہیں۔ سب سے مشہور ریگستان الربع الخالی کے نام سے مشہور ہے جس کا رقبہ اڑھائی لاکھ مربع میل ہے اور وسط عرب میں جنوب مشرق کی جانب واقع ہے۔ یہ علاقہ دیکھنے میں ایک جزیرہ معلوم ہوتا ہے اس لیے اس کو ''جزیرہ نمائے عرب'' کہتے ہیں۔ اگرچہ یہ جزیرہ نما بحر احمر، خلیج عمان، بحر ہند اور دریائے فرات سے گھرا ہوا ہے لیکن خود ملک کے اندرونی حصہ میں پانی کی بڑی کمی ہے اور خشک پہاڑوں اور پہاڑیوں کی کثرت ہے۔ علمائے جغرافیہ نے اس جزیرہ نما کو پانچ حصوں میں منقسم کیا ہے:

① تہامہ: یہ وہ حصہ ہے جو بحر قلزم کے کنارے سے جبل سرات تک پھیلا ہوا ہے۔
② حجاز: یہ جبل سرات کا کوہستانی سلسلہ ہے جو یمن سے شام تک پھیلا ہوا ہے۔
③ نجد: یہ اس کوہستان کا مشرقی حصہ ہے جو یمن سے سماوہ، عروض اور عراق تک پھیلا ہوا ہے۔
④ یمن: یہ وہ حصہ ہے جو نجد کے جنوب سے بحر ہند کے ساحل تک، اور مشرق میں حضر موت اور عمان تک پھیلا ہوا ہے۔
⑤ عروض: یہ وہ قطعہ ہے جس میں یمامہ اور بحرین وغیرہ واقع ہیں۔

بعض علمائے جغرافیہ نے ان پانچ حصوں کو کچھ اس طرح تقسیم کیا ہے کہ اس ریگستان ''الربع الخالی'' کے شمال میں الحسا یا بحرین کا صوبہ ہے جو خلیج فارس کے ربع خالی کے شمال مشرق میں عمان کا صوبہ ہے جس کا مشہور شہر مسقط ہے۔ یہ صوبہ بحر عمان کے ساحل پر واقع ہے۔ اس ریگستان کے جنوب مشرق میں حضر موت اور مہرہ کے

Marfat.com

صوبے ہیں جو بحیرۂ عرب اور بحر ہند کے ساحل پر واقع ہیں۔اس عظیم ریگستان کے جنوب مغرب میں یمن واقع ہے جس کا سب سے مشہور شہر صنعاء ہے۔ یہ بحر ہند اور بحر قلزم کے ساحل پر واقع ہے۔ اسی میں عدن اور جدہ کی بندرگاہیں ہیں۔

رُبع خالی کے مغرب اور یمن کے شمال میں نجران کا صوبہ ہے جو بحر قلزم کے ساحل پر واقع ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے وقت ملک عرب میں نجران کا یہ صوبہ عیسائیوں کا ایک مرکزی مقام تھا اور یہیں کے بڑے بڑے پادری سرکار دو عالم ﷺ سے مناظرہ کے لیے آئے جس نے بعد میں مباہلہ کی صورت اختیار کر لی۔ ریگستان رُبع خالی کے مغرب اور نجران کے شمال میں عسیر کا صوبہ ہے جو بحر قلزم کے ساحل پر واقع ہے۔ نجران اور عسیر دونوں علاقے صوبہ یمن کے حصے سمجھے جاتے ہیں۔ عسیر کے شمال میں ایک چھوٹا سا علاقہ تہامہ ہے، وہ حجاز کا جنوبی حصہ سمجھا جاتا ہے۔ ربع خالی کے ریگستان کے شمال میں مربع شکل میں نجد کا وسیع علاقہ ہے جس کے مشرق میں بحرین، مغرب میں حجاز اور شمال میں صحرائے شام واقع ہے۔ نجد کے جنوبی اور مشرقی حصہ کا نام یمامہ ہے۔ نجد کے مشرق اور بحر قلزم کے مغرب میں حجاز واقع ہے جس میں مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ اور جدہ وینبوع کی بندرگاہیں واقع ہیں۔ حجاز کے مغرب اور نجد کے شمال مشرق میں خیبر واقع ہے جو یہودیوں کا گڑھ تھا اور جنگ خیبر میں مسلمانوں کے ہاتھوں فتح ہوا۔ شام، حجاز اور نجد کے درمیان ایک علاقہ حجر سے موسوم ہے۔ رُبع خالی کے اندر حضر موت اور یمامہ کے درمیان الاحقاف کا ایک مشہور اور غیر آباد علاقہ ہے جو کسی زمانے میں قوم عاد کا مسکن تھا۔

آب وہوا:

ملک عرب کے اکثر و بیشتر حصوں کی آب وہوا گرم اور خشک ہے۔ یہاں کے بلند حصوں میں گرمیوں کے زمانے میں رات معتدل ہوتی ہے یعنی نہ زیادہ گرم اور نہ زیادہ سرد، لیکن سردیوں میں سخت سردی پڑتی اور درجۂ حرارت نقطۂ انجماد سے نیچے چلا جاتا ہے۔ مشرقی ہوا یہاں سب سے بہتر سمجھی جاتی ہے جسے صبا کہتے ہیں۔ چنانچہ یہاں کے بہت سے شاعروں نے صبا کی تعریف میں شعر لکھے ہیں۔ بادسموم اس کے بالکل برعکس ہے یعنی گرم ہوا۔ یہ گرم ہوا جھلسا دینے والی ہوتی ہے۔ یہاں کا سب سے اچھا موسم ربیع کا ہے۔ یہ موسم بارشوں کے بعد آتا ہے۔ اس موسم میں ہریالی اور گھاس اگتی ہے جس میں خشک زمینیں لہلہا اٹھتی ہیں اور مویشیوں کے لیے چارے کا اچھا بندوبست ہو جاتا ہے۔ پورے جزیرہ نما میں کوئی قابل ذکر دریا اور نالہ نہیں ہے۔ اکثر و بیشتر زمین خشک، ریگستانی اور بنجر ہے۔ پانی کی نایابی نے ملک کے بعض حصوں کو انسانی آبادی کے لیے سخت دشوار بنا دیا ہے۔ تمام آباد علاقے ساحل سمندر پر واقع ہیں۔ صرف نجد ایک سطح مرتفع ہے جس میں بڑے بڑے ریگستان بھی پائے جاتے ہیں۔ نجد کے ریگستانوں کا سلسلہ شام کے وسیع وعریض ریگستانوں تک جا پہنچا ہے۔ ملک میں جا بجا پہاڑی سلسلے بھی ہیں لیکن ان میں کوئی پہاڑ سرسبز وشاداب نہیں۔

Marfat.com

بحرقلزم کے ساحلی علاقے یعنی یمن اور حجاز وغیرہ دوسرے تمام علاقوں کے مقابلے میں سرسبز وشاداب ہیں۔ ملک کی کل آبادی دو تین کروڑ کے لگ بھگ بیان کی جاتی ہے۔ دھوپ میں شدت اور حدت ہوتی ہے۔ لو ایسی تند و تیز چلتی ہے کہ اس کا نام سموم یعنی زہریلی ہوا رکھا گیا ہے۔ انسان کی تو اس ہوا کے مقابلہ میں کوئی حقیقت نہیں اونٹ جیسا ریگستانی جانور اس بادسموم کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔ اونٹ اس ملک کا سب سے بڑا کارآمد جانور ہے۔ بعض دفعہ کئی کئی کوس تک مسافر کو پانی کا نام ونشان نہیں ملتا۔ اونٹ کو پرانے زمانہ میں ریگستانی جہاز کہا جاتا تھا۔ اس پر بڑے مزے سے سفر طے کیا جاتا تھا۔ کھجور کے سوا اور کوئی قابل ذکر پھل پیدا نہیں ہوتا۔ دور دراز علاقوں میں اب بھی ملک کے باشندے اونٹ کے دودھ اور کھجور پر اپنی گزران کر لیتے ہیں۔ کسی زمانے میں ملک کی ایک بہت بڑی آبادی خانہ بدوش تھی، لیکن اب اونچی اونچی عمارتیں بن گئی ہیں۔

عرب کی قدیم اقوام:

علمائے تاریخ نے لکھا ہے کہ عرب میں قدیم زمانہ سے سام بن نوح کی اولاد آباد رہی ہے۔ چنانچہ مؤرخین نے انہیں تین طبقوں میں تقسیم کیا ہے۔ یعنی عرب بائدہ، عرب عاربہ اور عرب مستعربہ۔ بعض مؤرخین نے عاربہ اور مستعربہ کو ایک ہی قسم قرار دیا ہے اور عربوں کو دو قسموں میں منقسم کر دیا۔ ایک عرب بائدہ اور دوسرے عرب باقیہ۔

عرب بائدہ سے وہ قومیں مراد ہیں جو سب سے قدیم زمانہ سے عرب میں آباد تھیں، وہ اب سب ہلاک ہوگئی ہیں اور ان کی نسل اور ان کا کوئی نشان دنیا میں باقی نہیں رہا۔ اور عرب باقیہ سے مراد وہ قومیں ہیں جو ملک عرب میں پائی جاتی ہیں۔

عرب بائدہ:

ملک عرب کے قدیم باشندے مختلف قبائل پر مشتمل تھے جن کے نام عاد، ثمود، عمالقہ، جرہم اور حضرموت وغیرہ ہیں۔ یہ سب لاذا ابن سام بن نوح کی اولاد سے تھے۔ کسی زمانے میں ان کا ملک عرب میں دور دورہ رہا اور ان کے بعض بادشاہوں نے مصر تک کو فتح کیا، لیکن ان کے تفصیلی حالات اب تاریخوں میں نہیں ملتے۔ جبکہ نجد واحقاف اور حضرموت ویمن میں ان کی بعض عمارات اور آثار قدیمہ ملتے ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس زمانے کے لوگ بہت طاقتور، مضبوط اور رعب وجلال کے مالک تھے۔ ان قبائل میں سب سے زیادہ مشہور عاد کا قبیلہ تھا۔ یہ ارض احقاف میں رہتا تھا۔ ان کا مشہور بادشاہ شداد بن عماد تھا جس کی نسبت زمخشری نے لکھا ہے کہ اس نے مدینہ ارم یا باغ ارم بنوایا لیکن آج اس کا کوئی نام ونشان نہیں ملتا۔ قرآن حکیم میں ارم کا ذکر آیا ہے لیکن اس سے مراد قبیلہ ارم ہے نہ کہ مدینہ ارم۔ معلوم ہوتا ہے قبیلہ ارم قبیلہ عاد کی ایک شاخ تھا۔ قرآن حکیم میں ہے:

Marfat.com

﴿اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ O اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ O الَّتِىْ لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِى الْبِلَادِ﴾ (الفجر۸۹:۶ تا ۸)

''کیا تو نے نہیں دیکھا کہ تیرے پروردگار نے عاد ارم کے لوگوں کے ساتھ کیا برتاؤ کیا جو ایسے بڑے قد آور تھے کہ قوت جسمانی کے اعتبار سے دنیا کے دوسرے شہروں میں کوئی مخلوق ان جیسی پیدا نہیں کی گئی۔''

عرب عاربہ:

یہ وہ لوگ ہیں جو قحطان کی اولاد ہیں، اس لیے انہیں بنو قحطان کہتے ہیں۔ قحطان کی اولاد نے عربی زبان استعمال کی اور یہ زبان انہوں نے عرب بائدہ سے حاصل کی وگرنہ قحطان سے کسی کی زبان عربی نہ تھی۔ قحطان کے نسب میں بہت اختلاف ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ یمن بن قیدار بن اسماعیل کا بیٹا قحطان تھا۔ اگر قحطان سیدنا اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے ہے تو پھر تمام اہل عرب بنو اسماعیل ثابت ہوتے ہیں کیونکہ عدنان اور قحطان دو ہی شخص تمام قبائل عرب کے مورث اعلیٰ ہیں۔

عرب عاربہ یا قحطانی قبائل میں بعض بڑے بڑے بادشاہ گزرے ہیں اور یہ تمام جزیرہ نما عرب پر حکمران تھے۔ قحطانی قبائل کا اصلی مقام اور قدیمی وطن یمن سمجھا جاتا ہے۔ ان میں حمیری اور ازدی قبائل بہت نامور اور مشہور سمجھے جاتے ہیں۔ ازدی قبائل سبا اور جنوبی عرب کے حکمران رہے۔ انہوں نے ملک یمن کی آبادی اور سرسبزی میں خاص طور پر کوشش کی۔ انہیں میں ایک ملکہ بلقیس تھی جو سیدنا سلیمان علیہ السلام کی معاصر تھی۔ قبائل ازد میں سے ایک قبیلہ نے مدینہ کی طرف آ کر سکونت اختیار کی اور وہاں اپنی سلطنت قائم کر لی۔ خزاعہ نے مکہ مکرمہ کی طرف رحلت کی اور وہاں آ کر قبیلہ جرہم کو جو پہلے سے وہاں آباد تھا، شکست دے کر نکال باہر کیا۔ ازد کا بیٹا نصر تہامہ کے علاقہ میں آباد ہوا۔ خزاعہ کا ایک بیٹا عمران عمان کی طرف جا کر آباد ہوا، اور اس کی اولاد ازد عمان کے نام سے مشہور ہوئی۔ دوسرا غسان شام کی سرحد پر جا کر سکونت پذیر ہو گیا۔ اور وہاں سرحدی قبائل کو محکوم بنا کر اپنی حکومت قائم کر لی۔ یمن میں قحطانی سلاطین کی حکومت ساتویں صدی عیسوی تک قائم رہی۔ غسان کی حکومت کی سرحد سلطنت روم سے ملتی تھی، اور حیرہ کی قحطانی ریاست ایران کی حکومت کی ہمسایہ تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت قحطانی قبائل خوب طاقتور ہونے کے ناطے تمام ملک عرب پر غالب اور مستولی تھے۔ ان قحطانی قبائل کی دو شاخیں بنو جرہم اور بنو یعرب تھیں۔ بنو یعرب میں عبد شمس جو سبا کے نام سے مشہور ہے، یمن کے تمام قبیلوں کا جد امجد تھا۔ اسی نے یمن کا مشہور شہر ''مآرب'' بسایا ہے اور وہاں تین پہاڑوں کے درمیان ایک بہت بڑا بند باندھا تھا۔ اس بند میں بہت سے چشموں کا پانی آ کر جمع ہوتا تھا جس سے بلند مقامات کے کھیتوں اور باغوں کو سیراب کیا جاتا تھا۔ علمائے تاریخ نے لکھا ہے کہ بند کچھ مدت کے بعد کمزور ہو کر ٹوٹ گیا تھا جس سے سارے ملک میں بہت بڑا سیلاب آ گیا

Marfat.com

تھا۔اس سیلاب کا ذکر قرآن حکیم میں بھی ہے اور عربوں نے اپنے اشعار میں بھی اس کا ذکر کیا ہے۔اس سیلاب سے تباہ و برباد ہو کر یمن کے بہت سے خاندان دوسرے شہروں اور مقامات پر جا بسے۔

عرب مستعربہ:

اس سے مراد بنو عدنان یا اولاد اسماعیل ہیں۔یہ لوگ عرب میں باہر سے آ کر آباد ہوئے، اس لیے ان کو عرب مستعربہ یا مخلوط عرب کا خطاب دیا گیا۔سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی اپنی زبان تو عجمی یا فارسی تھی۔سیدنا ابراہیم علیہ السلام اپنے بیٹے اسماعیل علیہ السلام کو ان کی والدہ سمیت ملک حجاز کے شہر مکہ میں چھوڑ گئے۔انہوں نے قبیلہ جرہم سے جو زمزم چشمے کی بدولت مکہ میں آباد ہو گئے تھے، عربی زبان سیکھی اور مستقبل میں یہی عربی زبان آل اسماعیل کی زبان بن گئی۔پندرہ سال کی عمر میں سیدنا اسماعیل علیہ السلام کی والدہ ہاجرہ کا انتقال ہو گیا لہٰذا سیدنا اسماعیل علیہ السلام نے ارادہ فرما لیا کہ مکہ کو چھوڑ کر شام میں کسی دوسرے مقام پر چلے جائیں، لیکن قبیلہ جرہم نے باہم مشورہ کر کے ان کو شام جانے سے روک دیا، اور ان کا نکاح عمارہ بنت سعید بن اسامہ بن اکیل خاندان عمالقہ میں کر دیا۔چند روز کے بعد سیدنا ابراہیم علیہ السلام مکہ تشریف لائے تو ان کے اشارے پر سیدنا اسماعیل علیہ السلام نے اپنی اس بیوی کو طلاق دے دی اور قبیلہ جرہم میں سیدہ بنت مضاض بن عمرو سے نکاح کر لیا۔بعد میں پھر اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق خانہ کعبہ کی تعمیر میں دونوں باپ بیٹا مصروف ہو گئے اور یہ دونوں بزرگ جوں جوں خانہ کعبہ کی دیواریں اونچی ہوتی جاتی تھیں ساتھ ساتھ بارگاہ رب العزت میں یہ دعا کرتے جاتے تھے: "رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ" (البقرہ:۲۰:۲۱۷) جب دیوار کسی قدر بلند ہوئی تو سیدنا ابراہیم علیہ السلام ایک پتھر پر کھڑے ہو کر کام کرنے لگے۔یہی وہ مقام ہے جس کو "مقام ابراہیم" کہتے ہیں۔بیت اللہ جب تیاری کے قریب پہنچا تو سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے سیدنا اسماعیل علیہ السلام سے فرمایا کہ کسی اچھے پتھر کا ٹکڑا لاؤ تا کہ میں اسے مقام رکن پر رکھ دوں جس سے لوگوں کو امتیاز باقی رہے۔چنانچہ سیدنا اسماعیل علیہ السلام سیدنا جبرئیل علیہ السلام کی رہبری میں جبل بوقبیس سے حجر اسود کو اٹھا لائے اور سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اسے مقام رکن پر رکھ دیا۔یہی حجر اسود ہے جس کا طواف کے وقت بوسہ لیا جاتا ہے۔بیت اللہ کی تعمیر کے وقت سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور سیدنا اسماعیل علیہ السلام ان لوگوں کو جو آپ پر ایمان لا چکے تھے، اپنے ساتھ لے کر منیٰ اور عرفات کی جانب گئے۔قربانی کی اور طواف کعبہ کیا۔بعد ازاں سیدنا ابراہیم علیہ السلام ملک شام کی طرف چلے گئے اور پھر اپنی پوری زندگی بیت اللہ کی زیارت اور حج کے لیے آتے رہے۔کعبہ کی تعمیر کے بعد سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو بیٹے کو ذبح کرنے کا حکم ہوا تھا۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام تو ملک شام تشریف لے گئے اور سیدنا اسماعیل علیہ السلام نے مستقل طور پر مکہ مکرمہ میں سکونت اختیار کر لی۔قبیلہ بنو جرہم مکہ مکرمہ میں اور قبیلہ عمالقہ اطراف مکہ میں سکونت پذیر تھا۔انہی قبیلوں کے کچھ لوگ سیدنا اسماعیل علیہ السلام پر ایمان لائے تھے۔تورات کی روایت کے مطابق سیدنا اسماعیل علیہ السلام کی وفات 137 سال

Marfat.com

کی عمر میں ہوئی۔آپ کی وفات کے وقت آپ کے بارہ بیٹے تھے جن کی اولاد میں اللہ نے اتنی برکت دی کہ وہ مکہ میں تو نہ سما سکے اس وجہ سے پورے حجاز میں پھیل گئے۔اسماعیل علیہ السلام کی نسل میں ان کے ایک بیٹے قیدار کی اولاد میں ایک شخص عدنان ہوا۔عدنان کے بیٹے کا نام معد اور پوتے کا نام نزار تھا۔نزار کے پھر چار بیٹے تھے۔تمام عدنانی قبائل انہیں کی اولاد میں سے ہیں۔اس وجہ سے عدنانی قبائل کو معدی اور نزاری بھی کہتے ہیں۔

عدنانی قبائل میں ایاد، ربیعہ اور مضر بہت مشہور قبائل ہیں۔ان میں ربیعہ اور مضر زیادہ نامور اور مشہور ہیں۔قبائل مضر کے مشہور قبیلہ کنانہ میں ایک بزرگ فہر بن مالک تھے جن کو قریش بھی کہتے تھے۔قریش کی اولاد میں بہت سے قبائل ہوئے جن میں بنی سہم، بنی مخزوم، بنی تمیم، بنی عدی، بنی عبدالدار، بنی عبد مناف زیادہ مشہور ہیں۔ عبدالمناف کے چار بیٹے تھے۔عبد شمس، نوفل، مطلب اور ہاشم۔ہاشم کی اولاد میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے، جن کی امت تمام مسلمان ہیں اور ان کی امت ہی کے حالات اس کتاب میں بیان کیے گئے ہیں اور اسی کو تاریخ اسلام کہتے ہیں۔عبد شمس کے بیٹے امیہ تھے۔ان کی اولاد بنوامیہ کہلاتی ہے۔

عدنانی قبائل جس زمانہ میں بنوخزاعہ سے مغلوب ہو کر اور مکہ چھوڑ کر نکلے تو وہ مختلف مقامات پر پھیل گئے۔بنوبکر بحرین میں، بنوحنیفہ یمامہ میں، بنوتغلب سواحل فرات پر، بنوتمیم الجزیرہ میں، بنوسلیم نواح مدینہ میں، بنو ثقیف طائف میں، بنوآذر کوفہ کے مغرب میں اور بنوکنانہ نے تہامہ میں جا کر سکونت اختیار کر لی۔مکہ اور اس کے اطراف ونواح میں صرف قریش رہ گئے، لیکن یہ بھی باہمی اختلافات کا شکار تھے۔قصی بن کلاب نے ان سب کو متفق ومتحد کیا۔قصی نے قبائل قریش میں اتفاق واتحاد پیدا کر کے تمام حجاز پر اقتدار حاصل کر لیا۔خانہ کعبہ کی تولیت بھی آل عدنان میں آ گئی۔قصی نے خانہ کعبہ کی مرمت کی، اور اپنے لیے ایک محل بنوایا جس کا ایک بڑا کمرہ لوگوں کے باہم بیٹھ کر مشورہ کے کام آتا۔اس کا نام ''دارالندوہ'' تھا۔

قصی بن کلاب نہایت دوراندیش، صاحب فہم وفراست اور عقل وبصیرت کے حامل تھے۔چنانچہ انہوں نے مکہ مکرمہ کو بنوخزاعہ اور بنوبکر سے واگذار کرانے کے لیے چار عظیم الشان کارنامے انجام دیئے۔

① حجاج کی خدمت:

قصی سے پہلے حاجیوں کی خدمت کا کوئی منظم سلسلہ نہ تھا۔انہوں نے اس سلسلے کو منظم کیا اور پہلی مرتبہ حاجیوں کی خدمت کے لیے السقایہ، الرفادہ، الندوہ اور اللواء کے مختلف شعبے قائم کیے۔اس موقع پر انہوں نے اپنے قبیلہ کے لوگوں کو جمع کیا اور انہیں کہا کہ حاجی اللہ کے مہمان ہیں اور اس کے گھر کے زائر، لہٰذا ان کا اعزاز و اکرام ضروری ہے۔تم ان کے لیے حج کے دنوں میں کھانے پینے کا انتظام کرو یہاں تک کہ وہ اپنے گھروں کو لوٹ جائیں۔چنانچہ وہ اپنے مال کا ایک حصہ اس مقصد کے لیے الگ کر لیتے۔بعض روایات میں ہے کہ انہوں نے حجاج کی خدمت کے لیے ٹیکس عائد کر دیا۔اس طرح مکہ مکرمہ میں حاجیوں کی خدمت کی ابتداء ہوئی۔

Marfat.com

② قریشی قبائل کا اتحاد:

دوسرا بڑا کارنامہ جو قصی نے انجام دیا وہ یہ تھا کہ قریش کے مختلف قبائل جو انتشار کا شکار تھے، انہیں بیت اللہ کے اطراف و جوانب میں بسایا اور اس خاندان کا نام ''قریش'' رکھا جس کے معنی اکٹھے اور مجتمع ہونے کے ہیں۔ چنانچہ ان کے بارے میں ابوالعباس عبداللہ نے کہا ہے ؎

بہ جمع اللہ القبائل بعدما　　تقسمها تهب الاكف السوالب

''انہی کی وجہ سے اللہ نے قریش کے قبیلوں کو جمع کیا جب کہ انہیں چھیننے والے ہاتھوں کی موت عامہ نے تقسیم کر دیا تھا۔'' (البدایہ والنہایہ: ۲/۹۶)

③ مکہ مکرمہ کی توسیع:

قصی نے پورے مکہ کو اپنی قوم کے درمیان تقسیم کر دیا جس کی بنا پر آبادی والا حصہ لوگوں کی رہائش کے لیے تنگ پڑ گیا۔ ان دنوں مکہ میں خاردار جھاڑیوں کی کثرت تھی اور لوگ حرم میں اگنے کا باعث انہیں نہیں کاٹتے تھے۔ قصی نے انہیں بتایا کہ وہ تو ان درختوں کو اپنے مکانات بنانے کے لیے کاٹ رہے ہیں اور اللہ نے درخت کاٹنے کی جو ممانعت کی ہے وہ محض فساد پھیلانے کے لیے کاٹنے کی ہے۔ چنانچہ انہوں نے خود اپنے ہاتھ سے درختوں اور جھاڑیوں کو کاٹنا شروع کر دیا۔ اس سے لوگوں کو بھی ترغیب ہوئی اور مکہ مکرمہ کے رہائشی علاقہ میں وسعت پیدا ہوئی۔ قصی کے اس اقدام سے مکہ مکرمہ آئندہ کے لیے سیاسی انتشار اور قبائلی جھگڑوں سے محفوظ ہو گیا۔

④ دارالندوہ کا قیام:

قصی نے مکہ مکرمہ میں دارالندوہ (پارلیمنٹ ہاؤس) کے نام سے عمارت تعمیر کی جس کا دروازہ بیت اللہ کی طرف کھلتا تھا۔ یہ قریش کا مشورہ خانہ یا دارالندوہ تھا جس میں مختلف پیش آمدہ مسائل پر مشورہ ہوتا تھا۔ یہ دارالندوہ دنیا کی تاریخ میں قدیم ترین جمہوری حکومت کی مثال ہے۔ سرکار دو عالم ﷺ کے (العیاذ باللہ) قتل کرنے کا مشورہ بھی اسی دارالندوہ میں کیا گیا تھا جس کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو مکہ سے مدینہ طیبہ ہجرت کرنے کا حکم فرمایا۔

علاوہ ازیں جناب قصی نے مکہ میں ایک کنواں کھدوایا اور چمڑے کے بڑے مشکیزوں میں منیٰ اور عرفات میں لوگوں کو پانی مہیا کرنے کا انتظام کیا۔

قصی کی وفات مکہ مکرمہ میں ہوئی اور انہیں حجون میں دفن کیا گیا۔ ان کی قبر مرجع خلائق تھی اور لوگ انہیں عظیم جانتے تھے۔ (طبقات ابن سعد: ۱/۹۹، انساب الاشراف: ۱/۵۲)

Marfat.com

قصی کے چار بیٹے تھے۔عبد مناف (مغیرہ) عبدالدار (عبداللہ) عبدالعزیٰ اور عبد قصی۔اور دو بیٹیاں برّہ اور تخمر تھیں۔ام المومنین سیدہ خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا کا نسب بھی قصی سے ملتا ہے۔

قصی کو اپنے بیٹے عبدالدار سے بہت محبت تھی۔ چنانچہ انہوں نے اپنے بعد دارالندوۃ، حجابت، رفادہ، سقایہ اور علم برداری وغیرہ تمام مناصب عبدالدار کو تفویض کر دیئے۔

عبد مناف بن قصی:

قصی کے ایک بیٹے عبد مناف تھے جن کا اصل نام مغیرہ تھا۔وہ بڑے حسین وجمیل تھے اور اپنے حسن و جمال کے باعث ''قمر البطحا'' کہلاتے تھے۔ یہ بہت ذہین وفطین اور فہم وفراست کے حامل تھے۔انہوں نے اپنے بھائی عبدالدار سے ''السقایہ'' اور ''الرفادہ'' کے حقوق جس طرح حاصل کیے، اس سے ان کی فہم وفراست کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔علامہ سہیلی نے لکھا ہے کہ ''مناف'' کا لفظ اناف نیف سے ماخوذ ہے جس کے معنی بلند ہونے کے ہیں۔(روض الانف:۱/۲۴)

ہاشم بن عبد مناف:

عبد مناف کے بیٹوں میں اللہ تعالیٰ نے جس کو سب سے زیادہ قیادت وسیادت کا سلیقہ مرحمت فرمایا، وہ ہاشم بن عبد مناف تھے، ان کا اصل نام تو عمرو تھا لیکن ایک خاص واقعہ کے باعث ان کا لقب ہاشم پڑ گیا۔(طبقات ابن سعد:۱/۷۵) جناب ہاشم اس بات سے پوری طرح باخبر تھے کہ مکہ مکرمہ میں قریش کی تعداد روز بروز زیادہ ہو رہی ہے اور ان کا کوئی مستقل ذریعہ معاش نہیں۔ چنانچہ انہوں نے قریش کے لیے گرمیوں اور سردیوں کے دو تجارتی سفروں کا اہتمام کیا۔وہ موسم سرما میں قریش کے قافلے کو یمن اور حبشہ لے جاتے اور نجاشی سے ملاقات کرتے تھے جو ان کا بہت قدر دان تھا۔اور موسم گرما میں تجارتی سامان شام (فلسطین) کے علاقے غزہ وغیرہ میں لے جاتے اور بعض اوقات انقرہ (ترکی) تک چلے جاتے۔

ایک دفعہ مکہ میں سخت قحط پڑ گیا اور لوگ بھوک سے مرنے لگے۔جناب ہاشم اس زمانہ میں شام کے علاقہ میں تھے۔وہاں انہوں نے کافی تعداد میں روٹیاں بنوائیں۔ان روٹیوں کو توڑ کر اور بوریوں میں بند کر کے اونٹوں پر مکہ لائے۔ان اونٹوں کو ذبح کیا اور بڑی بڑی ہانڈیوں میں گوشت پکایا اور روٹیاں اس میں ڈالیں اور ثرید بنا کر لوگوں کو پیٹ بھر کر کھلایا۔اس روز سے ان کا نام ہاشم پڑ گیا۔(طبقات ابن سعد:۱/۵۵) آپ کے اس وصف کو ایک شاعر نے یوں بیان کیا ہے ؎

عمرو الذی هشم الثرید لقومه
رجال مكة مسنتون عجاف

Marfat.com

''یعنی عمرو نے اپنی قوم کے لیے ثرید تیار کیا اور اس وقت مکہ کے لوگ بھوکے اور کمزور تھے۔''

ہاشم کا زمانہ قریش مکہ کے سیاسی اور اقتصادی عروج اور خوش حالی کا زمانہ تھا۔ انہیں نہایت عزت واحترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ انہوں نے قیصر وکسریٰ اور نجاشی کے درباروں میں پروانۂ راہداری حاصل کر کے تمام قریشی قافلوں کو عزت بخشی تھی۔ جناب ہاشم ایک مرتبہ تجارتی قافلے کے ساتھ واپس جا رہے تھے کہ مدینہ کے بنو نجار کی ایک عورت سلمیٰ بنت عمرو انہیں اچھی لگی۔ انہوں نے اسے نکاح کا پیغام دیا جو اس نے بخوشی قبول کر لیا۔ چنانچہ نکاح ہو گیا۔ نکاح کے بعد ہاشم نے لوگوں کو پر تکلف کھانا کھلایا۔ اپنی اہلیہ کو مدینہ میں چھوڑا اور خود قافلے کے ساتھ شام چلے گئے۔ بعد میں ان کے ہاں ایک بیٹے کی ولادت ہوئی جن کا نام شیبہ رکھا گیا۔ یہی شیبہ جناب رسول اللہ ﷺ کے جد امجد تھے۔ پیدائش کے وقت جناب شیبہ کے سر میں چند سفید بال تھے جس کی وجہ سے ان کا نام شیبہ (بوڑھا) رکھا گیا۔ ہاشم تو غزہ میں بیمار پڑ کر اللہ کو پیارے ہو گئے، انہوں نے مرتے وقت جو ترکہ چھوڑا وہ ابورہم عبدالعزیٰ نے ان کے صاحب زادے کے پاس مکہ پہنچا دیا۔

عبدالمطلب بن ہاشم:

عبدالمطلب جب سات آٹھ سال کے ہوئے تو ان کے چچا مطلب بن عبد مناف کو ان کی خوبصورتی، نظافت اور خوش لباسی اور ہاشم کے ساتھ شباہت کی خبریں پہنچیں۔ ابن سعد کا بیان ہے کہ یہ باتیں سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے والد ثابت نے مطلب کو بتائیں۔ (الطبقات الکبریٰ: ۱/۱۱۳) مطلب کو ثابت کی یہ باتیں سن کر اپنے بھتیجے کو دیکھنے کا شوق پیدا ہوا۔ چنانچہ وہ اونٹ پر سوار ہو کر یثرب (مدینہ منورہ) چلا گیا۔ اس وقت شیبہ بچوں کے ساتھ تیر اندازی میں مصروف تھا۔ جب اس کا نشانہ ہدف پر لگا تو اس نے خوشی سے نعرہ لگایا: "انا ابن هاشم، انا ابن سيد البطحا" (میں ہاشم کا بیٹا ہوں، اور میں بطحاء کے سردار کا بیٹا ہوں) مطلب نے قریب جا کر پوچھا: ''بیٹا! تم کون ہو؟'' جواب دیا کہ ''میں شیبہ بن ہاشم بن عبد مناف ہوں۔'' مطلب نے اپنا تعارف کراتے ہوئے کہا کہ میں تیرا چچا مطلب ہوں۔ میں تجھے تیرے شہر، تیری قوم اور تیرے باپ کے گھر اور بیت اللہ کے سایہ میں لے جانے کے لیے آیا ہوں۔'' شیبہ چچا کے ساتھ جانے کے لیے تیار ہو گئے۔ بنو نجار کے ایک شخص نے ان کی یہ گفتگو سن کر کہا کہ تم اس کے چچا ہو تو فوراً اسے لے کر چلے جاؤ۔ اگر اس کی ماں کو پتہ چل گیا تو وہ اسے نہیں لے جانے دے گی اور ہم اس بارے میں اس کی مدد کرنے پر مجبور ہوں گے۔ (انساب الاشراف: ۱/۶۴) چنانچہ مطلب فوراً انہیں لے کر چل پڑا۔ مطلب جب شیبہ کو لے کر مکہ میں داخل ہوا تو قریش کی جس محفل کے پاس سے گزرتا تو وہ پوچھتے: ''ابوالحارث! یہ کون ہے؟'' تو مطلب جواب میں کہتا، یہ میرا غلام ہے۔'' مطلب جب انہیں گھر لے گیا تو اس کی بیوی خدیجہ بنت سعید نے اسے اپنے پاس رکھا۔ اسے نہلایا دھلایا اور عمدہ لباس پہنایا، جب وہ مطلب کے ساتھ قریش کی مجلس میں پہنچا تو قریش نے کہا: "هذا عبدالمطلب" (یہ مطلب کا غلام ہے) چنانچہ آپ کے

Marfat.com

اصل نام کی جگہ یہ نام مشہور ہو گیا۔ چچا نے کہا یہ میرا غلام نہیں بلکہ میرا بھتیجا ہے لیکن آپ عبدالمطلب کے نام ہی سے مشہور ہو گئے۔

عبدالمطلب مکہ میں جوان ہوئے۔ قریش میں یہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے وسمے کے ساتھ بالوں کو خضاب کیا کیونکہ ان پر جلد بڑھاپا آ گیا تھا۔ کہتے ہیں کہ وہ کسی یمنی بادشاہ کے ہاں مہمان ٹھہرے تو اس نے انہیں خضاب کا مشورہ دیا۔ جب وہ گھر میں داخل ہوئے تو ان کی اہلیہ نتیلہ (ام عباس) نے دیکھا اور کہا: ''اے شیبہ! یہ رنگ کتنا اچھا ہے اگر ہمیشہ لگاتے رہو۔'' اس کے بعد اہل مکہ بھی ان کی تقلید میں بالوں کو خضاب لگانے لگے۔

(انساب الاشراف: ۱/ ۶۵، طبقات ابن سعد: ۱/ ۱۳۰، سیرۃ ابن ہشام: ۱/ ۳۶)

انہی خواجہ عبدالمطلب کے زمانہ میں بنوخزاعہ اور عبدالمطلب کے درمیان باہمی نصرت کا وعدہ ہوا۔ اس کے علاوہ چاہ زمزم کی کھدائی جیسے واقعات، ان کے زمانہ میں فیصل کیے گئے کیونکہ مطلب کا انتقال یمن میں ہو گیا اور انھیں وہیں سپرد خاک کر دیا گیا۔ اب مکہ کی خاندانی سیادت وقیادت کی گراں بار ذمہ داریاں خواجہ عبدالمطلب کے کندھوں پر آ پڑیں۔ اس طرح یہ نوجوانی ہی میں قریش کے سردار تسلیم کر لیے گئے۔ پھر اپنی ذہانت وفطانت سے انہوں نے السقایہ، الرفادہ کے کاموں کو بہت آگے بڑھایا اور حجاج اور زائرین کعبہ کی خدمت وتواضع میں نئی روایات قائم کیں۔

خواجہ عبدالمطلب نے چھ شادیاں کیں، لیکن ایک شادی انہوں نے فاطمہ بنت عمرو بن عائذ سے کی جس سے ان کی یہ اولاد پیدا ہوئی۔ جناب عبداللہ، ابو طالب، زبیر، سیدہ عاتکہ رضی اللہ عنہا، اُم حکیم، برہ عبدالکعبہ (یہ خواجہ عبدالمطلب کی زندگی ہی میں فوت ہو گئے) امیمہ، اروٰی، ام البیضاء، ان اہلیہ سے خواجہ عبدالمطلب کی سب سے زیادہ اولاد ہوئی۔ ان کی والدہ کا نام صخرہ بنت عبدعمران بن مخزوم تھا۔

تمدنی حالات:

عرب کے ملک کی آب وہوا اکثر وبیشتر گرم وخشک ہے۔ گرم وخشک ملکوں کا یہ خاصہ ہے کہ وہاں کے رہنے والے اکثر خانہ بدوش ہوتے ہیں۔ وہ ایک مقام پر مکان بنا کر نہیں رہتے۔ چنانچہ عرب کے لوگ بھی اپنے اور اپنے مویشیوں کے لیے گھاس اور پانی کی تلاش میں ایک جگہ سے دوسری جگہ سفر کرتے رہتے تھے۔ ان کی گزر اوقات اکثر وبیشتر اونٹوں اور بکریوں کی پرورش پر تھی۔ ایسے لوگوں کے لیے خوش حالی اور فارغ البالی نہیں ہوتی بلکہ بھوک اور غریبی کا عفریت ہی ان کو ہر وقت اپنی لپیٹ میں لیے رکھتا ہے۔ جب خوش حالی نہ ہو تو پھر امن وامان کہاں۔ اس وجہ سے یہ لوگ آپس میں جھگڑتے رہتے تھے۔ ایک قبیلہ دوسرے قبیلے پر حملہ کر کے اس کے مویشی چھین لیتا تھا اور یوں لڑائی جھگڑوں کا سلسلہ جاری وساری رہتا تھا۔ البتہ کچھ لوگوں کا پیشہ تجارت بھی تھا۔ یہ لوگ تجارت کا مال لے کر یمن اور شام جایا کرتے تھے لیکن راستوں کی خرابی اور بدامنی کے باعث ان کی تجارت ترقی نہ

Marfat.com

کرسکی۔ معمولی معمولی بات پر ان میں جنگ چھڑ جاتی، اور ایک دفعہ جب لڑائی شروع ہو جاتی تو پھر اس کا سلسلہ بعض دفعہ صدیوں اور پشتوں تک چلا جاتا۔ ان کی آپس کی کوئی لڑائی بھی کسی معقول اور اہم سبب کی بنا پر نہیں ہوئی۔ جنگوں میں جن لوگوں کو وہ قیدی بنا لیتے ان قیدیوں میں سے کوئی شخص ان کے کھانے میں سے کچھ کھا لیتا تو وہ قتل سے محفوظ ہو جاتا تھا۔ صف بندی کر کے لڑنے کا ان میں رواج نہ تھا۔ گھوڑوں اور ہتھیاروں کی نگہداشت کا ان کو بہت زیادہ خیال تھا۔ شمشیر زنی، تیر اندازی، شہسواری اور نیزہ بازی میں جس شخص کو کمال حاصل ہوتا، اس کی بہت قدر کی جاتی اور اس کا نام دور دور تک پہنچ جاتا۔

فال:

تفاول اور تشاوم یعنی نیک فالی اور بدلی فالی میں انھیں بہت دلچسپی تھی۔ کوے کو بہت منحوس اور موجب فراق سمجھتے تھے۔ عربی میں کوے کو چونکہ غراب کہتے ہیں، اس لیے مسافرت کو غربت اور مسافر کو غریب کہا جانے لگا۔ مطلب یہ تھا کہ کوے کے اثر سے جدائی اور مسافرت میں انسان جدا ہو جاتا ہے۔ عطسہ (چھینک) کو موجب بدفالی سمجھتے تھے۔ بعض جادوگری کا پیشہ کرتے تھے اور شیطان کو اپنا دوست بنانے کے لیے بڑی بڑی ریاضتیں کرتے تھے۔

شاعری:

عرب جاہلیت میں کوئی شخص ایسا نہ تھا جو شاعری کے سلیقہ سے آشنا نہ ہو، مرد، عورت، بوڑھے جوان اور بچے سب کے سب تھوڑے بہت شاعر ضرور ہوتے تھے۔ ان کی شاعری اکثر و بیشتر فی البدیہہ ہوتی تھی۔ مضمون تلاش کرنے کی انہیں ضرورت نہ پڑتی تھی۔ وہ ساری دنیا کو اپنے مقابلہ میں عجمی یعنی گونگا سمجھتے تھے، مگر قرآن حکیم کے نزول کے بعد اہل عرب کے غرور اور ان کی فصاحت و بلاغت کی کچھ ایسی کمر ٹوٹی کہ فصاحت و بلاغت کے تمام دعویداروں کو قرآن کے مقابلے میں نیچا دیکھنا پڑا اور سب لوگوں نے قرآنی فصاحت و بلاغت کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا۔

سالانہ میلوں پر باہمی شاعری کا مقابلہ ہوتا۔ جس کو ثالث حضرات بہترین شاعر قرار دیتے وہ عزت و عظمت کا وارث بن جاتا۔ شاعری اس زمانے کا میڈیا تھا۔ بہترین قصائد اور اشعار کو وہ خانہ کعبہ پر لکھ کر لٹکا دیتے تھے۔ چنانچہ سات قصیدے جو ''سبع معلقات'' کے نام سے مشہور ہیں، خانہ کعبہ کے دروازہ پر لٹکائے گئے تھے۔

دختر کشی:

بنی تمیم اور قریش میں دختر کشی کی رسم سب سے زیادہ جاری تھی۔ اس رسم دختر کشی پر وہ فخر کرتے تھے اور اس کو اپنے لیے عزت و فخر کا سامان سمجھتے تھے۔ بعض گھرانوں میں یہ سنگ دلی یہاں تک بڑھی ہوئی تھی کہ لڑکی جب

Marfat.com

بڑی ہو جاتی اور میٹھی میٹھی باتیں کرنے لگتی تو اس وقت اس کو اچھے اچھے اور خوبصورت کپڑے پہنا کر سنگدل باپ خود اس کو گہرا گڑھا کھود کر اس میں دھکا دیتا اور اوپر سے پتھر مارتا۔ بچی بیچاری چیختی چلاتی رہتی لیکن اس کا رونا اور چیخنا باپ کے کانوں تک نہ پہنچتا۔ چنانچہ بنی تمیم کے ایک شخص قیس بن عاصم نے اسی طرح دس بچیاں دفن کیں۔

مفاخرت:

اہل عرب میں دو چیزوں نے بڑی ترقی کی تھی۔ ایک شعر گوئی جس کے لیے ان کے پاس وسیع فرصتیں تھیں اور کھلے میدانوں میں راتوں کو بیکار پڑے رہنا بھی اس مشغلے کا ایک نہایت قوی محرک تھا۔ دوسرے حفاظت خود اختیاری کی مسلسل مشق اور صعوبت کشی کی عادت نے ان کو جنگ و پیکار اور بات بات پر معرکہ آرائی اور زور آزمائی کا شوقین بنا دیا تھا۔ فخر و تعلّی کے لیے بہادری اور سخاوت دو مضمون بہت دلچسپ تھے۔ بیکاری اور شاعری نے ان کو عشق بازی اور ان کے امراء کو شراب خوری کی طرف بھی متوجہ کر دیا تھا۔ غرض کہ اہل عرب جاہلیت میں قمار بازی کے بھی بہت شائق تھے۔ زیادہ از لام کے ذریعے جوا کھیلا جاتا تھا۔ یہ تیروں کا جوا خانہ کعبہ کے اندر ہبل بت کے سامنے کھیلا جاتا تھا۔ جوا کھیلنے کا ایک طریقہ یہ تھا کہ تھوڑی سی ریت جمع کر کے کوئی شے اس میں چھپا دیتے۔ اس کے بعد اس ریت کی دو ڈھیریاں بنا دیتے اور دریافت کرتے کہ وہ چیز کون سی ڈھیری میں ہے جو اس ریت میں چھپائی تھی۔ جو شخص ٹھیک بتا دیتا وہ جیت جاتا اور جو غلط بتاتا وہ ہار جاتا۔

ضعیف الاعتقادی:

عرب لوگ جنوں اور پریوں کے بہت قائل تھے۔ ان کا اعتقاد تھا کہ پریاں مردوں پر عاشق ہو جاتی ہیں۔ چنانچہ اہل عرب کا عقیدہ تھا کہ جرہم انسان اور فرشتے کے تناسل سے پیدا ہوا تھا۔ عمر بن یربوع کی نسبت بھی ان کا خیال تھا کہ آدمی اور غول بیابانی کے تناسل سے پیدا ہوا ہے۔

جس اونٹنی کے پانچ بچے ہو چکے ہوں اور پانچواں نر ہو تو اس کو بحیرہ کہتے اور عرب اس کا کان چھید کر چھوڑ دیتے۔ وہ جہاں چاہے کھاتی چرتی پھرے۔ اگر بھیڑ کے نر بچہ پیدا ہوتا تو اس کو بتوں پر بطور نذر چڑھا دیتے، اور اگر مادہ ہوتا تو اس کو اپنے لیے رکھ لیتے۔ اگر دو بچے نر اور مادہ پیدا ہوتے تو اس کی قربانی نہیں کرتے تھے۔ اس کا نام وصیلہ ہوتا تھا۔ جس نر اونٹ کی جفتی سے دس بچے پیدا ہو چکے ہوتے اس کی بہت عزت کرتے تھے، اس پر نہ بوجھ لادتے اور نہ خود سوار ہوتے۔ اس کا نام "حام" ہوتا تھا۔ اتم ایک قسم کا درخت ہے۔ جب کبھی سفر پر جاتے تو جاتے وقت اتم کی کسی باریک شاخ پر گرہ لگا جاتے۔ سفر سے واپس آ کر دیکھتے اگر اس شاخ پر گرہ لگی ہوئی ہوتی تو سمجھتے کہ ہماری بیوی پاک دامن رہی ہے، اور اگر گرہ کھلی ہوئی پائی جاتی تو یقین کر لیتے کہ عورت نے ہماری غیر حاضری میں ضرور بدکاری کی ہے۔ جب کوئی شخص مر جاتا تو اس کی اونٹنی کو اس کی قبر کے پاس باندھ کر اس کی آنکھیں بند کر دیتے

Marfat.com

یہاں تک کہ وہ مرجاتی۔ یہ کام اس لیے کیا جاتا تھا کہ مرنے کے بعد یہ شخص جب قبر سے اٹھے گا تو وہ اس اونٹنی پر سوار ہوکر اٹھے گا۔ اس قسم کے بہت سے توہمات ان لوگوں میں اپنی ضعیف الاعتقادی کے باعث پائے جاتے تھے۔

یہ تھی مختصر داستان تاریخ اسلام اور تاریخ عرب کی احقر نے اپنی اس تاریخ میں عام تاریخوں کی طرح واقعات کو اتنا مختصر بھی بیان نہیں کیا کہ واقعات کو صحیح سمجھا نہ جاسکے اور نہ ہی اتنا طویل بیان کیا ہے کہ کتاب زیادہ ضخیم ہوجائے۔ دوسری خصوصیت جو اس تاریخ اسلام کو دوسری تاریخوں سے ممتاز کرتی ہے، وہ یہ ہے کہ اس میں مختلف روایات کی تحقیق بھی کی گئی ہے، عام تاریخوں کی طرح مکھی پر مکھی نہیں ماری گئی، خصوصی طور پر بنوامیہ کے واقعات کے بارے میں ہمارے مؤرخین نے بڑی زیادتی سے کام لیا ہے، ان کے واقعات کو اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ انھیں پڑھتے ہوئے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے یہ لوگ دنیا کے ظالم ترین لوگ تھے اور ان میں دین اسلام کی کوئی پاس داری نہیں تھی حالانکہ بنوامیہ کے زمانہ میں جس قدر دین تھا، بنوعباس کے زمانہ میں اس کا عشر عشیر بھی نہیں تھا۔ بنوعباس کے زمانہ میں زمام حکومت برامکہ کے ہاتھ میں تھی جو ایرانی ہونے کے ساتھ رافضی بھی تھے اور روافض کا پوری حکومت پر غلبہ تھا اور انھوں نے اندر ہی اندر دین اسلام کو تباہ و برباد کرنے کی سازش کی تھی۔ برامکہ خود بھی عیاش تھے اور انہوں نے کارکنان حکومت کو بھی عیاش بنانے کی ہر ممکن کوشش۔ چنانچہ بنوعباس کے زمانہ میں دین کے نام پر مختلف فتنوں نے سر اٹھایا جو فتنے کہ بنوامیہ کے زمانہ میں نہیں تھے۔

بہرحال میں نے صحیح واقعات کی روشنی میں اس تاریخ کو مرتب کیا ہے۔ امید ہے کہ قارئین اس سے ضرور مستفید ہوں گے۔ والسلام!

الفقیر الیٰ عفو ربّہ ورضوانہ

(حکیم) محمود احمد ظفر۔ سیالکوٹ

1434ھ/2013ء

Marfat.com

Marfat.com

سیاہ رات

رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے قبل پوری دنیا پر جہالت، توہم پرستی، بت پرستی، خدا ناآشنائی، زراندوزی (کیپٹلزم) وغیرہ کی ایک سیاہ رات (شب دیجور) چھائی ہوئی تھی۔ ایران اور بازنطینی سلطنت اس زمانہ کی عالمی قوتیں تھیں لیکن دونوں کے عوام ظلم وستم کی چکی میں پس رہے تھے اور ان کی مذہبی، اخلاقی، معاشرتی اور معاشی زندگی کی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے قبل ایران پر ساسانی خاندان کی حکومت تھی جس کا مؤسس اول اردشیر تھا۔ اس نے ۲۸ اپریل ۲۲۴ء کو طیسفون کو فتح کیا اور جب وہ اس شہر میں فاتحانہ داخل ہوا تو اس نے آشکانی خاندان کے جانشین ہونے کا دعویٰ کیا۔ اس طرح ساسانی خاندان کی حکمرانی کا آغاز ہوا۔ (ایران بعہد ساسانیاں: ص ۱۱۲)

اہل ایران کے عقائد آریہ قوم جیسے تھے۔ ان کے ہاں آسمانوں کو بڑی اہمیت دی جاتی تھی۔ سورج کو آسمان کی آنکھ کہا جاتا اور روشنی کو آسمان کا فرزند۔ مختلف دیوتاؤں کی پوجا کی جاتی۔ اس مظاہر پرستی کے دور میں زرتشت کا ظہور ہوا۔ یہ ایران کے قدیم مذہب کا بانی تھا۔ زرتشت آذربائیجان کے صوبہ کا باشندہ تھا۔ اس کا عہد شباب خلوت گزینی میں گزرا۔ اس کو سات مرتبہ بشارتیں ہوئیں جس کی وجہ سے اسے اپنے پیغمبر ہونے کا یقین ہو گیا۔ بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ زرتشت سے قبل جو مذہب ایران میں رائج تھا اس میں متعدد خداؤں پر ایمان لانا ضروری تھا۔ سب سے بڑا خدا سورج دیوتا تھا جس کو ''مترا'' کہا جاتا تھا۔ زمین اور اس کی زرخیزی کا نام ''انیتا'' تھا۔ اس قسم کی اور بھی کئی مذہبی خرابیاں ان میں پائی جاتی تھیں۔ کہتے ہیں کہ جب زرتشت نے ایرانی معاشرہ کو شرک اور فسق کی دلدل میں پھنسا ہوا دیکھا تو وہ غصے سے بے قابو ہو گیا اور اس نے مذہبی طبقہ کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا۔ اور بڑی شجاعت سے اعلان کیا کہ سارے جہان میں صرف اور صرف ایک خدا ہے۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو قصۃ الحضارۃ، ول ڈیورانٹ، قاہرہ: ۱/ ۴۲۵)

زرتشت نے جس خدائے واحد کی تعلیم دی، اس کی موت کے بعد اس کے پیروکاروں نے اس کی تعلیمات کو گلدستۂ طاق نسیان بنا دیا اور کفر وشرک کے جس بھنور سے اس نے اپنی قوم کو نکالا تھا اور توحید خداوندی کی جس شاہراہ پر اُسے گام زن کیا تھا، وہ پھر اس سے یک قلم بھٹک گئے۔ (ہسٹری آف پرشیا: ص ۱۰۷)

زرتشت کے بعد ان میں اور کوئی مذہبی مصلح پیدا نہ ہوا اور حکومت اور معاشرے کی بداعتدالیوں کے

Marfat.com

باعث وہی پرانا آریائی دین جس کی بنیاد عناصر طبعی، اجرامِ فلکی اور قدرتی طاقتوں کی پرستش پر تھی، اس میں اور کئی نئے خداؤں کا اضافہ ہوگیا۔ چنانچہ لکھا ہے کہ زرتشتی جب ترک وطن کر کے قزوین کے مغرب میں پہنچے تو یہاں کی آبادی کو آگ کی بہت زیادہ عزت وتکریم کرتے ہوئے پایا کیوں کہ یہاں آگ زمین سے شعلوں کی صورت میں نکل رہی تھی۔ بجائے اس بات کے کہ وہ اس کو قدرت خداوندی کی ایک بہت بڑی دلیل سمجھتے، لوگوں نے اس کو اپنا معبود بنالیا۔ چنانچہ زرتشتی بھی آگ کے پجاری ہوگئے۔ آج بھی آگ کے تقدس کا قدیم تصور باقی ہے کیونکہ ایرانی پارسی آج بھی نہ موم بتی کو بجھاتے ہیں اور نہ جلتی ہوئی لکڑی کو۔ (ہسٹری آف پرشیا: ص ۱۱۰)

ایران میں ایک خاص قبیلہ ''ماگی'' کو مذہبی اجارہ داری حاصل تھی۔ ساسانیوں کے زمانے میں علمائے مذہب کو ''مُغ'' کہا جاتا تھا۔ یہ لوگ خداؤں کی خدمت کے لیے وقف سمجھے جاتے تھے۔

(ایران بعہد ساسانیاں: ص ۱۴۹)

جب اللہ کا خوف دل میں نہ ہو تو آدمی دینی اقتدار کو دنیوی اقتدار کے حصول کا ذریعہ بناتا ہے۔ چنانچہ انھوں نے بھی اپنے مذہبی مقام سے فائدہ اٹھاتے ہوئے دنیوی اقتدار کو بھی مذہبی تقدس کا رنگ دے دیا اور ہر شخص کی زندگی میں پیش آنے والے تمام مرحلے مہد سے لحد تک ان کی نگرانی میں طے کیے جاتے تھے۔ اہل فارس کے نزدیک کوئی چیز مستند اور جائز نہیں سمجھی جاتی تھی جب تک کہ ایک ''مُغ'' اس کے لیے سند جواز نہ دیتا۔

(ایران بعہد ساسانیاں: ص ۱۵۰)

ماگیوں کے ان غیر محدود اختیارات نے مذہبی تشدد کا روپ دھار لیا۔ مانی نے جب اپنے پیامبر ہونے کا دعویٰ کیا تو ماگیوں نے اسے تختۂ دار پر لٹکا دیا۔ یہودیوں اور عیسائیوں کے ساتھ ساسانی فرماں رواؤں نے نہایت ظالمانہ سلوک کیا۔ چنانچہ ۳۴۱ء میں ایرانی مملکت میں بسنے والے تمام عیسائیوں کے قتل عام کا حکم دے دیا۔ عیسائیوں کے تمام دیہات تباہ و برباد کر دیئے گئے اور ان میں بسنے والے عیسائیوں کو تہ تیغ کر دیا گیا۔ پھر خسرو پرویز نے بھی اپنی پے در پے فتوحات سے مغرور ہو کر یروشلم میں نوے ہزار عیسائیوں کو تہ تیغ کر دیا۔

(Age of Faith W. Durant P.147)

ایران کے سیاسی حالات بھی نہایت خراب تھے۔ عہدہ شاہی تو ساسانی خاندان کے لیے مخصوص تھا۔ صوبوں کی گورنری شاہی خاندان اور باقی چھ خاندانوں کے ارکان کے لیے مخصوص تھی۔ دربار میں شرکت کے وقت بڑے تکلفات سے کام لیتے۔ اعیان سلطنت کو ایک خاص فاصلے پر بٹھایا جاتا۔ درباریوں اور ممتاز لوگوں کے درمیان ایک جنگلا حائل ہوتا تھا۔ بادشاہ دیبا و حریر کے تکیے پر سہارا لگائے اور زربفت کا بیش بہا لباس پہنے دربار میں تخت شاہی پر بیٹھتا۔ جو تاج وہ پہنتا وہ سونے کا ہوتا اور زمرد، یاقوت اور موتیوں سے مرصع ہوتا۔ اس کا وزن ۹۱ کلو یعنی قریباً اڑھائی من تھا۔ تاج بادشاہ کے سر کے اوپر چھت کے ساتھ ایک سونے کی زنجیر کے ذریعے سے لٹکا رہتا جو صرف قریب سے نظر آتی۔ دور سے یہی معلوم ہوتا کہ تاج بادشاہ کے سر پر رکھا ہوا ہے۔ (ایران بعہد ساسانیاں: ص ۵۳۰)

Marfat.com

اس تمام شاہانہ جاہ وجلال اور تمام حفاظتی تدابیر کے باوجود بادشاہ خود کو پھر بھی محفوظ محسوس نہ کرتا تھا۔ چنانچہ اس نے اپنی متعدد خواب گاہیں بنائی ہوئی تھیں۔ کسی شخص کو اس بات کا ہرگز علم نہ ہوتا کہ بادشاہ آج کہاں سو رہا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اردشیر اول، خسرو اول، خسرو دوم اور کئی دوسرے ساسانی بادشاہوں کے لیے چالیس مختلف بیڈ روم ہوتے تھے لیکن بعض وقت وہ ان میں سے کسی بستر پر نہیں سوتے تھے بلکہ کسی معمولی سے کمرے میں بغیر بستر کے ہاتھ کا تکیہ بنا کر لیٹ رہتے۔ (ایران بعہد ساسانیاں: ص ۵۴۱)

سرمایہ دارانہ نظام میں صاحب سرمایہ عیش وعشرت بھی بہت کرتا ہے۔ چنانچہ خسرو پرویز کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ اپنے شاہانہ جاہ وجلال پر عوام کے گاڑھے پسینے کی کمائی اس بے دردی سے خرچ کرتا جس کی ایک معمولی سے جھلک طبری کے اس اقتباس سے معلوم ہوتی ہے۔ چنانچہ لکھا ہے:

''خسرو کے حرم میں تین ہزار بیویاں تھیں علاوہ ان ہزار ہا لونڈیوں کے جو اس کی خدمت میں رہتی تھیں اور اس کی رقص وسرود کی محفلوں کو زینت بخشتیں۔ ان کے علاوہ تین ہزار خدمت گار تھے۔ آٹھ ہزار پانچ سو سواری کے گھوڑے، سات سو ساٹھ ہاتھی اور بارہ ہزار بار برداری کے خچر تھے، اور جواہرات، سونے کے قیمتی ظروف کا اس سے بڑھ کر اور کوئی شوقین نہ تھا۔'' (طبری: ۱/۱۵۸)

یہی کچھ علامہ ابن اثیر نے اپنی کتاب ''الکامل'' میں لکھا ہے۔ (۱/۴۹۲)

ایران کے معاشرتی حالات بھی ناگفتہ بہ تھے۔ انسانی معاشرہ طبقات میں تقسیم تھا، چنانچہ لکھا ہے کہ ایرانی سوسائٹی کی عمارت دو ستونوں پر قائم تھی۔ ایک نسب اور دوسرا جائداد۔ شرفاء کے طبقے اور عوام الناس کے درمیان نہایت محکم حدود قائم تھیں۔ دونوں کی ہر چیز میں امتیاز تھا۔ سواری میں، لباس میں، مکان میں، باغ میں، عورتوں اور خدمت گاروں میں۔'' (ایران بعہد ساسانیاں: ص ۴۱۷)

ایران میں تعلیم صرف اہل ثروت اور شرفاء کے بیٹوں تک محدود تھی اور کاہن عام طور پر معلم کا فریضہ انجام دیتے تھے۔ تعلیم کاہن کے گھر میں ہوتی، اور یہ بھی حکم تھا کہ کوئی مدرسہ شہر کے قریب قائم نہ کیا جائے تاکہ بازاری لوگوں کی بری عادتیں جیسے کذب بیانی، گالی گلوچ اور دھوکہ دہی وغیرہ ان بچوں کے اخلاق کو متاثر نہ کر سکیں۔

انصاف نام کی کوئی چیز اس سلطنت میں نہ تھی۔ البتہ ہر قانون غرباء کے لیے تھا اور پھر عیسائیوں کے لیے کیوں کہ جو شخص عیسائی مذہب قبول کرتا اس پر ظلم وستم کی انتہاء کر دی جاتی۔ اس کی تفصیل ول ڈیوراں نے اپنی مشہور کتاب The Age of Faith میں دی ہے۔ (The Age of Faith, P.141)

نوشیروان جس کو عدل وانصاف کا پیکر بتایا جاتا ہے، اس نے اپنے ۱۷ سگے بھائیوں کو صرف اس لیے تہ تیغ کر دیا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ان میں سے کوئی اس کے خلاف علم بغاوت بلند کر دے۔

سلطنت روما:

رومی سلطنت کی حالت بھی ایرانی سلطنت سے کچھ مختلف نہ تھی۔ یہاں بھی ساری رعایا سرمایہ دارانہ

Marfat.com

نظام کے چنگل میں جکڑی ہوئی تھی۔جس میں غریب روز بروز غریب تر اور امیر امیر تر ہو رہا تھا۔حکومت کا مذہب عیسائی تھا لیکن عیسائیت نے بت پرستی اختیار کر لی، چنانچہ انسائیکلوپیڈیا بریٹانیکا کا مقالہ نگار لکھتا ہے کہ مسیحیت یونانیوں کی بت پرستی کے تسلسل کا دوسرا نام تھا۔دیوی دیوتاؤں کی جگہ خدا رسیدہ بزرگوں نے لے لی تھی۔

(انسائیکلوپیڈیا بریٹانیکا:۱۹/ ۴۳۸_۴۳۹)

اس انسائیکلوپیڈیا میں ''تاریخ کلیسا'' کے عنوان سے جو مقالہ لکھا گیا ہے اس میں ہے کہ ''تیسری صدی کے اختتام سے قبل یسوع کو کلام الٰہی ((Logos) کا مجسمہ تسلیم کر لیا گیا تھا، لیکن اس کی الوہیت کا عام طور پر انکار کیا جاتا تھا۔اس اثناء میں ایرین (Arian) کے تنازعہ نے چوتھی صدی کے کلیسا کو جس اضطراب اور حیرت میں مبتلا کر دیا تھا اس نے لوگوں کی توجہ کو اس مسئلے کی طرف مبذول کیا۔نیقیا (Nicaea) کی کونسل جو ۳۲۵ء میں منعقد ہوئی اس میں یسوع کی الوہیت کو تسلیم کر لیا گیا اور مشرق و مغرب کے عیسائیوں نے اسی عقیدہ کو صحیح مسیحی عقیدہ مان لیا۔بیٹے کی الوہیت کا مظہر یسوع کو قرار دے دینے سے ایک نئی پیچیدگی پیدا ہو گئی جو چوتھی صدی اور اس کے بعد عرصہ تک مابہ النزاع بنی رہی، وہ یہ کہ یسوع میں الوہیت اور بشریت کا باہمی تعلق کیا ہے۔کالسیڈن کی کونسل جو ۴۵۱ء میں منعقد ہوئی، اس میں یہ قرار پایا کہ مسیح کی ذات میں الوہیت اور بشریت دونوں یکساں طور پر مجتمع ہیں اور باہمی امتزاج کے باوجود دونوں کی خصوصیات جوں کی توں قائم ہیں۔قسطنطنیہ کی تیسری کونسل جو ۸۶۰ء میں منعقد ہوئی، اس میں اس پر مزید اضافہ کیا گیا کہ ان دو ہستیوں کی الگ الگ مرضی اور مشیت ہے۔مسیح دونوں حیثیتوں کا مالک ہے۔مسیح کے اندر دو مشیتوں، خدائی اور انسانی، کے وجود کے نظریات کو مشرق و مغرب کے کلیسائیوں نے بحیثیت پختہ اور صحیح عقیدہ کے مان لیا۔'' (انسائیکلوپیڈیا بریٹانیکا:۵/ ۶۷۷_۶۷۸)

سلطنت رومہ کے معاشرتی حالات بھی ایران سے مختلف نہ تھے۔آبادی دو طبقات میں تقسیم تھی۔امراء کا طبقہ خوشحال تھا جب کہ عوام کا طبقہ شہری حقوق سے بھی بعض لحاظ سے محروم تھا۔طبقہ عوام کی اکثریت تھی جو کہ سپارٹا کے غلاموں کی طرح حد درجہ مظلوم بھی نہ تھے۔سینٹ اور اسمبلی کے ارکان امراء کے طبقہ سے لیے جاتے تھے۔ قونصل کا عہدہ بھی طبقۂ امراء کے لیے مخصوص تھا۔

خوش حال رومی عیش و عشرت کی زندگی بسر کیا کرتے تھے۔وہ دیہات میں اپنے لیے بنگلے تعمیر کرتے۔ ان بنگلوں کی کھڑکیاں شیشے کی ہوتیں۔پانی کے لیے نل لگا دیئے جاتے اور انھوں نے پانی کو گرم رکھنے کے لیے ایک نیا طریقہ ایجاد کر رکھا تھا۔گویا ان کے بنگلے گرمیوں اور سردیوں میں ایئر کنڈیشنڈ تھے۔انھیں کھانے پینے کا شوق جنون کی حد تک تھا۔چنانچہ وہ ایک مرتبہ کھانا کھا کر عمداً قے کر کے پیٹ خالی کر لیتے تا کہ دوسری مرتبہ لذیذ کھانوں سے لطف اندوز ہو سکیں۔

لیکن کسانوں کے لیے آرام کے سامان نہ ہونے کے برابر تھے۔شہروں میں عام لوگ لکڑی کی بدنما جھونپڑیوں میں رہتے تھے جو چھ چھ سات سات منزلہ ہوتیں۔بے روزگاری عام تھی اور حکومت نے کبھی اس سنگین

Marfat.com

مسئلے کی طرف توجہ نہ دی اور نہ کبھی اس کا کوئی پائیدار حل سوچا۔ چنانچہ نصف سے زیادہ آبادی خیرات پر گزر اوقات کرتی۔ اس طریقے سے رومی سلطنت کی تمام ریاستوں میں امیروں اور غریبوں کے درمیان ایک وسیع خلیج حائل تھی۔

سلطنت رومہ کے معاشی حالات بھی کچھ اچھے نہیں تھے۔ معاشی نظام مخلوط قسم کا تھا۔ اس میں نجی کاروبار کی بھی اجازت تھی اور بعض صنعتیں حکومت کی ملکیت میں بھی تھیں۔ کسان جاگیرداروں کی زنجیروں میں نسل بہ نسل جکڑے چلے آرہے تھے۔ ٹیکسوں کا بھاری بوجھ ان پر جوں کا توں باقی تھا۔ شمالی افریقہ کے مزدوروں سے جبراً نہروں کی صفائی کا کام لیا جاتا تھا۔ اگرچہ عدالتی نظم ونسق بہتر تھا لیکن سلطنت کا مالیاتی نظام بہت ہی خراب تھا۔ حکومت اگر اقتصادی اصولوں کے تحت کام کرتی تو اپنے باشندوں کی خوش حالی کو مجروح کیے بغیر اپنی آمدنی میں بہت اضافہ کرسکتی تھی۔ (انسائیکلوپیڈیا بریٹانیکا:۱۹/۴۴۲۔۴۴۳)

اہل رومہ کی اخلاقی حالت بھی بہت خراب تھی۔ چنانچہ ول ڈیوران نے لکھا ہے کہ اخلاقی، جنسی اور کاروباری لحاظ سے رومی سلطنت کے یکینوں کی حالت قابل رشک نہ تھی۔ رقص گاہیں، اور ڈانسنگ ہال پورے ملک میں بے شمار تھے۔ کلیسا نے اعلان کردیا تھا کہ وہ اداکاروں کو بپتسمہ نہیں دیں گے، اس کے باوجود اداکاروں کو بڑی پذیرائی حاصل تھی۔ عملی طور پر اکثر وبیشتر تمام عورتیں بدکار تھیں۔ ضبط تولید کے وسائل پر آج کل کی طرح مستقل مزاجی سے تحقیق جاری رہتی تھی۔ قحبہ خانے عام تھے اور عصمت فروشی کا دھندا عروج پر تھا۔ (The Age of Faith, P.120)

ہندوستان جس کو ایک روحانی مرکز سمجھا جاتا تھا، وہ بھی توحید خالص سے یک قلم ناآشنا تھا۔ اس کے بڑے بڑے مصلحین مختلف زمانوں میں روحانیت اور اخلاق کا درس دیتے رہے، لیکن ان تعلیماتِ اخلاق کو مدتوں سے قوم نے یک قلم بھلا کر رکھ دیا تھا۔ شرک ہمیشہ سے ہندوستان کے خمیر میں تھا۔ اوہام پرستی نے کروڑوں خدا بنا دیئے تھے۔ ہندوستان کی ہر شے خدائی کا درجہ رکھتی تھی حتیٰ کہ سانپوں، چوہوں اور جانوروں تک کی پوجا ہوتی تھی۔ ایک ہندو مؤرخ کے بقول خداؤں کی تعداد ہندوستان کی آبادی سے بھی بڑھ گئی تھی، اور ایک ایک انسان کے حصے میں کئی کئی خدا آتے تھے۔ شرافت انسانی مسخ ہوکر رہ گئی تھی۔ ہر نچلا طبقہ اپنے سے بلند طبقے کا غلام تھا۔ برہمنوں نے ذات پات کے مسئلہ پر ایک اودھم مچایا ہوا تھا۔

اخلاقی حالت بھی نہایت شرمناک تھی۔ ایک ایک عورت کئی کئی شوہروں کی بیوی تھی۔ شوہر کے مرنے کے بعد عورت کو ستی ہونے پر مجبور کیا جاتا۔ شراب ان کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی۔ بدمستی میں ہر گناہ اور پاپ ثواب بن جاتا۔ محرمات سے بھی مستفید ہونے میں ثواب سمجھا جاتا۔ عصمت نام کی کوئی چیز نہ تھی۔ بڑے بڑے عزت دار لوگوں کی بیویاں جامۂ عصمت اتار پھینکتی تھیں، مندروں کے پروہت سب سے زیادہ بداخلاقی میں ملوث تھے۔ اعضائے تناسل کی پرستش ہوتی تھی۔ دیوداسیوں کی اخلاقی حالت بھی نہایت شرمناک تھی۔ عورتوں کی اس معاشرہ میں کوئی قدر وقیمت نہ تھی۔ بیوہ عورت تمام دنیوی لذائذ سے یک قلم محروم کردی جاتی تھی، لہٰذا وہ شوہر کے ساتھ جل مرنے پر مجبور ہوجاتی۔

Marfat.com

جزیرۂ عرب

جو حالت اس زمانے میں ایران اور سلطنت روما کی تھی وہی حالت اس وقت کے دوسرے تمام ملکوں کی تھی۔ اس زمانہ میں جزیرۂ عرب حسب ذیل پانچ حصوں میں منقسم تھا:

① التہامہ ② الحجاز ③ النجد ④ العروض اور ⑤ یمن

ملک عرب ایک جزیرہ نما ہے۔ اس کا حدود اربعہ کچھ یوں ہے:

''اس کے جنوب مغرب میں بحر احمر، جنوب میں خلیج عدن، بحیرہ عرب، شمال مشرق میں خلیج عمان اور خلیج فارس واقع ہے۔ اس کی شمالی سرحد جو خلیج فارس کے دہانہ سے شروع ہو کر خلیج عقبہ تک چلی گئی ہے، یہ پوری طرح واضح نہیں۔ اگرچہ سعودی عرب کی مملکت اور کویت کی سرحدوں کو جزیرۂ عرب کی شمالی سرحد کہا جاتا ہے، ان مذکورہ حدود کے مطابق صحرائے شام جزیرۂ عرب کا حصہ نہیں، لیکن دراصل معاملہ اس کے برعکس ہے۔ یہ علاقہ اپنی طبعی اور جغرافیائی خصوصیات اور آبادی کے لحاظ سے جزیرۂ عرب ہی کا حصہ ہے۔ قدیم اور جدید جغرافیہ دان بالاتفاق اسے جزیرۂ عرب کا حصہ شمار کرتے ہیں۔

جزیرۂ نمائے عرب کا رقبہ قریباً دس لاکھ مربع میل ہے جو فرانس کے رقبہ سے دوگنا ہے۔ اس کی سب سے طویل سرحد وہ ہے جو بحر احمر کے ساحل کے ساتھ ساتھ چلی گئی ہے۔ اس کا طول ۱۴ سو میل ہے اور اس کا سب سے زیادہ عریض علاقہ وہ ہے جو یمن سے اومان تک چلا گیا ہے جس کی چوڑائی ۱۲ سو پچاس میل ہے۔ سعودی عرب کی سرحدیں اردن اور عراق سے ملحق ہیں اور خلیج عقبہ سے اس کی حدود مصر اور اسرائیل سے بھی جا کر ملتی ہیں۔'' (انسائیکلوپیڈیا بریٹانیکا: ۲/۱۶۸)

عرب کو عرب کیوں کہتے ہیں؟ اس بارے میں اہل علم کی مختلف آراء ہیں۔ عرب کے معنی فصیح اللسان اور زبان آور کے ہیں۔ یہ لوگ اپنی فصاحت و بلاغت کے باعث پوری دنیا کو عجم یعنی ژولیدہ بیان سمجھتے تھے۔ لہٰذا یہ لوگ اپنی فصاحت و بلاغت کی وجہ سے عرب کہلائے۔ دوسرا خیال یہ ہے عرب کا لفظ مشتق ہے ''عربہ'' سے جس کے معنی دشت و صحرا کے ہیں۔ چونکہ عرب کا ایک بہت بڑا حصہ دشت و صحرا پر مشتمل ہے، لہٰذا اس ملک کو عرب کہا جاتا ہے۔

مؤرخین عرب نے اہل عرب کو ابتداء میں دو بڑے حصوں میں تقسیم کیا ہے جو العرب البائدہ اور العرب الباقیہ کے نام سے موسوم تھے۔

Marfat.com

العرب البائدہ:

اس سے مراد وہ قبائل ہیں جنھیں گردش لیل ونہار نے فنا کر دیا ہے۔ان کے بارے میں صحیح تاریخی معلومات موجود نہیں۔اس وجہ سے ان کی عظمت اور اقبال مندی کے بارے میں کچھ اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔ان فنا ہونے والوں میں سے مشہور قبائل عاد، ثمود، طسم، جدیس اور جرہم الاولیٰ ہیں۔

العرب الباقیہ:

دوسری قسم العرب الباقیہ کے نام سے مشہور ہے۔اس کی پھر دو شاخیں ہیں۔ایک شاخ کو ''العرب العاربہ'' کہتے ہیں اور دوسری شاخ کو ''العرب المستعربہ'' کہا جاتا ہے۔

العرب العاربہ کا مشہور شعب قحطان تھا اور ان کا وطن یمن تھا۔ان کے مشہور دو قبیلے ہیں: جرہم اور یعرب، اور یعرب کی اولاد میں سے کہلان اور حمیر تھے۔جن سے بے شمار قبائل معرض وجود میں آئے۔

العرب الباقیہ کی دوسری شاخ کو العرب المستعربہ کہا جاتا ہے کیونکہ ان کے جد اعلیٰ کی مادری زبان عربی نہیں تھی۔سیدنا اسماعیل علیہ السلام کی مادری زبان عبرانی یا سریانی تھی۔جب بنی قحطان کا قبیلہ جرہم مکہ میں وارد ہوا اور سیدنا اسماعیل علیہ السلام کی شادی بنو جرہم کی ایک خاتون سے ہوئی تو اسی قبیلہ سے آپ نے اور آپ کی اولاد نے عربی زبان سیکھی۔اسی وجہ سے ان کو العرب المستعربہ کہا جاتا ہے۔جزیرۂ عرب کے درمیانی علاقوں میں اور حدود حجاز سے لے کر بادیہ شام تک جتنے عرب ہیں ان کی اکثریت عرب المستعربہ سے ہے۔

سیدنا اسماعیل علیہ السلام کے بارہ فرزند تھے جن کی نسل میں اللہ تعالیٰ نے بڑی برکت دی اور وہ بے شمار قبائل میں منقسم ہو کر جزیرۂ عرب کے مختلف علاقوں میں رہائش پذیر ہوئے۔آپ کی اولاد میں ایک مشہور شخصیت جو بعد میں آنے والی اولاد اسماعیل کا سنگم قرار پائی اس کا نام عدنان تھا۔تمام مؤرخین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ سیدنا اسماعیل علیہ السلام کی اولاد عدنان سے پھیلی۔عدنان کے دو بیٹے تھے۔''عک'' اور ''معد'' آخر الذکر عدنانی یا اسماعیلی قبائل کا جد اعلیٰ تھا۔(العرب قبل الاسلام:ص۲۲۳)

اہل عرب کی خصوصیات:

اہل عرب میں کچھ خصوصیات تھیں جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے دین حنیف کی تجربہ گاہ بنانے کے لیے اس سرزمین کو منتخب کیا۔عرب کا علاقہ لق ودق صحراؤں، نا قابل کاشت میدانوں اور نا قابل عبور ریگستانوں پر مشتمل ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ نے اس میں سکونت پذیر لوگوں کو جناب رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے لیے کیوں منتخب فرمایا؟ ہماری رائے کے مطابق اس قوم میں کچھ ایسی خصوصیات تھیں جو دوسری قوموں میں نہیں تھیں۔

Marfat.com

① ذہانت وفراست:

ذہانت وفراست میں یہ قوم دنیا میں اپنی نظیر اور مثال نہیں رکھتی تھی۔ چنانچہ کتابوں میں لکھا ہے کہ ایک امیر آدمی اپنے دو غلاموں کے ساتھ سفر پر روانہ ہوا۔ جب وہ کچھ راستہ طے کر چکے تو غلاموں کی نیت میں خرابی واقع ہوگئی اور انھوں نے اپنے آقا کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا۔ آقا بھی ان کے اس منصوبہ کو تاڑ گیا۔ اس نے کہا: اگر تم دونوں نے مجھے قتل کرنے کا عزم صمیم کر لیا ہے تو میرے ساتھ ایک وعدہ کرو کہ جب تم مجھے قتل کر کے واپس جاؤ تو پہلے میرے گھر جانا اور میری دونوں بچیوں کو یہ شعر سنانا۔ انھوں نے پوچھا کون سا شعر؟ اس شخص نے یہ شعر پڑھا:

من مخبر بنتی ان اباهما
للہ درّ کما ودرّ ابیکما

ان دونوں غلاموں نے جب یہ شعر سنا تو کہا کہ اس میں کوئی خطرے والی بات تو نہیں لہٰذا اس کی بچیوں کو یہ شعر سنانے میں کوئی حرج نہیں۔ چنانچہ انھوں نے آقا سے وعدہ کر لیا کہ وہ واپسی پر اس کی بچیوں کو اس کی طرف سے یہ شعر سنا دیں گے۔ جب وہ اپنے آقا کو قتل کر کے واپس اس کے گھر اس کی بچیوں کو یہ شعر سنانے کے لیے گئے تو اس کی بڑی بیٹی سے ملاقات ہوئی اور کہا کہ تمھارے والد کو راستہ میں موت نے آلیا جس سے کسی کو مفر نہیں، لیکن مرتے وقت تمھارے باپ نے ہم سے حلف لیا تھا کہ ہم واپسی پر تمھیں اس کا یہ شعر سنائیں۔ چنانچہ انھوں نے یہ شعر پڑھ کر اس کی بڑی لڑکی کو سنایا۔ اس نے یہ شعر سنا تو غلاموں سے کہا کہ ذرا ٹھہرو میں چھوٹی بہن کو بلا لاؤں۔ وہ اسے بلا کر لائی اور اسے یہ واقعہ بھی بتایا اور اپنے باپ کا شعر بھی سنایا۔ شعر سنتے ہی اس نے اپنی اوڑھنی لی اور رونا پیٹنا شروع کر دیا اور چلا چلا کر کہنے لگی: ''اے گروہ عرب! ان دونوں نے میرے باپ کو قتل کر دیا ہے۔'' لوگوں نے پوچھا: ''اس کی کیا دلیل ہے۔'' وہ کہنے لگی کہ شعر کے دونوں مصرعے نامکمل ہیں۔ حقیقت میں یہ دو شعر ہیں۔ اس شعر میں دونوں شعروں کا ایک ایک مصرع مذکور ہے، اور دوسرا مصرع مقدر ہے۔ قوم نے پوچھا: پھر یہ شعر کیسے ہونے چاہئیں؟ اس نے کہا: ''پہلا شعر یوں ہونا چاہیے۔''

من مخبر بنتی ان اباهما
احسیٰ قتیلاً بالفلاة مجندلاً

''وہ کون شخص ہے جو میرے بچیوں کو یہ اطلاع دے کہ ان کا باپ قتل کر دیا گیا ہے اور اس کی لاش جنگل میں آلودہ پڑی ہے۔''

للہ درکما ودرّ ابیکما
لن یبرح العبدان حتی یقتلا

''اے میری بیٹیو! تم دونوں کی خوبیاں اور تمھارے باپ کی خوبیاں اللہ کے لیے ہیں، ان

Marfat.com

غلاموں کو قتل کیے بغیر ہرگز نہ چھوڑا جائے۔"

لوگوں نے ان غلاموں کو پکڑ لیا۔ تفتیش کرنے پر وہ مجرم ثابت ہوئے۔ چنانچہ ان کو قصاص میں قتل کر دیا گیا۔ (بلوغ الارب:۱/۷۸)

② قوت حافظہ کی تیزی:

اللہ نے انھیں بلا کی قوت حافظہ عطا فرمائی تھی۔ اپنی اسی قوت حافظہ کے باعث انھیں اہم واقعات، لوگوں اور گھوڑوں کے حسب ونسب تک یاد تھے۔ ان کی محفلوں میں قصیدے سنائے جاتے جن کو وہ اپنی قوت حافظہ سے یاد رکھتے۔ دنیا کی کوئی قوم قوت حافظہ میں ان کا مقابلہ نہیں کر سکتی تھی۔ وہ لوگ اپنے نسب کے سلسلہ ہی کو یاد نہیں رکھتے تھے بلکہ وہ اپنے گھوڑوں کے نام اور ان کے نسب ناموں کو بھی یاد رکھنے کے عادی تھے۔

③ سخاوت:

عربوں میں ایک اور اہم صفت ان کی سخاوت تھی۔ اگرچہ وہ لق ودق صحراؤں اور ریگستانوں میں رہتے تھے اور ان کی معاشی حالت زیادہ اچھی نہ تھی لیکن ان میں سخاوت اور فیاضی کا مادہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ وہ اپنے اشعار میں بھی اپنی فیاضی کا ذکر کرتے ہیں۔ ان کا یہ دستور تھا کہ وہ رات کے وقت اونچے ٹیلوں پر آگ روشن کر دیتے تا کہ اندھیری رات کے وقت بھولا بھٹکا مسافر اس آگ کو دیکھ کر ان صحرا نشین بدوؤں کے خیموں تک پہنچ سکے اور وہ اس کی کچھ خدمت اور خاطر ومدارات کر سکیں۔ اس کے علاوہ وہ کتے پالا کرتے تھے جو ان کے ریوڑوں کی حفاظت کے علاوہ رات کے سناٹے میں اس لیے بھونکتے تا کہ صحرا نورد مسافر ان کے بھونکنے کی وجہ سے ان کے خیموں تک پہنچ سکیں۔ چنانچہ ایک شاعر اپنے بیٹے کو یہ وصیت کرتا ہے کہ وہ میرے کتے کے ساتھ اچھا سلوک کرے کیونکہ یہ رات کی تاریکی میں میرے مہمان کو اس وقت میرے پاس لے آتا ہے جب آگ جلانے والے سو جایا کرتے ہیں۔ (بلوغ الارب:۱/۷۰)

④ شجاعت:

اہل عرب کے خصوصی اوصاف میں سے ایک وصف شجاعت اور بہادری بھی تھا۔ اپنے تحفظ اور عزت و ناموس کے لیے وہ اپنی متاع زیست کو قربان کرنے کے لیے بلا تامل تیار ہو جاتے تھے۔ بستر کی موت ان کے لیے قابل مذمت تھی۔ ایک عرب کو اس کے بھائی کے قتل ہو جانے کی اطلاع دی گئی تو اس نے بڑے سکون سے کہا:

"اگر میرا بھائی قتل ہو گیا ہے تو کیا ہوا، اس سے پہلے اس کا باپ، اس کا بھائی اور چچا بھی میدان جنگ میں قتل ہوئے تھے۔ بخدا! ہم بستر پر نہیں مرا کرتے بلکہ نیزوں کی انیوں پر ہمارے پرزے اڑائے جاتے ہیں اور ہم تلواروں کے سایوں میں موت کا پیغام قبول کرتے ہیں۔"

Marfat.com

⑤ وفائے عہد:

اہل عرب کی وفائے عہد کی شان بھی کچھ نرالی تھی۔ان کے ہاں غدر، دھوکا، جھوٹ بہت برا سمجھا جاتا تھا۔جس قوم میں باہمی اعتماد نہ ہو اور عہد شکنی اور وعدہ خلافی کی وبا عام ہو وہ قوم ہمیشہ زوال وانحطاط کا شکار ہو جاتی ہے۔اہل عرب وعدہ کے نہایت پکے تھے۔ان میں وعدہ خلافی کا مرض نہیں تھا۔اس بارے میں دو ایک واقعات ہم نے اپنی کتاب ''سیرۃ خاتم النبیین ﷺ'' میں نقل کیے ہیں۔

⑥ غیرت وحمیت:

عرب کے یہ بادیہ نشین غیرت وحمیت کے پتلے تھے۔وہ غیرت کے جذبہ سے سرشار تھے اور اپنی عفت و عصمت کی حفاظت کے لیے خون کے دریا بہانے اور کشتوں کے پشتے لگا دینے سے بھی دریغ نہیں کرتے تھے۔ہر وہ شخص جس میں شرافت وفضیلت کی ادنیٰ سی رمق بھی موجود ہوتی ہے، وہ لازمی طور پر غیرت مند ہوتا ہے۔اگر کسی شخص کی ماں کو کوئی ایسی خدمت بجالانے کا حکم دیتا جو اس کے مرتبہ سے فروتر ہوتی تو وہ خاتون اس کو اپنی تذلیل سمجھ کر آتش زیر پا ہو جاتی اور اپنے خاوند، بھائیوں اور بیٹوں کو للکارتی۔اس ایک عورت کی للکار پر سیکڑوں ہزاروں تلواریں بے نیام ہو جاتیں اور آن واحد میں کشتوں کے پشتے لگ جاتے۔پھر یہ لڑائی بعض دفعہ صدیوں تک چلتی۔

اس وجہ سے ان کے شرفاء اور نجباء اپنے لیے اور اپنے بچوں کے لیے ایسی بیویوں کا انتخاب کیا کرتے تھے جن کا دامن عفت وعصمت فسق وفجور کے بدنما داغوں سے یکم قلم مبرا ہوتا۔وہ ظاہری حسن وجمال پر عفت و عصمت کو ترجیح دیتے کیونکہ اس خاتون نے ان کے بچوں کی ماں بننا تھا اور وہ خواہش رکھتے کہ ان کی ہونے والی بہو بھی شرافت وعصمت کی دیوی ہو، اگرچہ رنگ وروپ میں وہ کسی سے کم ہی ہو۔چنانچہ ایک شاعر اپنے بچے کو کہتا ہے ؎

فاوّل احسانی الیکم تخیری
لماجدۃ العراق بادٍ عفافھا

''پس میرا پہلا احسان تم پر یہ ہے کہ میں نے تمھارے لیے ایسی ماں پسند کی ہے جو عراق میں مجد وشرف کی حامل تھی اور اس کی پاک دامنی ظاہر تھی۔''

اہل عرب کی برائیاں:

اہل عرب میں جہاں یہ خوبیاں اور اوصاف پائے جاتے تھے وہاں کچھ برائیاں بھی تھیں جو ان کی زندگی کے تاریک پہلو تھے۔عہد جاہلیت میں عمرو بن لحی الخزاعی سے پہلے عدنانی اور قحطانی دونوں عرب قبائل دین ابراہیمی کے پابند تھے۔ان کا عقیدہ یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے اور اس کی ذات وصفات میں اس کا کوئی شریک

Marfat.com

نہیں۔ وہ قادر مطلق ہے۔ کمزوریوں اور عیوب سے منزہ اور پاک ہے۔ وہ شریعت ابراہیمی پر عمل پیرا تھے لیکن جوں جوں عہد نبوت سے ان کا زمانہ دور ہوتا گیا سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی تعلیمات کی روشنی مدھم پڑنے لگی اور جہالت اور نفس پرستی نے اپنے پنجے گاڑ دیئے اور ان میں غلط افکار جڑ پکڑنے لگے۔ اسی اثناء میں عمرو بن لحی الخزاعی نے عرب میں بت پرستی کو رائج کر دیا۔ سیرت حلبیہ میں لکھا ہے کہ عمرو بن لحی اہل عرب کے لیے رب بن گیا۔ جس نئی بات کا وہ آغاز کرتا لوگ اس کو دین سمجھ لیتے۔ یہ پہلا شخص ہے جس نے دین ابراہیمی کو تبدیل کیا۔ (وھو اول من غیر دین ابراھیم) (سیرۃ حلبیہ: ۱/۱۰)

پھر یہ مرض ایسا پھیلا کہ ہر قبیلے اور ہر گھر نے اپنا اپنا خدا بنا لیا۔ اور عرب کے لوگوں نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے دین کو ترک کر کے بت پرستی اختیار کر لی۔ اس بت پرستی کے بارے میں ان کا رویہ بڑا مضحکہ خیز تھا۔ چنانچہ ابو رجاء العطاردی کہتے ہیں کہ جاہلیت میں ہمارا طریقہ یہ تھا کہ ہم ایک پتھر کو پوجتے رہتے۔ جب اس سے زیادہ کوئی خوبصورت پتھر مل جاتا تو ہم پہلے معبود پتھر کو پھینک دیتے اور نئے پتھر کی پوجا شروع کر دیتے۔ اگر کسی مقام پر کوئی پتھر دستیاب نہ ہوتا تو پھر مٹی کی ایک ڈھیری بناتے اور اس کے اوپر بکری کھڑی کر کے اس کا دودھ دوہتے اور اس ڈھیری پر ڈال دیتے۔ پھر ہم اس ڈھیری کی عبادت کرنے لگتے۔ (بلوغ الارب: ۲/۲۱۱)

ایک اور شخص ابوعثمان النہدی کہتے ہیں کہ جاہلیت میں ہم ایک بت کی پوجا کیا کرتے تھے۔ ایک روز ہم نے ایک اعلان سنا، کوئی کہہ رہا تھا: ''اے لوگو! تمہارا خدا ہلاک ہو گیا ہے، اب کوئی نیا رب ڈھونڈو۔ ہم نے وادی کے سارے نشیب و فراز کو چھان مارا تا کہ ہمیں خدا بنانے کے لیے کوئی پتھر مل جائے لیکن کوئی پتھر نہ ملا۔ اسی دوران ہم نے ایک اور آواز سنی ''انا قد وجدنا ربکم'' لوگو! ہم نے تمہارے لیے ایک خدا ڈھونڈ لیا ہے۔'' جب ہم آئے تو وہاں ایک پتھر رکھا ہوا تھا۔ ہم نے اس پر جانور ذبح کیے اور ان کے خون سے اس کو لت پت کر دیا، اس کے بعد اس کی پوجا شروع کر دی۔

اہل عرب نے نہ صرف عقیدۂ توحید کو بھلا دیا جو سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور ان کے بعد والے پیغمبروں نے ان لوگوں کے ذہنوں میں ڈالا تھا بلکہ اس زود فراموش قوم نے اخلاق اور انسانیت کے تمام اسباق بھی بہت جلد فراموش کر دیئے اور پانچویں صدی عیسوی کے آخر میں نوبت بایں جا رسید کہ زمین عرب کے کسی حصہ میں کوئی حقیقی خداشناس قوم نہ رہی بلکہ سارا معاشرہ ہی خدا ناشناس ہو گیا اور جہل اور بداخلاقی کے حجابوں نے ان کی اصل صورت مسخ کر کے رکھ دی۔

ایران و روما اور دوسرے ممالک کی حالت بھی یہی کچھ تھی بلکہ ایران و روما کی حالت تو اور بھی زیادہ بدتر تھی جیسا کہ گذشتہ صفحات میں بیان کیا گیا ہے۔ روم و فرنگ جو خود کو دین و دنیا کا تاج دار تصور کرتے تھے، ان کی حالت ان سے بھی زیادہ زبوں اور بدتر تھی۔ اصلی عیسائیت مدتوں سے سینٹ پال کے ہاتھوں اپنا وجود کھو چکی تھی اور ان کے پادریوں کے ہاتھوں متعدد فرقے پیدا ہو چکے تھے۔ باہمی طور پر وہ چھوٹے چھوٹے

Marfat.com

مسائل پر لڑتے رہتے اور پاک روحانیت کا دامن ان کے باہمی کشت وخون سے رنگین رہتا تھا۔ توحید ختم اور تثلیث اور دوسری مشرکانہ رسوم کا دور دورہ تھا۔ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام اور سیدہ مریم علیہا السلام اور روح القدس کی شخصیت اور مرتبے کی تعیین میں آپس میں اس قدر اختلاف ہوگیا کہ ان کی اصلی حیثیت یک قلم گلدستۂ طاقِ نسیاں ہوگئی اور ان کے فرضی بت بنا کر ان کی پوجا کی جانے لگی۔ دین کی باگ ڈور گمراہ اور دنیا پرست پادریوں کے ہاتھوں میں آ گئی اور ایک یا تین خداؤں کے بجائے اب ہر پادری با اختیار خدا اور مسجود خلائق ہوگیا۔ پوپ کو سب سے زیادہ با اختیار خدا کی حیثیت حاصل تھی۔ اس کی جنبش لب نظام حکومت بدل دیتی تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ حکومت اور کلیسا میں کش مکش شروع ہوگئی اور کئی حکمرانوں کو اپنی رعایا کی بغاوت کا سامنا کرنا پڑا۔ مذہبی اجارہ داری نے پادریوں میں طرح طرح کی اخلاقی برائیاں پیدا کر دیں اور عیسائیت ان پادریوں کے باعث جنگ وجدال، سفا کی وخون ریزی اور ہوس اور جنس پرستی کا گہوارہ بن گئی۔ خانقاہیں عیش ونشاط کے مرکز بن گئیں۔ رہبانیت نے ایسی مکروہ اور تکلیف دہ شکل اختیار کر لی کہ اس کے تصور سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

اس زمانے میں بنی اسرائیل ایک الہامی مذہب کے داعی تھے لیکن انھیں فخر ومباحات نے برباد کیا ہوا تھا۔ ان کا دعویٰ تھا کہ تمام مخلوق میں صرف وہی اللہ تعالیٰ کی محبوب اور پسندیدہ قوم ہیں۔ قرآن حکیم نے ان کا عقیدہ یہ بیان کیا ہے کہ وہ چونکہ اللہ تعالیٰ کی محبوب ترین قوم ہے لہٰذا ان سے کوئی مواخذہ نہ ہوگا خواہ وہ جو مرضی کریں۔ اسی بات نے انھیں اللہ تعالیٰ کا باغی اور سرکش بنا دیا تھا جس کے نتیجہ میں انھوں نے نہ صرف انبیاء کرام علیہم السلام کی دعوت کا انکار کیا بلکہ انھیں قتل کرنے سے بھی دریغ نہ کیا۔ اِن کے مذہب کو بھی ان کے علماء نے تبدیل کر دیا تھا۔ انھوں نے دین کو توڑ مروڑ کر اپنے مقصد کے مطابق بنا لیا ہوا تھا اور اس میں بھی انہی باتوں پر عمل کرتے جو ان کی خواہشات کا ساتھ دیتیں۔ سیکڑوں قسم کے اوہام وخرافات کو مذہب کا ایک حصہ بنا دیا گیا۔ ان کے علماء میں دنیوی حرص وآز پیدا ہو چکی تھی جس کی وجہ سے وہ بڑے طماع اور حریص ہو گئے تھے اور دین کے نام پر لوگوں کو لوٹ کر دولت جمع کرتے اور پھر اس دولت کو سود پر لوگوں کو دیتے لہٰذا سود خوری ان کی فطرت ثانیہ بن چکی تھی۔ سود خوری سے انسان سنگ دل ہو جاتا ہے۔ انسانیت کی ہمدردی اس کے دل سے نکل جاتی ہے۔ تاریخ کے اوراق اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ دنیا میں ان کی کوئی سیاسی اہمیت نہ تھی۔ یہ ایک آوارہ قوم کی طرح دنیا میں پریشان حال پھر رہے تھے۔ ہر شخص ان کے کرتوتوں اور شقاوت قلبی کے باعث ان سے نفرت کرتا اور ان سے ذلت ونکبت کا برتاؤ کرتا۔ مختصر یہ کہ عقیدہ، مذہب، سیاست، معاشرت اور اخلاق کے اعتبار سے یہ ایک مسخ شدہ قوم تھی۔

عربوں کے مشہور بت:

عربوں میں بھی وہ تمام خرابیاں پیدا ہوگئی ہوئی تھیں جو دوسری اقوام میں تھیں۔ یہ بت پرستی کی خرابی

Marfat.com

گردونواح کی قوموں کے علاوہ تھی۔ ویسے تو ہر قبیلہ اور ہر گھر میں الگ الگ بت تھا۔ سفر کا الگ، حضر کا الگ، بیماری کا الگ، صحت کا الگ، لیکن کچھ مشہور بت ایسے بھی تھے جن کی مختلف قبیلے عبادت کرتے تھے اور وہ بڑے بت سمجھے جاتے تھے اور بڑے بڑے صنم کدوں میں انھیں سجا کر رکھا گیا تھا۔ دن رات ان پر نذرانے اور چڑھاوے چڑھتے تھے۔ کئی کئی اونٹ ان کے استھانوں پر قربان کیے جاتے اور کئی کئی روز کے میلے ان پر لگتے۔

① ان بڑے بتوں میں سب سے پرانا بت ''منات'' تھا۔ یہ عربوں کے قومی بتوں میں شمار ہوتا تھا۔ وہ اس بت کی نہ صرف پورے اخلاص سے پرستش کرتے تھے بلکہ عقیدت و احترام کی وجہ سے اپنے بچوں کے نام بھی اس بت کے نام پر رکھتے تھے جو ان کی گہری وابستگی کا آئینہ دار تھا۔ کتاب الاصنام میں لکھا ہے کہ ''جو لوگ حج کے لیے دوسرے حجاج کے ساتھ روانہ ہوتے وہ ان تمام مقامات پر ضرور ٹھہرتے جن پر عرب عام طور پر قیام کیا کرتے تھے اور وہ ساری رسوم ادا کرتے جو اس وقت رائج تھیں، لیکن وہ اپنے سروں کو منڈوانے سے اجتناب کرتے۔ حج سے واپسی پر جب وہ اس مقام پر پہنچتے جہاں ''منات'' کا بت نصب تھا تو وہاں کچھ دیر کے لیے قیام بھی کرتے اور اپنے سروں کو بھی منڈواتے کیونکہ ان کے نزدیک منات کی زیارت بھی حج کا ایک نہایت ضروری حصہ تھا اور جب تک اس رکن کو پوری طرح ادا نہ کیا جائے اس وقت تک ان کی نظر میں فریضۂ حج کی تکمیل نہیں ہوتی تھی۔''

عربوں کے ہاں ''منات'' کی عرصہ دراز تک تعظیم و تکریم ہوتی رہی یہاں تک کہ سرکار دو عالم ﷺ نے سنہ ۸ھ میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو بھیج کر اسے مسمار کروا دیا۔

② عربوں کا دوسرا واجب التعظیم بت ''لات'' تھا جس نے سرزمین طائف میں شرک و کفر کی ظلمتیں پھیلا رکھی تھیں۔ یہ مربع شکل کی ایک چٹان تھی جس پر ایک مکان تعمیر تھا۔ اس صنم کدہ کے متولی اور سجادہ نشین بنوثقیف تھے جو طائف کا سب سے بڑا قبیلہ تھا۔ لات کا بت بھی منات کی طرح عرب کے سارے قبائل میں معظم و مکرم سمجھا جاتا تھا اور لوگ دور دور سے خیر و برکت کے حصول اور آسمانی و ارضی آفات سے بچنے کے لیے یہاں آتے اور نذرانے پیش کرتے اور اپنی اولاد کے نام بھی اس بت کے نام پر رکھتے۔ جب سنہ ۹ھ میں بنوثقیف نے اسلام قبول کیا تو سرکار دو عالم ﷺ نے سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کو اس بت کے صنم کدہ کو مسمار کرنے کے لیے بھیجا۔ انھوں نے اس کو منہدم کر کے نذر آتش کر دیا۔

③ اہل عرب کے مشہور بتوں میں سے ایک بت کا نام عزیٰ تھا۔ یہ لات و منات کے بعد بنایا گیا تھا۔ یہ وادی نخلہ میں درختوں کے ایک جھنڈ میں تھا۔ عربوں کو اس بت کے ساتھ بھی گہری قلبی عقیدت تھی۔ اس بت کے نام پر بھی عربوں نے اپنی اولاد کے نام رکھے ہوئے تھے۔ چنانچہ ''عبدالعزیٰ'' جیسا مرکب نام پہلے کسی دور میں نظر نہیں آتا۔ اس کے استھان پر اس بت کے حضور میں نذرانے پیش کیے

Marfat.com

جاتے تھے اور اس کی باقاعدہ پوجا ہوتی تھی۔ عربوں کے ہاں سب سے مقدس نام ''عبدالعزیٰ'' سمجھا جاتا تھا۔ قریش میں بھی اس بت کی بڑی تعظیم ہوتی تھی۔ چنانچہ خواجہ عبدالمطلب نے اپنے ایک بیٹے ابولہب کا نام عبدالعزیٰ رکھا ہوا تھا۔

عزیٰ کا بت عربوں کے ہاں کس قدر واجب التعظیم تھا اس کا ہلکا سا اندازہ قیس بن الحداد کے اس شعر سے لگایا جاسکتا ہے:

تلینا ببیت اللہ اول حلفہ
والا فانصاب یسرف بغبغب

''ہم سب سے پہلے اللہ کے گھر کی قسمیں کھاتے ہیں لیکن اگر وہ قسم موثر نہ ہوں تو پھر ان مقدس پتھروں کی قسم کھاتے ہیں جو غبغب کے مقام پر نصب ہیں۔''

قریش کی اس بت سے عقیدت کا پتہ اس بات سے بھی چلتا ہے کہ وہ کعبہ کے گرد طواف کرتے وقت اس بت کی تعریف وتوصیف ان الفاظ میں کرتے:

واللات والعزیٰ ومناة الثالثة الاخریٰ، فانهن الغرانیق العلیٰ، و ان شفا عتهن لترجیٰ۔

''قسم ہے لات وعزیٰ کی اور دو کے علاوہ تیسرے منات کی، یہی حسین وجمیل اور رفیع الشان لڑکیاں ہیں اور انہی کی شفاعت کی امید کی جاتی ہے۔''

ان تینوں بتوں کو اہل عرب خدا کی بیٹیاں تصور کرتے تھے اور ان کا اس بات پر پختہ یقین تھا کہ ان کی شفاعت کے بغیر وہ دین ودنیا میں کامیابی کی شاہراہ پر نہیں چل سکتے۔ قرآن حکیم نے بڑے زوردار الفاظ میں ان کے اس عقیدہ کی تردید کی ہے۔ (النجم:۱۹۔۲۳)

یہ تینوں دراصل مؤنث بت تھے جن کو آج کل کی اصطلاح میں دیویاں کہتے ہیں۔ ان کے علاوہ بھی قریش کے اور کئی بت تھے۔ کچھ بت بیت اللہ کے اندر رکھے ہوئے تھے اور کچھ کو باہر نصب کیا ہوا تھا۔ ان سب بتوں میں سب سے بڑا ''ہبل'' تھا۔ یہ عقیق کا بنا ہوا سرخ رنگ کا بت تھا اور اس کی شکل انسان کی تھی۔ اس بت کا دایاں ہاتھ ٹوٹا ہوا تھا۔ قریش نے اس کی جگہ سونے کا ہاتھ بنا کر جوڑ دیا تھا۔ اس بت کے سامنے فال نکالنے کے لیے سات تیر رکھے ہوئے تھے۔ (تاریخ الاسلام، حسن ابراہیم:۱/۶۹۔۷۰)

Marfat.com

حسب نسب

انبیاء علیہم السلام بڑے عالی نسب ہوتے ہیں۔خود سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم بھی تمام قریش میں اعلیٰ نسب کے مالک تھے جس کا اعتراف ابوسفیان نے بھی قیصر روم کے دربار میں کیا:"ھو فینا ذو نسب" وہ ہم میں بڑے نسب والا ہے۔"

سیدنا اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں قریباً بیس پشتوں کے بعد ایک شخص نضر پیدا ہوا۔زرقانی نے لکھا ہے کہ اس کا اصل نام تو قیس تھا۔نضر اس لیے کہتے تھے کہ وہ بڑے حسین وجمیل تھے۔(زرقانی شرح المواہب:۱/۷۷) نضر کے والد کا نام کنانہ تھا۔ان کے علم وفضل کے باعث دور دراز سے لوگ ان کی زیارت کے لیے آیا کرتے تھے۔انہی کنانہ کے بارے میں حدیث آئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اولاد اسماعیل میں سے کنانہ کو اور کنانہ سے قریش کو اور قریش میں سے بنو ہاشم کو اور بنو ہاشم میں سے مجھ کو چن لیا۔(البدایہ والنہایہ:۲/۳۵۶) اسی نضر بن کنانہ کی اولاد کو "قریش" کہتے ہیں۔

نضر بن کنانہ کی آٹھویں پشت میں ایک شخص پیدا ہوا جس کا نام "قصی" تھا۔اس کا اصل نام زید تھا۔قصی بچپن ہی میں باپ کی شفقت کے سایہ سے محروم ہو گئے تھے۔قوم نے قصی کو "مجمع" کا خطاب دیا تھا کیونکہ انھوں نے قریش کے متفرق اور پراگندہ قبائل کو مکہ میں جمع کیا تھا، اور اس اتحاد واتفاق کے ذریعے ان میں ایک قوت پیدا کی۔(زرقانی:۱/۷۳)

قصی نے کعبہ کے سامنے اپنا ایک مکان بنایا۔اس کا صدر دروازہ کعبہ کی طرف رکھا گیا۔اس کا نام آپ نے "دارالندوہ" رکھا۔(تاریخ مکہ،احمد السباعی:ص۱۶)

اہل مکہ کے نمائندے اس میں ہر تقریب پر اکٹھے ہوتے اور باہمی مشورہ سے مختلف مسائل کا حل تلاش کرتے اور پیش آمدہ سیاسی، معاشرتی، معاشی اور عمرانی مسائل پر گفتگو کرتے۔

قصی کی اولاد:

قصی کے چار لڑکے تھے: عبدالدار، عبد مناف، عبدالعزیٰ اور عبدالقصی۔(طبقات ابن سعد:۱/۳۹)

قصی کا دوسرا لڑکا عبد مناف تھا اور اس کی اولاد فرزانگی اور سیاست وغیرہ میں خاص امتیاز رکھتی تھی۔اس وجہ سے اشراف قریش عبد مناف کو پسند کرتے تھے اور تولیت کعبہ عبد مناف اور اس کی اولاد کے ہاتھوں میں دیکھنا چاہتے

Marfat.com

تھے۔عبد مناف کی رحلت کے بعد قریش نے عبدالدار کی اولاد سے کعبہ کی تولیت چھیننا چاہی جس سے نزاع واقع ہو گیا۔مختلف قبائل نے دونوں میں مصالحت کرادی۔اب خانہ کعبہ کی کلید برداری عبدالدار کی اولاد کے پاس رہ گئی اور عبد مناف کی اولاد کے پاس سقایہ (حاجیوں کو پانی پلانا) اور رفادہ (حاجیوں کی مہمان داری) کا انتظام رہ گیا۔

عبد مناف اپنی غیر معمولی سخاوت، سیاسی بصیرت اور معاملہ فہمی کی وجہ سے اپنے والد کے بعد اپنی قوم کے سردار مقرر ہوئے، چنانچہ ایک شاعر نے ایک شعر میں کہا ہے:

''قریش ایک انڈے کی مانند ہیں، اگر اسے پھوڑا جائے تو اس کا جوہر عبد مناف ہیں۔''

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عبد مناف کا نام مغیرہ تھا۔ یہ نہایت حسین وجمیل تھے، اس وجہ سے لوگ انھیں ''قمر البطحا''، یعنی سنگستان مکہ کا چاند'' کہتے ہیں۔(زرقانی:۱/۷۲، روض الانف:۱/۶)

عبد مناف کے چاروں بیٹوں نے تجارت کو اپنا پیشہ بنایا۔شام کے غسانی بادشاہ سے ہاشم نے، حبش کے بادشاہ سے عبد شمس نے، یمنی امراء یعنی شاہان حمیر سے مطلب نے اور عراق اور فارس کی حکومتوں سے نوفل نے تجارتی مراعات حاصل کیں۔اسی وجہ سے چاروں بھائی ''متجرین'' (تجارت پیشہ) کے نام سے مشہور ہو گئے۔

عبد مناف کو اللہ تعالیٰ نے چار بیٹے عطا فرمائے: ہاشم، عبد شمس، مطلب اور نوفل۔(سیرت ابن ہشام: ۱/۱۰۶) ہاشم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جد امجد تھے۔

ہاشم بن عبد مناف:

ہاشم کا نام عمر یا عمرو تھا اور ہاشم خطاب تھا۔ہاشم ہشم سے اسم فاعل ہے اور ہشم کا مطلب چورہ کرنا ہے۔ انھوں نے روٹیوں کا چورہ کر کے اونٹوں کے گوشت میں ثرید بنا کر لوگوں کو قحط کے زمانہ میں کھلایا تھا۔ہاشم میں اللہ تعالیٰ نے وہ تمام کمالات واوصاف جمع فرما دیئے تھے جو اللہ تعالیٰ کو محبوب ہیں۔اسی وجہ سے ہاشم تمام قریش میں محبوب سمجھے جاتے تھے۔چنانچہ اہل عرب انھیں ''سید البطحاء'' کہتے تھے۔

ہاشم نے اپنی زندگی کے اکثر اوقات سفر میں گزارے۔ایک مرتبہ شام جا رہے تھے کہ راستہ میں یثرب (مدینہ) میں قیام ہوا۔وہاں بنو نجار کی ایک خاتون سلمٰی بنت عمرو بن زید سے نکاح کر لیا۔پھر کچھ عرصہ مدینہ میں قیام کر کے شام چلے گئے اور سلمٰی امید سے ہو گئیں۔ہاشم کا اسی سفر میں غزہ میں انتقال ہو گیا۔ادھر سلمٰی کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا۔پیدا ہوتے وقت سر میں ایک سفید بال تھا۔اس وجہ سے "شیبة الحمد" نام رکھا گیا۔

(طبقات ابن سعد:۱/۴۶)

عبدالمطلب بن ہاشم:

ہاشم نے اپنے بھائی مطلب کو یہ وصیت کی تھی کہ وہ اس کی اولاد کی نگرانی کرے۔مطلب نے اپنے بھائی

Marfat.com

کی وصیت کا پورا پورا خیال کیا۔ اس وجہ سے ہاشم اور مطلب کی اولاد میں اتحاد و اتفاق رہا۔ عبدالمطلب اپنے ننھیال میں رہے اور اپنے ماموں کی زیر کفالت پرورش پائی۔ ماموں نے ایک لمحہ بھی بھانجے کو یتیمی کا احساس نہ ہونے دیا۔

بعض روایات میں ہے کہ ایک مرتبہ بنو حرث بن عبد مناف کا ایک شخص یثرب سے گزرا۔ اس نے وہاں کم سن بچوں کو نشانہ بازی کرتے دیکھا۔ اس نے ایک بچے کو دیکھا کہ جب اس کا تیر نشانہ پر لگتا ہے تو وہ فخر و مسرت کے ملے جلے جذبات کے ساتھ یہ نعرہ لگاتا ہے:

انا ابن هاشم ، انا ابن سيد البطحاء

''میں ہاشم کا بیٹا ہوں اور سید البطحاء کا فرزند ہوں۔''

جب یہ شخص مکہ واپس آیا تو اس نے یہ سارا واقعہ مطلب کو سنایا اور کہا کہ یہ مناسب نہیں کہ ہاشم جیسے شخص کا بیٹا غریب الوطنی کی زندگی گزارے۔ مطلب نے اس سے وعدہ کیا کہ وہ مدینہ جا کر اپنے بھتیجے کو واپس لائے گا۔ بالآخر مطلب اپنے یتیم بھتیجے کو اونٹ پر پیچھے بٹھا کر مکہ لے آئے۔ جب مطلب مکہ میں داخل ہو رہے تھے تو بعض لوگوں نے مطلب سے پوچھا: ''تمھارے پیچھے کون بیٹھا ہوا ہے؟'' اس وقت شیبہ کے کپڑے پھٹے پرانے تھے۔ اس وجہ سے مطلب کو شرم محسوس ہوئی کہ وہ اپنے جاننے والوں کو یہ کہے کہ یہ میرا بھتیجا ہے۔ چنانچہ انھوں نے جواب میں کہا ''عبدالمطلب'' یعنی مطلب کا غلام۔ اس روز سے شیبۃ الحمد کا نام عبدالمطلب پڑ گیا۔ (طبری:۲/۹)

مطلب ہاشم کے بڑے بھائی تھے۔ کچھ عرصہ کے بعد ان کا یمن میں انتقال ہو گیا۔ مطلب کی وفات کے بعد بنو ہاشم کی قیادت و سیادت ان کے بھتیجے شیبہ (عبدالمطلب) کے ہاتھ میں منتقل ہو گئی۔ ان چاروں بھائیوں میں سب سے پہلے ہاشم کا انتقال غزہ میں ہوا پھر عبد شمس نے مکہ میں وفات پائی، پھر نوفل اور آخر میں مطلب فوت ہوئے۔

ابن قتیبہ نے لکھا ہے کہ ہاشم کے کئی بیٹے تھے۔ عبدالمطلب بن ہاشم اور اسد بن ہاشم وغیرہ۔ اسد بن ہاشم کا ایک بیٹا تھا حسنین بن اسد اور ایک بیٹی فاطمہ بنت اسد جو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی والدہ تھیں۔ ہاشم کے اور بیٹے بھی تھے لیکن کسی کی نسل آگے نہیں چلی۔

ہاشم کے احوال سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے آباء و اجداد کس قدر شریف اور مکارم اخلاق سے متصف تھے۔ ہاشم کو بھی یہ مکارم اخلاق اپنے آباء و اجداد سے ورثہ میں ملے تھے۔

عبدالمطلب صحیح معنوں میں اپنے باپ ہاشم کے جانشین تھے۔ باپ کی ساری خوبیاں اور اوصاف بلکہ ان سے کچھ زیادہ ہی اللہ تعالیٰ نے انھیں ودیعت فرمائے تھے۔ زائرین بیت اللہ کی خدمت، بے کسوں اور مظلوموں کی امداد اور دادرسی، قومی ہمدردی، فیاضی، جود و سخا، مقبولیت عامہ، شہرت و ناموری اور داد و دہش غرضیکہ کون سی خوبی تھی جو اللہ تعالیٰ نے ان میں نہ رکھی تھی۔ لوگ ان کی تعریف میں ہر وقت رطب اللسان رہتے اور ان کو ''شیبۃ الحمد'' کے نام سے پکارتے۔ آپ کا دسترخوان نہایت وسیع تھا۔ نہ صرف انسانوں کے لیے وسیع تھا بلکہ جنگل کے وحشی جانور اور ہوا کے پرندے بھی اس سے مستفید ہوتے تھے۔ قریش میں آپ صاحب اقتدار مانے جاتے تھے۔

Marfat.com

قریش کے لوگ اپنے نزاعات اور جھگڑے فیصلے کے لیے ان کے پاس لایا کرتے اور آپ جو فیصلہ فرماتے لوگ اس کو تسلیم کرتے۔ (زرقانی:۱/۸۲)

سیرت حلبیہ میں ابن جوزی سے منقول ہے کہ عبدالمطلب سے جو امور منقول ہیں ان میں سے اکثر کا قرآن وحدیث میں حکم آیا ہے، مثلاً نذر کا پورا کرنا، نکاح محارم کی حرمت، لڑکیوں کو زندہ درگور کرنے کی ممانعت، شراب اور زنا کی حرمت اور بیت اللہ کا برہنہ طواف کرنے کی ممانعت وغیرہ۔ شراب کو انھوں نے اپنے اوپر حرام کیا ہوا تھا۔ جب رمضان کا مہینہ آتا تو خاص طور پر فقراء اور مساکین کو کھانا کھلاتے۔ غار حراء میں سب سے پہلے خلوت وعزلت خواجہ عبدالمطلب ہی نے اختیار کی۔ (زرقانی:۱/۷۱)

خواجہ عبدالمطلب نے اپنی زندگی میں چند کام ایسے کیے جن سے نہ صرف قریش یا عرب کی تاریخ متاثر ہوئی بلکہ تاریخ اسلام پر بھی اس کے گہرے اثرات مرتب ہوئے۔ ان کے وہ کام حسب ذیل ہیں:

(۱) چاہ زمزم کی برآمدگی (۲) بنوخزاعہ سے معاہدہ (۳) دیت کے اونٹوں کی تعداد میں اضافہ (۴) اصحاب الفیل کے واقعہ میں اہل مکہ کی حفاظت۔

ان چاروں کاموں کی تفصیل ہم نے اپنی کتاب ''سیرۃ خاتم النبیین ﷺ'' میں دی ہے۔

چاہِ زمزم کی دریافت:

زمزم کا کنواں کم وبیش پانچ صدیوں سے بند تھا۔ بنوجرہم جو مکہ پر قابض تھے، انھیں اپنے ظلم وستم اور فسق وفجور کے باعث مکہ سے بھاگنا پڑا۔ وہ مکہ سے نکلتے وقت خانہ کعبہ کی چیزوں کو زمزم میں دفن کر گئے اور کنویں کو بے نشان اور لاپتہ کر دیا۔ اب مکہ پر بنوخزاعہ قابض ہو گئے۔ بنوخزاعہ کا زمزم سے کوئی خاندانی تعلق نہ تھا لہٰذا انھوں نے اس کی تلاش میں کوئی دلچسپی نہ لی۔ ہر سال حج کے موقع پر زائرین کے لیے مختلف کنوؤں سے پانی کی فراہمی کے لیے جو پریشانی اور دقت پیش آتی تھی، وہ زمزم کی تلاش اور جستجو میں ایک نئی حرارت پیدا کر دیتی تھی۔ آخر کار خواجہ عبدالمطلب نے اپنے بیٹے حارث کی معیت میں کنویں کی جگہ کو کھودنا شروع کیا اور تین روز کی کھدائی کے بعد وہ کنواں برآمد ہو گیا۔ اس کنویں کی برآمدگی سے اب حاجیوں کے لیے پانی کی دوسرے کنوؤں سے ضرورت نہ رہی۔ اس وقت سے لے کر آج تک یہ کنواں جاری ہے۔

بیٹے کی قربانی:

زمزم کا کنواں کھودتے وقت خواجہ عبدالمطلب نے یہ نذر مانی تھی کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھ کو دس بیٹے عطا فرمائیں جو جوان ہو کر میرے دست وبازو بنیں تو میں ایک بیٹے کو اللہ کی راہ میں قربان کر دوں گا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ آرزو پوری فرما دی۔ اب انھوں نے اپنی نذر پوری کرنے کے لیے بیٹوں کے نام پر قرعہ ڈالا۔ قرعہ سب سے چھوٹے بیٹے

Marfat.com

عبداللہ کے نام نکلا۔عبدالمطلب ان کو پکڑ کر قربان گاہ کی طرف چلے تو ان کی بہنیں روکر مزاحم ہوئیں۔آخر کار سو اونٹ صفا اور مروہ کے مابین ان کے بدلہ میں ذبح کیے گئے۔اس واقعہ کے بعد سیدنا عبداللہ کا لقب "ابن الذبیحین" یعنی دو ذبیحوں کے فرزند کا ہو گیا۔(زرقانی:۱/۴۵)

کعبہ پر ابرہہ کی چڑھائی:

ابرہہ اشرم شاہ نجاشی کی طرف سے یمن کا گورنر تھا، یہ بد بخت مذہباً عیسائی تھا۔اس نے یمن کے مرکزی شہر صنعاء میں ایک کلیسا کعبہ سے بہت زیادہ خوبصورت اور اعلیٰ بنایا۔اس نے عربوں کو ہدایت کی کہ وہ مکہ کے سادہ کعبہ کو چھوڑ کر یمن کے مرصع اور منقش کلیسا کا طواف کیا کریں۔عربوں نے ابرہہ کی اس ہدایت کا سخت جواب دیا اور بنو کنانہ کا ایک شخص ایک رات وہاں آیا اور رات کے وقت میں کلیسا کو گندگی سے ملوث کر کے فرار ہو گیا۔

(طبقات ابن سعد:۱/۵۵، سیرۃ ابن ہشام:۱/۳۰)

ایک روایت میں ہے کہ اس کلیسا کو جلا دیا گیا۔لہٰذا عیسائیوں نے اس کے جواب میں خانہ کعبہ کو منہدم کرنے کے لیے ہاتھیوں کا ایک لشکر لے کر کعبہ پر چڑھائی کر دی۔لشکر کی تعداد بیس ہزار بتائی جاتی ہے۔اس میں کافی تعداد میں ہاتھی تھے جن کے لانے کا مقصد یہ تھا کہ وہ ٹکریں مار مار کر کعبہ کی دیواروں کو گرا دیں۔ابرہہ کے لشکریوں نے جہاں اور لوگوں کے اونٹ اپنے قبضہ میں لے لیے وہاں خواجہ عبدالمطلب کے بھی دو سو اونٹ قبضہ میں لے لیے۔خواجہ عبدالمطلب اپنے اونٹوں کی واگزاری کے لیے ابرہہ کے پاس تشریف لے گئے۔ابرہہ نے جب انھیں دیکھا تو اس کے دل میں ان کی عظمت و ہیبت بیٹھ گئی اور ان کے تشریف لانے کا مقصد پوچھا۔آپ نے فرمایا کہ تیرے لشکری میرے دو سو اونٹ پکڑ کر لے آئے ہیں وہ مجھے واپس کر دو۔

ابرہہ نے اونٹ تو واپس کر دیئے لیکن پوچھا کہ آپ نے اپنے کعبہ کے بارے میں کچھ نہیں کہا جس کو میں گرانے کے لیے آیا ہوں۔خواجہ عبدالمطلب نے جواب دیا: ''میں ان اونٹوں کا مالک ہوں اور اس گھر کا بھی ایک مالک ہے وہ خود اس کی حفاظت کرے گا، اب تو جانے اور وہ۔'' (سیرۃ ابن ہشام:۱/۵۰)

مختصر یہ کہ اللہ تعالیٰ نے پھر اس گھر کا وہ حفاظت فرمائی کہ رہتی دنیا تک اس کو یاد کیا جائے گا۔ابرہہ کے ہاتھی اور ساتھی ان پرندوں کے کنکروں سے بھسم ہو کر رہ گئے جو وہ جدہ کے ساحل کی طرف سے لے کر آئے۔ابرہہ کا لشکر تباہ ہو گیا لیکن کعبہ صحیح وسلامت رہا۔

عبدالمطلب کی اولاد:

خواجہ عبدالمطلب نے کئی شادیاں کیں جن میں سے اللہ نے گیارہ یا بارہ بیٹے اور چھ بیٹیاں عطا فرمائیں۔بیٹوں میں سے ایک کا نام عبداللہ تھا جو سرور کائنات ﷺ کے والد ماجد تھے، عبدالمطلب کے بیٹوں کے

Marfat.com

نام حسب ذیل ہیں:

حارث، زبیر، حمزہ، عباس، عبد مناف (ابوطالب)، عبدالعزیٰ (ابولہب) اور ضرار، مقوم جس کو عبدالکعبہ بھی کہتے ہیں لیکن بعض کے نزدیک یہ دونوں الگ الگ شخصیتیں ہیں۔ حجل، نوفل۔ (البدایہ والنہایہ: ۲/۴۷)

علامہ ابن خلدون نے قثم نام کا اضافہ کیا ہے۔ آپ کے چچاؤں میں سے سب سے بڑے حارث اور سب سے چھوٹے عباس تھے اور حمزہ رضی اللہ عنہ اور عباس رضی اللہ عنہ کے سوا اور کسی کو دولت ایمان میسر نہیں ہوئی۔

خواجہ عبدالمطلب کی چھ بیٹیاں تھیں:

سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا، سیدہ اروی رضی اللہ عنہا، سیدہ عاتکہ رضی اللہ عنہا، سیدہ ام الحکیم البیضا رضی اللہ عنہا، برہ رضی اللہ عنہا اور امیمہ رضی اللہ عنہا۔

حضرت عبداللہ کی شادی:

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے امام زہری رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کیا ہے کہ عبداللہ تمام قریش میں سب سے زیادہ حسین وجمیل تھے۔ سیدنا عبداللہ کی عمر جب اٹھارہ بیس برس کی تھی، اٹھتی ہوئی جوانی پر تقویٰ اور پارسائی کے زیور کی بارش، اس پر حسن و جمال کی رعنائیاں، آپ جس گلی اور کوچہ سے گزرتے سیکڑوں دوشیزاؤں کے دل سینوں میں مچلنے لگتے اور صدہا مخدرات رات کو چھپ چھپ کر آپ کی ایک جھلک دیکھنے کے لیے بے تاب ہوتیں۔ چنانچہ بڑے بڑے رؤساء اس بات کے آرزومند تھے کہ اپنی بیٹیاں حضرت عبداللہ کے حبالۂ عقد میں دیں۔

خواجہ عبدالمطلب نے بنوزہرہ سے مصاہرت کا ارادہ فرمایا اور بنوزہرہ کی وہب بن عبد مناف کی صاحب زادی آمنہ جو حسن و جمال اور خوب صورتی میں عدیم النظیر اور عفت و پارسائی میں بے مثل تھیں، سے اپنے بیٹے عبداللہ کی شادی کر دی۔ بنوہاشم کی طرح بنوزہرہ بھی قریش کا ایک ممتاز خاندان تھا۔ سیدہ آمنہ کے والد وہب بن عبد مناف ایک نہایت شریف النفس اور بلند اخلاق انسان تھے اور سیدہ آمنہ کی والدہ برہ بنت عبدالعزیٰ بن قصی بھی قریش کی ایک نہایت معزز خاتون تھیں۔

حضرت عبداللہ کا انتقال:

اس دنیا میں انسانی ہستی ایک حباب کی طرح ہے۔ یہ دنیا دارالقرار نہیں بلکہ تماشا گاہِ حوادث ہے۔ اس میں جو آیا اس نے جلد یا بدیر ایک نہ ایک دن جانا ہے۔ حضرت عبداللہ کی شادی کو ابھی چند روز ہی گزرے تھے اور سیدہ آمنہ کا جمال ابھی جی بھر کر دیکھا بھی نہیں تھا کہ سفر آخرت کا وقت آ گیا۔ سیدہ آمنہ امید سے تھیں کہ سیدنا عبداللہ کو ایک تجارتی سفر کے سلسلے میں ایک قافلہ کے ساتھ شام جانا پڑا۔ واپسی پر مدینہ طیبہ میں بنوعدی بن نجار میں ایک ماہ بیمار رہ کر دار فانی سے دار باقی کو انتقال فرما گئے اور دار نابغہ میں مدفون ہوئے۔

Marfat.com

صبح سعادت

آخر وہ ساعت ہمایوں آ گئی جس کے لیے خلق خدا ہزاروں سال سے چشم براہ تھی اور وہ ذات اقدس اس دنیا میں تشریف لائی جو دعائے خلیل اور نوید مسیحا تھی، جس کی تشریف آوری کا چار دانگ عالم میں غلغلہ بلند تھا، جس کی تشریف آوری شرافت اور انسانیت کے چمن میں فصل گل کی آمد تھی۔ چنانچہ واقعہ فیل کے پچاس روز بعد اور دوسری روایت کے مطابق پچپن روز بعد چمنستان دہر میں وہ گل لالہ تشریف لائے جس سے پورا چمنستان مہک اٹھا۔ دوشنبہ کے روز ۱۲ ربیع الاول۔ (هذاهوَ المشهور عن الجمهور، البدایہ والنہایہ:۲/۲۶۰)

یـا رب صـل وسـلـم دائمـاً ابداً عـلـیٰ حبیبك خیـر الخلق کلهم

۵۷۰ء، ۲۲ اپریل صبح صادق کے وقت مکہ پر ہدایت و رحمت کا آفتاب جہاں تاب طلوع ہوا۔ آپ ﷺ کی ولادت باسعادت محلّہ شعب بنی ہاشم میں اس مقام پر ہوئی جو آج کل مولد النبی ﷺ کے نام سے مشہور ہے۔ آپ ﷺ کی مکہ کے ہر خاندان کے ساتھ دور و نزدیک کی رشتہ داری تھی۔

لم یکن بطن من قریش الا وله فیه قرابة (بخاری)

''قریش کے ہر خاندان سے آپ ﷺ کی قرابت داری تھی۔''

سیدہ آمنہ کا بیان ہے کہ جب آپ ﷺ پیدا ہوئے تو نہایت لطیف اور پاک وصاف تھے۔ جسم اطہر پر کسی قسم کی آلائش اور گندگی نہ تھی۔ (طبقات ابن سعد:۱/۳۶)

امام سہیلی نے لکھا ہے کہ جب آپ کی ولادت باسعادت پر کائنات کی ہر شے خوشی اور مسرت کے ترانے گا رہی تھی تو ایک ذات ایسی بھی تھی جو اپنی حرماں نصیبی اور بدبختی پر اشک فشاں تھی، اور وہ ابلیس ملعون کی ذات تھی۔ چنانچہ لکھا ہے:

''ابلیس ملعون نے زندگی میں چار مرتبہ چیخ مار کر گریہ وزاری کی ہے۔ پہلی مرتبہ جب اس کو بارگاہِ رب العزت سے ملعون قرار دیا گیا، دوسری مرتبہ جب اسے بلندی سے پستی کی طرف دھکیلا گیا، تیسری مرتبہ جب سرکار دو عالم ﷺ کی ولادت باسعادت ہوئی، اور چوتھی مرتبہ جب سورۃ فاتحہ نازل ہوئی۔''

(عیون الاثر:۱/۷۱، روض الانف:۲/۱۸۱، السیرۃ النبویہ لابن کثیر:۱/۲۱۲)

Marfat.com

خواجہ عبدالمطلب کو جب پوتے کی ولادت باسعادت کی اطلاع دی گئی تو خبر سنتے ہی وہ سیدہ آمنہ کے گھر گئے اور اپنے پوتے کو دیکھ کر نہایت مسرور اور خوش ہوئے۔ (عیون الاثر:۱/۸۷)

فوری طور پر بچے کو اٹھا کر خانہ کعبہ میں حصول برکت کے لیے تشریف لے گئے۔ امام سہیلی نے یہاں ان کے کچھ اشعار بھی نقل کیے ہیں۔ (السیرۃ النبویہ لابن کثیر:۱/۲۱۱، الروض الانف:۲/۱۸۲)

نام نامی:

ولادت باسعادت کے ساتویں روز خواجہ عبدالمطلب نے آپ ﷺ کا عقیقہ کیا اور اپنے پوتے کی ولادت کی خوشی میں تمام قریش کو دعوت دی اور آپ ﷺ کا نام ''محمد'' (ﷺ) رکھا۔ یہ نام رکھنے کی جب وجہ پوچھی گئی تو فرمایا: ''یہ نام میں نے اس لیے رکھا ہے کہ اللہ آسمان میں اور اللہ کی مخلوق زمین میں اس بچے کی تعریف کے گن گائے۔'' (زرقانی شرح الموطاء:۴/۲۷۱، فتح الباری:۷/۱۲۴)

ختنہ:

آپ ﷺ کے ختنہ کے بارے میں علماء نے تین اقوال نقل کیے ہیں۔ بعض کا خیال ہے کہ آپ ﷺ مختون پیدا ہوئے، لیکن ہمارے نزدیک صحیح یہ ہے کہ آپ ﷺ غیر مختون پیدا ہوئے اور سات روز کے بعد آپ ﷺ کے دادا خواجہ عبدالمطلب نے آپ ﷺ کی رسمِ ختنہ کرائی۔ چنانچہ حافظ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ نے ''التمہید'' میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے اور امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس روایت کو زیادہ صحیح قرار دیا ہے کہ خواجہ عبدالمطلب نے ساتویں روز آپ ﷺ کی رسمِ ختنہ کرائی اور آپ ﷺ کے اس دنیا میں آنے کے اعزاز میں ایک ضیافت کا اہتمام کیا اور آپ ﷺ کا نام ''محمد'' ﷺ رکھا۔ (تاریخ الاسلام ووفیات المشاہیر والاسلام:۱/۲۷)

رضاعت:

ابتداء میں چار روز اور بعض روایات کے مطابق سات روز آپ ﷺ کی والدہ سیدہ آمنہ نے آپ کو دودھ پلایا۔ اس کے بعد ابولہب کی آزادہ کردہ لونڈی ثویبہ نے آپ کی رضاعت کی ذمہ داری لی۔ اس ثویبہ نے سیدنا حمزہ کو بھی دودھ پلایا اور سیدنا ابوسلمہ بن عبدالاسد رضی اللہ عنہ کو بھی دودھ پلایا۔ یہ آپ ﷺ کے پھوپھی زاد بھائی تھے۔ (طبقات:۱/۱۰۸، عیون الاثر:۱/۹۰، تاریخ الاسلام، ذہبی:۱/۴۵)

کچھ خالص عربی زبان سے والہانہ محبت ہونے کے باعث اور کچھ شرفاء عرب کے دستور کے تحت ہر سال بنی سعد کی عورتیں شیر خوار بچوں کی تلاش میں مکہ مکرمہ آیا کرتی تھیں۔ قبیلہ سعد بن بکر بنی ہوازن طائف کے قریب بود و باش رکھتا تھا۔ وہاں کی آب و ہوا صحت افزاء تھی۔ ہر سال اس قبیلہ کی کچھ عورتیں ایک خاص موسم میں

Marfat.com

مکہ آتیں اور قریش کے شیر خوار بچوں کو رضاعت کے لیے لے جاتیں۔

رسول اللہ ﷺ سیدہ ثویبہ رضی اللہ عنہا کا دودھ پی رہے تھے۔اس سال بنو سعد میں خشک سالی کے باعث قحط پڑا ہوا تھا لہٰذا اس سال بعض ایسی عورتیں بھی رضاعت کے لیے بچے لے جانے پر مائل ہو گئیں جو اس سے قبل اس فعل کو معیوب سمجھتی تھیں۔ان میں ایک سیدہ حلیمہ سعدیہ بھی تھیں۔

سیدہ حلیمہ نے مکہ پہنچ کر سیدہ آمنہ کے لال اور نور نظر کو دودھ پلانے کے لیے لے لیا۔حضور ﷺ اس وقت سو رہے تھے۔حلیمہ نے سیدہ آمنہ کی اجازت سے جونہی آپ ﷺ کو گود لیا تو آپ ﷺ کی دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا اور گود میں لے کر شاداں وفرحاں فرودگاہ پر پہنچیں اور یوں سمجھی جیسے دولت کونین مل گئی ہو۔

قدرت کی یہ عجیب کرشمہ سازی ہے کہ جیسے ہی سیدہ حلیمہ نے یتیم کو اپنی گود میں لیا اس پر برکتوں اور الٰہی نعمتوں کا مینہ برسنے لگا، اور جس کو گود میں لیا وہ تو ویسے ہی دنیا میں برکتوں اور رحمتوں کو نچھاور کرنے کے لیے آیا تھا۔سیدہ حلیمہ کا اپنا بیان ہے کہ جونہی میں آپ ﷺ کو گود میں لے کر فرودگاہ میں دودھ پلانے لگی تو میری دونوں چھاتیاں دودھ سے بھری ہوئی تھیں۔دودھ اس قدر زیادہ تھا کہ آپ ﷺ نے اور آپ ﷺ کے رضاعی بھائی نے خوب سیر ہو کر پیا۔علاوہ ازیں ہماری اونٹنی نے بھی اس قدر دودھ دیا کہ سب نے خوب سیر ہو کر پیا۔میرا شوہر کہنے لگا: ''حلیمہ! تو تو کہیں برکت ورحمت کا مجسمہ بچہ لے آئی ہے۔'' حلیمہ نے کہا: ''واقعی یہ کوئی فرشتۂ رحمت اور بھاگوان بچہ ہے۔'' سیدہ حلیمہ فرماتی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ کی نشو ونما ایک دن میں اتنی ہوتی جتنی عام بچوں کی ایک ماہ میں ہوتی ہے اور ماہ میں آپ اتنا بڑھتے جتنا دوسرے بچے ایک سال میں بڑھتے۔

(نہایۃ الارب:١٦/ ٣٨،عیون الاثر:١/ ٣٤،تاریخ الاسلام ذہبی:١/ ٤٧)

جب دو سال کا زمانۂ رضاعت پورا ہو گیا تو سیدہ حلیمہ آپ ﷺ کا دودھ چھڑا کر مکہ مکرمہ لے آئیں، لیکن پھر سیدہ آمنہ سے درخواست کر کے واپس لے گئیں کیونکہ اس زمانے میں مکہ میں وبا پھیلی ہوئی تھی۔اس طرح سیدہ حلیمہ کو دوبارہ آپ ﷺ کی حضانت اور تربیت کا شرف حاصل ہو گیا۔

شق صدر:

سیدہ حلیمہ جب آپ ﷺ کو واپس قبیلہ میں لے کر گئی تو اس کا دل بلیوں اچھل رہا تھا۔آپ اس دولت کونین کو دوبارہ پا کر نہایت خوش تھیں۔آپ ﷺ بھی اپنے رضاعی بہن بھائیوں کے ساتھ ہر روز صحرا میں بکریاں چرانے کے لیے تشریف لے جاتے تاکہ صحرا کی پرلطف فضا میں زندگی کے لمحات میں نشاط پیدا ہو، لیکن سیدہ حلیمہ اس گوہر نایاب کی بڑی نگہداشت رکھتی تھیں۔

ایک روز آپ ﷺ اپنے رضاعی بہن بھائیوں کے ساتھ بکریاں چرانے کے لیے جنگل میں گئے ہوئے تھے کہ دو شخص آئے جو نہایت حسین وجمیل اور خوش لباس تھے۔انھوں نے حضور ﷺ کو اٹھایا اور آپ ﷺ کا سینہ

Marfat.com

مبارک چاک کیا۔ یہ منظر دیکھ کر آپ ﷺ کا رضاعی بھائی دوڑتا ہوا آیا اور کہا کہ دو آدمیوں نے ہمارے قریشی بھائی کو زمین پر لٹا کر اس کا شکم چاک کر دیا ہے اور اب اس کو سی رہے ہیں۔ یہ روح فرسا خبر سن کر سیدہ حلیمہ اور اس کا خاوند حارث سراسیمگی کے عالم میں دوڑے آئے لیکن دیکھا کہ آپ ﷺ خوش وخرم ہیں اور مسکرا رہے ہیں۔ سیدہ حلیمہ اور اس کے خاوند نے فوراً آپ کو اپنے سینے سے چمٹا لیا۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو سیرۃ ابن ہشام: ۱/ ۵۶، البدایہ والنہایہ: ۲/ ۲۷۵، دلائل النبوۃ، بیہقی: ۱/ ۱۴۵، مجمع الزوائد: ۸/ ۲۲۱، مسند احمد: ۳/ ۱۳۱، ۱۴۹، ۲۸۸، سیرۃ ابن کثیر: ۱/ ۲۳۱، تاریخ الاسلام ذہبی: ۱/ ۴۸)

ایک روایت میں ہے کہ آپ پانچ سال کی عمر میں اپنی والدہ محترمہ کے پاس واپس آئے اور ایک دوسری روایت کے مطابق چار سال کی عمر میں واپس آئے۔ (عیون الاثر: ۱/ ۹۶، طبقات ابن سعد: ۱/ ۱۱۲)

سیدہ آمنہ کا سفر آخرت:

حلیمہ سعدیہ سے آئے ہوئے سرکار دو عالم ﷺ کو ایک سال سے زائد عرصہ گزر گیا تو سیدہ آمنہ آپ کو ساتھ لے کر خواجہ عبدالمطلب کے ننھیال بنو عدی بن نجار ملنے کے لیے تشریف لے گئیں۔ اس سفر میں حضرت عبداللہ کی ایک لونڈی برکہ بنت ثعلبہ جو ام ایمن کے نام سے مشہور تھیں، بھی سیدہ کے ہمراہ تھیں۔ سواری کے لیے دو اونٹ تھے۔ ایک پر سیدہ آمنہ سوار تھیں اور دوسرے پر ام ایمن۔

واپسی پر سیدہ آمنہ مدینہ سے چلیں تو ان کی طبیعت علیل ہو گئی۔ اب جیسے جیسے قافلہ چل رہا تھا مرض بڑھ رہا تھا۔ جب مکہ اور مدینہ کے درمیان مقام ابواء میں پہنچیں تو مرض اور شدید ہو گیا۔ اب سفر کی ہمت نہ رہی لہٰذا مکہ کے بجائے آخرت کے لیے رخت سفر باندھ لیا اور لق ودق صحرا میں اپنے نورِ نظر اور یتیم عبداللہ کو تنہا چھوڑ کر خالق حقیقی سے جا ملیں۔ آپ کو مقامِ ابواء ہی میں دفن کر دیا گیا۔ اس کے بعد برکہ (ام ایمن) آپ ﷺ کو اپنے ہمراہ لے کر مکہ مکرمہ آ گئیں اور آپ ﷺ کے دادا خواجہ عبدالمطلب کو آپ ﷺ کی والدہ کے سفر آخرت کا جانکاہ واقعہ سنایا۔ آپ کو سیدہ آمنہ کی وفات کا بہت صدمہ ہوا۔

دادا کی سرپرستی:

آپ ﷺ کے دادا عبدالمطلب نے آپ ﷺ کو سینے سے لگایا اور ہر وقت آپ ﷺ کو اپنے ساتھ رکھنے لگے۔ آپ ﷺ کو اپنے بچوں سے زیادہ پیار کرتے تھے۔ آپ نے ام ایمن رضی اللہ عنہا سے بھی فرمایا: ''برکہ! میرے اس بیٹے سے کسی حالت میں بھی غافل نہ ہونا۔ مجھے یقین ہے کہ میرا یہ بیٹا اس امت کا نبی ہے۔''

(عیون الاثر: ۱/ ۱۰۰، البدایہ والنہایہ: ۲/ ۲۷۲، الوفا لابن الجوزی: ۱/ ۱۲۰)

خواجہ عبدالمطلب اپنی عمر کی آخری منزلوں میں تھے۔ عمر سو سال سے تجاوز کر چکی تھی۔ سیدہ آمنہ کی

Marfat.com

وفات حسرت آیات کے بعد صرف دو سال آپ اپنے پوتے کی کفالت کر سکے۔ پھر ان کی وفات ہوگئی۔ سیدہ ام ایمن رضی اللہ عنہا کہا کرتی تھیں کہ اس روز میں نے دیکھا کہ عبدالمطلب کے جنازے کے پیچھے سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) روتے جارہے تھے۔ گویا آپ کو بھی اپنے دادا سے اتنی ہی شدید محبت تھی جتنی دادا کو تھی۔ اس وقت آپ کی عمر آٹھ سال تھی۔

(طبقات ابن سعد:۱/۱۱۸، تاریخ الاسلام ذہبی:۱/۵۴، سیرۃ ابن ہشام:۱/۱۹۵، نہایۃ الارب:۱۶/۸۸)

زبیر بن عبدالمطلب کی کفالت:

خواجہ عبدالمطلب جب اس دنیا سے انتقال فرما رہے تھے تو انھوں نے اپنی جانشینی کے لیے اپنے بیٹے زبیر بن عبدالمطلب کا تقرر فرمایا۔ زبیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والد ماجد سیدنا عبداللہ کے سب سے بڑے حقیقی بھائی تھے۔ علامہ بلاذری نے لکھا ہے:

''زبیر قریش کے سرداروں میں سے تھے، وہ عبداللہ اور ابوطالب سے عمر کے لحاظ سے بڑے تھے۔''

(انساب الاشراف:۱/۸۵، یعقوبی:۱/۳۷)

زبیر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت محبت کرتے تھے۔ انھیں گودوں لیے پھرتے، ہاتھوں پر جھلاتے اور لوری گنگناتے۔ (الاصابہ:۲/۳۰۸)

زبیر بن عبدالمطلب مرفہ حال، سخی، ذی وجاہت اور تمام صفات حسنہ کے مالک تھے۔

(ابن ابی الحدید:۳/۴۵۵)

اکثر اربابِ علم نے ابوطالب کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کفیل بتایا ہے، ہماری تحقیق کے مطابق یہ درست نہیں ہے کیونکہ ایک تو ابوطالب پیدائشی طور پر لنگڑے تھے، اس جسمانی نقص کی وجہ سے ان کی معاشی حالت بہتر نہیں تھی۔ ان کی آمدنی نہایت قلیل تھی۔ کثرت عیال کی وجہ سے وہ تو اپنی اولاد کی صحیح کفالت نہیں کر سکتے تھے۔ چنانچہ ان کے ایک بچے جعفر رضی اللہ عنہ کے کفیل ان کے چچا عباس رضی اللہ عنہ تھے اور دوسرے بیٹے علی رضی اللہ عنہ کے کفیل خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔

(طبری:۲/۵۷، زرقانی:۱/۲۸۰، البدایہ والنہایہ:۳/۲۵، ابن ابی الحدید:۱/۱۵)

Marfat.com

بچپن

بچپن میں آپ ﷺ کی عادات وخصائل دوسرے عام بچوں سے مختلف تھیں کیونکہ نگاہ واجب انھیں انسانیت کی صلاح وفلاح کے لیے منتخب فرما چکی تھی۔ چنانچہ سیدہ حلیمہ سعدیہ فرماتی ہیں کہ ایام شیر خوارگی میں آپ ﷺ دوسرے بچوں کے برعکس اپنے کپڑوں میں بول و براز نہ کرتے تھے بلکہ اس کے لیے آپ ﷺ کا ایک وقت مقرر تھا۔ کبھی آپ ﷺ کا ستر کھل جاتا تو آپ ﷺ سے اس وقت تک فریاد وزاری یا کوئی اور اضطراری حرکت صادر ہوتی رہتی جب تک میں اس کو ڈھک نہ دیتی گویا بچپن میں بھی آپ ﷺ برہنگی سے اجتناب فرماتے تھے۔

زمانۂ طفولیت اور لڑکپن میں بھی آپ ﷺ کی زندگی عارفانہ تھی۔ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے روح المعانی میں لکھا ہے کہ ابو طالب کہتے ہیں کہ اگر کبھی رات کو میری آنکھ کھل جاتی تو آپ ﷺ کو بستر پر نہ پاتا۔ میرے تلاش کرنے پر وہ آواز دیتے کہ میں یہاں ہوں۔ رسول اللہ ﷺ بچپن میں جب بھی کھانا وغیرہ کھاتے بسم اللہ الاحد پڑھتے اور کھانے سے فارغ ہو کر الحمد للہ فرماتے۔ اس لڑکپن میں آپ ﷺ کے یہ عارفانہ جذبات ہر ایک کو حیرت میں ڈال دیتے۔ آپ ﷺ نے بچپن میں بھی کبھی غلط بیانی یا کسی کی غیبت نہیں کی۔

بچپن کی خصوصیات میں سے آپ ﷺ کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ آپ ﷺ دوسرے بچوں کی طرح حریص اور طماع نہ تھے۔ آپ ﷺ بچپن ہی سے قناعت پسند تھے۔ گھر کے دوسرے بچے جب صبح کو بیدار ہوتے تو شکم سیری کی وجہ سے پریشان اور آلودہ چشم نظر آتے تھے، لیکن آپ ﷺ کم خوری کے باوجود نہایت مسرور، بیدار مغز اور سرگیں چشم دکھائی دیتے تھے۔

ابن ہشام نے لکھا ہے کہ ''رسول اللہ ﷺ اس حال میں جوان ہوئے کہ آپ ﷺ اپنی قوم میں انسانیت کے لحاظ سے سب سے افضل، اخلاق کے لحاظ سے سب سے اعلیٰ، حسب ونسب کے لحاظ سے سب سے مکرم، پڑوسی کے لحاظ سے سب سے بہترین، حلم و بردباری کے لحاظ سے سب سے عظیم اور فاحشات اور بداخلاقی جو انسان کو غلیظ بناتی ہے، اس کے لحاظ سے سب سے دور تھے۔ یہاں تک کہ پوری قوم نے آپ ﷺ کو ''الامین'' کا نام دیا ہوا تھا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ میں تمام نیک خصائل جمع فرما دی تھیں۔

(سیرت ابن ہشام: ۱/۱۸۳، خصائل کبریٰ: ۱/۹۱)

Marfat.com

اس طرح اور بھی آپ ﷺ کی کئی خصوصیات آپ ﷺ کے بچپن میں ملتی ہیں کہ آپ ﷺ کے سمع و بصر کا دامن یک قلم پاک رہا۔ جہاں بتوں کے سامنے سجدہ ریزی عین دین سمجھی جاتی تھی وہاں اس پاکیزہ مزاج نوجوان نے نہ غیر اللہ کے سامنے کبھی سر جھکایا اور نہ اعتقاداً کوئی مشرکانہ تصور اپنے اندر جذب کیا۔

(البدایہ والنہایہ:۲/۲۸۸)

حرب فجار:

زمانۂ جاہلیت میں عرب چار مہینوں ذی قعدہ، ذی الحجہ، محرم اور رجب کو حرمت والے مہینے مانتے تھے۔ ہر قبیلہ ان چار مہینوں کا احترام کرتا تھا، لیکن بنو قیس نے جن کا ایک آدمی عروہ بن عتبہ قتل ہو گیا تھا، حرمت والے مہینوں کو بالائے طاق رکھ کر ذی قعدہ میں لڑائی شروع کر دی۔ اس وجہ سے اس جنگ کا نام ''حرب فجار'' رکھا گیا یعنی عدوان اور عصیان کی جنگ۔ امام سہیلی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ''فجار'' فا کی زیر کے ساتھ ہے کیونکہ اس جنگ میں انھوں نے حرمت والے مہینوں کی حرمت کو پاش پاش کیا تھا۔ (الروض الانف:۱/۲۰۹، عیون الاثر:۱/۱۱۳)

ابھی جنگ شروع ہوئے تھوڑے ہی روز گزرے تھے کہ عبداللہ بن جدعان کی کوشش و مساعی سے باہمی مصالحت ہو گئی اور چند سال تک فضا پرسکون اور پرامن رہی، لیکن پھر ایک روز کسی بات پر معاملہ بڑھ گیا اور نوبت لڑائی تک پہنچ گئی۔ بالآخر عتبہ بن ربیعہ کی کوششوں سے صلح ہو گئی۔

سرکار دو عالم ﷺ نے اس جنگ میں کوئی عملی حصہ نہیں لیا اور نہ ہی آپ ﷺ کو کوئی دلچسپی تھی۔ اس کی وجہ امام سہیلی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ لکھی ہے کہ فریقین سب کے سب کافر تھے اور مومن کو جنگ و جدال اور قتل و قتال کی اجازت صرف اس صورت میں ہے جب مقصدِ جنگ اعلائے کلمۃ اللہ ہو۔ (الروض الانف:۱/۱۲۰، طبقات ابن سعد:۱/۱۲۸)

یہ جنگ چار سال تک جاری رہی۔ حروب فجار کی پوری تفصیل کتاب الاغانی:۱۹/۷۴۔۸۰ میں دی گئی ہے۔

حلف الفضول:

حرب الفجار بند تو ہو گئی لیکن جنگ کے بعد جب قریش نے اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھا تو انھیں احساس ہوا کہ ان کے خاندان کے بعض افراد میں جاہ و منصب کی ہوس کا مرض ہے۔ قریش میں یہ بدذوقی ہاشم اور عبدالمطلب کے بعد پیدا ہوئی۔ زبیر بن عبدالمطلب نے تمام عمائدین قریش کو ساتھ لے کر اس معاہدے کی تجدید کی جو اس سے قبل حلف الفضول کے نام سے فضل بن فضالہ، فضل بن وداعہ اور فضل بن حارث نے مرتب کیا تھا۔ عبداللہ بن جدعان کے گھر میں تمام قبائل کے مابین یہ معاہدہ ہوا۔ اس کو ''حلف الفضول'' کا نام دیا گیا کیونکہ یہ قریش کا ایک افضل کارنامہ تھا۔ (السیرۃ النبویہ لابن کثیر:۱/۲۶۱)

اس معاہدے کے بارے میں زبیر بن عبدالمطلب نے مندرجہ ذیل اشعار کہے:

Marfat.com

ان الفضل تعاقدوا وتحالفوا
الا یقیم ببطن مکة ظالم
امر علیه تعاقدوا وتوا ثقوا
فالجار والمعتر فیهم سالم

یعنی معاہدہ حلف الفضول منعقد کرنے والوں نے حلف اٹھایا کہ مکہ میں کوئی ظالم نہیں ٹھہر سکے گا۔اس معاہدہ پر سب نے پختہ عہد کیا،اس وجہ سے مقامی اور خارجی سب یکساں محفوظ ہیں۔

(السیرۃ النبویہ:۱/۲۶۰)

حلف الفضول کا واقعہ بعثت نبویؐ سے ۲۰ سال قبل اور حرب فجار سے چار ماہ بعد ذی قعدہ میں رونما ہوا۔

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے نکاح:

لوگ آپ ﷺ کو الصادق اور الامین کہتے تھے۔آپ ﷺ کی ان دونوں صفات کا شہرہ دور دور تک پھیل گیا۔سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کو ان خطابات کا علم ہوا تو انھوں نے سوچا کہ یہی دو صفات تو ایک تاجر کی تجارت کے فروغ کا سب سے بڑا سرمایہ ہوتی ہیں،اس وجہ سے سیدہ رضی اللہ عنہا نے خود آپ ﷺ کو پیام بھیجا کہ آپ ﷺ میرا مال تجارت شام لے کر جائیں تو آپ ﷺ کو دوسروں کی نسبت زیادہ منافع دوں گی۔آپ ﷺ نے یہ پیش کش قبول فرمالی اور سیدہ رضی اللہ عنہا کے غلام میسرہ کے ساتھ شام کی جانب روانہ ہوگئے۔گھر آئے تو اپنے چچا ابوطالب سے بھی اس بارے میں بات کی اور دگنے منافع کا بھی ذکر کیا۔ابوطالب اس سے بہت خوش ہوئے۔(عیون الاثر:۱/۱۱۶)

مختصر یہ کہ آپ ﷺ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کا مال لے کر ۱۶ ذی الحجہ کو شام روانہ ہوئے۔راستے میں آتے جاتے میسرہ یہ برابر دیکھتا رہا کہ جب گرمی کی شدت ہوتی تھی تو جھٹ بادل آ کر آپ ﷺ پر سایہ فگن ہو جاتا تھا۔ میسرہ یہ سب باتیں دیکھ دیکھ کر حیران ہوا اور اس کے دل میں آپ ﷺ کی محبت اور عقیدت رچ بس گئی۔میسرہ کو حضور ﷺ کے ساتھ بھیجنے کا مقصد ہی دراصل یہ تھا کہ وہ آپ ﷺ کے طور واطوار کا گہری نظر سے مشاہدہ ومطالعہ کرے۔آپ ﷺ نے نفع بھی دوسروں سے اس سفر تجارت میں زیادہ کمایا اور میسرہ کے منہ سے آپ ﷺ کے اوصاف حمیدہ اور خصائل پسندیدہ سن کر سیدہ نے اپنے آپ کو ''دامان نبوت'' سے وابستہ کرنے کا عزم صمیم کرلیا۔

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا اس وقت حسب ونسب، مال ودولت، حسن وجمال اور دوسری تمام نسوانی صفات میں ممتاز تھیں اور بڑے بڑے قریشی رؤساء اور صنادیدان کو اپنے حبالۂ عقد میں لانے کے خواہش مند تھے لیکن ذات واجب کی نگاہ میں یہ مقرر تھا کہ آپ رضی اللہ عنہا سرور کائنات ﷺ کے شرف زوجیت سے سعادت اندوز ہوں۔

دونوں میں نکاح ہوگیا۔نکاح میں آپ ﷺ کے چچاؤں اور اشراف بنو ہاشم نے شرکت کی اور سیدہ خدیجہ طاہرہ رضی اللہ عنہا نے اپنے چچا عمرو بن اسد کو بطور وکیل بلا بھیجا۔ابوطالب چونکہ اس وقت قبیلہ میں بڑے تھے اس

Marfat.com

لیے نکاح انھوں نے پڑھایا۔(الروض الانف:۱/۱۲۲، ومثلہ فی خاتم النبیین ﷺ:۱/۱۶۲)

یہ سرکار دوعالم کی پہلی شادی تھی۔اس وقت آپ ﷺ کی عمر ۲۵ سال اور سیدہ خدیجہ کی عمر ۴۰ سال کے قریب تھی لیکن ڈاکٹر حمید اللہ مرحوم کی تحقیق کے مطابق اس وقت سیدہ کی عمر بھی ۲۵۔۲۶ سال تھی۔آپ ﷺ نے ان کی وفات تک پھر کسی اور خاتون سے شادی نہیں کی۔آپ ﷺ کا یہ نکاح سفر شام سے دو ماہ ۲۵ روز بعد ہوا۔ سیدہ کے بطن سے سرکار دوعالم ﷺ کے چھ بچے (چار لڑکیاں اور دو لڑکے) پیدا ہوئے۔سب سے بڑے لڑکے کا نام قاسم تھا جس کی نسبت سے آپ کی کنیت ''ابوالقاسم'' تھی۔

(سیدہ کے تفصیلی حالات کے لیے ملاحظہ ہو ہماری کتاب۔''پیغمبر اسلام ﷺ اور اہل بیت'')

بیت اللہ کی تعمیر:

سیدہ خدیجہ طاہرہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کے بعد آپ کی متاہل زندگی مختلف نشیب و فراز سے گزرتی ہوئی دس منزلیں طے کر چکی تھی کہ قریش کو بیت اللہ کی تعمیر کا خیال پیدا ہوا۔وجہ یہ تھی کہ خانہ کعبہ کی کمزور اور شکستہ دیواروں سے ایک روز اردگرد کی پہاڑیوں سے پانی کا ایک ریلا ٹکرایا جس نے اس کی بنیادیں ہلا دیں۔(سیرۃ الحلبیہ:۱/۱۵۲) اس کے لیے سرمایہ کی ضرورت تھی۔فیصلہ یہ ہوا کہ اس مقدس اور پاکیزہ عمارت کی تعمیر نو کے لیے مقدس اور پاکیزہ سرمایہ ہی خرچ کیا جائے۔بیت اللہ کو پہلے مکمل طور پر منہدم کیا گیا۔پھر اس کی تعمیر نو کی گئی۔تعمیر مکمل ہونے کے بعد جب حجر اسود کو نصب کرنے کا وقت آیا تو ہر قبیلہ کو اپنی شان اور عظمت یاد آ گئی۔وہ کہنے لگے کہ حجر اسود کے نصب کرنے کی تاریخی عظمت حاصل کرنے کا ہمیں ہی حق ہے۔کوئی دوسرا قبیلہ اس بارے میں ہم پر سبقت نہیں لے جا سکتا۔یہ جھگڑا یہاں تک بڑھا کہ بنوعبدالدار اور بنوعدی نے اس کے لیے موت کا حلف اٹھا لیا۔آخر ایک قریشی رئیس ابوامیہ بن المغیرہ جو سرکار دوعالم ﷺ کی پھوپھی عاتکہ کے شوہر تھے، کی یہ تجویز منظور کر لی گئی کہ جو شخص سب سے پہلے ''باب بنی شیبہ'' (اب اس دروازے کا نام باب السلام ہے: سیرۃ الحلبیہ:۱/۱۵۶) سے مسجد الحرام میں داخل ہو اس کو ثالث اور حکم تسلیم کر لیا جائے۔اس تجویز کو متفقہ طور پر منظور کر لیا گیا۔دوسرے روز سب سے پہلے اس دروازہ سے مسجد الحرام میں سرکار دوعالم ﷺ داخل ہوئے۔جونہی قبائل کی نظریں آپ ﷺ پر پڑیں تو وہ پکار اٹھے:

هذا محمد الامين رضينا، هذا محمد الامين۔

''یہ تو محمد امین ہیں ہم ان کے ثالث بنانے پر راضی ہیں، یہ تو محمد الامین ہیں۔''

رسول اللہ ﷺ نے ایسا اچھا فیصلہ فرمایا کہ ہر قبیلہ خوش ہو گیا۔آپ ﷺ نے فرمایا: ''ایک چادر لاؤ۔ جب چادر لائی گئی تو آپ ﷺ نے چادر کو بچھا کر اپنے دست مبارک سے حجر اسود کو اٹھا کر اس چادر کے درمیان رکھ دیا، اس کے بعد فرمایا کہ ہر قبیلہ کے سربرآوردہ افراد اس چادر کا ایک ایک کونہ تھام لیں اور جہاں اس کو نصب کرنا ہے وہاں تک لے چلیں۔تمام قبائل نے حکم کی تعمیل کی۔جب وہ چادر کو مقام نصب تک لے گئے تو آپ ﷺ

Marfat.com

نے فرمایا کہ اب تمام لوگ مجھ کو اس کے مقام پر رکھنے کے لیے اپنا وکیل بنا دیں۔ سب نے اس کو منظور کر لیا اور آپ ﷺ نے حجر اسود کو اٹھا کر اس کے مقام پر رکھ دیا۔ آپ ﷺ کی اس تدبیر سے ایک خوفناک جنگ ٹل گئی اور قبائل میں غصہ و نفرت کے بجائے اتحاد و اتفاق کے جذبات ابھر آئے جن کی ہماہمی میں خانہ کعبہ کی باقی ماندہ تعمیر مکمل کی گئی۔

(سیرۃ ابن ہشام: ۱/ ۲۲۱۔۲۲۸، نہایۃ الارب: ۱۶/ ۹۹۔۳۰، طبقات ابن سعد: ۱/ ۱۴۵۔۱۴۶، عیون الاثر: ۱/ ۵۱۔۵۲، السیرۃ النبویہ لابن کثیر: ۱/ ۲۷۳، ۲۸۱، اخبار مکہ ازرقی: ص ۱۵۸۔۱۶۴، تاریخ الاسلام ذہبی: ۱/ ۶۸)

جس زمانے میں کعبہ کی تعمیر نو ہو رہی تھی اس زمانے میں قریش کی سیادت و قیادت ایک سخت بحران کا شکار تھی۔ حالات نے یہاں تک انگڑائی لی ہوئی تھی کہ پوری قوم میں کسی ایک شخص کو حق سیادت حاصل نہ تھا۔ کچھ لوگوں میں کفر و شرک کے بارے میں ذہنی انقلاب آیا ہوا تھا۔ یہی ذہنی انقلاب وقت کا تقاضا تھا کیونکہ بعثت نبوی ﷺ کا زمانہ بہت قریب آ رہا تھا۔ قوم کی اس حالت کو دیکھ کر کہ اکثر و بیشتر لوگ کفر و شرک میں غلطاں ہیں، آپ ﷺ کے ذہن میں مختلف سوالات پیدا ہوتے۔ یہ سوالات آپ ﷺ کے حساس قلب میں خلش پیدا کرنے لگے، اور ان کی خلش یہاں تک بڑھی کہ آپ ﷺ کو اس غور و فکر میں لطف آنے لگا۔ یہی غور و فکر آپ ﷺ کی حیات مقدسہ کا جوہر بن گیا، اور چونکہ شہری زندگی اس میں حارج تھی تو آپ کو تنہائی پسند آنے لگی۔ رفتہ رفتہ یہ دل بستگی یہاں تک بڑھی کہ آپ ﷺ شہر سے باہر پہاڑ کی ایک کھوہ میں رہنے لگے، جسے غارِ حرا کہتے ہیں۔ حرا نامی پہاڑ میں یہ غار چار گز لمبا اور پونے دو گز چوڑا ہے جہاں سے مکہ بھی نظر آتا رہتا ہے۔ اب بھی یہ شہر مکہ سے تین میل دور ہے۔

آپ ﷺ نے اپنی یہ عادت بنالی کہ پانی اور ستو ساتھ لیتے اور اس غار میں چلے جاتے اور جب تک یہ ضروریات زندگی ختم نہ ہو جاتیں اس وقت تک آپ ﷺ وہیں یادِ خدا، غور و فکر اور مراقبہ میں مشغول رہتے۔ اسی کو حدیث میں ''تحنث'' کا نام دیا گیا ہے۔ ریاضت تنہائی کے لیے اس سے بہتر اور کوئی جگہ نہ تھی۔ آپ ﷺ ہر سال رمضان کا پورا مہینہ اس غار میں بسر کرتے۔ وہ کیا سبب اور داعیہ تھا جس نے خلوت اور تنہائی کو آپ ﷺ کے لیے محبوب بنا دیا۔ یقیناً وہ کوئی باطنی اور غیبی امر تھا جو صرف اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے۔ بعض دفعہ آپ ﷺ اس فکر و تامل اور تذکر و تفکر میں اس قدر مستغرق رہتے کہ اس حالت میں کھانے پینے حتیٰ کہ اپنی ذات تک کا ہوش آپ ﷺ کو نہ رہتا۔ آپ ﷺ کے لیے اہل مکہ کے معاشرہ میں دلچسپی نہ ہونے کے باعث غار حراء کا تحنث بجائے خود ایک انجمن تھی۔

حراء کے اس خلوت کدہ میں آپ ﷺ اس حقیقت کے جویا اور متلاشی تھی جو اس سے قبل آپ ﷺ کو کہیں نہ مل سکی۔ اس حقیقت کے ذرائع میں آپ ﷺ کی نظر کے سامنے یہ وسیع و عریض عالم تھا۔ اوپر نظر اٹھا کر دیکھتے تو صاف و شفاف نیلگوں آسمان نظر آتا جس میں دن کو آفتاب اپنی کرنوں کے ڈول اس کائنات پر ڈالتا اور رات کو جھلملاتے ستارے اور درخشاں ماہتاب مسرفانہ طور پر اپنی ضیا پاشیوں سے نور کی چادر اس صحرائے بے پایاں

Marfat.com

پر پھیلا دیتا۔ دن میں آفتاب عالم تاب کے شعلہ ہائے سوزاں چاروں طرف لپک رہے ہوتے۔ پھر جب رات اپنے دامن میں دن کو چھپا لیتی تو چاند کی خوش گوار چاندنی سے دل میں سرور اور خوشی کی لہر دوڑ جاتی۔ تاروں کی جھلملاہٹ رات کی دلہن کے سہاگ کو اور نکھار دیتی۔ دریائے نور اور اس کی موجوں کا تلاطم جن کا وجود ایک دوسرے سے اس قدر مربوط ومنسلک ہے کہ ان میں کوئی بھی اپنے ساتھی کے سہارے کے بغیر قائم نہیں رہ سکتا۔ آپ ﷺ کو ایسا معلوم ہوتا کہ ایک وحدت وجود ہے جس کے گوناگوں مظاہر باری باری گردش کر رہے ہیں اور سرکار دوعالم ﷺ ان مظاہر میں ایک ایک کی جبیں پر سے حقیقت کے خدوخال تلاش کرنے میں مصروف ہیں۔

Marfat.com

وحی کا نزول

جب آپ کی عمر چالیس سال ہوئی اور غار حراء میں آپ ﷺ کی خلوت نشینی کا تیسرا سال آیا تو حق تعالیٰ شانہ نے چاہا کہ انسانیت پر اس کی رحمت کا فیضانِ عام ہو۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو نبوت و رسالت سے مشرف فرمایا۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ پہلے چھ ماہ آپ ﷺ کو سچے اور درست خواب آتے رہے، لہٰذا رویائے صادقہ کے ذریعے نبوت کا آغاز ربیع الاول میں ہوا جو آپ ﷺ کی ولادت کا مہینہ ہے، لیکن حالت بیداری میں آپ ﷺ پر وحی کا نزول رمضان المبارک میں ہوا۔ (فتح الباری: ۱/۲۷)

چنانچہ رمضان المبارک کے مہینے میں ایک روز حسب معمول جب آپ ﷺ غار حراء میں تشریف فرما تھے کہ دفعتاً ایک وجود اس غار حراء میں نمودار ہوا اور آپ ﷺ کو سلام کیا۔ (زرقانی: ۱/۲۱۱) یہ رمضان المبارک کی ۲۱ تاریخ اور دوشنبہ کی رات تھی جبکہ عیسوی ۱۰ اگست سنہ ۶۱۰ء تھا۔ قمری حساب سے اس وقت آپ ﷺ کی عمر چالیس سال چھ ماہ بارہ دن تھی جب کہ شمسی حساب سے ۳۹ سال ۳ ماہ اور ۲۲ دن تھی۔ اس نے کہا ''اقراء'' یعنی پڑھیے۔ آپ ﷺ چونکہ لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے اس لیے عذر پیش کر دیا کہ میں پڑھنا نہیں جانتا۔ اس وجود نے، حضور فرماتے ہیں، مجھے پکڑ کر دبایا اور ایسا دبایا کہ میری مشقت کی کوئی انتہاء نہ رہی۔ اس کے بعد چھوڑ دیا اور کہا ''اقراء'' (پڑھیے) میں نے پھر وہی جواب دیا کہ میں پڑھ نہیں سکتا۔ اس وجود نے مجھے پھر شدت کے ساتھ دبایا اور پھر چھوڑ دیا اور کہا: ''اقراء'' میں نے پھر وہی جواب دیا کہ میں پڑھ نہیں سکتا۔ اس وجود نے پھر تیسری مرتبہ مجھ کو پکڑا اور اسی شدت کے ساتھ دبایا اور یہ کہا: ''پڑھو:

﴿اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ○ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ○ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ○ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ○ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ﴾ (العلق ۹۶: ۱ تا ۵)

''آپ اپنے رب کے نام کی مدد سے پڑھیے جو تمام کائنات کا خالق ہے خصوصاً انسان کا جس کو اس نے خون کے لوتھڑے (جمے ہوئے خون) سے پیدا کیا۔ آپ ﷺ پڑھیے، آپ ﷺ کا رب بہت ہی کریم ہے جس نے قلم سے علم سکھایا اور انسان کو وہ کچھ سکھایا جس کو وہ نہیں جانتا تھا۔''

Marfat.com

آپ ﷺ نے ان پانچ آیات کو پڑھا، ذہن میں اتارا، ساتھ ہی جب گراں بار ذمہ داریوں کا احساس اور اپنی درماندگی اور عاجزی کا غیر معمولی شعور ہوا، راہِ خدا سے بھٹکی ہوئی مخلوق کو پڑھنے پڑھانے اور سدھارنے کی ذمہ داری اور اس بارے میں اپنی ناآشنائی اور ناتجربہ کاری اور اس کے ساتھ ہی فروتنی وخاکساری کا احساس ہوا، تو دل دھک دھک کرنے لگا۔ بدن میں کپکپی اور رعشہ کی کیفیت پیدا ہوگئی جیسے سردی سے آدمی کانپتا ہے۔ فوراً وہاں سے اٹھے اور اسی گھبراہٹ اور کپکپاہٹ کی کیفیت میں سیدھے اپنے گھر پر تشریف لائے۔ رفیقۂ حیات سیدہ خدیجہ طاہرہ رضی اللہ عنہا نے جو یہ کیفیت دیکھی تو پریشان سی ہوگئیں۔ نبوت کے لبوں سے ایک آواز سیدہ کے کانوں میں پڑی "زملونی"، "زملونی" یعنی مجھے کچھ اوڑھاؤ، مجھے کچھ اوڑھاؤ، سیدہ طاہرہ رضی اللہ عنہا نے بغیر کچھ کہے اسی وقت چادر اوڑھا دی۔ کچھ دیر بعد گھبراہٹ اور پریشانی دور ہوئی۔ سیدہ رضی اللہ عنہا نے اس وقت گھبراہٹ کی وجہ اس لیے نہ پوچھی کہ وہ پندرہ سال سے محمد ﷺ کو دیکھ رہی تھیں کہ اس سے قبل انھیں ایسی گھبراہٹ کبھی نہ ہوئی تھی، اس لیے ان کو یقین تھا کہ آپ ﷺ کو کوئی غیر معمولی واقعہ پیش آیا ہے جس سے یہ غیر معمولی گھبراہٹ پیدا ہوئی، لہٰذا پہلے یہ گھبراہٹ اور پریشانی دور ہو پھر حقیقت واقعہ کی بابت استفسار کروں۔

آپ ﷺ نیند سے بیدار ہوئے اور طبیعت میں کچھ سکون پیدا ہوا تو سیدہ رضی اللہ عنہا نے بلائیں لیں اور گھبراہٹ کی وجہ دریافت کی۔ سرکار دو عالم ﷺ نے پورا واقعہ بیان فرمایا کہ مجھے اپنی جان کا خطرہ ہے۔ سیدہ رضی اللہ عنہا نے آپ کو نہایت لطیف پیرایہ میں اطمینان دلایا اور بتایا کہ آپ ﷺ ہرگز نہ ڈریں۔ آپ ﷺ یقیناً یہ بوجھ اٹھا سکیں گے کیونکہ آپ ﷺ اب تک زندگی میں کئی بوجھ اٹھاتے رہے ہیں، اور جو بوجھ اٹھاتے رہے ہیں وہ بھی غیر معمولی ہیں، لہٰذا اگر کوئی گراں بار ذمہ داری آپ ﷺ پر پڑے گی تو آپ ﷺ اس کا ضرور تحمل کر سکیں گے۔ بخاری میں ہے کہ سیدہ رضی اللہ عنہا نے کہا:

''بخدا! ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا، ایسا کبھی نہیں ہوسکتا کہ اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو ناکام اور نامراد کر دے اور آپ ﷺ کی مدد نہ کرے کیونکہ آپ ﷺ صلہ رحمی کرتے ہیں، تھکے ہارے اور درماندہ انسانوں کو ان کی منزل تک پہنچاتے ہیں اور ایسی خدمات جلیلہ سرانجام دیتے ہیں جن کی نظیر نہیں ملتی، ناداروں کی خبر گیری کرتے ہیں، بے ٹھکانہ مسافروں کو اپنا مہمان بناتے ہیں اور حق بجانب امور میں معین و مددگار رہتے ہیں۔'' (بخاری مع فتح الباری: ۱/۳۲)

سرکار دو عالم ﷺ کی طبیعت میں جب سکون پیدا ہوا تو سیدہ خدیجہ طاہرہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کو اپنے ساتھ لے کر ورقہ بن نوفل کے پاس گئیں اور کہا کہ اے میرے چچازاد بھائی! ذرا اپنے اس بھتیجے کی بات تو سنیے۔ ورقہ نے آپ ﷺ سے مخاطب ہو کر کہا: ''اے بھتیجے! بتاؤ کیا دیکھا؟'' آپ ﷺ نے وہ تمام واقعہ بیان کیا۔ ورقہ نے جب آپ ﷺ کی بات سنی تو سنتے ہی اسے یقین آ گیا کہ جو کچھ آپ ﷺ فرماتے ہیں وہ بالکل درست اور حق ہے اور ورقہ نے اس حق کا اعتراف کیا۔'' (فتح الباری: ۱۲/۳۱۷)

Marfat.com

ورقہ نے آپ کا یہ حال سن کر کہا یہ وہی ناموس (فرشتہ) ہے جو موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوتا تھا۔ (خیر کی خبر لانے والے کو ناموس اور شر کی خبر لانے والے کو جاسوس کہتے ہیں)۔ (عمدۃ القاری:۱/۵۲)

کاش میں تمھارے زمانۂ نبوت میں قوی اور توانا ہوتا جب کہ تمھاری قوم تمھیں وطن سے نکالے گی۔ آپ ﷺ نے نہایت تعجب سے فرمایا: 'کیا وہ مجھے نکالیں گے؟'' ورقہ نے کہا: ''یہ صرف آپ ﷺ ہی پر موقوف نہیں بلکہ جو شخص بھی نبی ہو کر اللہ کا کلام اور پیام لایا قوم نے اس کے ساتھ یہی سلوک کیا۔ اگر میں نے آپ ﷺ کا وہ زمانہ پایا تو میں نہایت زور سے آپ کی مدد کروں گا، لیکن کچھ دنوں کے بعد ورقہ کا انتقال ہو گیا۔

(بخاری، رقم:۳، اطرافہ فی:۳۳۹۲، ۴۹۵۳، ۴۹۵۵، ۴۹۵۶، ۴۹۵۷)

ایک روایت میں ہے کہ چلتے وقت ورقہ بن نوفل نے آپ ﷺ کے سر مبارک کو بوسہ دیا، چنانچہ آپ ﷺ سیدہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ واپس گھر تشریف لائے۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو بخاری:۱/۳۳، مسلم، رقم:۱۶۰، ترمذی، رقم:۳۶۳۶، سیرۃ ابن ہشام:۱/۲۶۶، طبقات ابن سعد:۱/۱۹۴، طبری:۲/۲۹۸، صفۃ الصفوۃ:۱/۷۸، نہایۃ الارب:۱۶/۱۶۸، سیرۃ الحلبیہ:۱/۲۳۳، دلائل النبوۃ:۱/۳۹۶)

یہ سب سے پہلی وحی تھی۔ پھر ۲۰ روز کے لیے وحی کا سلسلہ رک گیا تاکہ آپ ﷺ کے دل سے وحشت اور خوف دور ہو جائے اور آئندہ کے لیے وحی کا شوق اور انتظار قلب میں پیدا ہو جائے۔

(عمدۃ القاری:۱/۳۷، فتح الباری:۱/۳۱۳)

Marfat.com

پریشانی

وحی کی چند روز کی بندش کے بعد دوبارہ آنے سے سرکار دو عالم ﷺ کو بہت زیادہ خوشی اور مسرت ہوئی۔ روح میں سکینت بس گئی، لبوں پر شگفتگی اور مسکراہٹ، دل میں سرور اور آنکھوں میں ایک خاص قسم کا نور پیدا ہو گیا۔ یاس وخوف امید ومسرت میں بدل گئے، زبان حمد الٰہی اور تقدیس خداوندی میں حرکت کرنے لگی، بدن کا رواں رواں شکر اور انابت خداوندی میں مصروف ہو گیا۔

اب سورۃ المدثر کی پہلی سات آیات نازل ہوئیں جن میں آپ ﷺ کو نبوت کے ساتھ رسالت بھی عطا کی گئی، کیونکہ اس میں "قم فانذر" کا پیغام کہ "تیار ہو جائیں تا کہ آپ ﷺ لوگوں کو عذاب آخرت سے ڈرائیں، مل گیا تھا۔ آپ ﷺ کی طبیعت کی پریشانی دیکھ کر سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے باندازِ لطف ومحبت آپ ﷺ کو راحت اور آرام کرنے کی تلقین کی جس کے جواب میں آپ نے فرمایا: "خدیجہ! نیند اور راحت وآرام کا زمانہ ختم ہو گیا۔" اب آپ ﷺ کو یہ پریشانی تھی کہ "میری بات کون سنے گا؟"

نبوت ملنے کے بعد آپ ﷺ ایک روز خانۂ خدا کے طواف کے لیے حرم میں تشریف لے گئے۔ یہاں ورقہ بن نوفل سے پھر آپ ﷺ کی ملاقات ہو گئی۔ یہ ملاقات اکیلے میں تھی۔ سرکار دو عالم ﷺ نے پھر اپنا تمام ماجرا ورقہ کے گوش گزار فرمایا۔ انھوں نے جواب میں کہا: "قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، یقیناً آپ ﷺ اس امت کے نبی ہیں۔" (سیرۃ ابن ہشام: ۱/ ۲۳۸) گھر آ کر آپ ﷺ نے اپنے ذہن میں دعوت خداوندی کا نقشہ تیار کیا۔

آغوش اسلام میں آنے والے اوّلین خوش نصیب:

سرور کائنات ﷺ کی نبوت سے قبل کی چالیس سالہ زندگی اگرچہ ایک مثالی زندگی تھی اور یہی مثالی زندگی آپ ﷺ کی نبوت کی ایک بہت بڑی دلیل تھی کیونکہ ایک بشر کو نبی یا رسول بنانے کا مقصد ہی یہ ہوتا ہے کہ وہ دوسرے انسانوں کے سامنے ایک عملی نمونہ بھی پیش کرے تا کہ دوسرے لوگ اسے دیکھ کر اپنی زندگی کی راہیں متعین کریں۔

اعلان نبوت کے بعد کم وبیش تین برس ایسے گزرے جن میں اس اُمّی لقب ﷺ کو عام دعوت وتبلیغ کا

Marfat.com

حکم نہیں تھا لیکن اس کے باوجود کچھ سعادت مند وجود ایسے بھی تھے جو خود ہی شمع نبوت کے پروانے بن گئے۔ ان میں سب سے پہلے سیدہ خدیجہ طاہرہ رضی اللہ عنہا، سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، سیدنا علی رضی اللہ عنہ، سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ اور سیدہ ام ایمن رضی اللہ عنہا شامل تھیں، یہ پانچ حضرات ہیں، لیکن عجیب بات یہ ہے کہ پانچوں کا تعلق نوع انسانی کے ہر طبقہ سے ہے یعنی مرد، عورت، بچہ، آزاد اور غلام۔

ان حضرات نے ابھی تبلیغ اور دعوت کا کام باقاعدہ طور پر شروع نہیں کیا تھا کہ کچھ اور افراد جو اپنے اخلاق اور کردار کے لحاظ سے اس پورے معاشرے کے نہایت قیمتی موتی تھے اور مستقبل میں ان کی کارکردگی نے یہ بات ثابت بھی کردی، خود متاثر ہو کر آغوش اسلام میں داخل ہو گئے۔ ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

سیدنا عثمان بن عفان، سیدنا طلحہ بن عبیداللہ، سیدنا زبیر بن عوام، سیدنا عثمان بن مظعون، سیدنا سعد بن وقاص، سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف، سیدنا ابوعبیدہ بن الجراح، سیدنا ابوسلمہ بن عبدالاسد اور سیدنا ارقم بن ابی ارقم رضی اللہ عنہم اجمعین۔ چنانچہ ان کی تعلیم و تربیت بھی ہوتی رہی اور یہ لوگ بعد میں اسلام کے درخشندہ ستارے اور نیرِ تاباں ثابت ہوئے اور قرآن میں "السابقون الاولون" کے لقب سے سرفراز ہوئے۔ (البدایہ والنہایہ: ۳/۲۹)

یہ سارے حضرات سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی تبلیغ سے دائرہ اسلام میں داخل ہوئے۔

اشراف مکہ کی گھبراہٹ:

مکہ کی حالت اس زمانہ میں ایک چھوٹے سے جمہوریہ کی تھی۔ اگرچہ مکہ میں کسی بادشاہ کی حکومت نہ تھی لیکن مختلف قبائل کے شیوخ اور سربراہوں کی ایک مشترکہ کونسل تھی اور ہر قبیلے کا رئیس کسی ایک شعبہ کا انچارج تھا۔ اس مشترکہ جماعت کے اجلاس کے لیے ایک اسمبلی ہال تھا جس کو "دارالندوہ" کہتے تھے۔ اس میں ان کے اجلاس ہوا کرتے تھے۔ مختلف قبائل کے کچھ لوگ بڑے دولت مند تھے جو بڑے پیمانے پر سودی کاروبار کرتے تھے اور مکمل طور پر سرمایہ دارانہ ذہنیت کے مالک تھے۔ حرص ان سرداروں میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ اس سرمایہ دارانہ ذہنیت کے اوصاف و اخلاق پورے مکہ بلکہ پورے عرب پر چھائے ہوئے تھے۔ کیونکہ اسی ذہنیت کے لوگ اس سماج میں بڑے بڑے شعبوں پر متولی اور قابض تھے۔ اس معاشرے میں نیکی کی بات کرنا ایک برائی اور گالی سمجھا جاتا تھا اور زندگی کے مختلف شعبوں پر قابض لوگوں کے لیے ناقابل برداشت غلطی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تمام باتوں کو بالائے طاق رکھتے ہوئے دعوت شروع کردی لیکن یہ دعوت عام نہیں تھی لہٰذا مخالفت بھی عام نہیں تھی۔

سب سے پہلا مسلمان:

یہ بات شک وشبہ سے بالاتر ہے کہ اعلان نبوت کے بعد سیدہ خدیجہ طاہرہ رضی اللہ عنہا سب سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں۔ سیدہ کو اسلام لانے میں مردوں اور عورتوں سب پر سبقت کا شرف حاصل ہے۔ علامہ ابن

Marfat.com

عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ سہیلی رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر اجماع نقل کیا ہے۔ ابن اثیر نے بھی لکھا ہے کہ مسلمانوں کا اجماع ہے کہ سیدہ رضی اللہ عنہا سے پہلے اسلام کی سعادت نہ کسی مرد کو نصیب ہوئی اور نہ کسی عورت کو۔

(ملاحظہ ہو ابن اثیر: ۲/۵۷، اسد الغابہ: ۵/۴۳۴، سیرۃ ابن ہشام: ۱/۲۷۷، نہایۃ الارب: ۱۶/۱۷۵، ۱۸۰، عیون الاثر: ۱/۱۹۱، سیر اعلام النبلاء، ذہبی: ۲/۱۱۵، مجمع الزوائد: ۹/۲۱۹، تاریخ الاسلام ذہبی: ۱/۱۲۷)

لیکن مردوں میں سب سے پہلے آپ پر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ ایمان لائے۔ چنانچہ امام نخعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "ابوبکر اول من اسلم" یعنی ابوبکر رضی اللہ عنہ سب سے پہلے شخص ہیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے۔

(صفوۃ الصفوۃ: ۱/۲۳۷، البدایہ والنہایہ: ۳/۲۶، نہایۃ الارب: ۱۶/۱۸۰)

خود سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا اپنا بیان ہے:

اول من اسلم من الرجال ابوبکر الصدیق۔

"مردوں میں سب سے پہلے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ایمان لائے۔"

(البدایہ والنہایہ: ۳/۲۷، طبری: ۷/۲۳۴، تاریخ الخلفاء: ص ۳۳، مجمع البیان طبرسی شیعی: ۳/۳۳)

پھر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے کی ایک خصوصیت تھی کہ جونہی وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے فوراً اس دعوت کو دوسروں تک پہنچانا شروع کر دیا۔ چنانچہ آپ کی دعوت سے ۳۸ افراد حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے مختلف روایات میں اس طرح تطبیق دی ہے کہ "آزاد مردوں میں سب سے پہلے ابوبکر رضی اللہ عنہ ایمان لائے، عورتوں میں سیدہ خدیجہ طاہرہ رضی اللہ عنہا، غلاموں میں سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ اور بچوں میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ۔ (البدایہ والنہایہ: ۳/۲۹، طبری: ۲/۶۰)

دعوت و تبلیغ کا یہ عمل اندر ہی اندر جاری تھا اور قریش مکہ کی مخالفت بھی اندر ہی اندر ہو رہی تھی۔ بہر حال پھر بھی کافی لوگ حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔ گویا کہ ؎

میں اکیلا ہی چلا تھا جانب منزل مگر　　لوگ ساتھ آتے گئے اور کارواں بنتا گیا

قرآن حکیم کی وہ سورتیں جو ابتدائے اسلام میں نازل ہوئیں، ان میں تربیت نبوت کے اصول جن کو عقائد و نظریات کہا جاتا ہے، کی تعلیم دی گئی تا کہ ذہن میں فکر کی پختگی پیدا ہو اور دعوت کے نصاب کے بارے میں آشنائی حاصل ہو، اور تربیت کا طریقہ یہ بتایا کہ رات کو اٹھو، جاگو اور رات کا کچھ حصہ یاد خدا میں کھڑے ہو کر گزارو۔ قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر اور نہایت اطمینان سے پڑھو، شب بیداری سے مشکلات کو برداشت کرنے اور محنت کرنے کی عادت پڑتی ہے۔ پھر ہر وقت رب کا ذکر جاری رکھو اور سب سے کٹ کر اسی کے ہو جاؤ۔ دنیا داروں سے کنارہ کشی اختیار کرو لیکن خوب صورتی کے ساتھ تا کہ ان کی نفرت دل میں جگہ نہ پائے کیونکہ مریض سے نفرت پیدا ہونے سے اس کا علاج نہیں ہو سکتا لیکن مرض سے نفرت ضرور ہو۔

Marfat.com

رسول اللہ ﷺ دارارقم میں

دوسال کی دعوت وتبلیغ کے بعد اہل اسلام کی ایک چھوٹی سی جماعت بن گئی تو سیدنا ارقم رضی اللہ عنہ کے گھر میں آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جمع ہونے کا حکم دیا۔ اس مکان کو اجتماع کے لیے مخصوص کرنے کا سب سے بڑا مقصد کتابوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا ارقم بن ابی ارقم رضی اللہ عنہ بنومخزوم سے تعلق رکھتے تھے اور بنومخزوم کا قبیلہ اس زمانے میں دولت وثروت کے لحاظ سے تمام قبائل میں ایک بلند مقام رکھتا تھا۔ اس مکان سے زیادہ مسلمانوں کے لیے اور کوئی محفوظ جگہ نہیں تھی اور ابوجہل اور دیگر قرشی سرداراس مکان میں داخل ہونے والے افراد پر زیادتی اور سختی نہیں کرسکتے تھے۔ دارارقم کوہ صفا کے دامن میں تھا۔ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے تک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم وہیں اکٹھے ہوتے تھے۔ سیدنا ارقم رضی اللہ عنہ ساتویں یا دسویں مسلمان ہیں۔ (الاصابہ:۱/۲۸)

سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام:

اسی دور میں سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ بھی اپنے بھائی انیس سے رسول اللہ ﷺ کی دعوت توحید کا سن کر آپ ﷺ پر ایمان لے آئے [1]۔ سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ مکہ میں کئی روز کی کوششوں کے بعد سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی معاونت سے رسول اللہ ﷺ تک پہنچے۔ آپ ﷺ کی دعوت سے متاثر ہوئے اور حلقہ بگوش اسلام ہوگئے۔

رسول اللہ ﷺ نے ابوذر رضی اللہ عنہ کو اسلام کے اظہار سے منع فرمایا اور قبیلہ بنوغفار میں واپس لوٹ جانے کے لیے فرمایا لیکن ابوذر رضی اللہ عنہ نے قسم کھا کر کہا کہ میں اپنے اسلام کو چھپا نہیں سکتا۔ چنانچہ مسجد حرام میں تشریف لائے اور قریش کے مجمع میں اپنے اسلام کا اظہار فرمایا۔ یہ سن کر قریش چاروں طرف سے ان پر ٹوٹ پڑے اور اتنا مارا کہ بے ہوش ہوکر گر پڑے۔ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے بڑی مشکل سے انھیں بچایا۔

---

① جس کی تفصیل ہم نے اپنی کتاب ''سیرۃ سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ'' میں دی ہے

Marfat.com

تین سالوں میں ایمان لانے والے

ان تین سالوں میں اس خفیہ دعوت کے نتیجہ میں بنو ہاشم، بنوعبد شمس، بنوامیہ، بنوعدی، بنوتمیم، بنواسد، بنو زہرہ، حلفائے بنی زہرہ، بنوعبدالدار، بنوجمح، بنوسہم، بنومخزوم، حلفائے بنی مخزوم، بنی عمار، بنی لوی اور بنوفہر بن مالک میں سے سواسو کے قریب حضرات حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ جن میں چندایک حسب ذیل ہیں:

سیدنا جعفر بن ابی طالب، سیدہ اسماء بنت عمیس، صفیہ بنت عبدالمطلب، اروٰی بنت عبدالمطلب، ابو حذیفہ بن عتبہ بن ربیعہ اوران کی زوجہ سہلہ، عثمان بن عفان، اروٰی بنت کریز والدہ سیدہ عثمان، ام حبیبہ بنت ابی سفیان، خالد بن سعید بن العاص، سعید بن زید (سیدنا عمر کے بہنوئی) فاطمہ بنت خطاب، زید بن خطاب، نعیم بن عبداللہ النحام، ام رومان (سیدنا ابوبکر کی اہلیہ) اسماء بنت ابی بکر، عائشہ بنت ابی بکر، طلحہ بن عبیداللہ، صہیب بن سنان رومی، زبیر بن عوام، خالد بن حزام، عبدالرحمٰن بن عوف، سعد بن ابی وقاص، عمیر بن ابی وقاص، عامر بن ابی وقاص، عبداللہ بن مسعود، عتبہ بن مسعود، خباب بن الارت، شرحبیل بن حسنہ، مصعب بن عمیر، عثمان بن مظعون، قدامہ بن مظعون، عبداللہ بن مظعون، عبداللہ بن حذافہ، خنیس بن حذافہ، ابوسلمہ، عبداللہ بن عبدالاسد، ام سلمہ، ارقم بن ابی ارقم، عیاش بن ابی ربیعہ (ابوجہل کا ماں شریک بھائی) ولید بن ولید (خالد بن ولید کے بھائی) یاسر، عمار بن یاسر، عبداللہ بن یاسر، ابوعبیدہ بن جراح، سہیل بن بیضاء رضی اللہ عنہم۔

ان حضرات کے علاوہ وہ لوگ بھی تھے جو آغاز ہی میں آپ ﷺ پر ایمان لے آئے جیسے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ، سیدنا علی رضی اللہ عنہ، سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ، سیدہ ام ایمن، سیدہ خدیجہ اوران کی تین صاحب زادیاں سیدہ زینب، سیدہ رقیہ اور سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہن۔ ان کے علاوہ کچھ غلام اور لونڈیاں بھی تھیں جو ان تین سالوں میں آپ ﷺ پر ایمان لائیں۔

Marfat.com

پہاڑی وعظ

روایات کے مطابق سرکار دو عالم ﷺ عرب کے بت کدے میں مخفی طور پر توحید خداوندی کا پرچار کرتے رہے اور لوگ آہستہ آہستہ اس دعوت کی جاذبیت سے حلقۂ اسلام میں داخل ہوتے گئے۔ تین سال کی دعوتی تربیت کے بعد یہ حکم نازل ہوا کہ اب علی الاعلان اسلام کی دعوت دیں۔

''آپ ﷺ کو جس بات کا حکم دیا گیا ہے اس کا صاف صاف اعلان کر دیجیے اور مشرکین کی پروانہ کیجیے اور سب سے پہلے اپنے قریبی رشتہ داروں کو (کفر و شرک سے) ڈرایئے اور جو ایمان لا کر آپ ﷺ کا اتباع کرے اس کے ساتھ شفقت و نرمی کا معاملہ کیجیے اور آپ ﷺ یہ اعلان کر دیجیے کہ میں واضح طور پر ڈرانے والا ہوں۔''

اس حکم کی تعمیل میں آپؐ صفا کی پہاڑی پر چڑھے۔ اس زمانہ میں یہ پہاڑی بلند تھی۔ حرم کعبہ اس کے دامن میں تھا۔ اس پہاڑی پر چڑھ کر آپؐ نے نام لے لے کر عرب کے قبائل کو پکارا۔

یہ آواز ہر کان میں پہنچی لہٰذا یہ آواز سنتے ہی تمام قبائل کے لوگ چھوٹے اور بڑے اور عوام و خواص جمع ہو گئے۔ آپؐ نے ان سے پہلے ایک سوال کیا:

''اگر میں یہ کہوں کہ یہ وادی جو اس پہاڑ کے عقب میں ہے یہاں دشمن کی فوج موجود ہے اور وہ عنقریب تم پر حملہ آور ہونے والی ہے تو کیا تم سب لوگ میری اس بات کی تصدیق کرو گے۔''

سب نے یک زبان ہو کر جواب دیا: ''بے شک، کیوں کہ ہمارا تجربہ یہ ہے کہ آپؐ ہمیشہ سچ ہی بولتے ہیں۔''

جب آپ ﷺ نے اپنی راست گوئی کی تصدیق کروالی تو پھر فرمایا: ''عذاب خداوندی کا لشکر تم پر حملہ آور ہونے والا ہے۔ قبل اس کے کہ عذاب خداوندی کا یہ لشکر تم پر حملہ کرے میں تمھیں آگاہ کر رہا ہوں۔''

پھر آپؐ نے توحید خداوندی اور اپنی نبوت و رسالت کے بارے میں کچھ ارشاد فرمایا: بہت ممکن تھا کہ لوگ کچھ اثر لیتے اور آپ ﷺ کے مشن کی تصدیق کرتے لیکن آپؐ کے اپنے ہی خاندان کا ایک قریبی بوڑھا ابولہب بھڑکتا ہوا اٹھا اور یہ کہتا ہوا اس اجتماع سے چل دیا: ''محمد ﷺ! تیرے ہاتھ ٹوٹیں کیا تو نے اس لیے ہمیں یہاں اکٹھا کیا تھا۔'' (بخاری: ۲/۷۰۲، مسلم: ۱/۲۰۸، طبری: ۲/۳۱۹، روض الانف: ۲/۲۰۹)

دوسرے لوگ بھی اس کو دیکھ کر چل دیئے۔

Marfat.com

پہاڑی وعظ کا اثر:

آپ ﷺ کا یہ پہاڑی وعظ ختم ہو گیا۔ لوگ گھروں کو چلے گئے لیکن ہر شخص کے ذہن میں حضرت محمد ﷺ کی سابقہ زندگی تھی جو برف کی طرح صاف وشفاف اور شبنم کی طرح پاکیزہ تھی، اور اسی پاکیزہ ومطہر زندگی کی بنا پر لوگ سوچنے لگے کہ جب آپ ﷺ نے کسی انسانی یا دنیوی معاملے میں جھوٹ نہیں بولا تو اب یکا یک یہ شخص کذاب اور مفتری کیسے ہو گیا؟

آپؐ نے اب اپنی دعوت کے لیے ایک اور طریقہ اختیار کیا وہ یہ کہ آپؐ نے بنو عبدالمطلب کی ایک دعوت کی جس میں کم وبیش چالیس آدمی اکٹھے ہوئے۔ کھانا تھوڑا تھا اور آدمی زیادہ، لیکن آپؐ کی برکت کے باعث سب مدعو حضرات سیر ہو گئے اور کھانا کچھ بچ بھی گیا۔ ان لوگوں کو آپؐ نے توحید خداوندی کی دعوت دی، لیکن آپ ﷺ کے چچا ابولہب نے یہاں بھی کھانے کے بعد حاضرین سے کہا: ''لوگو! اٹھو، محمد (ﷺ) نے آج تمھارے کھانے پر جادو کر دیا ہے۔ ایسا جادو جو اس سے قبل کبھی نہیں دیکھا۔ آپؐ نے لوگوں سے فرمایا: ''جو شے میں نے تمھارے سامنے پیش کی ہے کسی شخص نے بھی اس سے بہتر شے اپنی قوم کے سامنے پیش نہیں کی۔ میں دنیا وآخرت کی خیر تمھارے لیے لے کر آیا ہوں۔'' (فتح الباری: ۸/۳۸۶، خصائل کبریٰ: ۱/۱۲۳، دلائل النبوۃ: ۱/۴۲۸، مجمع الزوائد: ۱۱۳)

مشرکین میں آپ کی اس بات کا ردعمل نہایت سخت ہوا، لیکن اب آپ ﷺ نے علانیہ توحید خداوندی کا پرچار اور ان کی مشرکانہ خرافات کی واشگاف لفظوں میں قباحت بیان کرنا شروع کر دی۔ آپ ﷺ کے اس اعلان توحید نے عرب کی پرسکون فضا کو ہلا کر رکھ دیا کیونکہ ان کے معبودان باطلہ کی جڑ کاٹی جا رہی تھی۔ قریش کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس معاملہ کو کس طرح حل کیا جائے، کیونکہ لوگ پہلے ہی آپؐ کی ذات سے متاثر تھے۔ آپؐ نے مکہ کے گلی کوچوں اور ان کے میلوں ٹھیلوں میں لوگوں کو یہ پیغام دینا شروع کر دیا کہ لوگو! لا الہ الا اللہ کہو کامیابی تمھارے قدم چومے گی۔ کئی روز کی سوچ بچار اور غور وخوض کے بعد انھیں ایک راستہ سمجھ میں آیا۔ وہ راستہ یہ تھا کہ ایک وفد کی شکل میں ابوطالب کے پاس جائیں اور ان سے یہ مطالبہ کریں کہ وہ آپؐ کو اس مشن سے روکیں۔ اگر وہ روکیں گے تو یہ ضرور رک جائیں گے۔ چنانچہ اشراف قریش میں سے چند لوگ ابوطالب کے پاس گئے اور کہا: ''ابوطالب! آپ کا بھتیجا ہمارے خداؤں کو برا بھلا کہتا ہے، ہماری اور ہمارے باپ دادا کی عقلوں کو حماقت زدہ کہتا ہے، ہمارے دین کو اباطیل وخرافات کا مجموعہ قرار دیتا ہے، یا تو آپ اس کو ان باتوں سے روک دیں یا پھر ہمارے اور ان کے درمیان سے ہٹ جائیں۔ اس وفد کو ابوطالب نے نہایت نرم لہجے میں سمجھا بجھا کر واپس کر دیا لیکن سرکار دوعالم ﷺ بلا جھجک دین اسلام کی علانیہ دعوت دیتے رہے۔

(سیرۃ ابن ہشام: ۱/۲۶۵، تاریخ الاسلام ذہبی: ۱/۱۴۸)

ایک روایت میں ہے کہ وفد کے اراکین ابوطالب کو اپنی بات کہہ کر چلے گئے۔ رسول اللہ ﷺ جب گھر

Marfat.com

تشریف لائے تو ابوطالب نے کہا: ''بھتیجے! تمھاری قوم کے لوگ میرے پاس آئے تھے اور یہ کہہ کر گئے ہیں، لہٰذا تم مجھ پر اور اپنے آپ پر رحم کھاؤ اور مجھ پر نا قابل برداشت بار نہ ڈالو۔

رسول اللہ ﷺ ابوطالب کے لب ولہجہ سے یہ سمجھ گئے کہ اب یہ بھی میری حمایت سے سبک دوش ہونا چاہتے ہیں۔ آپؐ نے غم زدہ دل کے ساتھ فرمایا:

''چچا! بخدا، اگر یہ لوگ میرے دائیں ہاتھ پر آفتاب اور بائیں ہاتھ پر ماہتاب لاکر رکھ دیں اور یہ کہیں کہ اس دعوت کے کام کو چھوڑ دو تو میں ہرگز اس کو نہیں چھوڑوں گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ یا تو دین کو غالب کر دے یا پھر میں ہلاک ہو جاؤں۔''

ابوطالب نے آپؐ کا یہ عزم صمیم دیکھ کر کہا: ''جانِ عم! میں تمھیں دشمنوں کے حوالے نہیں کروں گا۔''

(سیرۃ ابن ہشام: ۱/۲۶۶، البدایہ والنہایہ: ۳/۴۷)

قریش کی یہ تدبیر ناکام ہوگئی۔ اب انھوں نے دوسرا راستہ اختیار کیا۔

قبولِ اسلام پر اذیتیں:

رسول اللہ ﷺ کے اس رویہ سے قریش مکہ بپھر گئے اور ہر قبیلہ اپنے خویش واقارب کی ایذا رسانی پر تل گیا۔ سب سے پہلے انھوں نے غلاموں اور نچلے طبقہ کے لوگوں کو ایذا دینی شروع کر دی تاکہ انھیں واپس حلقہ کفر میں لاکر مسلمانوں کی تعداد میں کمی کی جائے۔ سیدنا بلال حبشی رضی اللہ عنہ، سیدنا خباب بن الارت رضی اللہ عنہ، سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ، سیدنا ابوفکیہہ رضی اللہ عنہ وغیرہ کو سخت قسم کی اذیتیں دینی شروع کیں جن کو سن کر کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کی والدہ سیدہ سمیہ رضی اللہ عنہا کی اندام نہانی میں ابوجہل نے برچھی ماری اور وہ جام شہادت نوش کر گئیں۔

غلاموں کے علاوہ آزاد مسلمانوں اور خود سرکار دوعالم ﷺ کی ایذا دہی میں بھی قریش نے کوتاہی نہ کی۔ ابوجہل کی بیوی ام جمیل نے تو یہ دستور ہی بنالیا تھا کہ گھر کا سارا کوڑا کرکٹ جمع کر کے آپؐ کے راستے میں پھینک دیتی لیکن آپؐ زبان سے کچھ کہے بغیر راستہ سے وہ کوڑا ایک طرف ہٹا کر گزر جاتے۔ ابوجہل آپؐ کی ایذا دہی میں سب سے آگے تھا۔ ایک روز اس نے اونٹ کی اوجھڑی اٹھوا کر آپؐ کی پشت مبارک پر رکھ دی۔ مسلمان اور رسول اللہ ﷺ نہایت صبر واستقامت سے ان تمام تکالیف کو برداشت کرتے رہے اور ان کے حوصلوں میں کوئی کمی نہ آتی۔

قریشِ مکہ کی الجھن:

اب قریش مکہ کے لیے ایک اور الجھن پیدا ہوگئی کہ موسم حج آ گیا۔ قریش جانتے تھے کہ اس موسم میں عرب سے مختلف وفود کی آمد شروع ہوگی، لہٰذا وہ چاہتے تھے کہ سرکار دوعالم ﷺ کے بارے میں کوئی ایسی بات کہیں جس کی وجہ سے اہل عرب کے دلوں پر آپؐ کی دعوت کا مطلق اثر نہ ہو۔ فیصلہ یہ ہوا کہ پہلے ولید بن مغیرہ آپؐ

Marfat.com

خدمت میں حاضر ہو کر گفتگو کرے۔ ولید بن مغیرہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنے آنے کا مقصد بیان کیا۔ آپؐ نے اس کے جواب میں چند آیات پڑھ کر سنائیں۔ ان آیات نے ولید کے دل پر حد درجہ اثر کیا اور وہ ہکا بکا رہ گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ خاموشی سے آپؐ کے پاس سے اٹھ کر چلا گیا اور کوئی بات نہ کہہ سکا۔ جب واپس گیا تو اس کے ساتھیوں نے اس کو لعن طعن کیا۔ ولید نے کہا کہ تم محمد (ﷺ) کو کاذب نہیں کہہ سکتے اور نہ وہ کاہن ہی ہے۔ اس کا کلام شعر بھی نہیں کیونکہ میں بذات خود شعر و سخن کا ماہر ہوں۔ محمد (ﷺ) جو کلام پیش کرتا ہے وہ ان سب سے بہت بلند ہے۔ اس کا کوئی جواب نہیں۔ اس کی تاثیر اور جاذبیت کا یہ عالم ہے کہ مجھ جیسا پختہ اور ٹھوس آدمی بھی اس کو سن کر چکرا گیا ہے۔"

بالآخر فیصلہ یہ ہوا کہ محمد (ﷺ) کی بے دینی کا چرچا کیا جائے اور قریش کی پوری مشینری پورے شد و مد کے ساتھ حرکت میں آ گئی، لیکن اس کا بھی کوئی اثر نہ ہوا اور رسول اللہ ﷺ کی دعوت گھروں، مجلسوں اور بازاروں میں جاری رہی اور قریش کے پاس اس کو روکنے کی کوئی تدبیر نہ تھی سوائے اس بات کے مسلمانوں پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑیں، چنانچہ وہ یہ کرتے رہے بلکہ دن بدن اس میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔

Marfat.com

سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کا قبولِ اسلام

ایک دن سرکار دو عالم ﷺ کوہِ صفا کے پاس سے گزر رہے تھے، اتفاقاً ابوجہل بھی ادھر آ نکلا۔ اس نے آپ ﷺ کو دیکھ کر آپؐ کی شان میں نازیبا کلمات کہے۔ آپؐ تو خاموش رہے لیکن عبداللہ بن جدعان کی لونڈی یہ سب کچھ دیکھ رہی تھی۔ اس کو ابوجہل کی یہ ناشائستہ گفتگو پسند نہ آئی۔ اتنے میں سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ شکار سے اپنا تیر کمان لیے ہوئے واپس لوٹے۔ اس لونڈی نے سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر کہا: ''ابوعمارہ! کاش تم اس وقت موجود ہوتے جب ابوجہل تمھارے بھتیجے محمد (ﷺ) کو سخت سست کلمات کہہ رہا تھا۔ یہ الفاظ سن کر سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کی ہاشمی غیرت میں جوش آیا۔ آپ بجائے گھر جانے کے وہیں سے ابوجہل کو تلاش کرنے لگے۔ آپ معمول کے مطابق حرم میں پہنچے۔ دیکھا کہ ابوجہل قریش کی ایک مجلس میں بیٹھا ہوا ہے۔ آپ نے اسے دیکھتے ہی اس زور سے اس کے سر پر کمان ماری کہ اس کے سر سے خون بہنے لگا اور کہا کہ تو محمد (ﷺ) کو گالیاں بکتا ہے۔ سن لے، میں خود اس کے دین پر ہوں۔ حاضرین مجلس نے ازراہ تعجب کہا: ''ابوعمارہ! کیا واقعی تم صابی (بے دین) ہو گئے ہو؟'' سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''ہاں میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ اللہ کے رسول ہیں اور جو وہ فرماتے ہیں وہ سراسر حق ہے۔ میں اب ان کے ساتھ ہوں، تم سے جو ہو سکتا ہے کر لو۔'' (نہایۃ الارب: ۱۶/ ۲۰۸، دلائل النبوۃ: ۱/ ۴۵۹، السیر والمغازی: ص ۱۷۱)

سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کا حلقۂ اسلام میں داخل ہونا بڑا مفید ثابت ہوا کیونکہ قریش کے دلوں پر ایک رعب طاری ہو گیا اور وہ سمجھ گئے کہ اب مسلمانوں کو ایذا دینا اور ان پر ظلم و ستم ڈھانا کوئی آسان بات نہیں ہے۔''

ابتدا سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کا ایمان اس حمیت اور جذبہ کے طور پر تھا کہ ان کے بھتیجے کی توہین کی گئی ہے اور سرراہ ان سے دشنام آمیز رویہ اختیار کیا گیا ہے۔ پھر حق تعالیٰ نے اسلام کے لیے ان کا سینہ کھول دیا اور انھوں نے اسلام کا دامن نہایت مضبوطی سے تھام لیا اور اللہ تعالیٰ نے ان کی وجہ سے دین اسلام اور مسلمانوں کو عزت دی۔

(البدایہ والنہایہ: ۳/ ۳۳، عیون الاثر: ۱/ ۱۹۵، روض الانف: ۱/ ۱۸۶، زرقانی: ۱/ ۲۵۶، طبقات ابن سعد: ۳/ ۹)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا قبولِ اسلام:

مکہ مکرمہ کی فضا ظلم و جور کے سیاہ بادلوں سے ہر روز گھمبیر تر ہوتی جا رہی تھی۔ قریش مکہ کی ستم رانیاں

Marfat.com

مسلمانوں کے صبر وتحمل کا امتحان لے رہی تھیں، لیکن سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کے اسلام قبول کرنے کے واقعہ نے قریش کی پریشانیوں میں اور اضافہ کر دیا اور مسلمانوں کے لیے ہدایت کا راستہ اور روشن ہو گیا۔ سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے کے صرف تین روز بعد سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بھی حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔ سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ دونوں سنہ ۶ نبوت میں دولت ایمان سے بہرہ ور ہوئے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے سے کفر کی کمر ہمت ٹوٹ گئی اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کے سامنے وہ اپنے کو بے بس سمجھنے لگے۔ اور ان کے اسلام کی برق تاباں سے قریش مکہ کی آنکھیں چندھیا گئیں۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کا اصلی اور حقیقی سبب تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا ہے جس کے بارے میں حدیث میں کہ ''اے اللہ! عمر رضی اللہ عنہ بن خطاب کے ساتھ خصوصی طور پر اسلام کو قوت دے۔''

(زرقانی: ۱/۲۷۳، ابن ماجہ، رقم: ۱۰۵، سنن کبریٰ بیہقی: ۶/۳۷۰، الکامل للعدی: ۶/۲۳۱۲، مسند احمد: ۱/۴۵۶، ۲/۹۵، تاریخ بغداد، خطیب بغدادی: ۴/۵۴، عیون الاثر: ۱/۱۲۱، طبقات ابن سعد: ۳/۲۶۹، مستدرک حاکم: ۳/۸۳، تاریخ الاسلام ذہبی: ۱/۱۷۲)

اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ان پر اس دعا کی وجہ سے بالکل اچانک اسلام منکشف ہو گیا بلکہ حقیقت یہ ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اعلیٰ اخلاقی زندگی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا شب و روز دعوت و تبلیغ دین میں مشغول رہنا، مخالفتوں کی وجہ سے آپ کا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام کا مستقل چرچا جس کی وجہ سے ہر ایک کے لیے آپ کا وجود ایک سوالیہ نشان بن گیا، ان تمام چیزوں نے بے شمار لوگوں کے ذہنوں میں اسلام کی تخم ریزی کر دی تھی۔ قبائلی عصبیت اور اسلاف پرستی کی وجہ سے ایک شخص بظاہر عناد اور ضد میں مبتلا ہو، مگر اندر ہی اندر اسلام کی خاموش پرورش کو بھی وہ روک نہ سکتا تھا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کے بارے میں عام شہرت یہ ہے کہ اچانک ایک واقعہ آپ کے اسلام لانے کا سبب بن گیا، حالانکہ معاملہ ایسا نہیں بلکہ جو واقعہ بیان کیا جاتا ہے، اس سے بہت پہلے ابتدائی تخم ریزی آپ کے دل میں ہو چکی تھی۔

(سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کی تفصیل ہم نے اپنی کتاب ''سیرۃ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم'' میں دی ہے۔)

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ جب دولت اسلام سے بہرہ ور ہوئے تو جبرئیل امین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی: ''اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! تمام آسمان والے عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے سے خوش ہوئے۔'' (لقد استبشر اهل السماء باسلام عمر)

(عیون الاثر: ۱/۲۲۱، طبقات ابن سعد: ۳/۱۹۲، زرقانی: ۱/۲۷۷)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا اسلام خرمن کفر پر برق سوزاں بن کر گرا۔ سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے نے کفر کی صفوں میں ایک اضطراری کیفیت پیدا کر دی۔ ان کی راتوں کی نیند حرام ہو گئی۔ اسلام لانے کے بعد سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے بارگاہِ رسالت میں عرض کیا: ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا ہم حق پر نہیں ہیں؟'' آپؐ نے فرمایا: ''کیوں نہیں، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، تم لوگ حق پر ہو خواہ زندہ رہو یا اس دنیا سے انتقال کر جاؤ۔'' سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: تب میں نے کہا: ''اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! پھر یہ چھپنا کیسا؟

Marfat.com

اس ذات برحق کی قسم جس نے آپؐ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا، ہم ضرور باہر نکلیں گے۔" چنانچہ اس روز ہم دو صفوں میں دارارقم سے باہر نکل آئے۔ایک صف میں سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ تھے اور دوسری صف میں میں تھا۔"

(سیرۃ عمر بن خطاب لابن الجوزی: ص ۶۔۷، صفۃ الصفوۃ: ۱/۲۷۱، دلائل النبوۃ لابی نعیم: ۱/۷۹۔۸۰، تاریخ الاسلام ذہبی: ۱/۱۸۰)

بخاری میں سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ جب سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا تب سے ہم برابر طاقت ور اور باعزت رہے۔(بخاری: ۱/۵۴۵، طبقات ابن سعد: ۳/۲۶۹، سیرۃ عمر لابن الجوزی: ص ۱۸)

طفیل بن عمر الدوسی رضی اللہ عنہ کا قبولِ اسلام:

طفیل بن عمر الدوسی رضی اللہ عنہ قبیلہ دوس کے رئیس تھے۔ یہ قبیلہ یمن کے ایک گوشہ میں آباد تھا۔ طفیل شعر وسخن میں نہایت بلند حیثیت کے حامل تھے۔ بڑے زیرک، دانشور اور فہیم تھے۔ قریش سے ان کے حلیفانہ تعلقات تھے۔

طفیل ایک دفعہ مکہ آئے۔ فرماتے ہیں کہ جونہی میں نے مکہ شہر میں قدم رکھا قریش کے آدمی مجھ سے آ کر ملنے لگے اور ہر شخص نے مجھ کو رسول اللہ ﷺ سے ملنے اور ان کے کلام کو سننے سے منع کیا۔ انھوں نے بڑی لجاجت سے کہا کہ ہمارا آپؐ کو دوستانہ اور خیر خواہانہ مشورہ ہے کہ مکہ کے قیام کے دوران محمد (ﷺ) سے دور رہو اور ان کی بات پر ہرگز کان نہ دھرو۔ طفیل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ان لوگوں مجھے آپؐ کی طرف سے اس قدر وحشت زدہ کر دیا کہ میں نے اپنے کانوں میں روئی ٹھونس لی تا کہ بالفرض اگر سرراہے آپ ﷺ سے ملاقات ہو بھی جائے تو آپؐ کی کوئی بات نہ سن سکوں۔ لیکن یہ ساری باتیں بیکار ثابت ہوئیں۔ دوسرے ہی دن میں نے آپؐ کو مسجد حرام کعبہ کے نزدیک نماز پڑھتے دیکھا۔ مجھے آپؐ کا یہ طریق عبادت بہت پسند آیا۔ میں آپؐ کے قریب آ کر کھڑا ہو گیا۔ آپؐ نماز میں جو آیات پڑھ رہے تھے وہ میرے کان تک پہنچ گئیں۔ آپؐ کے اس کلام میں بڑی دلآویزی اور جاذبیت تھی۔

جب آپ ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو میں آپؐ کے پیچھے ہو لیا۔ آپؐ کے دولت کدہ پر پہنچ کر میں نے ساری حقیقت حال بیان کی کہ لوگوں نے کس طرح مجھے آپؐ کے بارے میں ڈرایا لیکن آج میں نے آپ کا کلام سن لیا۔ میں نے قرآن سے بہتر کوئی کلام نہیں سنا اور آپؐ کے ارشادات گرامی کے مقابلہ میں کوئی حکیمانہ تقریر نہیں سنی، اور اسلام سے معتدل اور متوسط دین اور کوئی نہیں پایا۔ چنانچہ میں بادۂ اسلام کے ایک ہی جام سے سرشار ہو گیا اور اسی وقت حلقۂ اسلام میں داخل ہو گیا۔ ان کے مسلمان ہونے کی وجہ سے پھر سارا قبیلہ دوس مسلمان ہو گیا۔

Marfat.com

ہجرت حبشہ اولیٰ

اسلام کی دعوت پر لبیک کہنے والوں پر جور وستم اور ظلم وتشدد کا جو سلسلہ سنہ ۴ نبوی میں شروع ہوا تھا، اس میں روز بروز اضافہ ہوتا رہا۔ آپ ﷺ راتوں کو اٹھ اٹھ کر ان لوگوں کی مخلصی کی دعائیں فرماتے، ان کو صبر واستقامت کی تلقین فرماتے لیکن جب کافروں کا جور وستم حد سے بڑھ گیا تو ایک روز لسان نبوتؐ سے ان مظلوم مسلمانوں نے یہ الفاظ سنے:

''تم اللہ کی زمین پر کہیں چلے جاؤ یقیناً اللہ تعالیٰ تم سب کو عنقریب جمع کرے گا۔'' ان مظلوموں نے پوچھا کہاں جائیں؟ آپؐ نے حبشہ کے ملک کی طرف اشارہ فرمایا۔''

(زرقانی:۱/۲۷۰۱، سیرۃ ابن ہشام:۱/۳۲۲، عیون الاثر:۱/۲۰۹)

آپؐ نے یہ بھی فرمایا: ''ھی ارض صدق'' وہ راستی کی سرزمین ہے، وہاں کا حکمران ایسا ہے جس کی قلمرو میں کوئی کسی پر ظلم نہیں کرسکتا۔'' چنانچہ گیارہ یا بارہ مرد اور چار یا پانچ عورتیں رات کی تاریکی میں پیدل اور سوار چھپتے چھپاتے مکہ مکرمہ سے روانہ ہوئیں اور یہ سب لوگ ایک جہاز کے ذریعے شعیبہ کی بندرگاہ سے حبشہ کی طرف روانہ ہوگئے۔ ان مہاجرین میں سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ اور ان کی اہلیہ محترمہ سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا بنت رسول اللہ ﷺ بھی تھیں۔ یہ لوگ وہاں امن وامان سے اپنی زندگی کے ایام بسر کرنے لگے اور مکہ کے جور وستم کے زخم مندمل ہونے لگے۔ ابھی ان کو وہاں گئے تین ماہ ہی ہوئے تھے کہ ماہ شوال میں انھیں خبر ملی کہ تمام اہل مکہ مسلمان ہو گئے۔ یہ خبر ایک افواہ تھی۔ چنانچہ یہ حضرات اس خبر کو صحیح سمجھتے ہوئے مکہ واپس آ گئے۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو البدایہ والنہایہ:۳/۶۶۔۶۷، عیون الاثر:۱/۲۰۹)

ہجرت حبشہ ثانیہ:

حبشہ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی واپسی کے بعد قریش کی ظلم آرائیاں اور ستم رانیاں حد برداشت سے بڑھ گئیں۔ لہٰذا شیفتگانِ حق وصداقت کی درخواست پر سرکار دو عالم ﷺ نے دوبارہ حبشہ جانے کی اجازت مرحمت فرمادی، لیکن اب کی بار ہجرت کرنا پہلے کی طرح آسان نہ تھا۔ یہ ہجرت اپنے دامن میں زیادہ مشکلات لیے ہوئے

Marfat.com

تھی کیونکہ اب کی بار قریش پہلے ہی سے چوکنا تھے مگر جیسے بھی ہوسکا ۸۲ یا ۸۳ مردوں اور اٹھارہ عورتوں نے نہایت مستعدی کے ساتھ ہجرت فرمائی اور اللہ تعالیٰ نے نہایت کرم سے ان کے سفر کو آسان بنادیا اور قریش کی پکڑ میں آنے سے قبل شاہ حبشہ نجاشی کے پاس پہنچ گئے۔

مسلمان مہاجرین حبشہ جا کر نہایت سکون کی زندگی بسر کرنے لگے اور شاہ حبشہ نجاشی ان سے مربیانہ اور مشفقانہ سلوک کرنے لگا۔ جب یہ خبر قریش مکہ کو پہنچی تو وہ زخمی سانپ کی طرح سخت پیچ وتاب کھانے لگے۔ چنانچہ انھوں نے باہمی مشورے سے مسلمانوں کو واپس لانے کے لیے ایک سفارت تیار کی جس کے اراکین عمرو بن العاص اور عبداللہ بن ابی ربیعہ مخزومی تھے۔ ان کو بہت سے تحائف اور ہدیے دیئے گئے اور ہدایت کی گئی کہ بادشاہ کے سامنے عرض داشت پیش کرنے سے قبل ہر بطریق اور ہر مصاحب شاہ کو تحفہ اور ہدیہ دیا جائے۔ چنانچہ اس ہدایت پر عمل کیا گیا اور تمام بطارقہ اور مصاحبوں نے ان سے یہ وعدہ کیا کہ وہ دربار شاہی میں ان کی تائید کریں گے۔

دوسرے روز ان سفارت کاروں نے بادشاہ کے دربار میں جا کر مسلمانوں پر جو الزامات لگائے ان کے جوابات مسلمانوں کی طرف سیدنا جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے نہایت دلائل کے ساتھ دیئے۔ اس وقت ان کی عمر ۲۶ سال تھی۔ سیدنا جعفر رضی اللہ عنہ نے کہا:

''اے بادشاہ! ہم دنیا کی جاہل ترین قوم تھے۔ بتوں کی پرستش کرتے اور مردار کھاتے تھے۔ فواحش و عصیان میں ہر وقت غرق رہتے تھے۔ ہم نے محارم کو حلال کر رکھا تھا۔ حرام کاری کوئی معیوب شے نہ تھی۔ حقوق انسانیت کا ذرہ برابر پاس نہ تھا۔ قطع رحمی، ہمسایوں کی حق تلفی اور خون ریزی ہمارا عام شیوہ اور دستور تھا۔ زبردست زیردست کو کھا جاتا تھا۔ ملک کے اندر کوئی آئین، کوئی اصول، کوئی قاعدہ، کوئی قانون اور کوئی دستور نہ تھا۔ دنیا کی کوئی برائی ایسی نہ تھی جس کے ہم خوگر نہ تھے۔ ایسی حالت میں رحمت خداوندی ہم پر جلوہ فگن ہوئی اور اس نے ہم میں سے ایک ایسی برگزیدہ ہستی کو رسول بنا کر مبعوث فرمایا جس کا حسب ونسب، فضل وشرف، صدق وامانت، عفاف ودیانت، تقویٰ وطہارت، دوست اور دشمن سب کے نزدیک مسلم تھی۔ اس پیغمبر نے ہم کو توحید الٰہی اور معرفت ربانی کا سبق دیا اور شرک سے بچنے کی دعوت دی۔ بتوں اور پتھروں کی پوجا سے روکا اور ہمیں راست بازی کی تلقین کی۔ غیبت اور عیب جوئی سے ہمیں بچنے کے لیے کہا۔ اس نے ہدایت فرمائی کہ ہمیشہ راست بازی سے کام لیں، ایفائے عہد کریں۔ اس نے ہمیں اکلِ حلال، امانت کی ادائیگی، صلہ رحمی اور ہمسایہ کے حقوق کی ادائیگی کا پابند بنایا۔ گناہوں سے بچنے کی تلقین فرمائی۔ خون ریزی اور دختر کشی سے باز رہنے اور فواحش ومنکرات کے ترک کرنے کا حکم دیا۔ یتیم کا مال کھانے اور عفت مآب خواتین پر تہمت لگانے سے منع فرمایا۔ بے کسوں اور بے سہارا لوگوں، یتیموں اور بیواؤں کی امداد اور ہمسایوں کو راحت وآرام پہنچانے کا حکم دیا، خدائے وحدہ لاشریک کی عبادت ہم پر فرض قرار دی۔ ہم لوگ اس یگانۂ روزگار ہستی پر قلب کی اتھاہ

Marfat.com

گہرائیوں سے ایمان لائے اوراس کی ہر بات کی تائید وتصدیق کی۔ہم کفروشرک کو یک قلم ترک کر کے بدعملیوں اور بدکرداریوں سے دست بردار ہو گئے اور پاکیزگی، طہارت اور نظافت کو اپنا شعار بنایا۔ جس شے کو اس یگانۂ روزگار ہستی ﷺ نے حلال بتایا ہم نے اسے حلال سمجھا اور جس کو حرام بتایا اس سے اجتناب کیا۔

''صرف اور صرف اس وجہ سے ہماری قوم نے ہم کو طرح طرح کی اذیتیں دیں، ستایا اور دھمکایا تا کہ ہم گذشتہ فواحش ومنکرات میں پھر مبتلا ہو جائیں۔ان بے حیائیوں کو پھر اختیار کر لیں۔خدائے وحدہ لا شریک کی عبادت چھوڑ کر از سر نو پتھر کی مورتیوں کو پوجنا شروع کر دیں۔ہم مکارمِ اخلاق کو ترک کر کے گذشتہ برائیوں میں پھر مبتلا ہو جائیں۔ان لوگوں سے ہم نے ڈھیروں دکھ اٹھائے۔آخر جب ان کے ظلم اور ہمارے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا اور جب ہم ان کے مظالم سے تنگ آ گئے اور اپنے دین پر چلنا اور ایک خدا کی عبادت کرنا ہمارے لیے دشوار ہو گیا اور مکہ کی سرزمین اپنی وسعت کے باوجود ہم پر تنگ کر دی گئی تو ہم بصد مجبوری وطن کو چھوڑ کر آپ کی عمل داری میں چلے آئے اس امید پر کہ آپ ظلم نہ کریں گے اور آپ کی ہمسائیگی کو ہم نے سب پر ترجیح دی۔''

سیدنا جعفر طیار رضی اللہ عنہ کی ان باتوں نے نجاشی کے دل کے بند دروازے پر دستک دی۔نجاشی نے کہا: ''تمھارے اس رسولؐ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی کلام بھی اترا ہو گا؟'' سیدنا جعفر رضی اللہ عنہ نے کہا: ''ہاں، برابر نازل ہو رہا ہے اور انھوں نے سورۃ مریم کا ابتدائی حصہ پڑھا جس نے نجاشی کے دل پر بہت اثر کیا۔اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کے چشمے ابلنے لگے۔یہی حال درباریوں کا تھا اور بادشاہ کی تو روتے روتے داڑھی تر ہو گئی۔سیدنا جعفر رضی اللہ عنہ نے جب تلاوت ختم کی تو نجاشی کہنے لگا: ''بخدا! یہ کلام جو تم نے پڑھ کر سنایا ہے اور وہ کلام جو عیسیٰ علیہ السلام لے کر آئے، دونوں ایک ہی شمع فیض کے پرتو ہیں۔''

اب بادشاہ نے حکم دیا کہ قریش کے ان سفیروں کے تمام ہدیے اور تحائف واپس کر دیئے جائیں اور ان سے کہہ دیں کہ یہاں سے چلے جائیں۔میں ان مظلوموں کو کسی صورت ان کے حوالے نہیں کروں گا۔''

(تاریخ الاسلام ذہبی:۴/۱۸۴۔۱۹۱، مسند احمد:۱/۲۰۱، سیرۃ ابن ہشام:۱/۳۳۴۔۳۳۸، مجمع الزوائد:۶/۳۷، البدایہ والنہایہ:۳/۷۰۔۷۳)

دوسرے روز قریش کے سفارت کاروں نے پھر نجاشی کے دربار میں حاضر ہو کر کہا کہ آپ ان لوگوں سے پوچھیں کہ مسیح ابن مریم علیہما السلام کے بارے میں ان کا کیا عقیدہ ہے؟ نجاشی کے پوچھنے پر سیدنا جعفر رضی اللہ عنہ نے اس کا بھی نہایت تسلی بخش جواب دیا کہ:

''اے بادشاہ! ہمارے پیغمبر ﷺ نے ہمیں بتایا ہے کہ مسیح علیہ السلام خدا کے پیغمبر، کلمۃ اللہ اور اس کے برگزیدہ بندے ہیں۔''

Marfat.com

یہ سننا تھا کہ نجاشی نے زمین پر سے ایک تنکا اٹھایا اور بولا: ''تم نے عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں جو کچھ بتایا، واللہ! سیدنا مسیح علیہ السلام تنکا بھر بھی اس سے زیادہ نہیں۔'' دربار ختم ہوا تو مسلمان خوشی اور مسرت کے ساتھ اور قریشی ندامت اور ذلت کے ساتھ نجاشی کے دربار سے باہر نکلے۔ ایک روایت میں ہے کہ نجاشی نے مسلمانوں سے کہہ دیا کہ ''جب تک چاہو میری مملکت کی سرزمین میں رہو اور کھانے اور کپڑوں وغیرہ کا بھی ان کے لیے حکم دیا۔

(مجمع الزوائد: ۶/۳۱)

دونوں سفارت کار نجاشی کے دربار سے خائب وخاسر واپس آئے۔

Marfat.com

قریش کی ابوطالب سے گفتگو

حبشہ سے قریش کی سفارت کے ناکام واپس آنے کے بعد عمرو بن العاص تو خانہ نشین ہو گئے لیکن دوسرے مشرکین مکہ اندر ہی اندر زخمی سانپ کی طرح پیچ وتاب کھانے لگے۔ اب اس بار انھوں نے بھی نبی مکرم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر جور وستم میں اضافہ کر دیا۔ اب قریشی سرداروں کے دماغوں میں آپؐ کو قتل اور ختم کے منصوبے بننے لگے۔ چنانچہ سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ مشرکین قریش حطیم میں جمع تھے۔ میں بھی وہاں موجود تھا۔ مشرکین نے سرکار دو عالم ﷺ کا ذکر کیا اور کہنے لگے کہ ''اس شخص کے بارے میں جیسا صبر ہم نے کیا اس کی مثال نہیں ملتی۔'' یہ گفتگو جاری تھی کہ سرکار دو عالم ﷺ حرم میں تشریف لے آئے۔ آپؐ نے پہلے تو حجر اسود کو بوسہ دیا پھر طواف کرتے ہوئے مشرکین کے پاس سے گزرے۔ انھوں نے آپ ﷺ پر آوازے کسے اور طعنہ زنی کی جس کا اثر آپؐ کے روئے اقدس پر دیکھا گیا۔ اس کے بعد جب دوبارہ آپ ﷺ کا گزر حطیم کے پاس سے ہوا تو مشرکین نے پھر پہلے کی طرح آپ پر آوازے کسے۔ میں نے اس کے اثرات بھی آپؐ کے چہرہ اقدس پر دیکھے۔ اس کے بعد آپؐ تیسری بار وہاں سے گزرے تو مشرکین نے پھر آپ پر لعن طعن کی۔ اب کی بار آپؐ ٹھہر گئے اور فرمایا: ''قریش کے لوگو! سنو! اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، میں تمھارے پاس تمھارے قتل وذبح کا حکم لے کر آیا ہوں۔'' آپؐ کے منہ سے یہ الفاظ سننا تھے کہ ان کے اوسان خطا ہو گئے اور ایک سکتہ کی کیفیت ان کے جسموں پر طاری ہو گئی جیسے کاٹو تو لہو نہیں۔ یہاں تک کہ جو آپؐ پر سب سے زیادہ سخت تھا وہ بھی بہتر سے بہتر لفظ جو پا سکتا تھا، اس کے ذریعے آپ ﷺ سے عفو ورحمت کا طلبگار رہا اور کہنے لگا: ''ابوالقاسم ﷺ! واپس جایئے، بخدا! آپ ﷺ کبھی بھی جاہل اور نادان نہ تھے۔''

دوسرے روز قریش پھر حطیم میں جمع ہوئے اور آپ ﷺ کا ذکر کر رہے تھے کہ آپ ﷺ پھر حرم میں تشریف لائے۔ آپؐ کو دیکھتے ہی تمام لوگ یک بارگی آپ ﷺ پر پل پڑے۔ پھر میں نے ایک شخص کو دیکھا کہ اس نے گلے کے پاس سے آپؐ کی چادر پکڑ لی اور اس کو بل دینے لگا۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کو بچانے لگ گئے۔ وہ روتے جاتے تھے اور کہتے جاتے تھے: "أتقتلون رجلاً أن يقول ربى الله" کیا تم لوگ ایک ایسے شخص کو قتل کرتے ہو جو کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے۔ اس کے بعد وہ ظالم آپؐ کو چھوڑ کر چلے گئے۔

Marfat.com

سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ''یہ سب سے سخت ترین ایذا رسانی تھی جو میں نے قریش کو کرتے ہوئے دیکھا۔'' (سیرۃ ابن ہشام:۱/۲۸۹۔۲۹۰)

اور بخاری میں بھی ایک روایت ہے کہ ایک مرتبہ آپؐ حطیم میں مصروف نماز تھے کہ عقبہ بن ابی معیط آ گیا۔ اس نے آتے ہی اپنی چادر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گلے میں ڈال کر نہایت سختی سے اس کو بل دیا جس سے آپؐ کا گلا گھونٹا گیا۔ اتنے میں سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ آ گئے۔ انھوں نے اس بے ایمان کو اس کے دونوں کندھوں سے پکڑ کر دھکا دیا اور اسے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے پرے ہٹاتے ہوئے فرمایا: "أتقتلون رجلاً ان يقول ربى الله" یعنی کیا تم ایک آدمی کو اس لیے قتل کرتے ہو کہ وہ یہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے۔'' (بخاری:۱/۵۴۴)

اسی اثنا میں انھوں نے ایک بار پھر سوچا کہ ابوطالب کے پاس جا کر انھیں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بارے میں آگاہ کریں اور ان کے ذریعہ سے آپؐ کی دعوت کو روکنے کی کوشش کریں۔ چنانچہ سردارانِ قریش کا ایک وفد ابوطالب کے پاس گیا۔ اس دفعہ اس کے ساتھ ولید بن مغیرہ کا لڑکا عمارہ بھی تھا۔ انھوں نے ابوطالب سے کہا: ''ابوطالب! یہ قریش کا سب سے خوب صورت اور بانکا جوان ہے۔ آپؐ اسے لے لیں اور اس کی دیت اور نصرت کے آپ حق دار ہوں گے۔ آپ اسے اپنا لڑکا بنا لیں اور اس کے بدلے میں آپ اپنے بھتیجے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ہمارے حوالے کر دیں جس نے آپؐ کے باپ دادا کے دین کی مخالفت کی ہے اور آپؐ کی قوم کا شیرازہ منتشر کر کے رکھ دیا ہے اور ان کی عقلوں کو حماقت کے لفظ سے تعبیر کیا ہے۔ ہم اسے قتل کر دیں گے۔''

یہ سن کر ابوطالب نے کہا: ''بخدا! یہ کتنا برا سودا ہے جو تم مجھ سے کر رہے ہو۔ تم اپنا بیٹا مجھے دیتے ہو کہ میں اسے پالوں پوسوں اور میرا بیٹا قتل کرنے کے لیے مجھ سے طلب کرتے ہو۔ بخدا! یہ نہیں ہو سکتا۔''

(سیرۃ ابن ہشام:۱/۲۶۶)

ابوطالب معاشی طور پر نہایت تہی دست اور قلاش تھے لیکن آخر بنو ہاشم کے سردار تھے۔ وہ اکیلے اپنے بھتیجے کا تحفظ نہیں کر سکتے تھے، لہٰذا نہایت سوچ بچار کے بعد انھوں نے اپنے جد اعلیٰ عبد مناف کے دو صاحب زادوں ہاشم اور مطلب کے خاندانوں کو اکٹھا کیا اور ان کے سامنے یہ معاملہ رکھا اور ان سے کہا کہ اب تک میں تنہا اپنے اس بھتیجے کی حفاظت و حمایت کا کام انجام دیتا رہا ہوں، اب اسے سب مل کر انجام دیں۔ ابوطالب نے انھیں اس قضیہ کی اہمیت گوش گزار کی۔ ان کی بات دونوں خاندانوں کے ذہنوں میں اتر گئی اور عربی حمیت کے پیش نظر ان دونوں خاندانوں کے سارے مسلم اور کافر افراد نے اس کو قبول کیا۔ صرف ابوطالب کے بھائی ابولہب ایک ایسا شخص تھا جس نے اس تجویز سے اختلاف کیا اور سارے خاندانوں سے الگ ہو کر مشرکین مکہ سے جا ملا اور اپنے خاندان والوں کا ساتھ نہ دیا۔ (سیرۃ ابن ہشام:۱/۳۶۹)

Marfat.com

سوشل بائیکاٹ

قریش کا حضرت محمد ﷺ کے خلاف ہر حربہ ناکام ہو رہا تھا۔ اب بنو ہاشم اور بنو مطلب کے سارے ہی مسلم اور کافر افراد کے آپؐ کی حفاظت وصیانت کے عہد و پیمان نے قریش مکہ کو چکرا دیا۔ ان کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ آپؐ کی اس دعوت کو کیسے روکا جائے۔ لہٰذا اب انھوں نے اپنی حکمت عملی میں تبدیلی کی اور اب اقدام کے بجائے ظلم کی ایک اور راہ تجویز کی جو پہلی تمام ظالمانہ کارروائیوں سے زیادہ سنگین اور سخت تھی۔ وہ ظالمانہ کارروائی یہ تھی کہ قریش نے متفقہ طور پر ایک تحریری معاہدہ تیار کیا کہ جب تک بنو ہاشم اور بنو مطلب محمد (ﷺ) کو قتل کے لیے ان کے حوالے نہ کر دیں گے ان دونوں خاندانوں سے ہر قسم کے تعلقات منقطع رہیں گے۔

یہ معاہدہ بعض سیرۃ نگاروں کے نزدیک نضر بن حارث نے تحریر کیا تھا۔ (زاد المعاد: ۲/ ۴۶، طبقات ابن سعد: ۱/ ۲۰۹) اس معاہدہ پر قریباً تمام سربرآوردہ حضرات کے دستخط تھے اور اس کو خانہ کعبہ کی چھت سے آویزاں کر دیا گیا۔ اس معاہدہ کے بعد بنو ہاشم اور بنو مطلب کا مکمل سوشل بائیکاٹ شروع ہو گیا اور ابولہب کے سوا بنو ہاشم اور بنو مطلب کے سارے افراد خواہ مسلمان تھے یا کافر سمٹ کر شعب بنی ہاشم میں محبوس ہو گئے۔ (عام تواریخ اور سیرۃ کی کتابوں میں اس کا نام شعب ابی طالب لکھا ہوا ہے، لیکن یہ نام غلط ہے۔ دراصل یہ ایک پہاڑ کا درہ تھا اور خاندان بنو ہاشم کا موروثی تھا اور اس کا اصل نام شعب بنی ہاشم تھا۔) ملاحظہ ہو سیرۃ النبی ﷺ: ۱/ ۴۴۵، تعلیقہ، ناسخ التواریخ: ۲/ ۳۴۱، العقد الفرید: ۳/ ۹۶)

یہ واقعہ محرم سنہ ۷ نبوی میں پیش آیا۔ (فتح الباری: ۷/ ۱۴۷)

یہ دونوں خاندان اس درہ میں پیہم تین برس محبوس رہے۔ یہ تین سال نہایت سنگین تھے۔ دشمنان اسلام نے ہاشم اور مطلب کی اولاد سے پیہم تین برس تک میل ملاقات، سلام و پیام یک قلم موقوف کر دیا۔ دوکان داروں نے ان کے ہاتھ سودا سلف فروخت نہ کرنے کی قسم کھالی۔ ہر قسم کا تعاون اٹھ گیا۔ بنو ہاشم اور بنو مطلب کے سب لوگ جب اس گھاٹی اور درہ میں چلے گئے تو ان کے سکونتی مکانات مقفل ہو گئے۔ درہ میں بھی کوئی شے میسر نہ تھی کیونکہ قریش نے درہ کو ہر طرف سے محصور کر لیا تھا اور کھانے پینے کی کوئی چیز اندر پہنچنے نہیں دیتے تھے۔ جب ہاشمیوں کے ننھے منّے بچے بھوک سے بلبلاتے اور ان کی آواز باہر دور دور تک سنائی دینے لگی تو سیاہ دل اور سنگ دل قریش سن سن کر خوش ہوتے، لیکن جو ان میں رحم دل تھے ان کو ناگوار گزرتا اور وہ صاف کہتے کہ کیا تم کو نظر نہیں

Marfat.com

آ تا کہ منصور بن عکرمہ پر کیا مصیبت نازل ہوئی ہے۔ان سنگ دل لوگوں نے گھاٹی کے باہر ایسا پہرہ لگا رکھا تھا کہ رات کو بھی کوئی شے گھاٹی میں نہ پہنچ سکتی تھی۔بنو ہاشم درختوں کے پتے کھا کھا کر دن کاٹتے۔بنو ہاشم اور بنو مطلب نے تین سال اس طرح گزارے کہ ان کو علانیہ کوئی شے دست یاب نہ ہوتی تھی۔

ایک مرتبہ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بھتیجے حکیم بن حزام بن خویلد نے کسی قدر گیہوں اپنے غلام کے ہاتھ اپنی پھوپھی کے پاس گھاٹی میں بھجوائے۔ابو جہل کو پتہ چل گیا۔وہ غلام کا راستہ روک کر کہنے لگا: ''میں تمھیں ہاشمیوں کے پاس گیہوں نہ لے جانے دوں گا اور سارے مکہ میں تمھیں ذلیل کروں گا۔اتفاق سے ابوالبختری بن ہشام ایک غیر مسلم رئیس وہاں آ گیا اور ابو جہل سے پوچھنے لگا: ''کیا قصہ ہے؟'' ابو جہل نے کہا کہ حکیم بن حزام کا غلام محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لیے گیہوں لے جا رہا ہے اور میں اسے روک رہا ہوں۔'' ابوالبختری نے کہا کہ حکیم بن حزام کی پھوپھی کا کچھ گیہوں اس کے پاس امانتاً رکھا ہوا تھا، وہ اس نے منگوایا ہوگا، جانے دو اس میں کوئی حرج نہیں، لیکن ابو جہل سختی سے مزاحم ہوا۔نتیجہ یہ ہوا کہ ابوالبختری اور ابو جہل دونوں میں تلخ کلامی ہوگئی اور پھر نوبت ہاتھا پائی تک پہنچ گئی۔ ابوالبختری نے اونٹ کی ہڈی اٹھا کر اس زور سے ابو جہل کے سر پر ماری کہ اس کا سر پھٹ گیا اور خون کا فوارا جاری ہوگیا۔ابوالبختری نے اس کو خوب ٹھوکریں ماریں اور بری طرح ذلیل کیا۔گھاٹی میں سے سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ ابو جہل کی یہ ساری ذلت اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے جس کی ابو جہل کو بڑی تکلیف ہوئی۔

بعض روایات میں ہے کہ شعب بنی ہاشم میں محصوری کے باوجود سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے مسلمان حج کے دنوں میں شعب بنی ہاشم سے باہر نکلتے اور حج کے لیے آنے والے لوگوں کو دین اسلام کی دعوت دیتے اور جس مقصد کے لیے قریش مکہ نے ان اللہ والوں کو گھاٹی میں محصور کیا تھا وہ پھر بھی پورا نہ ہوا اور اسلام کی تبلیغ برابر جاری رہی۔

مختصر یہ کہ یہ سنگین حالات ان دونوں قبیلوں پر پورے تین سال گزرے۔اس کے بعد محرم سنہ ۱۰ نبوی میں صحیفہ کو چاک کیے جانے کا واقعہ پیش آیا۔قبائل کے بعض سرداروں نے اس محصوری کو ظلم عظیم سمجھا اور ابو جہل کی اس بارے میں سخت مخالفت کی۔زمعہ بن الاسود، مطعم بن عدی اور ہشام بن عمرو نے کہا کہ جو کچھ اس صحیفہ میں لکھا ہوا ہے اس سے ہم اللہ کے حضور میں برأت کرتے ہیں۔ابو جہل مجلس کا یہ رنگ دیکھ کر دنگ رہ گیا۔

اس گفتگو کے دوران ابو طالب بھی حرم میں موجود تھے۔ان کے آنے کی وجہ یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو اس صحیفہ کے بارے میں یہ بتایا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے کیڑوں نے اس صحیفہ میں سے سوائے اللہ کے نام کے ظلم و ستم اور قرابت شکنی کے تمام الفاظ کو چاٹ لیا ہے۔آپؐ نے اپنے چچا کو یہ بات بتائی۔وہ چند آدمیوں کو ساتھ لے کر قریش سے یہ کہنے آئے تھے کہ اس کے بھتیجے نے اسے یہ خبر دی ہے، اور میرے بھتیجے نے کبھی جھوٹ نہیں بولا اور نہ اس کی کوئی بات آج تک غلط ثابت ہوئی۔بس اسی پر فیصلہ ہے۔اگر وہ جھوٹا ثابت ہوا تو ہم اس کے اور تمھارے راستے سے ہٹ جائیں گے لیکن اگر وہ سچا ثابت ہوا تو تمھیں ہمارے بائیکاٹ اور ظلم و ستم سے باز

Marfat.com

آنا ہوگا۔اس پر قریش نے کہا کہ ابوطالب! آپ نے انصاف کی بات کی۔

مطعم بن عدی صحیفہ چاک کرنے کے لیے اٹھا۔دیکھا تو واقعی کیڑوں نے "باسمك اللهم" کے سوا باقی تمام الفاظ کو چاٹ لیا ہوا تھا اور جہاں جہاں اللہ کا نام تھا، صرف وہی جگہیں بچی تھیں۔اب ندامت سے سب کی گردنیں جھک گئیں۔اور بنو ہاشم اور بنو مطلب کے تمام افراد تین سال کی محصوری کے بعد اس گھاٹی سے باہر نکل آئے۔اس طرح تین سال کی مسلسل مصیبت اور ظلم وستم کا خاتمہ ہوا۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو سیرۃ ابن ہشام:۱/۲۵۰۔۲۵۱، زادالمعاد:۱/۴۶، تاریخ طبری:۲/۲۲۹، طبقات ابن سعد: ۱/۱۳۹۔۱۴۱، فتح الباری:۷/۱۴۷)

Marfat.com

غم کا سال

ایک سال آپ ﷺ پر وہ بھی آیا جس کو ''عام الحزن'' یعنی غم کا سال کہتے ہیں۔اس سال میں آپؐ کے دو ایسے عزیز اللہ کو پیارے ہو گئے جن سے آپ ﷺ کو بہت محبت تھی۔اب کفار کی باہر کی اذیتوں سے گھر میں آپؐ کو تسلی دینے والا کوئی باقی نہیں رہا تھا۔

① ابوطالب موت کی آغوش میں:

شعب بنی ہاشم سے واپسی کے بعد ابوطالب کی صحت روز بروز گرتی جا رہی تھی اور انھیں زندگی کی کوئی امید باقی نہ رہی تھی۔شعب بنی ہاشم کی محصوری نے ان کی صحت کو اور بھی بگاڑ کر رکھ دیا تھا۔پھر عمر کا تقاضا بھی تھا۔وہ اپنے بڑھاپے کی انتہائی منزلوں میں تھے۔عمر اسی (۸۰) سال سے تجاوز کر چکی تھی۔چنانچہ گھاٹی سے نکلنے کے چند ماہ بعد رمضان یا شوال سنہ ۱۰ نبوت میں ابوطالب کا انتقال ہو گیا۔

سر ولیم میور نے لکھا ہے کہ ''قبیلہ کے بزرگ (ابوطالب) نے جب دیکھا کہ زندگی کے ایام ختم ہونے کو ہیں تو انھوں نے بھائیوں یعنی بنو عبدالمطلب کو اپنے بستر کے گرد بلایا اور اپنے بھتیجے محمد ﷺ کو حفاظت کے لیے ان کے سپرد کیا اور اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہو کر امن و امان کی زندگی میں فوت ہو گئے۔محمد (ﷺ) اپنے چچا کے لیے بہت روئے۔'' (لائف آف محمد ﷺ:۲/۱۹۵)

② سیدہ خدیجہ طاہرہ رضی اللہ عنہا کا انتقال:

ابوطالب کی رحلت کے دو ماہ بعد یا صرف تین روز (اقوال میں اختلاف ہے) سیدہ خدیجہ طاہرہ رضی اللہ عنہا بھی انتقال فرما گئیں۔ان کی وفات رمضان المبارک سنہ ۱۰ نبوت میں ہوئی۔اس وقت ان کی عمر ایک روایت کے مطابق ۶۵ سال تھی۔(تلقیح الفہوم لابن الجوزی:ص ۱۷)

ضعیف العمر ابوطالب اور سن رسیدہ سیدہ خدیجہ طاہرہ سلام اللہ علیہا کی صحتیں شعب بنی ہاشم کی تین سالہ قید و بند میں بری طرح متاثر ہو چکی تھیں،لہٰذا سنہ ۱۰ نبویؐ میں ان دونوں کا آگے پیچھے انتقال ہو گیا۔چنانچہ حافظ ابن

Marfat.com

قیم رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ ''یہ واقعہ بعثت کے دسویں سال وقوع پذیر ہوا اور اس کے چھ ماہ بعد ابو طالب نے وفات پائی۔ اس کے تین روز بعد سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا انتقال فرما گئیں۔ عہد نامہ کے ختم ہونے کے فوراً بعد ابو طالب کی وفات اور ام المومنین سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی رحلت کے صدمات آپ ؐ کو سہنے پڑے اور قوم کے پست اور ذلیل طبقہ کے لوگوں سے سخت ترین ایذائیں پہنچنے لگیں۔ (زاد المعاد:۲/۶۸۹)

ابو طالب شیخ قبیلہ تھے اور سیدہ خدیجہ طاہرہ سلام اللہ علیہا جان فدا اور جان نثار زوجہ محترمہ۔ ان دونوں نے ہر آڑے وقت میں آپ ؐ کے لیے پناہ کا کام دیا۔ ان دونوں کی وفات سے آپ ﷺ کی پناہ کی یہ دونوں دیواریں منہدم ہو گئیں۔ ان دونوں کی وفات نے آپ ؐ کے قلب مبارک میں غم والم کے جذبات موجزن کر دیئے۔ اب دشمنوں کے لیے راستہ صاف ہو گیا اور وہ کھل کر آپ ﷺ پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑنے لگے۔ چنانچہ سیرت کی کتابوں میں اس سال کا نام ''عام الحزن''، یعنی غم کا سال ہے۔

Marfat.com

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم طائف میں

ابو طالب کی موت کے بعد مکہ کی سرزمین آپ ﷺ پر تنگ ہوتی جا رہی تھی۔ مٹھی بھر مسلمانوں یا آل ہاشم کے علاوہ بچہ بچہ آپؐ کا جانی دشمن تھا اور اگر کوئی ہمدرد بھی تھا تو کس کی ہمت تھی کہ قریش کے مقابلے میں آپؐ کی ڈھال بن سکے لہٰذا آپ نے اس مقصد کے لیے مکہ کے باہر نظر دوڑائی۔ چنانچہ شوال سنہ ۱۰ نبوی میں سرکار دو عالم ﷺ نے طائف جانے کا عزم فرمایا۔ طائف مکہ سے ساٹھ میل کے فاصلے پر مشرق کی طرف واقع ہے۔ نہایت سرسبز و شاداب پہاڑی علاقہ ہے اور وہاں کئی قسم کے میوہ جات اور پھلوں کے باغات بکثرت موجود ہیں۔ آپؐ نے یہ ساٹھ میل کی مسافت آتے جاتے پیدل طے فرمائی تھی۔ آپؐ کے ساتھ آپ کے آزاد کردہ غلام سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ تھے۔ طائف قبیلہ ثقیف کی مرزبوم تھا۔ گو مکہ کی طرح طائف بھی آپؐ کے لیے بھڑوں کا چھتہ بنا ہوا تھا تاہم آپؐ تن بہ تقدیر یہاں تشریف لائے۔

طائف کے سردار بنو ثقیف کے تین بھائی عبد یالیل، مسعود اور حبیب تھے۔ سرکار دو عالم ﷺ نے ان کے پاس جا کر ان سے گفتگو کی اور ان سے اپنے آنے کا مقصد بیان فرمایا۔ ان تینوں نے بڑے بھونڈے جوابات دیئے۔ ان کے یہ بھونڈے جوابات اور روکھے تیور دیکھ کر آپؐ نے انھیں فرمایا کہ ''تم لوگ اتنی مہربانی تو کرو کہ میرے یہاں آنے کی خبر کسی کو نہ دو۔'' آپؐ کو خیال ہوا کہ مکہ والوں کو میرے آنے کی اور ان کے جوابات کی اطلاع ہوگی تو وہ اپنی حرکتوں میں اور تیز ہو جائیں گے۔

ان بدنصیب لوگوں نے آپؐ کی اس فرمائش کی تعمیل اس طرح کی کہ اوباشوں اور آوارہ گردوں کو شہ دے دی۔ چنانچہ آپ نے واپسی کا ارادہ فرمایا تو یہ اوباش اور آوارہ گرد گالیاں دیتے، تالیاں پیٹتے اور شور مچاتے آپؐ کے پیچھے لگ گئے۔ پھر گالیوں اور بدزبانیوں کے ساتھ پتھر بھی چلنے لگے۔ سنگ باری نہایت تیز تھی جس سے آپؐ کی پنڈلیوں پر گہرے زخم آئے۔ بدن لہولہان ہو گیا اور آپؐ کے دونوں نعلین مبارک خون میں تربتر ہو گئے۔ سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سرور کائنات ﷺ کی ڈھال بن کر پتھروں کو روک رہے تھے جس سے ان کا سر بھی پھٹ گیا۔ (ابن سعد: ۱/۱۴۲) آخر کار کسی طرح آبادی سے باہر نکلے تو آپؐ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے آپؐ کو اٹھایا۔ قریب ہی کچھ پانی تھا۔ آپؐ کے زخموں کو دھویا۔ طبیعت سنبھلی تو قریب کے ایک باغ

Marfat.com

میں تشریف لے گئے۔ یہ باغ طائف سے تین میل کے فاصلہ پر تھا۔ اس کے مالک مکہ کے رئیس عتبہ اور شیبہ تھے جو اس وقت باغ میں موجود تھے۔ آپ ایک درخت کے سایہ میں تشریف فرما ہوئے۔ مالک ارض وسماء کی بارگاہ میں مشغول دعا ہو گئے۔ اس وقت جو دعا آپؐ نے فرمائی وہ ''دعائے مستضعفین'' کے نام سے مشہور ہے۔ آپ ﷺ کے زخمی جسم اور دردمند دل سے یہ دعا نکلی۔ ادھر یہ پُر درد دعا ہو رہی تھی ادھر باغ کے مالکان عتبہ اور شیبہ کو غیرت آئی کہ ان کے شہر کے ایک شخص کے ساتھ طائف والوں نے یہ بدسلوکی کی لیکن ہمت پھر بھی نہ ہوئی کہ خود آپؐ کے پاس آ کر آپؐ سے بات کرتے۔ انھوں نے انگوروں کے چند خوشے پلیٹ میں رکھ کر غلام کو دیئے کہ وہ ان مظلوم مہمانوں کے پاس لے جائے۔ غلام کا نام عداس تھا۔ وہ مذہباً عیسائی تھا۔ اس نے مالکان کے حکم کی فوری تعمیل کی۔

عداس انگور لے کر آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ جب آپ نے انگوروں کی طرف ہاتھ بڑھایا تو زبان اقدس پر آیا ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔'' آپؐ کے منہ سے یہ کلمات سن کر عداس چونکا اور بولا: ''یہ جملہ تو اس شہر کے لوگ نہیں بولتے۔'' آپؐ نے پوچھا: ''تم کہاں کے رہنے والے ہو اور تمہارا دین کیا ہے؟'' اس نے کہا کہ میں عیسائی ہوں اور نینویٰ کا رہنے والا ہوں۔'' آپؐ نے فرمایا: ''اچھا تو تم مرد صالح یونس بن متی کے شہر کے رہنے والے ہو؟'' عداس نے پوچھا: ''آپ ﷺ یونس بن متی کو کیسے جانتے ہیں؟'' فرمایا: ''وہ میرے بھائی تھے۔ وہ بھی نبی تھے اور میں بھی اللہ کا نبی ہوں۔'' عداس یہ سن کر تڑپ اٹھا اور فوراً جھک کر آپؐ کے سر اور ہاتھوں کو بوسہ دیا۔

عتبہ اور شیبہ دور سے یہ سب کچھ دیکھ رہے تھے۔ عداس جب واپس آیا تو انھوں نے عداس سے پوچھا: ''یہ کیا معاملہ تھا۔'' عداس نے جواب دیا: ''آقا! روئے زمین پر اس وقت اس سے بہتر کوئی اور شخص نہیں ہے۔ یہ اللہ کا نبی ﷺ ہے اور اس نے مجھے ایک ایسی بات بتائی ہے جو اللہ کے نبی ﷺ کے سوا اور کوئی نہیں بتا سکتا۔

(دلائل النبوۃ بیہقی: ۱/۳۸۹، دلائل النبوۃ لابی نعیم: ۱/۱۰۳، الدرر فی اختصار المغازی والسیر: ص ۶۵)

ان دونوں نے عداس کو ڈانٹا اور کہا کہ کہیں یہ شخص تمھیں تمھارے دین سے منحرف نہ کر دے کیونکہ تمہارا دین اس کے دین سے بہتر ہے۔'' (البدایہ والنہایہ: ۳/۱۲۶)

رسول اللہ ﷺ باغ سے نکل کر مکہ مکرمہ کی راہ پر چل پڑے۔ دل غمگین تھا بلکہ پاش پاش تھا۔ سر جھکائے ہوئے تشریف لے جا رہے تھے۔ ایک پہاڑی قرن المنازل کے پاس آپؐ ٹھٹکے۔ اوپر نظر اٹھائی تو دیکھا کہ ایک بادل آپؐ پر سایہ فگن ہے۔ بادل پر نظر ڈالی تو دیکھا کہ جبرئیل امین جلوہ افروز ہیں اور فرما رہے ہیں:

''اللہ نے سن لیا، دیکھ لیا، آپؐ نے جو کچھ کہا اور جو لوگوں نے جواب دیا۔ اب یہ پہاڑ کے فرشتے (ملک الجبال) موجود ہیں۔ اللہ نے ان کو بھیجا ہے۔ آپؐ حکم کریں یہ تعمیل کریں گے۔''

ملک الجبال نے بھی عرض کیا: ''آپؐ حکم کریں، مکہ کے دونوں طرف جو پہاڑ ہیں ان کو ملا کر ان تمام گستاخوں اور بے ادبوں کو پیس ڈالوں۔'' آپؐ نے اپنی شان کے مطابق فرشتے کو جواب دیا: ''اگر یہ بدنصیب لوگ راہ راست اور صراط مستقیم پر نہ آئیں تو ان کی نسل سے میں ہرگز ناامید نہیں ہوں۔ مجھے پوری امید ہے کہ ان کی نسل

Marfat.com

میں وہ لوگ پیدا ہوں گے جو اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کریں گے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں گے۔"
(ارجو ان یخرج اللہ من اصلابھم من یعبداللہ ولا یشرك به شیئا) (بخاری:۱/۴۸۵، مسلم:۲/۱۰۹)
فرشتے کو یہ جواب دے کر آپؐ نے مکہ مکرمہ کی جانب پیش قدمی فرمائی۔

طائف سے واپسی:

طائف میں دس روز قیام کے بعد آپؐ واپس مکہ تشریف لا رہے تھے کہ راستہ میں وادیٔ نخلہ میں چند روز قیام فرمایا۔ ایک رات آپؐ نماز میں مشغول تھے کہ نصیبین کے کچھ جن اس طرف سے گزرے اور کھڑے ہو کر آپؐ کا قرآن سنا اور چلے گئے۔ آپ کو ان کی آمد کا علم نہیں ہوا یہاں تک کہ قرآنی آیات نازل ہوئیں۔ (الاحقاف:۲۹۔۳۲)

مکہ میں داخلہ:

آپ ﷺ نے مکہ واپس جانے کا عزم صمیم تو فرما لیا لیکن مکہ واپس جانا اب خود ایک مسئلہ تھا۔ ابو طالب کی رحلت کے بعد اب وہاں کوئی آپ ﷺ کو پناہ دینے والا نہیں تھا۔ چنانچہ آپؐ کے غلام زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی: "آپ ﷺ مکہ کیسے جائیں گے؟" فرمایا: "زید رضی اللہ عنہ! تم جو حالت دیکھ رہے ہو اللہ تعالیٰ اس میں کشادگی اور نجات کی کوئی راہ ضرور نکالے گا اور یقیناً اپنے دین کی مدد اور اپنے نبی ﷺ کو غالب فرمائے گا۔" آپؐ مکہ کے نزدیک پہنچ کر حراء کے دامن میں ٹھہر گئے۔ آپ ﷺ نے بنو خزاعہ کے ایک شخص اریقط کے ذریعے مختلف لوگوں کو پیغام بھجوایا کہ کیا میں تمھاری پناہ میں مکہ آ سکتا ہوں؟" سب نے معذرت کر دی۔ بالآخر آپ ﷺ نے مکہ کے رئیس مطعم بن عدی کو پیغام بھجوایا۔ مطعم نے جواب میں کہلا بھیجا کہ "آپؐ شوق سے مکہ میں آئیں اور آزادی سے لوگوں کو اپنا پیغام سنائیں۔" چنانچہ مطعم نے ہتھیار پہن کر اپنے بیٹوں اور قوم کے لوگوں کو بلایا اور کہا کہ "تم لوگ ہتھیار لگا کر حرم میں پہنچ جاؤ اور خانہ کعبہ کے گوشوں میں جمع ہو جاؤ کیونکہ میں نے محمد (ﷺ) کو پناہ دے دی ہے۔" سرکار دو عالم ﷺ کو جب مطعم بن عدی کا پیغام مکہ میں بے خوف و خطر داخل ہونے کے لیے پہنچا تو آپؐ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر مکہ مکرمہ تشریف لائے۔ طواف کعبہ کیا اور گھر تشریف لے گئے۔

(طبقات ابن سعد:۱/۱۴۲، عیون الاثر:۱/۱۲۶، زاد المعاد:۲/۴۷، سیرۃ ابن ہشام:۱/۴۱۹، البدایہ والنہایہ:۳/۱۳۷، تاریخ طبری:۲/۲۳۱)

مطعم بن عدی کا یہ ذمہ اور عہد کچھ زیادہ دیرپا ثابت نہ ہوا کیونکہ آپؐ اپنی دعوتی سرگرمیوں سے باز نہیں رہ سکتے تھے۔ مطعم بن عدی کے اس احسان کی بنا پر بدر کے روز اسیران بدر کی بابت آپؐ نے ارشاد فرمایا:
"اگر آج مطعم بن عدی زندہ ہوتا اور وہ مجھ سے ان قیدیوں کے بارے میں کوئی بات کرتا تو میں اس کی رعایت میں ان سب کو چھوڑ دیتا۔" (عیون الاثر:۱/۲۳۴، بخاری:۲/۵۷۳)

Marfat.com

دعوتی جدوجہد میں دوبارہ مصروفیت

طائف سے مکہ واپس آنے کے بعد آپؐ نے پھر سے دعوت کا سلسلہ شروع کر دیا۔ ذی قعدہ سنہ ۱۰ نبوی میں آپؐ مطعم بن عدی کی پناہ میں مکہ شریف لائے اور ایک دن بھی ضائع کیے بغیر آپؐ دعوتی کام میں مصروف ہو گئے۔ آپؐ افراد اور قبائل دونوں کو اللہ کے دین کی طرف بلاتے۔ حج کا موسم بھی قریب تھا۔ آپؐ نے ان تمام لوگوں کو دین کی دعوت دی جو حج کے لیے مکہ آئے تھے۔ آپ ﷺ مختلف قبائل کے ڈیروں پر جاتے اور انھیں توحید خداوندی کی دعوت دیتے۔ آپ بنوکلب، بنوحنیفہ، بنوعامر بن صعصعہ، بنوبکر بن وائل، بنوشیبان بن ثعلبہ اور بنوعبس وغیرہ قبائل میں تشریف لے گئے اور انھیں توحید خداوندی اور اپنی نبوت کے بارے میں روشناس کرانے کی پوری کوشش کی لیکن یہ تمام قبائل عرب اس نعمت سے محروم رہ گئے جو اپنے پاؤں چل کر ان کے پاس آئی تھی اور اہل یثرب وہ خوش نصیب لوگ تھے جو خود اپنے پاؤں چل کر اس کے پاس گئے اور اسے پالیا۔

آپ عکاظ، مجنہ اور ذوالمجاز وغیرہ کے میلوں اور بازاروں میں قدم رنجہ فرماتے اور لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی توحید کی دعوت دیتے تو آپ ﷺ کا بدنصیب چچا ابولہب عام طور پر ساتھ جاتا اور جب آپؐ انھیں اسلام کی دعوت دیتے تو یہ کم بخت برابر یہ کہتا رہتا کہ یہ شخص صابی ہے، دین سے پھر گیا ہے یا معاذ اللہ اس کا دماغ چل گیا ہے۔ مسند احمد کی ایک روایت میں ہے کہ جب آپ ﷺ تقریر فرماتے تو ابولہب آپؐ پر خاک پھینکتا اور پتھر مارتا۔ ابوجہل نے بھی مخالفت اور مزاحمت کا وہی رنگ اختیار کر رکھا تھا جو ابولہب کا تھا کیونکہ یہ دونوں سرور کائنات ﷺ کے سخت ترین دشمن تھے۔

ان ساری مزاحمتوں اور مخالفتوں کے باوجود آپؐ نے نہ صرف وفود اور قبائل میں اسلام کی توحید اور اپنی نبوت کی دعوت دی بلکہ مختلف افراد کو بھی مل کر اللہ کے دین کی دعوت دی اور کئی سعید روح لوگوں نے دل کی اتھاہ گہرائیوں سے اس دعوت کو قبول بھی کیا جیسے ضماد ازدی، رکانہ، ایاس بن معاذ اور سوید بن صامت وغیرہ۔

Marfat.com

اسراء اور معراج

بعض اہل علم کے نزدیک اسراء اور معراج دو مختلف چیزیں ہیں۔ اسراء کے معنی ہیں ''رات کے وقت سیر کرنا'' چونکہ یہ واقعہ رات کے وقت ہوا، اور چونکہ سرکار دو عالم ﷺ بیت المقدس کی سرزمین سے زمین کی وسعتوں اور بلندیوں سے پرے آسمانوں کی پہنائیوں کی طرف اٹھائے گئے اس لیے اسے معراج کہا گیا۔ اس لحاظ سے اس سیر کے دو حصے ہیں۔ ایک مکہ سے بیت المقدس تک اور دوسرا بیت المقدس سے آسمانوں کی وسعتوں اور پہنائیوں تک۔

رسول اللہ ﷺ اپنے گھر میں سوئے ہوئے تھے۔ نیم خوابی کی حالت تھی۔ یکا یک مکان کی چھت پھٹی اور جبرئیل امین نازل ہوئے۔ آپ کے ہمراہ اور بھی فرشتے تھے۔ آپؐ کو جگایا اور مسجد الحرام میں لے گئے۔ آپؐ کے سینے کو چاک کیا اور قلب مبارک کو نکال کر آب زمزم سے دھویا، اور ایمان اور حکمت سے بھرا ہوا سونے کا ایک طشت لایا گیا۔ اس ایمان و حکمت کو آپؐ کے قلب مبارک میں بھر کر سینہ مبارک کو ٹھیک کر دیا گیا اور دونوں شانوں کے درمیان مہر نبوت لگائی گئی۔

بعد ازاں ایک سواری لائی گئی جو خچر سے چھوٹی اور گدھے سے ذرا بڑی سفید رنگ کی تھی۔ اس کو براق کہتے تھے۔ اس کی رفتار میں بجلی کی سی تیزی تھی۔ اس کا ایک قدم حد نگاہ تک پڑتا۔ اس براق پر آپؐ کو بیت المقدس لایا گیا۔ آپؐ براق سے اترے، براق کو اس حلقہ سے باندھ دیا گیا جس سے انبیاء کرام علیہم السلام اپنی سواریاں باندھا کرتے تھے۔ آپؐ مسجد اقصیٰ میں داخل ہوئے اور تحیۃ المسجد ادا فرمائی۔ (زرقانی: ۶/۶۵)

کچھ دیر نہ گزری کہ بہت سے حضرات مسجد اقصیٰ میں جمع ہو گئے۔ یہ سب کے سب خدا تعالیٰ کے پیغمبر اور رسول تھے۔ پھر ایک مؤذن نے اذان دی اور اقامت کہی۔ جبرئیل علیہ السلام نے رسول اللہ ﷺ کا ہاتھ پکڑا، امامت کے مصلے پر آگے بڑھایا اور آپ ﷺ نے سب انبیاء کرام علیہم السلام کی امامت فرمائی۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو زرقانی: ۶/۴۴، خصائص کبریٰ: ۱/۱۵۴)

جب آپؐ فارغ ہو کر مسجد سے باہر تشریف لائے تو آپؐ کے سامنے تین پیالے پیش کیے گئے۔ ایک پانی کا، ایک شراب کا اور ایک دودھ کا۔ آپ نے دودھ کا پیالہ اختیار کیا۔ جبرئیل نے کہا: ''آپؐ نے دین فطرت کو اختیار کیا ہے۔''

Marfat.com

یہاں سے فارغ ہو کر آپؐ نے جبرئیل اور دوسرے ملائکہ کی معیت میں آسمانوں کی طرف عروج فرمایا۔ آسمانوں پر مختلف انبیاء کرام علیہم السلام سے آپؐ کی ملاقات ہوئی۔ چھٹے آسمان پر سیدنا موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ پھر ساتویں آسمان پر سیدنا ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی جو بیت المعمور سے پشت لگائے بیٹھے تھے۔ بعد ازاں آپؐ کو سدرۃ المنتہیٰ کی طرف بلند کیا گیا۔ زمین سے جو چیز اوپر جاتی ہے وہ سدرۃ المنتہیٰ پر جا کر رک جاتی ہے اور ملاء اعلیٰ سے جو چیز اترتی ہے وہ سدرۃ المنتہیٰ پر آ کر رک جاتی ہے پھر نیچے اترتی ہے۔ اس لیے اس کا نام سدرۃ المنتہیٰ ہے۔ (زرقانی: ۱۸/۶)

اس کے بعد پھر آپؐ کا عروج ہوا اور آپ ﷺ ایسے مقام پر پہنچے جہاں آپ ﷺ ''صریف الاقلام'' سنتے تھے۔ (لکھنے کے وقت جو آواز قلم سے آتی ہے اس کو ''صریف الاقلام'' کہتے ہیں)۔ یہاں سے چل کر حجابات طے کرتے ہوئے آپ بارگاہِ اقدس میں پہنچے۔ (فتح الباری: ۱۶۹/۷)

صحیح مسلم میں ہے کہ اس وقت آپؐ کو تین عطیے بارگاہِ خداوندی سے عطا ہوئے: ① پچاس نمازیں جو پھر گھٹ کر پانچ رہ گئیں ② سورۃ بقرہ کی آخری آیات ③ تیسرا عطیہ یہ عطا ہوا کہ جو شخص آپؐ کی امت میں اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ گردانے اللہ تعالیٰ اس کے کبائر سے درگزر فرمائے گا۔ کافروں کی طرح ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنم میں نہ ڈالے گا۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو زرقانی: ۱۴۶/۶، سیرۃ ابن ہشام: ۳۹۷/۱، زاد المعاد: ۴۸/۱، بخاری: ۶۸۴/۲، مسلم: ۹۶/۱، عیون الاثر: ۲۴۱/۱۔۲۴۴)

معراج جسمانی تھی یا روحانی اور منامی اس ضمن میں عرض ہے کہ قرآن وسنت کی تصریحات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ معراج جسمانی تھی اور اسی روح اور جسم کے ساتھ آپؐ کو عالم ملکوت کی سیر کرائی گئی۔ چنانچہ حافظ ابن کثیر اور دوسرے مفسرین نے اپنی اپنی کتابوں میں اس کی تصریح کی ہے۔ حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے بھی اس کو جسمانی ثابت کیا ہے۔ (زاد المعاد: ۳۰۰/۱)

فلاسفہ نے معراج جسمانی کے عقلاً محال ہونے پر جو اعتراضات کیے ہیں شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے ان کے جوابات اپنی کتاب ''الجواب الصحیح لمن بدل دین المسیح: ۱۶۶/۴ پر دیئے ہیں۔ قارئین کرام وہاں ملاحظہ فرمالیں۔''

Marfat.com

اسلام مدینہ طیبہ میں

مدینہ جس کو یثرب کہتے تھے وہاں دو قبیلے اوس اور خزرج رہتے تھے جو باہم رشتہ داری اور عزیز داری ہونے کے باوجود جاہلیت کی وجہ سے خود بھی لڑتے رہے اور یہودی قبائل اپنے حلیف قبیلوں کو ایک دوسرے سے لڑاتے بھی رہے کیونکہ ان کی آپس کی جنگ ہی میں وہ اپنی خیر سمجھتے تھے اور ان کے اتفاق واتحاد کو اپنے لیے موت کا پیام سمجھتے تھے۔ اس طرح پونے دو صدیوں میں ان کے درمیان چھوٹی موٹی لڑائیوں کے علاوہ خون ریز معرکے بھی برپا ہوئے۔ جن میں ان دونوں قبیلوں کے بڑے بڑے سردار مارے گئے۔

یہودیوں کے ساتھ اہل مدینہ کے بڑے روابط اور تعلقات تھے۔ اس وجہ سے ان کے کان نبوت، وحی اور شریعت وغیرہ کے الفاظ اور ان کے معانی سے کلی طور پر آشنا تھے۔ انھیں یہ بھی معلوم تھا کہ یہودی ایک نبی کی آمد کے شدت اور بے چینی سے منتظر ہیں۔

قبیلہ خزرج کے سردار سعد بن عبادہ تھے جب کہ اوس کے سردار سعد بن معاذ تھے۔ خزرج کے لوگ تعداد میں زیادہ تھے اور اوس کے تعداد میں کم۔ سنہ ۱۱ نبوی ﷺ (جولائی سنہ ۶۲۰ء) کے حج کے زمانہ میں سرکار دو عالم ﷺ اپنے دستور کے مطابق سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی معیت میں قبائل عرب سے ملاقات کے لیے اور انھیں دین کی دعوت دینے کے لیے منیٰ کی طرف نکلے اور پھرتے پھراتے قبیلہ خزرج کے ایک گروہ کے پاس پہنچے۔ آپؐ نے ان سے پوچھا: ''تم کون ہو؟'' انھوں نے کہا: ''ہم خزرج کے چند افراد ہیں۔'' آپؐ نے انھیں دین کی دعوت دی اور قرآن حکیم کی تلاوت نے ان کے دلوں پر گہرا اثر کیا، اور انھوں نے آپس میں کہا: ''دیکھو بھئی، یہ وہی نبی ہے جس کی آمد کے ڈراوے یہودی ہمیں دیا کرتے ہیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ ہم سے سبقت لے جائیں۔'' چنانچہ ان لوگوں نے نہایت اطمینان سے آپؐ کی دعوت قبول کر لی۔ اس طرح اسلامی دعوت کو چند کارآمد بیج دستیاب ہو گئے جو دیکھتے ہی دیکھتے سرو قامت درختوں میں تبدیل ہو گئے اور ان کی پرفضا اور گھنی چھاؤں میں بیٹھ کر مسلمانوں نے برسوں جور وستم کی تپش سے راحت پائی۔

ان لوگوں نے قبولِ اسلام کے بعد عرض کیا کہ ہم نے اپنی قوم کو اس حالت میں چھوڑا ہے کہ اس سے زیادہ کسی اور قوم میں باہمی عداوت نہیں پائی جاتی۔ شاید اللہ تعالیٰ آپؐ کی وجہ سے ان کو جمع کر دے۔ ہم واپس

Marfat.com

جاتے ہیں اوراس دین کی انھیں بھی دعوت دیتے ہیں۔اگراللہ تعالیٰ نے ان کوآپؐ پرجمع کردیا تو کوئی شخص آپ ﷺ سے زیادہ طاقت ورنہیں ہوگا۔اب ہم آئندہ سال حج کے موقع پرآپؐ کوملیں گے۔محمد بن اسحاق اورزہری کا بیان ہے کہ یہ چھ آدمی تھے۔مدینہ پہنچ کروہاں انھوں نے اسلام کا چرچا شروع کردیا۔نتیجہ یہ ہوا کہ چند ماہ میں کوئی گھر اورکوئی مجلس آپؐ کے دین کے ذکر سے خالی نہ رہی۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہوسیرۃ ابن ہشام:۱/۴۲۸۔۴۳۰،عیون الاثر:۱/۲۲۷، زرقانی:۱/۳۱۰، البدایہ والنہایہ: ۳/۱۴۹،فتح الباری:۷/۱۷۱،زادالمعاد:۲/۵۰)

ابن سعد نے طبقات میں ایک روایت لکھی ہے کہ اسعد بن زرارہ اورذکوان بن عبدالقیس مکہ کے رئیس عتبہ بن ربیعہ سے ملنے کے لیے آئے۔عتبہ نے کہا کہ ہمارے ہاں ایک شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔اس نے ہمارے مذہبی اورمعاشرتی نظاموں کودرہم برہم کرکے ہماری راتوں کی نیند اوردن کا سکون چھین رکھا ہے۔عتبہ کی اس بات نے ان دونوں کے دلوں میں آپؐ سے ملنے کا داعیہ پیدا کردیا۔جب یہ دونوں آپؐ سے ملے تو فوراً حلقہ بگوش اسلام ہوگئے۔ان دونوں کی وجہ سے تین بزرگ اوردائرۂ اسلام میں داخل ہوگئے۔(طبقات ابن سعد:۱/۱۴۶)

سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا اورسیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکاح:

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں ہے کہ ان کی وفات شعب بنوہاشم سے نکلنے کے چند روز بعد ہوئی۔ رمضان یا شوال (روایات میں اختلاف ہے) سنہ۱۰ نبویؐ میں ابوطالب کا انتقال ہوا۔پھر تین یا پانچ روز بعد سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے انتقال فرمایا۔(زرقانی:۱/۲۹۱)

اسی سال سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا کا نکاح سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد ہوا۔لہٰذا شوال سنہ۱۰ نبوی میں سیدہ سودہ اورسیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کے نکاح میں آئیں۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہوالبدایہ والنہایہ:۳/۱۳۰،سیرۃ ابن ہشام:۱/۴۳۲)

Marfat.com

بیعت عقبہ اولیٰ اور بیعت عقبہ ثانیہ

بیعت عقبۂ اولیٰ:

اسلام قبول کر کے یہ چھ سعادت مند حضرات مدینہ واپس پہنچے تو انھوں نے ہر محلے، ہر گلی اور ہر مجلس میں سرکار دو عالم ﷺ کا تذکرہ کرنا شروع کر دیا۔ پھر حسب وعدہ اگلے سال سنہ ۱۲ نبویؐ میں حج کے موقع پر ۱۲ آدمی عقبہ کے مقام پر آپؐ سے ملے جہاں گذشتہ سال خزرج کے لوگوں کی ملاقات ہوگئی تھی۔ ان ۱۲ آدمیوں میں پانچ تو وہی تھے جو گذشتہ سال مسلمان ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک جابر بن عبداللہ بن رباب اس سال نہیں آئے۔ باقی سات آدمیوں میں پانچ خزرج اور دو اوس کے تھے۔ ان حضرات نے اس مقام عقبہ پر بیعت لی جو حسب ذیل تھی:

''ہم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے اور نہ چوری کریں گے، زنا نہ کریں گے اور اپنی اولاد کو قتل نہ کریں گے۔ اپنے ہاتھ پاؤں کے آگے کوئی بہتان گھڑ کر نہ لائیں گے اور یہ کہ نیکی کے کسی کام میں رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی نہ کریں گے، اور آپ ﷺ کا فرمان سنیں گے اور مانیں گے خواہ وہ حکم ہمیں گوارا ہو یا ناگوار ہو اور خواہ ہم پر کسی کو ترجیح دی جائے۔ ہم حکومت کے معاملے میں اہل حکومت سے نزاع نہ کریں گے، ہم ہر حال میں اور جہاں کہیں بھی ہوں گے، حق بات کہیں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈریں گے۔''

یہ بیعت لینے کے بعد آپؐ نے فرمایا کہ اگر تم لوگوں نے اس عہد کو پورا کیا تو تمھارے لیے جنت ہے اور اگر کسی نے ممنوع کاموں میں کسی کا ارتکاب کیا تو اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے، چاہے عذاب دے اور چاہے سزا اور چاہے معاف کر دے۔

جب یہ بارہ افراد مدینہ واپس جانے لگے تو رسول اللہ ﷺ نے سیدنا مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو تعلیم قرآن کے لیے ان کے ساتھ بھیجا۔ مدینہ طیبہ میں ان لوگوں نے اسلام کی خوب دعوت دی یہاں تک کہ انصار کے ہر گھر میں چند مرد اور عورتیں مسلمان ہوگئیں۔

مدینہ منورہ میں سیدنا اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ نے اپنے اجتہاد سے جمعہ قائم کیا اور دوسرے اس دن کا نام

Marfat.com

''جمعہ'' تجویز کیا کیونکہ جاہلیت میں اس دن کو ''یوم عروبہ'' کہتے تھے، اللہ تعالیٰ نے ان دونوں باتوں کی تصویب فرمائی اور سورۃ جمعہ کی آیت نمبر۹ نازل فرمائی۔ سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے والد کعب بن مالک رضی اللہ عنہ جب جمعہ کی اذان سنتے تو سیدنا اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کے لیے دعائے مغفرت فرماتے۔ میرے پوچھنے پر فرمایا: ''مدینہ طیبہ میں سب سے پہلے انھوں نے ہی ہمیں جمعہ پڑھایا تھا۔'' (الاصابہ:۱/۳۴)

بیعت عقبہ ثانیہ:

آئندہ سال سنہ ۱۳ نبوی میں موسم حج آنے سے قبل سیدنا مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ میں اسلام کی دعوت کی کامیابی کی خوش خبریاں لے کر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں مکہ حاضر ہوئے اور آپؐ کو قبائل یثرب کے حالات، ان کی جنگی صلاحیتوں اور خیر کی لیاقتوں کی تفصیلات سے آگاہ کیا۔ (زادالمعاد:۲/۵۱)

اسی سال سنہ ۱۳ نبوی (جون سنہ ۶۲۲ء) میں سیدنا کعب رضی اللہ عنہ بن مالک کی روایت کے مطابق کہ ''ہم اپنی قوم کے مشرکین کے ساتھ حج کے لیے نکلے۔ ایک روایت کے مطابق یثرب ہی میں اور دوسری روایت کے مطابق مکہ کے راستہ میں آپس میں ایک دوسرے سے پوچھنے لگے کہ آخر ہم کب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حالت میں چھوڑے رکھیں گے کہ آپ مکہ مکرمہ کے پہاڑوں میں جگہ جگہ پھرتے، ٹھوکریں کھاتے اور خوف زدہ کیے جاتے رہیں۔'' ان میں ایک روایت کے مطابق ۷۳ افراد تھے۔ ان میں بیعت عقبہ اولیٰ والے افراد کے علاوہ متعدد اکابر و اعیان شامل تھے۔ جب ہم مکہ مکرمہ پہنچے تو ہمارے سردار براء بن معرور نے مجھے کہا کہ بھتیجے! چلو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کریں۔ ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی دیکھا نہ تھا اس لیے آپؐ کو پہچانتے نہیں تھے۔ چنانچہ ہم نے ایک مکی سے رابطہ کیا۔ اس نے کہا کہ تم ان کے چچا عباس رضی اللہ عنہ کو جانتے ہو؟ ہم نے اثبات میں جواب دیا۔ اس نے کہا: ''آپ لوگ حرم میں جائیں، وہ عباس رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھے نظر آئیں گے۔'' ہم جب حرم میں گئے تو آپ کو سلام کیا۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہماری پہلی ملاقات تھی۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ہدایت فرمائی کہ ہم ایام تشریق کے بیچ والے روز رات کے وقت عقبہ میں ملیں۔ جب وہ رات آئی تو تہائی رات گزرنے کے بعد آپؐ سے خفیہ طور پر ملنے کے لیے چلے کیونکہ ہم اپنی قوم کے مشرکین سے بھی یہ بات چھپانا چاہتے تھے۔ ہم اس وقت ۷۳ آدمی تھے اور ہمارے ساتھ دو عورتیں تھیں۔ ان ۷۳ مردوں میں ۱۱۔اوس اور ۶۲ خزرج میں سے تھے۔

تمام روایات اس بات پر متفق ہیں کہ جب یہ لوگ رات کی تاریکی میں لوگوں کی آنکھوں سے چھپتے چھپاتے اور دو دو چار چار آدمیوں کی شکل میں طے شدہ مقام پر پہنچے تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کے چچا سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کے ساتھ وہاں موجود پایا۔ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے ابھی تک اپنے اسلام کو ظاہر نہیں کیا تھا لیکن سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ان پر اعتماد فرماتے تھے، اس لیے وہ اس نازک موقعے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آئے تھے کہ آپؐ کے

Marfat.com

مدینہ جانے سے قبل ہر لحاظ سے بات پختہ کرلیں۔ مسند احمد میں ہے کہ جب سب لوگ جمع ہو گئے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس کو بولنا ہے وہ مختصر بولے کیونکہ مشرکین کے جاسوس تمھاری کھوج میں ہیں۔''

سب سے پہلے سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے بات شروع کی جس کا خلاصہ یہ تھا کہ اگر تم لوگ یہ سمجھتے ہو کہ تم انھیں اپنے پاس لے جانے کے بعد ان کا ساتھ چھوڑ کر کنارہ کش ہو جاؤ گے تو پھر ابھی سے انھیں چھوڑ دو کیونکہ وہ اپنی قوم میں مضبوط حیثیت اور محفوظ مقام رکھتے ہیں۔

سیدنا کعب ﷺ بن مالک فرماتے ہیں کہ ہم نے سیدنا عباس رضی اللہ عنہ سے کہا: ''آپ رضی اللہ عنہ کی بات ہم نے سن لی، اب اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ ﷺ ارشاد فرمائیں اور جو عہد و پیمان ہم سے اپنے لیے اور اپنے اللہ کے لیے لینا چاہیں، لے لیں۔'' آپ نے ان کے جواب میں فرمایا:

''اس بات پر میری بیعت کرو کہ تم ہر حالت میں میرا ہر حکم سنو گے اور اس کی تعمیل کرو گے اور تنگی و خوشی اور بدحالی میں اپنا مال خرچ کرو گے، لوگوں کو نیکی کا حکم دو گے اور برائی سے روکو گے اور اللہ کی رضا کے لیے حق بات کہو گے، نیز جب میں تمھارے پاس آؤں تو تم میری مدد کرو گے اور حملہ آور دشمن سے جس طرح تم اپنی جانوں اور اپنے اہل و عیال کی حفاظت کرتے ہو اسی طرح میری بھی حفاظت کرو گے۔ اس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ تمھیں جنت عطا فرمائے گا۔'' (الوثائق السیاسیہ للعہد النبوی: ص ۴۸)

اگر تم ان سب باتوں پر کاربند رہو گے تو اس کے بدلے میں تمھارے لیے جنت ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان سن کر تمام اہل مدینہ نے آپ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ بیعت کرنے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا: ''اب خون کے ساتھ خون اور قبر کے ساتھ قبر ہے یعنی میرا مرنا اور جینا تمھارے لیے ہے۔ جس سے تمھاری لڑائی اس سے میری لڑائی اور جس سے تمھاری صلح اس سے میری صلح۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو سیرۃ ابن ہشام: ۱/۴۴۳، عیون الاثر: ۱/۲۷۱، فتح الباری: ۷/۱۰۴، زرقانی: ۱/۳۱۷، البدایہ والنہایہ: ۳/۱۵۸، سنن کبریٰ بیہقی: ۹/۹، مستدرک حاکم: ۲/۶۲۴، مسند احمد: ۳/۱۲۰، طبقات ابن سعد: ۱/۲۲۱)

ان مشکل حالات میں رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کرنا گویا اپنے آپ کو ایک متنازعہ صداقت کے حوالے کرنا، اپنا سب کچھ اس طرح ایک غیر قائم شدہ حق کو سونپ دینا، اتنا انوکھا واقعہ ہے کہ وہ اجتماعی سطح پر تاریخ میں صرف ایک ہی بار پیش آیا ہے، نہ اس سے پہلے کبھی پیش آیا اور نہ اس کے بعد۔

یہاں ایک بات غور طلب ہے کہ نبوت کے گیارھویں سال حج کے موقع قبیلہ خزرج کے صرف چھ آدمیوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اگلے سال بارہ آدمیوں نے آ کر بیعت کی جو بیعت عقبہ اولیٰ کہلاتی ہے، اور پھر اگلے سال اس تعداد میں اچھا خاصا اضافہ ہوا اور یثرب کے ۷۵ آدمی مکہ آئے اور آپ کی بیعت کی۔ دو سال میں اتنے لوگوں کا دائرہ اسلام میں داخل ہونا ایک نہایت حیرت انگیز بات ہے۔

Marfat.com

بارہ نقیب:

جب سب حضرات بیعت کر چکے تو اس بیعت کا صاف مطلب یہ تھا کہ ایک چھوٹا سا قصبہ اپنے آپ کو پورے ملک کی تلواروں، معاشی، معاشرتی اور تمدنی بائیکاٹ کے مقابلے میں پیش کر رہا ہے۔ اب سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل میں سے بارہ نقیب منتخب فرمائے تھے اسی طرح میں بھی جبرئیل علیہ السلام کے اشارہ سے تم میں سے بارہ نقیب مانگتا ہوں جو اپنے اپنے قبیلے کے ذمہ دار ہوں۔ اس ارشاد نبوی ﷺ کی تعمیل میں سب نے بارہ آدمی تجویز کیے۔ ۹ خزرج میں سے اور تین اوس میں سے، ان کے نام یہ ہیں:

① اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ (ان کو آپؐ نے نقیب النقباء مقرر فرمایا)

② سعد بن الربیع رضی اللہ عنہ (یہ زمانہ جاہلیت میں اہل مدینہ کے پڑھے لکھے لوگوں میں سے تھے)

③ عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ (یہ بھی پڑھے لکھے لوگوں میں سے تھے)

④ براء بن معرور رضی اللہ عنہ (یہ سب سے زیادہ سن رسیدہ تھے۔ یہ رسول اللہ ﷺ کی مدینہ تشریف آوری سے پہلے وفات پا چکے تھے۔ آپؐ نے ان کی قبر پر نماز جنازہ پڑھی)

⑤ رافع بن مالک رضی اللہ عنہ (زمانہ جاہلیت میں ''کامل'' کے لقب سے یاد کیے جاتے تھے)

⑥ عبداللہ بن عمرو بن حرام رضی اللہ عنہ (یہ بیعت عقبہ ثانیہ کی رات ہی ایمان لائے تھے)

⑦ عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ

⑧ منذر بن عمرو رضی اللہ عنہ (یہ لکھنا پڑھنا جانتے تھے)

⑨ سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ (یہ بھی جاہلیت میں ''کامل'' کے لقب سے مشہور تھے)

قبیلہ اوس میں سے تین نقیب حسب ذیل ہیں:

⑩ اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ

⑪ سعد بن خیثمہ رضی اللہ عنہ

⑫ رفعہ بن عبدالمنذر رضی اللہ عنہ (بعض لوگوں نے ان کی بجائے ابوالہیثم بن التیہان رضی اللہ عنہ کا نام لکھا ہے۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو سیرۃ ابن ہشام: ۲/۱۸۴، تاریخ الاسلام ذہبی: ۱/۲۹۱، طبقات ابن سعد: ۱/۲۲۰، دلائل النبوۃ: ۲/۱۶۹، نہایۃ الارب: ۱۶/۳۱۰، عیون الاثر: ۱/۱۵۶، مسند احمد: ۵/۳۲۳)

Marfat.com

معاہدے کا افشاء:

بیعت عقبہ ثانیہ میں جن ۷۳ مردوں اور دو عورتوں نے شرکت کی، ان کا وہ اجلاس پہاڑ کی گھاٹی میں ریت کے فرش اور چاندنی کے سائبان میں منعقد ہوا۔ سرکار دو عالم ﷺ اس میں مہمانِ خصوصی تھے۔ یہ اجلاس بہت خفیہ رکھا گیا تھا۔ جانے والے بھی ایک ایک کر کے گئے تھے اور واپسی پر بھی نہایت خاموشی اور بحر سکوت میں ڈوبے ہوئے آئے، لیکن ۷۵ آدمیوں کی نقل وحرکت کہاں چھپنے والی تھی۔ طلوع صبح ہوتے ہی قریش مکہ کے کانوں میں اس بیعت کی بھنک پڑ گئی۔ انھوں نے اہل یثرب کو بہت دھمکیاں دیں، لیکن اہل مدینہ خاموش رہے اور وہ ایک ایک کر کے اپنے خیموں سے نکلے اور مدینہ طیبہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ قریش نے ان کا تعاقب کیا۔ باقی سب آدمی تو نکل گئے البتہ دو آدمی کسی طرح پیچھے رہ گئے۔ ان کو قریش نے راستہ میں پکڑ لیا۔ ان میں ایک قبیلہ خزرج کے رئیس سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ اور دوسرے بھی اسی قبیلہ کے ایک شخص منذر بن عمرو رضی اللہ عنہ تھے۔ سیدنا منذر رضی اللہ عنہ بھی کسی طرح نکل گئے البتہ سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ ان کے ہتھے چڑھ گئے جن کو انھوں نے مارا پیٹا جو یقیناً ایک نہایت قابل افسوس بات ہے کہ انھوں نے ایک جرم نا آشنا غریب الوطن کو تنہا پا کر اس سے ایسا غیر انسانی سلوک کیا۔

قریش کے اہل دانش لوگ یہ سمجھ رہے تھے کہ اس بیعت نے ہوا کا رخ بدل دیا ہے۔ رات کے معاہدے نے اہل یثرب کے ساتھ مستقبل میں ہمارے لیے، مستقل خطرات اور ہمارے حریف کے لیے یقینی کامیابی وکامرانی کی راہیں کھول دی ہیں۔ قریش مضطرب و پریشان تھے کہ محمد (ﷺ) کی جمعیت اور دعوت کو کس طرح ختم کیا جائے اور دوسری طرف رسول اللہ ﷺ کے سامنے یہ امور تھے کہ اللہ تعالیٰ نے میری دعوت کے لیے یثرب کی راہ میں پوری کامیابی وکامرانی کی بنیاد رکھ دی ہے۔ اب دین کی سربلندی ہو کر رہے گی۔

Marfat.com

ہجرت مدینہ کا آغاز

ذی الحجہ سنہ ۱۳ نبوی میں بیعت عقبہ ثانیہ ہوئی۔ قریش کو اس سے بہت گھبراہٹ اور پریشانی لاحق ہوئی۔ قریش کی زیادتیوں نے مسلمانوں کے لیے عرصۂ حیات تنگ کر رکھا تھا۔ وہ فتنۂ کفر سے بچنے اور اپنے ایمان کو محفوظ رکھنے کے لیے کسی پناہ کی تلاش میں تھے۔ ہجرت حبشہ بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی تھی۔ بیعت عقبہ ثانیہ کے بعد قریش کے جور وستم میں تیزی آ گئی۔ اب مکہ میں دعوت حق کی مظلومی اپنی انتہا کو پہنچ چکی تھی اور لبیک کی جگہ ہر طرف سے تلوار کی جھنکار سنائی دیتی تھی۔ اب حالات ایسے پیدا ہو گئے تھے کہ مظلوم و مقہور مسلمانوں کے لیے کوئی جائے پناہ تلاش کی جائے۔ چنانچہ بذریعہ وحی آپؐ کو بتایا گیا کہ اہل ایمان کا دارالہجرت یثرب ہوگا۔ پس جو کوئی جانا چاہے وہاں چلا جائے۔ اب رسول اللہ ﷺ نے نہ صرف ہجرت کی اجازت دی بلکہ ایک اصول طے ہو گیا کہ جو دائرہ اسلام میں داخل ہو اس پر لازم ہے کہ وہ مدینہ منورہ کو اپنی قیام گاہ بنائے۔ (ملاحظہ ہو سورۂ انفال: ۷۴۔۷۵)

رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو اب ہجرت کا حکم دیتے ہوئے فرمایا:

((ان الله قد جعل لكم اخواناً و داراً تامنون بها))

''بے شک اللہ تعالیٰ نے تمھارے لیے بھائی بھی بنا دیئے (جو تمھاری نصرت کریں) اور وطن (مرکز) بھی بنا دیا جس میں تم امن پاؤ۔''

(البدایہ والنہایہ: ۳/۱۶۹، الروض الانف: ۱/۲۸۴، لائف آف محمدؐ، ولیم میور: ۲/۲۴۲)

اب اذن ہجرت کے بعد مدینہ منورہ کی شاہراہ کھل گئی اور جان نثارانِ اسلام یکہ وتنہا اور اپنے خاندانوں کے ساتھ قریش مکہ سے چھپ چھپا کر اور رات کی تاریکی میں مدینہ منورہ جانے شروع ہو گئے، لیکن مشرکین مکہ نے بھی ان کی روانگی میں رکاوٹیں کھڑی کرنی شروع کر دیں کیونکہ مسلمانوں کا ایک مرکز پر جمع ہو جانا قریش مکہ کے لیے خطرات کا پیش خیمہ تھا۔

سب سے پہلے شخص جس نے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت فرمائی وہ آپؐ کے رضاعی بھائی ابوسلمہ بن عبدالاسد المخزومی رضی اللہ عنہ تھے جنھوں نے بیعت عقبہ ثانیہ سے ایک سال قبل ہجرت کی تھی۔

Marfat.com

ہجرت میں رکاوٹ:

قریش مکہ نے ہجرت کرنے والوں کے راستہ میں بہت سی رکاوٹیں ڈالیں لیکن وہ ہر رکاوٹ کو عبور کرتے ہوئے مدینہ پہنچ گئے۔ اکثر حضرات سرزمین مکہ سے چھپ چھپا کر نکلے اور بیشتر رات کی تاریکی میں گئے، لیکن سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی شان کچھ عجیب تھی۔ وہ علانیہ گئے اور دن کے اجالے میں گئے بلکہ بیس (۲۰) سواروں کے ساتھ گئے۔

(بخاری:۱/۵۵۸)

مسلمان مصائب اور اذیتوں کے پہاڑ عبور کرتے ہوئے آگے پیچھے پے در پے مکہ سے نکلتے اور راستہ کی صعوبتوں کو برداشت کرتے ہوئے مدینہ پہنچتے رہے۔ چنانچہ بیعت عقبہ ثانیہ کے صرف دو ماہ اور چند دن بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ، سیدنا علی رضی اللہ عنہ، اور چند عورتوں اور مردوں کے سوا کوئی بھی مسلمان مکہ میں باقی نہ رہا۔ یہ دونوں حضرات بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق رکے ہوئے تھے۔

یہاں یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ مدینہ کے انصار نے اس دعوت پر ہی اکتفا نہ کیا جو بیعت عقبہ کے سلسلہ میں دے چکے تھے بلکہ بیعت کے بعد جب وہ مدینہ طیبہ واپس آ گئے تو یہاں سے چند حضرات مکہ تشریف لے گئے اور حضرات مہاجرین کے ساتھ واپس مدینہ آئے۔ ان کو مہاجر انصاری کہا جاتا ہے۔

(طبقات ابن سعد:۱/۱۵۲)

مہاجرین کا ایثار:

مالی نقصانات، بدنی اذیتیں اور گوناگوں مصائب و آلام برداشت کرنے آسان ہیں لیکن یہ کام ایک انسان کے لیے نہایت مشکل بلکہ ناممکن ہے کہ وہ اپنی اس مختصر زندگی میں ہمیشہ کے لیے اپنے اہل وعیال کو چھوڑ دے، خویش واقارب سے رشتہ توڑ دے، مال ومنال سے دست بردار اور دست کش ہو جائے اور وہ اپنی زندگی کی تمام دلچسپیوں پر بے کسی، بے بسی اور غریب الوطنی کو ترجیح دے۔ حضرات مہاجرین کا سب سے بڑا کمال یہ تھا کہ انھوں نے اپنے دنیوی بہبود سے بے نیاز اور خالی الذہن ہو کر صرف خدا اور اس کے رسول کی رضا جوئی کی خاطر اپنے وطن، اپنے اہل وعیال، مال ومنال، جائیداد اور املاک بلکہ ہر شے کو ٹھکرا دیا۔ یہ اتنا بڑا ایثار اور جذبۂ فدویت ہے جس کی نظیر دنیا کے دوسرے مذاہب وادیان پیش کرنے سے یک قلم قاصر ہیں۔

Marfat.com

قریش کا ڈائریکٹ ایکشن

قریش نے جب دیکھا کہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آہستہ آہستہ ہجرت کر کے مدینہ چلے گئے ہیں اور انھیں روکنے کے لیے ہماری تمام تدابیر الٹی ہوگئیں ہیں اور اب ان کا مذہبی قائد صلی اللہ علیہ وسلم بھی چند روز میں جانے والا ہے، تو انھیں بڑی فکر لاحق ہوئی۔ غم والم کے لاوے پھوٹ پڑے۔ اب ان کے سامنے ان کی دینی فکر اور اقتصادی اجتماعیت شدید خطرے میں تھی۔ ان سارے خطرات کو ذہن میں رکھتے ہوئے انھوں نے ان کا ایک کامیاب ترین علاج سوچنا شروع کیا لیکن ان کی سمجھ میں کچھ نہیں آتا تھا کہ اس کا کیا علاج ہوسکتا ہے کیونکہ اس سے پہلے جتنے علاج بھی انھوں نے تجویز کیے ان میں کوئی بھی کارگر ثابت نہ ہوا۔

اب بیعت عقبہ ثانیہ کے قریباً اڑھائی ماہ بعد صفر المظفر سنہ ۱۴ نبویؐ (۱۲ ستمبر سنہ ۶۲۲ء) جمعرات کے روز وہ سب سر جوڑ کر مکہ کے بڑے ہال دارالندوہ میں بیٹھے جو کہ تاریخ کا ایک نہایت خطرناک اجتماع تھا لیکن خطرناک ہونے کے ساتھ ساتھ نہایت اہم بھی تھا کیونکہ اس میں فریقین میں سے ہر ایک کے مستقبل کا فیصلہ ہونا تھا۔ اس وجہ سے اس میں تمام قبائل کے نمائندوں نے شرکت کی۔ اس خوفناک اجتماع میں جن شخصیات نے شرکت کی ان میں نمایاں چہرے حسب ذیل تھے:

① ابوجہل عمرو بن ہشام (بنومخزوم)
② شیبہ بن ربیعہ، عتبہ بن ربیعہ، ابوسفیان بن حرب (بنی عبد شمس بن عبد مناف)
③ جبیر بن مطعم، طعیمہ بن عدی، حارث بن عامر (بنی نوفل بن عبد مناف)
④ نضر بن حارث (بنی عبدالدار)
⑤ ابوالبختری بن ہشام، زمعہ بن اسود، حکیم بن حزام (بنی اسد بن عبدالعزیٰ)
⑥ نبیہ بن حجاج، منبہ بن حجاج (بنی سہم)
⑦ امیہ بن خلف (بنی جمح)

ابن سعد نے لکھا ہے کہ ”وہ سب دارالندوہ میں جمع ہوئے اور اہل الرائے لوگوں میں سے کوئی شخص پیچھے نہ رہا تا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں مشورہ کیا جاسکے۔ (طبقات ابن سعد: ۱/ ۲۲۷، البدایہ والنہایہ: ۳/ ۱۷۵)

Marfat.com

یہ چونکہ نہایت اہم اور خطرناک اجتماع تھا لہٰذا ابلیس بھی شیخ نجدی کی شکل میں اس میں شامل ہوا۔ کافی بحث ومباحثہ کے بعد فیصلہ ہوا کہ تمام قبائل قریش میں سے ایک ایک توانا اور جوان آدمی منتخب کیا جائے۔ پھر ہر ایک کو ایک تیز دھار تلوار دیں۔ اور جب رات کو محمد (ﷺ) محوِ خواب ہوں تو ان کے مکان کا محاصرہ کرلیں، اور جب اندھیرے منہ وہ نماز صبح کے لیے گھر سے نکلیں تو یہ سب نوجوان اور مضبوط وتوانا آدمی ان پر یک بارگی اس طرح اپنی تلواروں سے ٹوٹ پڑیں اور ان پر اس طرح حملہ کریں جیسے ایک ہی آدمی نے تلوار ماری ہو۔ اس طریقہ سے ہمیں اس شخص سے ہمیشہ کے لیے نجات اور راحت مل جائے گی، اور اس طرح قتل کرنے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اس شخص کا خون تمام قبائل میں بکھر جائے گا اور بنو ہاشم تمام قبائل سے انتقام نہیں لے سکیں گے اور لامحالہ دیت (خون بہا) لینے پر راضی ہو جائیں گے اور ہم سب مل کر نہایت آسانی سے دیت ادا کر دیں گے۔ یہ ایک بے ضرر صورت ہے جس کی بدولت ہمیں تمام خرخشوں سے نجات مل سکتی ہے۔'' یہ تجویز ابوجہل نے پیش کی جس کو تمام قبائل نے باہمی اتفاقِ رائے سے منظور کرلیا۔ اب ہر رکن مجلس اس عزم صمیم کے ساتھ واپس گھر آیا کہ جلد از جلد اس قرارداد کو عملی شکل دے کر دنیا کو اس ابر رحمت سے یک قلم محروم کر دیا جائے جو کائنات ارضی کی تشنگی کو سعادت ابدی سے سیراب کرنے کے لیے مکہ کے افق سے نمودار ہوا تھا۔ اسی مجلس میں قتل کے لیے آدمی بھی نامزد کر دیئے گئے اور قتل کا وقت بھی متعین کر دیا گیا، اور اس ساری کارروائی کو اس قدر مخفی رکھا گیا کہ کسی کو اس کی خبر نہ ہونے پائی۔ (ملاحظہ ہو سورۃ الانفال:۳۰)

ادھر قریش کی پارلیمنٹ میں سرکار دو عالم ﷺ کے خلاف یہ قرارداد ابلیس لعین کی موجودگی میں پاس ہو رہی تھی، ادھر حق تعالیٰ شانہ کی قدرت خندہ زن تھی کہ آج از راہِ حماقت جس ذات گرامی کی قسمت کا فیصلہ کیا جا رہا تھا عنقریب اس کو نہ صرف پوری کائنات میں بلکہ آسمان پر بھی وہ عظمت اور سربلندی نصیب ہوگی بلکہ معراج میں اس کا مظاہرہ بھی ہو چکا ہے کہ نہ صرف عرب بلکہ ساری دنیا رہتی دنیا تک اس پر فخر کرے گی، اور اس کے قلاش اور مفلوک الحال ساتھی جو عالم بے بسی اور حالت بے کسی میں وطن سے غریب الوطن ہوئے ہیں، وہ عرب وعجم کے مالک ہو کر اپنی قوم کے افراد کو آسمان عظمت وجاہ کے نیر تاباں بنا دیں گے۔

اگرچہ قریش کے اکابر نے دارالندوہ میں پاس ہونے والی قرارداد کے متن کو مخفی رکھا لیکن رسول اللہ ﷺ کے علیم وخبیر خدا نے پہلے ہی بتا دیا تھا۔ اس مقصد کے لیے قریش نے گیارہ سرداروں کا انتخاب کیا اور انھیں سخت تاکید کی کہ وہ آج رات ہی اس قرارداد کو عملی جامہ پہنائیں۔ حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے حسب ذیل نام دیئے ہیں جنھوں نے آپؐ کے مکان کا محاصرہ کیا:

① ابوجہل بن ہشام ② حکم بن العاص ③ عقبہ بن ابی معیط ④ نضر بن حارث ⑤ امیہ بن خلف ⑥ زمعہ بن الاسود ⑦ طعیمہ بن عدی ⑧ ابولہب بن عبدالمطلب ⑨ ابی بن خلف ⑩ نبیہ بن حجاج ⑪ منبہ بن حجاج۔

(زادالمعاد:۲/۵۲، طبقات ابن سعد:۲/۱۵۴)

Marfat.com

رسول اللہ ﷺ کی ہجرت مدینہ

ربیع الاول کی یکم تاریخ، سن عیسوی کے حساب سے ستمبر کی ۱۲ تاریخ، ۶۲۲ء رات کے وقت سرکار دو عالم ﷺ گھر میں اپنے نوجوان چچا زاد بھائی سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے ساتھ موجود ہیں، گھر کا ماحول تاریک ہے لیکن اس تاریکی میں وہ دونوں حضرات آپس میں آہستہ آہستہ کچھ باتیں کر رہے ہیں جبکہ اس گھر کا باہر کا ماحول آج کی رات نہایت گھمبیر، خوفناک اور ہیبت ناک تھا۔ آج اس گھر کو قریش کے اکابر مجرمین نے گھیرا ہوا ہے۔ اس کے گھر کو جس کو وہ کبھی ''الصادق الامین'' کے القاب سے یاد کرتے تھے، جس کے پاس اپنی امانتیں رکھا کرتے تھے۔ آج اس پاکیزہ نفس ہستی ﷺ کو صفحۂ دہر سے مٹانے کے لیے اس کے گھر کو گھیرا ہوا ہے، اور باہر گھات لگائے بیٹھے ہیں کہ کب وہ باہر نکلے اور کب اس پر یک بارگی حملہ کر کے ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا جائے، لیکن ''وہ شمع کیا بجھے جسے روشن خدا کرے'' بلکہ ؎

چراغے را کہ ایزد بر فروزد ہر آں کہ تف زند ریشش بسوزد

محمد ابن اسحاق کا بیان ہے کہ جب رات ذرا بھیگ گئی اور اس نے ظلمت کی چادر اوڑھ لی تو یہ لوگ جن کے نام اوپر دیئے گئے ہیں گھات لگا کر کاشانۂ نبوت پر بیٹھ گئے۔ وہ آپس میں استہزاء اور تمسخر کی باتیں کر رہے تھے اور اپنے مستقبل کو اس ذات کو قتل کرنے کے بعد بڑا روشن سمجھ رہے تھے۔ اس نازک ترین لمحے میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے آپ نے فرمایا:

''میرے بستر پر یہ حضرمی چادر اوڑھ کر سو رہو تم کو کوئی بھی گزند نہیں پہنچائے گا۔''

(سیرۃ ابن ہشام: ۱/۴۸۳، طبری: ۲/۹۹، البدایہ والنہایہ: ۳/۱۷۶)

رات کافی بھیگ چکی تھی، پورے مکہ پر ہو کا عالم طاری تھا، فضا میں شدید سناٹا تھا، کاشانۂ نبوت کو گھیرنے والے غالباً کھڑے کھڑے تھک گئے تھے، لہٰذا وہ دروازے کے باہر قطار لگا کر بیٹھ گئے لیکن نور خدا کفر کی اس حرکت پر خندہ زن تھا۔ آپ بغیر کسی خوف و ہراس کے نہایت اطمینان کے ساتھ باہر تشریف لائے اور مشرکین کی صف کو چیرتے ہوئے اور سورہ یٰسین پڑھتے ہوئے ان کے پاس سے گزر گئے۔

اب یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ان کو نیند آ گئی یا ان کی آنکھوں کے سامنے دیوار کھڑی کر دی گئی یا ان کی

Marfat.com

آنکھوں میں مٹی پڑ گئی، لیکن معلوم یہی ہوتا ہے کہ ان کے سامنے اللہ رب العزت نے واقعی کوئی دیوار کھڑی کر دی جس کو آپؐ محسوس فرما رہے تھے۔ پھر اطمینان کی بھی انتہاء ہو گئی کہ آپؐ یونہی نہیں گزر جاتے بلکہ اپنے دست مبارک میں مٹی لیتے ہیں اور ہر ایک کے سر پر ڈالتے ہوئے تشریف لے جاتے ہیں۔ یہ ایک پیغمبر ﷺ کا اپنے رب پر یقین کا ایک نمونہ ہے۔

یہاں سے آپ ﷺ سیدھے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لے گئے جو وہاں آپؐ کے لیے سراپا انتظار تھے۔ محاصرین کو جلد ہی اپنی نامرادی اور ناکامی کا علم ہو گیا، جب ایک غیر متعلقہ شخص نے انھیں بتایا کہ خدا کی قسم! محمد (ﷺ) تو آپ لوگوں کے پاس سے چلے گئے اور تمھاری غفلت کی انتہا یہ ہے کہ خاک تمھارے سروں پر پڑی ہے اور تمھیں اس کی کوئی خبر نہیں۔ وہ گھبرا کر اٹھے۔ سروں پر ہاتھ پھیرے تو وہ واقعی خاک آلود تھے۔ وہ اپنے سروں سے مٹی جھاڑتے ہوئے اٹھ پڑے۔ انھیں یقین ہو گیا کہ یہ شخص صحیح کہتا ہے۔ دروازہ دیکھا تو وہ کھلا تھا۔

اب وہ مکان کے اندر داخل ہوئے، دیکھا کہ حضور ﷺ کے بستر پر کوئی لیٹا ہوا ہے۔ چادر کھینچی تو دیکھا کہ آپؐ کی جگہ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بستر پر دراز خراٹے لے رہے ہیں۔ اب ان حواس باختہ لوگوں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو جگایا اور پوچھا کہ ''محمد (ﷺ) کہاں ہیں؟'' سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے نہایت اطمینان سے جواب دیا: ''مجھے کیا خبر؟'' (لا علم لی بہ) مشرکین یہاں سے دوڑ کر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مکان پر گئے۔ وہاں ایک لڑکی (سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا) ملی۔ پوچھا: ''تمھارے ابا کہاں ہیں؟'' سیدہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا: ''مجھے خبر نہیں۔'' ظالم و شقی ابوجہل نے نہایت غصے سے سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا کے منہ پر اتنی زور سے تھپڑ مارا کہ سیدہ رضی اللہ عنہا کے کان کی بالی گر گئی۔

(البدایہ والنہایہ: ۳/۶۷۶، سیرۃ ابن ہشام: ۱/۴۸۰، ۴۸۲، عیون الاثر: ۱/۲۹۱، طبقات ابن سعد: ۱/۱۵۳، خصائص کبریٰ: ۱/۱۵۸، زرقانی: ۱/۳۲۷)

بخاری میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے جو روایت مروی ہے اس میں صاف مذکور ہے کہ ہجرت کا سفر رات کو نہیں بلکہ دوپہر کو شروع ہوا۔ ویسے حالات اور عقل کا تقاضا یہی ہے کہ وہ سفر رات کے بجائے دوپہر کو ہوتا۔ ہجرت نبوی ستمبر کے مہینے میں ہوئی جو کہ عرب میں سخت گرمی کا مہینہ ہوتا ہے۔ لو چلتی ہے جو کہ بدن کو جھلسا کر رکھ دیتی ہے، اس وجہ سے دوپہر کو راستے سنسان ہوتے ہیں اور رات کے وقت جب گرمی کی شدت اور حدت کم ہو جاتی ہے، عرب لوگ سفر کرتے ہیں اور راستوں پر مسافروں کی آمد و رفت شروع ہو جاتی ہے۔ آپؐ نے چونکہ لوگوں کی نگاہوں سے چھپ کر سفر کرنا تھا، لہٰذا دوپہر کے وقت سفر کرنا آپ ﷺ کے لیے زیادہ فائدہ مند تھا نہ کہ رات کے وقت سفر کرنا۔ (بخاری: ۱/۵۵۳)

رسول اللہ ﷺ جب سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گھر پہنچے اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ہجرت کی بابت بتایا تو انھوں نے رفاقت کی درخواست کی جو منظور فرما لی۔ یہی ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دل مضطر کی تڑپ تھی۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس مقصد کے لیے دو اونٹنیاں پہلے ہی پال رکھی تھیں۔ ان دونوں اونٹنیوں کی قیمت آٹھ سو درہم تھی۔ سرکار دو عالم ﷺ نے

Marfat.com

مفت میں اونٹنی لینا منظور نہ کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے جو اونٹنی لی اس کا نام قصویٰ رکھا گیا۔ یہ سرکار دو عالم ﷺ کی سواری کے بطور آخر تک رہی اور آپ کی وفات کے بعد بہت کم عرصہ زندہ رہی۔ (فتح الباری: ۷/۱۷۸)

سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا نے اپنا کمر بند کاٹ کر زادراہ کے تھیلے کا منہ باندھا۔ آپ کا وہ ایثار اللہ تعالیٰ کے ہاں اتنا مقبول ہوا کہ آپ کا خطاب ''ذات النطاقین'' پڑ گیا۔

(بخاری: ۲/۸۱۱، عیون الاثر: ۱/۱۸۱، البدایہ والنہایہ: ۳/۱۸۴، زادالمعاد: ۲/۱۳۶، تاریخ الاسلام ذہبی: ۱/۱۹۰، تاریخ الخمیس: ۱/۳۲۲)

اہل سیر نے لکھا ہے کہ ۲۷ صفر سنہ ۱۴ نبویؐ (۱۳ ستمبر سنہ ۶۲۲ء) کی دوپہر کو سرکار دو عالم ﷺ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مکان پر تشریف لے گئے اور وہاں سے ان کے مکان کے پچھواڑے کی ایک کھڑکی سے نکل کر کوہ ثور کی طرف روانہ ہوئے جو مکہ مکرمہ سے تین میل کے فاصلے پر ہے اور جس کی چوٹی پر وہ غار ہے جو ''غار ثور'' کے نام سے مشہور ہے۔ جب سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کو غار ثور کی طرف لے جا رہے تھے تو آپ کبھی حضور ﷺ کے آگے چلتے اور کبھی پیچھے چلنے لگتے۔ سرکار دو عالم ﷺ نے اس کی وجہ دریافت کی تو انھوں نے عرض کیا: ''یا رسول اللہ ﷺ! مجھے پیچھا کرنے والوں کا خیال آتا ہے تو پیچھے چلنے لگتا ہوں اور جب یہ اندیشہ ہوتا ہے کہ کہیں آگے کوئی خطرہ درپیش نہ ہو تو آگے آجاتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تمہارا مطلب یہ ہے کہ تمھیں اپنی جان کا کوئی خطرہ نہیں۔'' عرض کیا: ''یہ تو قربان ہونے ہی کے لیے ہے۔'' (فتح الباری: ۲/۱۸۹، السیرۃ النبویہ: ۲/۲۳۷)

غار ثور میں پہلے ابوبکر رضی اللہ عنہ داخل ہوئے اور اس کو صاف کیا اور پھر سرکار دو عالم ﷺ سے کہا: ''آپ اندر تشریف لائیں۔'' چنانچہ ان دونوں حضرات نے تین راتیں یعنی جمعہ، ہفتہ اور اتوار کی راتیں یہاں گزاریں۔

(فتح الباری: ۷/۳۳۶)

دوسری طرف قریش کا عجیب حال تھا۔ جب انھیں پتہ چلا کہ سرکار دو عالم ﷺ ہمارے ہاتھوں سے نکل گئے تو ان پر ایک عجیب کیفیت طاری ہوگئی۔ وہ زخمی سانپ کی طرح پیچ و تاب کھا رہے تھے اور انھیں سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ کیا کیا جائے۔

رسول اللہ ﷺ مدینہ کی راہ پر:

تین روز تلاش و جستجو اور بے نتیجہ دوڑ دھوپ کے بعد قریش کی تلاش کی تگ و دو رک گئی اور جستجو کی آگ بجھ گئی اور ان کی سرگرمیاں منجمد ہو گئیں۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ایک شخص عبداللہ بن اریقط کو جو صحرائی اور پہاڑی راستوں سے بخوبی آشنا تھا، اجرت پر رکھ لیا تھا تاکہ وہ سفر میں ان کی راہ نمائی کرے۔ یہ شخص اگرچہ کافر اور بت پرست تھا لیکن اپنے پیشہ میں نہایت دیانت دار تھا۔ تین راتیں غار ثور میں گزر جانے کے بعد وہ دو اونٹنیاں جو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پال رکھی تھیں غار کے منہ پر پہنچ گئیں۔ چنانچہ دوشنبہ کی رات، یکم ربیع الاول (۱۶ ستمبر سنہ ۶۶۲ء) کو اس قافلہ نے

Marfat.com

عبداللہ بن اریقط کی راہ نمائی میں عظیم الشان سفر شروع کیا۔اس سفر ہجرت نے دنیا کی تاریخ کو بدل کر رکھ دیا۔
(زرقانی:۱/۳۴۰،فتح الباری:۷/۱۸۶)

اس مختصر قافلے نے عام راستے سے ہٹ کر مدینہ جانے کا راستہ اختیار کیا تا کہ قریش مکہ سے بچ کر نکلا جا سکے۔ بخاری اور مسلم میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ہم لوگ دوسرے دن دوپہر تک چلتے رہے۔ جب دھوپ تیز ہوگئی تو میں نے نظر دوڑائی تو کہیں سایہ کی جگہ نہ ملی۔ایک لمبی چٹان دکھائی دی جس کے نیچے کچھ سایہ تھا۔ہم وہاں اتر پڑے۔ میں آپؐ کو اس سایہ کے نیچے لے گیا۔ میرے پاس ایک چمڑے کا بستر تھا۔ میں نے اس کو سایہ میں بچھا دیا اور اپنے آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کو اس پر لٹا دیا۔آپؐ لیٹتے ہی سو گئے۔ میں گرد و پیش کی دیکھ بھال کے لیے نکلا۔اچانک دیکھا کہ ایک چرواہا اپنا ریوڑ لیے چٹان کی جانب چلا آ رہا ہے۔ وہ بھی اس چٹان کے سایہ میں آرام کرنا چاہتا تھا۔ میں نے اس سے پوچھا: ''جوان! یہ بکریاں تمھاری ہیں؟'' اور تمہارا مالک کون ہے؟'' اس نے مکہ یا مدینہ کے کسی شخص کا نام لیا جس کو میں جانتا تھا۔ میں نے پوچھا: ''تمھاری کوئی بکری دودھ دیتی ہے؟ اور کیا تم دودھ دے سکتے ہو؟'' اس نے کہا: ''ہاں۔'' چنانچہ وہ ایک بکری پکڑ کر لے آیا۔ میں نے کہا: ''پہلے تم بکری کے تھنوں کو پونچھ کر صاف کرو، پھر اپنے ہاتھ صاف کرو پھر دودھ دوہو۔اس نے میری ہدایات پر عمل کر کے تھوڑا سا دودھ دوہا اور مجھے دیا۔ میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا۔آپ سوئے ہوئے تھے، لہٰذا میں نے آپؐ کو بیدار کرنا مناسب نہ سمجھا۔ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ایک چھاگل میں پینے اور وضو کرنے کے لیے پانی رکھا ہوا تھا اور گرد و غبار سے بچانے کے لیے اس کے منہ پر کپڑا باندھ رکھا تھا۔آپؐ جب بیدار ہوئے تو میں نے اس دودھ میں اتنا پانی ڈالا کہ دودھ ٹھنڈا ہو گیا اور وہ دودھ آپؐ کی خدمت میں نوش کرنے کے لیے پیش کیا۔آپؐ نے نوش فرمایا اور میں خوش ہو گیا۔اس کے بعد ہم سفر کے لیے روانہ ہو گئے۔(بخاری:۱/۔۳۳۰،۵۱۰،۵۵۶)

دوسری طرف قریش کے انعام کے اعلان کے مطابق ہر شخص آپؐ کی تلاش اور جستجو میں سرگرداں تھا کیونکہ مکہ کی تاریخ میں کبھی اتنے بڑے انعام کا اعلان نہ کیا گیا تھا۔انعام حاصل کرنے کی تگ و دو میں ایک شخص سراقہ بن مالک بھی تھا۔اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیچھا کیا۔اس کا بیان ہے کہ میں آپؐ کے قریب پہنچ گیا یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاوت کی آواز میرے کانوں میں آنے لگی۔آپؐ تو تلاوت قرآن میں مشغول تھے اور کسی طرف کوئی دھیان نہیں دے رہے تھے البتہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ دائیں بائیں سب طرف دیکھتے ہوئے چل رہے تھے۔اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سخت زمین سے گزر رہے تھے۔ابوبکر رضی اللہ عنہ نے دیکھ کر کہا: ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ ہمارا پیچھا کرنے والا بہت قریب آ گیا ہے۔آپؐ نے دعا کی تو میرے گھوڑے کے پاؤں زمین میں دھنس گئے۔ بڑی مشکل سے میں نے گھوڑے کو اٹھایا اور اس کے پاؤں بڑی مشکل سے زمین سے نکلے۔ میں نے ان کو پکارا، وہ لوگ ٹھہر گئے۔ میں ان کے پاس پہنچا اور انھیں بتایا کہ آپؐ کی قوم نے آپؐ کے بدلے میں سو اونٹ کا انعام رکھا ہے اور ساتھ ہی میں نے ان لوگوں کے عزائم سے آپؐ کو آگاہ کیا۔ میں نے آپؐ کی خدمت میں کچھ

Marfat.com

سامان پیش کرنا چاہا لیکن آپؐ نے وہ قبول نہیں کیا۔ (فتح الباری: ۷/۱۹۲، رواہ ابن ابی شیبہ)

آپؐ نے مجھ سے صرف ایک فرمائش کی کہ کسی کو ہماری اطلاع نہ دینا۔ میں نے آپؐ سے امن کا پروانہ حاصل کیا جو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے غلام عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ نے لکھ کر دیا۔ سراقہ واپسی پر راستے میں جو شخص بھی ملتا اس سے کہتا کہ واپس چلے جاؤ۔ وہ لوگ ادھر نہیں ہیں اور تم لوگ جانتے ہو کہ میں سراغ رسانی میں کتنا ماہر ہوں۔ (بخاری: ۴/۴۵۶، مسند احمد: ۴/۱۷۵، دلائل النبوۃ لابی نعیم: ۲/۱۱۴)

حافظ ابن عبدالبر اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سراقہ بن مالک رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا: ''وہ وقت بھی کیا ہوگا جب تم کسریٰ کے کنگن پہنو گے۔'' آپؐ کے اس ارشاد کے چند ہی سال بعد سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں کسریٰ کے کنگن، اس کا کمر پٹہ اور اس کا تاج لایا گیا تو انھوں نے سراقہ کو بلایا اور یہ چیزیں ان کو پہنا کر کہا: ''ہاتھ اٹھاؤ اور کہا: ''تعریف اس خدا کی ہے جس نے یہ چیزیں اس کسریٰ بن ہرمز سے چھین لیں جو کہتا تھا کہ میں لوگوں کا رب ہوں اور انھیں بنی مدلج کے ایک دیہاتی سراقہ بن مالک کو پہنا دیا۔'' (زرقانی: ۱/۳۴۸، الاصابہ ترجمہ سراقہ بن مالک، الاستیعاب: ۲/۱۲۰)

ام معبد کے ہاں قیام:

یہ قافلہ قدید کے علاقہ سے گزرتے ہوئے بنوخزاعہ کی ایک عورت ام معبد کی قیام گاہ پر پہنچا۔ ام معبد کا نام عاتکہ بنت خالد تھا۔ یہ پختہ عمر کی باعفت خاتون تھیں۔ یہ گزرنے والے مسافروں کی میزبانی کرتی تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب وہاں سے گزرے تو اس وقت وہ اپنے خیمے کے صحن میں بیٹھی تھیں۔ ان حضرات نے پوچھا: ''کچھ کھانے کے لیے ہے؟'' انھوں نے کہا کہ قحط کا زمانہ ہے، لہٰذا اس کے پاس کھانے کے لیے اس وقت کچھ نہیں۔'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کونے میں ایک نحیف سی بکری بندھی ہوئی دیکھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: ''یہ کچھ دودھ دیتی ہے۔ اس عورت نے کہا: ''کچھ نہیں۔'' آپؐ نے اس کو پکڑا۔ اللہ تعالیٰ کا نام لے کر اس کے تھنوں پر ہاتھ پھیرا۔ تھنوں میں بھرپور دودھ اتر آیا۔ آپؐ نے اس کا دودھ دوہا۔ جس سے ام معبد کا ایک بڑا سا برتن لبالب بھر گیا جو سب قافلہ والوں نے سیر ہو کر پیا۔ پھر آپؐ نے اسی برتن میں دوبارہ دودھ دوہا۔ جس سے وہ برتن بھر گیا۔ وہ بھرا ہوا برتن ام معبد کے پاس چھوڑ کر آگے روانہ ہو گئے اور فرمایا کہ یہ دودھ معبد کے ابا کو دے دینا۔ یہ قافلہ تو روانہ ہو گیا، ان کے جانے کے تھوڑی دیر بعد ام معبد کا شوہر ابو معبد اپنی کمزور اور دبلی بکریاں لیے ہوئے واپس آیا۔ وہ دودھ کا بھرا ہوا برتن دیکھ کر حیران رہ گیا۔ اس نے پوچھا: ''یہ دودھ کہاں سے آیا؟'' اس نے اپنے شوہر کو یہ واقعہ سنا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایسا حلیہ بیان کیا کہ ابو معبد بول اٹھا: ''خدا کی قسم! یہ تو وہی صاحب قریش تھے جن کا ذکر ہم سنتے رہے ہیں۔'' حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ ام معبد اور ابو معبد دونوں مشرف بہ اسلام ہو گئے اور ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں آپؐ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ (البدایہ والنہایہ: ۳/۱۸۹)

Marfat.com

ام معبد کی حدیث کے لیے ملاحظہ ہو طبقات ابن سعد:۱/۲۳۰، ۸/۲۸۸، انساب الاشراف بلاذری:۱/۲۶۶، ۳۹۱، سیرۃ ابن ہشام:۲/۲۲۵، دلائل النبوۃ لابی نعیم: ص ۱۱۷، دلائل النبوۃ بیہقی:۱/۲۲۸، مستدرک حاکم:۳/۹، روض الانف:۲/۲۳۴، عیون الاثر:۱/۱۸۹، مجمع الزوائد:۶/۵۵، ۸/۲۷۸، السیرۃ النبویہ لابن کثیر:۲/۲۵۷)

مدینہ منورہ کے راستہ میں آپؐ کو بریدہ اسلمی رضی اللہ عنہ بھی ملے۔ وہ قوم کے ستر (۷۰) آدمیوں کے ساتھ حلقۂ اسلام میں داخل ہو گئے۔

سیدہ اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا کے شوہر زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ بھی مدینہ جاتے ہوئے آپؐ سے ملے۔ یہ آپؐ کے پھوپھی زاد بھائی بھی تھے۔ انھوں نے آپؐ کو سفید پارچہ جات پیش کیے۔ ایک جوڑا انہوں نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بھی پیش کیا۔ (بخاری:۱/۵۵۴)

Marfat.com

مدینہ میں خوشی کی لہر

مدینہ والوں کو پتہ چل گیا تھا کہ ان کا محبوب آقا ﷺ مکہ مکرمہ سے مدینہ کے لیے نکل چکا ہے۔ اب ایک ایک گھڑی گنی جارہی تھی۔ لوگ روزانہ طلوع آفتاب سے بہت پہلے پو پھٹنے کے وقت اُٹھتے اور مدینہ منورہ سے ''حرہ'' کے مقام پر آجاتے اور آفتاب رسالت ﷺ کے طلوع ہونے کا انتظار کرنے لگتے۔ جب آفتاب کی تمازت تیز ہوجاتی اور مسافروں کی آمد کا سلسلہ ختم ہوجاتا تو وہ مرجھائے دلوں کو بے تاب سینوں میں دبائے ہوئے واپس ہوجاتے۔ ایک روز حسب معمول طویل انتظار کے بعد نہایت افسردگی اور پژمردگی کے ساتھ جب وہ واپس جارہے تھے تو ایک یہودی ایک ٹیلے پر کچھ دیکھنے کے لیے چڑھا۔ اس نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ اپنے ساتھی کے ساتھ سفید کپڑوں میں ملبوس تشریف لارہے ہیں۔ اس نے بے خود ہوکر بلند آواز سے کہا: ''اے بنی قیلہ! تمہارا مبارک بخت اور خوش نصیبی کا سامان آپہنچا۔'' (زرقانی: ۱/۳۵۰، فتح الباری: ۷/۱۸۹، البدایہ والنہایہ: ۳/۱۹۶)

اس ایک آواز نے واپس جانے والوں کو وارفتہ مسرت بنادیا۔ اہل قبا کے کانوں میں بھی یہ آواز پڑی۔ وہ بھی بے تابی سے دوڑے آئے اور حرہ پہنچ کر رسول اللہ ﷺ کے زیر پا اپنی آنکھیں بچھائیں اور نظر اشتیاق کو فرش راہ بنایا۔

مدینہ منورہ سے ۵ کلومیٹر دور ایک آبادی ہے جس کا نام ''قباء'' ہے، یہاں انصار کے کچھ خاندان آباد تھے۔ سب سے زیادہ عمرو بن عوف کا خاندان آباد تھا۔ یہ خاندان قبیلہ اوس کا بطن تھا۔ (فتح الباری: ۷/۱۹۴) یہودی کی یہ آواز سننے والے خوش نصیب اسی قبیلہ کے لوگ تھے۔ (طبقات ابن سعد: ۱/۱۵۰) عرب کا یہ دستور تھا کہ وہ اپنے مہمانوں کا استقبال ہتھیاروں سے آراستہ ہوکر کیا کرتے تھے۔ اس بے تابی میں بھی انھوں نے اپنی اس آن اور شان کو نہیں چھوڑا۔ چنانچہ وہ پہلے ہتھیاروں کی طرف لپکے پھر استقبال کو دوڑے۔ (بخاری: ۱/۵۵۲)

کلثوم بن ہدم قبیلہ عمرو بن عوف کا رئیس تھا۔ آپؐ نے اس کے ہاں قیام فرمایا۔ (زاد المعاد: ۲/۵۴)

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ''سنح'' میں قیام فرمایا۔ (ابن سعد: ۱/۱۵۰)

سیدنا علی رضی اللہ عنہ بھی حضور ﷺ کے آنے کے بعد تین روز مکہ میں ٹھہرے اور لوگوں کی امانتیں ان کے سپرد کرکے آپؐ سے آملے اور انھوں نے بھی کلثوم بن ہدم کے ہاں قیام فرمایا۔ (زاد المعاد: ۲/۵۴)

Marfat.com

رسول اللہ ﷺ نے چار روز قباء میں قیام فرمایا۔اس دوران آپؐ نے مسجد قباء کی بنیاد رکھی جس کے بارے میں قرآن حکیم نے کہا ہے کہ ''یہ وہ مسجد ہے جس کی بنیاد اول روز ہی سے تقویٰ پر رکھی گئی ہے۔'' (روض الانف:۲/۱۱)

پانچویں روز آپؐ بنونجار کے مسلح حضرات کی معیت میں مدینہ منورہ کی جانب روانہ ہوئے۔اپنی اونٹنی قصواء پر آپؐ سوار تھے اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ردیف تھے۔یہ وہی اونٹنی تھی جس پر آپ ﷺ نے سفر ہجرت طے فرمایا تھا۔(بخاری:۱/۵۵۵،زادالمعاد:۲/۵۵،سیرۃ ابن ہشام:۱/۴۹۴،ابن سعد:۱/۱۶۰)

راستہ میں زیارت کرنے والے مردوں،عورتوں اور بچوں کا ایک ہجوم تھا جو ابھی حلقۂ اسلام میں داخل نہیں ہوئے تھے۔لڑکے اور بچے جوش مسرت سے نعرہ لگا رہے تھے۔

الله اكبر جاء محمد ، الله اكبر جاء محمد۔ (البدایہ والنہایہ:۳/۱۹۷)

اہل یثرب کے لیے یہ دن سب سے زیادہ خوشی اور مسرت کا دن تھا کیونکہ آج آسمان نبوت کا نیر تاباں ﷺ سرزمین یثرب پر اتر رہا تھا۔اس لیے آج ہر طرف یہی صدا تھی۔''جاء نبی الله'' اللہ کا نبی آ گیا۔یہ نہایت تابناک دن تھا۔گلی کوچے تحمید وتقدیس کے کلمات سے گونج رہے تھے۔

ناقہ چلتی رہی۔ہر قبیلے کی یہ خواہش تھی کہ حضور ﷺ میرے ہاں قیام فرمائیں۔آپؐ نے اصرار کرنے والوں سے فرمایا کہ یہ اونٹنی مامور ہے جہاں بیٹھ جائے گی وہیں قیام ہوگا۔(طبقات ابن سعد:۱/۱۶۰،فتح الباری:۷/۱۹۶)

آخر بنونجار کا قبیلہ آ گیا۔یہاں ناقہ جب اس جگہ پہنچی جہاں آج مسجد نبوی ﷺ ہے تو ناقہ بیٹھ گئی۔ آپؐ نے فرمایا:''هذا ان شاء الله المنزل'' یہیں ان شاء اللہ منزل ہوگی۔(بخاری:۱/۵۵۵)

بنونجار آپؐ کے ننھیال کا قبیلہ تھا۔آپؐ ان کے ہاں قیام فرما کر ان کی عزت افزائی فرمانا چاہتے تھے۔ اب قیام کا مسئلہ تھا۔سیدنا ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ! یہ میرا مکان ہے اور یہ میرا دروازہ ہے۔'' وہ حضور ﷺ کو لے گئے اور آپ کو آرام کرایا۔(فتح الباری:۷/۲۰۱،زادالمعاد:۲/۵۵)

پہلے آپؐ نے سیدنا ابوایوب رضی اللہ عنہ کے مکان کی نیچے والی منزل میں قیام فرمایا۔ایک روز ابوایوب رضی اللہ عنہ کو خیال آیا کہ سرور کون ومکان ﷺ نیچے اور ہم اوپر،کیسی بے ادبی ہے۔فوراً ایک کنارے پر سمٹ گئے اور اسی طرح رات گزار دی۔صبح ہوئی تو حضور ﷺ سے درخواست کی کہ آپؐ اوپر قیام فرمائیں۔آپؐ نے فرمایا:''آنے جانے والوں کی اسی میں آسانی ہے۔'' سیدنا ابوایوب رضی اللہ عنہ نے دست بستہ عرض کیا:''میں تو اس چھت پر چڑھ نہیں سکتا جس کے نیچے آپؐ ہوں۔'' سرکار دو عالم ﷺ نے درخواست منظور فرما لی اور اوپر والی منزل میں منتقل ہو گئے۔(وفاء الوفاء:۱/۱۸۸،مسلم:۲/۱۸۳)

سیدنا ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے مکان پر آپؐ نے سات ماہ قیام فرمایا۔جب مسجد اور حجرے تیار ہو گئے تو اس وقت آپ ﷺ وہاں تشریف لے گئے۔

یہاں آپؐ کی مکی زندگی اور اسلامی دعوت کا ایک دور ختم ہو جاتا ہے۔اب اس کے بعد آپؐ کی زندگی کا دوسرا دور شروع ہوتا ہے جس کو ''مدنی دور زندگی'' کہتے ہیں۔

Marfat.com

حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ میں

مدینہ طیبہ کا پرانا نام یثرب تھا۔ اب آپؐ کے تشریف لانے کی وجہ سے ''مدینۃ النبی ﷺ'' کے نام سے مشہور ہو گیا۔ رسول اللہ ﷺ اور آپؐ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اب ایک آزاد فضا میں سانس لینے لگے۔ یہاں مکہ کی گھٹن نہیں تھی جس میں ہر وقت جان کا خطرہ رہتا تھا۔ یہاں مکہ کے وہ سردار نہیں تھے جو مسلمانوں کو کمزور سمجھ کر ہر وقت ان کے درپے آزار رہتے تھے۔ مسلمانوں نے چند ہی دنوں میں محسوس کر لیا کہ اب زندگی کے دن پھرنے والے ہیں۔ مدینہ طیبہ میں مسلمانوں کو تین قسم کے لوگوں سے واسطہ پڑا:

① مدینہ طیبہ کے قدیم قبائل سے تعلق رکھنے والے مشرکین۔

② یہود مدینہ جن کے تین قبیلے تھے: بنونضیر، بنوقریظہ اور بنوقینقاع۔

③ منافقین جو عبداللہ بن ابی کے پیروکار تھے۔

رسول اللہ ﷺ جب مدینہ طیبہ تشریف لائے تو یہود کے کئی علماء آپ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور آپؐ سے مختلف قسم کے کئی سوالات کیے کیونکہ انھیں علم تھا کہ وہ نبی جس کی بشارت سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے دی ہے وہ عنقریب سرزمین بطحاء میں مبعوث ہونے والا ہے۔ (فتح الباری: ۷/۲۱۳، ۲۱۴، ۳۱۴ وغیرہ) ان علماء میں چند ایک ایمان بھی لائے جن میں سیدنا عبداللہ بن سلام اور سیدنا میمون بن یامین رضی اللہ عنہما قابل ذکر ہیں۔ ان یہودی علماء میں سے اکثر محروم القسمت ایسے بھی تھے جو آپ ﷺ کے بارے میں سب کچھ جاننے کے باوجود بھی دولت ایمان سے محروم رہے۔ چنانچہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ایک روایت نقل کی ہے کہ علمائے یہود میں سب سے پہلے حی بن اخطب (والد ام المومنین سیدہ صفیہ سلام اللہ علیہا) کا بھائی ابو یاسر آپؐ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور آپؐ کی باتیں سنیں۔ جب شام کو وہ واپس گیا تو اپنی قوم سے کہا: ''میری بات مانو اور اس نبی ﷺ پر ایمان لے آؤ کیونکہ یہ وہی نبی ﷺ ہے جس کا ہم مدتوں سے انتظار کر رہے تھے'' لیکن اس کے بھائی حی بن اخطب نے اس کے منہ سے جب یہ بات سنی تو اس نے اس کی سخت مخالفت کی۔ لہٰذا اس پر شیطان غالب آیا اور قبولیت حق سے اسے روکا۔ حیی بن اخطب چونکہ قوم کا سردار اور رئیس تھا لہٰذا قوم نے اس کی بات مانی اور ابو یاسر کی بات نہ مانی۔ (فتح الباری: ۷/۲۱۳)

مختصر یہ کہ یہودیوں میں سے صرف چند لوگ آپ ﷺ پر ایمان لائے جبکہ اکثریت دولت ایمان سے محروم رہی۔ مکہ میں کوئی یہودی نہیں تھا لہٰذا یہودیوں سے یہ آپ ﷺ کا پہلا واسطہ تھا۔

Marfat.com

انصار مدینہ سے مواخات:

انصار مدینہ، مدینہ طیبہ کے اصل باشندے تھے۔ یہ اخلاص وایثار کے پیکر تھے۔ انھوں نے بیعت عقبہ ثانیہ میں آپ ﷺ کے ساتھ جو وعدے کیے تھے، ان کو آخر تک نبھایا، لہٰذا رسول اللہ ﷺ نے مدینہ طیبہ میں تشریف لاتے ہی انصار کے ساتھ مہاجرین کا بھائی چارہ قائم کر دیا۔ یہ بھائی چارہ اور مواخات سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے مکان پر ہوئی۔ (عیون الاثر:۱/۳۲۲) کل نوے آدمی تھی۔ ان میں آدھے مہاجر اور آدھے انصار تھے۔ بھائی چارے کی بنیاد امام سہیلی کے قول کے مطابق یہ تھی کہ مہاجرین کے دلوں سے غربت اور اجنبیت کی وحشت کو دور کیا جائے اور ایک دوسرے کے دلوں میں غم خواری کے جذبات پیدا کیے جائیں تاکہ جاہلیت کی تمام عصبیتیں تحلیل ہو جائیں۔ نسل ورنگ اور وطن کے تمام امتیازات ختم ہو جائیں۔ غیرت وحمیت جو کچھ ہو وہ صرف اور صرف اسلام کے لیے ہو۔ غم گساری اور موانست کے جذبات معاشرہ میں پیدا ہوں۔ انصار نے اس بھائی چارے کو اس طریق سے نبھایا کہ چشم فلک نے آج تک کبھی ایسی اخوت کا مظاہرہ نہیں دیکھا۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو السیرۃ النبویہ لابن ہشام:۱/۵۰۴۔۵۰۵، عیون الاثر:۱/۳۲۴، الدرر فی المغازی والسیر لابن عبدالبر:ص ۹۱۔۹۲، فتح الباری:۷/۲۱۰)

ایسے غم گسار، غم خوار، ہمدرد اور ایثار واخلاص کے پتلے تو حقیقی اور سگے بھائی بھی نہیں ہوتے جیسے انصار مہاجرین کے لیے تھے۔ انصار کی اس بے مثال غم گساری، ہمدردی اور ایثار کو دیکھ کر ایک روز مہاجرین نے سرکار دو عالم ﷺ کی خدمت اقدس میں عرض کیا کہ ''اے اللہ کے رسول ﷺ! جس قوم میں ہم آئے ہیں ہم نے ان سے زیادہ کسی قوم کو غم گسار اور ایثار پیشہ نہیں دیکھا۔ ہمیں اندیشہ ہے کہ کہیں سارا اجر وثواب وہی حاصل نہ کر لیں اور ہم اس ثواب اور اجر سے محروم اور خالی رہ جائیں۔'' آپؐ نے جواب میں فرمایا: ''نہیں، جب تک تم ان کے لیے دعا کرتے رہو۔'' (عیون الاثر:۱/۳۲۲، مسند احمد:۳/۲۰۰، البدایہ والنہایہ:۳/۲۲۸)

معلوم ہوا کہ دعا کا احسان درہم ودینار کے احسان سے کم نہیں بلکہ کچھ زیادہ ہی ہے۔ ایک مخلصانہ دعا خزائن عالم سے بڑھ کر قیمتی ہے۔

مسجد نبوی ﷺ کی تعمیر:

قباء کے عارضی قیام میں اگرچہ آپؐ نے مسجد کی بنیاد ڈال دی تھی اور رسول اللہ نے اپنے میزبان کلثوم بن ہدم رضی اللہ عنہ کے میدان میں ایک مسجد تعمیر کی لیکن وفاء الوفاء کی ایک روایت کے مطابق اس وقت اس مسجد کی تعمیر کی تکمیل نہ ہوئی تھی بلکہ بعد میں ہوئی۔ قباء سے مدینہ تشریف آوری پر جس جگہ آپؐ کی ناقہ بیٹھی تھی وہ جگہ آپؐ نے مسجد نبوی کے لیے منتخب فرمائی۔ یہ جگہ دو یتیم بچوں کی تھی۔ یہ جگہ طول وعرض میں سو گز تھی۔ آپؐ نے ان دو یتیم بچوں کو بلایا۔ آپؐ نے ان سے یہ زمین خرید لی اور اس جگہ کی قیمت سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ادا کی جو کہ دس دینار تھی۔

(فتح الباری:۷/۱۹۳)

Marfat.com

مسجد نبوی ﷺ کی تعمیر شروع ہوئی، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہی معمار تھے اور وہی اللہ کے اس گھر کے مزدور بھی تھے۔ چنانچہ اس سادگی کے ساتھ سرکار دو عالم ﷺ اور آپؐ کے ساتھیوں نے اس مسجد کو تعمیر کیا کہ دیواریں کچی اینٹوں کی تھیں اور ستون کھجور کے تنوں کے۔ کھجور ہی کی شاخوں اور پتوں کی چھت تھی۔ جب بارش ہوتی تو پانی اوپر سے ٹپکتا۔ بعد میں چھت کی لپائی کرادی گئی۔ مسجد کا فرش بالکل کچا تھا۔ جب بھی بارش ہوتی تو چھت ٹپکتی اور کیچڑ ہو جاتا، اس لیے کچھ دنوں کے بعد فرش پر کنکریاں بچھادی گئیں۔ (وفاء الوفاء: ۱/۳۷۲)

بعد میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں تمام مسجد کا فرش کنکریوں کا کر دیا گیا۔ (وفاء الوفاء: ۱/۴۷۳)

جانب شمال کی دیوار جو پہلے قبلہ کی دیوار تھی اس سے متصل ایک مسقّف چبوترہ بنا دیا گیا جو ''صفہ'' کہلاتا تھا۔ اس میں وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رہتے تھے جن کا کوئی گھر بار نہیں تھا اور وہ روحانی تربیت اور دینی تعلیم کے لیے یہاں رہا کرتے تھے۔ (وفاء الوفاء: ۱/۲۶۲، طبقات ابن سعد: ۲/۱۳، بخاری: ۱/۶۳)

ان حضرات کی تعداد گھٹتی بڑھتی رہتی تھی۔ (فتح الباری: ۱۱/۲۱۵)

مسجد کی تعمیر سے فراغت کے بعد آپؐ نے مسجد سے متصل ہی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے لیے حجروں کی بنیاد رکھی۔ اس وقت تک چونکہ سیدہ سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا اور سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہی حبالۂ عقد میں آئی تھیں، اس لیے آپؐ نے صرف دو حجرے تیار کروائے بعد میں اور حجرے تعمیر ہوتے رہے۔ (وفاء الوفاء: ۱/۳۲۵)

نماز جنازہ کی جگہ:

مسجد کی تعمیر کے ساتھ ہی آپؐ نے نماز جنازہ کے لیے بھی جگہ تیار کرائی۔ اس سے یہ بھی پتہ چلا کہ نماز جنازہ مسجد میں پڑھنی بغیر عذر کے جائز نہیں وگرنہ آپؐ مسجد کی تعمیر کے ساتھ جنازہ پڑھانے کے لیے الگ جگہ تیار نہ کرواتے۔ چنانچہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور امام مالک رحمہ اللہ کا یہی مذہب ہے کہ کسی شرعی عذر کے بغیر مسجد میں نماز جنازہ مکروہ ہے۔

اذان کی ابتداء:

مسجد کی تکمیل کے ساتھ اذان کی ابتداء بھی ہوگئی۔ اس سے قبل نماز باجماعت کے لیے کوئی خاص انتظام نہیں تھا۔ چنانچہ نماز باجماعت کے لیے لوگوں کو گھروں سے بلانے کے لیے یہ سوال سامنے آیا کہ انھیں کیسے بلایا جائے؟ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے مختلف تجاویز پیش کیں لیکن نگاہِ نبوت میں وہ سب طریقے صحیح نہ تھے۔ آخر سیدنا عبداللہ بن زید کے خواب کی وجہ سے اذان کا طریقہ اختیار کیا گیا۔ جس کی تفصیل فتح الباری، زرقانی اور روض الانف وغیرہ میں موجود ہے۔ عیون الاثر: (۱/۲۲۸) میں بھی یہی لکھا ہے۔

اسی دوران میں آپؐ کے گھر والے بھی آ گئے۔ البتہ رسول اللہ کی ایک صاحب زادی سیدہ زینب رضی اللہ عنہا اپنے خاوند ابوالعاص کے پاس رہ گئیں۔ وہ پھر سنہ ۲ھ میں جنگ بدر کے بعد تشریف لائیں۔ (زادالمعاد: ۲/۵۵)

Marfat.com

میثاق مدینہ

مدینہ طیبہ پہنچنے پر فوری طور پر جو اہم ترین کام آپ ﷺ نے کیے ان میں یہود کے ساتھ ایک معاہدہ بھی تھا۔ مدینہ اور اس کے مضافات بلکہ پورے جزیرہ نما عرب میں چونکہ قبائلی سسٹم تھا، کوئی باقاعدہ حکومت نہ تھی، اس وجہ سے وہاں معاہدات کا نظام ہی مختلف قبائل کو جوڑتا تھا۔ اسی لیے ہر قبیلہ کے کچھ حلیف اور معاہد قبائل ہوتے تھے۔ جنگ کی صورت میں ہر حلیف اور معاہد قبیلہ اپنے قبیلہ کا ساتھ دیتا تھا۔

مدینہ طیبہ میں دو بڑے قبیلے تھے اوس اور خزرج۔ ان کے بھی دوسرے قبائل کے ساتھ معاہدات تھے جیسے بنو قریظہ قبیلہ اوس کے حلیف تھے۔ ان معاہدات میں نہ صرف دفاع کی ذمہ داری ہوتی تھی بلکہ ان میں ایک شق یہ بھی ہوتی تھی کہ اگر حلیف قبیلہ کا کوئی شخص کسی کو قتل کر دے تو اس کی تلافی کی صورت کیا ہوگی؟ چنانچہ بعض صورتوں میں قصاص ہوتا تھا اور بعض میں دیت جو کہ سو اونٹ مقرر تھے، دی جاتی تھی۔ بعض صورتوں میں ''خون بہا'' قاتل یا اس کے اہل خانہ سے وصول نہیں کیا جاتا تھا بلکہ اس قاتل کی سوسائٹی سے وصول کیا جاتا تھا جس کو ''عاقلہ'' کہتے تھے۔

مہاجرین جو قریش مکہ سے تعلق رکھتے تھے، مدینہ والوں کے لیے ایک انوکھا عنصر تھے۔ یہ حضرات انھیں خود دعوت دے کر مدینہ لائے تھے۔ ان میں آپ ﷺ نے جو بھائی چارہ قائم کیا تھا، اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ ان میں دوری ختم ہو کر یک سوئی پیدا ہو جائے اور وہ ایک طاقت ور گروپ بن جائیں۔

چنانچہ آپؐ نے ہجرت مدینہ کے پانچ ماہ بعد (تاریخ الخمیس: ۱/ ۳۹۸) مہاجرین و انصار اور ان تمام قبائل میں جو مشرکین اور یہود سے تعلق رکھتے تھے بقائے باہمی اور خیر خواہی کے لیے ایک معاہدہ مرتب فرمایا۔ یہ گویا ایک وفاق کا دستور اساسی تھا جس سے مشرکین مکہ اور دوسرے تمام سازشی عناصر کی تمام کوششیں ناکام ہو گئیں جو انھوں نے مہاجرین کے مدینہ پہنچنے پر شروع کر دی تھیں۔ چنانچہ بعض روایات میں ہے کہ قریش مکہ نے مشرکین مدینہ کو خط لکھا کہ ''مسلمانوں کو مدینہ سے نکال دو یا ان سے جنگ کرو، ورنہ ہم مدینہ پر حملہ کر کے تمھارے نوجوانوں کو قتل کر دیں گے اور تمھاری عورتوں کی عزت و آبرو پامال کر دیں گے۔''

اس عہد نامے کا ایک فریق حضرات قریش ہیں جو مسلمان ہونے کی وجہ سے ہجرت کر کے مکہ سے مدینہ

Marfat.com

منورہ آئے تھے جس کو معاہدہ میں ''المومنین والمسلمین من قریش'' کے لفظ سے تعبیر کیا گیا۔ دوسرا فریق اہل یثرب ہیں۔ کسی مذہبی فرقہ سے نہیں بلکہ یثرب کے باسی ہونے کی حیثیت سے آپؐ نے ان سے معاہدہ کیا تھا۔ اس میں انصار مدینہ بھی شامل ہیں اور وہ لوگ بھی جو مسلمان تو نہیں لیکن یثرب میں رہتے ہیں۔ ان میں مشرکین مدینہ بھی ہیں اور منافقین بھی جن کا رئیس عبداللہ بن ابی تھا۔

اس عہد نامہ یا میثاق مدینہ جس میں قریباً چالیس شقیں شامل تھیں، آپؐ نے اپنے آپ کو کوئی فریق نہیں بنایا بلکہ خود آپ ﷺ کو ایک سرپرست کی حیثیت دی جس سے آپؐ کو ایک مرکزی شخصیت تسلیم کیا گیا اور یہ طے پایا کہ باہمی نزاعات اور جھگڑوں میں آپؐ کی ذات اقدس کو مرجع تسلیم کیا جائے گا اور اس بارے میں آپ ﷺ کا فیصلہ آخری ہوگا۔ دنیا کی تاریخ میں اس ''میثاق مدینہ'' کو یہ اہمیت دی گئی ہے کہ اسے دنیا میں ''بنیادی حقوق کی سب سے پہلی بنیادی دستاویز'' کہا گیا ہے۔ اس عہد نامہ میں کل ۴۱ دفعات ہیں۔

(یہ پورا عہد نامہ السیرۃ النبویہ لابن ہشام: ۲/۵۰۱ پر دیا گیا ہے)

Marfat.com

سنہ ۲ ہجری

تحویل قبلہ اور غزوات کی ابتداء

سنہ ۲ھ میں امت مسلمہ میں ایک بہت بڑا انقلاب رونما ہوا کہ دنیا کی سب سے افضل امت کو سب سے افضل قبلہ عطا کیا گیا۔ عبادت کے لیے ایک قبلہ ضروری ہوتا ہے جس کی طرف رخ کر کے کوئی امت جہاں کہیں بھی ہو، اپنی عبادت کی تکمیل کر سکے۔ یہ درست ہے کہ نیکی اور بھلائی مشرق یا مغرب کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے میں نہیں بلکہ عبادت، نیازمندی اور فروتنی کا تعلق قلب اور اندرونی احساس سے ہے لیکن پھر بھی وحدت قومی اور افراد میں یک جہتی اسی سے پیدا ہوتی ہے کہ پوری قوم کی عبادت ایک ہی طرح اور ایک ہی رخ پر ہو۔

قبلے کی تبدیلی صرف ایک رخ کی تبدیلی نہیں بلکہ ایک مرکز کی تبدیلی ہے جیسے جھنڈا ایک نشان قومیت بن جاتا ہے حالانکہ جھنڈا قوم خود بناتی ہے، لیکن وہی جھنڈا پوری قوم کے لیے نشان عظمت بن جاتا ہے اور اس کی سربلندی اور سرنگونی قوم کی قسمت کا فیصلہ سمجھا جانے لگتا ہے۔ پھر قبلہ قوم اور ملت کا ایک امتیازی شعار ہوتا ہے جس کے بغیر اس قوم کی مستقل ہستی قائم نہیں ہو سکتی۔ اگرچہ آپ ﷺ یہ سمجھتے تھے کہ مشرق و مغرب اللہ ہی کا ہے اور ہر جانب، ہر سمت اور ہر جگہ اس کا جلوہ یکساں ہے لیکن اب جب کہ خلافت الٰہیہ بنی اسرائیل سے بنی اسماعیل میں تبدیل ہوئی تو بنی اسماعیل کا قبلہ بھی تبدیل ہونا چاہیے، اس لیے آپ ﷺ بار بار اوپر کی سمت نظر اٹھاتے کہ شاید قبلہ کی تبدیلی کا حکم آ جائے۔ چنانچہ ہجرت سے سوا سال بعد بذریعہ وحی قبلہ تبدیل ہو گیا۔ (البقرہ ۲:۱۴۴)

تبدیلی قبلہ کا حکم کوئی معمولی حکم نہ تھا۔ یہ ایک انقلاب انگیز حکم تھا۔ قبلہ کی اس تبدیلی کا مطلب یہ تھا کہ کئی ہزار سالہ خلافت الٰہیہ کا منصب بنو اسرائیل سے چھین کر بنو اسماعیل کے سپرد کیا جا رہا ہے کیونکہ "لا ینال عهدی الظالمین" کے مطابق وہ اب ظالم تھے۔

اذن جہاد:

اسلام سلامتی کا دین ہے، لڑائی جھگڑے کا دین نہیں۔ وہ دین کے بارے میں جبر و اکراہ کو ناپسند کر

Marfat.com

ہے۔"لا اکراہ فی الدین" دین کے بارے میں کوئی جبر نہیں۔مسئلہ جہاد کی وجہ سے اسلام کو ایک ایسا دین بتایا جاتا ہے جس میں لوگوں پر جبر کر کے ان کو مسلمان بنایا جاتا ہے۔اسلام میں جہاد کا وہ تصور نہیں ہے جو مشرکین یا مستشرقین بیان کرتے ہیں یعنی قتل وخونریزی۔ بلکہ پیغمبر اسلام ﷺ کی زندگی میں ۲۳ سال میں ۸۱ غزوات وسرایا پیش آئے ان میں صرف ۲۷ میں آپ شریک ہوئے اور با قاعدہ جنگ صرف چند ہی غزوات میں پیش آئی۔ان تمام لڑائیوں میں مسلمان صرف ۲۵۹ شہید اور غیر مسلم ۷۵۹ قتل ہوئے۔ گویا کل ۱۰۱۸ آدمی قتل ہوئے۔اتنے آدمیوں کے قتل سے آپ ﷺ نے تاریخ کا وہ انقلاب عظیم برپا کیا جس نے تاریخ انسانی کے دھارے کو بدل کر رکھ دیا،لہٰذا یہ کہنا کہ اسلام قتل وغارت گری کا دین ہے،حقیقت کا منہ چڑانا ہے۔

سنہ ۲ھ میں جہاد کا حکم دیا گیا۔کس وجہ سے یہ حکم دیا گیا؟اس کی وجوہات اور اسباب بیان کیے گئے ہیں۔ مسلمان جب ہجرت کر کے مدینہ طیبہ گئے تو اہل مدینہ کو قریش نے ایک دھمکی آمیز خط لکھا جس میں دوٹوک لفظوں میں یہ لکھا:

"آپ لوگوں نے ہمارے صاحب کو پناہ دے رکھی ہے،اس لیے ہم اللہ کی قسم کھاتے ہیں کہ یا تو تم لوگ ان کو قتل کر دو یا مدینہ سے نکال دو یا پھر ہم لوگ ایک بھاری جمعیت کے ساتھ آپ لوگوں پر یورش کر دیں گے اور تمھارے مردوں کو قتل کر کے تمھاری عورتوں کی حرمت کو پامال کر دیں گے۔" (سنن ابی داؤد:۲/۶۷)

مدینہ میں بھی یہود اور منافقین کا گروہ آپ ﷺ کا سخت مخالف تھا۔ چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان مخدوش حالات کے باعث راتوں کو جاگ جاگ کر رسول اللہ ﷺ کی حفاظت کرتے تھے۔ (بخاری:۱/۴۰۴،مسلم:۲/۲۸۰)

ان پُرخطر حالات میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو جنگ کرنے کی اجازت دی اور ان کی بے بسی کو ان الفاظ میں بیان فرمایا:

﴿اَلَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ بِغَیْرِ حَقٍّ اِلَّا اَنْ یَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ﴾ (حج ۲۲:۴۰)

"یعنی یہ وہ مظلوم ہیں جو بغیر کسی حق کے اپنے گھروں سے نکال دیئے گئے۔ان کا کوئی جرم نہ تھا اگر تھا تو صرف یہ کہ وہ کہتے تھے کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے۔"

ایک اور آیت میں فرمایا:

﴿اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰی نَصْرِهِمْ لَقَدِیْرُ﴾ (حج ۲۲:۳۹)

"یعنی جن لوگوں کے خلاف ظالموں نے جنگ کر رکھی ہے اب انھیں بھی (اس کے جواب میں) جنگ کی اجازت دی جاتی ہے کیونکہ ان پر سراسر ظلم کیا گیا اور اللہ ان کی مدد کرنے کی پوری قدرت رکھتا ہے۔"

امام زرقانی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ جہاد کی یہ اجازت ۱۲ صفر سنہ ۲ھ کو دی گئی۔ (زرقانی:۱/۴۴۰)

Marfat.com

غزوات وسرایا

غزوات غزوہ کی جمع ہے۔ اصحاب سیر کی اصطلاح میں غزوہ اس مہم کو کہتے ہیں جس میں نبی اکرم ﷺ نے خود شرکت فرمائی اور سرایا سریہ کی جمع ہے جس میں آپ ﷺ خود شریک نہیں ہوئے۔ (زرقانی:۱/۳۸۷)

بارگاہِ ایزدی سے جنگ کی اجازت ملنے کے بعد سرکار دو عالم ﷺ نے اپنی فوجی مہمات کا آغاز فرمایا۔ آپؐ نے مختلف فوجی دستوں کو ترتیب دیا اور انھیں مدینہ منورہ کے راستوں پر کڑی نظر رکھنے کی ہدایات فرمائیں اور قریش کے اموال کا خصوصی طور پر پتہ لگانے کے لیے کہا کیونکہ وہی اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کے سب سے بڑے دشمن تھے۔ دوسرا مقصد ان فوجی دستوں کے بھیجنے کا یہ تھا کہ مدینہ کے اطراف میں جو قبائل آباد ہیں ان سے معاہدات کیے جائیں۔ ان سے یہ فائدہ بھی تھا کہ آس پاس کے قبائل کو مسلمانوں کی عسکری طاقت کا احساس دلایا جائے اور انھیں بتایا جائے کہ قریش کے مقابلے میں مسلمان بھی اب کمزور نہیں ہیں۔ چنانچہ سنہ ۲ھ میں جو مشہور سرایا پیش آئے ان میں سریۂ حمزہ رضی اللہ عنہ، سریۂ عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ، سریۂ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ، غزوۂ ابواء، غزوۂ بواط، غزوۂ ذی العشیرہ اور سریۂ نخلہ وغیرہ زیادہ مشہور ہیں۔

غزوۂ بدر:

یہ غزوہ اسلام کے غزوات میں سب سے پہلا اور سب سے بڑا غزوہ ہے جس میں پورا کفر پورے اسلام کے سامنے آیا اور اسی غزوے نے اسلام کی عزت وشہرت چار دانگ عالم میں پھیلا دی اور شرک کی اتنی ذلت و رسوائی ہوئی کہ پھر وہ کھل کر مسلمانوں کے سامنے نہ آسکا۔ اس سے مسلمانوں کا رعب کافروں کے دلوں پر بیٹھ گیا۔ اسی لیے قرآن حکیم میں اس کو ''یوم الفرقان'' کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

اس غزوہ کے اسباب اور محرکات کئی تھے لیکن سب سے بڑا سبب ہمارے خیال میں ابوجہل کی وہ دھمکی تھی جو اس نے سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو اس وقت دی جب وہ طواف کعبہ کے لیے امیہ بن خلف کے ساتھ جا رہے تھے۔

اس متمدن اور مہذب دنیا کے اندر بھی کسی مطالبہ کو تسلیم کرانے کا پرامن طریقہ اقتصادی ناکہ بندی ہے۔

Marfat.com

مدینہ طیبہ کی بیدار مغز قیادت نے یہ طریقہ استعمال کیا۔ چنانچہ مختلف سرایا اور غزوات میں قریش کے تجارتی قافلوں کے تعاقب میں جو دستے روانہ ہوئے، ان کا مقصد بھی صرف یہ تھا کہ قریش کو مجبور کر دیا جائے کہ مسلمانوں کا مکہ میں داخلہ بے خطر ہو سکے، لیکن قریش مکہ کو مسلمانوں کی یہ بیدار مغزی اور جسارت کب برداشت ہو سکتی تھی۔

قریش مسلمانوں کی روز بروز ترقی سے نہایت خائف تھے۔ وہ مسلمانوں اور اہل مدینہ کو جنگ کے ذریعے ایک سبق سکھانا چاہتے تھے، لیکن جنگ کی تیاری کے لیے سرمایہ کی ضرورت تھی۔ اور اتنا سرمایہ اگرچہ ان کے پاس تھا لیکن بخل کی وجہ سے وہ اتنا سرمایہ لگانا نہیں چاہتے تھے۔ چنانچہ انھوں نے تجارت کے ذریعے سرمایہ فراہم کرنا چاہا۔ انھوں نے ایک تجارتی قافلہ شام بھیجا جس میں مکہ کے ہر مرد اور ہر عورت نے اپنی حیثیت کے مطابق سرمایہ لگایا۔ اس طرح مجموعی رقم جو اکٹھی ہوئی وہ پچاس ہزار دینار تھی۔ (طبقات ابن سعد: ۲/۷) قریباً ہر قبیلے کا نمائندہ اس میں شریک تھا، لہٰذا سربراہوں کی تعداد ایک روایت کے مطابق ۴۰ اور دوسری روایت کے مطابق ۷۰ تھی۔ (درمنثور: ۳/۱۶۴) ابوسفیان کو رئیس قافلہ مقرر کیا گیا کیونکہ انھیں تجارتی قافلوں کا زیادہ تجربہ تھا۔

دوسری طرف منصوبہ بنایا گیا کہ جب تک جنگ کی تیاری ہو اس وقت تک مسلمانوں سے چھیڑ چھاڑ جاری رکھی جائے۔ چنانچہ کرز بن جابر فہری نے مدینہ طیبہ کی چراگاہ پر جو شب خون مارا تھا وہ بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی تھی۔

اتنا بڑا تجارتی قافلہ جس میں پچاس ہزار دینار کا ساز و سامان موجود ہو اور ایک ہزار اونٹ اور قریش کے چالیس سے ستر اکابر کے ہاتھ میں اس کی زمام کار ہو، اس قافلے کا مکہ سے نکل کر شام کی طرف جانا کوئی سربستہ راز نہیں ہو سکتا۔ اس کی خبر مدینہ میں بھی پہنچی۔ قدرتی بات ہے کہ یہ خبریں اہل مدینہ کے دلوں میں خوف و ہراس کی لہریں پھیلا رہی تھیں، لہٰذا بصیرت نبوی نے قریش کے اس خطرناک منصوبے کو ناکام بنانے کے لیے غزوہ ذی العشیرہ میں ڈیڑھ سو یا دو سو مہاجرین کی معیت میں خود اس قافلے کا تعاقب کیا لیکن وہ قافلہ آپؐ کے ہاتھ نہ لگا، رمضان المبارک میں یہی قافلہ بے شمار مال سے لدا پھندا واپس مکہ آ رہا تھا۔ آپ کو اس کی واپسی کی اطلاع ملی تو آپؐ نے سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا سعید بن زید رضی اللہ عنہ کو اس کے حالات کا پتہ لگانے کے لیے شمال کی جانب روانہ کیا۔ یہ دونوں صحابی مقام حوراء تک گئے۔ آپؐ کا یہ اقدام دشمن کی اقتصادی ناکہ بندی تھی کیونکہ اپنے آپ کو دشمن کے شر سے بچانا نہایت ضروری ہے۔ تجارتی قافلے کی واپسی شام سے کب ہوگی اور وہ کس راستہ سے واپس جائے گا، اس کا علم کسی کو نہیں تھا۔ یہ دونوں حضرات شمال کی طرف دور تک چلے گئے لیکن انھیں قافلے کے بارے میں کچھ پتہ نہ چلا۔ اسی اثنا میں سیدنا بسبس بن عمرو جہنی رضی اللہ عنہ کو بھی آپؐ نے مکہ مکرمہ کی طرف جانے والے راستہ پر بھیجا تھا۔ وہ واپس آئے اور تنہائی میں سرکار دو عالم ﷺ سے گفتگو کی، اس گفتگو کے فوراً بعد سرکار دو عالم ﷺ نے روانگی کا اعلان فرما دیا۔ انصار مدینہ کے پاس سواری کے اونٹ تو تھے لیکن رسول اللہ ﷺ ان کو لے کر اتنی جلدی مدینہ سے نکلے کہ وہ اپنی چراگاہوں سے اپنے اونٹ نہ لا سکے۔ (ملاحظہ ہو بخاری: ۱/۷۸، عمدۃ القاری للعینی وغیرہم)

Marfat.com

آپ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو لے کر باہر تو نکلے لیکن صحابہ کو معلوم نہیں تھا کہ کہاں جانا ہے؟ اگرچہ انھیں سفر کا اندازہ نہیں تھا لیکن مدینہ سے اتنی جلدی نکلنے کی وجہ سے وہ یہ سمجھتے تھے کہ سفر نہایت اہم ہے۔

مدینہ سے باہر نکل کر آپؐ نے اپنے رفقائے سفر کو جو شمار کیا تو ان کی تعداد ۳۱۳ تھی۔ ان ۳۱۳ کے پاس صرف ستر اونٹ اور دو گھوڑے تھے۔ صحابہ میں ۷۴ مہاجرین اور باقی انصار تھے۔ کسی کو یہ خیال نہیں تھا کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو جنگ پیش آئے گی۔ ارباب سیر نے لکھا ہے کہ اس سفر کے موقع پر حضرات انصار نے افسوس کا اظہار کیا اور بعد میں بھی افسوس کا اظہار کرتے رہے کہ اگر اس وقت جنگ کا خیال ہوتا تو انصار کی بہت بڑی تعداد آپؐ کی ہم رکابی کے سفر سے محروم نہ رہ جاتی۔ جونہی آپؐ کا قافلہ چلتا دو سیاہ جھنڈے آپؐ کے سامنے ہوتے تھے۔ ایک جھنڈا سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھا جس کا نام ''عقاب'' تھا۔ دوسرا جھنڈا ایک انصاری کے ہاتھ میں تھا۔ ایک اور علم سیدنا مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو عطا ہوا اس کا رنگ سفید تھا۔ (البدایہ والنہایہ: ۳/۱۶۰) سفر کرتے ہوئے آپؐ کی اپنے رفقاء پر نظر پڑی اور ان کی خستہ حالی کو دیکھا تو دعا فرمائی:

''اے اللہ! یہ برہنہ پا ہیں ان کو سواری عطا فرما، یہ ننگے بدن ہیں ان کو لباس عطا فرما، یہ تہی شکم ہیں ان کا شکم سیر فرما۔''

حافظ ابن کثیر نے اس بارے میں سیدنا ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے کہ ہماری اس جماعت نے سفر شروع کیا تو ایک یا دو روز بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حالات کا جائزہ لیتے ہوئے ہمیں فرمایا: ''ہماری روانگی کا علم اہل مکہ کو ہو گیا ہے، اگر وہ جنگ کے لیے آ جائیں تو ہمیں کیا کرنا چاہیے؟'' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس وقت جنگ کے لیے تیار نہیں تھے، اس لیے کچھ حضرات نے یہی عذر پیش کیا کہ ہمارے سامنے تو صرف قافلے کا معاملہ تھا۔ ہم جنگ کے لیے تیار ہو کر نہیں آئے تھے لیکن یہ صرف چند حضرات کی بات تھی۔ اکثریت کے دلوں میں ایک اور جذبہ بھی موجزن تھا اور ان کے قلوب میں ایک اور ولولہ بھی انگڑائیاں لے رہا تھا۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو، زرقانی: ۱/۴۱۲، بخاری: ۱/۵۶۴، فتح الباری: ۷/۲۲۳، عیون الاثر: ۱/۳۸۵، البدایہ والنہایہ: ۳/۲۶۲)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا تو سب صحابہ رضی اللہ عنہم نے یک زبان ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دیکھیں گے کہ ہم کس طرح جم کر لڑتے ہیں اور دعویٰ شجاعت کی تصدیق کس طرح اپنے عمل سے پیش کرتے ہیں۔ ہمیں پوری امید ہے کہ ہمارے کارنامے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں کی ٹھنڈک ثابت ہوں گے۔ آپؐ اللہ کا نام لیجیے اور آگے قدم بڑھایئے۔'' (زرقانی: ۱/۴۱۳، البدایہ والنہایہ: ۳/۲۶۴، عیون الاثر: ۱/۳۸۶)

لشکر قریش کی مکہ سے روانگی:

ابوسفیان ایک ہوشیار اور بیدار مغز تاجر تھے بلکہ ایک حوصلہ مند جرنیل اور صاحب بصیرت و فراست لیڈر

Marfat.com

تھے۔اسی وجہ سے اہل مکہ نے انھیں اس تجارتی قافلہ کا سردار اور رئیس بنایا تھا۔ابوسفیان کو بخوبی علم تھا کہ تمام اہل مکہ کی ہمدردیاں ان کے ساتھ ہیں کیونکہ تمام اہل مکہ کا سرمایہ اس قافلہ میں لگا ہوا ہے، لہٰذا انھوں نے اس قافلہ کو مسلمانوں کی دست برد سے بچانے کے لیے مناسب تدابیر کیں اور اہل مکہ کو بھی ہوشیار کر دیا کہ وہ بھی قافلہ کے سرمایہ کو تاخت وتاراج ہونے سے بچائیں۔

انھوں نے یہ تدبیر کی کہ مدینہ کا راستہ چھوڑ کر انھوں نے وہ راستہ اختیار کیا جو ساحل سمندر کو چھو کر گزرتا ہے۔اس طریقہ سے ابوسفیان نے قافلہ کو اس طرح محفوظ کر لیا، دوسری طرف حفظ ماتقدم کے طور پر ایک شخص ضمضم بن عمرو غفاری کو سونے کے بیس مثقال دیئے جن کا وزن آج کل کے حساب سے ساڑھے سات تولے ہوتا ہے اور اس کو پٹی پڑھائی کہ وہ فوراً مکہ پہنچ کر اپنے اونٹ کی ناک کاٹ دے اور تمام کپڑے پھاڑ کر برہنہ ہو جائے۔ اونٹ پر الٹا بیٹھ کر سارے شہر مکہ میں شور مچاتا ہوا گھوم جائے اور یہ آواز لگا دے کہ محمد (ﷺ) نے ابوسفیان کے تجارتی قافلے پر حملہ کر دیا ہے۔ ضمضم خود بھی بہت ہوشیار آدمی تھا لہٰذا اس نے بڑی ہوشیاری اور چالاکی سے ابوسفیان کی اس تدبیر پر عمل کیا۔اس سے تمام اہل مکہ ہوشیار ہو گئے۔

ضمضم نے مکہ میں وہی کچھ کیا جو ابوسفیان نے اسے کہا تھا۔اس آواز نے ابوجہل کو لیڈری چمکانے کا موقع دے دیا۔اب پورے مکہ کی زمام کار ابوجہل کے ہاتھ میں تھی۔اس نے لوگوں کے جذبات سے کھیلتے ہوئے فوراً تیاری کا حکم دے دیا۔چنانچہ دو تین روز کے اندر قریش کی ایک اچھی خاصی تعداد اسلحہ سے لیس ہو کر روانگی کے لیے تیار ہو گئی۔

ضمضم غفاری جس روز مکہ آیا اس سے تین روز قبل رسول اللہ ﷺ کی پھوپھی عاتکہ بنت عبدالمطلب کو ایک خواب آیا جس میں انھوں نے ایک شتر سوار کو مکہ آتے دیکھا۔اس نے ابطح کے میدان میں اونٹ کو بٹھا کر زور زور سے چیخ کر کہا:

''اے آل غدر! اپنی قتل گاہوں کی طرف تین دن کے اندر اندر چلے آؤ۔''

اس شتر سوار نے کعبہ اور جبل ابوقبیس کی چوٹی پر چڑھ کر بھی یہی آواز دی۔پھر اس نے پہاڑ کی چوٹی سے ایک پتھر نیچے لڑھکایا جو پہاڑ کے دامن میں پہنچ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا اور مکہ کا کوئی گھر ایسا نہ بچا جس میں اس کا کوئی ٹکڑا نہ گرا ہو۔ یہ خواب پورے مکہ میں پھیل گیا۔لیکن اس خواب کے ٹھیک تین روز بعد ضمضم غفاری نے مکہ میں لوگوں میں جنگ کے لیے جانے کی آواز لگائی۔اب قریش کے ہر شخص کو اپنی فکر لگ گئی اور قافلہ کو بچانے کے لیے جنگ کی تیاری میں مشغول ہو گیا لیکن عاتکہ کے خواب کی وجہ سے ان کے دلوں میں ایک نادیدہ خوف بھی پیدا ہو گیا۔

مختصر یہ کہ تین روز میں تیاری مکمل ہوئی اور مکہ کے بہادروں کی فوج اس شان سے مکہ سے روانہ ہوئی کہ ہر طرف جھنڈے لہرا رہے تھے اور رؤسائے قریش نہایت شان وشوکت کے ساتھ آگے آگے تھے۔قریش کے نو معزز آدمی اس کی رسد کے ذمہ دار تھے۔ایک روز نو اور ایک روز دس اونٹ ذبح کیے جاتے تھے۔ابوجہل نے پہلی

Marfat.com

منزل مرالظہران کے مقام پر دعوت کی۔ جب اونٹ ذبح کیے جا رہے تھے تو ایک اونٹ زخمی حالت میں ہاتھ سے نکل کر خیموں کی طرف بھاگا۔ اس کے سینہ سے خون کا فوارہ ابل رہا تھا۔ اس خون کے چھینٹے تمام خیموں پر پہنچے۔ کوئی ایک خیمہ بھی اس خون سے نہ بچا۔ یہ گویا عاتکہ کی خواب کی تعبیر کا ایک حصہ تھا۔ بنوعدی نے اس واقعہ سے متاثر ہو کر جنگ میں شرکت نہ کی اور راستے ہی سے واپس آ گئے۔

یہ مشتعل لشکر قرآن حکیم کے الفاظ میں ''بطراور یاء'' یعنی اکڑ اور ٹھاٹ کے ساتھ اتراتے ہوئے اور اپنی شان وشوکت دکھاتے ہوئے مدینہ طیبہ کی طرف روانہ ہوا۔ گویا پورا کفر پورے اسلام کے مقابلے میں جا رہا تھا۔

قریش نے مکہ سے آ کر ایک جانب پڑاؤ ڈالا تھا۔ اس کو قرآن نے دور کا نا کہ کہا ہے اور دوسری جانب سرکار دو عالم ﷺ کا پڑاؤ تھا۔ قرآن نے اس کو قریب کا نا کہ کہا ہے۔ سیدنا خباب بن منذر رضی اللہ عنہ کی عرض داشت پر آپؐ نے اپنی جگہ تبدیل فرما لی۔ (طبقات ابن سعد: ۹/۳) اب پانی کے چشموں پر مسلمانوں کا قبضہ تھا۔ دشمن گھوڑوں اور اونٹوں پر سوار تھے جب کہ مسلمانوں کی اکثریت پیدل تھی۔ چلتے وقت ان کے پاؤں ریت میں دھنستے تھے۔ پھر اسلحہ اور تعداد دونوں کی کمی تھی۔ ممکن تھا کہ ہمتوں میں پستی نمودار ہوتی لیکن فضل الٰہی نمودار ہوا۔ بادل امنڈ آئے۔ زور کی بارش ہوئی۔ موسم نہایت خوش گوار ہو گیا۔ پیروں کے دھنسنے کا خطرہ جاتا رہا۔ بارش کا پانی چھوٹے چھوٹے حوضوں میں اکٹھا کر لیا گیا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے غسل کیا۔ سفر کی تھکاوٹ اور تکان دور ہوئی اور ہر صحابی چاق و چوبند ہو گیا۔ پھر ایسی نیند آئی کہ رات بھر آنکھ نہ کھلی۔ اس نیند نے بھی ساری تکان دور کر دی۔

حوضوں میں پانی اگرچہ مسلمانوں نے اپنی ضرورت کے لیے اکٹھا کیا تھا لیکن رسول اللہ ﷺ نے دشمنوں کو بھی پینے کی اجازت مرحمت فرما دی۔ قریش چونکہ نشیبی علاقہ میں تھے اس لیے ان پر بارش کا اثر الٹا ہوا۔ بارش کی وجہ سے وہاں کیچڑ اور دلدل ہو گیا اور قریش کے لیے چلنا پھرنا مشکل ہو گیا۔

قریشی لشکر وادی کے دہانہ کے باہر تھا۔ رات اس لشکر نے وہیں گزاری۔ صبح اپنے دستوں کے ساتھ ٹیلے سے اتر کر بدر میں آئے۔ ان دستوں میں سے ایک دستہ رسول اللہ ﷺ کے حوض کی طرف بڑھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے روکنا چاہا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''انھیں چھوڑ دو'' لیکن ان میں سے جس جس نے بھی اس حوض سے پانی پیا وہ اس جنگ میں مارا گیا، صرف حکیم بن حزام باقی بچا جو مسلمان ہونے کے بعد جب بھی پختہ قسم کھاتے تو کہتے: ''اس ذات کی قسم جس نے مجھے بدر کے دن نجات دی۔''

دونوں طرف سے جنگ کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ کفر اور اسلام ایک دوسرے کے آمنے سامنے خیمہ زن تھے۔ صبح کیا کچھ ہونے والا تھا یہ کسی کو معلوم نہیں تھا۔ قریش کا لشکر رنگ رلیوں میں مصروف تھا جب کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھی سکون کی نیند سو رہے تھے، لیکن ایک ذات ایسی تھی جس کی آنکھیں نیند سے نا آشنا تھیں۔ وہ ذات قائد لشکر اسلام تھی۔ آپ ﷺ تمام رات ایک درخت کے نیچے بارگاہِ الوہیت میں دعا کرتے رہے۔ اصحاب سیر نے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب قریش کے لشکر کو پورے ساز وسامان کے ساتھ میدان کارزار

Marfat.com

میں دیکھا تو آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے حضور میں یوں دعا گو ہوئے:

''اے اللہ! یہ قریش ہیں جو اپنے پورے غرور اور تکبر کے ساتھ آئے ہیں۔ یہ تیری مخالفت کرتے ہوئے اور تیرے بھیجے ہوئے رسول ﷺ کی تکذیب کرتے ہوئے یہاں آئے ہیں۔ اے اللہ! اپنی فتح و نصرت نازل فرما جس کا تو نے وعدہ فرمایا ہے۔ اے اللہ! آج انھیں ہلاک کر دے۔''

رات ہی سے آپؐ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تیار کر دیا۔ آپ ﷺ نے تین پارٹیوں کے علم تین حضرات کو دیئے تھے۔ مہاجرین کا علم سیدنا مصعب رضی اللہ عنہ بن عمیر کو، اوس کا علم سیدنا سعد رضی اللہ عنہ بن معاذ کو اور قبیلہ خزرج کا علم سیدنا خباب رضی اللہ عنہ بن منذر کو دیا۔

رمضان کا مہینہ تھا یعنی جمعہ ۱۷ رمضان المبارک سنہ ۲ھ، اس لیے افطار کا حکم دے دیا۔ میدان جنگ میں قریش کے لشکر اور اسلامی لشکر کی نسبت ایک اور تین کی تھی۔ میدان بدر میں بنو غفار کے ایک رئیس خفاف بن ایماء نے اپنے بیٹے کے ہاتھ کچھ اونٹ بھیجے اور یہ پیغام بھی بھجوایا کہ اگر مزید مدد کی ضرورت ہو تو اسلحہ اور آدمی دونوں مہیا کر سکتے ہیں۔ ابو جہل نے اس رئیس کا شکریہ ادا کیا کہ اگر معاملہ صرف آدمیوں سے مقابلے کا ہے تو ہماری طاقت مسلمانوں سے بہت زیادہ ہے۔ ہمیں کسی مدد کی ضرورت نہیں لیکن اگر معاملہ خدا سے مقابلے کا ہے جیسا کہ محمد (ﷺ) کہتے ہیں تو خدا کے مقابلے میں ہماری ہر قسم کی طاقت بے کار ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اندر سے ابو جہل بھی یہ سمجھ رہا تھا کہ اگر خدا سے مقابلہ ہوا تو پھر ہم جتنی مرضی طاقت لے آئیں وہ سب بے کار ہو گی اور ہم مسلمانوں کے ہاتھوں شکست سے نہیں بچ سکتے۔

مبارزت:

جب دونوں طرف فوجیں کھڑی تھیں تو عتبہ بن ربیعہ میدان میں آ گیا۔ وہ بڑی آن بان کا شخص تھا۔ مکہ کا رئیس اور بنی امیہ کا چشم و چراغ، ایک طرف اس کے بھائی شیبہ نے مبارزت دی۔ ان کی دعوت پر تین انصاری میدان میں آئے۔ عتبہ نے انھیں واپس بھیج دیا اور کہا کہ ہم اپنی قوم سے لڑنا چاہتے ہیں جو ہمارے برابر اور جوڑ کے ہیں۔ پھر اس نے اونچی آواز سے کہا: ''اے محمد ﷺ! ہماری قوم میں سے ہمارے برابر کے لوگ لڑنے کے لیے بھیجو۔'' عتبہ کی اس آواز پر رسول اللہ ﷺ نے سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ، سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور سیدنا عبیدہ بن الحارث رضی اللہ عنہ کو میدان میں بھیجا۔ ان کو دیکھ کر عتبہ نے کہا: ''نعم اکفاء کرام'' تم واقعی ہمارے برابر کے ہو۔ دونوں طرف کے مبارزین آمنے سامنے تھے۔ سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ اور علی رضی اللہ عنہ نے تو چشم زدن میں عتبہ اور ولید کو موت کے گھاٹ اتار دیا لیکن سیدنا عبیدہ بن الحارث رضی اللہ عنہ نے اپنے مدمقابل شیبہ کو زخمی کر دیا جبکہ خود بھی شدید زخمی ہو گئے کیونکہ یہ عمر رسیدہ تھے۔ شیبہ کو بھی سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر موت کے گھاٹ اتار دیا، اور سیدنا عبیدہ بن الحارث رضی اللہ عنہ کو حضور کی خدمت میں لایا گیا جہاں آپؐ کی گود میں انھوں نے اپنی جان جاں آفرین کے سپرد کی۔ اس طرح سے جنگ کا

Marfat.com

آغاز مشرکین کے لیے بہت برا ثابت ہوا۔اب دونوں فوجیں گتھم گتھا ہو گئیں، لیکن عتبہ چونکہ سپہ سالار فوج تھا اور سپہ سالار فوج کا قتل ہو جانا پورے لشکر کی شکست سمجھی جاتی ہے، اس لیے ابوجہل میدان میں کود پڑا اور لشکر کی ہمت بندھانے لگا۔(البدایہ والنہایہ:۳/۲۸۳) ابوجہل بوکھلا گیا تھا۔عتبہ جیسے آدمی کا قتل ہو جانا قریش کے لیے ایک نا قابل تلافی نقصان تھا۔وہ لشکر کو بھاگنے سے بچانا چاہتا تھا۔چنانچہ اس نے لشکر قریش کے پاؤں جما دیئے۔ایک طرف تو اپنی تعداد اور اسلحے پر بھروسہ تھا اور دوسری طرف ذات الٰہی پر۔صحابہ رضی اللہ عنہم اپنے اپنے انداز میں بارگاہِ الوہیت میں گڑگڑا رہے تھے جو زمین و آسمان کا رب ہے اور جو دعاؤں کو سنتا اور مصائب کو دور کرتا ہے۔(البدایہ والنہایہ: ۳/۲۷۲) ادھر اللہ کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی ''العریش'' پر سجدہ ریز تھا۔آپؐ نہایت تضرع اور ابتہال سے لشکر اسلام کی کامیابی کے لیے دعا فرما رہے تھے۔آپؐ سائلانہ انداز میں دامن پھیلا پھیلا کر فتح و نصرت کی دعائیں مانگ رہے تھے۔سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میدان بدر میں جب زور کا رن پڑا تو آپؐ عریش پر تشریف لے گئے اور قبلہ رو ہو کر بارگاہِ الٰہی میں یوں گویا ہوئے:

''اے اللہ! تو نے مجھ سے جو وعدہ فرمایا ہے اس کو پورا فرما۔اے اللہ! اگر مسلمانوں کی یہ جماعت ہلاک ہو گئی تو پھر زمین میں تیری عبادت نہ ہو گی۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم دیر تک ہاتھ اور دامن پھیلائے ہوئے یہی دعا کرتے رہے۔آپؐ اتنی محویت سے یہ دعا فرما رہے تھے کہ چادر دوش مبارک سے گر پڑی۔اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی دعا قبول فرمالی اور اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو فرمایا ''میں تمھارے ساتھ ہوں۔تم اہل ایمان کے قدم جماؤ، میں کافروں کے دلوں میں (تمہارا) رعب ڈال دوں گا۔فرشتوں نے مسلمانوں کی مدد کی اور دشمن دفعتاً اپنی ہمت ہار گیا۔اس کی قوت ختم ہو گئی اور اس کی وہ گردنیں جو نخوت غرور سے اکڑی ہوئی تھیں، مولی گاجر کی طرح کٹ کٹ کر گر رہی تھیں۔یہ سب نصرت خداوندی کے کرشمے تھے جو فرشتوں کے نزول کی صورت میں آئی تھی۔

اس جنگ میں ابوجہل بھی مارا گیا جو تمام شرارتوں کی جڑ تھا۔اس کو دو انصاری نوجوانوں نے قتل کیا۔دونوں ابوجہل کو نہیں جانتے تھے۔سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے بتانے سے وہ دونوں شاہین کی طرح اس جھپٹے اور اس کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ان نوجوانوں کا نام معاذ اور معوذ تھا۔ان کی والدہ کا نام عفراء اور والد کا نام حارث تھا۔(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو فتح الباری:۷/۲۳، بخاری:۱/۴۴۴، البدایہ والنہایہ:۳/۲۶)

امیہ بن خلف اور عبیدہ بن سعید بن العاص جیسے اساطین کفر اس جنگ میں مارے گئے۔

جب جنگ کے بادل چھٹے اور یہ معرکہ مسلمانوں کی فتح مبین اور کافروں کی شکست فاش پر منتج ہوا معلوم ہوا کہ اس جنگ میں مسلمانوں کے چودہ آدمی شہید ہوئے جن میں چھ مہاجر اور آٹھ انصار تھے جب کہ ان کے مقابلے میں مشرکین کے ستر آدمی مارے گئے جو عموماً ان کے سردار اور رئیس تھے۔یہ ان کے لیے ایک بہت بڑا نقصان تھا۔قریش مکہ تو اپنی لاشیں بھی چھوڑ کر بھاگ گئے۔۲۴ سرداروں کی لاشیں تو آپ نے بدر کے کنویں

Marfat.com

پھینکوائیں جن میں ابوجہل کی لاش بھی تھی۔ امیہ بن خلف کی لاش پھول گئی ہوئی تھی۔

(بخاری:۲/۵۶۵، فتح الباری:۷/۲۴۰، زرقانی:۱/۴۳۲، سیرۃ حلبیہ:۲/۱۹۹)

آپ تین روز وہاں ٹھہرے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آرام فرمایا۔ زخمیوں کی مرہم پٹی کی گئی۔ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جب تیسرا روز ہوا تو آپؐ نے سواری پر زین کسنے کا حکم صادر فرمایا۔ سوار ہونے سے قبل اس کنویں کے کنارے پر جا کر کھڑے ہو گئے جہاں صنادید قریش اور اساطین کفر کی لاشوں کو پھینکا گیا تھا۔ آپؐ نے ان کا نام لے لے کر انھیں پکارا! ''اے عتبہ بن ربیعہ، اے شیبہ بن ربیعہ، اے ابوجہل!..... کیا تمھارے لیے یہ بات اچھی نہ تھی کہ تم اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرتے۔ ہم سے ہمارے رب نے جس امر کا وعدہ کیا تھا ہم نے اس کو سچ اور حق پایا، کیا تم نے بھی دیکھ لیا کہ اللہ تعالیٰ نے جو وعدہ کیا تھا وہ سچ ہے۔'' (بخاری:۲/۵۶۶)

یہ سن کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: ''آپؐ ایسے جسموں سے باتیں کر رہے ہیں جن میں روح ہی نہیں۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا: ''قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، جو کچھ میں کہہ رہا ہوں تم لوگ ان سے زیادہ نہیں سن رہے ہو، مگر یہ لوگ جواب نہیں دے سکتے۔''

(بخاری:۲/۵۶۶، مسلم:۲/۳۸۷، زرقانی:۱/۴۳۳، البدایہ والنہایہ:۳/۴۹۲، مسند احمد:۳/۱۰۴، ۱۴۵)

مدینہ میں فتح کی خوش خبری:

یہ فتح ایک عظیم الشان فتح تھی۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل مدینہ کو فتح کی خوش خبری سنانے کے لیے دو قاصد روانہ فرمائے۔ ایک سیدنا عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ اور دوسرے سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ۔ سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ اس وقت مدینہ پہنچے جس وقت سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ سیدہ رقیہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کو لوگ مٹی دے رہے تھے۔ سیدنا زید رضی اللہ عنہ نے جب لوگوں کو بتایا کہ میدان بدر میں تمام اساطین کفر مارے گئے ہیں تو لوگوں میں یہ خبر نا قابل اعتبار سمجھی جانے لگی۔ سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو یقین دلا دیا کہ مسلمان فتح یاب ہو گئے ہیں۔ چنانچہ مدینہ میں ہر طرف مسرت و شادمانی کی ایک لہر دوڑ گئی، مدینہ منورہ کے در و بام تہلیل و تکبیر کی صداؤں سے گونج اٹھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس فتح مبین کی مبارک باد دینے کے لیے مدینہ کے سربرآوردہ مسلمان بدر کے راستے کی جانب نکل پڑے۔

مکہ میں شکست کی خبر:

شکست سے دوچار ہونے کے بعد قریش مکہ اس طرح قافلہ کی شکل میں واپس مکہ نہیں آئے تھے جس طرح وہ جنگ کرنے کے ارادہ سے نہایت اکڑفوں کے ساتھ نکلے تھے۔ اب جب ان کو پتہ چلا کہ مکہ کے تمام بڑے بڑے سردار بدر میں مسلمانوں کے ہاتھوں قتل ہو گئے ہیں تو پورے مکہ میں موت کا سناٹا چھا گیا۔

Marfat.com

ابورافع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مغیرہ بن حارث بن عبدالمطلب مقام بدر سے واپس آیا۔ لوگ اس کے پاس اکٹھے ہو گئے لیکن مغیرہ ابھی کچھ کہنے نہیں پایا تھا کہ ابولہب نے اس کو دیکھ لیا اور اس کو اپنے پاس بلا کر پوچھا: ''بھتیجے! بتاؤ، لوگوں کا کیا حال رہا۔ مغیرہ بن حارث نے کہا:

''چچا! عجیب ماجرا دیکھنے میں آیا۔ ہماری فوج ایک بے جان بھیڑ تھی۔ تھوڑے سے مسلمان ہم پر پوری طرح حاوی تھے۔ ہم نے گویا اپنے شانے اور اپنی گردنیں ان کے حوالے کر دی تھیں کہ جس طرح چاہیں قتل کر دیں اور جس طرح چاہیں ہمیں گرفتار کر لیں۔ میں اپنے آدمیوں کو ملامت بھی نہیں کر سکتا۔ بخدا! عجیب بات یہ تھی کہ ہماری مڈبھیڑ کچھ ایسے گورے چٹے لوگوں سے ہوئی جو چتکبرے گھوڑوں پر سوار آسمانوں تک چھائے ہوئے تھے۔ ان کے سامنے نہ کوئی شے ٹھہر سکتی تھی اور نہ کوئی ان کا مقابلہ ہی کر سکتا تھا۔''

ابولہب کو میدان بدر کے یہ حالات سن کر بہت غصہ آیا لیکن وہ کر کچھ نہیں سکتا تھا۔ مکہ والوں کو جب مرنے والوں کا تفصیلی علم ہوا تو گھر گھر ماتم کدہ بن گیا۔ اگرچہ عرب میں نوحہ و ماتم کا عام دستور تھا مگر اس موقع پر قریش نے غیرت اور شماتت کی وجہ سے اعلان کر دیا کہ کوئی شخص اپنے مرنے والوں کو نہ روئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مدینہ میں داخلہ:

روحاء کے مقام پر مدینہ کے سربرآوردہ لوگوں نے آپؐ کا استقبال کیا۔ اس کے بعد آپؐ مدینہ طیبہ میں مظفر و منصور داخل ہوئے۔ اس فتح کے باعث بہت سے لوگ اسلام میں داخل ہو گئے اور اب پورے علاقہ میں اسلام کی دھاک بیٹھ گئی۔ اس موقع پر مال غنیمت آپؐ کی امت کے لیے حلال کیا گیا۔ آپؐ نے یہ مال غنیمت تمام مسلمانوں میں برابر تقسیم کر دیا۔ (زرقانی: ۱/۴۴۹، البدایہ والنہایہ: ۳/۴۳۰۱) اس مال غنیمت میں سے آپؐ نے ان آٹھ آدمیوں کو بھی حصہ دیا جو آپؐ کے حکم کے تحت جنگ بدر میں شامل نہیں ہوئے تھے، ان میں ایک سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ بھی تھے۔

اسیران بدر سے معاملہ:

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مشورہ کے مطابق آپؐ نے اسیران بدر کو فدیہ لے کر رہا کرنا شروع کر دیا۔ مقدار فدیہ حیثیت کے مطابق مقرر کی گئی جو کہ ایک ہزار درہم سے لے کر چار ہزار درہم تک تھی۔ اور جو لوگ قلاش اور نادار تھے اور فدیہ ادا نہیں کر سکتے تھے، ان کو کسی فدیہ کے بغیر رہا کر دیا گیا، اور جو لوگ ان میں سے لکھنا پڑھنا جانتے تھے اور فدیہ ادا کرنے کے قابل نہ تھے، ان سے یہ شرط ٹھہری کہ دس دس بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دیں تو انھیں آزاد کر دیا جائے گا۔ (زرقانی: ۱/۴۴۲، ابن سعد: ۲/۱۴)

Marfat.com

سیدنا ابوالعاص رضی اللہ عنہ کا قبولِ اسلام:

اسیران جنگ میں آپ ﷺ کے بڑے داماد ابوالعاص بن الربیع بھی تھے۔ یہ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بھانجے تھے۔ ابوالعاص اگرچہ مال دار تھے لیکن اس وقت ان کے پاس فدیہ کی رقم نہ تھی۔ انھوں نے سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کو فدیہ بھیجنے کے لیے پیغام بھجوایا۔ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے وہ ہار بھیج دیا جو ان کی والدہ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے شادی کے موقع پر انھیں دیا تھا۔ اس ہار کو دیکھ کر آپ ﷺ کی آنکھیں نمناک ہوگئیں اور آپؐ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا: ''اگر مناسب سمجھو تو اس ہار کو واپس کر دو اور اس قیدی کو چھوڑ دو۔ اسی وقت سر تسلیم خم ہوگئے۔ قیدی بھی رہا کر دیا گیا اور ہار بھی واپس ہوگیا۔

آپؐ نے ابوالعاص سے وعدہ لیا کہ وہ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کو مدینہ بھیج دیں گے۔ ابوالعاص وفائے عہد کا پتلا تھا۔ پیغمبر اسلام ﷺ سے اس نے جو وعدہ کیا تھا، اس کو پورا کیا اور سیدہ رضی اللہ عنہا کو مدینہ بھیج دیا۔ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا مدینہ میں رہنے لگیں۔ ابوالعاص فتح مکہ سے قبل بڑے ساز و سامان کے ساتھ شام روانہ ہوئے۔ واپسی پر مسلمانوں کے ایک دستے سے مڈبھیڑ ہوگئی۔ مسلمانوں نے سارا سامان ضبط کر لیا اور ابوالعاص مشکل سے جان بچا کر مدینہ منورہ میں سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے پاس بھاگ گئے۔ سیدہ رضی اللہ عنہا نے خود ہی انھیں امان دے دی اور نماز صبح کے وقت سیدہ رضی اللہ عنہا نے آواز دی: ''لوگو! میں نے ابوالعاص کو امان دی ہے۔''

ابوالعاص کو اگرچہ جان کی امان تو مل گئی لیکن مال کی پریشانی اب بھی باقی تھی۔ آپ ﷺ نے مسلمانوں سے فرمایا: ''اگر مناسب سمجھو تو اس کا مال بھی اسے واپس کر دو۔ چنانچہ ابوالعاص کے مال کا ایک ایک دھاگہ تک واپس کر دیا گیا۔ ابوالعاص وہ مال لے کر مکہ آئے۔ جس جس شخص کا وہ مال تھا وہ اس کو واپس کیا اور فرمایا: ''میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔'' اب تک میں اس لیے مسلمان نہیں ہوا تھا کہ لوگ یہ گمان نہ کریں کہ میں نے لوگوں کا مال کھانے کے لیے ایسا کیا ہے۔ اب جب کہ میں نے ہر ایک کا حساب بے باک کر دیا ہے اس لیے اب مسلمان ہوتا ہوں۔'' بعد ازاں آپ مکہ سے مدینہ چلے آئے اور آپؐ نے سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کو پھر ان کی زوجیت میں دے دیا۔

غزوۂ بنی قینقاع:

جب سے سرکار دو عالم ﷺ مدینہ تشریف لائے تھے اس وقت سے قریش کی یہ پالیسی تھی کہ کوئی ایسی صورت پیدا کی جائے کہ خود مدینہ کے لوگ حضرت محمد (ﷺ) کو شہید کر دیں یا مدینہ سے باہر نکال دیں۔ اس کے لیے پہلے انھوں نے عبداللہ بن ابی کو خط لکھا تھا اور اب انھوں نے یہودی سرداروں کو ایک تہدید آمیز خط لکھا۔ یہ خط جب یہود کو ملا تو چاہیے تو یہ تھا کہ وہ قریش مکہ کو غزوۂ بدر میں ان کا حشر یاد کرواتے، لیکن وہ لوگ تو صرف دولت کے

Marfat.com

پجاری تھے۔ نہ ان میں غیرت تھی اور نہ سیاست کی سمجھ۔ وہ اس خط کو پڑھ کر ہوائی قلعے بنانے لگے۔ انھوں نے اپنی بے غیرتی کے باعث خط کے تلخ لہجے کو بھی عسل مصفیٰ سمجھا اور سرمایہ دار ہوتے ہوئے بھی اپنے آپ کو بہادر خیال کرنے لگے حالانکہ سرمایہ دار کبھی بہادر نہیں ہوتا۔ انھوں نے قریش مکہ کے ساتھ ساز باز شروع کر دی اور رسول اللہ ﷺ کے خلاف انھیں جنگ پر آمادہ کیا اور پوشیدہ راز ان کو بتائے۔ (فتح الباری: ۷/۲۶۵)

غزوۂ بدر کے بعد کعب بن اشرف یہودی مکہ گیا اور قریش سے مقتولین بدر کی تعزیت کی۔ ان کے غم میں مرثیے لکھے۔ خود بھی روتا اور ان کو بھی رلاتا۔ اپنے ساتھ یہود کے ستر (۷۰) نمائندے بھی لے گیا اور وہاں قریش اور یہود کے ساتھ یک جہتی پیدا کرنے کے لیے اپنے آدمیوں کو سمجھاتا کہ مسلمانوں کی بہ نسبت ان مشرکین مکہ کا راستہ زیادہ سیدھا ہے اور یہ لوگ زیادہ ہدایت یافتہ ہیں۔'' (سیرۃ حلبیہ: ۳/۱۷۷)

مدینہ کے منافقین کو بھی اس نے اکسایا۔ چنانچہ یہود اور منافقین کی ساز باز سے سیاسی فضا بڑی مکدر ہو چکی تھی اور اب ایسے حالات پیدا ہو گئے کہ خود سرکار دو عالم ﷺ کو بھی اپنی جان کا خطرہ رہنے لگا۔

قریش کے خط کے بعد یہود کی سرکشی اور تمرد میں شدت آ گئی، چنانچہ اب وہ مسلمان عورتوں سے بھی چھیڑ چھاڑ کرنے لگے۔ جب صورت حال زیادہ سنگین ہو گئی تو آپ ﷺ ایک روز بنو قینقاع کے بازار میں تشریف لے گئے اور انھیں اکٹھا کر کے سمجھایا لیکن وہ مشتعل ہو گئے اور جواب میں آپ ﷺ کو دھمکیاں دینے لگے۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو ابوداؤد مع عون المعبود: ۳/۱۱۵، ابن ہشام: ۱/۵۵۲، عیون الاثر: ۱/۴۴۴، زرقانی: ۱/۴۵۶)

یہود کا یہ گستاخانہ اور تہدید آمیز جواب سن کر رسول اللہ ﷺ خاموش ہو گئے لیکن یہود کے اس جواب کا صاف مطلب جنگ تھا۔ وہ اب مسلمانوں کو اتنی مہلت نہیں دینا چاہتے تھے کہ وہ مضبوط ہو سکیں۔ غزوۂ بدر کو ابھی ایک ماہ بھی پورا نہیں ہوا تھا کہ انھوں نے ۱۵۔۱۶ شوال کو علم بغاوت بلند کیا اور معاہدہ کی دھجیاں اڑا دیں۔

(طبقات ابن سعد: ۳/۱۹)

ابتداء یوں ہوئی کہ انھوں نے ایک انصاری خاتون کی سر بازار بے حرمتی کر دی۔ عورت اس بے حرمتی پر چیخ اٹھی۔ قریب ہی کوئی مسلمان تھا۔ اس نے اس یہودی کو زدوکوب کیا جس سے وہ مر گیا۔ یہودیوں نے اس مسلمان کو شہید کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں اور بنی قینقاع میں سخت کشیدگی کی فضا پیدا ہو گئی۔

اب یہود نے جنگ شروع کر دی اور خود قلعہ بند ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے سیدنا ابولبابہ بن عبدالمنذر رضی اللہ عنہ کو مدینہ کا منتظم بنا کر مجاہدین کے لشکر کے ساتھ بنو قینقاع کا رخ کیا۔ آپؐ نے ان کا محاصرہ کر لیا۔ محاصرہ ۱۶ شوال سے یکم ذی قعدہ تک جاری رہا۔ یہود میں یہ لوگ بہت بہادر سمجھے جاتے تھے لیکن وہ ایک مسلمان کی نکسیر بھی نہ پھوڑ سکے اور اپنے گھروں میں سہمے بیٹھے رہے۔ بالآخر یکم ذی قعدہ سنہ ۲ھ کو اپنا معاملہ سرکار دو عالم ﷺ کے سپرد کر دیا۔ آپؐ نے ان کو گرفتار کرنے کا حکم دیا۔ وہ غدار تھے۔ انھوں نے عہد شکنی کی تھی۔ ان کی سزا قتل یا قید و بند ہونی چاہیے تھی لیکن آپؐ نے انھیں صرف یہ فرمایا کہ مدینہ چھوڑ کر کسی اور جگہ چلے جائیں۔ چنانچہ وہ ملک شام کے علاقہ

Marfat.com

اذرعات چلے گئے۔ یہ سات سو آدمی تھے جن میں تین سو زرہ پوش تھے۔

وہ لوگ زیورات کا کام کرتے تھے۔ ان کے باغات اور کھیت نہ تھے۔ ان کے پاس اسلحہ بہت تھا، چنانچہ وہ اسلحہ مسلمانوں کے ہاتھ لگا۔ بہرحال جو کچھ مال غنیمت حاصل ہوا اس میں سے خمس نکال کر باقی مسلمانوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ آپؐ نے بھی اس اسلحہ میں سے تین کمانیں، تین تلواریں اور تین نیزے اپنے لیے منتخب فرمائے۔

(طبقات ابن سعد: ۳/ ۱۹، سیرۃ ابن ہشام: ۲/ ۴۷، زادالمعاد: ۲/ ۱۷، زرقانی: ۱/ ۴۵۶، البدایہ والنہایہ: ۴/ ۳)

غزوۂ سویق:

غزوۂ بدر میں شکست کھا کر جب قریش مکہ واپس گئے۔ یہ وہی وقت تھا جب ابوسفیان کا کاروانِ تجارت مکہ پہنچا تھا۔ اب ابوسفیان قریش کے سرداروں میں تنہا رہ گیا۔ اگرچہ اور بھی کچھ لوگ رؤسائے قریش تھے لیکن ابو سفیان کو سربراہ اور قائد عوام تسلیم کر لیا گیا۔ اب ابوسفیان کا پہلا کام غزوۂ بدر کا انتقام تھا۔ اس سے اس کا مقصد قریش کے دامن سے بدر کی شکست کا داغ دور کرنا تھا۔ چنانچہ ایک روز ابوسفیان ۲۷۰ سواروں کو ساتھ لے کر مدینہ کی طرف روانہ ہوا اور مسلمانوں کی گرفت کے خوف سے قدم قدم پر کاوے کاٹتا ہوا مدینہ کے قریب پہنچا اور مدینہ منورہ سے بارہ میل دور وادی قناۃ میں خیمہ زن ہوا۔

یہود کے بارے میں ابوسفیان کا یہ خیال تھا کہ وہ مسلمانوں کے مقابلے میں اس کی مدد کریں گے لیکن کسی یہودی سردار نے اس کی مدد کرنے کی حامی نہ بھری۔ آخر شب وہ یہودی سرداروں سے نکل کر اپنے ساتھیوں میں آیا اور ایک دستے کے ساتھ ''عریض'' پر جو مدینہ سے تین میل کے فاصلہ پر ہے، حملہ آور ہوا۔ اس دستے نے کھجور کے کچھ درخت کاٹے اور جلائے اور ایک انصاری سعد بن عمر رضی اللہ عنہ کو شہید کیا۔ اور چند مکانات اور گھاس کے انبار جلا دیئے اور وہ سمجھا کہ ان باتوں سے اس کی قسم پوری ہو گئی اور اس نے بدر کا انتقام لے لیا۔ پھر وہ تیزی سے مکہ واپس بھاگ نکلا۔

رسول اللہ ﷺ کو جب اس واردات کا پتہ چلا تو آپؐ نے دو سو مہاجرین و انصار کے ساتھ اس کا تعاقب کیا لیکن ابوسفیان اتنی تیز رفتاری سے بھاگا کہ ہاتھ نہ آیا۔ اس کے پاس رسد کے لیے ستو کے بورے تھے۔ چنانچہ اپنا بوجھ ہلکا کرنے کے لیے اور گھبراہٹ میں ستو کے وہ بورے اور دوسرا بہت سا ساز و سامان پھینکتا گیا۔ جب ابو سفیان ہاتھ نہ آیا تو آپؐ واپس آ گئے۔ مسلمان ستو کے بورے اور دوسرا سامان لاد کر واپس ہوئے۔ عربی میں ستو کو ''سویق'' کہتے ہیں۔ اس لیے یہ غزوہ ''غزوۂ سویق'' کے نام سے مشہور ہوا۔

(زرقانی: ۱/ ۴۵۸، ابن سعد: ۳/ ۲، زادالمعاد: ۲/ ۹۱ وغیرہ)

یہ ساری خبریں جزیرہ نما عرب میں پھیل گئیں۔ بنو قینقاع کی جلاوطنی اور قریش کا نامی گرامی سردار ابو سفیان جو بدر کے انتقام کے لیے غراتا ہوا مکہ سے نکلا تھا، چھپتا چھپاتا مدینہ گیا۔ قرب و جوار میں بسنے والے قبائل ان واقعات سے بہت متاثر ہوئے۔

Marfat.com

سنہ ۳ھ

کعب بن اشرف یہودی کا قتل:

کعب بن اشرف یہودی سردار تھا لیکن اس کے باوجود قرابت کے لحاظ سے اس کا تعلق عرب سے تھا۔ اس کی ماں کا نام عقیلہ تھا جو عرب کے مشہور مال دار شخص ابوالحقیق کی بیٹی تھی۔ اس کا باپ اشرف بھی ایک مال دار شخص تھا۔ کعب کو قیادت اور لیڈری کا بہت شوق تھا۔ اس نے بھی باپ کی طرح سودی کاروبار میں ڈھیروں دولت کمائی۔ وہ شاعر بھی تھا، وہ روز اول ہی سے اسلام کے خلاف اپنے سینے میں ایک الاؤ پالے ہوئے تھا، غزوۂ بدر میں قریش کی شکست اور مسلمانوں کی فتح کی خبر اسے پہنچی تو اس کے منہ سے بے اختیار نکلا کہ اب مرجانا ہی بہتر ہے۔ چنانچہ اس نے قریش مکہ کو مسلمانوں کے خلاف اکسانے کے لیے بہت زور لگایا۔ اس نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عورتوں کے بارے میں غلیظ قسم کے اشعار کہنے شروع کر دیئے۔ اس نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو میں بھی اشعار کہے۔ اشعار اس زمانے میں ایک میڈیا کی حیثیت رکھتے تھے۔ اس نے ایک روایت کے مطابق اپنے ہاں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو مدعو کیا اور ایک خفیہ سازش کے تحت آپ کو شہید کرنے کا منصوبہ بنایا۔

(سیرۃ حلبیہ: ۳/۱۷۸، فتح الباری: ۷/۲۵۹)

ان حالات سے تنگ آ کر ایک روز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''کون ہے جو کعب بن اشرف سے نمٹے کیونکہ اس نے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت دی ہے۔''

یہ سن کر محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ اٹھے اور اپنے قبیلہ اوس کے چند ایسے ساتھیوں کو ساتھ لیا جو کعب بن اشرف سے تعلق رکھتے تھے، کعب بن اشرف ایک گڑھی میں رہتا تھا۔ اس کا محل ایک قلعہ تھا جس کے باقاعدہ دربان اور چوکیدار دروازے پر موجود رہتے تھے، اس لیے اس تک پہنچنا بہت مشکل ہوتا تھا اور ہتھیار اور اسلحہ اندر لے جانا تو اور بھی مشکل تھا۔ پہلے ان حضرات نے اسلحہ اندر لے جانے کی صورت پیدا کی۔ وہ اس طرح کہ وہ غلہ لینے کے بہانے کعب بن اشرف کے پاس گئے اور وہ انھیں غلہ دینے کے بدلے میں ہتھیار گروی رکھنے پر آمادہ ہو گیا۔ انھوں نے وعدہ کیا کہ وہ اسی رات اپنے ہتھیار لائیں گے اور کعب بن اشرف کے پاس گروی رکھ کر غلہ حاصل کریں گے۔

Marfat.com

۱۴ ربیع الاول سنہ ۳ھ کو چند حضرات پر مشتمل مسلمانوں کا ایک دستہ طے شدہ پروگرام کے تحت رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ساری حکمت عملی آپؐ کو بتائی۔ آپ ﷺ نے بقیع غرقد تک ان کی مشایعت کی اور ان کی مدد کی دعا فرمائی۔

اب یہ لوگ کعب بن اشرف کے قلعہ کے دامن میں پہنچے۔ آواز سن کر کعب اٹھا تو اس کی نئی نویلی دلہن نے پوچھا کہاں جا رہے ہو؟ میں یہ ایسی آواز سن رہی ہوں جس سے خون ٹپک رہا ہے۔ اس نے بیوی کو تسلی دی کہ ایسا نہیں ہے۔ محمد بن مسلمہ اور ابو نائلہ میرے رشتہ دار ہیں، لہٰذا کوئی خطرے کی بات نہیں۔ ابو نائلہ نے اپنے ساتھیوں سے کہہ رکھا تھا کہ جب وہ آ جائے تو میں اس کے بال پکڑ کر سونگھوں گا اور تم اس پر پل پڑنا اور قتل کر دینا۔ چنانچہ وہ باہر آیا۔ ابو نائلہ نے خوشبو سونگھنے کے بہانے اس کے سر میں ہاتھ ڈال کر اس کو قابو کر لیا۔ ایک ساتھ کئی تلواریں آئیں لیکن کچھ کام نہ آ سکیں۔ یہ دیکھ کر محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے جھٹ اپنی کدال لی اور اس کے پیڑو پر لگا کر اس کے اوپر چڑھ بیٹھے۔ کدال آر پار ہو گئی اور خدا اور اس کے رسول ﷺ کا دشمن وہیں ڈھیر ہو گیا۔

واپسی پر اس دستہ نے اپنی کامیابی پر بقیع غرقد پہنچ کر اس زور سے نعرہ لگایا کہ سرکار دو عالم ﷺ نے بھی سن لیا۔ جب یہ لوگ آپؐ کی خدمت میں پہنچے تو انھوں نے اس ملعون کا سر آپؐ کے قدموں میں رکھ دیا۔ آپ ﷺ نے اس پر اللہ تعالیٰ کی حمد و ستائش کی اور حارث بن عوف کو ساتھیوں کی تلواروں سے جو زخم آیا تھا اس پر اپنا لعاب دہن لگا دیا جس سے وہ شفایاب ہو گیا۔

کعب بن اشرف یہودی کی موت نے یہود، منافقین اور مشرکین کو لرزہ براندام کر دیا، یہ لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ایک عہد نامہ تحریر کیا گیا جس کے فریق تین تھے سرکار دو عالم ﷺ، بنی نضیر اور مسلمان لیکن یہ معاہدہ زیادہ دیر نہ چل سکا۔

(ملاحظہ ہو بخاری: ۲/۵۷۶، فتح الباری: ۷/۲۶۰، طبقات ابن سعد: ۲/۲۳، البدایہ والنہایہ: ۴/۵، عیون الاثر: ۱/۴۴۸، سیرۃ ابن ہشام: ۲/۵۱)

Marfat.com

غزوۂ اُحد

غزوۂ بدر میں قریش کو مسلمانوں کے ہاتھوں شکست کا جو صدمہ اٹھانا پڑا، غزوۂ احد اس کی صدائے بازگشت تھی۔ بدر کی شکست کا زخم ان کے دلوں سے مندمل نہیں ہو رہا تھا۔ ان کے سینے غیظ وغضب کی آگ سے کھول رہے تھے۔ کیونکہ ان کے نادر روزگار اور سرکردہ اشخاص مسلمانوں کی تلواروں سے لقمۂ اجل بنے تھے۔ اب زمام قیادت چونکہ ابوسفیان کے سپرد تھی لہٰذا قوم کی طرف سے اس پر سخت دباؤ تھا کہ بدر کا انتقام لیا جائے۔ غزوۂ بدر کے بعد سریہ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ میں مسلمانوں نے قریش کے سارے مال تجارت پر قبضہ کر لیا۔ یہ مال ایک لاکھ درہم کا تھا اور اس پر مستزاد یہ کہ قریش کے دو آدمیوں کو گرفتار بھی کر لیا گیا۔ بدر کے بعد قریش کی یہ دوسری بڑی نکبت وذلت تھی جس سے ان کے غصہ اور انتقام میں اور اضافہ ہوا۔ اب ان کے سامنے صرف دو ہی راستے تھے کہ یا تو اپنی نخوت وغرور کی چادر اتار کر مسلمانوں کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھائیں یا پھر ایک فیصلہ کن جنگ کر کے اپنی عزت رفتہ اور عظمت گذشتہ کو واپس لائیں۔ چنانچہ ایک روز ابوسفیان بن حرب، عکرمہ بن ابی جہل، عبداللہ بن ابی ربیعہ، حارث بن ہشام، حویطب بن عبدالعزیٰ اور صفوان بن امیہ اور دوسرے سرداران قریش دارالندوہ میں جمع ہوئے اور یہ طے پایا کہ اس سال کاروان تجارت کا نفع محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے خلاف جنگ میں صرف کیا جائے اور بدر کی شکست کا انتقام لیا جائے۔ (الحمدللہ غزوۂ احد کے یہ سب محرکین بعد میں مشرف بہ اسلام ہو گئے۔ ملاحظہ ہو زرقانی: ۲/۲۰)

دارالندوہ کے اس طے شدہ منصوبہ پر عمل کرتے ہوئے جنگ کی تیاریاں شروع ہو گئیں۔ دوسرے قبائل کو بھی اس میں شرکت کی دعوت دی گئی۔ مردوں کے اس جوش وخروش کو دیکھ کر جوش انتقام میں مدہوش قریشی عورتیں بھی ساتھ جانے کے لیے مصر ہوئیں۔ بعض حضرات نے عورتوں کے ساتھ جانے کی تائید بھی کی۔

اس موقع پر ہند زوجہ ابوسفیان جس کے دو بیٹے، باپ اور ایک چچا بدر میں کام آئے تھے، آتش انتقام سے ابل رہی تھی، چنانچہ اس نے کہا کہ ہم ضرور ساتھ جائیں گی اگر آپ بدر کے موقع پر نوجوان لڑکیوں کو مقام جحفہ سے لوٹا نہ دیتے تو آہ! ہمارے اعزاء واقرباء دشمن کے ہاتھوں میدان بدر میں یوں خاک وخون میں نہ تڑپتے۔ ہند کی اس دلیل کے بعد تمام حاضرین ندوہ عورتوں کو ساتھ لے جانے پر متفق ہو گئے۔ چنانچہ ایک بڑے لشکر کو تیار کیا گیا جس کی کل تعداد تین ہزار تھی۔ عورتوں کی تعداد پندرہ تھی۔ تین ہزار اونٹ، سات سو زرہ پوش، دو سو گھوڑے اور

Marfat.com

ہر قسم کا اسلحہ ان کے ہمراہ تھا۔ قریش کے علاوہ حلیف قبائل کے جنگ جو اور بہادر بھی اس میں شریک تھے۔ اس لشکر میں ایک سو تیر انداز بھی تھے۔ ابوسفیان کو پورے لشکر کی کمان سونپی گئی۔ رسالہ کی کمان خالد بن ولید کو دی گئی اور عکرمہ بن ابی جہل کو اس کا معاون بنایا گیا۔ پرچم دستور کے مطابق بنی عبدالدار کے ہاتھ میں دیا گیا۔

یہ تیاری اور روانگی پوری راز داری کے ساتھ ہوئی۔ چنانچہ مدینہ کی انٹیلی جنس بھی اس بارے میں بالکل بے خبر تھی۔ آپؐ کے چچا عباس مکہ میں قریش کی ایک ایک نقل و حرکت کو دیکھ رہے تھے۔ انھوں نے ایک تیز رفتار قاصد کو خط دے کر مدینہ بھیجا اور حضور ﷺ کو قریش کے اس حملہ کے بارے میں مطلع کیا۔

اب مکے کے ذرائع اطلاعات ایک ایک منٹ کی خبر مدینہ طیبہ پہنچا رہا تھے۔ ۶ شوال سنہ ۳ھ بروز جمعہ آپؐ نے فوج کی ہائی کمان کی مجلس شوریٰ منعقد فرمائی جس میں مکی لشکر کے مقابلہ کی حکمت عملی کا جائزہ لیا گیا۔ دفاعی حکمت عملی کے بارے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف سے مختلف تجاویز پیش کی گئیں۔ آپؐ کی رائے مدینہ کے اندر رہ کر مقابلہ کرنے کی تھی۔ یہ رائے ہر لحاظ سے درست تھی لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک بہت بڑی تعداد ایسی تھی جس کو جنگ بدر میں شریک نہ ہو سکنے کی حسرت تھی۔ ان کا خیال تھا کہ اگر ہم مدینہ میں رہے تو ہمیں دشمن سے مقابلے کا موقع نہیں ملے گا۔ سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ اگرچہ بدر میں شریک ہوئے تھے لیکن وہ بھی اس رائے کے حامی تھے، دونوں طرف سے بڑی آزادی کے ساتھ دلائل پیش کیے گئے لیکن اتفاق سے یہی رائے غالب رہی کہ مدینہ سے باہر نکل کر دشمن کا مقابلہ کیا جائے۔ (طبقات ابن سعد: ۳/۱۶)

یہ ساری گفتگو نماز جمعہ سے قبل ہوئی۔ نماز جمعہ کے بعد رسول اللہ ﷺ نے تقریر فرمائی اور مسلمانوں کے جذبۂ جہاد کے ولولہ کو تازہ کیا۔ اب مسلمانوں میں شوق جہاد کے ساتھ کامیابی اور کامرانی کی امنگ بھی تھی۔

(طبقات ابن سعد: ۳/۲۶)

نماز جمعہ کے بعد سرکار دو عالم ﷺ اپنے راحت کدہ پر تشریف لے گئے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ دونوں آپؐ کے ساتھ تھے۔ ان دونوں نے آپ ﷺ کو عمامہ بندھوایا اور پوشاک زیب تن کروائی۔ پھر دو زرہیں پہنائیں اور پشت مبارک کو چمڑے سے کسا اور اس حالت میں لوگوں کے سامنے تشریف لائے کہ گردن کے ایک طرف تلوار کا پرتلہ تھا، دوسری طرف کمان، پشت پر ترکش اور دست مبارک میں نیزہ۔

(سیرۃ حلبیہ: ۲/۱۴، طبقات ابن سعد: ۳/۲۶)

آپؐ نے لشکر اسلامی کو تین حصوں میں تقسیم کیا اور تین جھنڈے منگوائے اور تین حضرات کو مرحمت فرمائے۔ پورا لشکر ایک ہزار افراد پر مشتمل تھا جن میں ایک سو زرہ پوش اور پچاس شہ سوار تھے۔ (زاد المعاد: ۲/۹۳)

نماز عصر کے بعد آپؐ نے مدینہ منورہ سے کوچ کیا اور لشکر نے شمال کا رخ کیا۔ سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ اور سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ زرہ پہنے امام الانبیاء ﷺ کے آگے آگے چل رہے تھے۔ مغرب شیخین پر آپؐ نے قیام فرمایا۔ مغرب کا وقت ہوا تو سیدنا بلال نے اذان دی اور امام الانبیاء ﷺ نے نماز پڑھائی۔ پھر عشاء کی نماز پڑھنے کے بعد یہیں

Marfat.com

آرام فرمایا۔ لشکر کی حفاظت کے لیے مجاہدین کا ایک دستہ رات بھر سیدنا محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کی کمان میں گشت کرتا رہا۔ پندرہ سال سے کم عمر کے جو لڑکے تھے ان کو واپس کر دیا گیا۔ نماز فجر کے بعد جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم احد کے قریب مقام ''شوط'' پر پہنچے تو رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی نے اسلامی لشکر کو زک پہنچانے کے لیے تمرد اختیار کیا اور یہاں سے وہ اپنے تین سو ساتھیوں کو لے کر واپس چلا گیا۔ اس کی یہ کارروائی اسلامی لشکر کو ختم کرنے کی ایک موثر تدبیر تھی اور ان کی کمر میں چھرا گھونپنے کے مترادف تھی۔

اب باقی ماندہ لشکر کو لے کر جس کی تعداد اب صرف سات سو رہ گئی تھی، آپ آگے بڑھے اور وادی کے آخری سرے پر واقع احد پہاڑ کی گھاٹی میں نزول فرمایا۔ وہ اس طرح کہ سامنے مدینہ تھا اور عقب میں احد کا بلند و بالا پہاڑ۔ اس طرح دشمن کا لشکر مسلمانوں اور مدینہ کے درمیان حد فاصل بن گیا۔

اسلامی لشکر کی صف بندی:

یہاں پر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لشکر کی صف بندی فرمائی۔ جنگی نقطۂ نگاہ سے لشکر کو کئی صفوں میں تقسیم فرمایا۔ ایک دستہ جو ماہر تیر اندازوں پر مشتمل تھا اس کی کمان سیدنا عبداللہ بن جبیر بن نعمان انصاری رضی اللہ عنہ کے سپرد فرمائی اور انھیں وادیٔ قناۃ کے جنوبی کنارے پر واقع ایک چھوٹی سی پہاڑی پر تعینات فرمایا۔ اس دستہ کو یہ ہدایت فرمائی کہ تم نے یہاں بیٹھ کر ہمارے عقب سے قریش کے حملے کو روکنا ہے اور اگر ہم مشرکین پر غالب بھی آ گئے تب بھی تم نے یہاں سے نہیں ہٹنا اور کسی صورت بھی یہاں سے ہٹ کر ہماری مدد کے لیے نہیں آنا۔ (بخاری: ۱/۴۳۹)

غزوۂ بدر میں ۳۱۳ کا مقابلہ ۹۵۰ سے تھا یعنی وہاں ایک اور تین کی نسبت تھی لیکن غزوۂ احد میں سات سو کا مقابلہ ۳۲ سو سے تھا یعنی ایک اور پانچ کا مقابلہ تھا۔ دشمن کی فوج میں تین ہزار اونٹ اور دو سو گھوڑے تھے لیکن مسلمانوں کا یہ سفر چونکہ پیادہ ہوا تھا لہٰذا اونٹ تو ایک بھی نہیں تھا البتہ گھوڑے ابن سعد کی روایت کے مطابق صرف دو تھے۔ (طبقات ابن سعد: ۳۲/۳۲) لیکن حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ کے مطابق پچاس گھوڑے تھے۔ (زاد المعاد: ۲/۹۲، فتح الباری: ۷/۳۷۰) اس وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دفاعی منصوبہ بندی بڑی باریک بینی سے کی۔ لشکر میں جہاں جہاں کسی مجاہد کو کھڑا کیا گیا وہ اس جگہ کے لیے موزون ترین تھا۔ پرچم سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو دیا گیا کیونکہ قریش نے پرچم بنی عبدالدار کے آدمی کو دیا تھا۔ بعض روایات میں ہے کہ آپؐ نے علم سیدنا مصعب رضی اللہ عنہ بن عمیر کو دیا تھا کیونکہ ان کا تعلق بھی بنی عبدالدار سے تھا۔ (البدایہ والنہایہ: ۴/۲۰) سیدنا مصعب رضی اللہ عنہ بن عمیر نے اس پرچم کا حق ادا کر دیا۔ ان کی شہادت کے بعد یہ علم سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو دیا گیا۔

صفیں مرتب ہو گئیں تو اعلان فرمایا کہ جب تک میں حکم نہ دوں جنگ شروع نہ کی جائے۔ آپؐ نے ایک برہنہ تلوار ہاتھ میں لے کر فرمایا: ''کون ہے جو اس تلوار کو لے کر اس کا حق ادا کرے۔ یہ سعادت حاصل کرنے کے لیے کئی حضرات آگے بڑھے لیکن آپ نے یہ تلوار سیدنا ابو دجانہ سماک بن خرشہ رضی اللہ عنہ کو عطا فرمائی اور فرمایا کہ اس کا

Marfat.com

حق یہ ہے کہ اس سے اللہ کے دشمنوں کو مارا جائے یہاں تک کہ یہ ٹیڑھی ہو جائے۔ بعض روایات میں ہے کہ سیدنا ابودجانہ رضی اللہ عنہ نے سرخ عمامہ باندھا اور فریقین کی صفوں کے درمیان اکڑ کر اور ناز و انداز سے چلنے لگے۔ اس موقع پر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''یہ چال اللہ کو پسند نہیں لیکن اس جیسے موقع پر پسند ہے۔''

(زرقانی:۲/۲۸، انساب الاشراف بلاذری:۱/۱۴۷، زادالمعاد:۲/۲۳۱)

قریش کے لشکر کی ترتیب و تنظیم:

قریش مکہ کے لشکر کی تعداد تین ہزار سے زائد تھی۔ ابوسفیان اس کا سپہ سالار اعظم تھا۔ اس نے معمول کے مطابق اپنے لشکر کی صف بندی کی۔ لشکر کے قلب پر اپنا مرکز بنایا۔ میمنہ کا افسر خالد بن ولید کو اور میسرہ کا عکرمہ بن ابی جہل کو مقرر کیا، پیدل فوج کی کمان صفوان بن امیہ کے پاس تھی اور تیر اندازوں کے دستوں پر عبداللہ بن ربیعہ کو مقرر کیا۔ لشکر کی علم برداری کا منصب بنی عبدالدار میں چلا آ رہا تھا۔ چنانچہ یہ منصب بنی عبدالدار کے نمائندے طلحہ بن ابی طلحہ کے سپرد کیا۔ ان لوگوں نے میدان احد میں قربانی کی ایک مثال پیش کر دی۔ اس خاندان کے سات آدمی یکے بعد دیگرے اس پرچم کے لیے قربان ہوئے۔ (سیرۃ ابن ہشام:۲/۷۷، طبقات ابن سعد:۳/۲۸، عیون الاثر:۲/۱۶)

دونوں طرف صف بندی ہو چکی تھی کہ قریش کی عورتیں اپنا کردار ادا کرنے کے لیے آگے بڑھیں۔ وہ دف پر کشتگان بدر کے انتقام کے اشعار پڑھ رہی تھیں۔ عورتوں کی قیادت ہند بنت عتبہ کر رہی تھی۔ اب باقاعدہ جنگ کا آغاز ہو گیا اور قریش کا علم بردار طلحہ بن ابی طلحہ میدان میں آیا اور اونٹ پر سوار ہو کر دعوت مبارزت دی۔ یہ دعوت ملتے ہی سیدنا علی رضی اللہ عنہ آگے بڑھے اور تلوار کا ایک ایسا وار کیا کہ اس کا پاؤں کٹ گیا اور وہ منہ کے بل گرا اور اس کا ستر کھل گیا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ شرما کر پیچھے ہٹ گئے۔ (زرقانی:۲/۳۱) لیکن ایک روایت میں ہے کہ سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ آگے بڑھے اور چشم زدن میں شیر کی طرح جست لگا کر اس کے اونٹ پر جا چڑھے اور اسے اپنی گرفت میں لے کر زمین پر کود گئے اور اسے ذبح کر دیا۔ (سیرۃ حلبیہ:۲/۲۴۷، البدایہ والنہایہ:۴/۲۰)

علم بردار کا یہ قتل قریش کے لیے کوئی اچھا شگون نہ تھا۔ چنانچہ یکے بعد دیگرے طلحہ کے گھر کے چھ افراد میدان میں آ کر قتل ہوئے۔ (طبقات ابن سعد:۳/۲۸۔۲۹، زرقانی:۲/۳۱)

اب شدید جنگ جاری ہو گئی۔ مسلمانوں کی صفوں میں ایمان کی روح چھائی ہوئی تھی۔ شہادت کا ایک وجد طاری تھا۔ یہ باز کی طرح چڑیوں پر حملہ کر رہے تھے۔ ہر شخص کے دل میں غازی یا شہید ہونے کا جذبہ موجزن تھا۔ سیدنا ابودجانہ رضی اللہ عنہ دشمن کی صفوں کو الٹ پلٹ کر رہے تھے۔ وہ لاشوں پر لاشے گراتے چلے جا رہے تھے۔ سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے ابودجانہ رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ ہند بنت عتبہ کے سر کے درمیان تلوار بلند کی اور پھر ہٹا لی۔

(عیون الاثر:۲/۱۷، سیرۃ ابن ہشام:۲/۶۹، سیرۃ حلبیہ:۳/۲۴۹، زرقانی:۲/۲۹)

سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ، اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے شیر، دو دستی تلوار چلاتے جاتے تھے۔ جدھر کا رخ کرتے

Marfat.com

دشمن کی صفوں میں بھگدڑ مچادیتے۔قریش کا علم بردار عثمان بن ابی طلحہ ان کی تلوار کا لقمۂ اجل بنا۔اسی حالت میں سباع بن عبدالعزیٰ ان کی تلوار کے سامنے آ گیا۔انھوں نے ایک ہی وار سے اسے افسانۂ ماضی بنادیا۔جب سباع کو قتل کر کے سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ واپس پلٹے تو وحشی بن حرب نے ایک چھوٹا سا نیزہ جس کو حربہ کہتے ہیں، سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کو تاک کر اس زور سے مارا کہ وہ ناف میں لگا اور پار ہو گیا۔سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ نے اس پر حملہ کرنا چاہا لیکن لڑکھڑا کر گر پڑے اور اس عدم ہستی نما سے ہستی عدم نما کو انتقال فرما گئے۔

ان جان فروش مجاہدین میں جنھوں نے صفحۂ دہر پر بہادری اور پامردی کے نقش ثبت کیے، ایک سیدنا حنظلہ رضی اللہ عنہ بھی تھے جنھیں ''غسیل الملائکہ'' بھی کہا جاتا ہے۔لڑائی کی آگ ہر طرف بھڑک رہی تھی۔سیدنا حنظلہ رضی اللہ عنہ صفوں کو چیرتے ہوئے قریش کے قائد ابوسفیان تک جا پہنچے اور قریب تھا کہ ان کی تلوار ابوسفیان کو افسانۂ ماضی بنا دیتی، دفعتاً شداد بن اسود نے جھپٹ کر سیدنا حنظلہ رضی اللہ عنہ پر حملہ کر کے انھیں شہید کر دیا۔آپ رضی اللہ عنہ غسل جنابت کے بغیر ہی میدان جنگ میں آ گئے تھے، غسل کا موقع نہیں ملا تھا، لہٰذا فرشتوں نے ابر کے پانی سے چاندی کے برتنوں میں انھیں غسل دیا۔(خصائص کبریٰ:۱/۲۱۶) لڑائی ختم ہونے کے بعد جب ان کی لاش تلاش کی گئی تو سر سے پانی ٹپکتا ہوا پایا گیا۔(روض الانف:۱/۱۳۳، البدایہ والنہایہ:۴/۲۱)

تیراندازوں کی بہادری:

پہاڑ کے جس درہ پر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ رضی اللہ عنہ بن جبیر کی زیر کمان جن پچاس تیراندازوں کو متعین فرمایا تھا، انھوں نے بھی اپنی بہادری کے پورے پورے جوہر دکھائے۔انھوں نے بھی دشمن کی ہزیمت میں اہم کردار ادا کیا۔علماء نے لکھا ہے کہ غزوۂ احد میں مسلمانوں کی فتح ان کی حربی قابلیت کا وہ ناقابل انکار معجزہ ہے جس میں امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی جنگی مہارت کا بھی بہت بڑا دخل ہے۔آپؐ نے مسلمانوں کے ایک ایسے دستہ کو درہ کے ناکہ پر متعین فرمادیا جس کا ایک ایک فرد تیراندازی میں بے مثل تھا۔دوسری بات یہ ذہن میں رکھنی ضروری ہے کہ اللہ والے اگر قلیل سے قلیل مقدار میں بھی ہوں تب بھی ان پر غالب آنا مشکل بلکہ ناممکن ہے۔اسی وجہ سے سات سو مسلمانوں نے تین ہزار سے زائد مشرکین کا منہ پھیر کر رکھ دیا۔

مسلمانوں کی جواں مردی اور مشرکین کا ڈٹ کر مقابلہ کرنے کی وجہ سے دشمن کے سات علم بردار قتل ہو چکے، علم گر چکا، جتھے ٹوٹ گئے، میدان خالی ہو گیا اور مسلمانوں کی تلواروں نے نصرت الٰہی سے مشرکین کے سر وں کی ایسی فصل کاٹی کہ وہ کیمپ سے بھی پرے بھاگ گئے۔مسلمان ان کا تعاقب کرتے ہوئے ان کے خیموں تک پہنچ گئے اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس صرف چند حضرات رہ گئے۔سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ کی قسم! میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ ابوسفیان کی بیوی ہند اور اس کی ساتھی عورتوں کی پنڈلیاں نظر آ رہی تھیں۔وہ کپڑے اٹھائے بھاگی چلی جا رہی تھیں، ان کی گرفتاری میں کوئی شے بھی حائل نہ تھی۔(سیرۃ ابن ہشام:۲/۱۷۷، بخاری:۲/۵۷۹

Marfat.com

مسلمان بھاگتے دشمن کے تعاقب میں تھے اور کچھ ان کا مال اکٹھا کر رہے تھے۔ دشمن کو کافی دور تک چھوڑ کر تعاقب کرنے والے بھی واپس آ کر مال غنیمت اکٹھا کرنے میں مصروف ہو گئے۔

ایک خوفناک غلطی:

عین اس وقت جب اسلامی لشکر فتح و نصرت سے ہم کنار ہو کر دنیا کی تاریخ میں اپنی تابناک فتح کے نقش ثبت کر رہا تھا، درہ پر متعین تیر انداز دستے کی اکثریت نے ایک ایسی خوفناک غلطی کی جس نے ان کی فتح کو شکست میں تبدیل کر کے رکھ دیا اور اسلامی لشکر کو اتنا نقصان اور قائد اسلام ﷺ کو اس قدر تکلیف پہنچی جو ناقابل بیان ہے۔ دشمن کو بھاگتے دیکھ کر اس دستے کی اکثریت درہ کو چھوڑ کر دشمن کا مال غنیمت اکٹھا کرنے میں مصروف ہو گئی۔ امیر دستہ نے ان کو درہ نہ چھوڑنے کے لیے بہت سمجھایا لیکن اکثریت کی رائے یہ تھی کہ اب یہاں ڈٹے رہنا بے معنی ہے، چنانچہ اکثریت نے اس درہ کو چھوڑ دیا اور صرف دس تیر انداز وہاں رہ گئے جن میں ایک ان کے کمانڈر بھی تھے۔ درہ کا مورچہ چھوڑنے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس بات کا اندازہ نہیں تھا کہ وہ کتنی بڑی خوفناک غلطی کر رہے ہیں اور انھیں اس بات کا بھی احساس نہیں تھا کہ دشمن کی فوج کو جو پانچ سو کلومیٹر سے لڑنے کے لیے آئی ہے، ایسے جرنیل بھی میسر ہیں جو عقابی نگاہوں سے تحت الثریٰ اور پاتال کی چیزیں بھی دیکھ لیتے ہیں اور اپنی ماہرانہ جنگی تدبیروں سے اپنے حریف کی فتح کو شکست میں تبدیل کر سکتے ہیں۔ خالد بن ولید اور عکرمہ بن ابی جہل دشمن کی فوج کے عقابی نظر رکھنے والے ماہر کمانڈر تھے، قریشی لشکر کے بھاگتے ہوئے بھی خالد بن ولید نے اس مورچہ پر نظر ڈالی تو دیکھا کہ یہ کمزور ہو چکا ہے۔ انھوں نے مورچہ کی کمزوری سے فائدہ اٹھایا اور سواروں کے ایک دستہ کے ساتھ پہاڑ کے پیچھے سے اس مورچہ پر حملہ کر دیا۔ ان دس مجاہدین نے ڈٹ کر مقابلہ کیا لیکن دشمن ان کی لاشوں کو پھلانگتا ہوا آگے بڑھا اور دندناتا ہوا منتشر مسلمانوں کے سروں پر پہنچ گیا۔

دشمن کا یہ دستہ شیرازہ بند تھا اور مسلمان منتشر اور پراگندہ حال، صفیں ٹوٹی ہوئی پا پیادہ۔ دشمن کے اس دستہ نے یک بارگی ایسا حملہ کیا کہ مسلمانوں کے اوسان خطا ہو گئے۔ اب حالت یہ تھی کہ مسلمان قلیل بھی تھے اور منتشر بھی۔ دشمن جب واپس پلٹا تو اس کے اونٹوں اور گھوڑوں کے پاؤں سے ایسا گرد و غبار اٹھا کہ فضا مکدر ہو گئی۔ اس گرد و غبار نے فضا کو اس قدر تاریک کر دیا کہ ایک دوسرے کی پہچان مشکل ہو گئی۔ چنانچہ اسی کشمکش میں سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ کے والد یمان رضی اللہ عنہ خود مسلمانوں کی تلواروں سے شہید ہو گئے۔ مسلمانوں کو جب ان کی شہادت کا پتہ چلا تو انھیں سخت ندامت ہوئی لیکن اب کچھ نہیں کیا جا سکتا تھا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جب غنیم کا مال سمیٹ رہے تھے اس وقت سرکار دو عالم ﷺ صرف نو صحابہ (سات انصار اور دو مہاجر) کے پیچھے تشریف فرما تھے۔ جب خالد بن ولید کا دستہ پیچھے سے مسلمانوں پر حملہ آور ہوا تو اب آپؐ کے سامنے صرف دو راستے تھے۔ ایک یہ کہ آپؐ ان نو صحابہ کے ساتھ تیزی سے بھاگ کر کسی محفوظ جگہ پر چلے

Marfat.com

جائیں اور اپنے لشکر کو اس کے حال پر چھوڑ دیں، اور دوسرا راستہ نہایت خطرناک تھا اور وہ یہ کہ اپنی جان کو خطرہ میں ڈال کر اپنے صحابہ کو بلائیں اور ان کی ایک معتد بہ تعداد کو اکٹھا کر کے ایک مضبوط محاذ تشکیل دیں، اور اس طرح سے اپنے لشکر کو بچائیں۔ آپ ﷺ نے دوسرے راستہ کو اپنایا۔ آپؐ نے مسلمانوں کو بلند آواز سے پکارا: ''اللہ کے بندو! ادھر آؤ'' لیکن یہ آواز مسلمانوں تک پہنچنے سے پہلے کافروں تک پہنچ گئی اور انھیں پتہ چل گیا کہ محمد (ﷺ) کہاں ہیں۔ آپؐ کی آواز سن کر مسلمانوں کا ایک دستہ حضور ﷺ تک پہنچ گیا لیکن قریشی دستے نے نہایت تیزی کے ساتھ مسلمانوں کے گرد محاصرہ کرنا شروع کر دیا۔

مشرکین کا ہدف حضور ﷺ کی ذات تھی۔ اب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے شمع رسالت کی حفاظت کے لیے پروانوں کی طرح اپنی جانیں نچھاور کیں۔ سیدہ ام عمارہ رضی اللہ عنہا اس روز آپؐ کی حفاظت کرتے ہوئے شہید ہو گئیں، اب صرف دو مہاجر سیدنا طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ آپ کے پاس رہ گئے۔

(بخاری: ۱/ ۵۲۷، ۲/ ۵۸۱)

یہ موقع آپؐ کی زندگی کے لیے نہایت نازک موقع تھا کیونکہ اب پوری جنگ کا مرکز ثقل آپؐ کی ذات تھی۔ مشرکین کی خواہش تھی کہ آپ ﷺ کا کام تمام کر دیں (معاذ اللہ) لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ خواہش پوری نہ ہونے دی۔

سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے بھائی عتبہ بن ابی وقاص نے آپؐ پر ایک پتھر پھینکا جس سے آپؐ پہلو کے بل گر گئے اور آپؐ کے نیچے کے دو رباعی دانت ٹوٹ گئے اور نچلا ہونٹ بھی بری طرح زخمی ہو گیا۔ سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس وجہ سے میں اپنے بھائی عتبہ کے قتل کا خواہش مند رہا اتنا کہ کسی اور شخص کے قتل کا خواہش مند نہیں ہوا۔ (فتح الباری: ۷/ ۲۸۱، زرقانی: ۲/ ۳۷)

اسی دوران میں ایک پتھر پیشانی مبارک پر لگا جس نے پیشانی کو زخمی کر دیا۔ ابن قمیہ بار بار آپؐ پر حملہ کر رہا تھا۔ مہاجرین کے علم بردار سیدنا مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر ابن قمیہ کا بڑی ہمت اور جرأت سے مقابلہ کیا لیکن انھیں جام شہادت نوش کرنا پڑا۔ علم بردار شہید ہوئے، علم گرا تو ابن قمیہ نے شور مچا دیا کہ میں نے محمد (ﷺ) کو شہید کر دیا۔ جونہی مسلمانوں نے یہ آواز سنی ان کے دل بیٹھ گئے۔ وہ پہلے ہی سے سراسیمہ تھے اس آواز نے انھیں اور حواس باختہ کر دیا۔ کئی بڑے بڑے بہادروں کے دل ٹوٹ گئے۔

اس بات میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ دشمن کی اس یلغار کا مقصد شمع رسالت کو بجھانا تھا۔ وہ آپؐ کی ذات پر تابڑ توڑ حملے کر رہے تھے اور جان نثاران نبوت آپؐ کی ذات اقدس کو ہالہ بنائے ہوئے تھے اور ایک ایک کر کے کٹ رہے تھے۔ اب صرف دو صحابی آپؐ کی حفاظت کے لیے رہ گئے تھے۔ ایک سیدنا طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ اور دوسرے سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ۔ ان دونوں نے تاریخ عالم میں اپنی نادر الوجود جانبازی کی مثال قائم کر دی کہ ان دونوں نے مشرکین کی کامیابی ناممکن بنا دی۔ سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ نے اس روز گیارہ آدمیوں کے برابر تنہا مقابلہ کیا یہاں

Marfat.com

تک کہ ان کے ہاتھ پر تلوار کی ایک ایسی ضرب لگی جس سے ان کی انگلیاں کٹ گئیں۔ (نسائی:۲/۵۲، فتح الباری:۷/۳۶۱)

سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ دشمن کے تیروں کو اپنے پہلو اور شانہ پر روکتے۔ اس روز ان کے جسم پر ستر (۷۰) سے زیادہ زخم آئے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ ''احد کی جنگ ساری کی ساری طلحہ رضی اللہ عنہ کے لیے تھی۔''

(فتح الباری:۷/۲۷۸)

اسی طرح سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بھی آپ ؐ کی حفاظت میں دشمنوں پر تیر برساتے رہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تیر اٹھا اٹھا کر دیتے جاتے اور سیدنا سعد بن ابی وقاص دشمن کو تاک تاک کر مار رہے تھے۔ بخاری میں ہے کہ جب آپ ؐ سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو تیر دیتے تو فرماتے: "ارم فداك ابی وامی" میرے ماں باپ تجھ پر قربان یہ تیر چلا۔ (بخاری:۲/۵۸۱)

عجیب اتفاق ہے کہ چشم فلک نے یہ نظارہ کم ہی دیکھا ہوگا کہ ایک بھائی (عتبہ بن ابی وقاص) نے پتھر مار کر چہرہ انور لہولہان کر دیا اور دوسرا بھائی (سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ) اسی رخ انور کی حفاظت کے لیے تیر اندازی کر رہا ہے اور لسان نبوت سے کلمات تحسین سن رہا ہے۔

سیدنا ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ بھی ایک مشہور تیر انداز تھے۔ کمان پر ہاتھ بڑا ماہرانہ پڑتا تھا۔ اس روز ان کے ہاتھ سے حفاظت شمع رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں کئی کمانیں ٹوٹیں۔ سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے بھی اس روز اپنی بہادری کے جوہر دکھائے۔ بیس سے زیادہ زخم آئے جن میں بعض پاؤں پر تھے جن سے وہ لنگڑے ہو گئے۔ سیدنا ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ بھی اپنی جان پر کھیل کر دشمنوں کو ذات اقدس سے پرے ہٹا رہے تھے۔

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ دشمنوں کو آپ ؐ سے پرے ہٹاتے ہوئے ہم دونوں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ گئے۔ دیکھا کہ روئے انور شدید زخمی ہے۔ دندان مبارک شہید تھے۔ مغفر کی کڑیاں رخسار مبارک میں کبھی ہوئی تھیں۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کڑیاں نکالنے کا ارادہ فرمایا تو سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے قسم دے کر کہا کہ یہ سعادت مجھے حاصل کرنے دیجیے۔ ہاتھ سے کڑیاں نکالنے میں تکلیف زیادہ محسوس ہوئی تو دانتوں سے دبا کر ایک کڑی کو اس زور سے نکالا کہ کڑی تو نکل آئی لیکن ساتھ ہی سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کا ایک دانت بھی ٹوٹ گیا۔ اب دوسری کڑی ابوبکر رضی اللہ عنہ خود نکالنا چاہتے تھے۔ سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے پھر قسم دے کر یہ سعادت حاصل کرنے کی درخواست کی۔ اب کی دفعہ بھی کڑی تو نکل گئی لیکن دانت پھر ٹوٹ گیا۔ سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے دو دانت تو ٹوٹ گئے لیکن چہرہ کی رونق ایسی بڑھی کہ کوئی ٹوٹے ہوئے دانت والا اتنا حسین و جمیل نہیں معلوم ہوتا تھا۔

(سیرۃ ابن ہشام:۲/۷۷، البدایہ والنہایہ:۴/۲۹)

اللہ تعالیٰ کی نگاہ بخوبی دیکھ رہی تھی کہ کس طرح نبوت کے پروانے کٹ کٹ کر اس شمع کی حفاظت کر رہے ہیں اور تاریخ کے اوراق پر اپنی نادر الوقوع جان نثاری کی مثالیں ثبت کر رہے ہیں۔ اب رحمت الٰہی جوش میں آئی اور اس نازک ترین لمحے اور مشکل ترین وقت میں جنگ بدر کی طرح دو فرشتوں سے مدد فرمائی۔ سیدنا سعد بن

Marfat.com

ابی وقاص رضی اللہ عنہ بڑے وثوق سے فرماتے ہیں کہ یہ دونوں جبرئیل ومیکائیل تھے۔(بخاری:۲/۵۸۰)

آپؐ کے گرد ہجوم اس قدر زیادہ تھا کہ قریباً ستر مرتبہ آپؐ پر تلواروں کے حملے ہوئے لیکن اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو ہر مرتبہ دشمنوں کے شر سے محفوظ فرمایا۔(بخاری:۲/۵۸۰،تعلیقہ)

بالآخر جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو پتہ چل گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حیات ہیں تو ان کے مردہ جسموں میں جان پڑ گئی، بے چین دلوں کو چین مل گیا، سارے غم غلط ہو گئے۔آپؐ کے شیر دل ساتھیوں نے ان حملہ آوروں کا ہجوم چیر کر راستہ بنالیا۔

خلاصہ یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے جان نثاروں اور پامرد ساتھیوں کے ساتھ اور باقی ماندہ لشکر کے لیے راستہ بناتے ہوئے پہاڑ کی گھاٹی میں واقع اپنے کیمپ میں آ گئے اور مسلمانوں کا لشکر ایک مرتبہ پھر مرتب ہونا شروع ہو گیا۔گویا خالد بن ولید کی عسکری عبقریت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عسکری عبقریت کے سامنے ناکام ہو گئی۔ (فشلت عبقرية خالد امام عبقرية رسول الله صلى الله عليه وسلم)

سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم گھاٹی میں تشریف فرما تھے اور جان نثار اردگرد ہالہ بنا کر بیٹھے ہوئے تھے تو دیکھا کہ ابوسفیان اور خالد بن ولید پہاڑ پر سواروں کے ایک دستے کے ساتھ چڑھے ہوئے ہیں۔خالد مسلمانوں پر پھر ایک اور حملہ کرنے کے لیے پرتول رہے ہیں۔اس وقت سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے وہی کلمے نکلے جو میدان بدر میں نکلے تھے:

''اے اللہ! تیری مشیت اور مرضی یہی ہے تو کرۂ ارض سے تیری عبادت ختم ہو جائے گی۔''

پھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ چند مہاجرین کے ساتھ پہاڑ کی طرف بڑھے۔دونوں طرف سے تیر اور پتھر برسائے گئے لیکن دشمن ٹھہر نہ سکا اور پہاڑ سے نیچے اتر گیا۔(البدایہ والنہایہ:۴/۲۸،سیرۃ ابن ہشام:۲/۸۶)

اب مشرکین بالکل ہمت ہار چکے تھے۔اس لیے انھوں نے اب مزید کوئی حملہ کرنے سے گریز کیا۔کوئی مؤرخ اس کی وجہ بیان نہیں کر سکا کہ قریش کا یہ لشکر جرار کامیابی کے بعد ناکام کیوں ہو گیا؟ بہرحال جنگ بند ہو گئی۔مدینہ طیبہ میں یہ خبر پہنچ گئی تھی کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو گئے ہیں۔اس اندوہناک خبر نے جس طرح مردوں کو پریشان اور حواس باختہ کیا اسی طرح مدینہ طیبہ میں مسلمان عورتیں بھی اس خبر سے سخت پریشان ہوئیں۔ جنگ کے خاتمہ کے بعد کچھ مسلمان عورتیں میدان جنگ میں پہنچیں۔سیدنا انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے سیدہ عائشہ بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا اور سیدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا (یہ سیدنا ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ کی بیوی تھیں) کو دیکھا کہ پنڈلی کی پازیب تک کپڑے چڑھائے پیٹھ پر پانی کے مشکیزے لا رہی تھیں اور زخمیوں کو پلا رہی تھیں۔(بخاری:۱/۴۰۳،۲/۵۸۱)

انہی عورتوں میں سیدہ ام ایمن رضی اللہ عنہا بھی تھیں۔سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی والدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا بھی مشک میں پانی بھر بھر کر زخمیوں کے لیے لاتی تھیں۔سیدہ فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی تشریف لائیں۔ابا کو دیکھا کہ چہرۂ اقدس کے زخموں سے خون بہہ رہا ہے اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اس کا کوئی قطرہ زمین پر نہیں گرنے دیتے اور خون

Marfat.com

کو کپڑوں پر لے رہے ہیں۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ ڈھال میں پانی لائے اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے زخم دھوئے، لیکن خون تھمتا نہیں تھا۔ چنانچہ چٹائی کا ایک ٹکڑا جلایا گیا اور اس کی راکھ زخم میں بھری تب خون بند ہوا۔

(زرقانی:۲/۴۹، بخاری:۲/۵۸۴ والطبرانی ایضاً)

ابوسفیان کا نعرہ:

احد کی جنگ ظہر کے وقت تک ختم ہو چکی تھی۔ ظہر کی نماز آپؐ نے بیٹھ کر پڑھی۔ بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی یہ نماز بیٹھ کر پڑھی۔ (ابن ہشام:۴/۸۷)

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے لائے ہوئے پانی سے آپؐ نے چہرے کا خون دھویا اور فرمایا: ''اس شخص پر اللہ کا سخت عذاب ہو جس نے اس کے نبی کے چہرے کو خون آلود کیا۔'' اتنے میں محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کہیں سے شیریں اور خوش ذائقہ پانی لائے۔ آپؐ نے اسے نوش فرمایا اور دعائے خیر فرمائی۔ (سیرۃ حلبیہ:۲/۳۰)

قریش کے لشکر نے جب واپسی کی تیاری کی تو ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے پہاڑ پر چڑھ کر آواز دی: ''کیا تم لوگوں میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) موجود ہیں؟'' آپؐ نے فرمایا: ''کوئی اس آواز کا جواب نہ دے۔'' جب کوئی جواب نہ آیا تو اس نے پھر یہ آواز دی: ''کیا تم میں ابن ابی قحافہ (ابوبکر رضی اللہ عنہ) موجود ہیں؟'' آپؐ نے فرمایا: ''کوئی جواب نہ دے۔'' جب پھر کوئی جواب نہ آیا تو پھر یہ آواز دی: ''کیا تم میں عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ موجود ہیں۔'' آپؐ نے اس کا جواب دینے سے بھی منع فرمایا۔ اس نے یہ سمجھا کہ (معاذ اللہ) یہ تینوں قتل ہو گئے ہیں اور اب مسلمانوں میں کوئی بیدار مغز قیادت نہیں رہی۔ لہٰذا اس نے خوشی سے نعرہ لگایا "اعل هبل" ہبل کی جے ہو۔ یہ نعرہ سن کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بے تاب ہو گئے اور اونچی آواز سے فرمایا: ''اے اللہ کے دشمن! تو بالکل غلط سمجھا، تیرے رنج و غم کا سامان اللہ تعالیٰ نے ابھی باقی رکھ چھوڑا ہے۔ یہ سب زندہ ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اس کے جواب میں کہو "الله اعلىٰ واجل" اللہ سب سے اعلیٰ اور برتر ہے۔ ابوسفیان نے پھر دوسرا نعرہ لگایا "لنا عزىٰ ولا عزىٰ لكم" ہمارے لیے عزیٰ ہے اور تمہارے لیے کوئی عزیٰ نہیں۔ آپؐ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: تم اس کا یہ جواب دو: "الله مولانا ولا مولىٰ لكم" اللہ ہمارا مولیٰ ہے اور تمہارا کوئی مولا نہیں۔ اس کے بعد ابوسفیان نے کہا: ''یہ دن یوم بدر کا بدلہ ہے، لہٰذا ہم اور تم برابر ہو گئے۔ لڑائی تو ڈول کی مانند ہے، کبھی اوپر اور کبھی نیچے۔'' سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے جواب میں فرمایا: ''ہم اور تم برابر نہیں۔ ہمارے مقتولین جنت میں ہیں اور تمہارے جہنم میں۔''

(بخاری:۲/۵۷۹، فتح الباری:۷/۲۷۲، زرقانی:۲/۳۷، زاد المعاد:۲/۹۴، عیون الاثر:۲/۲۹)

چلتے وقت ابوسفیان نے کہا: ''آئندہ سال بدر میں تم سے جنگ کا وعدہ ہے۔'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی صحابی سے کہا: ''کہہ دو، ہاں ہمارا اور تمہارا یہ وعدہ ہے، ان شاء اللہ۔'' (زرقانی:۲/۴۸، سیرۃ ابن ہشام:۲/۹۴)

قریش کی مکہ واپسی کے بعد زخمیوں اور شہیدوں کا پتہ چلایا گیا۔ آپؐ نے پوچھا: سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ کہاں

Marfat.com

ہیں؟ چنانچہ سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو بھیجا گیا کہ انھیں تلاش کریں اور اگر مل جائیں تو انھیں میرا اسلام کہنا اور یہ بھی کہنا کہ تم اس وقت اپنے کو کیسا پاتے ہو؟ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں مقتولین میں سے ڈھونڈتا ہوا ان کے پاس پہنچا۔ دیکھا تو انھیں نیزے اور تلوار کے قریباً (۷۰) زخم آئے ہوئے تھے۔ ابھی کچھ زندگی کی رمق باقی تھی۔ میں نے کہا: ''سعد رضی اللہ عنہ! اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو سلام کہتے ہیں اور پھر آپؐ کا پیغام پہنچایا۔ سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی سلام ہو اور تم پر بھی سلام ہو۔ آپؐ سے عرض کرنا کہ میں اس وقت جنت کی خوشبو سونگھ رہا ہوں اور میری قوم انصار سے کہنا کہ جب تک تم میں ایک شخص بھی زندہ ہے اگر دشمن نے آپؐ کا ایک بال بھی بیکا کر دیا تو تمھارے پاس خدا کے حضور پیش کرنے کے لیے کوئی عذر نہ ہوگا۔ یہ کہا اور روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ رضی اللہ عنہ وارضاہ۔ (زرقانی: ۲/۴۹)

شہداء کی تجہیز و تکفین:

زخمیوں کے ساتھ ساتھ شہداء کی بھی تلاش کی گئی۔ کچھ حضرات نے اپنے شہداء کو تدفین کے لیے مدینہ منتقل کر لیا تھا۔ سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کو آپؐ نے دیکھا تو ان کا مُثلہ ہو چکا تھا۔ ان کی لاش اس حالت میں دیکھ کر نہایت صدمہ ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مجھے جبرئیل نے خبر دی ہے کہ سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کا یہ لقب ساتوں آسمانوں پر لکھ دیا گیا ہے:

اسد الله واسد رسوله۔

''اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا شیر۔'' (سیرۃ ابن ہشام: ۲/۹۵)

سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کی لاش کو دیکھا تو رو پڑے یہاں تک کہ ہچکی بندھ گئی۔ پھر فرمایا:

سید الشهداء عندالله یوم القیامة حمزة۔ (مستدرک حاکم: ۳/۱۹۹)

''قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کے ہاں حمزہ رضی اللہ عنہ تمام شہیدوں کے سردار ہوں گے۔''

سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کے بھانجے سیدنا عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ بھی اس جنگ میں شہید ہوئے۔ وہ اکثر دعا مانگا کرتے تھے کہ میں اللہ کے راستے میں اپنی جان نثار کروں اور اللہ کے راستہ میں میرے ناک کان کاٹے جائیں۔ چنانچہ ان کی لاش ناک کٹی ہوئی ملی۔ ان کی لاش کے بارے میں آپؐ نے فرمایا کہ ان کو ان کے ماموں سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ دفن کیا جائے۔ یہ سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کے بھانجے بھی تھے اور رضاعی بھائی بھی۔ سیدنا مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ علم بردار لشکر بھی اس غزوہ میں شہید ہوئے تھے۔ آپؐ نے ان کی لاش کو دیکھ کر فرمایا: ''یہ وہ ہیں کہ انھوں نے اللہ سے جو وعدہ کیا تھا اس کو پورا کر دکھایا۔ (البدایہ والنہایہ: ۴/۴۵)

سیدنا عمرو بن الجموح رضی اللہ عنہ بھی اس غزوہ میں شہید ہوئے۔ یہ لنگڑے تھے۔ ان کو اس غزوہ میں شریک

Marfat.com

ہونے کا بڑا شوق تھا۔ اسی شوق شہادت میں مدینہ سے چلتے وقت قبلہ کی طرف منہ کر کے دعا کی: ''اے اللہ! مجھے شہادت سے بہرہ مند فرما اور گھر والوں کی طرف واپس نہ لوٹا۔'' دعا قبول ہوگئی۔ اس غزوہ میں ان کی ایک اولاد بھی شہید ہوئی۔ عمرو بن الجموح کی اہلیہ نے چاہا کہ عبداللہ بن عمرو اور بیٹے کی لاشوں کو ایک اونٹ پر لاد کر مدینہ لے جائے اور وہیں ان تینوں کو دفن کیا جائے لیکن جب وہ مدینہ کا رخ کرتیں تو اونٹ بیٹھ جاتا اور جب احد کا رخ کرتیں تو اونٹ چلنے لگتا۔ اس کی وجہ سمجھ نہیں آ رہی تھی۔ آپؐ نے پوچھا: ''عمرو بن الجموح رضی اللہ عنہ نے گھر سے چلتے وقت کچھ کہا تھا؟'' انھوں نے دعا کا تذکرہ کیا۔ آپؐ نے فرمایا: ''اسی وجہ سے اونٹ مدینہ کی طرف نہیں جاتا'' اور یہ بھی فرمایا:

''قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، تم میں بعض لوگ ایسے ہیں اگر وہ کسی بات پر قسم کھا بیٹھیں تو اللہ تعالیٰ ان کی قسم کو ضرور پوری کرتا ہے، اور عمرو بن الجموح رضی اللہ عنہ بھی ان میں سے ایک ہیں، اور بے شک میں نے ان کو اسی لنگڑے پن کے ساتھ جنت میں چلتا ہوا دیکھا ہے۔''

(عیون الاثر:۲/۲۸، زرقانی:۲/۵۰، الاستیعاب:۲/۵۰۳، روض الانف:۲/۱۳۹)

شہداء کی تدفین کا مرحلہ:

شہداء کی تعداد ستر (۷۰) تھی اور مدینہ کی زمین بھی کھدائی کے لیے بہت سخت تھی۔ قبر کھودنے والے خود بھی زخموں سے چور اور تھکے ہارے تھے۔ اس وجہ سے فیصلہ یہ ہوا کہ ایک ایک قبر میں دو دو دفن کیے جائیں۔ جن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو قرآن زیادہ یاد تھا ان کو مقدم کیا جاتا تھا۔ (بخاری:۱/۱۷۹) ان شہداء کے بارے میں زبان رسالت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ الفاظ بھی نکلے ''قیامت کے روز میں ان کی گواہی دوں گا۔'' (بخاری:۱/۱۷۹) دفن کی طرح نماز میں بھی اختصار کیا۔ دس دس شہداء کی نماز جنازہ ایک ساتھ پڑھائی گئی لیکن سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کا جنازہ برابر رکھا رہا اور ان پر سات مرتبہ نماز جنازہ پڑھائی گئی۔ (ابن ماجہ، رقم:۱۵۱۳)

جب قریش کا لشکر واپس چلا گیا تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ تمام حضرات صفیں باندھ لیں تاکہ سب مل کر دعا کریں۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مل کر دعا مانگی۔

(مسند احمد:۳/۳۲۴)

ان سب امور سے فارغ ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واپس مدینہ تشریف لائے۔ راستہ میں کئی عورتیں آپؐ سے ملیں، ان میں ایک سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی والدہ بھی تھیں۔ آپؐ نے انھیں ان کے بیٹے عمرو بن معاذ کی شہادت کی خبر دی اور اس سے تعزیت کی اور صبر کی تلقین فرمائی۔ کہنے لگیں: ''یا رسول اللہ! جب آپؐ سلامت ہیں تو ہر مصیبت ہیچ ہے۔''

جب سواری کا شانۂ نبوت پر پہنچی تو سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ رئیس اوس اور سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ رئیس

Marfat.com

خزرج نے دونوں طرف سہارا دے کر آپ کو گھوڑے سے نیچے اتارا۔ منافقین نے اس موقع سے فائدہ اٹھا کر مدینہ میں طرح طرح کی افواہیں پھیلانی شروع کر دیں کہ دیکھو کتنا نقصان ہوا، ستر (۷۰) آدمی قتل ہوئے۔ زخمیوں کی تعداد بھی بہت ہے۔ آپؐ نے جب یہ باتیں سنیں تو فرمایا:

''قریش نے جتنا نقصان آج ہمیں پہنچایا ہے اس کے بعد اتنا نقصان پھر کبھی نہیں پہنچا سکیں گے یہاں تک کہ ہم حجر اسود کو بوسہ دیں گے یعنی مکہ فتح کریں گے۔'' (طبقات ابن سعد: ۳/۳۱)

سبحان اللہ! اتنا نقصان اٹھانے اور خود بری طرح زخمی ہونے پر مستقبل کے پردوں میں جھانک کر پیش گوئی کی جارہی ہے کہ ہم مکہ فتح کریں گے۔

غزوۂ حمراء الاسد:

رسول اللہ ﷺ ابھی میدان احد ہی میں تھے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے آپؐ کو یہ اطلاع دی کہ دشمن مکہ کی طرف روانہ ہو رہے ہیں۔ اگرچہ آپؐ کو اطمینان تھا کہ مدینہ دشمن کی دست برد سے محفوظ ہے لیکن اس بات کا اندیشہ ضرور تھا کہ دشمن کہیں راستہ سے پلٹ کر ہم پر دوبارہ حملہ نہ کر دے، لہٰذا دشمن کا پیچھا کرنا ضروری ہے، مگر یہاں سے نہیں، پہلے پورا لشکر مدینہ جائے اور مدینہ کی مکمل حفاظت کا بندوبست کر کے پھر ایک دستہ دشمن کے تعاقب میں بھیجا جائے۔ چنانچہ آپؐ نے ایسا ہی۔ رات مدینہ میں خیریت سے گزاری۔ رات گزرنے کے بعد اتوار کی صبح کو نماز فجر سے فارغ ہو کر آپؐ نے سیدنا بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اعلان کر دو کہ دشمن کے تعاقب میں چلو، اور صرف وہی لوگ چلیں جو کل ہمارے ساتھ جنگ میں شریک تھے۔ اس جنگ کے لیے پرچم سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا۔ (طبقات ابن سعد: ۳/۳۴) اور حمراء الاسد جو مدینہ سے آٹھ میل کے فاصلہ پر تھا، کا قصد فرمایا۔ سیدنا ثابت بن ضحاک رضی اللہ عنہ راستہ بتانے کے لیے آگے آگے چلے۔ (سیرۃ حلبیہ: ۳/۲۸۵)

حکم یہ تھا کہ جو لوگ کل جنگ احد میں شریک ہوئے تھے وہ لوگ ہی اس دستہ میں شامل ہوں، لیکن ان لوگوں میں زیادہ تر مضروب اور زخمی لوگ تھے جو تمام رات زخموں کی مرہم پٹی کرتے رہے۔ ان میں سب سے مقدم خود سرکار دو عالم ﷺ تھے۔ سیدنا طلحہ بن عبید اللہ، سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف اور سیدنا ابو دجانہ رضی اللہ عنہم وغیرہم شدید زخمی تھے، لیکن یہ تمام اطاعت شعار حضرات اپنے قائد کے ایک حکم پر اپنی ان تمام چوٹوں، زخموں اور ضربوں کو بھول کر ان کے ساتھ روانہ ہو گئے۔ دنیا میں ایسی مثال ڈھونڈھے سے نہیں ملتی۔

رسول اللہ ﷺ کا یہ اندیشہ کہ دشمن پلٹ کر پھر حملہ نہ کر دے، کسی حد تک درست تھا۔ دشمن نے مدینہ سے ۳۶ میل دور مقام روحاء پر پہنچ کر جب پڑاؤ ڈالا تو اسے محسوس ہوا کہ اس نے بہت بڑی غلطی کی ہے۔ انھوں نے آپس میں کہا کہ ہم لوگوں نے کچھ نہیں کیا کہ مسلمانوں کو نیم جان کر کے انھیں یونہی چھوڑ دیا، لہٰذا ہمیں واپس لوٹ کر مدینہ پر حملہ کرنا چاہیے اور مسلمانوں کی رہی سہی طاقت کا قلع قمع کر کے اس دردسر کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دینا

Marfat.com

چاہیے، لیکن صفوان بن امیہ نے ان کی اس تجویز کو احمقانہ قرار دیا اور اس کی سخت مخالفت کی۔ اس نے کہا: ''مسلمانوں کی ایک معمولی سی غلطی کی وجہ سے تمھاری شکست فتح میں تبدیل ہوگئی ہے۔ تمھارے لیے اتنا ہی کافی ہے۔ اب اگر تم لوگوں نے واپس جا کر مدینہ پر حملہ کیا تو تمھاری یہ عزت بھی جاتی رہے گی اور تمھیں شکست فاش کا سامنا کرنا پڑے گا، لیکن دشمن کی اکثریت نے صفوان کی اس رائے سے اتفاق نہ کیا اور واپس مدینہ چلنے کے لیے پلاننگ شروع کر دی۔

رسول اللہ ﷺ بھی اپنے مجاہدین کے ساتھ مدینہ روانہ ہو کر حمراء الاسد پہنچ گئے اور وہاں قیام فرمایا۔ یہ جگہ مدینہ سے آٹھ میل کے فاصلہ پر تھی اور قریش کا لشکر اس سے آگے روحاء میں قیام پذیر تھا اور وہاں سے واپس آ کر مدینہ پر حملہ کرنے کی تیاریاں کر رہا تھا۔ اسی اثناء میں معبد بن ابی معبد خزاعی جو قبیلہ خزاعہ کا رئیس تھا، آپؐ کی خدمت اقدس میں پہنچ گیا۔ یہ ایک روایت کے مطابق مسلمان ہونے آیا تھا اور ایک روایت میں ابھی مسلمان نہیں ہوا تھا لیکن سرکار دو عالم ﷺ کا دل سے خیر خواہ تھا۔ اس نے آپؐ سے شہدائے احد کی تعزیت بھی کی۔ آپؐ نے اس سے فرمایا کہ وہ ابوسفیان کے پاس روحاء میں جائے اور اس کی حوصلہ شکنی کرے۔ معبد خزاعی آپؐ کے فرمان کے مطابق وہاں پہنچ گیا۔ ابوسفیان کو معلوم نہیں تھا کہ وہ مسلمان ہو گیا ہے۔ ابوسفیان نے اس سے اہل مدینہ کے بارے میں پوچھا۔ معبد نے کہا کہ مدینہ کے مسلمانوں کو جب احد کی شکست کا علم ہوا تو ان میں سے ہر ایک شعلۂ جوالہ بن گیا اور قریش پر دانت پیسنے لگا، یہ سب لوگ مدینہ سے اتنی بڑی جمعیت کے ساتھ نکل پڑے ہیں کہ میں نے ویسی جمعیت کبھی دیکھی ہی نہیں۔ ممکن ہے کہ تم کوچ کرنے سے پہلے پہلے ان کے گھوڑوں کی پیشانیاں دیکھو یا لشکر کا ہراول دستہ نمودار ہو جائے۔ معبد کا، لشکر قریش پر، یہ ایک بہت بڑا اِعصابی حملہ تھا۔ اس نے قریشی لشکر کی ہمت توڑ دی، لہٰذا ابوسفیان اور اس کے ساتھیوں نے یہ طے کیا کہ اب تیزی کے ساتھ مکہ کی طرف بڑھنا چاہیے۔

(سیرۃ ابن ہشام: ۲/۹۰)

حمراء الاسد میں آپؐ نے تین روز قیام فرمایا۔ اس کے آس پاس کے قبائل پر بڑے مثبت اثرات پڑے اور زخمیوں کو بھی بہت آرام مل گیا۔ آپ ﷺ کی اس تدبیر سے مسلمان کافی حد تک قریش کے حملہ سے محفوظ رہے۔ (طبقات ابن سعد: ۳/۲۵)

Marfat.com

سنہ ۴ھ

بدر کی فتح سے مسلمانوں کی جو ہیبت اور رعب قریش اور دوسرے قبائل کے دلوں پر بیٹھا ہوا تھا، احد کی عارضی شکست سے اس میں خاصی کمی آ گئی جس سے داخلی اور خارجی مشکلات میں اضافہ ہو گیا۔ اب مختلف قبائل نے کھل کر مخالفت شروع کر دی۔ مدینہ کے یہودی قبائل نے بھی اب یہ سمجھ لیا کہ مسلمان ناقابل شکست قوم نہیں ہیں لیکن یہ بات بھی ہر قبیلہ کے ذہن میں بیٹھ گئی کہ مسلمانوں کو ختم کرنا صرف قریش کے بس کی بات نہیں جب تک کہ دوسرے قبائل ان کی مدد نہ کریں، لہٰذا اب مسلمانوں کو ختم کرنے کے لیے اسٹرے ٹیجی (Strategy) تبدیل کی گئی لیکن فراست نبوی نے مشرکین کی تمام تدابیر اور کوششوں کو خاک میں ملا دیا اور ان کی کوئی بیل منڈھے نہ چڑھ سکی۔ چنانچہ اب سرکار دو عالم ﷺ نے بھی اپنی حکمت عملی میں تبدیلی کی۔ آپؐ کو جب پتہ چلتا کہ کوئی قبیلہ حملہ کی تیاری کر رہا ہے تو آپ ﷺ اس کے حملہ سے پہلے ہی مجاہدین کا دستہ بھیج کر اس کی سرکوبی کر دیتے اور شورش کی چنگاریوں کو شعلہ بننے سے پہلے ہی ٹھنڈا کر دیتے۔ چنانچہ اس مقصد کے لیے آپؐ نے مختلف مجاہدین کو مختلف قبائل میں بھیجا اور وہ سب اپنے مقصد میں کامیاب ہو کر لوٹے۔

سریہ ابوسلمہ رضی اللہ عنہ:

قبیلہ بنو اسد ''فید'' کے پہاڑی علاقہ میں ''کوہ قطن'' پر آباد تھے۔ وہاں ایک چشمہ بھی تھا جس کی وجہ سے یہ علاقہ نہایت سرسبز و شاداب تھا۔ یہاں کا سردار طلیحہ تھا جو اپنے کو بڑا بہادر سمجھتا تھا۔ اسی نے بعد میں دعویٰ نبوت بھی کیا۔ پھر نبوت سے تائب ہو کر سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ رسول اللہ ﷺ کو اطلاع ملی کہ طلیحہ اور اس کا بھائی اسد مسلمانوں پر حملہ کی تیاری کر رہے ہیں۔ ان کے حملہ سے پہلے ہی آپؐ نے سیدنا ابوسلمہ بن عبدالاسد مخزومی رضی اللہ عنہ کی قیادت میں ڈیڑھ سو مجاہدین کو بھیج کر ان پر اچانک حملہ کر دیا، اور ان کے اونٹوں اور بکریوں کو قبضہ میں کر کے تین چرواہوں کو بھی گرفتار کر لیا۔ یہ سریہ محرم سنہ ۴ھ کا چاند نظر آنے پر روانہ کیا گیا۔ واپسی پر سیدنا ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کا ایک زخم پھوٹ پڑا جو انھیں جنگ احد میں لگا تھا۔ اس کی وجہ سے ان کا جلد انتقال ہو گیا۔

(زرقانی: ۲/۶۳، البدایہ والنہایہ: ۴/۶۱، طبقات ابن سعد: ۲/۳۵، زادالمعاد: ۲/۱۰۸)

Marfat.com

سریۂ عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ:

اسی سال سنہ ۴ھ کو آپؐ کو خبر ملی کہ خالد بن سفیان ہذلی مسلمانوں پر حملہ کرنے کی تیاریاں کر رہا ہے۔ آپ نے سیدنا عبداللہ بن انیس انصاری رضی اللہ عنہ کو اس کے قتل کے لیے روانہ کیا۔ آپؐ نے عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ کو اس کا حلیہ بھی بتا دیا کہ جب تم دیکھو گے تو ڈر جاؤ گے۔ اگرچہ انھوں نے عرض کی کہ میں کبھی کسی سے نہیں ڈرا لیکن جب انھوں نے خالد کو دیکھا تو فرماتے ہیں کہ میرا دل دہل گیا اور اس کا رعب مجھ پر طاری ہونے لگا لیکن میں فوراً سنبھلا اور موقع پا کر اس کو قتل کر دیا اور اس کا سر لے کر ایک غار میں جا چھپا۔ اس کے ساتھی میری تلاش میں ادھر ادھر دوڑے۔ وہ اس غار کے قریب بھی آئے لیکن وہاں مکڑی نے جالا تن دیا تھا۔ اس غار سے میں رات کو نکلا اور چھپتے چھپاتے بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوا اور اس کا سر آپؐ کے سامنے رکھ دیا۔ آپؐ میری اس کارروائی پر بہت خوش ہوئے اور مجھے دعا کے ساتھ ایک چھڑی مرحمت فرمائی اور فرمایا:

''اس عصا کو پکڑ کر جنت میں چلنا۔ جنت میں عصا لے کر چلنے والا کوئی شاذ و نادر ہی ہوگا۔ اور یہ میرے اور تیرے درمیان قیامت کے دن ایک نشانی ہے۔''

سیدنا عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ نے اس عصا کی پوری زندگی حفاظت فرمائی اور مرتے وقت یہ وصیت کی کہ اس عصا کو میرے کفن میں رکھ دینا۔

(البدایہ والنہایہ: ۴/۱۴۰، سیرۃ ابن ہشام: ۲/۶۱۹، زاد المعاد: ۲/۱۰۹، زرقانی: ۲/۶۲، طبقات ابن سعد: ۲/۳۶)

حادثۂ رجیع:

اسی سال صفر سنہ ۴ھ میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عضل اور قارہ کے کچھ لوگ حاضر ہوئے اور اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کر کے درخواست کی کہ ہمارے قبیلہ میں تفہیم دین کے لیے کچھ پڑھے لکھے لوگوں کو بھیج دیا جائے جو ان میں دین کی تبلیغ کریں اور انھیں قرآن پڑھائیں۔ بخاری کی روایت کے مطابق دس حضرات کو ان کے ساتھ بھیج دیا گیا جن میں ایک سیدنا خبیب رضی اللہ عنہ بھی تھے۔

(بخاری: ۲/۵۶۸، ۵۸۵، فتح الباری: ۷/۲۹۱، طبقات ابن سعد: ۲/۳۹)

جب وہ لوگ ھدہ اور جدہ کے درمیان قبیلہ ھذیل کے چشمۂ رجیع پر پہنچے تو ان لوگوں نے بدعہدی کی اور سفیان بن خالد کے اشارہ سے قبیلہ بنولحیان نے ان کا کام تمام کر دیا۔ (سیرۃ حلبیہ: ۳/۱۸۴)

ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جب بنولحیان کے لوگوں کو اپنی طرف آتے دیکھا تو وہ ایک ٹیلہ پر چڑھ گئے۔ ان لوگوں نے سمجھا کہ اب ہم ان لوگوں سے بچ نہیں سکتے تو انھوں نے یہ دعا کی: ''اے اللہ! اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمارے حال کی خبر کر دے۔ اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی آپؐ کو مطلع کر دیا۔ اب انھوں نے ٹیلے کے اوپر ہی کافروں

Marfat.com

سے جنگ شروع کر دی۔ کہاں سو تیر انداز اور کہاں دس۔ دشمن کے تیروں کی بوچھاڑ سے سات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شہید ہو گئے۔ تین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو انھوں نے زندہ پکڑ لیا۔ تیسرے صحابی عبداللہ بن طارق رضی اللہ عنہ کو بھی شہید کر دیا، اور دو صحابہ سیدنا زید بن دثنہ رضی اللہ عنہ کو امیہ بن خلف کے بیٹے صفوان بن امیہ کے ہاتھ بیچ دیا اور سیدنا خبیب بن عدی رضی اللہ عنہ کو حارث کے بیٹوں نے اپنے باپ کے انتقام کے لیے خرید لیا، پھر ان دونوں صحابہ کرام رضی اللہ عنہما کو اہل مکہ نے شہید کر دیا۔ سیدنا زید رضی اللہ عنہ کو نہایت شقاوت سے قتل کر کے اور سیدنا خبیب رضی اللہ عنہ کو سولی پر چڑھا کر۔

بئر معونہ کی لرزہ خیز داستان:

بنو سلیم ایک قبیلہ تھا جو نجد میں آباد تھا۔ رعل، ذکوان، بنولحیان اور بنو عامر اس کے مختلف قبائل تھے۔ ان کا رئیس ابو براء عامر بن مالک تھا۔ صفر سنہ ۴ ھ میں عامر بن مالک بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوا اور اپنے حریفوں کے مقابلے میں آپ ؐ سے امداد کی درخواست کی۔ آپ ؐ نے درخواست منظور فرمالی۔ آپ ؐ نے اس موقع پر عامر بن مالک کو اسلام کی دعوت دی۔ اس نے جواب دیا کہ آپ ؐ اپنے منتخب اصحاب کو بھیجیں تو وہ فریضہ دعوت بھی انجام دیں گے اور مجھے امید ہے کہ ان کی دعوت سے وہ لوگ اسلام قبول کر لیں گے۔ اس وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علم و فضل کے حامل اصحاب وہاں بھیجنے کے لیے منتخب فرمایا۔ سیدنا منذر بن عمرو رضی اللہ عنہ اس جماعت کے قائد اور امیر مقرر ہوئے۔

آپ ؐ نے ستر (۷۰) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ان لوگوں کی درخواست پر ان کے ہمراہ بھیجا تھا لیکن آپ کا قلب مبارک مطمئن نہیں تھا، چنانچہ آپ ؐ نے عامر بن مالک سے یہ فرمایا تھا: ''مجھے اہل نجد کی طرف سے خطرہ ہے۔'' لیکن ابو براء نے بڑے وثوق سے یقین دلایا تھا کہ آپ ؐ کوئی فکر نہ کریں، میں ذمہ دار ہوں۔ آپ ؐ نے جب ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو رخصت فرمایا تو آپ ؐ نے تین صحابہ کو ایک خط دیا تھا کہ وہ عامر بن طفیل کو یہ خط دے دیں۔ (بخاری: ۵۸۶/۲)

یہ سب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم دن رات سفر کرتے ہوئے بئر معونہ پہنچے۔ یہاں پڑاؤ ڈالنے کے بعد ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سیدنا حران بن ملحان رضی اللہ عنہ جو ان کے امیر تھے کو خط عامر بن طفیل تک پہنچانے کے لیے کہا۔ حرام بن ملحان رضی اللہ عنہ نے اپنے دونوں ساتھیوں سے کہا کہ آپ حضرات یہیں ٹھہریں، میں تنہا عامر بن طفیل کے پاس جاتا ہوں، اگر کوئی خطرہ کی بات ہوئی تو صرف ایک شخص اس کا نشانہ بنے گا۔ آپ دونوں فوری طور پر دوسرے ساتھیوں کو مطلع کر دینا۔ سیدنا حرام بن ملحان رضی اللہ عنہ نے عامر بن طفیل جو ان قبائل کا سردار تھا، کے پاس جا کر اس کو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ مکتوب دیا لیکن عامر بڑا بدمزاج انسان تھا۔ اس نے آپ کا وہ خط دیکھا تک نہیں اور ایک شخص کو اشارہ کر دیا۔ اس بدبخت نے اشارہ پاتے ہی نامہ بر کو پیچھے سے اس زور کا نیزہ مارا کہ آر پار ہو گیا۔ جسم سے خون کا فوارہ چھوٹا لیکن مرتے مرتے بھی زبان سے یہ فرمایا: "فزت ورب الکعبہ" رب کعبہ کی قسم! میں کامیاب ہو گیا۔ (بخاری: ۵۸۶/۲)

Marfat.com

سیدنا حرام بن ملحان رضی اللہ عنہ ابھی فرش خاک پر تڑپ رہے کہ اس نے قبیلہ بنو عامر کو آواز دی کہ وہ باقی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر حملہ کر دیں۔ بنو عامر نے تو حملہ کرنے سے انکار کر دیا البتہ قبائل رعل، ذکوان وغیرہ نے فوری طور پر دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم کو گھیرے میں لے لیا۔ حملہ آور بہت زیادہ تھے، لہٰذا کچھ دیر مقابلہ کرنے کے بعد سارے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جام شہادت نوش فرمایا۔ ان ستر (۷۰) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے صرف ایک صحابی سیدنا کعب بن زید رضی اللہ عنہ جن کو مردہ سمجھ کر چھوڑ دیا گیا تھا، زندہ بچ گئے۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو جبرئیل امین نے فوری طور پر اس سانحہ کی اطلاع دی جو تاریخ اسلام میں ایک لرزہ خیز اور خون چکاں المیہ تھا۔ واقدی کا بیان ہے کہ رجیع اور بئر معونہ کے دونوں المیوں کی خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک ہی رات میں ملی تھی۔ (مختصر سیرۃ الرسول: ص ۶۲۰)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے انتقام کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز فجر میں رعل، ذکوان، لحیان اور عصیہ قبائل پر ایک ماہ تک برابر بددعا کی۔ (بخاری: ۲/۵۸۷) سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ جس قدر بئر معونہ کے شہداء پر مغموم ہوئے میں نے کسی اور پر اس سے زیادہ آپ کو مغموم ہوتے نہیں دیکھا۔ (مختصر سیرۃ الرسول، شیخ عبداللہ: ص ۲۶۰)

بنو نضیر کی جلاوطنی:

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک دیت کے سلسلے میں بنو نضیر جانا پڑا تاکہ یہودی سرداروں سے اس بارے میں بات کی جا سکے۔ یہود کو جب پتہ چلا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لا رہے ہیں تو انھوں نے اس موقع سے ناجائز فائدہ اٹھانے کے لیے نہایت ناپاک اور مکروہ منصوبہ تیار کیا جو آپ کی شہادت پر منتج ہوتا تھا۔ انھوں نے آپ کی نشست کا ایسی جگہ انتظام کیا کہ وہاں اوپر سے ایک بھاری پتھر گرا کر نیچے بیٹھنے والے کو ختم کیا جا سکے۔ ایک یہودی عمرو بن حجاش نے وہ بھاری پتھر اوپر چڑھایا۔ اس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ختم کرنے کی سازش تیار کی گئی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حسب وعدہ بنو نضیر کے پاس تشریف لے گئے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور دوسرے جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہمراہ تھے۔ یہود بنی نضیر نے اپنی پلاننگ کے تحت انھیں ایک دیوار کے سایہ میں بٹھا دیا۔ بنو نضیر نے بظاہر نہایت خندہ پیشانی سے آپ کا استقبال کیا اور دیت کی اعانت کا وعدہ بھی کیا، تاکہ ان کی سازش کا آپ کو علم نہ ہو سکے۔ یہود کے ایک عالم سلام بن مشکم نے انھیں اس سازش سے روکا بھی لیکن انھوں نے کوئی پروانہ کی۔

جونہی سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم دیوار کے سایہ میں جا کر بیٹھے جبرئیل علیہ السلام نے آپ کو یہود کے اس منصوبہ سے باخبر کر دیا۔ آپ تیزی سے اٹھے اور خاموشی سے مدینہ تشریف لے آئے۔ آپ کے مدینہ واپس پہنچنے پر باقی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی وہاں سے آ گئے، مدینہ پہنچنے کی اطلاع پہلے ان یہودیوں ہی کو ہوئی جو اس سازش کے بانی مبانی تھے۔ (فتح الباری: ۷/۱۶۲، سیرۃ حلبیہ: ۲/۲۹۰)

Marfat.com

بنونضیر کی یہ کوئی پہلی عہد شکنی نہیں تھی بلکہ اس سے قبل بھی انھوں نے کئی مرتبہ عہد و پیمان کو توڑا تھا جو خود انھوں نے سرکار دو عالم ﷺ سے کیے تھے۔ سرکار دو عالم ﷺ جب بنونضیر سے اٹھ کر مدینہ تشریف لائے تو کسی صحابی کو پتہ نہیں کہ آپؐ کہاں جا رہے ہیں۔ کچھ دیر انتظار کرنے کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی مدینہ چلے آئے۔ صحابہ نے حضور ﷺ کے اس طرح اٹھ جانے کی وجہ پوچھی تو آپؐ نے یہود کی سازش کا انکشاف فرمایا۔ مدینہ واپس آ کر آپ ﷺ نے فوری طور پر سیدنا محمد بن مسلمہ انصاری رضی اللہ عنہ کو بنونضیر کے پاس روانہ کیا اور انھیں یہ نوٹس دیا کہ تم لوگ اب یہاں نہیں رہ سکتے کیونکہ تمھارے جرائم کی فہرست بہت طویل ہو چکی ہے، لہٰذا تم دس روز کے اندر اندر مدینہ سے نکل جاؤ، اس کے بعد جو یہاں پایا جائے گا اس کی گردن ماردی جائے گی۔

بنونضیر کو اپنی طاقت پر بڑا گھمنڈ تھا۔ ان کا علاقہ ایک اسٹیٹ تھا جس کی حفاظت کے لیے ان کے پاس مسلح جوان تھے۔ ایک مضبوط قلعہ تھا۔ ان کے مکانات بڑے مضبوط تھے۔ ان کے ہم مذہب بنوقریظہ ان کی پشت پر تھے، لہٰذا انھوں نے آپؐ کے اس نوٹس کو درخور اعتنا نہ سمجھا اور باغیانہ رویہ اختیار کیا۔ انھوں نے صاف کہہ دیا کہ ہم مدینہ سے نہیں جائیں گے اور نہ کسی میں یہ طاقت ہے کہ ہمیں نکال سکے۔ یہود کے ایک دور اندیش عالم کنانہ بن صوریا نے انھیں بہت سمجھایا۔ سلام بن مشکم نے بھی کنانہ کی پوری پوری تائید کی لیکن بنونضیر کا لیڈر حیی بن اخطب تھا۔ وہ اس نوٹس ملنے سے بہت جذباتی ہو گیا۔ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی نے بھی اس کو کہلوا بھیجا کہ مسلمانوں سے ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ میرے پاس عرب کے دو ہزار جوان ہیں جو تمھاری مدد کریں گے۔ بنوغطفان بھی تمھارے ساتھ ہیں، بنوقریظہ بھی تمھارے ساتھ ہیں، لہٰذا ہمت کرو اور اس نوٹس کا جواب نفی میں دو۔ چنانچہ انھوں نے آپؐ کے اس نوٹس کا یہ جواب دیا: ''ہم اپنے گھروں سے ہرگز نہیں نکلیں گے آپ ﷺ کو جو کرنا ہو کر لیں۔'' (طبقات ابن سعد: ۳ز/۴۱)

اس نوٹس کا جواب حیی بن اخطب کا بھائی جدی بن اخطب لے کر مدینہ منورہ آیا۔ اس کا یہ پیغام سن کر رسول اللہ ﷺ کے منہ سے بے ساختہ اللہ اکبر نکلا۔ آپؐ کے اللہ اکبر کہنے پر مسلمانوں نے بھی اللہ اکبر کہا جس سے مدینہ کی پوری فضا گونج اٹھی۔ سرکار دو عالم ﷺ کو جونہی حیی بن اخطب کا پیغام ملا تو آپؐ نے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ''اللہ اکبر'' کہا اور پھر جنگ کے لیے اسی وقت کھڑے ہو گئے۔ آپؐ نے مدینہ کا انتظام عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کے سپرد فرمایا اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو علم بردار بنا کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو فرمایا: ''نماز عصر بنونضیر کے میدان میں جا کر پڑھیں۔'' چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپؐ کے حکم کی فوری تعمیل کی۔

جدی بن اخطب نے جب مسلمانوں کا نعرۂ تکبیر سنا اور زبان رسالت ﷺ سے فوری تیاری کا حکم بھی اس کے کانوں میں پڑا تو وہ کچھ پریشان ہو گیا۔ جدی ابن اخطب عبداللہ بن ابی کے پاس گیا اور اس کو حقیقت حال سے آشنا کیا۔ اتنے میں مجاہدین اسلام نے بنونضیر کے میدان میں پہنچ کر نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ اس وقت نماز عصر کا وقت تھا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے اسی میدان میں صف بندی کر کے اللہ تعالیٰ کے حضور سر نیاز خم کیا۔ اللہ تعالیٰ نے دشمنوں کے

Marfat.com

دلوں میں مسلمانوں کا رعب اس قدر ڈال دیا کہ وہ مقابلہ کرنے کی بجائے قلعہ بند ہو گئے۔ قلعہ بند ہونے کے بعد بھی انھیں جرأت نہ ہوئی کہ قلعہ کی کمین گاہوں سے مسلمانوں پر حملہ کریں۔ صرف کچھ نوجوان لڑکوں نے قلعہ کی دیواروں سے تیر اور پتھر برسائے لیکن بہت جلد ان کو خاموش کر دیا گیا۔

اب ان کی مدد کے لیے کوئی نہ آیا۔ حیی بن اخطب نے خود کو بے دست و پا پایا اور اب اسے سلام بن مشکم کی تجویز یاد آئی کہ مسلمانوں سے کچھ شرطیں طے کر لی جائیں اور مدینہ کو چھوڑ دیا جائے۔ اب بارگاہِ رسالت سے اس بارے میں یہ فیصلہ ہوا کہ جائداد منقولہ میں سے جو کچھ وہ لے جا سکتے ہیں، لے جائیں۔ باقی ان کی تمام جائدادیں منقولہ و غیر منقولہ ضبط کر لی جائیں گی۔ حیی بن اخطب نے اس فیصلے کو تسلیم کرنے میں پس و پیش کیا۔ اس موقع پر سلام بن مشکم نے اسے پھر مشورہ دیا کہ اس موقع کو ہاتھ سے نہ جانے دو بلکہ فوری تسلیم کر لو کیونکہ اس سے بدتر فیصلہ بھی ہو سکتا ہے۔

محاصرے نے کچھ زیادہ طول نہ پکڑا۔ صرف چھ رات اور دوسری روایت کے مطابق پندرہ رات محاصرہ جاری رہا۔ اس عرصے میں ان کی ہمتیں جواب دے گئیں اور وہ ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہو گئے۔ چنانچہ انھوں نے سرور کائنات ﷺ کو پیغام بھجوایا کہ ہمیں آپ ﷺ کی تمام شرطیں منظور ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس بارے میں ان کو اتنا ذلیل کیا کہ انھوں نے اپنے ہاتھوں سے اپنی جائیدادوں کو تباہ کیا۔ اپنے مکانات گرائے تاکہ مسلمانوں کا قبضہ ان پر اس حالت میں ہو کہ پوری آبادی کھنڈر بن چکی ہو۔ (سیرۃ حلبیہ: ۲/۲۹۴، زرقانی: ۲/۸۲)

دولت کے ان پجاریوں نے دولت کی ہوس میں گھروں کی چوکھٹیں، کڑیاں، تختے، کیل، دیواروں کی کھونٹیاں تک مکانوں سے اتار لیں اور انھیں اپنے اونٹوں پر لادا اور پھر اپنے بچوں اور عورتوں کو سوار کیا۔ مختصر یہ کہ چھ سو اونٹ لدلدا کر روانہ ہوئے۔ اپنا سونا بھی جو چمڑے کے تھیلوں میں بھرا ہوا تھا، اپنے ساتھ لے گئے۔

ایک حسرت ناک بدقسمتی یہ دیکھنے میں آئی کہ یہودی عالم کنانہ بن صوریا اور سلام بن مشکم جنھوں نے یہود کو بتایا کہ تم اللہ کے ایک سچے پیغمبر ﷺ سے مقابلہ کر رہے ہو، تم اس سے عہد شکنی نہ کرو، ان دونوں کو اسلام لانے کی توفیق حاصل نہ ہوئی بلکہ وہ بھی اپنا ساز و سامان اونٹوں پر لاد کر ان لوگوں کے ساتھ ہی مدینہ سے چلے گئے۔ صرف دو آدمیوں نے اسلام قبول کیا۔ ایک یامین بن عمیر اور دوسرا ابوسعد بن وہب، لہٰذا ان کے سامان سے کوئی تعرض نہ کیا گیا۔

غزوۂ بدر دوم:

غزوۂ بنو نضیر ربیع الاول سنہ ۴ ھ میں پیش آیا۔ سرکار دو عالم ﷺ شعبان سنہ ۴ ھ تک مدینہ ہی میں مقیم رہے۔ ابوسفیان احد سے واپسی پر یہ کہہ گیا تھا کہ اگلے سال بدر میں پھر میدان کارزار گرم ہوگا، لیکن اندر سے اس کا دل خوف زدہ تھا، البتہ ندامت و شرمندگی کے باعث اس نے نعیم بن مسعود نامی ایک شخص کو کچھ مال دے کر مدینہ

Marfat.com

بھجوایا کہ وہ مدینہ میں یہ مشہور کردے کہ قریش مکہ نے مسلمانوں کے استیصال کے لیے بڑی بھاری جمعیت اکٹھی کی ہے، لہٰذا بہتر یہی ہے کہ مسلمان قریش کے مقابلہ کے لیے نہ آئیں۔ اس خبر نے مسلمانوں کو خوف زدہ کرنے کے بجائے ان کے ایمانوں میں جوش پیدا کردیا اور وہ "حسبنا الله ونعم الوكيل" پڑھتے ہوئے میدان بدر کی طرف روانہ ہوگئے۔ آپؐ کے ساتھ پندرہ سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے جن کے پاس اس دفعہ اسی گھوڑے بھی تھے۔ آپؐ نے فوج کا علم سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو عنایت فرمایا اور بدر میں جا کر خیمہ زن ہوگئے۔

دوسری طرف ابوسفیان بھی دو ہزار کا لشکر جس میں پچاس گھڑ سوار بھی تھے، لے کر مکہ بدر کی طرف روانہ ہوا۔ وہ مرالظہران کے قریب مجنہ کے چشمہ پر خیمہ زن ہوا، لیکن مکہ سے نکلتے وقت اس کا دل نہایت بوجھل تھا۔ یہاں پہنچ کر بددلی اور مسلمانوں کی ہیبت کے گہرے بادل اس کے دل و دماغ پر چھا گئے۔ وہ نہایت زیرک اور دانشور آدمی تھا، وہ جانتا تھا کہ اب اگر میدان بدر میں مسلمانوں سے مقابلہ ہوا تو رہی سہی ساکھ بھی جزیرۂ عرب میں ختم ہوجائے گی۔ وہ کسی بہانے سے واپس جانے کی سوچ رہا تھا۔ جب کوئی معقول بہانہ نظر نہ آیا تو آخر کار اس نے ساتھیوں سے کہا: ''جنگ اس وقت مناسب اور موزوں ہوتی ہے جب شادابی کا زمانہ ہوتا کہ ہریالی اور گھاس کے چارہ کی بہتات کے باعث جانور بھی اچھے طریقے سے چر سکیں اور لوگ بھی سیر ہو کر ان کا دودھ پی سکیں۔ اس وقت چونکہ خشک سالی ہے لہٰذا میں واپس جا رہا ہوں اور تمھیں بھی کہتا ہوں کہ واپس چلے جاؤ۔ ابوسفیان کی اس بات پر تمام لشکر نے لبیک کہتے ہوئے واپسی کی راہ اختیار کی۔

دوسری طرف رسول اللہ ﷺ نے بدر میں دشمن کا آٹھ روز تک انتظار فرمایا لیکن اس نے نہ آنا تھا نہ آیا۔ وہاں بدر میں ایک بہت بڑا بازار لگتا تھا۔ اس قیام کے دوران انھوں نے اپنا سامان تجارت فروخت کر کے خوب نفع کمایا اور بڑی شان کے ساتھ مدینہ واپس آئے۔ قریش کے دلوں پر مسلمانوں کا خوف و ہیبت طاری ہوگئی۔

(ملاحظہ ہو عیون الاثر: ۲/۸۲، زادالمعاد: ۲/۱۱۲، سیرۃ ابن ہشام: ۲/۲۰۹، البدایہ والنہایہ: ۴/۸۷)

Marfat.com

سنہ ۵ھ

غزوۂ دومۃ الجندل:

غزوۂ بدر میں جانے کے باعث اردگرد کے قبائل کے دلوں میں آپؐ کی ایک دھاک بیٹھ گئی تھی جس کی وجہ سے اسلامی سلطنت میں چاروں طرف امن وامان اور اطمینان وسکون کی بادنسیم چل رہی تھی اور آپؐ سلطنت کی آخری حدود تک توجہ فرمانے کے لیے فارغ ہو چکے تھے۔ چھ ماہ مدینہ طیبہ میں قیام فرمایا۔ بعدازاں آپؐ کو اطلاع ملی کہ دومۃ الجندل (دال کے پیش اور زبر دونوں کے ساتھ صحیح ہے) کے اردگرد بسنے والے قبائل نے یورش کھڑی کر دی ہے اور وہ قبائل آنے جانے والے قافلوں پر ڈاکے ڈال رہے ہیں اور وہ ہر راہ گیر کو لوٹ لیتے ہیں۔ دومۃ الجندل بہت دور مقام تھا۔ علامہ زرقانی نے لکھا ہے کہ یہ مدینہ منورہ سے پندرہ دن کے راستے پر ہے اور دمشق وہاں سے صرف پانچ دن کے راستے پر۔ (زرقانی:۲/۹۵)

جونہی آپؐ کو یہ اطلاعات موصول ہوئیں آپؐ نے سیدنا سباع بن عرفطہ انصاری رضی اللہ عنہ کو مدینہ میں منتظم مقرر فرمایا اور ایک ہزار مسلمانوں کی جمعیت کے ساتھ دومۃ الجندل کی طرف خروج فرمایا۔ یہ ۲۵ ربیع الاول سنہ ۵ھ کا واقعہ ہے۔ اس غزوہ میں آپ ﷺ رات کو سفر فرماتے اور صبح کے وقت پڑاؤ ڈالتے تاکہ دشمن پر اچانک حملہ کیا جائے اور وہ بھاگ نہ سکے۔ قریب جا کر معلوم ہوا کہ وہ لوگ باہر نکل گئے ہیں۔ آپؐ نے کچھ روز وہاں قیام فرمایا۔ بالآخر کسی جنگ کے بغیر آپؐ ۲۰ ربیع الثانی کو واپس مدینہ تشریف لے آئے۔

(عیون الاثر:۲/۸۳، زرقانی:۲/۹۵، طبقات ابن سعد:۲/۶۵، البدایہ والنہایہ:۴/۹۲)

غزوۂ بنی المصطلق:

اس غزوہ کا دوسرا نام غزوۂ مریسیع ہے۔ بنو مصطلق ایک قبیلے کا نام ہے جو بنو خزاعہ کی ایک شاخ ہے۔ چونکہ ایک روایت کے مطابق مریسیع (م پر پیش اور را پر زبر) کے چشمہ پر دشمن سے مڈبھیڑ ہوئی تھی اس وجہ سے اس کو غزوۂ مریسیع بھی کہتے ہیں۔

Marfat.com

رسول اللہ ﷺ کو یہ اطلاع ملی کہ بنو مصطلق کے سردار حارث بن ابی ضرار نے مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لیے اپنے قبیلے اور دوسرے کئی قبیلوں کے لوگوں کو اکٹھا کیا ہے اور وہ مدینہ پر حملہ آور ہونے کا ارادہ کر رہا ہے۔ آپؐ نے سیدنا بریدہ بن بریدہ رضی اللہ عنہ کو تحقیق حال کے لیے بھیجا۔ انھوں نے خبر کی تصدیق کی۔ اب آپؐ نے مسلمانوں کو تیاری کا حکم دے دیا۔ مدینہ کا انتظام سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کر کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دستے کو ساتھ لے کر بنو مصطلق کی طرف روانہ ہو گئے۔ اس دستہ میں دس مہاجر اور بیس انصار تھے۔ اس جنگ میں معمول کے خلاف منافقین کی ایک بہت بڑی جماعت بھی شریک تھی۔ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن میں سے سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا آپؐ کے ساتھ تھیں۔ آپؐ ۲ رشعبان سنہ ۵ ھ کو مریسیع کی جانب روانہ ہوئے۔

(زرقانی: ۲/۹۶، طبقات ابن سعد: ۲/۴۵، عیون الاثر: ۲/۱۳۴، ابن ہشام: ۲/۲۸۹)

حارث بن ابی ضرار کو بھنک پڑ گئی کہ رسول اللہ ﷺ حملہ کرنے کی نیت سے بنو مصطلق کی طرف جا رہے ہیں۔ اس نے ایک جاسوس بھیجا جس کو مسلمانوں نے پکڑ کر قتل کر دیا۔ بخاری کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تیز رفتاری کے ساتھ چل کر بنو مصطلق پر اس وقت اچانک حملہ کیا جب وہ اپنے مویشیوں کو پانی پلا رہے تھے۔ (بخاری: ۱/۳۴۵) لیکن دوسری روایت میں ہے کہ بنو مصطلق جاسوس کے قتل سے نہایت خوف زدہ ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ اپنے ساتھیوں کے ساتھ پیش قدمی فرماتے ہوئے چشمہ مریسیع تک پہنچ گئے۔

رسول اللہ ﷺ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے ذریعے یہ اعلان کرا دیا کہ تم لوگ مسلمان ہو جاؤ تو تم سے کوئی تعرض نہیں کیا جائے گا، لیکن انھوں نے صاف انکار کر دیا۔ بعد ازیں آپؐ نے یک بارگی حملہ کر دیا جس کی وہ تاب نہ لا سکے اور جلد ہی وہ میدان چھوڑ کر بھاگ گئے۔ غنیم کے دس آدمی مارے گئے اور مسلمانوں کا غلطی سے ایک آدمی شہید ہوا، وہ بھی غلطی سے مسلمانوں کے ہاتھ سے۔ اس جنگ میں قریباً چھ سو قیدی ہاتھ آئے جن میں سو کے قریب عورتیں تھیں۔ دو ہزار اونٹ اور پانچ ہزار بکریاں ملیں۔ قیدیوں میں بنو مصطلق کے سردار حارث کی بیٹی جویریہ بھی تھیں۔ یہ سیدنا ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کے حصہ میں آئیں۔ بعد میں رسول اللہ رضی اللہ عنہ نے ان کے کتابت کی رقم خود ادا کر کے ان کو امہات المومنین رضی اللہ عنہن کی فہرست میں داخل فرما لیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جب یہ معلوم ہوا کہ آپؐ نے سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا سے شادی کر لی ہے تو انھوں نے بنو مصطلق کے تمام قیدیوں کو آزاد کر دیا کہ یہ اب رسول اللہ ﷺ کے سسرالی رشتہ دار ہیں۔ چنانچہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرمایا کرتی تھیں کہ میں نے جویریہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ کسی عورت کو اپنی قوم کے حق میں بابرکت نہیں دیکھا کہ جس کی وجہ سے ایک دن میں سو گھرانے آزاد ہوئے ہوں۔

(ابوداؤد: ۲/۱۹۲)

اس غزوہ میں چونکہ منافقین کی بڑی تعداد پہلی بار شامل ہوئی تھی لہٰذا ان کی وجہ سے دو اہم واقعات رونما ہوئے۔

Marfat.com

پہلا واقعہ:

ابھی آپؐ مقام مریسیع ہی میں قیام پذیر تھے کہ جانوروں کو پانی پلانے پر دو مسلمانوں میں جھگڑا ہو گیا بلکہ منافقین نے جھگڑا کروادیا۔ان میں ایک مہاجر تھا اور دوسرا انصاری۔انصاری نے "یا معشر الانصار" کا نعرہ لگایا جس کے جواب میں مہاجر نے بھی "یا معشر المهاجرين" پکارا۔رسول اللہ ﷺ کو جب ان نعروں کا پتہ چلا تو آپؐ نے فرمایا کہ یہ جاہلیت کی آوازیں کیا ہیں۔مہاجرین نے سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے بات کر کے معاملہ رفع دفع کرادیا۔عبداللہ بن ابی نے جونہی یہ واقعہ سنا تو بھڑک اٹھا اور اس پر ایک ہذیانی کیفیت طاری ہو گئی۔اس نے مہاجرین کے خلاف ایک زور دار تقریر کی۔تقریر کے دوران کہا کہ مہاجرین کی مثال یہ ہے "سمن كلبك يا كلك" اپنے کتے کو موٹا کرتا کہ وہ تجھے کھا جائے۔اس نے انصار سے مخاطب ہو کر کہا: ''تم لوگوں نے ان مہاجروں کو ٹھکانہ دیا، اپنے مال ان پر نچھاور کیے، ان کی ہر طرح سے خاطر مدارت کی، اب بھی تم لوگ ہوش سے کام لو اور ان پر اپنا مال خرچ کرنا بند کر دو تو یہ خود بخود بکھر جائیں گے، انھیں مار مار کر سیدھا کر دو تا کہ انھیں عقل آ جائے، اب انھیں واپس جا کر معلوم ہو جائے گا کہ ہم عزت والے ان ذلیل لوگوں کو مدینہ سے نکال باہر کریں گے۔'' اس طرح جو اس کے منہ میں آیا اس نے بکا۔اس کی تقریر بہت زہریلی اور مہاجرین کے سخت خلاف تھی۔

یہ بات پورے لشکر میں پھیل گئی اور سیدنا زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے وہ سب کچھ رسول اللہ ﷺ سے بیان کر دیا۔سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے کان میں بھی یہ بات پہنچ گئی کہ عبداللہ بن ابی نے یہ یہ باتیں کی ہیں۔آتشِ فاروقی فوراً حرکت میں آئی۔بارگاہِ نبوت ﷺ میں حاضر ہو کر عرض کیا: ''یا رسول اللہ ﷺ! اجازت دیجیے، میں اس دشمن خدا کی گردن اس کے جسم سے جدا کر دوں۔'' آپؐ نے فرمایا: ''عمر رضی اللہ عنہ! صبر سے کام لو، میں ایسا حکم نہیں دے سکتا، کیونکہ لوگ کہنے لگیں گے کہ محمد (ﷺ) اپنے ساتھیوں کو قتل کرتا ہے۔

عبداللہ بن ابی کو جب یہ پتہ چلا کہ زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے اس کی ساری باتیں بارگاہِ نبوت میں بیان کر دی ہیں اور اس کا بھانڈا چوراہے میں پھوڑ دیا ہے تو وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر قسمیں کھانے لگا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کی قسموں کو سچ مان لیا۔سیدنا زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کو بہت ندامت ہوئی۔فرماتے ہیں کہ مجھے ایسا غم اور ندامت زندگی میں کبھی نہیں ہوئی۔چنانچہ جب سورۃ منافقون نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے مجھے بلایا اور اس سورت کی آیات پڑھ کر مجھے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمھاری باتوں کی تصدیق فرما دی ہے۔

(بخاری:۱/۴۹۹، ابن ہشام:۲/۲۹۰)

مختصر یہ کہ عبداللہ بن ابی کی شر انگیز اور زہر آلود جذباتی تقریر کی وجہ سے فضا کافی مکدر ہو چکی تھی اس لیے آپؐ نے مسلمانوں کو بے وقت کوچ کا حکم دے دیا۔آپؐ کے اس بے وقت کوچ پر مسلمان حیران تھے لیکن کسی کو جرأت نہیں تھی کہ آپؐ سے سوال کرتا۔راستے میں سیدنا اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ نے کچھ جرأت کی اور اپنی سواری بڑھا کر

Marfat.com

آپؐ سے دریافت کیا کہ ''یارسول اللہ ﷺ! آج اس بے وقت سفر کا حکم کیسے فرمایا؟'' آپؐ نے فرمایا: ''تم نے سنا نہیں کہ تمھارے ساتھی (عبداللہ بن ابی) نے کیا کہا؟'' سیدنا اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ نے کہا: ''یارسول اللہ ﷺ! یہ شخص اپنے حسد کی آگ میں خود ہی جلتا رہے گا۔''

عبداللہ بن ابی نے یہ دھمکی اپنی شرانگیز تقریر میں دی تھی کہ ''عزت والے ذلیل لوگوں کو سرزمین مدینہ سے نکال باہر کریں گے'' لیکن یہ تعجب کی بات ہے کہ اسی عبداللہ بن ابی کا صاحب زادہ جس کا نام بھی عبداللہ رضی اللہ عنہ تھا اور وہ سرکار دو عالم ﷺ کے خیار صحابہ میں سے تھا اور آپ کا جانثار تھا، اس نے جب اپنے باپ کے منہ سے یہ کلمات سنے تو وہ باپ سے پہلے مدینہ پہنچ کر مدینہ کے دروازہ پر تلوار سونت کر کھڑا ہو گیا اور جب اس کا باپ داخل ہونے کے لیے پہنچا تو وہ بولا: ''خدا کی قسم! میں تجھ کو اس وقت تک مدینہ میں داخل ہونے نہیں دوں گا جب تک تو اس بات کا اقرار نہیں کرتا کہ تو ذلیل ہے اور حضور ﷺ عزت والے ہیں۔ چنانچہ اس نے اس بات کا اقرار کیا تب کہیں اس کو مدینہ میں داخل ہونے کی بیٹے نے اجازت دی۔ (ترمذی: ۲/۱۹، فتح الباری: ۸/۵۰۰)

واقعۂ افک کی تخلیق:

اس غزوہ کا دوسرا اہم واقعہ افک کا واقعہ ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اس سفر میں رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا تھیں۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا جاتے وقت اپنی ہمشیرہ کا ہار مانگ کر لے گئیں۔ واپسی پر ایک جگہ لشکر نے پڑاؤ ڈالا اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا قضائے حاجت کے لیے گئیں اور وہ اپنی بہن کا وہ ہار کہیں گم کر بیٹھیں۔ جب واپس آئیں تو دیکھا کہ گلے میں ہار نہیں ہے۔ فوراً اسی جگہ واپس گئیں جہاں ہار گم ہوا تھا۔ اسی دوران وہ لوگ آئے جو ہودج کو اونٹوں پر لادا کرتے تھے۔ انھوں نے یہ سمجھتے ہوئے کہ سیدہ رضی اللہ عنہا ہودج میں تشریف فرما ہیں، اس کو اونٹ پر لاد دیا۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا جس جگہ ڈھونڈنے گئیں تھیں وہاں انھیں ہار تو مل گیا لیکن جب واپس تشریف لائیں تو دیکھا کہ پورا لشکر جا چکا ہے اور میدان بالکل خالی پڑا ہے۔ سیدہ رضی اللہ عنہا نے یہ خیال کر کے کہ لوگ انھیں ڈھونڈنے واپس آئیں گے، ایک جگہ چادر لپیٹ کر لیٹ گئیں اور لیٹتے ہی ان کی آنکھ لگ گئی۔ سیدنا صفوان بن معطل رضی اللہ عنہ جو قافلہ کی گری پڑی اشیاء اٹھانے کے لیے پیچھے رہا کرتے تھے وہ آ گئے اور انھوں نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو پہچان لیا اور دیکھتے ہی کہا: "انا للہ وانا الیہ راجعون" رسول اللہ ﷺ کی بیوی..... یہ الفاظ سن کر سیدہ رضی اللہ عنہا کی آنکھ کھل گئی اور انھوں نے فوراً چادر سے منہ ڈھانپ لیا۔ انھوں نے سیدہ رضی اللہ عنہا کو سواری پر بٹھایا اور چپ چاپ سواری کی نکیل پکڑی اور پیدل چلتے ہوئے عین دوپہر کے وقت لشکر میں پہنچے۔ عبداللہ بن ابی اور اس کے ساتھیوں کو تہمت تراشی کا موقع مل گیا اور انھوں نے اس تہمت کے تانے بانے بننے شروع کر دیئے۔

مدینہ پہنچ کر تہمت تراشوں نے خوب پراپیگنڈہ کیا۔ سرکار دو عالم ﷺ سخت پریشان تھے۔ جب ایک عرصہ تک وحی نہ آئی تو سیدہ رضی اللہ عنہا سے علیحدگی کے لیے اپنے خاص صحابہ سے مشورہ کیا۔ سیدہ رضی اللہ عنہا سفر سے واپس آ کر

Marfat.com

بیمار پڑ گئیں اور ایک ماہ تک مسلسل بیمار رہیں۔ اس بارے میں انھیں کچھ علم نہ تھا۔ البتہ وہ یہ دیکھ رہی تھیں کہ بیماری کے دوران رسول اللہ ﷺ کی طرف سے وہ محبت اور لطف وعنایت نظر نہ آ رہی تھی جو اس سے قبل آپؐ سے ملا کرتی تھی۔ بیماری سے شفایابی کے بعد سیدہ رضی اللہ عنہا ایک رات ام مسطح رضی اللہ عنہا کے ساتھ قضائے حاجت کے لیے باہر گئیں۔ ام مسطح رضی اللہ عنہا کا پاؤں پھسلا تو انھوں نے اپنے بیٹے کو بددعا دی اور برا بھلا کہا۔ سیدہ رضی اللہ عنہا نے انھیں ٹوکا۔ اس پر انھوں نے تہمت کا سارا واقعہ کہہ سنایا اور سیدہ رضی اللہ عنہا کو بتایا کہ میرا بیٹا بھی اس پراپیگنڈے کے جرم میں شریک ہے۔

واپس آ کر اس خبر کی تحقیق کے لیے سیدہ رضی اللہ عنہا نے اپنے والدین کے ہاں جانے کی آپؐ سے اجازت طلب کی جو دے دی گئی۔ والدین کے ہاں جا کر انھیں پتہ چل گیا کہ واقعی ان پر یہ تہمت لگائی گئی ہے۔ اب انھوں نے رونا شروع کیا یہاں تک کہ دو راتیں اور ایک دن روتے گزر گیا۔ ایک روز رسول اللہ ﷺ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہاں تشریف لائے اور فرمایا: ''عائشہ رضی اللہ عنہا! مجھے تمھارے متعلق ایک ایسی بات کا پتہ چلا ہے، اگر تم اس قصور سے مبرا ہو تو اللہ تعالیٰ تمھاری بریت فرما دے گا اور اگر خدانخواستہ تم سے کوئی ایسا گناہ سرزد ہو گیا ہے تو تم اللہ سے مغفرت مانگو اور اللہ کے حضور توبہ کرو۔ سرکار دو عالم ﷺ کی زبان سے یہ کلمات سن کر سیدہ رضی اللہ عنہا کے آنسو تھم گئے۔ سیدہ رضی اللہ عنہا نے جواب میں کہا: ''واللہ! میں جانتی ہوں کہ یہ بات لوگوں سے سنتے سنتے آپ کے دلوں میں اچھی خاصی بیٹھ گئی ہے اور آپ لوگوں نے اسے سچ سمجھ لیا ہے، اللہ خوب جانتا ہے کہ میں اس گناہ سے بری ہوں۔ میں وہی کچھ کہتی ہوں جو یوسف علیہ السلام کے باپ نے کہا تھا:

﴿فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ ''﴾ (یوسف ۱۲:۱۸)

اسی وقت سرکار دو عالم ﷺ پر وحی کا نزول شروع ہو گیا۔ جب وحی کی کیفیت ختم ہوئی تو آپؐ نے پہلی بات یہ فرمائی: ''عائشہ رضی اللہ عنہا! اللہ نے تمھیں بری کر دیا ہے، یہ سن کر سیدہ کی والدہ ام رومان رضی اللہ عنہا نے کہا: ''عائشہ رضی اللہ عنہا! اٹھ اور رسول اللہ ﷺ کا شکریہ ادا کر۔'' سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے ازراہ ناز کہا: ''خدا کی قسم! میں سوائے اللہ کے جس نے میری برأت نازل فرمائی، کسی اور کا شکریہ ادا نہ کروں گی۔ اس بارے میں جو آیات نازل ہوئیں وہ سورۃ النور کی دس آیات ہیں، آیت نمبر ۱۱ سے آگے۔

(بخاری: ۱/۳۶۴، ۲/۶۹۶، فتح الباری: ۸/۳۶۶، زاد المعاد: ۲/۱۱۳، سیرۃ ابن ہشام: ۲/۲۹۷، عیون الاثر: ۲/۱۳۹)

Marfat.com

غزوۂ احزاب

یہ غزوہ شوال سنہ ۵ ھ میں پیش آیا۔ اصحاب سیر کی اکثریت اسی پر متفق ہے۔ (زرقانی: ۲/۱۰۳)

مدینہ کی اسلامی ریاست میں امن وسکون کی فضا دشمنان اسلام کو ایک آنکھ نہ بھاتی تھی۔ غزوہ بدر، غزوہ احد، بنوقینقاع اور بنونضیر کی جلاوطنی صرف انہی دسیسہ کاریوں، مکروسازش اور غدروخیانت کے نتائج تھے جو دشمنانِ اسلام نے مسلمانوں کے خلاف کیں لیکن ہر طرح کی ناکامی کے باوجود بھی نہ یہود کو چین آیا اور نہ ہی قریش امن و چین سے بیٹھے۔ دونوں گروہ چاہتے تھے کہ کسی نہ کسی طریقے سے مدینہ کی اسلامی ریاست کو تباہ و برباد کر دیا جائے لیکن ان کو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ اب ایک متحدہ محاذ بنانے کی کوشش کی گئی۔ قریش مکہ جب دیکھتے کہ گردش لیل و نہار نے مسلمانوں کے اثر ونفوذ کو مزید وسعت دے دی ہے اور دور دور تک ان کا سکہ لوگوں کے دلوں میں بیٹھ گیا ہے تو ان کے سینوں پر سانپ لوٹنے لگتے، راتوں کی نیندیں حرام ہو گئیں اور وہ ہر وقت اسلامی ریاست کی پامالی کی فکر میں رہتے۔

چنانچہ بنونضیر جن کو مدینہ سے جلاوطن کیا گیا تھا، ان کے بیس سردار اور دانشور قریش کے پاس مکہ گئے اور ان کے ساتھ مل کر رسول اللہ ﷺ کے خلاف ایک متحدہ محاذ بنانے کا منصوبہ بنایا۔ انھوں نے قریش کو اپنے ہر قسم کے تعاون کا پورا پورا یقین دلایا۔ قریش کے دلوں میں پہلے ہی انتقام کی آگ سلگ رہی تھی۔ اب ان دونوں نے مل کر مسلمانوں کے خلاف جنگی اقدام کا منصوبہ بنایا۔ ان لوگوں نے بنوغطفان کو بھی مسلمانوں کے مقابلہ کے لیے تیار کر لیا۔

اب ایک طے شدہ پروگرام کے تحت قریش، کنانہ اور تہامہ میں آباد حلیف قبائل کا چار ہزار افراد پر مشتمل لشکر مرالظہران آیا۔ بنوسلیم، بنوغطفان اور دوسرے کئی قبائل بھی یہاں پہنچ گئے اور اس لشکر کی مجموعی تعداد دس ہزار ہو گئی، اور ایک طے شدہ پروگرام کے تحت اس نے مدینہ کی اسلامی ریاست کو تاخت وتاراج کرنے کے لیے مدینہ کا رخ کیا۔

مدینہ کی بیدار مغز قیادت غافل نہیں تھی، رسول اللہ ﷺ نے مدینہ کی ہائی کمان کی مجلس مشاورت طلب کی اور مدینہ کے دفاعی منصوبہ کے لیے غور وخوض کیا۔ سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی تجویز کے تحت مدینہ کے گرد خندق کھودنے کا منصوبہ بنایا گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے خندق کی حدود خود قائم فرمائیں اور خط کھینچ کر دس دس آدمیوں پر

Marfat.com

دس دس گز جگہ تقسیم فرما دی۔ خندق اس قدر گہری کھودی گئی کہ نیچے سے تری نکل آئی۔ صحابہ کرام نے اتنی جلدی خندق کھودی کہ چھ روز میں خندق کھود کر فارغ ہو گئے۔ (فتح الباری: ۷/ ۳۰۵، طبقات ابن سعد: ۲/ ۴۸)

کھدائی کا افتتاح خود رسول اللہ ﷺ نے اپنے ہاتھ سے کیا۔ (فتح الباری: ۷/ ۳۰۴، روض الانف: ۲/ ۱۸۹)

سخت سردی کا موسم تھا۔ ہر طرف سرد ہوائیں چل رہی تھیں، کپڑے پھٹے ہوئے، پیٹ میں بھوک لیکن یہ درویش صفت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نہایت لگن اور ذوق کے ساتھ خندق کی کھدائی میں مصروف تھے۔ کچھ مٹی کھودتے اور کچھ اٹھا اٹھا کر باہر لاتے لیکن ہر صحابی کی زبان پر یہ شعر تھا ؎

نحن الذين بايعوا محمداً
على الجهاد مابقينا ابداً

''ہم وہ لوگ ہیں جنھوں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر بیعت کی ہے۔ جب تک ہمارے جسم میں جان ہے ہم کافروں سے جہاد کرتے رہیں گے۔''

سرکار دو عالم جب ان کے منہ سے یہ کلمات سنتے تو جواب میں یہ ارشاد فرماتے:

اللهم لاعيش الا عيش الآخرة
فاغفر الانصار والمهاجرة

''اے اللہ! زندگی تو صرف آخرت کی زندگی ہے۔ پس تو انصار اور مہاجرین کی مغفرت فرما۔''

ادھر دشمن کے پہنچنے کی خبریں برابر آ رہی تھیں اور دوسری طرف مسلمان نہایت گرم جوشی سے اور وجدانی کیفیت کے ساتھ دن رات خندق کھود رہے تھے۔ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ نے خندق کی کھدائی کے دوران دیکھا کہ سرکار دو عالم ﷺ کے چہرہ مبارک پر بھوک کے واضح آثار ہیں تو انھوں نے بکری کا ایک بچہ ذبح کیا اور ان کی بیوی نے ایک صاع (قریباً ایک کلو) جو پیسا۔ کھانا چونکہ کم تھا لہٰذا نہایت راز داری کے ساتھ آپؐ سے عرض کی کہ چند مخصوص ساتھیوں کے ساتھ میرے غریب خانہ پر کچھ تناول فرما لیں۔ سرکار دو عالم ﷺ نے تمام اہل خندق کو جن کی تعداد ایک ہزار کے قریب تھی، ساتھ لیا اور سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لے گئے۔ گھر والے اتنے لوگوں کو دیکھ کر پریشان ہو گئے، لیکن جب حضور ﷺ ساتھ تھے تو غم کس بات کا۔ دیکھنے والوں نے دیکھا کہ ایک ہزار آدمیوں نے اس تھوڑے سے کھانے سے پیٹ بھر کر کھایا پھر بھی سالن کی ہنڈیا بھری کی بھری رہی اور آٹا بھی اسی طرح رہا۔

(بخاری: ۲/ ۵۸۸)

خندق کی کھدائی کے دوران ایک سخت چٹان آ گئی۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کہتے ہیں کہ ہم اس پر کدال مارتے تو اچٹ جاتی تھی۔ ہم نے بارگاہ رسالت ﷺ میں عرض کیا۔ آپؐ تشریف لائے، کدال لی اور بسم اللہ پڑھ کر پہلی کدال ماری تو وہ چٹان ایک تہائی ٹوٹ گئی۔ آپؐ نے فرمایا: اللہ اکبر! مجھے ملک شام کی کنجیاں دی گئی ہیں، بخدا! میں شام کے سرخ محلوں کو اس وقت اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں۔ اس کے بعد دوسری ضرب لگائی تو دوسرا تہائی

Marfat.com

حصہ ٹوٹ کر آ گرا۔ آپؐ نے فرمایا: اللہ اکبر! ملک فارس کی کنجیاں مجھ کو عطا کی گئی ہیں۔ بخدا! مدائن کے قصر ابیض کو میں اس وقت اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں۔ پھر تیسری بار بسم اللہ پڑھ کر ضرب لگائی تو باقی ماندہ چٹان بھی ٹوٹ گئی۔ پھر فرمایا: ''اللہ اکبر! ملک یمن کی کنجیاں مجھے دی گئی ہیں، بخدا! میں صنعاء کے دروازوں کو اپنی آنکھوں سے اس جگہ کھڑا دیکھ رہا ہوں۔ (فتح الباری: ۷/۳۰۴، نسائی: ۲/۵۶)

کھدائی کا کام صرف دن کو ہوتا تھا جبکہ شام کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم گھر لوٹ جاتے یہاں تک کہ قریش کے لشکر کے مدینہ کی دیواروں تک پہنچنے سے پہلے پوری خندق کی کھدائی مکمل ہوگئی۔ قریش اور دیگر قبائل کا متحدہ ۱۰ ہزار کا لشکر جرار مدینہ طیبہ کی حدود میں پہنچ گیا۔ قریش کا اپنا لشکر تو چار ہزار افراد پر مشتمل تھا اور غطفان اور دوسرے نجدی قبائل چھ ہزار کی تعداد میں تھے۔ یہ دس ہزار کا لشکر احد کے مشرقی کنارے میں خیمہ زن ہوا۔ قرآن حکیم نے کہا ہے کہ اہل ایمان نے جب اس لشکر کو دیکھا تو ان کے ایمان میں اضافہ ہوا اور اللہ کے وعدوں پر ایمان زیادہ ہوا منافقین اور کمزور دل لوگوں نے اس لشکر جرار کو دیکھا تو کہنے لگے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے ہم سے جو وعدہ کیا تھا، صرف ایک فریب تھا۔ (احزاب ۳۳: ۲۱۔۲۲)

اس ۱۰ ہزار کے مقابلے میں اسلامی لشکر تین ہزار تھا۔ کوہ سلع کی طرف پشت کر کے قلعہ بندی کی شکل اختیار کر لی۔ اب فریقین کے مابین خندق حائل تھی۔ سرکار دو عالم ﷺ نے عورتوں اور بچوں کو ایک قلعہ میں محفوظ کر دیا۔

قریشی لشکر بڑے منصوبے بنا کر آیا تھا لیکن جب یہاں آ کر دیکھا تو نقشہ ہی کچھ اور تھا۔ یہاں انھوں نے اپنے اور اہل مدینہ کے درمیان ایک وسیع اور گہری خندق حائل دیکھی۔ اس دفاعی پلاننگ نے ان کو پریشان کر دیا کیونکہ عرب میں خندق کا یہ دفاعی منصوبہ معروف نہ تھا۔ لہٰذا ان کے سب منصوبے خاک میں مل گئے۔

دوسری طرف مسلمان دشمن کی ہر نقل و حرکت پر گہری نظر رکھے ہوئے تھے۔ جب بھی کوئی دشمن کا سپاہی خندق کے قریب آنے کی کوشش کرتا تو اس پر تیروں کی بوچھاڑ کر دی جاتی۔ اب دشمن کے لیے سوائے مدینہ کا محاصرہ کرنے کے اور کوئی چارہ کار نہ تھا۔ چنانچہ انھوں نے محاصرہ کر لیا۔

نبی اکرم ﷺ نے جب بنو نضیر کو مدینہ سے جلا وطن کیا تھا تو بنو قریظہ سے آپؐ نے تجدید معاہدہ کیا تھا کیونکہ ان کی کارروائیاں بھی بہت حد تک مشکوک تھیں۔ اس وجہ سے بنو قریظہ کے یہودی مشرکین سے الگ تھلگ تھے۔ مشرکین کو جنگ پر اکسانے والے اور یہ متحدہ محاذ بنانے والے بنو نضیر ہی کے یہودی تھے جو ایک سال قبل مدینہ سے جلا وطن ہو کر خیبر میں ڈیرے لگائے ہوئے تھے اور اب اس لشکر کے ساتھ مدینہ پر حملہ کرنے کے لیے آنے کی کوشش میں مصروف تھے۔ چنانچہ بنو قریظہ کو اپنے ساتھ ملانے کی بہت کوشش کی گئی۔ اس مقصد کے لیے بنو نضیر کا سردار حیی بن اخطب بنو قریظہ کے سردار کعب بن اسد کے پاس خود گیا لیکن اس نے حیی بن اخطب کے لیے اپنا دروازہ تک نہ کھولا۔ آخر جب بہت اصرار کے بعد کعب بن اسد نے دروازہ کھولا اور دونوں کی آپس میں بات چیت ہوئی تو حیی بن اخطب نے سبز باغ دکھا کر بالآخر اسے رام کر لیا۔ البتہ اس مقصد کے حصول کے لیے کعب

Marfat.com

سے یہ عہد و پیمان کرنا پڑا کہ اگر قریش اور اتحادی فوجوں نے محمد (ﷺ) کو ختم کیے بغیر واپسی کی راہ اختیار کی تو میں بھی تمھارے ساتھ تمھارے قلعہ میں داخل ہو جاؤں گا، پھر جو انجام تمہارا ہوگا وہی میرا ہوگا۔'' حیی بن اخطب کے اس پیمان کے ساتھ کعب بن اسد قرظی نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کیا ہوا معاہدہ توڑ دیا اور مشرکین کی طرف سے جنگ میں شریک ہو گیا۔

رسول اللہ ﷺ کو جب اس ساری کارروائی کا پتہ چلا تو آپؐ نے سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ، سیدنا سعد بن عبادہ، سیدنا عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ وغیرہ کو تحقیق حال کے لیے بنو قریظہ کی طرف بھیجا۔ جب یہ حضرات بنو قریظہ گئے اور کعب بن اسد کو معاہدہ یاد دلایا تو وہ انتہائی خباثت پر اتر آیا۔ اس نے گالیاں بکیں، رسول اللہ ﷺ کی توہین کی اور کہنے لگا: کون اللہ کا رسول ﷺ..... اور کون سا معاہدہ، ہمارا ان سے کوئی معاہدہ نہیں۔ یہ حضرات واپس آ گئے اور رسول اللہ ﷺ سے صرف اتنا کہا: ''عضل اور قارہ'' یعنی جس طرح ان دو قبیلوں نے اصحاب رجیع کے ساتھ بدعہدی کی تھی اسی طرح انھوں نے بھی بدعہدی اور پیمان شکنی کی ہے۔

(زرقانی: ۲/۱۱۱، سیرۃ ابن ہشام: ۲/۲۲۱۔۲۲۲، عیون الاثر: ۲/۱۹۔۹۲)

یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ اکبر! مسلمانو! خوش خبری ہو۔'' غور کرنے کی بات یہ ہے کہ مسلمان اس وقت انتہائی صورت حال سے دوچار تھے۔ عقب میں بنو قریظہ تھے اور سامنے دس ہزار کا لشکر جرار خشم گیں نگاہوں سے مسلمانوں کو دیکھ رہا تھا۔ سخت سردی کی راتیں اور اس پر کئی کئی دن کا فاقہ، لیکن اللہ کے رسول پھر بھی انھیں خوش خبری سنا رہے ہیں۔ آپ نے آئندہ کے لیے اپنا دفاعی پروگرام بتایا۔ وہ یہ کہ سب سے پہلے مدینہ کی نگرانی کے لیے محافظ بھیجے تاکہ یہود بچوں اور عورتوں کی طرف سے ہمیں غافل دیکھ کر حملہ نہ کر دیں۔ دوسرا اقدام آپ ﷺ نے یہ سوچا کہ اتحادی فوجوں کے اتحاد میں دراڑ پیدا کر کے ان کی قوت کو کم کیا جائے۔

مدینہ کے محاصرہ میں قریباً دو ہفتے گزر گئے۔ ادھر خندق کے پار بیٹھے ہوئے قریشی شہ سواروں کو یہ صورت گوارا نہ تھی کہ وہ جنگ کے نتائج کے انتظار میں بے فائدہ بیٹھے رہیں۔ یہ جو کچھ ہو رہا تھا ان کی عادت اور شان کے خلاف تھا۔ بالآخر قریش کے چند سوار عمرو بن عبدود، عکرمہ بن ابی جہل، ہبیرہ بن ابی وہب، ضرار بن خطاب اور نوفل بن عبداللہ مسلمانوں سے پنجہ آزمائی کے لیے خندق کے پاس پہنچے۔ ایک مقام سے خندق تنگ تھی وہاں سے اس کو پار کر لیا۔ ادھر سے سیدنا علی رضی اللہ عنہ اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ خندق کے اس مقام پر پہنچے جہاں انھوں نے گھوڑے کدوائے تھے۔ اس مقام کو اپنے قبضہ میں لے کر ان کی واپسی کا راستہ بند کر دیا۔ اس پر عمرو بن عبدود نے جو جنگ بدر میں زخم کھا کر گر گیا تھا، اور اب سر سے پاؤں تک لوہے میں غرق تھا، مقابلے کے لیے آواز دی۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ اس کے مقابلے کے لیے آگے بڑھے اور ایک ایسا فقرہ چست کیا کہ وہ طیش میں آ کر گھوڑے سے کود پڑا، اس کی کونچیں کاٹیں اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے دو بدو مقابلے میں آ گیا۔ وہ بڑا بہادر اور شہ زور تھا۔ عرب اس کی بہادری کی مثالیں دیا کرتے تھے۔ اب اس نے آگے بڑھ کر سیدنا علی رضی اللہ عنہ پر وار کیا۔ دونوں میں زور دار ٹکر

Marfat.com

ہوئی۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی پیشانی پر معمولی سا زخم بھی آ گیا۔ بالآخر سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اس پر ایسا بھرپور وار کیا کہ اس کا کام تمام ہو گیا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اللہ اکبر کا نعرہ لگایا۔ مسلمانوں نے سمجھ لیا کہ نصرتِ الٰہی آ گئی۔ (روض الانف:۲/۱۹۱)

اس کے بعد مشرکین نے کئی بار خندق کو پار کرنے کی کوشش کی لیکن مسلمانوں نے ہر دفعہ انھیں اس کام سے دور رکھا اور اپنے تیروں سے ان کی ہر کوشش کو ناکام بنا دیا۔ دونوں طرف سے کبھی کبھی تیر اندازی ہوتی تھی۔ اس تیر اندازی سے فریقین کے چند آدمی مارے گئے۔ ایک روز اسی تیر اندازی میں ایک تیر سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے حلق میں آ کر لگا جس سے سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ شدید زخمی ہو گئے۔

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی نصرت کے اسباب فراہم کیے۔ اتحادی فوجوں میں اختلاف پیدا کر کے ان کے اتحاد کو توڑنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنو غطفان کے رئیس نعیم بن مسعود اشجعی کی معرفت کامیاب ہو گئے۔ انھوں نے بنو قریظہ کے پاس جا کر متحدہ فوج کے خلاف باتیں کیں جس سے ان کے درمیان اختلاف کی دراڑ پیدا ہو گئی۔ اور بنو قریظہ، قریش اور ان کی اتحادی افواج کے درمیان بداعتمادی پیدا ہو گئی اور وہ ایک دوسرے کی امداد سے دست کش ہو گئے۔ اسی دوران مسلمانوں نے محاصرہ کی شدت اور سختی کا ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا اور آپ سے دعا کی درخواست کی۔ آپؐ نے انھیں یہ دعا مانگنے کے لیے ارشاد فرمایا:

اللھم استر عوراتنا وامن روعاتنا۔

''اے اللہ ہمارے عیبوں کی پردہ پوشی فرما اور ہمیں خطرات سے محفوظ و مامون فرما۔''

اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد احزاب میں زوال کے بعد کھڑے ہو کر دعا فرمائی: ''اے اللہ! کتاب کے نازل کرنے والے، جلد حساب لینے والے، ان لشکروں کو شکست دینے والے، انھیں شکست دے اور ہمیں ان پر فتح عطا فرما۔'' (بخاری:۲/۵۸۸، زرقانی:۲/۱۲۰)

اللہ تعالیٰ نے دونوں دعائیں سن لیں اور قریش اور غطفان میں تیز و تند ہوا کا طوفان بھیج دیا جس سے ان کے تمام خیمے اکھڑ گئے، رسیاں اور طنابیں ٹوٹ گئیں، ہانڈیاں الٹ گئیں، صحرا کا گرد و غبار اڑ اڑ کر ان کی آنکھیں بھرنے لگا۔ اس کے ساتھ ہی فرشتوں کا لشکر بھیج دیا جنھوں نے ان کی ہمتیں پست کر دیں اور ان کے دلوں میں رعب اور خوف کی ایک کیفیت پیدا کر دی۔ رات بھی نہایت سرد تھی اور ہوا بھی تند و تیز تھی۔ اتنے میں سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ نے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے لشکر قریش میں جاسوسی کی غرض سے گئے تھے، ابوسفیان کو یہ کہتے سنا:

''اے گروہ قریش! اب یہ ٹھہرنے کا مقام نہیں، ہمارے جانور ہلاک ہو گئے، بنو قریظہ ہماری مدد سے دست کش ہو گئے اور اس تیز و تند ہوا نے ہمیں سراسیمہ کر دیا۔ میری مانو تو فوراً واپس لوٹ جاؤ۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب صبح اٹھے تو میدان بالکل صاف تھا اور اللہ تعالیٰ نے دشمن کو اس کے غیظ و غضب سمیت بے نیل مرام واپس لوٹا دیا۔ اور اس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ پورا فرما دیا:

اعز جندہ ونصر عبدہ وھزم الاحزاب وحدہ۔ (بخاری:۲/۵۹۰)

Marfat.com

''اپنے لشکر کو عزت بخشی، اپنے بندے کی مدد کی اور اکیلے ہی سارے لشکروں کو شکست دے دی۔''

محاصرہ چوبیس (۲۴) روز رہا۔ اس جنگ کے دو نام ہیں، ایک جنگ احزاب اور دوسرا جنگ خندق۔ آپؐ نے فرمایا کہ اس جنگ کے بعد قریش کو مسلمانوں پر حملہ کرنے کی جرأت نہ ہوگی۔ چنانچہ آپؐ کی یہ بات بالکل درست ثابت ہوئی۔ اس جنگ میں کافروں کے تین آدمی مارے گئے اور مسلمانوں کے چھ حضرات شہید ہوئے۔ (عیون الاثر:۲/۱۰۱، زرقانی:۲/۱۳۶)

غزوۂ بنو قریظہ:

سرور کائنات ﷺ نماز فجر کے بعد غزوۂ خندق سے واپس ہوئے۔ آپؐ نے اور تمام مسلمانوں نے جنگ سے فراغت کے بعد اپنے ہتھیار کھول دیئے۔ اسی روز ظہر کے وقت جب آپؐ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے مکان پر غسل فرما رہے تھے، سیدنا جبرئیل علیہ السلام ایک خچر پر سوار عمامہ باندھے ہوئے تشریف لائے۔ جبرئیل علیہ السلام نے آپ ﷺ سے کہا: ''کیا آپؐ نے ہتھیار اتار دیئے جب کہ فرشتوں نے ابھی تک ہتھیار نہیں اتارے اور نہ ہی ابھی تک واپس ہوئے ہیں۔'' لہٰذا آپؐ اپنے ساتھیوں کو لے کر بنو قریظہ جایئے، میں خود بھی آپؐ کے آگے آگے وہیں جا رہا ہوں۔ میں ان کے قلعوں میں زلزلہ برپا کروں گا اور ان کے دلوں میں رعب اور ہیبت ڈال دوں گا۔'' یہ کہہ کر جبرئیل علیہ السلام فرشتوں کے ساتھ بنو قریظہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ (سیرۃ ابن ہشام:۲/۲۳۳، عیون الاثر:۲/۱۰۳، البدایہ والنہایہ:۴/۱۱۶)

اوپر بیان کیا گیا ہے کہ جب قریش ۱۰ ہزار کا لشکر لے کر مدینہ پر حملہ آور ہوئے تو بنو قریظہ عہد شکنی کر کے قریش سے جا ملے تھے۔ جب اللہ تعالیٰ نے قریش کو شکست دی تو بنو قریظہ قلعوں میں جا گھسے۔ اب جبرئیل علیہ السلام نے آپؐ کو بنو قریظہ کی طرف آنے کے لیے کہا اور آپؐ کو یقین دلایا کہ میں ابھی جا کر ان کے قلعوں میں زلزلہ برپا کر دیتا ہوں۔ (فتح الباری:۷/۳۱۳)

جبرئیل علیہ السلام تو فرشتوں کو لے کر چلے گئے۔ آپؐ نے مدینہ طیبہ میں اسی وقت منادی کرا دی کہ صحابہ کرام نماز عصر بنو قریظہ میں پڑھیں اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو جنگ کا پرچم دے کر آگے روانہ کر دیا۔ جب سیدنا علی رضی اللہ عنہ وہاں پہنچے تو بنو قریظہ نے نبی اکرم ﷺ کو کھلم کھلا گالیاں دینا شروع کر دیں۔ اتنے میں رسول اللہ ﷺ تین ہزار کا لشکر لے کر جس میں تیس گھوڑے تھے، بنو قریظہ پہنچ گئے اور ان کے علاقہ میں ''انا'' نامی کنویں پر نزول فرمایا اور بنو قریظہ کا محاصرہ کر لیا۔ ۲۵ روز تک محاصرہ رہا۔ جب محاصرہ سخت ہو گیا تو بنو قریظہ کے سردار کعب بن اسد نے بنو قریظہ سے کہا: ''میں تمہارے سامنے تین باتیں پیش کرتا ہوں ان میں سے جس ایک کو چاہو اختیار کر لو۔ اگر تم محمد ﷺ پر ایمان لے آؤ تو تمہاری جان و مال اور بال بچے محفوظ ہو جائیں گے۔ انھوں نے کہا: ''ہمیں یہ منظور نہیں۔'' یا پھر خود اپنے ہاتھوں سے اپنے بیوی بچوں کو قتل کر دیں اور پھر تلوار سونت کر پوری قوت کے ساتھ مسلمانوں کا مقابلے کریں۔'' اس کے بعد یا تو فتح پائیں گے یا پھر سب کے سب مارے جائیں گے۔ اگر فتح پا گئے تو عورتیں بہت ہیں

Marfat.com

ان سے بچے بھی ہو جائیں گے اور اگر شکست کھا گئے تو بچوں اور عورتوں کا غم نہ ہوگا۔ اس تجویز پر بنو قریظہ نے کہا کہ بیوی بچوں کو قتل کر کے زندگی کا کیا لطف رہ جاتا ہے، لہٰذا یہ تجویز بھی منظور نہیں۔

کعب بن اسد نے کہا کہ اگر یہ شرط بھی منظور نہیں تو آج ہفتہ کی رات ہے۔ عجب نہیں کہ محمد (ﷺ) اور آپ ﷺ کے ساتھی غافل اور بے خبر ہوں اور انھیں یہ خیال ہو کہ سبت کے روز یہود حملہ نہیں کر سکتے۔ ان کی اس غفلت سے فائدہ اٹھا کر ان پر شب خون مار دو۔ بنو قریظہ نے ان تمام تجاویز کو رد کر دیا۔ اب ان کے سامنے صرف ایک ہی راستہ رہ جاتا تھا کہ مسلمانوں کے آگے ہتھیار ڈال دیں اور اپنی قسمت کا فیصلہ ان پر چھوڑ دیں، لیکن انھوں نے چاہا کہ ہتھیار ڈالنے سے قبل اپنے بعض مسلمان دوستوں سے رابطہ قائم کر کے ان سے ہتھیار ڈالنے کے نتائج سے آگاہی حاصل کریں۔ سیدنا ابولبابہ رضی اللہ عنہ بن عبدالمنذر کے ساتھ بنو قریظہ کے حلیفانہ تعلقات تھے، اس لیے انھوں نے ان کو اپنے ہاں بلایا۔ عورتیں اور بچے ان کے سامنے دھاڑیں مار مار کر رونے لگے۔ ان کی حالت کو دیکھ سیدنا ابولبابہ رضی اللہ عنہ کا دل بھر آیا۔ ان سے پوچھا گیا کہ ہتھیار ڈالنا مناسب ہوگا۔ انھوں نے اثبات میں جواب دیا لیکن اس کے ساتھ ہی اپنے حلق کی طرف اشارہ بھی کر دیا کہ ذبح کر دیئے جاؤ گے۔ اس اشارے کے بعد احساس ہوا کہ میں نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ خیانت کی ہے۔ چنانچہ وہاں سے سیدھے مسجد نبوی ﷺ تشریف لائے اور قسم کھائی کہ جب تک اللہ میری توبہ قبول نہ فرمائیں گے اور رسول اللہ ﷺ خود مجھے اپنے دست مبارک سے نہیں کھولیں گے اس وقت تک خود کو مسجد نبوی ﷺ کے ستون سے باندھے رکھوں گا۔

سیدنا ابولبابہ رضی اللہ عنہ کے اس اشارے کے باوجود بنو قریظہ نے اپنے ہتھیار ڈالنے کا فیصلہ کر لیا۔ چنانچہ انھوں نے ہتھیار ڈال دیئے اور سرکار دو عالم ﷺ سے کہا کہ آپؐ جو فیصلہ مناسب سمجھیں کریں۔ آپؐ کے حکم سے محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کی زیر نگرانی ان سب کے ہاتھ باندھ دیئے گئے۔ قبیلہ اوس کے بعض حضرات نے بارگاہِ رسالت ﷺ میں عرض کیا کہ یہ لوگ ہمارے حلیف ہیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ یہ آپ کے قبیلہ ہی کے ایک سردار سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے حوالے کیے جاتے ہیں۔ اوس کے لوگوں نے کہا: ''ہمیں منظور ہے۔'' (زرقانی: ۲/۱۳۳)

آپؐ نے سعد رضی اللہ عنہ بن معاذ کو مدینہ سے بلایا۔ سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''میرا فیصلہ ان کے بارے میں وہی ہے جو سات آسمانوں کے اوپر اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے کیونکہ تورات میں یہی فیصلہ ہے۔ (استثناء باب: ۲۰) کیونکہ انھوں نے اس وقت مسلمانوں کے ساتھ عہد شکنی کی تھی جب وہ نازک ترین لمحات سے گزر رہے تھے چنانچہ ان سب کی گردنیں مار دی گئیں، ان کی تعداد چھ سات سو کے درمیان تھی۔ (زرقانی: ۲/۱۳۷، عیون الاثر: ۲/۱۱۱)

کارروائی کے بعد ان آستین کے سانپوں کا مکمل خاتمہ ہو گیا۔ عورتوں میں سے سوائے ایک عورت کے اور کسی کو قتل نہیں کیا گیا۔ اس نے ایک صحابی سیدنا خلاد بن سوید رضی اللہ عنہ کو شہید کیا تھا۔ نوجوانوں کے بارے میں فرمایا کہ جس کے زیر ناف بال آ چکے ہوں اسے قتل کر دیا جائے۔ ان میں ایک نوجوان عطیہ تھے۔ ان کے بال نہیں آئے تھے ان کو چھوڑ دیا گیا۔ چنانچہ وہ مسلمان ہو گئے۔ (عیون الاثر: ۲/۱۱۱)

Marfat.com

سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی شہادت:

جب سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ رئیس اوس کی اس دعا کی قبولیت کے ظہور کا وقت آ گیا کہ ''اے اللہ! اس وقت تک مجھے موت نہ دینا جب تک کہ بنوقریظہ کی ذلت ورسوائی سے میری آنکھیں ٹھنڈی نہ ہو جائیں۔''

اس کے بعد مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں ایک خیمہ لگایا گیا اور رفیدہ اسلمیہ کو ان کی خدمت پر مامور کیا گیا۔ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ اس خیمہ میں رہتے تھے اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم روزانہ ان کی عیادت کو تشریف لاتے۔

بنوقریظہ کے بارے میں فیصلہ سنانے کے بعد کچھ دنوں تک وہ زندہ رہے۔ ایک روز اچانک ان کا زخم پھٹا اور اس زور سے خون جاری ہوا کہ مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے گزر کر بنی غفار کے خیموں تک پہنچا۔ لوگوں کو یہ خون دیکھ کر بڑی تشویش ہوئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوئی تو سخت گھبرائے ہوئے مسجد میں تشریف لائے۔ دیکھا کہ سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو چکا تھا۔ آپ نعش کو آغوش مبارک میں لے کر بیٹھے۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بھی آ گئے۔ نعش کو دیکھ کر چیخ ماری۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے رو کر انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا، جنازہ روانہ ہوا تو سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم ساتھ تھے۔ فرمایا: ''ان کے جنازہ میں ستر ہزار فرشتے شریک ہیں جو اس سے قبل کبھی آسمان سے نازل نہ ہوئے تھے۔ (روض الانف: ۲/۱۹۳، عیون الاثر: ۲/۱۱۲)

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی موت سے اللہ کا عرش ہل گیا ہے۔'' (بخاری: ۱/۵۳۶، مسلم: ۲/۲۹۴، ترمذی: ۲/۲۲۵)

ایک اور روایت میں ہے کہ آسمان کے تمام دروازے ان کے لیے کھول دیئے گئے اور آسمانوں کے فرشتے ان کی روح کے چڑھنے سے مسرور ہوئے۔ (فتح الباری: ۷/۹۴)

Marfat.com

سنہ ۶ ھ

سنہ ۶ ھ میں بھی کئی اہم واقعات رونما ہوئے جن میں چند ایک حسب ذیل ہیں:

سریہ محمد رضی اللہ عنہ بن مسلمہ انصاری:

۱۰ محرم الحرام سنہ ۶ ھ کو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے تیس (۳۰) سواروں کے ایک مختصر دستہ کو محمد بن مسلمہ انصاری رضی اللہ عنہ کی قیادت میں نجد کے اندر بکرات کے علاقہ میں قرطاء نامی بستی میں بھیجا۔ زرقانی نے لکھا ہے کہ ضریہ (قرطاء) اور مدینہ کے مابین سات دن کا راستہ ہے۔ (زرقانی: ۲/۱۴۴)

اور اس دستہ کا ہدف بنو بکر بن کلاب کی ایک شاخ تھی۔ مسلمانوں نے جا کر وہاں چھاپہ مارا تو دشمن کے تمام لوگ بھاگ گئے، لیکن پھر بھی دس آدمی قتل ہوئے۔ ڈیڑھ سو اونٹ اور تین ہزار بکریاں مال غنیمت میں ہاتھ آئیں۔ ۱۹ روز کے بعد یعنی ۲۹ محرم کو یہ لوگ واپس مدینہ پہنچے۔ (طبقات ابن سعد: ۲/۵۶)

یہ لوگ بنو حنیفہ کے سردار ثمامہ بن اثال کو بھی گرفتار کر کے لے آئے، اور انھیں مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ستون سے باندھ دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب ثمامہ کے پاس سے گزرے تو فرمایا: ''ثمامہ! میری نسبت تمہارا کیا گمان ہے؟'' ثمامہ نے کہا: میرا گمان آپؐ کی نسبت اچھا ہی ہے۔ اگر آپؐ مجھے قتل کر دیں تو آپؐ ایک خونی کو قتل کریں گے، اگر آپؐ احسان فرمائیں تو ایک شکر گزار اور قدر دان پر احسان فرمائیں گے، اور اگر مال کی خواہش ہے تو جتنا چاہیں حاضر ہے۔

تین روز تک ثمامہ اور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی یہی بات ہوتی رہی۔ تیسرے روز آپؐ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا: ''ثمامہ کو آزاد کر دو۔'' ثمامہ جونہی رہا ہوا مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ایک نخلستان میں گیا، غسل کیا اور پھر مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں آیا اور مشرف باسلام ہو گیا۔ اس کے بعد ثمامہ رضی اللہ عنہ مکہ آئے تو کسی کافر نے کہا ثمامہ رضی اللہ عنہ تو بے دین ہو گیا۔ ثمامہ صلی اللہ علیہ وسلم رضی اللہ عنہ نے کہا: ''میں تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر مسلمان ہو گیا ہوں اس لیے کہ کفر و شرک کوئی دین نہیں بلکہ ایک لغو اور بے ہودہ خیال ہے۔'' پھر فرمایا: ''سنو! خدا کی قسم! یمامہ سے جو غلہ تمھارے پاس آتا ہے اب ایک دانہ بھی تمھارے پاس نہ آئے گا جب تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اجازت مرحمت نہ فرمائیں۔ چنانچہ ثمامہ رضی اللہ عنہ نے

Marfat.com

وطن پہنچ کر غلہ کا آنا بند کر دیا۔ غلہ بند ہونے سے قریش سخت پریشان ہوئے۔ انھوں نے آپ کی خدمت میں ایک عریضہ لکھا جس میں عرض داشت کی گئی کہ ثمامہ کو لکھ بھیجیں کہ غلہ کی روانگی بند نہ کریں۔ رسول اللہ ﷺ نے ثمامہ کو خط لکھا کہ غلہ نہ روکیں۔ (فتح الباری: ۸/ ۶۸، زادالمعاد: ۲/ ۱۱۹، عیون الاثر: ۲/ ۱۱۸، دلائل النبوۃ بیہقی: ۴/ ۷۸)

غزوۂ بنولحیان:

بنولحیان وہی قبیلہ ہے جس نے رجیع کے مقام پر دس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو گھیر کر شہید کر دیا تھا۔ بنولحیان مدینہ سے بہت دور اور مکہ سے قریب تھا۔ اتنی دور جا کر دشمن پر حملہ کرنا جنگی نقطۂ نگاہ سے مناسب نہیں تھا لیکن آپ خود ربیع الاول یا جمادی الاولیٰ سنہ ۶ ھ میں دوسو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جمعیت کے ہمراہ مقتول صحابہ کا بدلہ لینے کے لیے تشریف لے گئے۔ آپ ﷺ نے مدینہ کا انتظام سیدنا عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کے سپرد فرمایا۔ بنولحیان کو جب آپؐ کی آمد کا علم ہوا تو وہ پہاڑوں میں جا کر چھپ گئے اور کوئی آدمی بھی مسلمانوں کے ہاتھ نہ لگا۔ آپؐ نے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو بھی دس سواروں کے ساتھ دشمن کا پتہ لگانے کے لیے بھیجا لیکن دشمن ہاتھ نہ آیا۔ آخر کار آپؐ چودہ روز بعد مدینہ واپس تشریف لے آئے۔

(زرقانی: ۲/ ۱۴۷، عیون الاثر: ۲/ ۱۲۴، سیرۃ ابن ہشام: ۲/ ۲۷۹، طبقات ابن سعد: ۲/ ۷۸)

غزوۂ ذی قرد:

ذی قرد ایک چشمہ کا نام ہے جو بلاد غطفان کے قریب ہے۔ یہ مقام سرور کائنات ﷺ کے اونٹوں کی چراگاہ تھا۔ ایک روز عیینہ بن حصن فزاری نے چالیس سواروں کے ساتھ اس چراگاہ پر حملہ کر دیا اور آپؐ کے اونٹوں کو پکڑ کر لے گیا۔ سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے کو جو اونٹوں کی حفاظت پر متعین تھے قتل کر دیا اور سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ کی اہلیہ کو پکڑ کر لے گیا۔

یہ ایک بہت بڑا حادثہ تھا۔ سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ ایک نہایت جانباز اور تیر انداز صحابی تھے۔ وہ اس واقعہ کی اطلاع ملتے ہی ان کے تعاقب پر روانہ ہو گئے۔ انھوں نے ایک ٹیلے کی چوٹی پر کھڑے ہو کر نہایت زور سے آواز لگائی۔ حضور ﷺ نے بھی یہ آواز سنی۔ آپؐ نے فوری طور پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جمع ہونے کا حکم دیا۔ سیدنا سلمہ رضی اللہ عنہ بڑے ماہر تیر انداز تھے۔ انھوں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا انتظار کیے بغیر خود ہی ان کا تعاقب کیا اور حملہ آوروں کو پانی کے ایک چشمہ پر جا پکڑا اور ان پر تیر برساتے جاتے اور یہ شعر پڑھتے جاتے ؎

انا ابن الاکوع　　والیوم یوم الرضع

''میں ابن اکوع ہوں اور آج کے دن معلوم ہو جائے گا کہ کون کمینہ ہے اور کون شریف۔''

انھوں نے اپنی بہادری سے ان سے اپنے اونٹ چھڑا لیے اور تیس یمنی چادریں بھی ان سے چھین لیں۔

بعد میں سرکار دو عالم ﷺ بھی پانچ یا سات سو مجاہدین کو ساتھ لے کر روانہ ہوئے۔

Marfat.com

جب آپؐ مجاہدین کے ساتھ پہنچے تو سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ نے آپؐ کی خدمت میں عرض کی: ''میں ان کو فلاں جگہ چھوڑ کر آیا ہوں۔ اگر مجھے سو آدمی مل جائیں تو سب کو پابجولاں آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کر دوں۔ آپؐ نے فرمایا: ''ابن اکوع! جب تو ان پر قابو پائے تو نرمی کرنا۔ آپؐ نے وہاں ایک دن رات قیام فرمایا اور پانچ روز بعد مدینہ منورہ واپس چلے آئے۔ اس غزوہ کو ''غزوۃ الغابہ'' بھی کہتے ہیں۔

(ابن ہشام: ۲/ ۲۸۱، عیون الاثر: ۲/ ۱۲۵، زرقانی: ۲/ ۱۴۸، فتح الباری: ۷/ ۳۵۳)

Marfat.com

معاہدۂ حدیبیہ

رسول اللہ ﷺ اور آپؐ کے ساتھیوں کو مکہ سے مدینہ گئے ہوئے چھ سال ہو گئے تھے، ان چھ سالوں میں وہ زیارت کعبہ اور حج وغیرہ کے دینی فریضہ کی ادائیگی سے قاصر تھے۔ خصوصاً مہاجرین بیت اللہ کے فراق کا صدمہ زیادہ محسوس کرتے تھے۔ انھیں اور غموں کے علاوہ مکہ کی جدائی کا الم بھی گھن کی طرح کھائے جا رہا تھا، لیکن انھیں یقین تھا کہ خداوند دو جہاں ان پر مکہ کے دروازے کھول دے گا اور وہ بھی بیت اللہ کا طواف کریں گے۔ اسی اشتیاق میں وہ ہمہ وقت چشم براہ رہتے تھے۔

رسول اللہ ﷺ کو ایک روز یہ خواب دکھلایا گیا کہ آپؐ اور آپؐ کے ساتھی مسجد الحرام میں امن کے ساتھ داخل ہوئے۔ آپ ﷺ نے کعبہ کی چابی لی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ بیت اللہ کا طواف اور عمرہ کیا۔ آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اپنے اس خواب سے مطلع فرمایا تو انھوں نے اس پر بڑی خوشی اور مسرت کا اظہار کیا۔ انھیں چونکہ زیارت کعبہ کے شوق نے دیوانہ بنایا ہوا تھا اس لیے وہ سمجھے کہ اس سال ہی مکہ میں داخلہ نصیب ہو گا۔ محبت وشوق کی چنگاری جو چھ سال سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دلوں میں دبی ہوئی تھی وہ بھڑک اٹھی اور انھوں نے سفر مکہ کی تیاری شروع کر دی۔

یکم ذی قعدہ سنہ ۶ ھ کو اتوار کے روز رسول اللہ ﷺ نے عمرہ کے ارادہ سے مکہ مکرمہ کا قصد فرمایا۔ قریباً پندرہ سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہمراہ تھے۔ آپؐ کے ہمراہ آپؐ کی زوجہ محترمہ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں۔ بند تلواروں کے سوا اور کسی قسم کا کوئی ہتھیار آپؐ کے پاس نہ تھا۔ (زرقانی: ۲/۱۸۰، فتح الباری: ۵/۲۴۲، عیون الاثر: ۲/۱۶۰) ذوالحلیفہ پہنچ کر قربانی کے جانوروں کو قلادہ پہنایا اور عمرہ کا احرام باندھا۔ جب آپؐ غدیر اشطاط پہنچے تو بنو خزاعہ کا ایک جاسوس آگے بھیج دیا تاکہ وہ قریش کے عزائم کی خبر لائے۔ مقام عسفان پر اس جاسوس نے خبر دی کہ کعب بن لوی قبیلہ نے آپؐ سے مقابلہ کرنے کے لیے حلیف قبائل کو جمع کر رکھا ہے۔ یہ لوگ آپؐ کو مکہ میں داخل نہیں ہونے دیں گے۔ یہ بھی پتہ چلا کہ خالد بن ولید بطور ہراول دستہ کے دو سو سواروں کو لے کر کراع الغمیم کے مقام پر پہنچ گئے ہیں۔ اس اطلاع پر آپؐ نے فرمایا:

"قریش پر افسوس، وہ جنگوں میں تباہ و برباد ہو گئے لیکن پھر بھی عقل ٹھکانے نہیں آئی، آپؐ اس بارے

Marfat.com

میں بہت فکر مند تھے کیونکہ آپؐ جنگ کے لیے نہیں بلکہ عمرہ کے لیے آئے تھے، چنانچہ آپؐ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ چاہا۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ''اللہ اور اس کا رسول ﷺ بہتر جانتے ہیں، لیکن ہم تو صرف عمرہ کے لیے آئے ہیں کسی سے جنگ کرنے اور لڑنے کے لیے نہیں آئے، البتہ جو ہمیں بیت اللہ جانے سے روکے گا اس سے ضرور جنگ کریں گے۔'' آپؐ نے یہ سن کر فرمایا: تب چلو اور آپؐ نے سفر جاری رکھا لیکن اپنا راستہ بدل دیا۔ جب آپؐ ثنیۃ المرار پہنچے تو آپ ﷺ کی اونٹنی قصوا بیٹھ گئی۔ لوگوں نے اس کو اٹھانے کی غرض سے ''حل حل'' کہا لیکن وہ نہ اٹھی۔ لوگوں نے کہا: ''یارسول اللہ ﷺ! قصوا اڑ گئی۔'' آپؐ نے فرمایا: ''قصوا کو اڑنے کی عادت نہیں بلکہ اس کو اسی ہستی نے روک دیا ہے جس نے ہاتھی کو روکا تھا۔'' اس کے بعد آپؐ نے اونٹنی کو اٹھنے کے لیے کہا تو وہ اچھل کر کھڑی ہوگئی۔ پھر وہاں سے تھوڑا سا ہٹ کر اقصائے حدیبیہ میں ایک چشمہ پر قیام فرمایا۔ چشمے کا پانی جلد ختم ہو جاتا تھا۔ آپؐ نے ترکش میں سے ایک تیر نکال کر حکم دیا کہ اس کو چشمہ میں گاڑ دیں۔ جونہی وہ گاڑا چشمے کے پانی نے اس قدر جوش مارا کہ پورا لشکر سیراب ہوگیا۔ (فتح الباری: ۵/۲۴۳)

قریش آپؐ کو کسی صورت مکہ میں داخل ہونے دینا نہیں چاہتے تھے لیکن ان میں آپؐ کو روکنے کی طاقت نہیں تھی۔ بدر، احد اور خندق کی جنگیں انھیں پریشان کر رہی تھیں کیونکہ ان کے نتائج قریش کے حق میں خراب تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ آپ عمرہ کیے بغیر واپس چلے جائیں۔ چنانچہ انھوں نے قبیلہ خزاعہ کے رئیس بدیل بن ورقاء کو آپ کی خدمت میں بات چیت کرنے کے لیے بھیجا۔ اس نے قریش کے ارادہ سے آپ ﷺ کو مطلع کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے بدیل کو بتایا کہ ہمارا مقصد صرف عمرہ کرنا ہے۔ قریش کو جنگوں نے تھکا کر رکھ دیا ہے، لہٰذا اگر وہ چاہیں تو میں ان کے لیے صلح کی مدت مقرر کر دوں کہ اس مدت میں کوئی ایک دوسرے سے تعرض نہ کرے۔ بدیل آپ کی باتیں سن کر قریش کے پاس گئے۔ پہلے تو قریش کے نوجوانوں نے ان کی بات سننے سے انکار کر دیا لیکن جو لوگ نشیب و فراز سے آشنا تھے انھوں نے کہا سنایئے۔ بدیل نے حضور ﷺ کی پوری بات انھیں سنا دی لیکن قریش نے بدیل کی بات کو کوئی اہمیت نہ دی۔ ان کے بعد قریش کی طرف سے بنو کنانہ کے ایک شخص حلیس بن علقمہ آئے لیکن کوئی بیل منڈھے نہ چڑھی۔ پھر عروہ بن مسعود آئے۔ رسول اللہ ﷺ سے بات چیت کرنے کے بعد وہ واپس قریش کے پاس گئے تو انھوں نے پہلے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عقیدت اور صدق و اخلاص کا جو منظر دیکھا اس کو قریش کے سامنے پیش کیا اور پھر انھوں نے اشارہ کر دیا کہ اگر جنگ ہوئی تو نتیجہ قریش کے حق میں اچھا نہ ہوگا۔

قریش کے نوجوان صلح کے حامی نہیں تھے جب کہ جہان دیدہ لوگ صلح چاہتے تھے۔ ان نوجوانوں نے صلح کو ختم کرنے کے لیے ایک منصوبہ بنایا کہ رات کی تاریکی میں ستر یا اسّی نوجوانوں نے جبل تنعیم سے اتر کر مسلمانوں کے کیمپ میں چپکے سے گھسنے کی کوشش کی لیکن مسلمان پہرے داروں کے کمانڈر سیدنا محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے ان سب کو گرفتار کر لیا۔ رسول اللہ ﷺ نے سب کو معاف کرتے ہوئے رہا کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ پھر صلح کی پیش کش فرمائی۔ آپ نے سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو بلا کر اس پیغام کے ساتھ مکہ بھیجا کہ ہم لڑنے نہیں آئے ہیں

Marfat.com

صرف عمرہ کرنے آئے ہیں۔انھیں اسلام کی دعوت بھی دیں اور مکہ میں مسلمان مردوں اور عورتوں کے پاس جا کر انھیں فتح ونصرت کی خوش خبری بھی سنا دیں۔ وہ اپنے ایک عزیز ابان بن سعید کی پناہ میں مکہ میں داخل ہوئے۔آپ ابھی قریش سے صلح کی بات چیت کر رہے تھے کہ حدیبیہ میں یہ خبر مشہور ہوگئی کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا گیا ہے۔

بیعت رضوان:

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کی اس خبر سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت صدمہ ہوا۔آپؐ نے فرمایا کہ جب تک میں قریش سے اس قتل کا بدلہ نہیں لے لوں گا یہاں سے نہیں جاؤں گا۔ پھر آپؐ نے وہاں ایک کیکر کے درخت کے نیچے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اس بات پر بیعت لی کہ جب تک اس قتل کا بدلہ نہ لے لیں، میدان چھوڑ کر نہیں بھاگیں گے۔سب سے پہلے سیدنا ابوسنان اسدی رضی اللہ عنہ نے آپؐ کے دست مبارک پر بیعت کی۔ جب سب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بیعت کر چکے تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے بائیں ہاتھ کو دائیں پر رکھا اور فرمایا: ''یہ بیعت عثمان رضی اللہ عنہ کی جانب سے ہے۔ اس واقعہ کے بعد سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اس کا ذکر کر کے فرمایا کرتے تھے کہ میری جانب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بایاں ہاتھ میرے دائیں ہاتھ سے کہیں بہتر تھا۔(زرقانی:۲/۲۰۶۔۲۰۸)

اس بیعت کو قرآن حکیم نے بیعت رضوان کا نام دیا ہے کیونکہ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے ان تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اپنی رضا کی سند عطا فرمائی جنھوں نے اس موقع پر آپؐ کے ہاتھ پر بیعت کی جس کا ذکر سورۃ الفتح میں فرمایا گیا:

﴿ لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ ﴾(الفتح ۴۸:۱۸)

''بے شک اللہ تعالیٰ راضی ہوگیا ایمان والوں سے جب کہ وہ درخت کے نیچے آپؐ سے بیعت کر رہے تھے۔''

قریش کو جب اس بیعت کا علم ہوا تو وہ خوف زدہ ہوگئے اور حالات کی نزاکت کو محسوس کرتے ہوئے انھوں نے صلح کے لیے خود تگ ودو شروع کر دی۔(فتح الباری:۷/۳۴۵) چنانچہ اب کی بار انھوں نے سہیل بن عمرو کو صلح کے لیے بھیجا۔ سہیل کو بھیجتے وقت قریش نے انھیں تاکید کی تھی کہ صلح میں یہ بات ضرور طے کی جائے کہ آپؐ اس سال واپس چلے جائیں، کہیں عرب یہ نہ سمجھنے لگیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے شہر میں جبراً داخل ہوگئے ہیں۔اس سے ہماری رہی سہی عزت وآبرو بھی چلی جائے گی۔ سہیل بن عمرو کی وجہ سے آخر کار فریقین میں صلح کی مندرجہ ذیل شرائط طے ہوئیں:

① رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سال عمرہ نہ کریں۔اگلے سال یہ مکہ آئیں گے، صرف تین روز قیام کریں گے اور یہ قریش سے کسی قسم کا تعرض نہیں کریں گے۔

Marfat.com

② فریقین دس سال تک جنگ نہیں کریں گے۔اس عرصہ میں لوگ بالکل مامون رہیں گے۔

③ جو شخص محمد ﷺ کے معاہدہ میں داخل ہونا چاہے، اسے داخل ہونے کی پوری پوری آزادی ہوگی اور جو قریش کے عہد و پیمان میں داخل ہونا چاہے، داخل ہو سکے گا۔

④ قریش کا جو شخص اپنے سرپرست کی اجازت کے بغیر محمد ﷺ کے پاس جائے گا آپؐ اسے واپس کر دیں گے لیکن مسلمانوں میں سے جو شخص بھاگ کر پناہ کی خاطر قریش کے پاس آئے گا، اسے واپس کرنے کے وہ پابند نہیں ہوں گے۔ یہ معاہدہ بیعت رضوان کی وجہ سے ہوا وگرنہ اس سے قبل قریش کسی بھی صورت میں آپؐ سے مصالحت کرنے کے لیے تیار نہ تھے۔

معاہدہ کی شرائط جب طے ہو گئیں تو آپؐ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو بلایا اور معاہدہ املا کرایا۔آپؐ نے سب سے پہلے "بسم اللہ الرحمن الرحیم" لکھنے کا حکم فرمایا۔سہیل نے کہا کہ ہم نہیں جانتے رحمٰن کیا ہے؟ آپ پرانے دستور کے مطابق "باسمك اللهم" لکھیں۔آپؐ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ یہی لکھو۔اس کے بعد آپؐ نے لکھوایا: ''یہ وہ معاہدہ ہے جس پر محمد رسول اللہ (ﷺ) نے صلح کی۔'' سہیل نے اس پر بھی نکتۂ اعتراض اٹھایا کہ اگر ہم آپؐ کو اللہ کا رسول جانتے تو پھر ہم آپؐ سے مزاحمت نہ کرتے، لہٰذا ''محمد بن عبداللہ'' املا کرایئے چنانچہ آپؐ نے اس کی یہ بات بھی مان لی۔دستاویز ابھی لکھی جا رہی تھی کہ سہیل کے بیٹے ابو جندل رضی اللہ عنہ اپنی بیڑیاں گھسیٹتے مکہ کی قید سے نکل کر یہاں پہنچے۔یہ مسلمان ہو چکے تھے اور کفار مکہ ان کو پابجولاں کر کے ان کو قید و بند کی صعوبتیں دے کر ایذائیں پہنچا رہے تھے۔ابو جندل رضی اللہ عنہ نے یہاں پہنچ کر اپنے آپ کو مسلمانوں کے درمیان ڈال دیا۔سہیل نے کہا: یہ پہلا شخص ہے جو عہد نامہ کے مطابق واپس ہونا چاہیے۔آپؐ نے ابو جندل رضی اللہ عنہ بھی ان کو واپس کر دیا جب کہ وہ رو رو کر مسلمانوں سے التجائیں کر رہا تھا کہ مجھے مشرکین کی طرف واپس نہ کیا جائے۔یہ لوگ میرے دین کے متعلق مجھے فتنہ میں ڈالیں گے۔آپؐ نے اسے صبر کی تلقین فرمائی اور فرمایا کہ بہت جلد اللہ تعالیٰ تمھارے لیے اور تمھارے جیسے کمزور مسلمانوں کے لیے کشادگی اور پناہ کی جگہ بنائے گا۔معاہدہ مکمل ہو گیا اور فریقین اور گواہان کے دستخط ہو گئے۔(طبقات ابن سعد:۲/۷۱)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ابو جندل رضی اللہ عنہ کی واپسی بہت شاق گزری۔انھیں معاہدہ کی شرائط کے ساتھ واپس کیا گیا تھا، لہٰذا اس معاہدہ کی شرائط بھی وہ اپنے لیے ذلت سمجھتے تھے۔سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو اس معاہدہ پر سب سے زیادہ پریشانی تھی کیونکہ اس کی اکثر شقیں ظاہری طور پر مسلمانوں کے خلاف سمجھی جاتی تھیں۔چنانچہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے بھی اپنی اس ناراضگی کا اظہار کیا۔پھر اس بارے میں سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ سے بھی بات کی۔ابو بکر رضی اللہ عنہ نے بھی وہی جوابات دیئے جو لسان نبوت نے دیئے تھے۔سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں بعد میں اپنی اس گستاخی پر سخت نادم ہوا اور اس کے کفارہ میں بہت نمازیں پڑھیں، روزے رکھے، بہت سے غلام آزاد کیے اور بہت سا صدقہ و خیرات کیا۔

Marfat.com

معاہدہ کی تکمیل کے بعد آپؐ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو قربانی کرنے اور سر منڈانے کے لیے فرمایا، لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان شرائط صلح سے اس قدر شکستہ خاطر تھے کہ رسول اللہ ﷺ کے تین بار فرمانے کے بعد بھی کوئی مسلمان نہ اٹھا۔ آپ نے صحابہ کی اس کیفیت کو دیکھا تو سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے گئے اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے اس عمل کا تذکرہ فرمایا۔ سیدہ رضی اللہ عنہا نے کہا: ''یارسول اللہ ﷺ! یہ صلح مسلمانوں پر بہت شاق گزری ہے جس کی وجہ سے وہ شکستہ خاطر ہیں۔ اس لیے تعمیل ارشاد نہیں کر سکے۔ آپؐ باہر ان کے پاس تشریف لے جائیں اور کسی کو کچھ کہے بغیر چپ چاپ اپنا جانور ذبح فرما دیجیے اور اپنے حجام کو بلا کر سر منڈا لیجیے۔ یہ خود بخود آپؐ کی اتباع کریں گے۔ چنانچہ آپؐ نے باہر آ کر اپنی قربانی کا جانور ذبح کیا اور حجام کو بلا کر سر منڈا لیا۔ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپؐ کو ایسا کرتے دیکھا تو انھوں نے بھی فوراً اٹھ کر اپنے جانور ذبح کر دیئے اور اس کے بعد باہم ایک دوسرے کا سر مونڈھنے لگے۔

حدیبیہ میں دو ہفتے قیام کرنے کے بعد رسول اللہ ﷺ واپس مدینہ تشریف لے گئے۔ مدینہ کے نزدیک پہنچ کر سورۃ الفتح نازل ہوئی۔ آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا: ''یہ ایک عظیم الشان فتح ہے۔''

(فتح الباری: ۵/۲۴۵۔۲۵۱، زرقانی: ۲/۲۱۰، عیون الاثر: ۲/۱۶۰، بخاری: ۱/۳۷۸، ۲/۵۹۸۔۶۰۰، مسلم: ۲/۱۰۳، ۱۰۵، زادالمعاد: ۲/۱۲۲)

معاہدۂ حدیبیہ کے بعد دعوت و تبلیغ کا دور شروع ہوا۔ قریش سے اب دس سال کے لیے امن کا سمجھوتہ ہو گیا۔ چنانچہ معاہدۂ حدیبیہ کے بعد آپ ﷺ نے دنیا کے بڑے بڑے بادشاہوں اور امراء کو خطوط لکھے جن میں ان کو توحید خداوندی اور اپنی نبوت پر ایمان لانے کی دعوت دی۔ اس دعوت کے بڑے اچھے اثرات مرتب ہوئے۔

Marfat.com

بادشاہانِ عالم اور امراء کے نام خطوط

اسلام کی دعوت قبل ازیں جزیرہ نما عرب میں پھیل چکی تھی اور لوگوں کی ایک بہت بڑی تعداد اسلام سے آشنا ہو چکی تھی۔ اب حدیبیہ سے واپسی پر مختلف بادشاہوں اور امراء کے نام خطوط لکھ کر انھیں اسلام کی دعوت دی گئی۔ اس کے لیے آپؐ نے ایک مہر بنوائی جس پر "محمد رسول الله" نیچے سے اوپر لکھا ہوا تھا۔ مدینہ کی ایک چھوٹی سی ریاست کی طرف سے دنیا کی سپر طاقتوں اور بادشاہوں کو اسلام کی دعوت کے خطوط لکھنا ایک جرأت مندانہ اقدام تھا۔

ان تمام خطوط کا مضمون قریباً ایک جیسا ہی تھا۔ الفاظ کا معمولی اختلاف تھا۔ ان میں سے ایک خط نمونہ کے طور پر یہ ہے جو آپؐ نے ہرقل قیصر روم کی جانب روانہ فرمایا:

اللہ کے بندے اور اس کے رسول محمد (ﷺ) کی جانب سے ہرقل عظیم روم کی طرف،

اس شخص پر سلام ہو جو ہدایت کی پیروی کرتا ہے۔ تم اسلام لاؤ، سلامتی پا جاؤ گے۔ اسلام لاؤ اللہ تعالیٰ تمھیں دوہرا اجر دے گا۔ اگر تم نے روگردانی کی تو تم پر تمھاری رعایا کا بھی گناہ ہوگا۔ اے اہل کتاب ایک ایسی بات کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمھارے درمیان یکساں ہے کہ ہم اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کریں، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں اور اللہ کے سوا ہمارے بعض، بعض کو اپنا رب نہ بنائیں۔ پس اگر لوگ اعراض برتیں تو کہہ دو کہ تم لوگ گواہ رہو ہم مسلمان ہیں۔"

(بخاری مع فتح الباری: ۱/ ۳۱، ۳۵ وغیرہ)

فارس کے بادشاہ خسرو پرویز یعنی کسریٰ کو بھی آپؐ نے اسی طرح کا خط لکھا۔ جب یہ خط کسریٰ ایران نے پڑھا تو اس نے غصے میں آ کر اس کو پھاڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ آپؐ کو جب اس کی اس حرکت کا پتہ چلا آپؐ نے فرمایا: "اس نے میرا خط نہیں پھاڑا بلکہ اپنی سلطنت کو پارہ پارہ کیا ہے۔" چنانچہ اس کی سلطنت چند سالوں میں ختم ہوگئی، اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں کسریٰ خود بھی مارا گیا۔

قیصر روم کو جو آپؐ نے خط لکھا اس نے اس خط کی بڑی تعظیم و توقیر کی اور رسول اللہ ﷺ کے حالات سے واقفیت کے لیے اس نے ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو اپنے دربار میں طلب کیا۔ انھوں نے ہر سوال کا بالکل صحیح صحیح جواب

Marfat.com

دیا۔ وہ خود مسلمان ہونا چاہتا تھا لیکن اس کے دربار کے امراء اور پادری حضرات سختی سے مزاحم ہوئے جس سے ہرقل ڈر گیا اور وہ مسلمان نہ ہوا کیونکہ اسے خطرہ پیدا ہو گیا کہ اگر میں مسلمان ہو گیا تو کہیں میری حکومت نہ چھین لی جائے لیکن اس نے حضور ﷺ کے والا نامہ اور آپؐ کے ایلچی سیدنا دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کا بڑا اعزاز و احترام کیا۔

(البدایہ والنہایہ: ۴/۲۶۶، الجواب الصحیح لمن بدل دین المسیح: ۱/۹۴، فتح الباری: ۱/۳۴)

آپؐ کے خطوط کے جواب میں کچھ بادشاہ ایمان لائے اور کچھ نے اسلام کی دعوت کو رد کر دیا۔ جنھوں نے رد کیا وہ تباہ و برباد ہو گئے اور جنھوں نے قبول کیا وہ تاریخ عالم میں زندۂ جاوید ہو گئے۔ دوسرا فائدہ ان خطوط کا یہ ہوا کہ اسلام تمام دنیا میں ایک جانی پہچانی دعوت و قوت بن گیا اور ہر شخص اسلام کے بارے میں سوچنے لگا اور اسلام کی دعوت جزیرۂ عرب سے نکل کر تمام دنیا میں پھیلنی شروع ہو گئی۔

Marfat.com

غزوۂ خیبر

اگرچہ یہود کے تمام قبائل کو آپؐ نے مدینہ سے جلاوطن کر دیا اور ان کی اکثریت خیبر میں جا کر آباد ہو گئی لیکن یہ لوگ وہاں جا کر بھی بدعہدی اور پیمان شکنی کے لیے ادھار کھائے بیٹھے تھے۔ چنانچہ معاہدۂ حدیبیہ کے بعد جب قریش مکہ کے ساتھ محاذ آرائی کا خاتمہ ہوا اور ان مجرم یہودیوں کے محاسبہ کے لیے فضا سازگار ہو گئی تو آپؐ نے فیصلہ کر لیا کہ یہود کے فتنے کو جڑ سے اکھاڑ کر عرب سے باہر دھکیل دیا جائے تاکہ مسلمانوں کے خلاف خلش کا یہ کانٹا بھی ہمیشہ کے لیے نکل جائے۔ اس مہم کے لیے آپؐ نے نہایت عجلت سے کام لیا تاکہ بنو غطفان یا مسلمانوں کا کوئی اور دشمن ان کی مدد کے لیے نہ آ سکے۔

خیبر مدینہ کے شمال میں ایک سو میل کے فاصلہ پر ایک بڑا شہر تھا۔ یہاں قلعے بھی تھے اور گڑھیاں بھی۔ محرم کے آخری ایام میں آپؐ اس مہم پر روانہ ہو گئے۔ (عیون الاثر:۲/۱۸۱)

آپؐ نے اس مہم میں صرف انہی مسلمانوں کو شریک ہونے کی اجازت مرحمت فرمائی جو حدیبیہ کی مہم میں شریک تھے۔ دوسرے مسلمانوں کی شمولیت سے انکار تو نہ فرمایا لیکن انھیں غنیمت سے مستثنیٰ فرما دیا۔ چنانچہ آپ محرم الحرام سنہ ۷ھ کے آخری ایام میں دو سو سواروں اور دو سو پیادوں کے ساتھ خیبر کی مہم کے لیے روانہ ہوئے۔ لشکر کی کل تعداد سولہ سو تھی۔ چودہ سو حدیبیہ کی مہم میں شریک ہونے والے اور دو سو مزید حضرات تھے۔ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا اس مہم میں آپؐ کے ساتھ تھیں۔ (زرقانی:۲/۲۱۷، فتح الباری:۷/۳۵۶، زادالمعاد:۲/۱۳۳) منافقین کو اس سفر میں ساتھ جانے سے روک دیا گیا۔ (الفتح ۴۸:۱۵)

ادھر رسول اللہ ﷺ مدینہ سے روانہ ہوئے ادھر منافقین نے یہود کی حمایت میں تگ و دو شروع کر دی۔ عبداللہ بن ابی نے انھیں کہلا بھیجا، خوب تیار ہو کر مسلمانوں کا مقابلہ کرو، ڈٹ جاؤ کیونکہ تم تعداد اور اسلحہ میں ان سے برتر ہو۔ جب اہل خیبر کو معلوم ہوا کہ مسلمان اب ہماری طرف آ رہے ہیں تو انھوں نے بنو غطفان کی طرف اپنے دو آدمیوں کو بھیجا کیونکہ وہ یہودیوں کے حلیف تھے۔ بنو غطفان یہود کی مدد کے لیے تیار بھی ہو گئے لیکن جب اپنی آبادی سے باہر نکلے تو انھیں اپنے پیچھے کچھ شور و غل سنائی دیا۔ وہ سمجھے کہ مسلمانوں نے ان کے بال بچوں پر حملہ کر دیا ہے اس لیے وہ واپس لوٹ گئے اور خیبر کے یہودیوں کی کوئی مدد نہ کر سکے۔

Marfat.com

مسلمان مدینہ سے چل کر تیسرے روز نماز مغرب کے بعد رات کو خیبر پہنچے اور رات بھر قلعہ خیبر کے نیچے پڑے رہے اور یہود کو ان کی آمد کی کانوں کان خبر نہ ہوئی، جب صبح کے وقت اہل خیبر اپنے پھاوڑے اور کھانچی وغیرہ لے کر کھیتی باڑی کے لیے باہر نکلے تو باہر اسلامی لشکر کو پڑاؤ ڈالے دیکھا۔ وہ چیختے ہوئے واپس بھاگے کہ محمد (ﷺ) اپنے لشکر کے ساتھ آ گئے ہیں۔ ان کی یہ آواز سن کر سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا: ''اللہ اکبر! خیبر کی تباہی کا وقت آ پہنچا۔'' جب ہم کسی قوم کے میدان میں اتر پڑتے ہیں تو ان ڈرائے ہوئے لوگوں کی صبح بری ہو جاتی ہے۔

(جامع الاصول: ۳/۲۱۳)

خیبر کے یہودی آپؐ کے اس حملہ سے غافل نہ تھے۔ خیبر پر مسلمانوں کے اس حملہ کی خبر جنگل کی آگ کی طرح تمام جزیرہ نما عرب میں پھیل گئی۔ عرب کا ہر شخص نتیجے کے لیے گوش بر آواز تھا۔ قریش مکہ کو پوری امید تھی کہ خیبر کے یہودی اپنی بہادری، اپنے قلعوں کی پختگی اور سربلندی، اسلحہ کی بہتات اور پہاڑوں کی بلند ترین چوٹیوں کی وجہ سے مسلمانوں کا نہ صرف حملہ ناکام بنا دیں گے بلکہ ان کی وہ درگت بنائیں گے کہ انھیں چھٹی کا دودھ یاد آ جائے گا۔ چنانچہ ان میں سے اکثر نے تو شرطیں بھی لگا رکھی تھیں۔

خیبر کے دو منطقے (Zones) تھے۔ ان میں کل آٹھ قلعے تھے۔ ان کے علاوہ کچھ مزید قلعے اور گڑھیاں بھی تھیں لیکن وہ مضبوطی میں ان آٹھ قلعوں کے برابر نہ تھیں۔

مسلمانوں نے خیبر میں داخل ہو کر صف بندی کی اور خیبر کے قلعوں کو چاروں طرف سے گھیرے میں لے لیا۔

قلعۂ ناعم کی فتح:

مسلمانوں نے سب سے پہلے قلعۂ ناعم پر حملہ کیا کیونکہ یہ قلعہ محل وقوع کے لحاظ سے یہود کی دفاعی لائن کی حیثیت رکھتا تھا، اس لیے نبی اکرم ﷺ نے محمود بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کی زیر قیادت اس قلعہ کو فتح کرنے کے لیے حملہ کیا اور کافی دیر تک یہودیوں سے مقابلہ کیا۔ گرمی بہت سخت تھی اس لیے تھک کر دم لینے کے لیے وہ قلعہ کی دیوار کے سایہ میں جا کر بیٹھ گئے۔ کنانہ بن ربیع نے قلعہ کی فصیل کے اوپر سے چکی کا ایک بہت بھاری پاٹ گرایا جس سے وہ شہید ہو گئے لیکن قلعہ بہت جلد فتح ہو گیا۔ (فتح الباری: ۷/ ۳۵۸، عیون الاثر: ۲/۱۸۴)

ناعم کی فتح کے بعد قلعہ قموص کا محاصرہ کیا گیا۔ یہ اس شہ زور یہودی کا قلعہ تھا جس کو مرحب کہتے تھے اور اس کے بارے میں یہ مشہور تھا کہ وہ ایک ہزار مردوں کے برابر ہے۔ محاصرہ کو کئی روز گزر گئے لیکن قلعہ فتح نہ ہوا۔ کئی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو قلعہ کی فتح کے لیے بھیجا گیا لیکن قلعہ فتح نہ ہوا۔ آپؐ نے فرمایا: ''میں کل علم اس شخص کو دوں گا جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو محبوب رکھتا ہو۔ اللہ تعالیٰ اس کے ہاتھ سے اس قلعہ کو فتح فرما دے گا۔'' ہر صحابی کی یہ خواہش تھی کہ علم اس کو ملے۔ چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے یہ رات نہایت اضطراب سے گزاری۔ (مسلم: ۲/۲۷۸) صبح ہوئی تو حضور ﷺ نے فرمایا: ''علی رضی اللہ عنہ کہاں ہیں؟'' سیدنا علی رضی اللہ عنہ اس روز آشوب چشم میں مبتلا تھے اور جنگ

Marfat.com

کرنے کے قابل نہ تھے۔ آپؐ نے ان کی آنکھوں پر اپنا لعاب دہن لگایا اور دعا فرمائی، اور فرمایا: ''علی! یہ جھنڈا لو اور غنیم پر حملہ کرو۔'' (بخاری: ۲/۶۰۵، ۱/۵۲۵، مسلم: ۲/۲۷۹) سیدنا علی رضی اللہ عنہ فوج لے کر اس قلعہ کے سامنے پہنچے اور یہود کو اسلام کی دعوت دی۔ انھوں نے دعوت کو مسترد کر دیا۔ اس وقت قلعہ میں ۲۰ ہزار سپاہی تھے جو اپنے سردار مرحب کی زیر کمان تھے۔ مرحب نے میدان جنگ میں اتر کر دعوت مبارزت دی۔ مرحب اپنی تلوار لے کر ناز و تکبر کے ساتھ اٹھا اور یہ کہتا ہوا نمودار ہوا:

قد علمت خیبر انی مرحب　　شاکی السلاح بطل مجرب
اذا الحروب اقبلت تلهب

یعنی خیبر کے تمام لوگ اس سے آشنا ہیں کہ میں مرحب ہوں، ہتھیار پوش اور بہادر تجربہ کار جب جنگ کا شعلہ بھڑکتا ہے۔

سیدنا سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ یہ رجز سن کر میرے چچا عامر رضی اللہ عنہ اس کے مقابلے کے لیے میدان میں آئے۔ چونکہ یہ بھی شاعر تھے۔ انھوں نے یہ رجز پڑھا:

قد علمت خیبر انی عامر
شاکی السلاح بطل مغامر

یعنی خیبر جانتا ہے کہ میں عامر بن اکوع ہوں، ہتھیار پوش، جنگ جو اور شہ زور۔

پھر دونوں ایک دوسرے پر حملہ آور ہوئے۔ مرحب کی تلوار عامر رضی اللہ عنہ کی ڈھال پر لگی اور عامر رضی اللہ عنہ نے اسے نیچے سے مارنا چاہا لیکن ان کی تلوار چھوٹی تھی۔ انھوں نے مرحب کی پنڈلی پر وار کیا لیکن تلوار کا سرا پلٹ کر ان کے گھٹنے پر آ لگا جس سے گہرا زخم ہو گیا جو ان کی شہادت کا باعث بنا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان کے لیے دوہرا اجر ہے۔ وہ بڑے جانباز اور جان نثار تھے۔ ان جیسا عرب کم ہی پیدا ہوا ہوگا۔ (بخاری: ۲/۶۰۳، مسلم: ۳/۱۲۲۔۱۱۵)

سیدنا عامر رضی اللہ عنہ کے شہید ہونے کے بعد سیدنا علی رضی اللہ عنہ مرحب کے مقابلے میں تشریف لائے۔ اس وقت سیدنا علی رضی اللہ عنہ یہ رجز پڑھ رہے تھے:

انا الذی سمیتنی امی حیدره　　کلیث غابات کریه المنظرة
اوفیهم بالصاع کیل السندره

میں وہ ہوں کہ میری ماں نے میرا نام حیدر (شیر) رکھا ہے۔ جنگل کے شیر کی طرح خوفناک ہوں۔ میں انھیں صاع کے بدلے نیزے کی ناپ پوری کروں گا۔ (فتح الباری: ۷/۳۶۷)

یہ ایک روایت ہے جس کو مؤرخین نے اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے لیکن ہمارے نزدیک صحیح روایت یہ ہے کہ جب مرحب نے دعوت مبارزت دی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کون اس کے مقابلے میں جائے گا؟'' محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی: ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں اس کے مقابلے میں جاؤں گا۔ کل میرا بھائی مارا گیا ہے۔

Marfat.com

آپؐ نے فرمایا: ''اٹھو اور جاؤ'' اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا: ''اے اللہ! اس کی مدد فرمانا۔''

محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے جاتے ہی ایسی تلوار ماری کہ مرحب وہیں ڈھیر ہو گیا۔

(سیرۃ ابن ہشام: ۲/۳۳۳، عیون الاثر: ۲/۱۸۶)

حافظ ابن کثیر نے بھی واقدی، زہری اور محمد بن اسحاق کی مختلف سندوں کے ساتھ نقل کیا ہے کہ مرحب کو محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے قتل کیا۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مرحب کی تلوار، اس کا نیزہ اور اس کا خُود محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا۔ (البدایہ والنہایہ: ۴/۱۸۹، ابن اثیر: ۳/۲۱۹)

یہ قلعہ بیس روز کے محاصرہ کے بعد سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے زیر پرچم فتح ہوا۔ بہت سا مال غنیمت اور قیدی بھی ہاتھ آئے جن میں صفیہ بھی تھیں جو حیی بن اخطب رئیس بنی نضیر کی بیٹی اور کنانہ بن ربیع کی بیوی تھیں۔

(فتح الباری: ۷/۳۶۷)

قلعۂ صعب بن معاذ کی فتح:

قلعہ قموص کی فتح کے بعد مسلمانوں نے قلعہ صعب بن معاذ کا محاصرہ کر لیا کیونکہ یہ قوت و حفاظت کے لحاظ سے دوسرا بڑا مضبوط قلعہ تھا۔ مسلمانوں نے سیدنا حباب بن منذر انصاری رضی اللہ عنہ کی زیر قیادت اس قلعہ پر حملہ کیا۔ تین روز کے محاصرہ کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی فتح کے لیے خصوصی دعا فرمائی۔ دعا فرمانے کے بعد آپؐ نے مسلمانوں کو اس قلعہ پر حملے کی دعوت دی۔ چنانچہ سورج غروب ہونے سے پہلے پہلے قلعہ فتح ہو گیا۔ خیبر میں کوئی قلعہ ایسا نہ تھا جہاں اس قلعہ سے زیادہ خوراک، چربی اور خورد و نوش کا سامان مسلمانوں کو ملا ہو۔ اس قلعہ کی فتح سے اس قدر رسد حاصل ہوئی کہ مسلمانوں نے خورد و نوش سے بے فکر ہو کر محصورین کو فتح کرنا شروع کر دیا لیکن یہودیوں نے ہر قلعہ کی حفاظت میں جان کی بازی لگا دی۔

قلعۂ زبیر کی فتح:

اس قلعہ کے فتح ہونے کے بعد یہود نے حصن قلہ (اس کو قلعہ زبیر بھی کہتے ہیں) میں جا کر پناہ لے لی۔ یہ بھی بہت مضبوط اور مستحکم قلعہ تھا اور پہاڑ کی چوٹی پر واقع تھا، اسی لیے اس کو ''حصن قلہ'' کہتے تھے۔ پہاڑ کی چوٹی پر ہونے کی وجہ سے اس کا راستہ سواروں اور پیادوں دونوں کے لیے بہت دشوار تھا۔ آپؐ نے اس کا محاصرہ کر لیا، محاصرے کو ابھی تین روز ہوئے تھے کہ ایک یہودی آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ آپ اگر مہینہ بھر بھی اس کا محاصرہ جاری رکھیں تو بھی محصورین کو کوئی پروا نہیں، ان کے پاس زمین کے نیچے پانی کے چشمے ہیں۔ یہ رات کو نکلتے ہیں اور پانی پی کر اور کچھ ساتھ لے کر واپس قلعہ میں چلے جاتے ہیں۔ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کا پانی بند کر دیں تو یہ ایک دو دن میں گھٹنے ٹیک دیں گے۔ آپؐ نے ان کا پانی بند کر دیا۔ مجبور ہو کر یہ باہر نکلے اور مسلمانوں سے

Marfat.com

زبردست جنگ کی جس میں کئی مسلمان شہید ہوئے لیکن قلعہ فتح ہوگیا۔(زادالمعاد:۲/۱۳۶)
اس قلعہ کی فتح کے بعد نطاۃ کے علاقہ کے تمام قلعے فتح ہوگئے۔اب آپؐ نے دوسرے منطقے کی طرف پیش قدمی فرمائی اوران کے قلعوں کو فتح کرنا شروع کردیا۔(البدایہ والنہایہ:۴/۱۹۸)

قلعۂ ابی کی فتح:

قلعہ زبیر کی فتح کے بعداب یہودی حصن ابی میں قلعہ بند ہوگئے۔اتنے قلعوں کے فتح ہونے کے بعد یہودی حوصلہ ہار چکے تھے۔مسلمانوں نے آگے بڑھ کراس قلعہ کا بھی محاصرہ کرلیا۔اب دو یہودی شہ زور یکے بعد دیگرے دعوت مبارزت دیتے ہوئے میدان میں نکلے لیکن دونوں ہی مسلمان جانبازوں کے ہاتھوں واصل جہنم ہوگئے۔دوسرے یہودی کے قاتل میدان احد کے جانباز مجاہد سیدنا ابودجانہ انصاری رضی اللہ عنہ تھے۔وہ دوسرے یہودی شہ زوراور جانباز کوقتل کرکے نہایت تیزی کے ساتھ قلعہ میں جا گھسے اوران کے ساتھ ہی اسلامی لشکر بھی جا گھسا۔قلعہ کے اندر کچھ دیر تک زوردار رن پڑا لیکن یہودیوں کے پاؤں اکھڑ گئے اور وہ سب کے سب بھاگ کر قلعہ نزار میں چلے گئے۔

قلعۂ نزار کی فتح:

یہ قلعہ اس علاقے کا نہایت مضبوط اور محفوظ قلعہ تھا اور یہود کو پورا پورا یقین تھا کہ مسلمان اپنی انتہائی کوشش کے باوجود اس قلعہ کو سر نہیں کرسکتے،اس لیے اس قلعہ میں وہ اپنی عورتوں اور بچوں کو بھی ساتھ لے گئے، جب کہ پہلے چار قلعوں میں عورتیں اور بچے ان کے ساتھ نہیں تھے۔مسلمانوں نے اس قلعہ کا نہایت سختی سے محاصرہ کیا لیکن قلعہ کے بلندی پر واقع ہونے کی وجہ سے مسلمانوں کے لیے اس میں داخل ہونا مشکل تھا۔یہودی کبھی کبھی قلعہ سے تیروں اور پتھروں کو مسلمانوں پر پھینک دیتے۔
رسول اللہ ﷺ نے جب اس قلعہ کی فتح میں دشواری محسوس کی تو حکم فرمایا کہ منجنیق سے گولہ باری کی جائے۔ابھی چند گولے ہی پھینکے تھے کہ قلعہ کی دیواروں میں شگاف پڑ گئے اور مسلمان قلعہ کے اندر گھس گئے اور وہاں زور کا رن پڑا۔یہودی مقابلے کی تاب نہ لاکر بدترین شکست سے دوچار ہوئے، چنانچہ وہ اپنی عورتوں اور بچوں کو چھوڑ کر بے محابا بھاگے اورانھیں مسلمان کے رحم وکرم پر چھوڑ دیا۔اس قلعہ کی فتح سے آدھا خیبر مسلمانوں کے قبضہ میں آ گیا۔اب وہ شہر کے دوسرے حصے منطقۂ کتیبہ کی طرف بھاگ گئے۔

وطیح اور سلالم کی فتح:

جب تمام قلعوں پر مسلمانوں کا قبضہ ہوگیا تو پھر آخر میں آپ وطیح اور سلالم کی طرف بڑھے۔سلالم بنو

Marfat.com

نضیر کے ایک مشہور یہودی ابوالحقیق کا قلعہ تھا۔ یہ شخص مدینہ سے جلاوطن ہوکر یہاں آیا تھا۔ یہوداب ہر طرف سے سمٹ کرانہی قلعوں میں جمع تھے۔ آپؐ نے ان قلعوں کا محاصرہ کرلیا۔ چودہ روز کے محاصرہ کے بعد مجبور ہوکر یہود نے صلح کی درخواست کی جومنظور کرلی گئی۔ صلح کے لیے یہ شرط رکھی گئی کہ قلعہ میں موجود تمام فوج کی جان بخشی کردی جائے گی اوران کے بال بچوں کولونڈی اور غلام نہیں بنایا جائے گا بلکہ یہ انہی کے پاس رہیں گے، اور وہ اپنے بال بچوں کے ساتھ وطیح کی سرزمین خالی کردیں گے۔ اپنی تمام منقولہ اور غیر منقولہ جائداد اور تمام اسلحہ رسول اللہ ﷺ کے حوالے کر دیں گے۔ اپنے ساتھ صرف اتنا کپڑا لے جائیں گے جتنا ایک انسان کی پشت اٹھا سکتی ہے۔ (ابوداؤد:۲/۷۶)

یہود نے ان تمام شرائط کو منظور کرلیا اور صلح ہوگئی لیکن یہود کی سرشت میں ہے کہ وہ کسی معاہدہ کا احترام نہیں کرتے۔ انھوں نے اس معاہدہ کی بھی خلاف ورزی کی اور انھوں نے بہت سا مال ادھر ادھر چھپا لیا۔ حیی بن خطب کا چمڑے کا ایک بہت بڑا تھیلا تھا جس میں بہت سا مال اور زیورات تھے، اس کو غائب کردیا گیا۔ بنونضیر کا سارا مال ودولت ایک چمڑے کے تھیلے میں تھا وہ کنانہ بن ابی الحقیق نے کہیں چھپا دیا۔ آپؐ نے کنانہ کو بلا کر پوچھا کہ بنونضیر کا خزانہ ایک چرمی تھیلے میں تھا وہ کہاں ہے؟ کنانہ نے کہا وہ سارا مال جنگوں پر خرچ ہوگیا۔ آپؐ نے فرمایا کہ یہ خزانے کا تھیلا ہم نے تمھارے پاس سے برآمد کرلیا تو ہم تمھیں قتل کردیں گے۔ اس نے کہا مجھے منظور ہے۔ چنانچہ آپؐ نے ایک انصاری صحابی کو حکم دیا کہ جاؤ فلاں جگہ ایک درخت کی جڑ میں وہ مال دبایا ہوا ہے، اسے کھود کر لے آؤ۔ وہ صحابی گئے اور کھود کر وہ مال لے آئے۔ جو مال اس تھیلے سے برآمد ہوا اس کی مالیت دس ہزار دینار تھی۔ کنانہ نے سیدنا محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کے بھائی محمود کو قلعہ کی فصیل سے چکی کا پاٹ گرا کر شہید کردیا تھا۔ یہ بھی اس کا ایک بہت بڑا جرم تھا۔ چنانچہ سیدنا محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے اس کو قتل کردیا۔ (زادالمعاد:۲/۱۳۶)

حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ابوالحقیق کے دونوں بیٹوں کو قتل کرادیا تھا۔ ان دونوں کے خلاف مال چھپانے کی گواہی ان کے چچیرے بھائی نے دی تھی۔

کنانہ بن ربیع صفیہ کا شوہر تھا۔ اس کے بعد سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ سے نکاح کر کے قیامت تک کے لیے پوری امت کے لیے محترم ہوگئیں۔ خیبر ایک ناقابل تسخیر محاذ تھا کیونکہ اسلحہ، فوج اور دوسرے جنگی ذرائع یہود کے پاس فراوانی سے تھے۔ پھر یہاں قلعے اور گڑھیاں بے شمار تھیں۔ یہاں مسلمان فوج کو بہت تگ ودو کرنا پڑی اور آخرکار میدان مسلمانوں کے ہاتھ میں رہا۔ مسلمان شہداء کی تعداد ۱۸ تھی جب کہ یہود کے مقتولین کی تعداد ۹۳ تھی۔

خیبر کی غنیمت میں سونا چاندی تو بہت کم تھا، بیل، اونٹ اور کچھ دیگر سامان تھا۔ سب سے بڑی چیز وہاں کی زمینیں اور باغات تھے۔ زمینوں اور باغات کے علاوہ جو سامان تھا وہ آپؐ نے قرآنی حکم کے مطابق مجاہدین میں تقسیم کردیا اور زمینوں کو صرف اہل حدیبیہ پر تقسیم کیا۔ (روض الانف:۲/۳۴۶)

خیبر کے مال کی وجہ سے حدیبیہ کے شریک صحابہ کی درماندگی دور ہوگئی۔ چنانچہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ہم لوگ اس وقت تک آسودہ حال نہ ہوئے تھے جب تک کہ خیبر کو فتح نہ کیا۔ اور سیدہ

Marfat.com

عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب خیبر فتح ہوا تو ہم نے کہا کہ اب ہمیں پیٹ بھر کر کھجور ملے گی۔ (بخاری:۲/۶۰۹)

امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کی تمام زمینوں کو تقسیم نہیں فرمایا بلکہ صرف نطاۃ اور شق اور اس کی ملحقہ زمینوں کو مجاہدین پر تقسیم فرمایا اور باقی تمام اراضی کو مسلمانوں کی اجتماعی ضروریات وحوادث کے لیے محفوظ فرمالیا۔ (شرح معانی الآثار:۲/۱۴۴)

اصحاب سیر نے لکھا ہے کہ خیبر کی اراضی کی دو قسمیں ہیں:

① جنگ کے نتیجے میں حاصل شدہ اراضی۔ اس کو آپؐ نے مجاہدین میں تقسیم کر دیا۔

② بغیر جنگ کے حاصل شدہ اراضی، یہ اراضی ریاست کی ملکیت تھی۔

خیبر کی زمینیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں کی درخواست پر اس شرط پر ان کے حوالے کر دیں کہ ساری کھیتی اور تمام پھلوں کی پیداوار کا آدھا یہود کو دیا جائے گا اور بٹائی کا یہ معاہدہ آپؐ کی مرضی کے مطابق ہوگا۔ جب آپ چاہیں گے اراضی چھین کر ان کو جلاوطن کر دیں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہر سال سیدنا عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ پیداوار کی بٹائی کے لیے خیبر تشریف لاتے اور اجناس کی تمام اقسام دو حصوں میں تقسیم فرما کر مزارعین سے فرماتے، دونوں میں سے جو ڈھیر پسند ہو اٹھالو۔ اس پر ایک مرتبہ اہل خیبر نے کہا: ''اسی عدل پر زمین وآسمان قائم ہے۔'' (ابوداؤد:۲/۱۲۸)

خیبر کی فتح کے بعد یہودیوں کے سر اٹھانے کا خطرہ ختم ہو گیا۔

سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا سے نکاح:

خیبر کی قیدی عورتوں میں ایک سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں۔ ان کا شوہر کنانہ بدعہدی اور پیمان شکنی کے جرم میں مارا گیا تھا۔ یہ یہود کے رئیس حیی بن اخطب کی بیٹی تھیں۔ سیدنا دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک لونڈی مانگ رہے تھے۔ انھوں نے سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کو منتخب کیا۔ ایک شخص نے بارگاہِ نبوت میں حاضر ہو کر عرض کیا: ''آپؐ نے ایک رئیس زادی کو دحیہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دیا حالانکہ وہ آپؐ کے شایان شان ہے۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''دحیہ رضی اللہ عنہ اور صفیہ رضی اللہ عنہا دونوں کو بلاؤ۔'' آپؐ نے دحیہ رضی اللہ عنہ کو قیدی عورتوں میں دوسری لونڈی دے دی اور سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا پر اسلام پیش کیا۔ وہ مسلمان ہو گئیں۔ آپؐ نے انھیں آزاد کر کے ان سے شادی کر لی۔ ان کی آزادی ہی ان کا حق مہر تھا۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو مصنف کی کتاب ''پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل بیت'')

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو زہر دینے کا واقعہ:

فتح خیبر کے بعد آپؐ نے چند روز خیبر ہی میں گزارے۔ ایک دن سلام بن مشکم کی بیوی زینب بنت حارث نے ایک بھنی ہوئی بکری ہدیہ کے طور پر آپؐ کی خدمت میں بھیجی۔ آپؐ نے گوشت چکھتے ہی ہاتھ روک لیا اور بشر بن براء معرور رضی اللہ عنہ جو کھانے میں آپ کے ساتھ شریک تھے، انھوں نے کچھ گوشت کھالیا۔ آپؐ نے زینب کو

Marfat.com

بلا کر کہا کہ اس گوشت میں زہر ملا ہوا ہے۔ اس نے کہا: ہاں۔ فرمایا: تم نے ایسا کیوں کیا؟ اس نے کہا یہ پتہ چلانے کے لیے کہ آپ نبی برحق ہیں یا نبی کاذب۔ اگر آپ نبی برحق ہوں گے تو آپ کو پتہ چل جائے گا۔ آپ نے اپنے لیے تو اس سے کوئی تعرض نہ کیا لیکن جب بعد میں بشر بن براء رضی اللہ عنہ اس زہر کھانے کی وجہ سے انتقال فرما گئے تو آپ نے زینب کو ان کے وارثان کے حوالے کر دیا جنھوں نے اسے قصاص میں قتل کر دیا۔ (فتح الباری: ۷/۳۸۰)

یہود کے باقی مراکز:

یہود کے بقیہ مراکز کا مختصر تعارف سطور ذیل میں دیا جاتا ہے:

① فدک:

رسول اللہ ﷺ نے قلعہ وطیح اور سلالم کے محاصرہ کے دوران پیغام بھجوا دیا تھا کہ ''تم لوگ مسلمان ہو جاؤ تو ٹھیک ورنہ تمھیں اپنے اموال ہمارے سپرد کرنا پڑیں گے۔ پہلے تو انھوں نے اس پیغام کی طرف کوئی توجہ نہ کی لیکن جب خیبر فتح ہو گیا تو ان کے دلوں پر مسلمانوں کی سطوت و عظمت کا رعب بیٹھ گیا۔ اب انھوں نے خود رسول اللہ ﷺ کو پیغام بھجوا دیا کہ ہم بھی اہل خیبر کی شرائط کے مطابق نصف پیداوار دینے کے لیے تیار ہیں۔ آپ ﷺ نے ان کی اس پیش کش کو قبول فرما لیا۔ اس لیے فدک کی سرزمین خالص رسول اللہ ﷺ کے لیے ہو گئی۔ یہ علاقہ چونکہ بغیر لڑائی فتح ہوا لہٰذا یہ مجاہدین میں تقسیم نہ ہوا۔

② فتح وادی القریٰ:

یہ بستیاں خیبر اور مدینہ کی گزرگاہ پر واقع تھیں۔ یہاں بھی یہود کی ایک جماعت قیام پذیر تھی۔ خیبر سے واپسی پر مسلمان وادی القریٰ سے ذرا دور ہی تھے کہ یہود نے تیر برسانا شروع کر دیئے۔ رسول اللہ ﷺ کا ایک غلام مدعم آپ ﷺ کا کجاوہ اتار رہا تھا تو ایک ناگہانی تیر اس کو آ کر لگا جس سے وہ شہید ہو گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو صف بندی کا حکم دیا۔ جنگ سے قبل آپ نے یہود کو اسلام کی دعوت دی لیکن انھوں نے دعوت اسلام کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اب ان کا ایک ایک آدمی میدان میں نکلنا شروع ہوا لیکن وہ مسلمانوں کی تلواروں سے لقمۂ اجل بنتا رہا۔ اس طرح لڑتے لڑتے رات ہو گئی اور جنگ بند کر دی گئی۔ دوسرے روز صبح ابھی سورج نکلا ہی تھا کہ انھوں نے از خود اطاعت کا پیغام بھجوا دیا۔ چنانچہ انھوں نے از خود آدمی بھیج کر صلح کی پیش کش کر دی جس کو آپ نے قبول فرما لیا۔ انھوں نے جزیہ پر آپ سے صلح کی۔ (زاد المعاد: ۲/۱۴۷، زرقانی: ۲/۲۴۷، فتح الباری: ۵/۱۷)

یہود کا انجام:

یہودیوں کی ان بستیوں کے فتح ہو جانے سے صدیوں کی آباد قوم یہود کا تمام رعب و دبدبہ جزیرہ نمائے عرب

Marfat.com

سے یک قلم ختم ہوگیا اور وہ مسلمانوں کی ماتحتی پر مجبور ہوگئے۔اس طرح ان یہودی بستیوں کی فتح سے شمال کی طرف سے بھی تمام دسیسہ کاریوں اور فتنوں کا دروازہ بند ہوگیا۔ پورے عرب میں ان کے مراکز ٹوٹ گئے کیونکہ آپؐ نے بحرین کے یہود بنوعریض اور بنوغازیہ کے ساتھ بھی اطاعت، جزیہ اور اپنے دین پر قائم رہنے کی صورت میں معاہدہ کرلیا۔

یہود کی ان بستیوں سے فارغ ہوکر آپؐ مدینہ کی طرف روانہ ہوئے۔ واپسی پر راستہ میں آپ ﷺ کی صبح کی نماز قضا ہوگئی جو آپ ﷺ نے اس وادی سے نکل کر ادا کی۔

غزوۂ ذات الرقاع:

اس غزوہ کے بارے میں بہت اختلاف ہے کہ یہ کب وقوع پذیر ہوا۔ عام مؤرخین نے اس کو سنہ ۴ھ کے واقعات میں بیان کیا ہے، لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ غزوۂ خیبر کے بعد پیش آیا۔ اس کو ''ذات الرقاع'' اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس سفر میں صحابہ کرام کے پاؤں چل چل کر زخمی ہوگئے تھے اس لیے انھوں نے اپنے پاؤں پر چیتھڑے اور پٹیاں لپیٹ رکھی تھیں۔ اس وجہ سے اس کو ''ذات الرقاع'' یعنی چیتھڑوں والا غزوہ کہا جاتا ہے۔ (بخاری:۲/۵۹۲)

رسول اللہ ﷺ کو پتہ چلا کہ بنوغطفان کی دو شاخوں بنوثعلبہ اور بنومحارب مسلمانوں کے مقابلے میں لشکر جمع کر رہے ہیں۔ (زرقانی:۲/۹۱) یہ خبر سنتے ہی چار سو یا سات سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی معیت میں ان کی سرکوبی کے لیے بلادنجد کا رخ کیا۔ راستہ میں بنوغطفان کی ایک جماعت سے مڈبھیڑ ہوگئی لیکن جنگ نہ ہوئی اس موقع پر آپؐ نے ''صلوٰۃ الخوف'' پڑھائی۔ یہ پہلی صلوٰۃ الخوف تھی۔ (طبقات:۲/۶۱)

اس غزوہ سے واپسی پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ایک مشرک عورت کو گرفتار کرلیا۔ اس پر اس کے شوہر نے یہ نذر مانی کہ وہ آپؐ کے ایک صحابی کو ضرور قتل کرے گا۔ چنانچہ اس نے سیدنا عباد بن بشر رضی اللہ عنہ کو جو نماز پڑھ رہے تھے، تیر مار کر شہید کردیا۔

اس غزوہ کا بڑا اثر یہ ہوا کہ غطفان کے ان قبائل نے پھر کبھی سر اٹھانے کی جرأت نہ کی بلکہ وہ بعد میں مسلمان ہوگئے اور ان کے کئی قبائل فتح مکہ اور غزوۂ حنین میں مسلمانوں کے ساتھ نظر آتے ہیں۔ اس طریقے سے وہ تینوں بازو مسلمانوں کی قوت بازو سے ٹوٹ گئے جو جنگ خندق میں متحدہ محاذ بنا کر مسلمانوں پر حملہ آور ہوئے تھے۔

عمرۃ القضاء:

یہ عمرہ چونکہ حدیبیہ کے عمرہ کی قضا کے طور پر تھا یا پھر اس لیے کہ یہ حدیبیہ کے معاہدہ کے مطابق کیا گیا تھا اس لیے اس طرح کی مصالحت کو عربی زبان میں قضایا مقاضاۃ کہتے ہیں۔ اس دوسری وجہ کو علمائے محققین نے زیادہ راجح قرار دیا ہے۔ (فتح الباری:۷/۵۰۰، زادالمعاد:۱/۱۷۲)

Marfat.com

حدیبیہ کے معاہدہ کے مطابق ایک سال گزر جانے کے بعد رسول اللہ ﷺ اور آپؐ کے صحابہ کا مکہ جانے کا وقت آ گیا۔ جونہی ذی قعدہ کا چاند نظر آیا تو آپؐ نے مسلمانوں کو عمرۃ القضاء کی تیاری کا حکم دیا۔ اس اعلان سے مسلمانوں کے دل خوشی سے اچھلنے لگے۔ گذشتہ سال حدیبیہ میں چودہ سو افراد تھے جب کہ اس سال ان کی تعداد دو ہزار تھی۔ عورتیں اور بچے اس کے علاوہ تھے۔ (فتح الباری: ۷/۵۰۰)

پابندیٔ شرائط کے احترام کے باعث کسی مسلمان نے تلوار کے ساتھ اور کوئی ہتھیار اپنے ساتھ نہیں لیا، لیکن احتیاط کے طور پر ایک سو مسلمانوں کا دستہ سیدنا محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کی زیر کمان پہلے سے روانہ کر دیا گیا لیکن انھیں تاکید فرما دی کہ حرم مکہ میں داخل نہ ہوں۔ بلکہ مرالظہران میں پڑاؤ کریں۔ ساتھ قربانی کے جانور تھے۔ آپؐ اپنی اونٹنی قصواء پر سوار آگے آگے تھے اور تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خوشی سے سرمست آپؐ کے پیچھے پیچھے۔ اس طرح دو ہزار آدمیوں کی جمعیت جوش و خروش کے ساتھ مکہ کی طرف گامزن تھی۔ چونکہ معاہدۂ حدیبیہ میں یہ شرط تھی کہ ہتھیار ساتھ نہ لائیں اس لیے جب یاجج پہنچے تو اوس بن خولی انصاری رضی اللہ عنہ کی زیر قیادت دو سو آدمیوں کا ایک دستہ وہیں چھوڑ دیا جو ان ہتھیاروں کی حفاظت کے لیے تھا۔ صرف نیام میں رکھی ہوئی تلواریں لے کر مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے۔ (فتح الباری: ۷/۵۰۰، زادالمعاد: ۲/۱۵۱)

رسول اللہ ﷺ مکہ مکرمہ میں اس گھاٹی کے راستہ سے داخل ہوئے جو جیحون پر نکلتی ہے۔ مشرکین نے آپؐ کے چہرۂ انور کو ایک نظر دیکھنے کے لیے لائن لگا رکھی تھی۔ آپؐ داخلہ کے وقت تلبیہ پڑھ رہے تھے یہاں تک کہ حرم میں جا کر اپنی چھڑی سے حجر اسود کو چھوا۔ آپ اپنی اونٹنی قصواء پر سوار تھے اور سیدنا عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ تلوار حمائل کیے آپؐ کی اونٹنی کی مہار پکڑے ہوئے آگے آگے چل رہے تھے اور رجز کے یہ اشعار آپ کی زبان پر تھے:

خلوا بنی کفار عن سبیله　　قد انزل الرحمن فی تنزیله
بان خیر القتل فی سبیله　　نحن قتلنا کم علیٰ تاویله
کما قتلنا کم علیٰ تنزیله

اے کافر کے بچو! آپؐ کا راستہ چھوڑ دو، اللہ تعالیٰ نے قرآن میں یہ حکم نازل کیا ہے کہ بہترین قتل وہ ہے جو خدا تعالیٰ کے راستہ میں ہو۔ ہم نے تمھارے ساتھ جہاد و قتال کیا ہے اس کا حکم نہ ماننے کی وجہ سے جیسے قرآن منزل من اللہ ہونے کو نہ ماننے کی وجہ سے تم سے قتال کیا۔

یہ اشعار سن کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: ''ابن رواحہ رضی اللہ عنہ! حضور ﷺ کے سامنے اور اللہ کے حرم میں اشعار پڑھ رہے ہو۔'' آپؐ نے فرمایا: ''اے عمر رضی اللہ عنہ! رہنے دو، اس کے یہ شعر کافروں کے حق میں تیر کی مار سے زیادہ سخت ہیں۔'' (ترمذی: ۲/۱۰۷، فتح الباری: ۷/۵۰۱)

ایک روایت میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا: ''اے عمر رضی اللہ عنہ! میں سن رہا ہوں اور ابن رواحہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اے ابن رواحہ رضی اللہ عنہ! ان شعار کے بجائے یہ پڑھو:

Marfat.com

لا اله الا الله وحده، نصر عبده، واعز جنده، وهزم الاحزاب وحده۔

''یعنی ایک اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اسی نے اپنے بندے کی نصرت فرمائی اور اس کے لشکر کو عزت بخشی اور تمام گروہوں کو اکیلے نے شکست دی۔''

عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے ان کلمات کو پڑھنا شروع کر دیا۔ ان کے ساتھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی یہ کلمات دہراتے۔ ان کی آواز سے دشت و جبل گونج اٹھے اور پہاڑ میں دبکے ہوئے مشرکین کے دل ہیبت سے کانپ اٹھے۔ (طبقات ابن سعد: ۲/۸۸)

مشرکین مکہ مسلمانوں کا مکہ مکرمہ میں داخلہ دیکھنے کے لیے گھروں سے نکل کر کعبہ کے شمال میں واقع جبل قعیقان پر جا بیٹھے۔ انھوں نے آپس میں کہا کہ تمھارے پاس ایک ایسی جماعت آ رہی ہے جسے یثرب کے بخار نے توڑ ڈالا ہے۔ اس لیے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حکم فرمایا کہ وہ پہلے تین چکر دوڑ کر لگائیں، البتہ رکن یمانی اور حجر اسود کے درمیان صرف چلتے ہوئے گزریں۔ اس حکم کا منشا یہ تھا کہ مشرکین ان کی قوت کا مشاہدہ کر لیں۔ (بخاری: ۱/۲۱۸، ۲/۶۱۰، مسلم: ۱/۴۱۲)

مطاف میں پہنچ کر آپؐ نے حجر اسود کو اپنی چھڑی سے چھوا، پھر طواف کیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی طواف کیا۔ پھر سعی بین الصفا والمروہ کر کے ہدی کو قربان کیا اور حلال ہو گئے اس کے بعد کچھ لوگوں کو حکم دیا کہ وہ بطن یاجج جو کہ مکہ سے صرف آٹھ میل کے فاصلہ پر تھا، چلے جائیں اور ان لوگوں کو طواف و سعی کے لیے یہاں بھیج دیں جن کو ہم اسلحہ کی حفاظت کے لیے وہاں چھوڑ آئے ہیں۔ یہ فرما کر آپؐ بیت اللہ کے اندر تشریف لے گئے۔ ظہر تک اندر ہی رہے۔ آپؐ کے حکم سے سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے بیت اللہ کی چھت پر ظہر کی اذان دی۔ (طبقات: ۲/۸۸)

قرارداد حدیبیہ کے مطابق تین روز تک آپؐ نے مکہ مکرمہ میں قیام فرمایا۔ اس عرصہ میں قریش پہاڑوں میں روپوش ہو کر دبکے ہوئے تھے اور مسلمان شہر کے گلی کوچوں میں آزادانہ پھرتے، مکہ کے اس تین روزہ قیام میں آپؐ نے سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا۔ یہ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کی اہلیہ سیدہ ام الفضل کی ہمشیرہ اور سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی خالہ تھیں۔ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ ان کے وکیل ہوئے۔ حق مہر چار سو درہم مقرر ہوا۔

آپؐ مکہ مکرمہ میں جس انداز سے داخل ہوئے اسی شان سے رخصت ہوئے۔ آپ اپنی اونٹنی قصواء پر آگے آگے تھے اور دو ہزار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا جم غفیر تھا جن کے تقدس کی فرشتے بھی قسم کھاتے ہیں۔ پہلی رات آپ نے مقام سرف میں گزاری جو مکہ سے چند میل کے فاصلہ پر ہے مکہ سے واپسی پر ام المومنین سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کی دو بہنوں کو بھی اپنے ساتھ مدینہ لائے، ان میں ایک سید الشہداء سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کی بیوی سلمیٰ تھیں اور دوسری عمارہ: جو ابھی نا کتخدا تھیں۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو فتح الباری: ۷/۵۰۰۔۵۰۱، مسلم: ۱/۴۱۲، زاد المعاد: ۲/۱۵۲، ترمذی: ۲/۱۰۷، طبقات ابن سعد: ۲/۷۸، زرقانی: ۲/۲۵۴، بخاری: ۱/۲۱۸، ۲/۶۱۰۔۶۱۱)

Marfat.com

سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام:

عمرۃ القضاء کی ادائیگی کے بعد آپؐ مدینہ منورہ واپس لوٹ آئے لیکن مکہ کے تین روزہ قیام میں جو اثرات آپؐ نے اور آپؐ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اہل مکہ کے دلوں پر چھوڑے ان کے نتائج جلد برآمد ہونے لگے۔ چنانچہ قریش کے مشہور جرنیل خالد رضی اللہ عنہ بن ولید نے یہ اعلان کر دیا:

''سنو! ہر ذی عقل شخص پر یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نہ تو جادوگر ہیں اور نہ ہی شاعر۔ ان کا کلام رب العالمین کا کلام ہے، لہٰذا ہر ذی شعور کا یہ فرض ہے کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرے۔''

جس اجتماع میں خالد رضی اللہ عنہ نے یہ بات کہی تھی اس میں ابوجہل کا بیٹا عکرمہ بھی موجود تھا۔ اس نے فوراً اٹھ کر خالد رضی اللہ عنہ کی سخت مخالفت کی۔ لیکن خالد رضی اللہ عنہ کا صرف ایک ہی جواب تھا: ''عکرمہ! تمھاری بات صرف جاہلیت کی پرستاری ہے۔ مجھ پر حقیقت منکشف ہو چکی ہے لہٰذا میں نے دل سے اسلام کو قبول کر لیا ہے۔ خالد رضی اللہ عنہ کوئی معمولی شخص نہیں تھے۔ ان کے اس بیان نے پورے مکہ میں ہلچل مچا دی۔ جب ابوسفیان کو خالد رضی اللہ عنہ کے ان خیالات کا پتہ چلا تو انھوں نے خالد رضی اللہ عنہ کو اپنے ہاں بلا کر پوچھا کہ کیا تم واقعی مسلمان ہو گئے ہو؟ خالد رضی اللہ عنہ نے کہا: ''میں واقعی اسلام کا گرویدہ ہو گیا ہوں۔'' یہ سننا تھا کہ ابوسفیان اپنے ساتھیوں کے ساتھ ان پر پل پڑا لیکن عکرمہ نے جو اس وقت وہاں موجود تھے، ابوسفیان کا دامن پکڑ کر کہا: ''خدا کی قسم! جس خطرہ کا تمھیں ڈر ہے اس سے میں بھی خائف ہوں۔ مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں ایک سال کے اندر اندر مکہ کے سب لوگ دین محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قبول نہ کر لیں۔'' سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب میں مدینہ جانے لگا تو میں نے صفوان بن امیہ اور عکرمہ بن ابی جہل سے بھی ساتھ جانے کے لیے کہا لیکن ان دونوں نے انکار کر دیا۔ لیکن عثمان رضی اللہ عنہ بن طلحہ نے میری بات کو قبول کر لیا۔ اور کہا کہ میں آپؐ کے ساتھ مدینہ چلتا ہوں۔ تم چلو اور میں مقام یاجج میں تم سے آ ملوں گا۔ اگر تم وہاں پہلے پہنچ جاؤ تو میرا انتظار کرنا۔

خالد کہتے ہیں کہ مقام یاجج پہ عثمان رضی اللہ عنہ بن طلحہ مجھے مل گئے۔ جب ہم مقامِ ھدہ پہنچے تو عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی وہ اسلام لانے کے ارادے سے مدینہ جا رہے تھے۔ عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص نے ہم دونوں کو دیکھ کر خوشی کا اظہار کیا۔ عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص نے خالد سے پوچھا: ''کہاں کا ارادہ ہے؟'' خالد رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:

''لوگ اسلام میں داخل ہو گئے اور کوئی صاحب ذوق شخص باقی نہیں رہا جو اسلام میں داخل نہ ہوا ہو۔''

چنانچہ قریش کی اہم شخصیتیں سفر کی منزلیں طے کرتے کرتے مدینہ میں داخل ہوئیں اور اپنی سواری کے اونٹ مقام حرہ پر بٹھلائے۔ کسی شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمارے آنے کی خبر دی۔ ہم تیزی کے ساتھ چل کر آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جونہی مجھے دیکھا تو تبسم فرمایا اور آپؐ نے نہایت خندہ پیشانی سے میرے سلام کا جواب دیا۔ پہلے میں نے آپؐ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا، پھر عثمان رضی اللہ عنہ بن طلحہ نے اور پھر عمرو رضی اللہ عنہ

Marfat.com

بن العاص نے۔عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص فرماتے ہیں: رب ذوالجلال کی قسم! جس روز سے ہم دائرہ اسلام میں داخل ہوئے اس روز سے رسول اللہ ﷺ نے ہر مہم میں میرے اور خالد رضی اللہ عنہ کے برابر اور کسی کو نہیں سمجھا۔"

(البدایہ والنہایہ:۴/۲۳۸)

معرکۂ موتہ:

موتہ (میم پر پیش اور واؤ ساکن) شام میں بلقاء کے قریب ایک آبادی کا نام ہے۔اس جگہ سے بیت المقدس دو مرحلے پر واقع ہے۔یہ معرکہ سب سے زیادہ خون ریز ہے جو رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ میں مسلمانوں کو پیش آیا اور یہی معرکہ بازنطینی سلطنت کی فتوحات کا پیش خیمہ ثابت ہوا۔یہ معرکہ جمادی الاولیٰ سنہ ۸ھ میں واقع ہوا۔

اس جنگ کا سبب یہ ہوا سنہ ۶ھ میں معاہدۂ حدیبیہ کے بعد نبی اکرم ﷺ نے عرب کے اطراف میں واقع سلطنتوں کو دعوتی خطوط لکھے۔اس سلسلے میں ایک خط حارث بن ابی شمر غسانی کے نام تھا۔اس مکتوب میں ایک جملہ یہ بھی تھا کہ اللہ پر ایمان لاؤ تمھاری حکومت باقی رہے گی۔" اس نے جب یہ جملہ پڑھا تو غصے سے لال پیلا ہو گیا۔اس نے وہ خط اسی غصے کی حالت میں زمین پر پٹک دیا اور کہا: "میری حکومت مجھ سے کون چھین سکتا ہے۔"

حاکم بصریٰ شرحبیل بن عمرو غسانی نے اس سے بھی بیہودہ سلوک کیا۔آپ ﷺ کا خط لے کر سیدنا حارث بن عمیر ازدی رضی اللہ عنہ گئے۔وہ ابھی شامی سرحد پر موتہ کے مقام پر پہنچے تھے کہ حاکم بصریٰ کے اشارے پر ایک اعرابی نے آپ ﷺ کے سفیر سیدنا حارث رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیا۔بین الاقوامی روایات کے مطابق یہ ایک جارحیت کا واقعہ تھا۔جب اپنے سفیر کے قتل کا آپ ﷺ کو پتہ چلا تو آپ ﷺ پر یہ بات سخت گراں گزری۔آپ ﷺ نے اس قتل کا فوری جواب ضروری سمجھا۔چنانچہ آپ ﷺ نے اعلان فرمایا کہ مسلمان اپنے ہتھیار لے کر موضع "حرق" میں اکٹھے ہو جائیں۔چنانچہ تین ہزار کی تعداد میں اسلامی لشکر اکٹھا ہو گیا۔(زرقانی:۲/۲۶۸، زادالمعاد:۲/۵۵)

آپ ﷺ نے اس لشکر پر سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو امیر مقرر فرمایا۔نیز فرمایا کہ اگر زید رضی اللہ عنہ قتل ہو جائیں تو سیدنا جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ امیر لشکر ہوں، اگر جعفر رضی اللہ عنہ بھی شہید ہو جائیں تو عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ لشکر کے سپہ سالار ہوں، اور اگر عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ بھی شہید ہو جائیں تو پھر مسلمان جس کو چاہیں اپنا امیر مقرر کر لیں۔اسی وجہ سے اس معرکے کو "معرکۃ الامراء" بھی کہتے ہیں۔(فتح الباری:۷/۵۱۱، زرقانی:۲/۲۶۸، بخاری:۲/۶۱۱)

رسول اللہ ﷺ نے زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو ایک سفید جھنڈا عطا فرمایا اور فرمایا کہ پہلے اس مقام پر جانا جہاں حارث بن عمیر رضی اللہ عنہ شہید ہوئے ہیں۔وہاں کے لوگوں کو اسلام کی دعوت دینا۔اگر وہ اسلام قبول کر لیں تو بہتر ورنہ اللہ تعالیٰ کی اعانت طلب کر کے امن سے جنگ کرنا۔آپ ﷺ نے امرائے لشکر کو اور بہت سی ہدایات دیں اور الوداع کرتے ہوئے فرمایا: "اللہ تعالیٰ تمھاری مدد فرمائے اور تم سے ہر قسم کے ضرر کو دور فرمائے اور صحیح وسالم واپس لائے۔جب لوگ ان امرائے لشکر کو رخصت کرنے لگے تو سیدنا عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ رونے لگے۔رونے کا سبب پوچھا گیا تو

Marfat.com

فرمایا: ''میں دنیا کی محبت کے باعث نہیں روتا اور میں واپسی بھی نہیں چاہتا بلکہ اللہ تعالیٰ سے مغفرت اور اس کی راہ میں گہرے زخموں کا متمنی ہوں جو استخوان شکن اور مغز پاش ہوں۔ یا کسی نیزہ باز کے ہاتھوں آنتوں اور جگر کے پار اتر جانے والے نیزے کی ضرب کا خواہش مند ہوں تا کہ جب لوگ میری قبر پر سے گزریں تو کہیں کہ یہ وہ غازی ہے جسے اللہ نے ہدایت دی اور وہ ہدایت یافتہ رہا۔ (سیرۃ ابن ہشام: ۲/۳۷۲)

یہ لشکر شمال کی طرف معان پہنچا۔ جاسوسوں نے خبر دی کہ ہرقل کے علاقے میں مآرب کے مقام پر ایک لاکھ رومیوں کا لشکر جرار خیمہ زن ہے اور اس کے جھنڈے تلے لخم، جذام اور دوسرے قبائل کے مزید ایک لاکھ افراد بھی جمع ہیں۔ مسلمان اس بات کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے کہ انھیں اتنے بڑے لشکر سے سابقہ پیش آئے گا۔ معان میں اسلامی لشکر دو رات ٹھہرا اور دو راتوں میں یہی مشورہ ہوتا رہا کہ کیا کرنا چاہیے؟ مختلف رائیں سامنے آئیں۔ سیدنا عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے جو بہادری میں یکتا اور فصاحت میں فرد روزگار تھے، لوگوں سے کہا کہ ''شہادت سے کیوں کنی کتراتے ہو جس کی تمنا دل میں لے کر گھر سے نکلے ہو۔ تم کافروں سے قوت و کثرت کے بل پر نہیں صرف دین کے بل پر لڑتے ہو۔ اس لیے اٹھو اور آگے بڑھو۔ پھر یا تو تم دشمن پر غالب آ جاؤ گے یا پھر اس کے ہاتھوں شہادت سے سرفراز ہو گے۔'' (عیون الاثر: ۲/۲۰۹، ابن ہشام: ۲/۲۷۳)

سیدنا عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کی اس تقریر کے بعد یہ تین ہزار کی جماعت دشمن کے دو لاکھ کے لشکر جرار کے ساتھ ٹکرانے کے لیے موتہ کی طرف روانہ ہو گئی۔

سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے لشکر کی صف بندی کی اور پھر دنیا کی نگاہوں نے دیکھا کہ ایمان اور قوت کا مقابلہ ہوا اور تین ہزار کے قلیل لشکر نے دو لاکھ کے ٹڈی دل کا کس دلیری اور بہادری سے مقابلہ کیا کہ لوگوں کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ سب سے پہلے سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ امیر لشکر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا عطا کردہ سفید جھنڈا لیے ہوئے دشمن کی صفوں میں گھس گئے۔ انھیں پورا یقین تھا کہ موت سے مفر نہیں اور مومن کی نگاہ میں موت کا درجہ فتح و کامرانی سے کم نہیں ؎

شہادت ہے مقصود و مطلوب مومن نہ مال غنیمت نہ کشور کشائی

وہ ایسی بے جگری سے لڑے کہ موت سے کھیلتے ہوئے دشمن کے تیروں کی آماجگاہ بن گئے اور جام شہادت نوش فرما کر زمین پر آ رہے۔ ان کی شہادت کے بعد علم سیدنا جعفر رضی اللہ عنہ بن ابی طالب کے ہاتھ میں آیا۔ وہ دشمن کی فوج میں گھس گئے۔ دشمن کی تعداد بہت زیادہ تھی اس لیے انھوں نے انھیں نرغے میں لے لیا۔ سیدنا جعفر رضی اللہ عنہ اپنے گھوڑے کی پیٹھ سے کود پڑے اور دشمن سے چومکھی لڑائی شروع کر دی اور بے شمار دشمنوں کو موت کے گھاٹ اتارا۔ ایک دشمن نے ایسی ضرب لگائی کہ دایاں ہاتھ کٹ گیا اور جھنڈا نیچے گرنے لگا۔ سیدنا جعفر رضی اللہ عنہ نے فوری طور پر علم اپنے بائیں ہاتھ میں پکڑ لیا یہاں تک کہ بایاں ہاتھ بھی کٹ گیا۔ پھر انھوں نے جھنڈے کو اپنی گود میں لے لیا آخر انھوں نے بھی جام شہادت نوش فرمایا۔ ایک دشمن نے ایسی تلوار ماری کہ جسم کے دو ٹکڑے کر دیئے۔ جنگ کے اختتام پر دیکھا گیا

Marfat.com

کہ ان کے جسم پر تلوار اور نیزے کے نوے زخم تھے اور وہ سب سامنے کی طرف تھے۔ (بخاری:۲/۶۱۱)

سیدنا جعفر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد سیدنا عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے پرچم ہاتھ میں لیا۔ وہ گھوڑے پر سوار تھے اور دشمن کی صفوں کی طرف بڑھے۔ پھر اچانک گھوڑے سے اتر کے پیدل دشمن کی طرف بڑھے۔ یہ کئی روز سے فاقے سے تھے۔ تلوار لے کے آگے بڑھے اور دشمن سے لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔

تین سپہ سالاروں کے یکے بعد دیگرے شہید ہونے کے بعد بنو عجلان کے ایک شخص ثابت بن ارقم رضی اللہ عنہ نے لپک کر جھنڈا اٹھا لیا اور بولے مسلمانو! اپنے میں سے کسی کو امیر بنانے پر متفق ہو جاؤ۔ یہ کہہ کر انھوں نے جھنڈا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو پکڑا دیا۔ لوگوں نے کہا: آپ ہی ہمارے امیر ہیں۔ خالد رضی اللہ عنہ سے مسلمانوں کی قلت تعداد اور ضعف قوت پوشیدہ نہ تھی۔ انھوں نے جھنڈا لیتے ہی از سر نو فوج کو مرتب کیا۔ غروب آفتاب تک اسے دشمن سے خوب لڑاتے رہے۔ رات کے وقت خالد رضی اللہ عنہ نے ایک جنگی چال چلی کہ فوج کی بھاری تعداد کو رزم گاہ سے دور چھپا دیا اور صبح جب جنگ جاری ہوئی تو یہ چھپا ہوا دستہ نعرے لگاتا ہوا میدان جنگ میں آ کر مسلمانوں سے مل گیا۔ دشمن نے سمجھا کہ مسلمانوں کو نئی کمک آ گئی ہے لہٰذا اس کے دل دہل گئے۔ دل دہل جائیں تو پھر پاؤں پلٹنے میں دیر نہیں لگتی۔ خالد رضی اللہ عنہ نے نہایت جواں مردی سے دشمن کا مقابلہ کیا۔ ان کا اپنا بیان ہے کہ جنگ موتہ کے روز میرے ہاتھ سے نو تلواریں ٹوٹیں صرف ایک یمنی تلوار ہاتھ میں چپک کر رہ گئی۔ (بخاری:۲/۶۱۱)

رومی فوجیں خالد رضی اللہ عنہ کے جنگی داؤ دپیچ سے گھبرا گئیں۔ انھیں حملہ کرنے کی جرأت نہ رہی۔ وہ جہاں کھڑے تھے وہیں کھڑے رہے۔ مسلمانوں نے دیکھا کہ دشمن آگے نہیں بڑھتا تو خالد رضی اللہ عنہ نے اپنے لشکر کا نظام محفوظ رکھتے ہوئے مسلمانوں کو تھوڑا پیچھے ہٹانا شروع کر دیا، لیکن رومیوں نے اس خوف سے ان کا تعاقب نہ کیا کہ مسلمان دھوکہ دے رہے ہیں۔ کوئی چال چل کر انھیں صحرا کی پہنائیوں میں پھینک دینا چاہتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دشمن اپنے علاقے میں واپس چلا گیا اور مسلمان کامیابی اور سلامتی کے ساتھ پیچھے ہٹے اور پھر واپس مدینہ آ گئے۔ بخاری میں ہے کہ حق تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عطا فرمائی۔ (بخاری:۲/۶۱۱)

اس جنگ میں مسلمانوں کے صرف بارہ افراد شہید ہوئے۔

(عیون الاثر: ۲/۲۱۱، ابن ہشام: ۲/۳۸۸، البدایہ والنہایہ: ۴/۲۴۵، زرقانی:۲/۲۶۸، فتح الباری: ۷/۵۱۳، زادالمعاد:۲/۱۵۶)

اس جنگ کے نہایت اچھے اثرات مرتب ہوئے۔ اس سے مسلمانوں کی شہرت میں بہت اضافہ ہوا کیونکہ ہرقل کی حکومت اس زمانہ میں سپر پاور تھی۔ اس سے عرب کی ایک چھوٹی سی نوزائیدہ حکومت کا ٹکر لینا ایک عجوبہ تھا۔ اسی جنگ میں سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ''سیف اللہ'' کا خطاب ملا اور آپ ان کی فتح کے لیے دعا بھی فرمائی۔

Marfat.com

سریۂ ذات السلاسل:

جمادی الآخر سنہ ۸ھ رسول اللہ ﷺ کو اطلاع ملی کہ مشارف شام کے اندر رہنے والے عرب قبائل مسلمانوں سے لڑنے کے لیے رومیوں کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے ہیں۔ یہ مسلمانوں کے لیے کوئی اچھی بات نہیں تھی۔ آپ نے اس مہم کا آغاز کیا، پھر اس علاقہ میں رومیوں اور ان کے گٹھ جوڑ سے اپنی بڑی جمعیت فراہم نہ ہو سکے۔ اس مقصد کے لیے آپ نے سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو منتخب فرمایا کیونکہ ان کی والدہ کے میکے قبیلہ بلی میں تھے جو ان قبائل میں ایک اہم قبیلہ تھا۔

بہر حال سرکار دو عالم ﷺ نے سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو ایک سفید جھنڈا عطا فرمایا اور اس کے ساتھ کچھ کالی جھنڈیاں بھی تھیں اور ان کی زیر کمان بڑے بڑے مہاجرین انصار پر مشتمل تین سو افراد کی ایک جماعت تھی جس کے پاس تیس گھوڑے بھی تھے۔ فرمایا کہ بلی، عذرہ اور بلقین کے جن لوگوں کے پاس سے گزریں ان سے مدد کے خواہاں ہوں۔ اس دستہ کو آپ نے ''ذات السلاسل'' کی جانب روانہ کیا۔ یہ حضرات رات کو سفر کرتے اور دن کو چھپے رہتے۔ جب یہ دشمن کے قریب پہنچے تو معلوم ہوا کہ دشمن کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ سرکار دو عالم ﷺ کو اس بارے میں اطلاع دی گئی۔ آپؐ نے سیدنا ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کی زیر کمان دو سو افراد پر مشتمل ایک دستہ ان کی کمک کے لیے بھیجا۔ اس میں سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ اسی طرح انصار کے بھی کئی سردار تھے۔ سیدنا ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا کہ جلد از جلد ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کو جا ملیں اور دونوں مل کر کام کرنا اور باہم متفق رہنا۔ اب یہ دونوں لشکر سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی زیر قیادت بنو قضاعہ کے علاقہ میں داخل ہوئے اور ان پر زوردار حملہ کیا۔ بنو قضاعہ بھاگ گئے۔ چنانچہ سیدنا عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ عنہ کو اس فتح کی خبر دے کر سرکار دو عالم ﷺ کی خدمت میں بھیجا۔ یہاں یہ بات ذہن میں رہے کہ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ دونوں ایک ساتھ اسلام میں داخل ہوئے تھے۔ ان کے اسلام میں داخل ہونے کے ایک دو ماہ بعد ہی رسول اللہ رضی اللہ عنہ نے ان کی زیر قیادت لشکر بھیجنے شروع کر دیئے۔ یہ نبوت کا ان پر اعتماد تھا۔

Marfat.com

غزوۃ الفتح الاعظم

حدیبیہ میں قریش اور رسول اللہ ﷺ کے مابین جو معاہدہ ہوا اس میں ایک دفعہ یہ بھی تھی کہ قبائل جس کے عہد و پیمان میں چاہیں داخل ہو جائیں، اور جو قبیلہ جس فریق کے ساتھ شامل ہوگا وہ اس فریق کا ایک حصہ سمجھا جائے گا، لہٰذا ایسا کوئی قبیلہ اگر کسی کی زیادتی یا حملے کا شکار ہوگا تو وہ خود اس فریق پر حملہ اور زیادتی سمجھی جائے گی جس فریق کے عہد و پیمان میں وہ داخل ہوگا۔ چنانچہ بنو بکر قریش کے عہد و پیمان میں داخل ہو گئے اور بنو خزاعہ رسول اللہ ﷺ کے عہد و پیمان میں۔ ان دونوں قبائل میں عہد جاہلیت ہی سے عداوت اور کشاکش چلی آ رہی تھی۔

حدیبیہ میں جب قریش اور مسلمانوں کے درمیان دس سال کے لیے صلح کا معاہدہ ہو گیا تو بنو بکر نے اس موقع کو غنیمت سمجھ کر پرانا بدلہ چکانے کا عزم کر لیا۔ چنانچہ بنو بکر میں نوفل بن معاویہ نے ایک جماعت کے ساتھ شعبان سنہ ۸ھ میں بنو خزاعہ پر رات کی تاریکی میں حملہ کر دیا۔ اس وقت بنو خزاعہ کے لوگ وتیر نامی ایک چشمہ پر سو رہے تھے۔ اس حملے میں بنو خزاعہ کے متعدد آدمی مارے گئے۔ قریش میں سے صفوان بن امیہ، شیبہ بن عثمان، سہیل بن عمرو، حویطب بن عبدالعزیٰ نے پوشیدہ طور پر ہتھیاروں سے بنو بکر کی مدد کی بلکہ رات کی تاریکی کا فائدہ اٹھا کر قریش کے کچھ آدمی بھی اس حملہ میں شریک ہو گئے۔ بنو خزاعہ نے بھاگ کر حرم میں پناہ لی لیکن انھیں وہاں بھی قتل سے پناہ نہ ملی۔ بنو خزاعہ کے آدمی مکہ میں بدیل بن ورقاء خزاعی کے مکان میں گھس گئے لیکن بنو بکر اور قریش کے رؤساء نے گھروں میں گھس کر انھیں مارا اور ان کا مال و اسباب لوٹ لیا۔ وہ لوگ یہ سمجھتے رہے کہ یہ مکہ اور حرم کا معاملہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ یہاں سے کافی دور ہیں، ان کو اس واقعے کی اطلاع نہ ہوگی، لیکن جب صبح ہوئی تو قریش کو اپنے اس جرم پر ندامت ہوئی۔ وہ سمجھ گئے کہ ہم نے عہد شکنی کی ہے۔ ہم نے حدیبیہ کے معاہدہ کو توڑ ڈالا ہے۔

ادھر قبیلہ بنو خزاعہ کا سردار عمرو بن سالم چالیس آدمیوں کے ایک وفد کے ساتھ فوراً مدینہ منورہ پہنچا۔ سرکار دو عالم ﷺ اس وقت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حلقہ میں تشریف فرما تھے۔ عمرو بن سالم نے سرکار دو عالم ﷺ کے سامنے کھڑے ہو کر اشعار میں بنو بکر کی پیمان شکنی اور وتیر پر ان کے حملہ کو بیان کیا۔ اس فریاد کے بعد وہ آپؐ سے امداد کا طلب گار ہوا۔ آپؐ نے فرمایا: ''عمرو بن سالم! تیری مدد کی گئی۔'' آپؐ نے پوچھا کیا سارے بنو بکر اس حملہ میں شریک تھے؟ اس نے جواب دیا: ''بنو بکر کیا سب بلکہ بنو نفاثہ اور ان کا سردار نوفل بھی اس میں شریک تھا۔'' اس

Marfat.com

کے بعد بدیل بن ورقاء خزاعی کی زیر قیادت بنوخزاعہ کی ایک جماعت مدینہ طیبہ میں حاضر ہوئی اور آپؐ سے بیان کیا کہ حملہ میں کون سے لوگ مارے گئے اور کس طرح قریش مکہ نے بنوبکر کی پشت پناہی کی۔ اس کے بعد یہ لوگ واپس چلے گئے۔

رسول اللہ ﷺ نے ایک قاصد قریش مکہ کے پاس روانہ فرمایا کہ ان کو میرا یہ پیغام پہنچا دیں کہ تین باتوں میں سے ایک اختیار کرلیں:

① مقتولین بنوخزاعہ کی دیت دے دی جائے۔

② یا بنوبکر کے عہد و پیمان سے علیحدہ ہو جائیں۔

③ یا پھر معاہدہ حدیبیہ کے فسخ کا اعلان کردیں۔

قاصد نے جب قریش کو آپؐ کا یہ پیغام پہنچایا تو قریش کی طرف سے یہ جواب دیا گیا کہ ہم معاہدۂ حدیبیہ کے فسخ پر راضی ہیں۔ لیکن قاصد کے روانہ ہونے کے بعد انھیں اپنے اس فیصلہ پر ندامت اور افسوس کا احساس ہوا۔ چنانچہ انھوں نے انجام کی سنگینی کے پیش نظر ابوسفیان کو اپنا نمائندہ بنا کر تجدید صلح اور مدت صلح کو بڑھانے کے لیے مدینہ منورہ روانہ کیا۔ (زرقانی: ۲/۲۹۲، فتح الباری: ۸/۴)

رسول اللہ ﷺ کو فسخ معاہدہ کا پیغام ملا تو آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بتایا کہ قریش اپنی اس پیمان شکنی کے بعد کیا کرنے والے ہیں۔ آپؐ نے یہاں تک فرمایا: ''گویا میں ابوسفیان کو دیکھ رہا ہوں کہ وہ اس معاہدہ کو پھر سے پختہ کرنے اور مدت صلح بڑھانے کے لیے آ گیا ہے۔'' چنانچہ ایسا ہی ہوا اور ابوسفیان تجدید معاہدہ کے لیے مدینہ پہنچا اور سیدھا رسول اللہ ﷺ سے گفتگو کرنے کے بجائے ادھر ادھر سن گن لینے کا منصوبہ بنا کر اپنی صاحبزادی ام المومنین سیدہ ام حبیبہ سلام اللہ علیہا کے گھر گیا۔ ابوسفیان نے جب وہاں آپؐ کے بستر پر بیٹھنا چاہا تو سیدہ رضی اللہ عنہا نے فوری طور پر بستر لپیٹ لیا۔ ابوسفیان نے پریشان ہو کر پوچھا کہ بیٹی! تو نے بستر کیوں لپیٹا۔ سیدہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا یہ حضور ﷺ کا بستر ہے، اس پر ایک ایسا شخص جو شرک و کفر کی نجاست سے ملوث ہو، ہرگز نہیں بیٹھ سکتا۔

ابوسفیان بیٹی کی اس بات سے غضبناک ہو کر مسجد نبوی ﷺ میں بارگاہ رسالت ﷺ میں حاضر ہوا اور تجدید معاہدہ اور مدت بڑھانے کے لیے عرض کیا لیکن آپؐ نے ابوسفیان کی بات کا کوئی جواب نہ دیا۔ پھر وہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس سفارش کے لیے گیا لیکن کسی نے حامی نہ بھری۔ پھر وہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے پاس آیا، اس وقت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اور سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے، چنانچہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''ابوسفیان! تم پر افسوس، رسول اللہ ﷺ نے ایک بات کا عزم کرلیا ہے، لہٰذا اس بارے میں ہم کوئی بات نہیں کر سکتے۔''

یہاں سے ناامید ہو کر ابوسفیان سیدھا مسجد گیا اور کھڑے ہو کر بہ آوازِ بلند یہ اعلان کیا: ''لوگو! میں معاہدہ کی تجدید اور صلح کی مدت بڑھانے کا اعلان کرتا ہوں۔ یہ اعلان کرنے کے بعد وہ اونٹ پر سوار ہو کر بے نیل و مرام

Marfat.com

واپس مکہ چلا گیا۔ مکہ پہنچ کر اس نے قریش کو مدینہ کی ساری داستان سنائی۔ رؤسائے قریش نے کہا: ''ابوسفیان! تم نہ صلح کی خبر لے کر آئے کہ اطمینان ہوتا اور نہ جنگ کی خبر لے کر آئے کہ ہم تیاری کرتے۔ ابوسفیان نے کہا: ''خدا کی قسم! اس کے سوا اور کوئی صورت نہ تھی۔

رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کا عزم فرمایا لیکن اس کی تشہیر کو مناسب نہ سمجھا بلکہ پوری راز داری سے تیاری کی گئی، اور ہر ممکن کوشش کی گئی کہ اہل مکہ کو اس بارے میں کوئی خبر نہ پہنچنے پائے۔ آس پاس کے قبائل کو بھی تیاری کے لیے کہلا بھیجا۔ ایک طرف اس معاملہ کو راز داری میں رکھا گیا دوسری طرف اصحاب بدر میں سے ایک شخص حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ نے ایک خط لکھ کر ایک عورت کو دیا اور اسے کہا کہ اس خط کو قریش تک پہنچا دو۔ چنانچہ وہ عورت کی چوٹی میں رقعہ چھپا کر مدینہ سے مکہ کے لیے روانہ ہوئی۔ دوسری طرف لسان نبوت سے یہ فرمان جاری ہوا کہ علی رضی اللہ عنہ، زبیر رضی اللہ عنہ اور مقداد خاخ کے باغ میں فوری پہنچیں۔ وہاں ایک شتر سوار عورت ملے گی، اس کے پاس ایک خط ہوگا وہ خط چھین لائیں۔ تینوں صحابہ تعمیل ارشاد میں مدینہ سے بارہ میل دور خاخ کے باغ میں پہنچے۔ وہاں ایک عورت ملی۔ اس کی تلاشی لی گئی لیکن کوئی خط نہ ملا۔ یہ تینوں پریشان ہو گئے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اس عورت سے کہا ''نہ رسول اللہ ﷺ نے کبھی جھوٹ بولا اور نہ ہم جھوٹ کہہ رہے ہیں۔ خط تمھارے پاس ہے، یا تو تم خود وہ خط نکال کر ہمیں دے دو ورنہ تمھیں ننگا کر کے بھی تلاشی لینی پڑی تو ہم اس سے نہیں چوکیں گے۔ اس نے اپنے بالوں کی چوٹی میں سے وہ خط نکال کر ان کو دے دیا۔

یہ حضرات خط لے کر بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوئے۔ خط پڑھا گیا۔ یہ خط حاطب کی طرف سے مکہ کے چند رؤساء کے نام تھا۔ اس میں رسول اللہ ﷺ کے لشکر کشی کی اطلاع تھی۔ ایک روایت میں ہے کہ اس میں لکھا تھا کہ ''رسول اللہ ﷺ نے غزوہ کا اعلان کر دیا ہے اور میں نہیں سمجھتا کہ حضور ﷺ کا ارادہ آپ لوگوں کے سوا کسی اور طرف کا ہو، اور میں چاہتا ہوں کہ آپ لوگوں پر میرا ایک احسان رہے۔'' (فتح الباری: ۷/۵۲۱، زرقانی: ۲/۲۹۸)

جب میر کارواں ﷺ اس حملہ کو مخفی رکھنا چاہتے تھے تو حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کا انھیں خبر دینا عسکری اصولوں کے بالکل خلاف تھا حالانکہ اس خط میں انھیں ڈرایا ہی گیا تھا۔ خط سامنے آیا تو سب حضرات کو حیرانی ہوئی۔ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ بے تاب ہو گئے اور عرض کی: ''یا رسول اللہ ﷺ! اجازت ہو تو اس منافق کی گردن اڑا دوں۔ آپ نے نہایت تحمل سے جواب دیا: ''حاطب! یہ کیا ہے؟'' عرض کی: ''یا رسول اللہ ﷺ! نہ میں مرتد ہوں اور نہ مجھ میں کوئی تبدیلی آئی ہے۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر میرا پختہ ایمان ہے۔ بات اصل یہ ہے کہ مہاجر بھائیوں کے اعزاء و اقرباء مکہ میں مقیم ہیں۔ کوئی نازک وقت ہو تو یہ خطرہ نہیں کہ قریش ان پر ٹوٹ پڑیں میں قریشی نہیں ہوں۔ میرے اعزاء جو مکہ میں مقیم ہیں وہ بے یار و مددگار ہیں۔ ان کا کوئی رشتہ مکہ میں نہیں۔ مجھے خیال آیا کہ میں قریش پر کوئی احسان کروں تا کہ مشکل وقت میں وہ میرے رشتہ داروں اور اہل و عیال کو کوئی گزند پہنچائیں۔ خدا جانتا ہے کہ مجھ میں نہ کفر ہے، نہ نفاق اور نہ عظمت اسلام کے اعتراف میں انحراف ہے۔ صرف اتنا

Marfat.com

سی بات تھی جس کے لیے یہ حرکت کر بیٹھا۔'' یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''عمر! تمھیں کیا معلوم کہ اللہ نے اہل بدر سے کہا ہے جو چاہو کرو میں نے تمھیں بخش دیا ہے۔ لسان نبوت سے یہ الفاظ سن کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو اہل بدر کی عظمت اور مرتبہ کا پتہ چلا تو ان پر رقت طاری ہوگئی اور زبان سے نکلا: ''اللہ ورسولہ اعلم۔''

(بخاری: ۱/۴۲۲، ۲/۶۱۲، تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو زرقانی: ۲/۲۹۸، البدایہ والنہایہ: ۴/۲۸۴، فتح الباری: ۷/۵۲۱)

لشکر اسلام مکہ کی راہ پر:

۱۰ رمضان المبارک سنہ ۸ھ مطابق ۲۲ دسمبر سنہ ۶۲۹ء کو دس ہزار خدا پرست اور خدا شناس مجاہدین کا باوقار لشکر رسول اللہ ﷺ کی زیر قیادت اور زیر کمان مدینہ طیبہ سے مکہ مکرمہ کی جانب روانہ ہوا۔ لشکر کی یہ روانگی بعد نماز عصر ہوئی۔ (فتح الباری: ۸/۱۱۴)

ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن میں سے سیدہ ام سلمیٰ رضی اللہ عنہا اور سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا آپ کے ہمراہ تھیں۔ آپؐ جب ذوالحلیفہ پہنچے تو آپؐ کے عم محترم سیدنا عباس رضی اللہ عنہ اپنے اہل وعیال کے ہمراہ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ جاتے ہوئے ملے۔ آپ ﷺ نے ان کا سامان اور اہل وعیال تو مدینہ بھیج دیئے اور انھیں لشکر اسلام میں داخل فرمالیا۔ پھر فرمایا: ''عباس! آپ کی یہ ہجرت آخری ہجرت ہے جیسے میری نبوت آخری نبوت ہے۔'' (زرقانی: ۲/۳۰۰)

رمضان المبارک کا مہینہ تھا۔ ان قدسی صفات مردان کار کا دس ہزار کا لشکر جانب مکہ رواں تھا۔ ان کے قائد روزے سے تھے۔ عسفان اور قدید کے درمیان ایک چشمہ پر آپؐ نے روزہ افطار کیا۔ پھر آپؐ کی اتباع میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے روزہ افطار کیا۔ (بخاری: ۲/۶۱۴) اس کے بعد آپؐ نے سفر جاری رکھا اور آپؐ عشاء کے وقت مرالظہران (وادی فاطمہ) پہنچ گئے۔ وہاں نزول فرمایا اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو پہرے پر مقرر فرمایا۔ (طبقات: ۲/۱۳۵)

مرالظہران میں پڑاؤ:

قریش کو اب تک مسلمانوں کی روانگی کا پتہ نہ چلا تھا لیکن ان کو اپنی پیمان شکنی کے باعث خطرہ تھا کہ مسلمانوں کا لشکر کسی وقت بھی حملہ آور ہوسکتا ہے۔ قریش کے کچھ سرداروں کے کانوں میں یہ بھنک پڑی کہ مسلمانوں کا ایک بہت بڑا لشکر آرہا ہے۔ چنانچہ ابوسفیان، حکیم بن حزام اور بدیل بن ورقاء مکہ سے اسی چھان بین کے لیے نکلے ہوئے یہاں پہنچ گئے۔ اس وسیع وعریض میدان کو جو میلوں کی وسعت کو اپنی آغوش میں لیے ہوئے تھا جگمگاتا دیکھ کر انگشت بدندان رہ گئے۔ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ خدا کی قسم! میں نے رسول اللہ ﷺ کے لشکر کے آلاؤ جیسی آگ اور جیسا لشکر رات دیکھا ہے اس سے پہلے اتنا بڑا لشکر کبھی نہیں دیکھا۔ بدیل کہہ رہا تھا! بخدا! یہ بنوخزاعہ کا لشکر ہے۔ جنگ نے انھیں چھیل کر رکھ دیا ہے۔ اس پر ابوسفیان کہہ رہا تھا: خزاعہ اس سے کہیں کم تر اور ذلیل ہیں کہ یہ ان کی آگ اور ان کا لشکر ہو۔ (عیون الاثر: ۲/۲۲۸)

Marfat.com

سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے ان دونوں کی گفتگو سن لی، اور ابوسفیان کو اپنے پاس بلا کر کہا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اپنے ساتھیوں کے ساتھ، واللہ! ہائے قریش کی تباہی۔ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے مناسب سمجھا کہ ابوسفیان کو پورے لشکر کا ایک چکر لگوا دیں تا کہ وہ لشکر اسلامی کی عظمت کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں۔ جس خچر پر سیدنا عباس رضی اللہ عنہ ابوسفیان کو لشکر اسلام کی شان وشوکت دکھانے کے لیے چکر لگوا رہے تھے وہ خچر چونکہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا، اس وجہ سے کسی نے کوئی تعرض نہ کیا لیکن جب یہ خچر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے الاؤ کے پاس سے گزرا تو وہ اٹھ کر سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کی طرف آئے۔ دیکھا کہ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کے پیچھے ابوسفیان بیٹھا ہوا ہے تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ تلوار لے کر اس کی طرف لپکے تا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پروانۂ امن لینے سے قبل ابوسفیان دشمن اسلام کو ختم کر دیں۔ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے خچر کو ایڑ لگائی اور تیز کر دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خیمہ میں پہنچ گئے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بھی تھوڑی دیر کے بعد پہنچ گئے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اصرار کر رہے تھے کہ اے اللہ کے رسول! اجازت دیجیے کہ اس فتنہ مجسم کے بوجھ سے زمین کو ہلکا کر دوں۔'' سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں نے ابوسفیان کو پناہ دی ہے۔'' پھر سیدنا عباس رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ میں کچھ تیز تیز باتیں ہوئیں۔ ابوسفیان کے دونوں ساتھی حکیم بن حزام اور بدیل بن ورقاء واپس مکہ جانے کے بجائے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام سے مشرف ہو چکے تھے۔ آپؐ نے ان دونوں سے مکہ کے سارے حالات دریافت فرما لیے۔ پھر یہ دونوں اجازت لے کر واپس مکہ چلے گئے تا کہ اہل مکہ کو صورت حال سے آگاہ کریں اور انھیں پرامن رہنے کی ہدایت کر دیں۔

سیدنا عباس رضی اللہ عنہ ابوسفیان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق اپنے خیمہ میں لے گئے اور صبح کو انھیں بارگاہِ نبوت میں حاضر کیا۔ ابوسفیان کو اپنے سارے کارنامے یاد تھے کہ کس طرح اس نے اسلام کو نیست ونابود کرنے کے لیے قریش کے لشکروں کی قیادت کی، لیکن اسے یہ بھی علم تھا کہ جس کے حضور وہ اس وقت حاضر ہے وہ صادق بھی ہے اور الامین بھی۔ آپؐ نے ابوسفیان کو مخاطب کر کے فرمایا: ''تم پر افسوس، کیا تمھارے لیے اب بھی وقت نہیں آیا کہ تم یہ جان سکو کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔'' سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: ''کلمۂ شہادت پڑھ لو۔ چنانچہ ابو سفیان نے کہا: "اشهدان لآ اله الا واشهدان محمداً رسول الله" ابوسفیان کے مسلمان ہونے کے بعد سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں عرض کی: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ابوسفیان سرداران مکہ میں سے ہے، لہٰذا آپؐ اس کے لیے کوئی مناسب معاملہ کر دیں جو اس کے لیے باعث عزت وشرف اور موجب امتیاز ہو۔ فرمایا: ''اعلان کر دو کہ جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو اس کے لیے امن ہے۔ ابوسفیان نے کہا میرا گھر اتنا بڑا نہیں ہے کہ اس میں سب آدمی سما سکیں۔ فرمایا: 'جو شخص مسجد حرام میں داخل ہو اس کو بھی امان ہے۔'' ابوسفیان نے پھر کہا کہ مسجد حرام میں اتنے آدمی کہاں آ سکتے ہیں؟'' پھر فرمایا: ''اچھا جو شخص اپنا دروازہ اندر سے بند کر لے وہ بھی مامون ہے۔''

(مسلم: ۲/ ۱۰۴، المصنف عبدالرزاق: ۵/ ۳۷۶، المصنف ابن ابی شیبہ: ۱۴/ ۴۹۶، زادالمعاد: ۲/ ۱۳۷، البدایہ والنہایہ: ۴/ ۲۹۰، عیون الاثر: ۲/ ۲۲۹، طبقات ابن سعد: ۲/ ۹۸)

Marfat.com

یہاں یہ بات ذہن میں رہے کہ زمانہ جاہلیت میں بھی ابوسفیان اور سیدنا عباس رضی اللہ عنہ میں دوستی اور ہم نشینی تھی۔اس دوستی کے تحت سیدنا عباس رضی اللہ عنہ ابوسفیان کے ساتھ نرمی اور بردباری سے پیش آ رہے تھے۔

مرالظہران سے مکہ روانگی:

۱۷ رمضان المبارک سنہ ۸ھ کو بوقت صبح سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے لشکر کو روانگی کا حکم فرمایا۔لشکر کی شان و شوکت دیکھ کر ابوسفیان نے سیدنا عباس رضی اللہ عنہ سے کہا:

''ابوالفضل! تمھارے بھائی کے بیٹے کی سلطنت بہت عظیم ہوگئی ہے۔''

سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''یہ سلطنت نہیں نبوت ہے یعنی پیغمبرانہ صداقت، دیانت و امانت اور اعلیٰ اخلاق نے دلوں کو رام کیا ہے۔'' ابوسفیان رئیس قریش پہاڑ کی چوٹی پر کھڑے ہو کر اس خدائی فوج کی نرالی شان کو دیکھ رہا تھا۔قبائل اپنے اپنے پرچم لیے گزر رہے تھے اور ہر ایک کے بارے میں وہ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ سے پوچھتا کہ یہ کون ہیں؟ پھر آخر میں کوکبہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ظاہری اور باطنی شکوہ و جلال کے ساتھ، مہاجرین و انصار کے مسلح اور زرہ پوش گروہ کے درمیان جلوہ افروز ہوا۔مہاجرین کا علم سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھا جب کہ انصار کا علم سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھا۔سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے فرط جوش میں یہ کہہ دیا:

اليوم يوم الملحمة　　اليوم تستحل الكعبة

''آج گھمسان کا دن ہے، آج کعبہ میں قتل و قتال حلال ہوگا۔''

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ الفاظ سنے تو فرمایا: ''آج خانہ کعبہ کی بے حرمتی نہیں ہوگی بلکہ آج کا دن وہ دن ہے کہ اللہ تعالیٰ کعبہ کی عظمت میں اور اضافہ کرے گا۔آپؐ نے سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے جھنڈا لے کر ان کے صاحبزادے قیس بن سعد رضی اللہ عنہ کو دے دیا۔(فتح الباری:۸/۸)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مرالظہران سے روانہ ہو کر ذی طویٰ پہنچے۔اس اعزاز فتح پر فرط تواضع سے آپؐ نے اپنا سر جھکا رکھا تھا یہاں تک کہ داڑھی کے بال کجاوے کی لکڑی سے لگ رہے تھے۔ذی طویٰ میں آپؐ نے لشکر کی ترتیب یوں فرمائی۔خالد رضی اللہ عنہ بن ولید رضی اللہ عنہ کو دائیں پہلو پر رکھا اور خالد رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا کہ وہ مکہ میں زیریں حصہ سے داخل ہوں اور اگر قریش میں سے کوئی آڑے آئے تو اسے کاٹ کر رکھ دیں اور صفا پر آپؐ سے آ ملیں۔سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ بائیں پہلو پر تھے۔انھیں حکم ہوا کہ مکہ میں بالائی حصہ یعنی کداء سے داخل ہوں اور مقام حجون پر جھنڈا نصب کر کے آپؐ کی آمد تک وہیں ٹھہرے رہیں۔(فتح الباری:۸/۸)

سیدنا ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ پیادے پر مقرر تھے۔انھیں حکم تھا کہ وہ بطن وادی سے مکہ میں داخل ہونے کا راستہ پکڑیں یہاں تک کہ مکہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے اتریں۔

Marfat.com

ذی طویٰ سے آپؐ کے حکم کے مطابق تمام دستے اپنے اپنے مقررہ راستوں سے چل پڑے، خود پیغمبر اسلام ﷺ نہایت تواضع کے ساتھ سر جھکائے ہوئے مکہ میں داخل ہوئے۔ سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ آپ کے ردیف تھے۔ سر پر سیاہ عمامہ اور زبان مبارک سے سورۃ الفتح کی تلاوت فرما رہے تھے، جونہی اسلامی فوج مکہ میں داخل ہوئی اعلان کر دیا گیا:

''جو لوگ ہتھیار ڈال دیں ان کو امان، جو شخص اپنے گھر کا دروازہ بند کر لے اس کو امان، جو شخص ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے اس کو بھی امان اور جو حرم میں داخل ہو جائے اس کو بھی امان۔''

۲۰ رمضان المبارک پیر کا دن، امن، پناہ اور حفاظت جان و مال کے اعلان کے ساتھ تقدس مآب مجاہدین کا مکہ میں فاتحانہ داخلہ ہوا۔ یہ نبوت کا داخلہ تھا کسی بادشاہ کا داخلہ نہ تھا کہ خون کی ندیاں بہائی جاتیں۔ یہاں تو ہر طرف امن و امان کے پھول بکھیرے جا رہے تھے۔ ارشاد ہوا کہ شعب بنی ہاشم میں قیام کا انتظام کیا جائے۔ یہ وہی شعب بنی ہاشم تھی جہاں تین سال تک تمام بنو ہاشم کو سوشل بائیکاٹ کر کے محصور رکھا گیا تھا۔ آپؐ کے لیے وہاں سرخ چمڑے کا خیمہ لگایا گیا جس میں آپؐ رونق افروز ہوئے۔ پہلے آپؐ نے غسل فرمایا۔ پھر آٹھ رکعت پڑھیں۔ (بخاری: ۱/۴۷۳، البدایہ والنہایہ: ۲/۳۰۰) خیمہ سے جلدی سے باہر مسجد حرام میں تشریف لائے اور اپنی ناقہ قصواء پر سوار ہوئے اور مہاجرین و انصار کے ساتھ مسجد حرام میں تشریف لائے۔ اپنی اونٹنی پر بیٹھ کر طواف کیا اور حالت احرام میں نہ ہونے کی وجہ سے صرف طواف ہی پر اکتفا کیا۔ طواف کے وقت آپؐ کے ہاتھ میں ایک چھڑی تھی۔ بیت اللہ کے گرد اور اس کی چھت پر ۳۶۰ بت تھے۔ آپؐ اسی چھڑی سے ان بتوں کو ٹھوکر مارتے جاتے اور کہتے جاتے:

﴿جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا﴾ (بنی اسرائیل ۱۷:۸۱)

''حق آ گیا اور باطل چلا گیا، بے شک باطل جانے والی چیز ہے۔''

طواف سے فارغ ہونے کے بعد عثمان بن طلحہ کو بلا کر ان سے کعبہ کی کنجی لی۔ پھر آپؐ کے حکم سے دروازہ کھولا گیا۔ اندر داخل ہوئے تو دیکھا کہ ہر طرف تصویریں ہیں جن میں سیدنا ابراہیم اور سیدنا اسماعیل علیہما السلام کی تصویریں بھی تھیں۔ ان کے ہاتھ میں فال گیری کے تیر تھے۔ یہ دیکھ کر فرمایا: ''اللہ ان مشرکین کو ہلاک کرے، واللہ! ان پیغمبروں نے کبھی بھی فال کے تیر استعمال نہیں کیے تھے۔ تمام تصویروں کو آپؐ کے حکم سے مٹا دیا گیا اور آب زمزم سے دھویا گیا۔ اس وقت آپؐ بیت اللہ میں داخل ہوئے اور نماز ادا کی۔ (زرقانی: ۲/۳۳۲، فتح الباری: ۸/۱۴)

بیت اللہ کے اندر داخل ہو کر اندر سے دروازہ بند کر لیا۔ اس وقت سیدنا بلال رضی اللہ عنہ اور سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ آپؐ کے ساتھ تھے۔ بیت اللہ کے تمام گوشوں میں خلیل اللہ کے اس وارث نے توحید و تکبیر کی آواز کو بلند کیا۔ فارغ ہو کر دروازہ کھولا۔ دیکھا کہ صحن مسجد لوگوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا ہے۔ سب ان دشمنوں اور مجرموں کی سزا

Marfat.com

کے احکام کے منتظر تھے۔اس فاتح پیغمبر ﷺ نے باب کعبہ کے دونوں بازو پکڑ لیے اور باب کعبہ پر کھڑے ہو کر آپؐ نے اس مجمع پر نظر ڈالی۔ یہ مجمع ان مجرمین کا تھا جو قریباً گذشتہ بیس (۲۰) سال سے اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کو نیست و نابود کرنے کے نہ صرف منصوبے بنا رہے تھے بلکہ کئی جنگیں بھی لڑ چکے تھے۔اب یہ سارے نظریں جھکائے پابجولاں قیدیوں کی طرح آپؐ کے فیصلے کے منتظر تھے لیکن لب کشائی کی جرأت کسی میں نہ تھی۔آپؐ نے خود ہی جوش رحمت میں ارشاد فرمایا: ''اے گروہ قریش! تم کیا سمجھتے ہو کہ میرا فیصلہ تمھارے حق میں کیا ہوگا؟'' انھوں نے وہی جواب دیا جو آپؐ کی شان کے مطابق تھا: ''ہم آپؐ سے بھلائی اور خیر کی توقع رکھتے ہیں کیونکہ آپؐ خود کریم ہیں اور کریم بھائی کے چشم و چراغ ہیں۔'' آپؐ نے فرمایا: ''میں تم سے وہی بات کہتا ہوں جو یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے کہی تھی: "لاتثریب علیکم الیوم" یعنی جو کچھ ہونا تھا ہو چکا، آج تم پر کوئی الزام نہیں، جاؤ تم سب آزاد ہو۔'' آپؐ نے ایک کلمہ سے ان کے بیس سال کے جرموں پر قلم عفو پھیر دیا اور وہ سب آزاد ہو گئے۔(البدایہ والنہایہ:۴/۳۰۱)

اس کے بعد آپ نے بیت اللہ کی چابی اللہ کے حکم سے عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ کو دی۔اب نماز ظہر کا وقت ہوا تو سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا کہ بیت اللہ کی چھت پر چڑھ کر اذان دیں۔اب انھوں نے بیت اللہ کی چھت پر کھڑے ہو کر اللہ تعالیٰ کی توحید اور رسالت محمدیہ ﷺ کا پکار پکار کر اعلان کیا جو قریش کے لیے ایک نئی چیز تھی۔

بیت اللہ سے فراغت کے بعد آپؐ کوہ صفا پر گئے اور دیر تک قبلہ رو ہو کر دعا مانگتے رہے۔بعض انصار کو یہ وہم گزرا کہ اب مدینہ واپس تشریف نہیں لے جائیں گے کیونکہ اب آپؐ کی اپنی سرزمین اور جنم بھومی آپؐ کے قبضہ میں آ گئی ہے۔آپ کو انصار کی اس بات کا علم ہوا تو فرمایا: ''ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔میں نے اللہ کے حکم سے ہجرت کی۔اطمینان رکھو میرا تمھارا ساتھ چھوٹنے والا نہیں ہے۔جینا مرنا اب تمھارے ساتھ ہے۔'' یہ سن کر انصار کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے۔

(زرقانی:۲/۳۳۳، البدایہ والنہایہ:۴/۳۰۷، عیون الاثر:۲/۲۳۶، مسلم، باب فتح مکہ، ابوداؤد، باب ماجاء فی خبر مکۃ، مسند احمد:۲/۵۳۸)

چودہ آدمی ایسے تھے جو اشتہاری مجرم قرار پائے۔اعلان فرمایا کہ وہ جہاں ملیں انھیں قتل کر دیا جائے اگرچہ ان میں سے کوئی غلاف کعبہ کے نیچے چھپا ہوا ملے۔ان میں سے کچھ تو ادھر ادھر بھاگ گئے اور کچھ نے بارگاہِ رسالت ﷺ میں حاضر ہو کر دامن اسلام میں پناہ لے لی۔

اسلام ابی قحافہ رضی اللہ عنہ:

ابوقحافہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے والد ماجد تھے۔یہ مکہ میں رہتے تھے لیکن ابھی تک اسلام نہیں لائے تھے۔فتح مکہ کے بعد سرکار دو عالم ﷺ مسجد حرام میں تشریف فرما تھے کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنے بوڑھے باپ کو لے کر

Marfat.com

حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپؐ نے ان کی عمر کو دیکھ کر فرمایا: ''ابوبکر رضی اللہ عنہ! تم نے بڑے میاں کو گھر پر ہی کیوں نہ رہنے دیا۔ میں خود ان کے پاس آ جاتا۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:

''یارسول اللہ ﷺ! آپؐ میرے ماں باپ کے پاس چل کر جائیں اس سے بہتر ہے کہ میرا باپ خود اپنے پاؤں پر چل کر آپؐ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو۔ آپؐ نے سیدنا ابوقحافہ کے سینہ پر دست مبارک پھیرا اور انھوں نے اسلام قبول کر لیا۔'' (سیرۃ الحلبیہ: ۳۱۲/۲)

اسلام سہیل رضی اللہ عنہ بن عمرو:

سہیل رضی اللہ عنہ بن عمرو مکہ کے رؤسا اور اشراف میں سے تھے۔ یہ ابوجندل کے والد تھے۔ نہایت زیرک اور عقل مند انسان تھے اور خطیب قریش کے نام سے مشہور تھے۔ فتح مکہ کے روز اپنے بیٹے عبداللہ کی معرفت بارگاہِ رسالت ﷺ سے امان طلب کی جو کہ دے دی گئی۔ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مخاطب کر کے فرمایا:

''جو شخص سہیل سے ملے وہ اس کی طرف تیز نظروں سے نہ دیکھے۔ اللہ کی قسم! سہیل رضی اللہ عنہ بڑا عاقل اور شریف ہے۔ سہیل رضی اللہ عنہ جیسا آدمی اسلام سے ناآشنا نہیں رہ سکتا۔'' (سیرۃ الحلبیہ: ۲۲۶/۲، الاستیعاب ترجمہ سہیل)

اسلام صفوان رضی اللہ عنہ بن امیہ:

صفوان رضی اللہ عنہ بن امیہ سردارانِ قریش میں سے تھا۔ اس کا باپ امیہ بن خلف جنگ بدر میں مارا گیا تھا جس کی وجہ سے اس کو بھی اسلام اور مسلمانوں کے خلاف کچھ کدورت ہو گئی تھی، سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ جب قبول اسلام کے لیے مدینہ منورہ جا رہے تھے تو انھوں نے اس کو بھی اپنے ساتھ چلنے کی دعوت دی۔ اس نے جواب دیا کہ اگر سارا مکہ بھی مسلمان ہو جائے میں پھر بھی مسلمان نہیں ہوں گا، چنانچہ فتح مکہ کے روز یہ بھی اپنی جان کے خطرہ کی وجہ سے مکہ سے بھاگ گئے۔ ان کے چچازاد بھائی عمیر بن وہب نے بارگاہ رسالت ﷺ سے ان کے لیے امان طلب کی۔ آپؐ نے امان دے دی۔ عمیر انھیں بارگاہِ رسالت ﷺ میں لے کر آئے جہاں انھوں نے اسلام قبول کر لیا۔ ان کی اہلیہ پہلے ہی مسلمان ہو گئی تھیں۔

مستورات سے بیعت:

یہ تو صرف چند لوگوں کے قبول اسلام کا ذکر ہے وگرنہ حقیقت یہ ہے کہ اس روز پورا مکہ ہی بیعت کے لیے امنڈ آیا تھا۔ عکرمہ بن ابی جہل، ابوسفیان، ان کی اہلیہ ہند اور ان کا بیٹا یزید بن ابی سفیان جب کہ سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما پہلے ہی حلقۂ اسلام میں داخل ہو چکے تھے۔ مردوں کی بیعت سے فراغت کے بعد عورتوں سے بیعت لینی شروع کی، جو عورتیں اس وقت آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئیں، ان میں مشہور عورتیں حسب ذیل ہیں

Marfat.com

① ام ہانی بنت ابی طالب
② ام حبیبہ بنت عاص بن امیہ، زوجہ عمرو بن عبدودّ
③ عاتکہ بنت ابی العیص، عتاب بن اسید کی پھوپھی
④ اروٰی بنت ابی العیص، عتاب بن اسید کی پھوپھی
⑤ ہند بنت عتبہ، زوجہ ابوسفیان رئیس مکہ

ہند بنت عتبہ نقاب پہن کر حاضر خدمت ہوئی۔ وہ اپنی جگہ پر نہایت خائف تھیں، طبقات کی روایت میں ہے کہ جب وہ نقاب پہن کر حاضر ہوئیں تو پہلے کچھ گفتگو کی پھر عرض کیا کہ میں ہند بنت عتبہ ہوں۔ آپؐ نے فرمایا: ''مرحبالک'' بارگاہِ رسالت ﷺ سے یہ الفاظ ہند کی کتاب زندگی کا ایک اہم عنوان ہیں۔

(طبقات ابن سعد: ۸/۱۷۱)

وفود دوسرا یا:

مکہ ایک نہایت مرکزی مقام تھا۔ اردگرد کے تمام قبائل کی نظر اس پر لگی ہوئی تھیں۔ جب مکہ فتح ہو گیا تو کئی قبائل کے دلوں میں قبول اسلام کا داعیہ پیدا ہوا۔ چنانچہ آپؐ نے فتح مکہ سے فراغت کے بعد قرب و جوار میں مختلف وفود دعوت اسلام کی صورت میں روانہ فرمائے اور انھیں یہ بھی حکم دیا کہ جہاں کہیں کوئی بت دیکھیں تو اسے منہدم کر دیں۔ چنانچہ ۲۵ رمضان المبارک کو سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو تیس سواروں کی جمعیت کے ساتھ عربوں کے مشہور بت عزیٰ کو گرانے کے لیے بھیجا۔ اس بت کی قریش اور بنو کنانہ پوجا کرتے تھے۔ بنو شیبان اس بت کے مجاور تھے۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے نخلہ جا کر اس بت کو منہدم کر دیا۔ (عیون الاثر: ۲/۲۴۹)

اسی طرح سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو بت سواع کو منہدم کرنے کے لیے بھیجا۔ یہ مکہ سے تین میل کے فاصلے پر رباط میں بنو ہذیل کا بت تھا۔ سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ جب وہاں پہنچے تو مجاور نے پوچھا کیسے آئے؟ فرمایا میں اس بت کو ڈھانے کے لیے آیا ہوں۔ اس نے کہا کہ تم اس بت کو ڈھا نہیں سکو گے۔ سیدنا عمرو رضی اللہ عنہ نے پوچھا: ''کیوں؟'' کہا: ''یہ بت تمھیں ڈھانے سے روک دے گا۔'' سیدنا عمرو رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''افسوس ہے تم پر، تم ابھی تک اس باطل عقیدے پر قائم ہو۔'' پھر انھوں نے اس بت پر ایک ایسی کاری ضرب لگائی کہ وہ پاش پاش ہو گیا۔ مجاور یہ دیکھ کر فوراً مسلمان ہو گیا اور کہا میں اللہ کے لیے اسلام لایا۔ (عیون الاثر: ۲/۲۴۹، طبقات ابن سعد: ۲/۱۴۵)

۲۶ رمضان المبارک کو آپ ﷺ نے سیدنا سعد بن زید اشہلی رضی اللہ عنہ کو بیس سواروں کے ہمراہ منات بت کو منہدم کرنے کے لیے روانہ کیا۔ یہ بت قدید کے قریب مشلل میں نصب تھا اور اوس، خزرج اور غسان وغیرہ کا بت کہلاتا تھا۔ اس کے مجاور نے اس کے انہدام میں کوئی مداخلت نہ کی اور کہا: ''تم جانو اور تمھارا کام۔'' سیدنا سعد بن زید رضی اللہ عنہ جب اس کو ڈھانے لگے تو ایک سیاہ رو، کالی کلوٹی، ننگی اور پراگندہ بال عورت نکلی جو اپنا سینہ پیٹ رہی

Marfat.com

تھی۔مجاور نے کہا کہ اپنے ان نافرمانوں کو جو تمھیں ڈھانے آئے ہیں، پکڑ لے۔مجاور ابھی یہ جملہ ختم بھی نہ کرنے پایا تھا کہ سیدنا زید رضی اللہ عنہ نے تلوار مار کر اس کا کام تمام کر دیا۔پھر لپک کر اس بت کو منہدم کر دیا۔(عیون الاثر:۲/۲۵۰)

یہ تھی مختصر روداد غزوہ فتح مکہ کی۔یہ ایک بہت بڑی فتح تھی۔اس غزوہ نے لوگوں کو اسلام سے بہت قریب کر دیا اور اس فتح کے بعد جزیرۃ العرب کے دینی اور سیاسی افق پر مسلمانوں کا آفتاب عالم تاب چمکنے لگا۔غزوہ فتح مکہ میں آپ کے لشکر کی تعداد ۱۰ ہزار تھی۔اب اس کے بعد ہر غزوہ کی تعداد تیزی سے بڑھنے لگی یہاں تک کہ حجۃ الوداع میں آپ کے ساتھیوں کی تعداد ایک لاکھ سے زائد تھی۔

Marfat.com

غزوۂ حنین

فتح مکہ کے بعد سرکار دو عالم ﷺ اپنے دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ یہیں مقیم رہے۔ بلال رضی اللہ عنہ اذان کہتے اور مسلمانوں کے ٹھٹھ کے ٹھٹھ مسرت وشادمانی کے ساتھ بیت اللہ میں نماز کے لیے جمع ہو جاتے۔ اس بیت اللہ میں جس کو دیکھنے کے لیے گزشتہ آٹھ سال سے ان کی آنکھیں ترس گئی تھیں۔ اتنے میں آپؐ کو اطلاع ملی کہ قبیلہ ہوازن مکے پر حملے کی تیاریاں کر رہا ہے۔ یہ قبیلہ ان اڑیل قبائل میں سے تھا جنھوں نے مسلمانوں کی طاقت و شوکت کے سامنے سپر نہ ڈالی اور ان کے ساتھ دوسرا قبیلہ ثقیف بھی تھا۔ مضر، جشم، بنوسعد، بنوبکر اور بنوہلال بھی اس معاملہ میں ہوازن اور ثقیف کے ساتھ مل گئے۔ ان سب قبیلوں کا تعلق عیلان سے تھا۔ ہوازن اور ثقیف نہایت جنگ جو اور ماہر تیر انداز قبائل میں سے تھے۔ ان قبائل کے سرداروں نے باہم سر جوڑ کر یہ مشورہ کیا کہ قبل اس کے کہ مسلمان ہم پر حملہ آور ہوں ہمیں مسلمانوں پر حملہ کر دینا چاہیے۔ چنانچہ بیس ہزار کا لشکر مالک بن عوف نہری کی زیر قیادت اکٹھا ہو گیا۔

طائف مکہ سے قریباً ساٹھ میل کے فاصلے پر ایک پہاڑی علاقہ ہے۔ نہایت صحت افزا اور سرسبز و شاداب۔ قبیلہ ثقیف یہاں آباد تھا۔ طائف اور مکہ کے درمیان ایک میدانی علاقہ کا نام ''حنین'' ہے۔ قبیلۂ ہوازن یہاں آباد تھے۔ قریش مکہ کی طرح ان دونوں قبائل کو بھی اپنی عظمت وشجاعت پر بڑا ناز تھا۔ تیر اندازی میں پورے عرب میں ان کا ایک منفرد مقام تھا۔ مکہ فتح ہونے کے بعد ان کے جذبات میں ایک تموج اور تلاطم سا پیدا ہوا۔ ان جذبات نے ان قبائل کو اس قدر مشتعل کیا کہ انھوں نے مسلمانوں کے خلاف ایک فیصلہ کن جنگ کی تیاری شروع کر دی۔

رسول اللہ ﷺ کو جب ان حالات کی اطلاع ملی تو آپؐ نے عبداللہ بن ابی حدادا اسلمی رضی اللہ عنہ کو تحقیق احوال کے لیے روانہ فرمایا۔ انھوں نے ایک دو روز میں حالات کا جائزہ لے کر آپؐ کو ان کی جنگی تیاریوں کے بارے میں تفصیل سے بتا دیا۔ چنانچہ آپؐ نے بھی جنگ کی تیاری شروع کر دی۔ جائزہ لیا گیا تو زرہیں کچھ کم تھیں۔ نقد رقم کی بھی ضرورت تھی۔ چنانچہ عبداللہ بن ربیعہ نہایت دولت مند تھے، ان سے تیس ہزار درہم قرض لیے۔ (مسند احمد: ۴/۳۶)

Marfat.com

صفوان بن امیہ مکہ کا رئیس تھا اور مہمان نوازی میں بڑا مشہور تھا لیکن ابھی تک مسلمان نہیں ہوا تھا، اس سے آپ نے سو زرہیں عاریتاً لیں۔

تیاری مکمل ہونے کے بعد ۶ شوال سنہ ۸ھ کو مسلمانوں کی فوج حنین کی طرف بڑھی۔ دس ہزار تو وہ مجاہدین تھے جو مدینہ سے آئے ہوئے تھے۔ ان کے علاوہ دو ہزار سے زائد مکہ کے نوجوان تھے۔ ان میں کچھ وہ بھی تھے جو ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ اس لشکر میں ابوسفیان بھی تھے۔ مقدمۂ فوج میں گھڑ سواروں کا دستہ تھا جس کی نگرانی میں رسد کے بار بردار اونٹ بھی تھے۔ عرب نے اتنا بڑا لشکر آج تک نہ دیکھا تھا۔ ہر ایک قبیلہ کا دستہ اپنا اپنا علم سنبھالے ہوئے اور ہر ایک سپاہی اپنی فوج کی کثرت پر اس قدر نازاں کہ ان میں سے چند ایک نے ایک دوسرے سے گفتگو میں یہاں تک کہہ دیا کہ ''اتنی بڑی فوج کو کون شکست دے سکتا ہے۔''

میدان حنین نشیب میں تھا۔ سب طرف پہاڑ تھے اور پہاڑی راستے ایسی ڈھلوان پر تھے کہ پاؤں جمنے مشکل تھے۔ میدان جنگ کے بیشتر مقامات پر دشمن کی فوجیں قابض اور راستہ کے پہاڑوں پر غنیم کے تیر انداز دستے مسلمانوں کے انتظار میں تھے۔ ان کا منصوبہ یہ تھا کہ جونہی مسلمان میدان جنگ میں داخل ہو جائیں تو سامنے سے فوجیں تیغ وسنان سے ان کا قلع قمع کر دیں اور اوپر سے تیر اندازوں کے تیر ان کے پرخچے اڑا دیں، اور ان میں سے ایک شخص بھی زندہ واپس نہ جانے دیا جائے۔

ادھر مسلمان مکہ سے نکلے دوسری طرف غنیم بھی جنگ کے لیے روانہ ہوا۔ اس کی فوج کا سپریم کمانڈر مالک بن عوف تھا۔ اس نے بیس ہزار آدمیوں کے ساتھ میدان جنگ کی طرف پیش قدمی کی۔ وہ لوگوں کے سامنے مال مویشی اور بال بچے بھی کھینچ لایا۔ اور آگے بڑھ کر وادیٔ اوطاس میں خیمہ زن ہوا۔ اوطاس کی وادی جنگ کے لیے نہایت موزوں تھی۔ اس کو ان لوگوں نے پڑاؤ کے لیے منتخب کیا۔ عورتوں اور بچوں کو اس خیال سے لائے کہ یہ ساتھ ہوں گے تو ان کی حفاظت کی حمیت وغیرہ بھی فوج کو جمے رہنے پر مجبور کرے گی اور ان کے پاؤں نہیں اکھڑنے دے گی۔ وہ اپنے ساتھ سردار بنی جشم درید بن صمہ کو بھی جس کی عمر اس وقت سو سال سے متجاوز تھی، لے آئے۔

جب یہ فوج وادیٔ اوطاس میں پہنچی تو درید بن صمہ نے دریافت کیا: یہ کون سا مقام ہے؟'' لوگوں نے کہا: ''وادیٔ اوطاس ہے۔'' اس نے کہا یہ مقام جنگ کے لیے نہایت موزوں ہے۔ اس نے پوچھا: ''یہ عورتیں اور بچے اور مال مویشی کیوں لے کر آئے ہو؟'' کہا گیا تاکہ لوگ ان کے خیال سے میدان جنگ سے نہ بھاگ سکیں۔ درید نے کہا: تم نے بڑی سخت غلطی کی کیونکہ جب پاؤں اکھڑ جاتے ہیں تو نہ عورتیں اور بچے انھیں جما سکتے ہیں اور نہ مال مویشی، ایسے موقع پر صرف فوج، تلوار اور تیر کام آتے ہیں۔ اور مالک بن عوف! تم نرے بھیڑوں کے چرواہے ہو۔ تم نے بنی ہوازن کی عورتوں اور بچوں کو سواروں کے مدمقابل لا کر کوئی اچھا کام نہیں کیا۔'' درید کی رائے بالکل درست تھی۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ کو جب بتایا گیا کہ بنو ہوازن سب کے سب آ گئے ہیں۔ ان کی عورتیں اور مال مویشی سب ساتھ ہیں تو سرور کائنات ﷺ نے تبسم فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:

Marfat.com

''یہ سب ان شاء اللہ کل مسلمانوں کا مال غنیمت ہوگا۔'' (ابوداؤد:۲/۳۱۷)

مالک بن عوف نے مسلمانوں کی فوج کا پتہ لگانے کے لیے جاسوس بھیجے ہوئے تھے۔ وہ جاسوس جب واپس آئے تو ان کی حالت غیر تھی۔ ان کا جوڑ جوڑ ٹوٹ پھوٹ گیا تھا۔ مالک نے حیرانگی سے پوچھا: ''تمھیں کیا ہو گیا ہے؟'' انھوں نے کہا: ''ہم نے کچھ چتکبرے گھوڑوں پر سفید انسان دیکھے ہیں اور انھیں دیکھ کر ہماری یہ حالت ہوگئی ہے۔''

مالک بن عوف اس وادی میں مسلمانوں سے پہلے پہنچ چکا تھا اور رات کی تاریکی میں اس وادی کے اندر اتر کر وہ اپنی فوج کو راستوں، گزرگاہوں، گھاٹیوں اور دروں وغیرہ میں پھیلا اور چھپا چکا تھا اور انھیں یہ سب کچھ بتلا چکا تھا کہ جونہی اسلامی لشکر تمھاری زد میں آئے اسے تیروں سے چھلنی کر دیا جائے اور شمشیر زن ان پر یک بارگی حملہ کر کے ان کی تکا بوٹی کر دیں۔

اسلامی لشکر کے سپریم کمانڈر جناب رسول اللہ ﷺ اپنی قصوا پر سوار سب سے آگے تشریف لے جا رہے تھے اور ان کے عقب میں سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی قیادت میں بنو سلیم کا دستہ مقدمۃ الجیش میں تھا اور اس کے ہاتھ میں علم بھی تھا۔ جونہی دستہ تہامہ کا میدان طے کر کے حنین کی تنگ گھاٹی سے گزرا، غنیم کی فوجوں نے جو درہ کی چوٹی پر گھات لگائے بیٹھی تھیں، تیروں کی باڑھ چھوڑ دی۔ مسلمان صبح کے جھٹپٹے میں وادیٔ حنین کی طرف آ رہے تھے۔ وادی کے تنگ دروں میں ہوازن اور ثقیف کے جیالے ان کی گھات میں بیٹھے تھے۔ اس اچانک حملے سے قدرتی بات ہے کہ مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے۔ وہ بدحواس ہو گئے اور ان میں بھگدڑ مچ گئی۔ اس بھگدڑ سے مسلمانوں کی حالت یہ ہوگئی جس کا نقشہ قرآن حکیم نے ان الفاظ میں کھینچا ہے: ''ضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ'' (التوبہ۹:۲۵) زمین اپنی وسعت کے باوجود تم پر تنگ ہوگئی۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک انتباہ تھا۔ اللہ کے فضل و کرم کا محور رسول اللہ ﷺ کا پیکر مقدس تھا جو اپنی جگہ استقلال و استقامت کا پہاڑ بن کر کھڑا رہا جس میں اگر جنبش ہوئی تو اتنی کہ وہ اپنے سفید خچر سے نیچے اترے، لیکن اکثر روایات میں ہے کہ آپ خچر پر ہی سوار رہے۔ بھگدڑ کے باوجود آپ کا رخ کفار کی طرف تھا اور آپ بجائے پیچھے آنے کے پیش قدمی کے لیے اپنے خچر کو ایڑ لگا رہے تھے۔ تلوار ہاتھ میں تھی اور اونچی آواز سے یہ رجزیہ کلمات کہہ رہے تھے:

انا النبی لا کذب　　انا ابن عبدالمطلب

''میں نبی ہوں اس میں کوئی جھوٹ نہیں اور میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔''

نبی اکرم ﷺ کے ایک نئے جان نثار ابوسفیان بن حارث رضی اللہ عنہ نے اس نازک موقع پر آگے بڑھ کر خچر کی لگام پکڑ لی۔ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے رکاب تھام لی کہ خچر کہیں تیزی سے آگے نہ بڑھ جائے۔ دس بارہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ کے بالکل قریب تھے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ، سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ، سیدنا علی رضی اللہ عنہ، سیدنا عباس رضی اللہ عنہ، سیدنا فضل بن عباس رضی اللہ عنہ اور سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ انہی قریبی جان نثاروں میں سے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے

Marfat.com

اپنے چچا عباس رضی اللہ عنہ کو جن کی آواز خاصی بلند تھی، حکم فرمایا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو آواز دیں: ''اے گروہ انصار! اے گروہ بیعت رضوان!'' اس آواز کا کانوں میں پڑنا تھا کہ تمام فوج ایک دم پلٹ پڑی۔ جن لوگوں کے گھوڑے یا اونٹ گھمسان کی وجہ سے مڑ نہ سکے وہ اپنی سواریوں سے کود پڑے اور زرہیں ان کی گردنوں میں ڈال دیں اور شمشیر بکف میدان کی طرف دوڑ پڑے اور ایثار و فدویت کے جوہر دکھانے شروع کر دیئے۔ مسلمانوں نے اس اچانک تیر اندازی سے جس رفتار سے میدان چھوڑا تھا اس سے زیادہ تیز رفتاری کے ساتھ ایک کے پیچھے ایک آتے چلے گئے اور فریقین میں دھواں دھار جنگ ہوئی۔ دفعتاً لڑائی کا رنگ بدل گیا۔ ثقیف و ہوازن کے سوار مسلمانوں کے اس زبردست حملہ کی تاب نہ لا کر میدان سے بھاگ نکلے۔ جو رہ گئے ان کی گردنوں میں غلامی کا طوق تھا یعنی وہ گرفتار کر لیے گئے۔

جب جنگ اپنے پورے زور پر تھی تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے نظر اٹھا کر میدانِ جنگ کی طرف دیکھا تو فرمایا: ''اب چولہا گرم ہو گیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مٹی کی ایک مٹھی اٹھا کر "شاهت الوجوه" (چہرے بگڑ جائیں) کہتے ہوئے دشمن کی طرف پھینکی۔ یہ مٹی دشمن کے ہر شخص کی آنکھوں میں پڑی جس نے اسے راہ فرار پر مجبور کر دیا کیونکہ اس سے ان کی ہمت ٹوٹتی چلی گئی۔ چنانچہ پورا لشکر چند لمحوں میں کائی کی طرح چھٹ گیا اور دشمن کو شکست فاش ہوئی۔ (مسلم باب غزوۂ حنین) پھر یہ بھاگنے والے بھاگے بھی ایک طرف نہیں بلکہ جس طرف راہ ملی انھوں نے بھاگ کر اپنی جان بچائی۔ درید بن صمہ کئی ہزار کی جمعیت کے ساتھ وادیٔ اوطاس میں ٹھہرا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا ابو عامر اشعری رضی اللہ عنہ کی قیادت میں ایک جماعت کو ان کے تعاقب میں اوطاس کی طرف روانہ کیا۔ سیدنا ابو عامر رضی اللہ عنہ تو شہید ہو گئے لیکن ان کے چچا زاد بھائی سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر حملہ کیا اور دشمن کو قتل کر کے جھنڈا اس کے ہاتھ سے لے لیا۔ جھنڈے کا زمین پر گرنا تھا کہ غنیم کی پوری جمعیت فرار ہو گئی۔ سپریم کمانڈر مالک بن عوف کئی ہزار سپاہیوں کے ساتھ طائف پہنچا اور وہاں قلعہ بند ہو گیا۔

(عیون الاثر: ۲/ ۲۵۹، سیرۃ ابن ہشام: ۲/ ۴۴۹، فتح الباری: ۸/ ۳۴)

اس جنگ میں بہت سے قیدی اور مال مویشی مسلمانوں کے ہاتھ لگا جس کی تفصیل یہ ہے:

قیدی چھ ہزار، اونٹ چوبیس ہزار، بکریاں چالیس ہزار سے بھی زیادہ، چاندی چار ہزار اوقیہ (یعنی چھ کوئنٹل سے چند کلو کم) یہ سب مال اکٹھا کر کے سیدنا مسعود بن عمرہ غفاری رضی اللہ عنہ کی نگرانی میں جعرانہ بھیج دیا اور تاکید کی جب تک میں طائف سے فارغ ہو کر نہ آ جاؤں، اس کو تقسیم نہ کیا جائے۔ قیدیوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی بہن حلیمہ سعدیہ کی بیٹی شیما بنت حارث سعدیہ بھی تھیں۔ جب انھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لایا گیا تو انھوں نے اپنا تعارف کرایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی بڑی عزت افزائی کی۔ اپنی چادر مبارک بچھا کر اسے بٹھایا اور احسان فرماتے ہوئے انھیں ان کی قوم میں واپس کر دیا۔ وہ مسلمان ہو گئیں اور چلتے وقت انھیں کچھ اونٹ اور بکریاں، تین غلام اور ایک لونڈی عطا فرمائی۔ (الاصابہ: ۴/ ۳۴۴)

Marfat.com

غزوۂ طائف:

یہ غزوہ دراصل غزوۂ حنین کی ایک فرع ہے کیونکہ ثقیف اور ہوازن کے کئی ہزار شکست خوردہ افراد اپنے سپریم کمانڈر مالک بن عوف کے ساتھ بھاگ کر طائف آئے تھے اور یہیں قلعہ بند ہو گئے تھے۔ اس لیے سرکار دو عالم ﷺ نے حنین سے فارغ ہو کر طائف کا ارادہ فرمایا۔ آپ ﷺ نے سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی کمان میں ایک ہزار افراد پر مشتمل ہراول دستہ طائف کی طرف روانہ فرمایا۔ پھر آپؐ نے خود طائف کا رخ فرمایا۔ طائف پہنچ کر آپ ﷺ قلعہ کے قریب خیمہ زن ہو گئے اور قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ (عیون الاثر:۲/۲۷۰، طبقات ابن سعد:۲/۱۵۸)

سرکار دو عالم ﷺ کے طائف پہنچنے سے پہلے مالک بن عوف اپنی شکست خوردہ فوج کے ساتھ طائف کے قلعہ میں داخل ہو کر دروازہ بند کر چکا تھا۔ اس نے کئی سال کا سامان خورد و نوش فراہم کر لیا تھا۔ طائف کا مضبوط قلعہ پہاڑ پر ہونے کے باعث ناقابل تسخیر سمجھا جاتا تھا اور ایک مضبوط فصیل بھی شہر کو اپنے گھیرے میں لے کر اس کی حفاظت و نگہبانی کے فرائض انجام دے رہی تھی۔ مسلم کی روایت کے مطابق چالیس روز تک محاصرہ جاری رہا جب کہ بعض روایات میں بیس روز، اٹھارہ روز اور دس روز کی مدت بھی مذکور ہے۔ (فتح الباری:۸/۴۵)

محاصرہ کے دوران قلعہ کے اندر سے نہایت شدت کے ساتھ تیر اندازی کی گئی جس سے بارہ کے قریب مسلمان شہید ہوئے اور متعدد زخمی ہوئے۔ اس وجہ سے انھیں اپنا کیمپ دور لے جانا پڑا۔ سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے انھیں دست بدست مقابلہ کے لیے بلایا لیکن انھوں نے قلعہ سے نکلنے سے انکار کر دیا۔ اب صرف ایک ہی صورت تھی کہ منجنیق کے ذریعے قلعے پر گولے پھینکے جائیں اور اس طریقہ سے قلعہ کی دیواروں کو توڑا جائے۔ چنانچہ منجنیق نصب کی گئی۔ اس نے گولے پھینک کر قلعہ کی دیواروں میں شگاف بھی ڈالے اور مسلمانوں کی ایک جماعت دبابہ میں بیٹھ کر آگ لگانے کے لیے قلعہ کی دیوار تک پہنچ گئی لیکن دشمن نے ان پر لوہے کی گرم سلاخیں پھینکیں جس سے ان کو واپس آنا پڑا۔ (سیرۃ حلبیہ:۳/۱۳۳، عیون الاثر:۲/۲۷۰، طبقات ابن سعد:۲/۱۵۹)

ان کو قلعے سے باہر نکالنے کے لیے رسول اللہ ﷺ نے حکم فرمایا کہ ان کے باغات کاٹ دیے جائیں۔ انھوں نے اللہ کا واسطہ اور قریش سے اپنی قرابت اور رشتہ داری کا واسطہ دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس واسطہ کا احترام کرتے ہوئے یہ حکم واپس لے لیا۔ (عیون الاثر:۲/۲۷۰، طبقات:۲/۱۵۹)

اب ایک اور تدبیر یہ کی گئی کہ قلعہ کی دیوار کے قریب یہ آوازہ لگوایا گیا کہ جو غلام قلعہ سے اتر کر ہمارے پاس آ جائے وہ آزاد ہے۔ اس اعلان پر تیس آدمی قلعہ سے نکل کر مسلمانوں میں آ شامل ہوئے۔ (بخاری:۲/۶۲۰) انہی میں ایک حارث بن کلاہ بھی تھے جو ایک چرخی کے ذریعے لٹک کر نیچے اتر آئے اور اسلام سے مشرف ہوئے۔

اسی اثناء میں آپؐ نے ایک خواب دیکھا کہ دودھ کا پیالہ آپؐ کے سامنے ہے اور مرغ نے اس میں چونچ ماردی جس سے دودھ گر گیا۔ آپ ﷺ نے یہ خواب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے بیان فرمایا۔ انھوں نے عرض کی

Marfat.com

کہ غالباً یہ قلعہ ابھی فتح نہیں ہوگا۔ جب محاصرہ طویل ہوگیا تو آپؐ نے بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مشورہ سے محاصرہ اٹھالیا۔ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو آپ ﷺ کا یہ حکم گراں گزرا۔ ان کا خیال تھا کہ بغیر طائف فتح کیے ہم واپس نہیں ہوں گے لیکن آپ ﷺ محاصرہ ختم کر کے واپس چل دیئے۔ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے اہل طائف کے لیے آپؐ سے بددعا کی درخواست کی لیکن آپ ﷺ نے فرمایا:

''الٰہی پھول برسا پتھروں والی زمینوں پر''

آپ نے بددعا کے بجائے دعا فرمائی:

''اے اللہ! ثقیف کو ہدایت دے اور انھیں لے آ۔''

آپؐ کی یہ دعا قبول ہوئی۔ چنانچہ طائف کے رئیس اعظم عروہ بن مسعود ثقفی لشکر اسلام کے پیچھے روانہ ہوگئے اور رسول اللہ ﷺ ابھی مدینہ پہنچنے بھی نہ پائے تھے کہ یہ حاضر ہو کر مشرف بہ اسلام ہوگئے۔ مالک بن عوف بھی ایک جماعت لے کر مدینہ حاضر ہوا اور حلقہ بگوش اسلام ہوگیا۔

مال غنیمت کی تقسیم:

طائف کے محاصرہ سے فارغ ہو کر آپؐ ۵/ذی قعدہ سنہ ۸ھ میں جعرانہ تشریف لائے۔ یہاں تمام مال غنیمت محفوظ تھا۔ آپ ﷺ یہاں دس بارہ روز ٹھہرے۔ اس تاخیر کا مقصد یہ تھا کہ شاید ہوازن کا وفد تائب ہو کر آپ ﷺ کے پاس حاضر ہو جائے اور اس نے جو کھویا ہے سب لے جائے۔ لیکن جب وہ نہ آئے تو آپؐ نے مال کی تقسیم شروع کر دی۔ اس مال کا خمس نکال کر قاعدہ کے مطابق بقیہ چار حصے مجاہدین میں تقسیم فرمائے۔ ہر ایک مجاہد کے حصے میں چار اونٹ اور چالیس بکریاں آئیں۔ جن مجاہدین کے پاس گھوڑے تھے ان کو دو دو حصے مزید دیے گئے۔ (سیرۃ حلبیہ: ۳/۱۳۵) خمس میں سے آپؐ نے روسائے قریش اور سردارانِ قبائل کو بڑی فراخ دلی سے انعامات عطا فرمائے کیونکہ وہ بڑی حرص سے جھانک رہے تھے۔ ابوسفیان کو کچھ کم چھ کلو چاندی اور ایک سو اونٹ عطا فرمائے۔ اتنا ہی ان کے بیٹوں یزید اور معاویہ کو دیا۔ حکیم بن حزام کو ایک سو اونٹ دیئے۔ اس نے مزید سوال کیا تو ایک سو اونٹ اور دے دیئے۔ صفوان بن امیہ کو تین سو اونٹ دیئے۔ (الشفا قاضی عیاض: ۱/۸۶) اور بھی لوگوں کو آپؐ نے بہت کچھ عطا فرمایا۔

(ملاحظہ ہو سیرۃ حلبیہ: ۳/۱۳۵، بخاری: ۲/۶۲۰، عیون الاثر: ۲/۲۶۰، فتح الباری: ۸/۳۸، زرقانی: ۳/۳۶)

جب آپؐ یہ مال تقسیم کر چکے اور اس میں سے زیادہ مال آپؐ نے اہل مکہ کو دیا جو جدید الاسلام تھے تو کچھ انصاری نوجوانوں میں چہ مگوئیاں ہوئیں۔ اس پر سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی: ''اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ ﷺ نے اس مال میں سے ہمیں جو کچھ دیا ہے اس پر انصار کے کچھ لوگ پیچ و تاب کھا رہے ہیں کہ آپؐ نے اہل مکہ کو زیادہ دیا ہے۔ آپ ﷺ نے انصار کو اکٹھا کیا اور انھیں ایک خطبہ دیا

Marfat.com

جن میں ان کے احسانات کو یاد دلایا اور پھر آخر میں فرمایا:

''اے گروہ انصار! کیا یہ تمھیں پسند نہیں کہ لوگ بکریاں اور اونٹ لے جائیں اور تم محمد ﷺ کو لے کر گھر لوٹو۔ اگر ہجرت نہ ہوتی تو میں بھی انصار ہی کا ایک فرد ہوتا۔''

آپؐ نے یہ کلمات جس رقت اور دل سوزی کے ساتھ بیان فرمائے تمام انصار یک زبان ہو کر بول اٹھے کہ ہم کو صرف رسول اللہ ﷺ درکار ہیں۔ (بخاری: ۲/۶۲۰، عیون الاثر: ۲/۲۶۱، ابن ہشام: ۲/۴۹۹)

بنو ہوازن کے وفد کی آمد:

تقسیم غنائم کے بعد بنو ہوازن کا ایک وفد آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس میں نو آدمی تھے۔ اس میں آپ کا ایک رضاعی چچا ابو برقان بھی تھا۔ وفد نے مال و سامان اور قیدیوں کی واپسی کی درخواست کی۔ رسول اللہ ﷺ کی رضاعی والدہ حلیمہ سعدیہ اسی قبیلہ سے تعلق رکھتی تھیں۔ اس وفد نے اس انداز سے بات کی جو قلب کی اتھاہ گہرائیوں میں اتر جائے اور رقت پیدا کرے۔ اسی قبیلہ کے خطیب زہیر بن صرد کھڑے ہوئے اور عرض کی: ''یا رسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ نے جنھیں قید فرمایا ہے ان میں آپؐ کی مائیں اور بہنیں ہیں اور پھوپھیاں اور خالائیں ہیں جنھوں نے آپؐ کو گود میں کھلایا تھا۔'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں آپ حضرات کا انتظار کرتا رہا۔ آپ کی طرف سے مایوس ہو کر میں نے مال غنیمت تقسیم کر دیا اور قیدی بھی تقسیم کر دیئے۔ اب یہ میرے اختیار میں نہیں ہے کہ میں حکم کر کے سب کو واپس کر دوں۔ اب آپ دو میں ایک بات منظور کر لیں۔ تم مال واپس لینا چاہتے ہو یا قیدی جو غلام بن چکے ہیں ان کو واپس لینا چاہتے ہو۔''

وفد کے ارکان نے کہا: ''ہم اپنے قیدیوں کو واپس لینا چاہتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا جب میں ظہر کی نماز پڑھ لوں تو تم سب لوگ اٹھ کر کہنا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کو مومنین کی جانب سفارشی بناتے ہیں کہ آپؐ ہمارے قیدی ہمیں واپس کر دیں۔ نماز ظہر سے فراغت کے بعد ان لوگوں نے یہی کیا۔ جواب میں آپؐ نے مسلمانوں سے فرمایا: ''تمھارے یہ بھائی اہل ہوازن تائب ہو کر آئے ہیں۔ میں نے ان سے طے کر لیا ہے کہ ان کو صرف ان کے قیدی واپس مل سکیں گے، لہٰذا ان کو ان کے اہل و عیال واپس کرنے ہیں۔ اب جو صاحب خوشی سے واپس کر دیں تو بہت بہتر ہے لیکن جو اس کا عوض لینا چاہے تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ جیسے ہی آئندہ ایسا موقع ہوگا تو اس کا عوض چکا دیا جائے گا۔ چنانچہ میں اپنا اور بنو عبدالمطلب کا حصہ تمھیں دیتا ہوں۔''

آپ ﷺ کی اس اپیل پر مجمع سے آواز بلند ہوئی کہ ہم اس کے لیے بڑی خوشی سے تیار ہیں۔ آپؐ نے فرمایا: ''آپ لوگوں کے اس اجتماعی جواب سے ہر ایک کے دل کی بات معلوم نہیں ہوئی۔ اب ہر ایک جماعت اور قبیلہ کے عریف (مکھیا) کا یہ کام ہے کہ وہ فرداً فرداً ہر شخص کی آزادانہ رائے معلوم کرے۔ اس تحقیق و تفتیش کے بعد آپؐ نے ان چھ ہزار قیدیوں کو آزاد کر کے واپس فرما دیا۔ (بخاری: ۱/۳۰۹، ۳۴۵)

Marfat.com

مال غنیمت کی تقسیم سے فارغ ہوکر ۱۸ر ذی قعدہ کو رات کے وقت آپ ﷺ جعرانہ سے مکہ مکرمہ عمرہ کے ارادہ سے احرام باندھ کر روانہ ہوئے۔ عمرہ کی ادائیگی کے بعد سیدنا عتاب بن اُسید رضی اللہ عنہ کو مکہ مکرمہ کا گورنر مقرر فرمایا اور سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو تعلیم دین کے لیے ان کے پاس چھوڑا۔ اور دو ماہ سولہ روز کے بعد ۲۷ر ذی قعدہ کو آپ ﷺ قدوسی نفس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ واپس مدینہ طیبہ پہنچے۔ (زرقانی: ۳/۴۱)

فتح مکہ کے بعد لوگ جوق در جوق اسلام میں داخل ہونے لگے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جلد ہی تمام جزیرۃ العرب اسلامی قلمرو میں داخل ہوگیا۔

Marfat.com

سنہ ۹ھ

عمال کی روانگی:

غزوۂ طائف سے فراغت کے بعد ذی قعدہ سنہ ۸ھ میں آپ واپس مدینہ تشریف لائے اور ایک ماہ آپ ﷺ نے مدینہ منورہ میں قیام فرمایا۔ جونہی سنہ ۹ھ کا ہلال مطلع مغرب پر طلوع ہوا آپ ﷺ نے مختلف قبائل کی طرف اپنے عمال کو صدقات وزکوٰۃ کی وصولی کے لیے روانہ فرمایا۔

سریہ علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب:

ربیع الاول سنہ ۹ھ میں آپ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو ڈیڑھ سو یا دوسو آدمیوں کی معیت میں قبیلہ طے کے ایک بت ''فلس'' نامی کو ڈھانے کے لیے بھیجا۔ اسلامی لشکر نے آخر شب میں حاتم طائی کے محلہ پر دھاوا بول کر بت فلس کو منہدم کر دیا۔ فلس کے خزانہ سے مسلمانوں کو دو تلواریں بھی ملیں۔ حاتم طائی کے بیٹے عدی تو ملک شام بھاگ گئے البتہ اس کی لڑکی سفانہ قیدی بنا کر مدینہ لائی گئی۔ مال غنیمت تو خمس نکال کر راستہ ہی میں تقسیم کر لیا گیا۔ قیدیوں کو مسجد نبوی ﷺ کے قریب حظیرہ میں اتار دیا گیا۔ رسول اللہ ﷺ جب ادھر سے گزرے تو حاتم طائی کی بیٹی سفانہ نے کھڑے ہو کر عرض کیا: ''یا رسول اللہ ﷺ! باپ تو فوت ہو گیا اور جو ہمارا خبر گیر (عدی بن حاتم طائی) تھا، وہ فرار ہو گیا۔ میں سن رسیدہ ہوں۔ خدمت کرنے کی طاقت نہیں، لہٰذا احسان فرمایئے اللہ آپؐ پر احسان کرے گا۔'' آپؐ نے اس کی اس رحم کی اپیل پر پوچھا: ''تمھارا خبر گیر کون تھا؟'' عرض کی: ''میرا بھائی عدی بن حاتم۔'' دوسرے روز آپ ﷺ جب پھر وہاں سے گزرے تو سفانہ نے پھر وہی بات دہرائی۔ آپؐ نے فرمایا: ''میں تجھ پر احسان کرتا ہوں، لیکن تم جانے میں جلدی مت کرو کیونکہ میں چاہتا ہوں کہ تمھاری قوم کا کوئی قابل اعتماد شخص مل جائے تو اس کے ساتھ تمھیں واپس بھیج دوں۔ چنانچہ دو تین روز کے بعد بنو طے کے کچھ آدمی مل گئے۔ آپؐ نے سفانہ کو ان کے حوالے کر دیا۔ اس نے سواری کا سوال کیا تو آپ ﷺ نے سواری اور کچھ جوڑے دے کر رخصت کیا۔ سفانہ آپؐ کے اس احسان کے باعث اسی وقت مشرف بہ اسلام ہو گئیں۔

Marfat.com

سفانہ واپس جا کر اپنے بھائی عدی بن حاتم کے پاس ملک شام گئیں اور اپنے بھائی کو رسول اللہ ﷺ کے اوصاف حمیدہ اور خصائل پسندیدہ کا تفصیل سے تذکرہ کیا۔ بہن کے منہ سے یہ باتیں سن کر عدی بن حاتم کسی امان یا تحریر کے بغیر آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنا تعارف کرایا۔ آپؐ نے ان کی بڑی عزت افزائی کی۔ اپنے گھر لے گئے جب وہ سامنے بیٹھے تو آپؐ نے فرمایا: ''عدی! تم کس چیز سے بھاگ رہے ہو؟'' کچھ دیر عدی کی آپؐ سے گفتگو ہوئی۔ اس کے بعد آپؐ نے فرمایا: ''کیا تم اللہ اکبر کہنے سے گھبراتے ہو؟'' کیا اللہ سے بڑی کوئی شئے ہے؟'' انھوں نے جواب دیا: ''نہیں۔'' انھوں نے کہا: ''میں یک رخا مسلمان ہوں۔'' یہ سن کر سرکار دو عالم ﷺ کا چہرہ فرط انبساط سے کھل اٹھا۔ اس کے بعد وہ صبح و شام آپؐ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوتے رہے۔''

(زرقانی: ۳/۵۲، زادالمعاد: ۲/۲۰۵، سیرۃ ابن ہشام: ۲/۵۷۸)

کعب رضی اللہ عنہ بن زہیر کا قبول اسلام:

کعب بن زہیر ایک شاعر تھا اور وہ دوسرے شعراء کی طرح مکہ میں آپ کی ہجو کیا کرتا تھا۔ اس زمانے میں شعراء میڈیا کا کام دیتے تھے۔ فتح مکہ کے موقع پر جن لوگوں کو آپ ﷺ نے اشتہاری قرار دیا تھا، کعب بن زہیر بھی ان میں سے ایک تھا۔ چنانچہ وہ اور اس کا بھائی بجیر دونوں مکہ سے بھاگ گئے۔ اب جب ان دونوں نے دیکھا کہ قریش کے بڑے بڑے رؤساء آپؐ کے سامنے سرنگوں ہو گئے تو بجیر نے کعب کو خط لکھا کہ وہ فوراً آپؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر معافی نامہ پیش کر دے۔ اس خط کا کعب بن زہیر پر ایک خاص اثر ہوا، اور اس نے اسی وقت ایک مدحیہ قصیدہ لکھا اور مدینہ روانہ ہو گیا۔ فجر کی نماز کے بعد آپؐ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر عرض کی کہ اگر کعب بن زہیر تائب ہو کر حاضر خدمت ہو تو کیا وہ امان کا حق دار ہے۔ آپؐ نے فرمایا: ''ہاں۔'' کعب فوراً بول اٹھا: ''اے اللہ کے رسول ﷺ! وہ نابکار میں ہی ہوں۔ میں آپؐ کے ہاتھ پر اسلام قبول کرتا ہوں۔ کعب فوری طور پر اٹھے اور آپؐ کی اعلیٰ اور ارفع شان میں وہ قصیدہ پڑھا جس کا مطلع ہے

بانت سعاد و قلبی الیوم مبتول
متیم اثرھا لم یکد مکبول

جب اس شعر پر پہنچے:

ان الرسول سیف یستضاء بہ
مھند من سیوف اللہ مسلول

تو آپؐ نے اس وقت اپنی یمنی چادر اتار کر کعب رضی اللہ عنہ کو مرحمت فرما دی۔

(زرقانی: ۳/۵۴، عیون الاثر: ۲/۲۸۰)

Marfat.com

غزوۂ تبوک

فتح مکہ کے بعد مسلمانوں کا جزیرہ نما عرب میں دور دور تک طنطنہ اور دبدبہ لوگوں کے دلوں میں بیٹھ گیا۔ مسلمانوں کی اس بڑھتی ہوئی طاقت سے عیسائی دنیا بھی خائف ہونے لگی۔ پھر جنگ موتہ میں بھی مسلمانوں کی مڈبھیڑ ہو چکی تھی اور قیصر روم کو پتہ چل گیا تھا کہ مسلمانوں میں کتنا دم خم ہے۔ مسلمانوں کی تین ہزار فوج دو لاکھ رومیوں کے مقابلے میں اپنی بہادری کا لوہا منوا چکی تھی۔ مسلمانوں کی اس بہادری نے عرب قبائل کو جو قیصر روم کے زیر اثر تھے، بہت متاثر کیا۔ چنانچہ وہ مسلمانوں کی ہم نوائی اور قیصر روم سے آزادی کے ترانے گانے لگے۔ قیصر روم نے سوچا کہ مسلمانوں کی قوت کو نا قابل شکست خطرے کی صورت اختیار کرنے سے پہلے ہی کچھ اس طرح کچل دیا جائے کہ ان کو پھر کبھی سر اٹھانے کا موقع نہ ملے۔ چنانچہ اس نے عیسائیوں اور رومیوں پر مشتمل فوج کی فراہمی شروع کر دی اور ایک فیصلہ کن جنگ کی تیاری میں مصروف ہو گیا۔ ایک عیسائی خاندان جو رومیوں کے زیر اثر حکومت کر رہا تھا قیصر نے اسی کو اس مہم پر لگایا، مدینہ میں قیصر کی ان تیاریوں کی خبریں پہنچ رہی تھیں، اس وجہ سے مسلمانوں کو حملہ کا ہر وقت کھٹکا لگا رہتا تھا۔ اسی زمانے میں شام کے نبطی سوداگر مدینہ میں روغن زیتون فروخت کرنے آئے۔ انھوں نے بتایا کہ رومیوں نے شام میں ایک لشکر جرار جمع کیا ہے اور فوج کو سال بھر کی تنخواہیں تقسیم کر دی ہیں۔ اس فوج میں لخم، جذام اور غسان کے تمام قبائل بھی شامل ہیں اور ان کا ہراول دستہ بلقاء تک آ گیا ہے۔ (زرقانی: ۳/۷۲، طبقات ابن سعد: ۲/۱۱۹)

ان اطلاعات نے مسلمانوں میں ایک ہلچل پیدا کر دی۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے بھی مسلمانوں کو تیاری کا حکم دیا اور اس بات کا تہیہ کر لیا کہ رومیوں اور عیسائیوں پر ایسی کاری ضرب لگائی جائے جس کے بعد وہ پھر کبھی مسلمانوں کے سامنے آنے کی ہمت اور جرأت نہ کر سکیں لیکن موسم کی وجہ سے صورت حال کی نزاکت میں مزید اضافہ ہو گیا۔ موسم کا یہ حال تھا کہ گویا دوزخ نے منہ کھول رکھا ہے۔ دشت و جبل کرۂ نار بنے ہوئے تھے۔ اور دوسری بات یہ کہ لوگ تنگی اور قحط سالی کی ابتلاء سے دوچار تھے۔ فصلیں اور پھل پکے ہوئے تھے۔ گھروں میں غلہ نہیں تھا۔ ایک عجیب معاشی تنگی کا عالم تھا۔ پھر مسافت بہت طویل تھی جس کے لیے ہمت کے ساتھ زاد راہ اور پانی کی اشد ضرورت تھی۔

Marfat.com

سرکار دو عالم ﷺ کے پیش نظر یہ سب نزاکتیں تھیں۔ آپؐ نہایت ژرف نگاہی سے حالات کی کروٹوں اور زیر و بم کا مطالعہ فرما رہے تھے، لیکن آپؐ کی ماہرانہ دور اندیشی اور پیش بینی بتا رہی تھی کہ اگر ان فیصلہ کن حالات میں رومیوں سے جنگ کرنے میں سستی سے کام لیا اور رومیوں کو اسلامی مملکت کے علاقوں پر حملہ کرنے کا موقع دیا گیا تو اسلامی دعوت پر اس کے نہایت برے اثرات پڑیں گے۔ لہٰذا آپؐ نے دشمن کے خلاف پیش قدمی کی پلاننگ کر لی اور دشمن کی حدود میں گھس کر فیصلہ کن جنگ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

اب آپؐ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تیاری کا حکم فرمایا۔ اب کی دفعہ آپؐ نے منزل مقصود بھی بتا دی جب کہ اس سے قبل کبھی نہیں بتائی تھی تا کہ مسلمان منزل کی طوالت کو ذہن میں رکھ کر تیاری کریں۔ علاوہ ازیں ملک میں چاروں طرف قاصد دوڑائے تا کہ زیادہ سے زیادہ لوگ اکٹھے ہو جائیں اور دشمن پر بھرپور حملہ کیا جا سکے۔ اگرچہ موسم شدید گرمی کا تھا، معاشی حالات نہایت تنگ دستی کے تھے، بے آب و گیاہ صحرا کی طویل مسافتیں طے کرنا تھیں، دشمن ہر لحاظ سے نہایت قوی تھا، لیکن مسلمانوں کے اللہ پر ایمان اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ والہانہ محبت نے ان کے جذبۂ شوق میں ایسا تلاطم پیدا کر دیا کہ صحرا اپنی وسعت کے باوجود ان کی کثرت کے سامنے تنگ ہو گیا۔ مسلمان مسلح ہو کر چمکتی ہوئی زرہیں پہنے اس انداز سے نکلے کہ چشم آفتاب نے اتنے اللہ والے اس طرح اللہ کی راہ میں اس سے قبل نکلتے نہیں دیکھتے تھے۔ اور ان کے طمطراق کی خبر سن کر غنیم میں مقابلے کی ہمت نہ رہی اور دنیا نے دیکھا کہ ایسے بہادروں اور جانبازوں کے سامنے منزل کی صعوبت، گرمی کی شدت، بھوک اور پیاس کی دقت اور حالات کی عسرت گرد راہ ہو کر رہ گئی۔ جنگ کی تیاری کا اعلان سن کر چاروں طرف سے قبیلے مدینہ میں اترنا شروع ہو گئے۔ لوگوں کا ایک تانتا لگ گیا۔ مدینہ کا شہر اور اس کے میدان مجاہدین کی وجہ سے تنگ ہو گئے۔ وہ لوگ جن کو سواریاں نہ ملیں ان کی آنکھوں سے اس جنگ میں شرکت کی محرومی کے باعث آنسو رواں ہو جاتے۔ چنانچہ قرآن حکیم نے بھی اس کیفیت کو بیان کیا ہے۔ (توبہ ۹:۹۲)

مدینہ منورہ میں منافقین کا ایک گروہ بھی تھا جو فقہ کا لمسٹ کا کردار ادا کر رہا تھا۔ اندرونی طور پر اس کا دشمن سے رابطہ تھا لیکن وہ مسلمانوں کو بھی ناراض نہیں کرنا چاہتے تھے۔ چنانچہ انھوں نے جنگ میں نہ جانے کے لیے حیلے بہانے تراشنے شروع کر دیئے۔ وہ باہم سرگوشیاں کرنے لگے کہ اس شدید گرمی میں اتنی طویل مسافت پر جہاد کے لیے جانا ایک مذاق ہے۔ وہ دوسرے مسلمانوں کو بھی بہکانے لگے کہ ﴿لَا تَنْفِرُوْا فِی الْحَرِّ﴾ (توبہ ۹:۸۱) گرمی میں گھر سے نہ نکلنا۔

چندے کی اپیل:

لوگ تو ہزاروں کی تعداد میں جنگ میں جانے کے لیے اکٹھے ہو گئے لیکن اس جیش کے لیے مال و اسباب کی فراہمی بھی ایک بہت بڑا مسئلہ تھا۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ کی تحریک پر سب سے پہلے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے

Marfat.com

کل مال چندے میں دے دیا۔ آپؐ نے پوچھا: ''ابوبکر رضی اللہ عنہ! اہل وعیال کے لیے کیا چھوڑ کر آئے؟ عرض کی ''صرف اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو۔'' سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنا نصف مال چندہ میں دیا، سیدنا عبدالرحمٰن نے ۲۹ کلو چاندی لا کر پیش کر دی۔ سیدنا عاصم بن عدی رضی اللہ عنہ نے نوے وسق (ساڑھے تیرہ ہزار کلو) کھجور لا کر پیش کی۔ (زرقانی:۳/۶۴)

پھر نگاہِ نبوت سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی طرف اٹھی۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے ملک شام کے لیے ایک قافلہ تیار کیا ہوا تھا جس میں پالان اور کجاوے سمیت دو سو اونٹ تھے اور ساڑھے انیس کلو چاندی تھی۔ آپ رضی اللہ عنہ نے یہ سب کچھ چندہ میں پیش کر دیا۔ اس کے بعد پھر ایک سو اونٹ پالان اور کجاوے سمیت پیش کیے۔ اس کے بعد ایک ہزار دینار یعنی ساڑھے پانچ کلو سونا لے آئے اور اسے آغوش نبوت میں ڈال دیا۔ آپؐ خوشی سے ان دیناروں کو اچھالتے جاتے اور فرماتے جاتے تھے کہ ''آج کے بعد عثمان رضی اللہ عنہ کو کوئی ضرر نہیں پہنچے گا۔'' اس کے بعد سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے پھر دیا اور پھر اور پیش کیا یہاں تک کہ ان کے چندہ کی مقدار نقدی کے علاوہ نو سو اونٹ اور ایک سو گھوڑوں تک جا پہنچی۔ (فتح الباری:۷/۴۴)

ان کے علاوہ دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی بہت کچھ دیا اور کسی نے بھی اس بارے میں بخل سے کام نہ لیا۔ لیکن پھر بھی اتنے بڑے لشکر کی سواری اور زادراہ کا پورا سامان مہیا نہ ہو سکا۔ چنانچہ نادار صحابہ کرام رضی اللہ عنہ سواری نہ ہونے کے باعث روتے ہوئے واپس جاتے۔ (زرقانی:۳/۶۶، عیون الاثر:۲/۲۹۳، سیرۃ ابن ہشام:۲/۵۱۸)

جو لوگ سواری نہ ہونے کی وجہ سے جنگ میں نہ جا سکے اور حسرت میں رونے لگے ان کا لقب ہی ''البکاؤن'' پڑ گیا۔ (عیون الاثر:۲/۲۹۳)

مدینہ کا انتظام آپ ﷺ نے محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ (ایک روایت کے مطابق سیدنا سباع بن عرفطہ رضی اللہ عنہ) کے سپرد کر کے لشکر گاہ میں تشریف لے گئے اور جاتے ہی رئیس المنافقین اور اس کے ساتھیوں کو لشکر سے نکال باہر کیا۔ (عیون الاثر:۲/۲۹۳)

پھر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو اہل وعیال کی دیکھ بھال کے لیے مدینہ میں رہنے کا حکم فرمایا، اور فرمایا کہ تو اس پر راضی نہیں کہ تجھ کو مجھ سے وہی نسبت ہے جو ہارون علیہ السلام کو موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ تھی لیکن میرے بعد کوئی نبی نہیں۔

کوچ کا نقارا بجنے کے ساتھ ہی لشکر میں حرکت پیدا ہوئی۔ ذرا دیر میں ہر طرف گرد وغبار اڑ رہا تھا۔ گھوڑوں کی ہنہناہٹ نے فضا میں ارتعاش پیدا کر دیا۔ اس میں تیس ہزار مردان جنگ تھے۔ اس سے بڑا لشکر اس سے پہلے کبھی دشمن کے مقابلے میں نہ گیا تھا۔ اٹھارہ اٹھارہ آدمیوں کے لیے ایک ایک اونٹ تھا جس پر وہ باری باری سوار ہوتے تھے۔ مال واسباب اور زادراہ کی تنگی کی وجہ سے اس کا نام ''جیش العسرۃ'' یعنی تنگی کا لشکر پڑ گیا۔ لیکن اتنی تنگی کے باوجود بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جہاد وشہادت کے جذبہ کی وجہ سے نہایت خوشی ومسرت کے ساتھ اس ہادی برحق ﷺ کی معیت میں راستہ کی صعوبتیں برداشت کرنے لگے۔

Marfat.com

کچھ لوگ ایسے بھی تھے جنھوں نے سایے اور عیش و تنعم کو ایمان اور رضائے الٰہی پر ترجیح دی اور اس اہم اور عظیم سفر پر نہ گئے۔ سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ السابقون الاولون میں سے تھے۔ ان کا اونٹ لاغر اور کمزور تھا۔ اس لیے یہ خیال ہوا کہ دو چار روز میں یہ اونٹ کھا پی کر چلنے کے قابل ہو جائے گا اس وقت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے جا ملوں گا لیکن اونٹ دو چار روز میں چلنے کے قابل نہ ہوا۔ جب اس سے ناامید ہو گئے تو اپنا سامان اپنی پشت پر لادا اور پیادہ پا آپؐ کے پیچھے روانہ ہو گئے۔ اسی طرح تن تنہا تبوک پہنچے آپؐ نے انھیں دور سے اکیلا آتے ہوئے دیکھ کر فرمایا: ''اللہ ابوذر پر رحم فرمائے، اکیلا چلا آ رہا ہے، اکیلا ہی مرے گا اور اکیلا ہی اٹھایا جائے گا۔''

ان کے علاوہ کچھ اور لوگ بھی تھے جو پیچھے رہ گئے تھے۔ ان میں تین تو خالص مومن تھے اور باقی وہ لوگ تھے جن کے دلوں میں نفاق تھا۔ جو مومن خالص تھے وہ کعب بن مالک رضی اللہ عنہ، مرارہ بن ربیع رضی اللہ عنہ اور ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ تھے۔

تبوک روانگی:

تبوک جاتے ہوئے راستہ میں کئی وادیوں سے آپؐ کا گزر ہوا۔ وادیٔ حجر سے بھی آپؐ گزرے جہاں قوم ثمود پر اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل ہوا تھا۔ آپؐ نے وہاں سے صحابہ کو پانی پینے سے بھی منع فرمایا، آپؐ وہاں سے گزرے تو اس درجہ متاثر ہوئے کہ چہرہ مبارک پر نقاب لٹکا لیا اور ناقہ کو تیز کر دیا۔

(زرقانی: ۳/۷۳، فتح الباری: ۶/۲۶۸)

پانی نہ ملنے کی وجہ سے راستے میں سخت دشواری ہو رہی تھی۔ مسلمان کچھ خوف زدہ تھے کہ اتنا طویل سفر پانی کے بغیر کیسے طے ہوگا۔ چنانچہ آپؐ کی خدمت میں پانی نہ ملنے کی شکایت کی گئی۔ آپؐ نے دعا فرمائی۔ دیکھتے ہی دیکھتے بادل کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا آسمان کی بلندیوں پر ظاہر ہوا اور چشم زدن میں جل تھل کرتا ہوا نظروں سے غائب ہو گیا۔ لشکر نے پیٹ بھر کر پانی پیا اور راستہ کے لیے چھاگلیں بھر لیں۔

تبوک پہنچنے سے ایک روز قبل آپؐ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو فرمایا: کل چاشت کے وقت تم تبوک کے چشمہ پر پہنچ جاؤ گے، لہٰذا تم میں سے کوئی شخص میرے پہنچنے سے قبل اس چشمہ سے پانی نہ لے۔ سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہمارے پہنچنے سے قبل دو آدمی وہاں پہنچ چکے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے دریافت فرمایا کہ کیا تم نے اس چشمہ کے پانی کو ہاتھ لگایا ہے؟ انھوں نے جواب دیا: ''ہاں۔'' آپؐ نے ان دونوں سے کچھ فرمایا۔ چشمہ سے تھوڑا تھوڑا پانی آ رہا تھا۔ چشمہ سے کچھ پانی ایک برتن میں جمع کیا گیا۔ آپؐ نے اس میں اپنا منہ ہاتھ دھویا، پھر وہ پانی اسی چشمہ میں ڈال دیا۔ پانی ڈالنا تھا کہ اس چشمہ سے نہایت تیزی کے ساتھ پانی ابلنے لگا جس سے تمام لشکر سیراب ہو گیا۔ پھر آپؐ نے سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا: ''معاذ رضی اللہ عنہ! اگر تو زندہ رہا تو اس مقام کو باغات سے سرسبز و شاداب دیکھے گا۔ (مسلم: ۲/۲۴۶)

Marfat.com

محمد ابن اسحاق کا بیان ہے کہ آج تک وہ چشمہ فوارہ کی طرح جاری ہے اور دور سے اس کی آواز سنائی دیتی ہے۔(خصائص کبریٰ:۱/۲۷۳)

تبوک پہنچ کر آپؐ نے بیس روز قیام فرمایا۔ان بیس دنوں میں آپ ﷺ نے دشمن کا انتظار کیا لیکن آپؐ کے آنے سے دشمن کچھ اس طرح مرعوب ہوگیا کہ اس کو مقابلے میں آنے کی سکت نہ رہی۔آپؐ کی اس پیش قدمی کے اثرات بہت اچھے پڑے۔آپؐ کو اطلاع موصول ہوئی کہ عیسائیوں کا جو لشکر سرحد پر پڑا ہوا تھا اسے شام میں واپس لے جایا گیا ہے۔دشمن کی اس گریز پائی سے آپؐ نے اس کے خوف وہراس کا اندازہ لگالیا۔

اس سرحد پر ایلہ کے حاکم یوحنا بن رؤیہ کی حکومت تھی۔آپ ﷺ نے اسے بذریعہ سفیر پیغام بھیجا کہ اگر ہماری اطاعت منظور ہے تو درست وگرنہ جنگ کے لیے تیار ہوجاؤ۔یوحنا نے خود بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوکر جزیہ دینا منظور کرلیا۔اسی طرح جرباء اور اذرح کے حکمرانوں نے بھی آپ ﷺ کی اطاعت میں سر جھکا دیئے۔ان تینوں سے ایک معاہدہ ہوگیا۔

تبوک کے اسی قیام کے دوران آپؐ نے سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو پانچ سو سواروں کا دستہ دے کر دومۃ الجندل کے حاکم اکیدر کے پاس بھیجا کیونکہ اس عیسائی حاکم سے اندیشہ تھا کہ وہ کسی وقت سر نہ اٹھائے۔آپؐ نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی روانگی کے وقت فرمایا کہ تم اسے نیل گائے کا شکار کھیلتا ہوا پاؤ گے۔اس کو قتل نہ کرنا بلکہ گرفتار کر کے میرے پاس لے آنا۔خالد رضی اللہ عنہ اپنے دستہ کے ساتھ کچھ اس انداز سے گئے کہ اکیدر کو ان کے آنے کی کانوں کان خبر نہ ہوئی۔گرمی کا موسم تھا۔اکیدر نے اس رات کی چاندنی کو غنیمت سمجھ کر اپنے بھائی حسان کو ساتھ لیا اور دونوں نیل گائے کے شکار کے لیے قلعہ سے باہر نکل کھڑے ہوئے۔ابھی تھوڑی ہی دور گئے تھے کہ خالد رضی اللہ عنہ اور ان کے دستہ نے ان کو جالیا۔اکیدر کے بھائی حسان نے مقابلہ کیا اور وہ مارا گیا اور اکیدر کی جان بخشی اس شرط پر کی گئی کہ وہ ہمارے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو اور مسلمانوں کے لیے شہر کے دروازے کھول دے۔یہاں سے بہت سا مال غنیمت ملا۔اونٹ دو ہزار، بکری ۸۴۰۰، گھوڑے آٹھ سو، زرہیں چار سو، گندم چار سو وسق، سیدنا خالد رضی اللہ عنہ اکیدر کو اپنے ساتھ لے کر بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوئے۔اکیدر حاضر خدمت ہوتے ہی مسلمان ہوگیا اور بدستور اپنے علاقے کا حکمران رہا لیکن بعد میں وہ مرتد ہوگیا۔(عیون الاثر:۲/۲۹۸)

واپسی:

تبوک میں بیس روز قیام کے بعد آپؐ مدینہ منورہ واپس ہوئے۔جب آپ مقام ذی آوان پہنچے جو مدینہ سے ملحقہ ایک بستی ہے تو آپؐ نے مالک بن دخشم رضی اللہ عنہ اور معن بن عدی رضی اللہ عنہ کو مسجد ضرار کو جلانے اور منہدم کرنے کے لیے آگے بھیجا۔یہ مسجد منافقین نے رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کے خلاف مشورے کرنے اور تفریق بین المومنین کے لیے بنائی تھی۔جب آپ ﷺ سفر تبوک پر تشریف لے جارہے تھے تو منافقین نے آکر

Marfat.com

آپؐ سے درخواست کی کہ ہم نے بیماروں اور معذوروں کے لیے ایک مسجد بنائی ہے۔ آپؐ اس میں پہلی نماز تبرک کے طور پر پڑھا کر اس کا افتتاح فرما دیجیے۔ آپ ﷺ نے اس معاملہ کو واپسی پر ملتوی کر دیا۔ جبرئیل نے آپؐ کو مسجد کی اصل حقیقت بتائی اور نماز پڑھنے سے منع کر دیا، لہٰذا آپؐ نے اس مسجد کو مسمار کرا دیا۔

جب آپؐ مدینہ کے قریب پہنچے اور مدینہ کے در و دیوار پر آپؐ کی نگاہ پڑی تو فرمایا: ''یہ طابہ ہے اور یہ پہاڑ احد ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اسے محبت کرتے ہیں۔ مدینہ میں آپؐ کی آمد پر آپؐ کا اور آپؐ کے مظفر و منصور لشکر کا زبردست استقبال کیا گیا، اور مدینہ کی عورتیں اور بچے نغمے گنگناتے ہوئے آپؐ کے استقبال کے لیے گھروں سے باہر نکل آئے۔

طلع البدر علینا — من ثنیات الوداع
وجب الشکر علینا — ما دعا للہ داع

یعنی ہم پر ثنیۃ الوداع سے چودھویں کا چاند طلوع ہوا ہے۔ جب تک پکارنے والا اللہ کو پکارے ہم پر اس کا شکر واجب ہے۔

یہ آپؐ کا آخری غزوہ ہے جس میں آپ ﷺ نے شرکت فرمائی۔ اس کے بعد آپؐ انتقال تک مدینہ ہی میں رہے۔

مخلفین (پیچھے رہ جانے والے):

جو منافقین اس غزوہ سے پیچھے رہ گئے تھے، انھوں نے مختلف عذر اور بہانے پیش کیے۔ کئی لوگوں نے معذرت کی اور قسمیں کھائیں۔ آپؐ نے ان کے ظاہری بہانوں کو قبول کرتے ہوئے ان کی معذرت قبول کر لی۔ تین سچے مومن بھی پیچھے رہ گئے تھے۔ وہ بھی آئے ہوئے تھے۔ کعب رضی اللہ عنہ بن مالک، مرارہ بن ربیع اور ہلال بن امیہ۔ ان تینوں نے کوئی عذر پیش نہیں کیا۔ آپؐ نے ان کے بارے میں فرمایا کہ یہ اللہ کے فیصلے کا انتظار کریں اور مسلمانوں کو ان کے سوشل بائیکاٹ کا حکم فرمایا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سب نے ان سے منہ پھیر لیا۔ دوسرے دو صحابہ تو گھروں میں بیٹھ گئے لیکن کعب بن مالک رضی اللہ عنہ روزانہ گھر سے نکلتے اور مسجد میں جماعت میں شریک ہوتے۔ اکثر ایسا ہوتا کہ نماز کے بعد وہ سرکار دو عالم ﷺ کے قریب جا کر سلام عرض کرتے اور پھر دیکھتے کہ جواب میں آپ کے لبوں کو حرکت ہوتی ہے یا نہیں؟ آپؐ گوشۂ چشم سے کبھی کبھی کعب کو دیکھ لیتے۔ ان پر میری نگاہ حسرت سے اٹھتی تو چہرۂ مبارک پھر جاتا۔ چالیس روز گزرے تو مزید حکم صادر ہوا کہ ''اپنی عورتوں کے قریب نہ جائیں۔'' پچاس دن پورے ہوئے تو اللہ نے ان کی توبہ قبول فرمائی۔ سیدنا کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''جب پچاس روز پورے ہو گئے تو صبح کے وقت میں اپنے مکان کی چھت پر نماز پڑھ کر بیٹھا ہوا تھا اور ٹھیک ٹھیک وہی حالت تھی جس کی تصویر اللہ نے اپنے کلام میں کھینچی ہے کہ زندگی سے تنگ آ گیا تھا اور خدا کی زمین اپنی تمام وسعتوں کے باوجود مجھ پر تنگ

Marfat.com

کردی گئی تھی۔اچانک سنتا ہوں کہ کوئی شخص کوہِ سلع سے پکار کر کہہ رہا ہے:

''کعب رضی اللہ عنہ بن مالک مبارک ہو تمھاری توبہ قبول ہوگئی ۔

چہ مبارک سحرے بود وچہ فرخندہ شبے
آں شب قدر کہ ایں تازہ براتم دارند

لوگ جوق در جوق مجھے مبارک باد دینے کے لیے دوڑے۔میں مسجد نبوی ﷺ میں حاضر ہوا، دیکھا کہ سرکار دو عالم ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حلقہ میں شریک ہیں۔آپ ﷺ کا چہرہ خوشی سے تمتما رہا تھا۔آپؐ نے مجھے دیکھ کر فرمایا: ''کعب بشارت ہو، آج کا دن تمھاری زندگی کا سب سے بہترین دن ہے۔'' کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے سارا مال اللہ کے رستہ میں صدقہ کرنا چاہا لیکن آپ ﷺ نے منظور نہ کیا۔پھر میں نے عرض کی کہ میرا جو حصہ خیبر میں ہے وہ اللہ کے راستہ میں صدقہ کرتا ہوں۔آپؐ نے منظور فرما لیا، میں نے عرض کی: ''یا رسول اللہ ﷺ! اللہ نے میری سچائی کے باعث میری توبہ کو قبولیت بخشی ہے لہٰذا میں مرتے دم تک سوائے سچ کے کوئی بات نہیں کروں گا۔'' (بخاری:۲/۶۳۳، فتح الباری:۸/۸۶، عیون الاثر:۲/۳۰۱۔۳۰۵)

ابوبکر رضی اللہ عنہ پہلے امیر الحج:

ذی قعدہ سنہ ۸ھ میں سرکار دو عالم ﷺ نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو امیر حج مقرر فرما کر مکہ مکرمہ روانہ فرمایا۔ مدینہ منورہ سے تین سو آدمی آپ کے ساتھ تھے اور بیس اونٹ قربانی کے لیے تھے۔صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی روانگی کے بعد سورۃ توبہ کا ابتدائی حصہ نازل ہوا جس میں مشرکین سے کیے گئے عہد و پیمان کو برابری کی بنیاد پر ختم کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔اس حکم کے آنے کے بعد آپ ﷺ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پیچھے روانہ کیا تا کہ وہ آپؐ کی جانب سے اس کا اعلان کر دیں۔سیدنا علی رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کی ناقہ عضباء پر سوار ہو کر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پیچھے گئے۔سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پوچھا آپ امیر ہو کر آئے ہیں یا مامور ہو کر۔سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے کہا: ''مامور ہو کر آیا ہوں۔'' پھر یہ دونوں حضرات آگے بڑھے۔سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو حج کرایا۔۔۱۰ ذی الحجہ کو قربانی کا دن آیا تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے جمرۂ عقبہ کے قریب کھڑے ہو کر لوگوں میں وہ اعلان کیا جس کے لیے آپؐ نے انھیں بھیجا تھا۔چنانچہ یوم النحر میں یہ اعلان کر دیا گیا کہ:

① جنت میں کوئی کافر داخل نہیں ہو سکے گا۔
② آئندہ سال کوئی مشرک حج کرنے نہیں آئے گا۔
③ اور نہ کوئی برہنہ شخص بیت اللہ کا طواف کر سکے گا۔
④ اور جس کا جو عہد سرور کائنات ﷺ کے ساتھ ہے وہ اس کی مدت تک پورا کر دیا جائے گا اور جس سے کوئی عہد نہیں یا عہد بلا میعاد کے ہے تو اس کے لیے چار ماہ کا امن ہے۔اگر وہ اس مدت میں مسلمان نہ

Marfat.com

ہوا تو چار ماہ کے بعد جہاں پایا جائے گا قتل کر دیا جائے گا۔

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت کو بھیج کر ان باتوں کا اعلان عام کرایا۔ آپ کی طرف سے یہ اعلان گویا جزیرہ نما عرب میں بت پرستی کے خاتمے کا اعلان تھا۔

(ملاحظہ ہو بخاری: ۱/۲۲۰، ۴۵۱، ۲/۶۲۶، ۶۷۱، زرقانی: ۳/۸۹، فتح الباری: ۸/۶۵، زاد المعاد: ۲/۲۵)

اسی سال شعبان میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا زوجہ سیدنا عثمان بن عفان کا انتقال ہوا۔ اسی سال سود کی حرمت نازل ہوئی۔ اسی سال جزیہ کا حکم نازل ہوا۔

Marfat.com

عام الوفود

قریش کے سیدنا اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے ہونے اور کعبہ کے متولی ہونے کی وجہ سے جزیرۂ نمائے عرب کے تمام لوگ انھیں عزت واحترام کی نگاہ سے دیکھتے تھے، لیکن افسوس یہ ہے کہ وہ اپنے ہی شہر اور قبیلہ کے پیغمبر کی مخالفت اور عداوت پر کمر بستہ ہوئے۔ تمام قبائل کی نظریں ان پر لگی ہوئی تھیں۔ ان قبائل کا خیال تھا کہ اگر قریش نے اسلام قبول کرلیا تو پھر اس کے قبول کرنے میں ہمیں بھی کوئی اعتراض نہیں ہوگا، لیکن فتح مکہ کے بعد تمام عرب کو معلوم ہوگیا کہ دین اسلام واقعی اللہ کا دین ہے۔ وگرنہ قریش جیسا بڑا قبیلہ اتنی جنگیں لڑنے کے باوجود کبھی بھی ان کے آگے ہتھیار نہ ڈالتا۔ چنانچہ فتح کے بعد ہر طرف سے وفود بارگاہِ رسالت ﷺ میں حاضر ہونا شروع ہو گئے اور ہر جانب سے سفارتیں آنے لگیں۔ سیدنا عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ ایک چشمہ پر آباد تھے جو لوگوں کی گزرگاہ پر واقع تھا۔ ہمارے اس راستہ سے ہر روز قافلے گزرتے رہتے تھے اور ہم ان سے پوچھتے رہتے کہ اس آدمی یعنی سرکار دو عالم ﷺ کا کیا حال ہے۔ لوگ کہتے کہ اس نے نبوت کا دعویٰ کیا ہوا ہے اور وہ کہتا ہے کہ اللہ کی وحی اس کے پاس آتی ہے اور عرب کے لوگ حلقہ بگوش اسلام ہونے کے لیے فتح مکہ کا انتظار کر رہے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر وہ اپنی قوم پر غالب آ گیا تو پھر سچا نبی ﷺ ہے۔ چنانچہ جب مکہ فتح ہوا تو ہر قوم نے اپنے اسلام کے ساتھ مدینہ کی جانب پیش رفت کی اور میرے والد بھی اپنی قوم کے ساتھ اسلام لانے کے لیے تشریف لے گئے۔ (بخاری: ۲/ ۶۱۵ ملخصاً)

چنانچہ سنہ ۹ھ اور سنہ ۱۰ھ میں مدینہ منورہ میں وفود کا تانتا لگ گیا۔ فتح مکہ میں اگر ۱۰ ہزار مسلمان تھے تو جنگ تبوک میں تیس ہزار اور حجۃ الوداع میں ایک لاکھ چوبیس ہزار کے قریب، یعنی اتنی تیز رفتاری کے ساتھ لوگ اسلام میں داخل ہونا شروع ہوگئے، حافظ مغلطائی نے ان وفود کی تعداد ستر (۷۰) بتائی ہے جب کہ بعض نے تو اس سے بھی زیادہ۔ علامہ قسطلانی نے ۲۵ وفود کا ذکر کیا ہے۔ (زرقانی: ۴/ ۲)

ان وفود میں چند نمایاں حسب ذیل ہیں:

وفد ہوازن:

ہوازن وہ قبیلہ ہے جس کے ساتھ آپؐ نے جنگ حنین لڑی تھی۔ اس قبیلہ کے لوگ شکست کھا کر ادھر

Marfat.com

ادھر بھاگ گئے تھے۔ پھر کچھ عرصہ کے بعد ایک وفد کی شکل میں جس میں چودہ آدمی تھے، آپؐ کے پاس قیدی چھڑانے اور مال ومتاع واپس لینے کے لیے آئے۔ آپؐ نے قیدی تو چھوڑ دیئے لیکن مال ومتاع واپس نہ کیا کیونکہ وہ ان کے آنے سے پہلے مجاہدین میں تقسیم ہو چکا تھا۔

وفد بنوثقیف:

جنگ حنین کے بعد آپؐ نے طائف کا محاصرہ کیا لیکن بعض حالات کے پیش نظر آپؐ کو وہ محاصرہ اٹھانا پڑا اور اہل طائف کے لیے دعا فرمائی۔ چنانچہ غزوۂ تبوک سے واپسی کے بعد سب سے پہلے اہل طائف نے اپنی اطاعت کا اعلان کیا۔ محاصرۂ طائف کے زمانہ میں طائف کے سردار عروہ بن مسعود ثقفی یمن گئے ہوئے تھے۔ وہ یمن سے واپس آئے تو غزوۂ تبوک سے متاثر ہو کر آپؐ کی خدمت میں مدینہ طیبہ حاضر ہوئے اور خود اسلام قبول کر کے اپنی قوم کو مسلمان کرنے کے لیے جلد واپس جانے پر مُصر ہوئے۔ آپؐ کو بنوثقیف کے بت لات کے بارے میں ان کی عصبیت سے بہت خطرہ تھا۔ اسی وجہ سے آپ ﷺ نے عروہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو ان میں تبلیغ کرنے سے منع کرتے ہوئے فرمایا: ''اگر تم نے بنوثقیف میں تبلیغ کی تو کہیں وہ تمھیں قتل نہ کر دیں۔'' لیکن عروہ رضی اللہ عنہ کو اپنے بارے میں یہ خطرہ نہ تھا کیونکہ بنوثقیف ان کا بہت احترام کرتے تھے۔ لہٰذا بارگاہِ نبوت میں عرض کی بنوثقیف سے مجھے کوئی خطرہ نہیں۔ وہ میری بات ضرور مانیں گے۔ چنانچہ طائف پہنچ کر انھوں نے لوگوں کو اسلام کی دعوت دی۔ رات کو یارانِ شہر نے چھپ کر مشورہ کیا کہ عروہ کو قتل کر دیا جائے۔ عروہ رضی اللہ عنہ کو ان کے اس مشورے کے بارے میں کچھ پتہ نہ چلا۔ جب صبح ہوئی تو عروہ رضی اللہ عنہ نے ایک بلند مقام پر کھڑے ہو کر قوم کو نماز کے لیے جمع ہونے کو کہا تو ان اوباشوں نے اپنے طے شدہ پروگرام کے مطابق ان پر چاروں طرف سے تیر برسانا شروع کر دیئے۔ چنانچہ ایک تیر انھیں ایسا لگا جو ان کی شہادت کا باعث ہوا۔ سیدنا عروہ رضی اللہ عنہ کے آخری الفاظ یہ تھے:

''یہ اسلام خدا کی دین ہے جو مجھے عطا ہوئی، اور یہ موت شہادت ہے جو میرے مقدر میں تھی۔ میں بھی انہی شہداء کی طرح ہوں جو قبل ازیں سرکار دو عالم ﷺ کی معیت میں کفار سے برسر پیکار ہوئے اور جام شہادت نوش فرمایا۔'' اپنی جان جان آفرین کو سپرد کرتے ہوئے وصیت فرمائی کہ مجھے ان لوگوں کے ساتھ دفن کیا جائے جو طائف کے محاصرہ میں شہید ہوئے تھے۔''

بنوثقیف نے انھیں شہید تو کر دیا لیکن اب سخت پشیمان تھے کہ انھوں نے اسلام کے ایک اہم سپوت کو قتل کر دیا۔ چنانچہ انھوں نے باہمی مشورے سے اپنی طرف سے طائف کے رئیس کو صلح کے لیے نامزد کیا۔ ان کے ساتھ پانچ اور آدمیوں کو ان کے ساتھ خدمت نبوی ﷺ میں حاضر ہونے کے لیے شامل کر دیا۔

سیدنا عروہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی شہادت کے آٹھ ماہ بعد چھ آدمیوں کا ایک وفد عبد یالیل کی زیر قیادت مدینہ منورہ میں حاضر ہوا۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کو اس وفد کے آنے کی خوش خبری سنائی۔

Marfat.com

اس وفد کو مسجد نبوی ﷺ میں ٹھہرایا گیا تا کہ وہ قرآن حکیم کو سنیں اور نمازاور نمازیوں کو اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کریں۔ وہ اپنے بارے میں مسلمانوں سے بہت خائف تھے۔ اس وفد نے سیدنا خالد بن سعید بن العاص رضی اللہ عنہ کے توسط سے تین شرطیں پیش کیں:

① نماز معاف کردی جائے۔

② ہمارے بت لات کو تین سال تک نہ توڑا جائے۔

③ ہمارے بت ہمارے ہاتھوں سے نہ تڑوائے جائیں۔

رسول اللہ ﷺ نے پہلی دو شرطیں تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ اب انھوں نے ایک اور بات کہہ دی کہ آپ ہمیں ایک معاہدہ لکھ دیں جس میں زنا کاری، سود خوری اور شراب خوری کی اجازت ہو۔ آپؐ نے ان کی اس بات کو بھی منظور نہ کیا۔ آخر کار انھیں سپر انداز ہونا پڑا، لہٰذا انھوں نے اسلام قبول کر لیا۔ وفد کے ارکان اپنی قوم کے مزاج سے آشنا تھے اور عروہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے انجام سے بھی واقف تھے۔ لہٰذا انھوں نے کچھ عرصہ لوگوں سے اصل حقیقت چھپائے رکھی، لیکن کچھ دنوں کے بعد انھوں نے لوگوں کو حقیقت حال سے آشنا کر دیا۔

دوسری طرف رسول اللہ ﷺ نے سیدنا ابوسفیان بن حرب رضی اللہ عنہ اور سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کو چند صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ لات کے انہدام کے لیے بھیجا۔ یہ دونوں حضرات ثقیف کی قرابت اور مودت میں دوسروں سے زیادہ قریب تھے۔ سیدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ اور سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ دونوں ہاتھوں میں کدالیں لیے لات کے صنم کدہ کی طرف جا رہے تھے تو ثقیف کی عورتیں برہنہ سر چھتوں پر بصد حسرت و یاس ان کی طرف دیکھ رہی تھیں۔ جونہی انھوں نے لات پر ضرب لگائی تو عورتوں نے نالہ و شیون سے زمین و آسمان ایک کر دیے لیکن کسی کو ان کا ہاتھ پکڑنے کی جرأت نہ ہوئی۔ لات کے انہدام اور اہل طائف کے قبول اسلام کی ہیبت سے حجاز کے باقی قبائل اور قریے بھی مسلمان ہو گئے۔ (زرقانی:۴/۶۔۹، زادالمعاد:۳/۲۶، سیرۃ ابن ہشام:۲/۵۵۷)

وفد عبدالقیس:

عبدالقیس ایک بہت بڑا قبیلہ تھا۔ اس قبیلہ کا وفد پہلی مرتبہ سنہ ۵ ھ میں اور دوسری مرتبہ سنہ ۹ ھ میں بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوا۔ سنہ ۹ ھ میں یہ وفد ۴۰ آدمیوں پر مشتمل تھا۔ اس وقت ان میں علاء بن جارود عبدی تھے جو پہلے نصرانی تھے اور پھر مسلمان ہو گئے۔ (نووی:۱/۳۳)

وفد بنو حنیفہ:

یہ مسیلمہ کذاب کا قبیلہ تھا۔ یہ بھی سنہ ۹ ھ میں بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوا۔ اس وفد میں مسیلمہ کذاب بھی شامل تھا۔ یہ وفد سترہ آدمیوں پر مشتمل تھا۔ یہ وفد مسلمان ہو گیا لیکن مسیلمہ کذاب اپنے تکبر اور اکڑ پن کی وجہ سے

Marfat.com

بارگاہِ رسالت ﷺ میں حاضر نہ ہوا۔ آپؐ خود ثابت بن قیس کے ہمراہ اس کے پاس گئے، لیکن آپؐ نے فراست نبوی ﷺ سے یہ تاڑ لیا کہ اس میں شر موجود ہے۔

مسیلمہ نے کہا کہ اگر آپؐ مجھ کو اپنے بعد اپنا خلیفہ اور جانشین بنالیں تو میں آپؐ کی بیعت کرنے کے لیے تیار ہوں۔ آپؐ کے ہاتھ میں اس وقت کھجور کی ایک شاخ تھی آپؐ نے فرمایا کہ اگر تم مجھ سے یہ بھی مانگو گے تو میں یہ بھی نہ دوں گا۔ اگر تم نے پیٹھ پھیری تو اللہ تعالیٰ تمھیں توڑ کر رکھ دے گا۔ یہ وفد چلا گیا سنہ ۱۰ھ میں مسیلمہ نے نبوت کا دعویٰ کر دیا اور ربیع الاول سنہ ۱۲ھ میں جنگ یمامہ میں قتل ہو گیا۔

(زرقانی:۴/۱۹، فتح الباری:۸/۹۳، مسند احمد:۲/۳۴۷)

وفد اشعریین:

اشعریین یمن کا ایک بہت بڑا قبیلہ ہے جو اپنے جد امجد کی طرف منسوب تھا۔ اشعر جب پیدا ہوا تو اس کے جسم پر بہت زیادہ بال تھے۔ سیدنا ابو موسیٰ اشعری کا تعلق بھی اسی قبیلے سے تھا۔ جب یہ قبیلہ روانہ ہوا تو یہ شعر پڑھتے ہوئے آئے

غداً نلقی الاحبہ　　محمداً وحزبہ

کل ہم دوستوں سے جا ملیں گے یعنی محمد (ﷺ) اور آپؐ کے ساتھیوں سے۔

ادھر یہ حضرات اپنے قبیلہ سے روانہ ہوئے ادھر مدینہ میں سرکار دو عالم ﷺ نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ یمن سے ایک جماعت آ رہی ہے، وہ نہایت رقیق القلب ہے۔ چنانچہ یہ وفد آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ وفد کے ارکان نے اپنے آنے کا مقصد یہ بیان کیا کہ ہم تفقہ فی الدین حاصل کریں گے۔ گویا دین کے بارے میں تحقیق کے لیے یہ لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ (زرقانی:۴/۲۸، فتح الباری:۸/۷۵)

وفد ہمدان:

ہمدان کا وفد سنہ ۹ھ میں سرکار دو عالم ﷺ کی تبوک سے واپسی پر آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ہمدان یمن کا ایک بہت بڑا قبیلہ ہے۔ سرکار دو عالم ﷺ نے پہلے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو دعوت اسلام کے لیے ان کے پاس بھیجا۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ ان میں چھ ماہ ٹھہرے رہے، لیکن کسی نے اسلام قبول نہ کیا۔ بعد ازاں آپؐ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ان کو اسلام کی دعوت دی تو ایک ہی دن میں تمام لوگ مسلمان ہو گئے۔ آپؐ کو جب اس بات کی اطلاع ملی تو بہت خوشی کا اظہار فرمایا اور جوش مسرت میں کئی بار یہ فرمایا: ''ہمدان پر سلامتی ہو۔'' یہ واقعہ سنہ ۸ھ کا ہے۔ پھر جب آپؐ غزوۂ تبوک سے واپس ہوئے تو اس زمانہ میں ہمدان کا ایک وفد آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اراکین وفد منقش چادریں اوڑھے اور عدن کے عمامے باندھے اور مہری اونٹوں پر سوار اس

Marfat.com

شان سے آپؐ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور اس سلیقہ سے آپؐ سے گفتگو کی کہ اہل وفد نے آپؐ سے جو مانگا آپؐ نے انھیں مرحمت فرما دیا۔ اس وفد میں ایک سو بیس اراکین تھے۔ (زرقانی: ۴/۳۴، عیون الاثر: ۲/۳۲۸)

وفد تجیب:

قبیلہ تجیب کا تیرہ آدمیوں پر مشتمل ایک وفد اپنی قوم کے صدقات کا مال لے کر آپ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ آپؐ نے فرمایا اس مال کو اپنے ہاں کے فقراء میں تقسیم کر دو۔ انھوں نے عرض کیا: یہ وہی مال ہے جو ہمارے فقراء سے بچ گیا ہے۔ انھوں نے آپؐ سے کچھ سوالات کیے۔ آپؐ نے ان کے جوابات لکھوا دیئے۔ آپؐ نے ان کی بڑی خاطر و مدارات کی ایک روز انھوں نے واپس جانے کا عرض کیا۔ آپؐ نے فرمایا کیا جلدی ہے کچھ روز اور ٹھہریں۔ انھوں نے جواب دیا کہ جلدی تو کوئی نہیں لیکن ہم چاہتے ہیں کہ جلد واپس جا کر اپنی قوم کو آپؐ کے ارشادات اور آپؐ کے دیدار پر انوار کے تاثرات سے مطلع کریں۔ جب وہ واپس جانے لگے تو آپؐ نے پوچھا کیا تم میں سے کوئی واپس تو نہیں رہ گیا۔ انھوں نے عرض کیا کہ ایک نوجوان لڑکا ہے وہ ہماری قیام گاہ پر مال و اسباب کی حفاظت کرتا ہے، وہ رہ گیا ہے۔ فرمایا: ''اسے بلاؤ'' چنانچہ انھوں نے اس لڑکے سے آ کر کہا کہ ہم نے تو اپنی حاجتیں پوری کر لی ہیں۔ تمھیں آپؐ نے بلایا ہے تم بھی اپنی حاجت پوری کر لینا۔ وہ نوجوان آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی: ''یا رسول اللہ ﷺ! آپؐ نے میرے قبیلہ والوں کی تو حاجتیں پوری فرما دیں، ایک میری بھی حاجت ہے لیکن وہ قبیلہ والوں کی حاجت سے مختلف ہے۔ پوچھا: تمھاری حاجت کیا ہے؟ عرض کیا: ''میں گھر سے صرف اس لیے آیا ہوں کہ آپؐ میرے لیے دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے اپنی رحمت و بخشش سے نوازے اور میرے دل کو غنی بنا دے۔ آپؐ نے اس کے لیے دعا فرمائی:

اللھم اغفرله وارحمه واجعل غناه فی قلبه۔

''اے اللہ! اس کی بخشش فرما اور اس کو اپنی رحمت سے نواز اور اس کے دل کو غنی بنا دے۔''

پھر آپؐ نے اس کے لیے انعام و اکرام کا حکم فرمایا۔ ازاں بعد جب سنہ ۱۰ھ میں اس قبیلہ کے لوگ حج کے لیے آئے تو وہ منیٰ میں آپؐ سے ملے۔ آپ نے ان سے اس نوجوان کے بارے میں پوچھا۔ ان لوگوں نے بتایا: ''یا رسول اللہ ﷺ! ہم نے اس سے زیادہ قانع اور زاہد نہیں دیکھا۔ سرکار دو عالم ﷺ کے انتقال کے بعد جب ارتداد کی لہر چلی تو صرف یہی نہیں کہ وہ اسلام پر ثابت قدم رہا بلکہ اس کے وعظ و نصیحت سے پوری قوم اسلام پر جمی رہی۔ (عیون الاثر: ۲/۳۲۹، زرقانی: ۴/۵۰، زاد المعاد: ۳/۴۶)

وفد نجران:

نجران یمن کا ایک بہت بڑا شہر ہے۔ یہاں سے ساٹھ افراد پر مشتمل ایک وفد آپؐ کی خدمت میں حاضر

Marfat.com

ہوا۔ یہ لوگ عیسائی تھے۔ان ساٹھ میں سے ۲۴ آدمی اشراف میں سے تھے۔رئیس الوفد عبدالمسیح عاقب تھا۔رسول اللہ ﷺ نے ان کو مسجد نبوی ﷺ میں اتارا۔انھوں نے آپؐ سے مختلف امور پر گفتگو کی۔آپؐ نے ان کے مسکت جوابات دیئے، لیکن وہ حق واضح ہونے کے باوجود اسلام نہ لائے۔اگلی صبح آپؐ نے پھر ان پر اسلام پیش کیا۔ انھوں نے کہا ہم تو پہلے ہی مسلمان ہیں۔آپؐ نے فرمایا: ''تمھارا یہ اسلام کیا ہے جب کہ تم خدا کے لیے بیٹے تجویز کرتے ہو، صلیب کی پرستش کرتے ہو، خنزیر کھاتے ہو۔اس کا وہ کوئی جواب نہ دے سکے۔آپؐ نے انھیں مباہلہ کی دعوت دی جس کو انھوں نے قبول نہ کیا۔آپؐ نے ان سے جزیہ لینا منظور فرمالیا اور اس بارے میں ایک معاہدہ تحریر ہوا اور اس پر سیدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ، سیدنا مالک بن عوف رضی اللہ عنہ، سیدنا اقرع بن حابس اور سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ وغیرہ نے شہادت دی اور دستخط کیے۔(زادالمعاد:۳/۴۰)

اس کے بعد ان میں اسلام پھیلنا شروع ہوا۔ایہم اور عبدالمسیح عاقب واپس جا کر مسلمان ہو گئے اور پھر مدینہ طیبہ آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔آپ ﷺ نے ان دونوں کو سیدنا ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے مکان پر ٹھہرایا۔

مختصر یہ کہ سنہ ۸ھ، سنہ ۹ھ اور سنہ ۱۰ھ میں جزیرہ نما عرب کے مختلف علاقوں میں سے آپؐ کی خدمت میں وفود کا ایک لگاتار سلسلہ شروع ہو گیا۔چنانچہ وفد عذاہ، وفد بلیٰ، وفد اسد بن خزیمہ، وفد بنی خزارہ، وفد بنو عامر بن صعصعہ، بنو عبدالمدان وغیرہ کے وفدوں کا تذکرہ بھی کتابوں میں ملتا ہے۔(عیون الاثر:۲/۳۱۲۔۳۴۲ وزادالمعاد وغیرہ)

ان وفود کی کثرت سے پتہ چلتا ہے کہ ان دو تین سالوں میں دعوت اسلامی کو کس قدر فروغ حاصل ہوا۔ دراصل اب مدینہ تمام جزیرہ نما عرب کا دارالحکومت بن گیا تھا۔لوگ جوق در جوق اپنی جسمانی اور روحانی حاجات کی تکمیل کے لیے یہاں چلے آ رہے تھے، اور دنیا نے دیکھا کہ اکھڑ اور اجڈ عرب اسلامی تعلیمات سے روشناس ہونے کے بعد دنیا کے مہذب ترین لوگ بن گئے جن کو دیکھ کر لوگ اپنی زندگی اور تہذیب کے راستے متعین کرنے لگے۔

Marfat.com

حجۃ الوداع

۲۳ سال کی شبانہ روز دعوت وتبلیغ اور متعدد غزوات وسرایا سے لوگ جوق در جوق حلقہ اسلام میں داخل ہو چکے۔ سنہ ۹ھ میں کعبہ کو مراسم جاہلیت میں بالکل پاک کر دیا گیا۔ اب ہاتف غیبی آپؐ کے قلب وشعور کو یہ احساس دلا رہا تھا کہ اب دنیا میں قیام کا زمانہ اختتام پذیر ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے کئی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اشارتاً بتا بھی دیا کہ اب میں اس دنیا سے جانے والا ہوں۔ سنہ ۱۰ھ میں سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ بن جبل کو آپؐ نے یمن کا گورنر بنا کر بھیجا اور رخصت کرتے وقت انھیں یہ بھی فرمایا: ''معاذ رضی اللہ عنہ! غالباً اس سال کے بعد تم مجھ سے نہیں مل سکو گے بلکہ میری اس مسجد اور قبر کے پاس سے گزرو گے۔'' آپؐ کی زبان مبارک سے یہ جملہ سن کر سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ رونے لگے۔

آپؐ نے امت کو دین کی ہر بات کا عملی نمونہ بھی دکھا دیا تھا لیکن سنت ابراہیمی کے مطابق حج کیسے کیا جاتا ہے، ابھی تک آپؐ نے یہ امت کو نہیں بتایا تھا۔ چنانچہ آپ ﷺ نے سنہ ۱۰ھ میں یہ اعلان کیا کہ میں حج کرنے جا رہا ہوں۔ آپؐ نے اس تاریخی حج کا جس کو بعد میں ''حجۃ الوداع'' کا نام دیا گیا، اعلان فرمایا۔ آپؐ کے اس عزم کا افشا ہوتے ہی یہ خبر تمام ملک میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی۔ صحرا کے بادیہ نشین، پہاڑیوں کی گھاٹیوں میں بسنے والے، دیہاتوں اور شہروں کے باسی، دور ونزدیک ہر طرف سے لوگ امنڈ کر مدینہ منورہ میں سمٹ آئے۔ مدینہ سے باہر خیموں کا ایک نیا شہر آباد ہو گیا۔ آپؐ نے خود بھی مختلف جگہوں پر لوگوں کو پیغام بھجوایا کہ اس سال میں خود حج پر جا رہا ہوں، لہٰذا اس میں شمولیت کر کے مجھ سے احکام حج سیکھ لو۔ چنانچہ ایک لاکھ چوبیس ہزار بلکہ اس سے بھی زائد تعداد میں لوگ مدینہ اور اس کے باہر جمع ہو گئے۔ ہر ایک کی یہ خواہش تھی کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے نقش پا کو اپنے لیے نشان راہ بنائے اور آپؐ کی اقتدا کر کے منزل مقصود کو حاصل کرے، جب کہ یہی لوگ چند سال قبل ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے، کوئی شخص کسی کی قیادت قبول کرنے کے لیے تیار نہیں تھا، لیکن آج مودت واخوت کے صدقے میں باہم بھائیوں کا سا برتاؤ کر رہے تھے۔

۲۶ ذی قعدہ سنہ ۱۰ھ بروز ہفتہ سرکار دو عالم ﷺ ظہر اور عصر کے درمیان مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ کے لیے روانہ ہوئے۔ مہاجرین وانصار، اصحاب بدر، اصحاب بیعت رضوان آپؐ کے ہمراہ تھے۔ آپؐ کے ساتھ جانے والوں کی مجموعی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار یا اس سے کچھ زائد کتابوں میں آئی ہے۔ روانگی سے قبل آپؐ

Marfat.com

نے غسل فرمایا، بالوں میں کنگھی کی، تیل لگایا، تہبند اور چادر وغیرہ اوڑھی، قربانی کے جانوروں کو قلادہ پہنایا اور نماز عصر سے قبل آپؐ ذوالحلیفہ پہنچ گئے۔ وہاں نماز عصر دو رکعت ادا فرمائی اور رات بھر قیام فرمایا۔ صبح ہوئی تو آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ارشاد فرمایا:

''رات میرے پروردگار کی جانب سے ایک آنے والے نے آ کر کہا: ''اس مبارک وادی میں نماز پڑھو اور کہو حج میں عمرہ ہے۔'' (بخاری: ۱/ ۲۰۷)

نماز ظہر آپؐ نے مدینہ منورہ میں پڑھی اور عصر ذوالحلیفہ میں۔ یہاں آپؐ نے حج اور عمرہ دونوں کا ایک ساتھ احرام باندھا اور لبیک کی آواز بلند کی۔ اس کے بعد آپؐ اپنی اونٹنی قصوا پر سوار ہو کر کھلے میدان میں تشریف لے گئے اور وہاں بھی صدائے لبیک بلند کی۔ تمام ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن جن کی تعداد نو تھی اور سیدہ فاطمۃ الزہراء سلام اللہ علیہا بھی اس سفر میں آپؐ کے ہمراہ تھیں۔ زائرین کعبہ رسول اللہ ﷺ اور امہات المومنین رضی اللہ عنہن کے پیچھے پیچھے صدائے لبیک بلند کرتے ہوئے مکہ مکرمہ کے سفر پر روانہ ہو گئے۔ خانہ خدا کی زیارت اور حج بیت اللہ کی خوشی میں دل بلیوں اچھل رہے تھے اور تمام قافلے دو چادروں میں ملبوس یک رنگ اور یک لباس مساوات کا ایک نادرۂ روزگار نمونہ پیش کرتے ہوئے زبان پر تلبیہ کا ورد لیے، خلوص نیت سے اپنے پروردگار کے گھر کی زیارت کے لیے اپنا سفر جاری کیے ہوئے تھے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ جن کو آپؐ نے رمضان المبارک میں صدقات کی وصولی کے لیے یمن بھیجا تھا، ان کو مکہ مکرمہ پہنچنے کے لیے کہہ دیا۔ چنانچہ وہ یمن سے مکہ کے لیے چل پڑے۔ اللہ والوں کا یہ گروہ جب راستہ میں یک زبان ہو کر تلبیہ کہتا یعنی:

لبیك اللهم لبیك ، لا شریك لك لبیك ، ان الحمد والنعمة لك والملك لا شریك لك۔

تو اس آواز سے دشت و صحرا گونج اٹھتے۔ موجودات کے ذرہ ذرہ نے مسلمانوں کے ساتھ ہم آہنگی سے خدائے واحد کی ربوبیت کا اعتراف کیا۔ زائرین کوسوں میں پھیلے ہوئے تھے۔ راستے میں جہاں نماز کا وقت آ گیا سب مل کر اللہ تعالیٰ کے حضور میں سر بہ سجود ہو گئے۔ ان اللہ والوں کے خلوص کو دیکھ کر فرشتوں کو بھی رشک آتا ہوگا۔ عرب کے دشت و جبل، وادیاں اور نخلستان بھی اتنے بڑے مجمع پر حیران کہ آج تک اس نبی امّی ﷺ کی سی بابرکت و پر بہار شخصیت دیکھنے میں نہیں آئی۔

یہ سفر قریباً ہفتہ بھر جاری رہا۔ ایک روز رات کے وقت مکہ کے قریب ذی طوی میں ٹھہر گئے۔ رات وہیں گزاری اور نماز فجر کے بعد غسل فرمایا۔ پھر مکہ مکرمہ میں اتوار ذی الحجہ کی ۴ تاریخ کو صبح کے وقت داخل ہوئے۔ راستے میں آپؐ کی آٹھ راتیں گزری تھیں۔ ۴ ذی الحجہ کو آپ مکہ میں داخل ہوئے۔ سرکار دو عالم ﷺ اور آپؐ کے ساتھیوں نے زیارت کعبہ کے لیے سبقت فرمائی۔ پھر حجر اسود کو بوسہ دیا، بعد ازاں کعبہ کے ساتھ طواف میں پہلے تین طواف میں رمل کیا اور باقی چار چکر معمولی رفتار سے کیے۔ یہاں سے فراغت کے بعد کوہِ صفا پر تشریف

Marfat.com

لائے اور صفا اور مروہ کے درمیان سعی کی تکمیل کی۔ پھر اعلان فرمایا کہ جس زائر کے ساتھ قربانی نہ ہو وہ احرام کھول دے لیکن بعض حضرات نے اس پر تامل کیا جس پر آپؐ نے خشم گین ہو کر فرمایا:

''جو حکم میں دیتا ہوں تم پر اس کی تعمیل واجب ہے۔''

مسلم میں ہے کہ جب مسلمانوں کو آپؐ کی برہمی کا پتہ چلا تو ایسے زائرین نے ندامت کے ساتھ احرام کھول دیے جو ہدی (قربانی) ساتھ لے کر نہیں آئے تھے۔ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے بھی احرام کھول دیا ماسوائے ان حضرات کے جن کے ساتھ قربانی کے جانور تھے۔

اس دوران میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ بھی یمن سے تشریف لے آئے۔ جب انھوں نے سنا کہ رسول اللہ ﷺ نے احرام نہیں اتارا ہے تو انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی اقتداء میں احرام نہ اتارا۔ آپ نے دیکھا تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو بھی کعبہ کا طواف کرنے اور دوسرے مسلمانوں کی طرح احرام اتار دینے کے لیے ارشاد فرمایا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ''یا رسول اللہ ﷺ! میں احرام باندھتے وقت ان الفاظ میں نیت کر چکا ہوں:

''اے اللہ! میرا تلبیہ انہی لفظوں میں ہے جن لفظوں سے تیرے نبی، عبد اور رسول محمد ﷺ نے فرمایا ہے۔''

آپؐ نے دیکھا کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے پاس بھی قربانی کے جانور نہیں اور نیت حج ان کی وہی ہے جو میری ہے تو آپؐ نے انھیں اپنی قربانیوں میں شریک فرما لیا اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ مناسک حج کی تکمیل تک محرم ہی رہے۔

۸ ذی الحجہ ترویہ کے روز آپؐ منیٰ تشریف لے گئے۔ وہاں ۹ ذی الحجہ کی صبح تک قیام فرمایا۔ ظہر، عصر، مغرب اور عشاء اور ۹ ذی الحجہ کی نماز فجر منیٰ میں ادا کیں۔ پھر سورج نکلنے تک توقف فرمایا۔ آفتاب نکل آنے کے بعد آپؐ اپنی ناقہ قصوا پر سوار ہو کر عرفات کی جانب روانہ ہوئے۔ سب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپؐ کے دائیں بائیں اور آگے پیچھے چل رہے تھے اور پیغمبر اسلام ﷺ کی ایک ایک حرکت کو ملاحظہ کر رہے تھے۔ عرفات پہنچ کر آپ ﷺ نے وادی نمرہ میں ایک قبہ میں قیام فرمایا۔ زوال کے بعد آپ ﷺ کے حکم سے آپ ﷺ کی ناقہ قصوا پر کجاوہ کسا گیا اور آپؐ بطن وادی میں تشریف لے گئے۔ اس وقت آپؐ کے گرد و پیش ایک لاکھ چوبیس ہزار یا دوسری روایت کے مطابق ایک لاکھ چوالیس ہزار انسانوں کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر تھا جن میں بعض تلبیہ پکار رہے تھے اور بعض تکبیرات۔ آپ ﷺ عرفات کے وسط میں تشریف لائے اور اپنی ناقہ پر بیٹھے ہوئے ایک خطبہ ارشاد فرمایا جو دنیا میں انسانی حقوق کا سب سے پہلا چارٹر ہے اور دنیا اتنی ترقی کرنے کے باوجود اس سے بہتر انسانی حقوق کا چارٹر نہیں دے سکی۔ آپؐ اس خطبہ کے ہر جملہ کے بعد توقف فرماتے، اور اسی لمحے سیدنا ربیعہ بن امیہ بن خلف رضی اللہ عنہ انہی الفاظ کا اعادہ بہ آوازِ بلند فرماتے۔ آپؐ نے فرمایا:

''اے لوگو! میری بات غور سے سنو، شاید اس سال کے بعد اس مقام پر تم سے کبھی نہ مل سکوں۔

اے لوگو! تمھارا خون اور تمھارا مال اور تمھاری عزتیں ایک دوسرے پر اسی طرح حرام ہیں جس طرح تمھارے آج کے دن کی اور اس مہینہ اور شہر کی حرمت ہے۔

Marfat.com

''جس کسی کے پاس دوسرے کی امانت ہو وہ اس کے مالک کو لوٹا دی جائے۔ جاہلیت کے تمام امور میرے قدموں کے نیچے پامال ہیں اور جاہلیت کے تمام خون معاف اور ختم ہیں اور سب سے پہلے میں ربیعہ بن حارث بن عبدالمطلب کے بیٹے کا خون جو بنو ہذیل کے ذمہ ہے معاف کرتا ہوں۔ (یہ بچہ بنو سعد میں دودھ پی رہا تھا کہ بنو ہذیل نے اسے قتل کر دیا۔)

''جاہلیت کے تمام سود ختم کر دیئے گئے۔ تمھارے لیے اب صرف رأس المال ہے۔ نہ تم ایک دوسرے پر ظلم کرو نہ قیامت کے دن تمھارے ساتھ ظلم کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے سود کو ممنوع اور ناجائز قرار دے دیا ہے۔ سب سے پہلے میں عباس بن عبدالمطلب کا سارا سود ساقط اور باطل قرار دیتا ہوں۔''

''اے لوگو! اب عرب میں شیطان کی پوجا کبھی نہیں کی جائے گی، لیکن اس کی پرستش کے بجائے اگر شیطان کی صرف اطاعت کی گئی تب بھی وہ خوش ہوگا۔ اس لیے دینی امور میں شیطانی وساوس کو اپنے قریب نہ پھٹکنے دو۔

''ہاں! عورتوں کے بارے میں اللہ سے ڈرو کیونکہ تم نے انھیں اللہ کی امانت کے ساتھ لیا ہے اور اللہ کے کلمے کے ساتھ حلال کیا ہے۔ یہ بھی جان لو کہ تمھارا بھی تمھاری بیویوں پر حق ہے اور ان کا بھی تمھارے اوپر حق ہے۔ ان پر تمھارا حق یہ ہے کہ وہ تمھارے بستر پر کسی غیر مرد یا کسی ایسے شخص کو نہ آنے دیں جسے تم ناپسند کرتے ہو۔ اور اگر وہ کسی بے حیائی کا ارتکاب کریں تو تم کو اللہ نے اجازت دی ہے کہ ان کی اصلاح کے لیے ان کو اپنی خواب گاہوں سے الگ کر سکتے ہو اور ایسی بری سزا دے سکتے ہو جو نشان ڈالنے والی نہ ہو۔ پھر اگر وہ باز آ جائیں اور تمھاری اطاعت کرنے لگیں تو قاعدے اور دستور کے مطابق ان کا نان ونفقہ تمھارے ذمہ ہے۔ یقیناً خواتین تمھارے زیر نگین ہیں۔ جو اپنے لیے خود کچھ نہیں کر سکتیں۔

''اے لوگو! سب مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں، کسی شخص کے لیے اس کے بھائی کا مال لینا اس کی رضا مندی اور خوش دلی کے بغیر جائز نہیں۔

''میرے بعد کہیں اس اخوت کو ترک کر کے پھر کافرانہ رنگ ڈھنگ اختیار کر کے ایک دوسرے کی گردنیں نہ مارنے لگنا۔

''میں تمھارے درمیان ایک ایسی شے چھوڑے جا رہا ہوں کہ جب تک تم اس پر کاربند رہو گے، کبھی گمراہ نہ ہو گے۔ وہ ہے اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت۔

''اے لوگو! تمھارا رب ایک ہے اور تمھارا ابوالآباء بھی ایک ہے۔ تم سب آدم (علیہ السلام) کی اولاد ہو اور آدم علیہ السلام مٹی سے پیدا کیے گئے۔ اللہ کے نزدیک تم میں سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ متقی اور پرہیز گار ہے۔ یاد رکھو! کسی عربی کو عجمی پر کوئی برتری نہیں اور نہ کسی عجمی کو عربی پر کوئی فضیلت ہے، نہ کسی

Marfat.com

گورے کو کالے پر اور نہ کسی کالے کو گورے پر کوئی برتری ہے مگر تقویٰ کی وجہ سے۔

''اے لوگو! میرے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں اور نہ تمھارے بعد کوئی اور امت برپا کی جانے والی ہے، لہٰذا اپنے رب کی عبادت میں لگے رہو اور پانچ وقت نماز پڑھتے رہو، ماہ رمضان کے روزے رکھتے رہو، خوش دلی اور رغبت سے اپنے اموال کی زکوٰۃ ادا کرتے رہو اور اپنے رب کے گھر کا حج ادا کرتے رہو اور اپنے حکمرانوں کی اطاعت کرتے رہو تا کہ اپنے رب کی جنت میں داخل ہو سکو۔

''اے لوگو! اللہ نے میراث میں سے ہر وارث کے لیے ایک حصہ مقرر کر دیا ہے اور ایک تہائی مال سے زائد کی وصیت کرنا جائز نہیں۔

''بچہ اس کا ہے جس کے بستر پر تولد ہوا اور بدکار کے لیے پتھر ہے۔

''جس نے اپنے باپ کے بجائے کسی دوسرے کو باپ قرار دیا، یا جس غلام نے اپنے آقا کے علاوہ کسی اور کو آقا ظاہر کیا تو ایسے شخص پر اللہ، فرشتوں اور تمام انسانوں کی طرف سے لعنت ہے۔ اس سے قیامت کے روز کوئی بدلہ یا عوض قبول نہ ہوگا۔

''تم لوگوں سے میرے بارے میں پوچھا جائے گا تو بتاؤ تم لوگ کیا جواب دو گے؟

تمام لوگوں نے بہ آوازِ بلند کہا: ''ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپؐ نے اللہ کا پیغام پہنچا دیا۔ امت کی خیر خواہی کا حق ادا کر دیا۔ حقیقت کے سارے پردے اٹھا دیئے اور اللہ کی امانت کو کما حقہ پہنچا دیا۔

لوگوں کے منہ سے گواہی کے الفاظ سن کر آپ ﷺ نے اپنی انگشت شہادت کو آسمان کی طرف اٹھایا اور لوگوں کی طرف سر جھکائے ہوئے تین بار فرمایا:

''اے اللہ! گواہ رہیو، اے اللہ گواہ رہیو، اے اللہ گواہ رہیو۔

پھر حاضرین کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا:

''سنو! جو لوگ یہاں موجود ہیں وہ یہ باتیں غیر حاضر لوگوں تک پہنچا دیں۔''

خطبہ سے فارغ ہو کر آپؐ اپنی ناقہ قصوا سے اترے۔ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے ظہر کی اذان دی اور ظہر اور عصر دونوں نمازیں آپؐ نے ایک ہی وقت میں ادا فرمائیں۔ بعد ازاں حمد و ثنا اور دعا و استغفار میں مشغول ہو گئے۔ اسی اثناء میں حق تعالیٰ شانہ نے یہ آیت مبارکہ نازل فرمائی:

﴿اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا﴾ (المائدہ ۵:۳)

''آج کے دن میں نے تمھارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمھارے لیے اسلام کو بحیثیت دین پسند کر لیا۔''

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جب یہ آیت سنی تو رونے لگے۔ پوچھا گیا کہ آپ کیوں رو رہے ہیں؟ فرمایا: ''اب

Marfat.com

رسول اللہ ﷺ کے انتقال کا وقت قریب ہے کیونکہ کمال کے بعد زوال ہی ہوتا ہے۔ آپؐ کے تشریف لانے کا مقصد مکمل ہوگیا۔ اب اس دنیا میں آپؐ کا ٹھہرنا چند روز ہے۔

اس کے بعد آپؐ اپنی ناقہ پر جائے وقوف پر تشریف لے گئے اور اپنی اونٹنی قصوا کا شکم چٹانوں کی طرف کیا اور قبلہ رخ مسلسل اسی حالت میں وقوف فرمایا یہاں تک کہ آفتاب حجلۂ مغرب میں چھپ گیا۔ غروب آفتاب کے بعد آپؐ اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو اپنا ردیف بنا کر مزدلفہ کی طرف روانہ ہوئے۔ مزدلفہ میں مغرب اور عشاء کی نمازیں ایک اذان اور اقامت سے اکٹھی پڑھیں۔ اس کے بعد نماز فجر ادا کی۔ اس کے بعد قصوا پر سوار ہو کر مشعر حرام تشریف لائے اور قبلہ رخ ہو کر تکبیر و تہلیل کے کلمات کہے اور اللہ تعالیٰ سے اتنی دیر تک دعا کی کہ خوب اجالا ہو گیا۔ بعد ازاں طلوع آفتاب سے پہلے منیٰ کی طرف روانہ ہو گئے۔ مزدلفہ سے سیدنا فضل بن عباس رضی اللہ عنہ کو اپنے پیچھے سوار کیا اور جمرۂ کبریٰ تشریف لائے اور اسے سات کنکریاں ماریں۔ اس کے بعد قربان گاہ تشریف لے گئے اور اپنی عمر کے بقدر ۶۳ اونٹ خود اپنے دست مبارک سے ذبح کیے اور ۳۷ اونٹ آپؐ کی طرف سے سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ذبح کیے۔ اس طرح ایک سو اونٹ کی تعداد پوری ہوگئی۔ اس کے بعد ہر اونٹ کے گوشت کی ایک ایک بوٹی کو کاٹ کر ایک ہنڈیا میں پکایا اور آپؐ نے اس کا گوشت تناول فرمایا اور شوربا پیا۔ پھر حلق کروایا اور اپنے موئے مبارک کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں تقسیم فرما دیا تاکہ صحابہ رضی اللہ عنہم انھیں تبرک کے طور پر اپنے پاس رکھیں۔ بعد ازاں آپؐ ناقہ پر سوار ہو کر مکہ مکرمہ تشریف لے گئے اور بیت اللہ کا طواف فرمایا جسے طواف افاضہ کہتے ہیں۔ طواف کے بعد نماز ظہر مکہ ہی میں ادا فرمائی۔ پھر چاہ زمزم پر بنو عبدالمطلب کے پاس تشریف لے گئے۔ وہ حاجیوں کو پانی پلا رہے تھے۔ بنو عبدالمطلب نے آپؐ کو ایک ڈول پانی دیا۔ آپؐ نے اس کو سیر ہو کر پیا۔ پھر آپؐ واپس منیٰ تشریف لے گئے۔

منیٰ میں بھی آپؐ نے عرفات کے خطبہ پر مشتمل مضامین کا ایک خطبہ ارشاد فرمایا۔ خطبہ کے وقت آپؐ خچر پر سوار تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کچھ بیٹھے اور کچھ کھڑے تھے۔ (بخاری: ۱/۲۳۴)

اس کے بعد ایام تشریق ۱۱۔۱۲۔۱۳ ذی الحجہ میں منیٰ ہی میں قیام فرمایا۔ پھر ۱۳ ذی الحجہ کو منی سے کوچ فرمایا۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو بخاری: ج ۱، کتاب المناسک، ۲/۶۳۱، مسلم، باب حجۃ النبی ﷺ، فتح الباری: ۸/۱۰۳، سیرۃ ابن ہشام: ۲/۶۰۱، زاد المعاد: ۱/۲۱۸، عیون الاثر: ۲/۳۵۹)

خطبۂ غدیر خم:

۱۳ ذی الحجہ کو سرکار دو عالم ﷺ منیٰ سے روانہ ہوئے اور وادی ابطح کے پاس خیف بن کنانہ میں فروکش ہوئے۔ دن کا باقی ماندہ حصہ اور رات آپؐ نے وہیں گزاری اور ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی نمازیں وہیں ادا کیں۔ البتہ عشاء کے بعد تھوڑا سو کر اٹھے۔ پھر سوار ہو کر بیت اللہ تشریف لائے اور طواف وداع کیا۔ غرضیکہ تمام

Marfat.com

مناسک حج سے فراغت کے بعد آپؐ نے سواری کی مہار مدینہ طیبہ کی طرف کی۔ آپؐ کے اصحاب کا قریباً ڈیڑھ لاکھ کا ہجوم واپسی پر بھی آپ ﷺ کے ساتھ تھا جو فضا میں تکبیر و تہلیل کے موتی بکھیر رہا تھا، اور آپؐ انھیں دیکھ دیکھ کر خوش ہو رہے تھے۔

مناسک حج کی تکمیل کے بعد سب زائرین اپنے اپنے گھروں کو لوٹنا شروع ہوئے۔ سرکار دو عالم ﷺ اپنے رفقاء کے ساتھ مدینہ کی طرف مراجعت فرما ہوئے۔ یہاں پہنچ کر محسوس ہوا کہ اب جزیرہ نما عرب کے مسلمانوں کے لیے کسی قسم کا کوئی خطرہ نہیں، البتہ عرب کے نواحی ممالک روم و ایران اور شام و مصر کی طرف سے ریشہ دوانیوں کے خطرہ کو فراست نبوی ﷺ محسوس کر رہی تھی۔

جیش اسامہ رضی اللہ عنہ:

رومن امپائر اپنے آپ کو دنیا کی سپر پاور سمجھتی تھی اور کسی لحاظ سے وہ سپر پاور تھی بھی۔ وہ اسلامی سلطنت کو اپنے لیے برابر خطرہ سمجھ رہی تھی۔ حجۃ الوداع سے واپسی کے بعد زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے شام پر چڑھائی کے لیے زیادہ سے زیادہ فوج جمع کرنے کا حکم جاری فرمایا جس میں مہاجرین اولین بھی تھے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ جیسے سربرآوردہ اور اکابر اصحابِ رسول بطور سپاہی شامل تھے۔ چنانچہ ۲۶ر صفر سنہ ۱۱ھ کو آپؐ نے رومیوں کے مقابلے کے لیے لشکر کشی کا حکم دیا۔ آپؐ نے اس لشکر کا امیر سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا۔ بدھ سے آپؐ کی علالت کا سلسلہ شروع ہوا۔ جمعرات کے روز باوجود علالت کے آپؐ نے خود اپنے دست مبارک سے علم بنا کر اسامہ رضی اللہ عنہ کو دیا اور فرمایا کہ ارض فلسطین کے اس نقطہ پر جائیں جہاں بلقاء اور روم کی حدیں ملتی ہیں۔ وہاں جا کر مورچہ بندی کیجیے۔ سیدنا اسامہ رضی اللہ عنہ علم لے کر باہر تشریف لائے اور اسے سیدنا بریدہ اسلمی رضی اللہ عنہ کے سپرد کیا۔ فوج کو مقام جرف پر جمع کیا اور تمام جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جلد وہاں آ کر لشکر میں شامل ہو گئے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور سیدنا عباس رضی اللہ عنہ تو آپ ﷺ کی تیمارداری کی وجہ سے مدینہ واپس آ گئے اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سیدنا اسامہ رضی اللہ عنہ سے اجازت لے کر رسول اللہ ﷺ کو دیکھنے آتے تھے۔ اب معاملہ یہ ہو گیا کہ سرکار دو عالم ﷺ کی شدت علالت کے باعث مسلمانوں کے لیے آسان نہ تھا کہ وہ ایسی حالت میں مدینہ چھوڑ دیں کیونکہ سرکار دو عالم ﷺ کی ذات ایک ایسی گراں مایہ ہستی تھی جو ہر مسلمان کے نزدیک اپنی جان سے زیادہ عزیز تھی۔

رسول اللہ ﷺ کی اچانک شدید علالت کے باعث مسلمان بے حد متاثر ہوئے۔ چنانچہ مدینہ سے تین میل کی مسافت پر اس لشکر کا رک جانا ایک قدرتی بات تھی۔

جمعرات کے روز جب مرض میں شدت پیدا ہو گئی اور آپ ﷺ عشاء کی نماز کے لیے مسجد میں تشریف نہ لا سکے تو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو نماز پڑھانے کا حکم صادر فرمایا۔ پیر کی صبح کو آپؐ کو قدرے سکون ہوا اور صحابہ

Marfat.com

کرام رضی اللہ عنہم سمجھے کہ اب آپ ﷺ کی طبیعت روبصحت ہے تو سیدنا اسامہ رضی اللہ عنہ نے روانگی کا ارادہ فرمایا۔ وہ اسی تیاری میں تھے کہ سیدہ ام ایمن رضی اللہ عنہا نے پیغام بھجوایا کہ آپؐ حالت نزع میں ہیں۔ اس تشویش ناک صورت نے لشکر کو پھر روک دیا اور کچھ دیر نہ گزری تھی کہ سرکار دو عالم ﷺ کا انتقال ہو گیا۔ آپؐ کے انتقال کے خبر سن کر تمام اہل لشکر افتاں وخیزاں مدینہ واپس آئے۔ سیدنا بریدہ اسلمی رضی اللہ عنہ نے نشان لا کر حجرہ مبارکہ کے دروازے پر نصب کر دیا۔ (زرقانی: ۳/ ۱۰۷، طبقات ابن سعد: ۲/ ۱۸۹، عیون الاثر: ۲/ ۳۶۹)

Marfat.com

رفیق اعلیٰ کی طرف

حجۃ الوداع میں تکمیل دین کی جو بشارت دی گئی اس کے بعد آپ ﷺ کے جذبات واحساسات اور احوال وظروف بلکہ گفتار وکردار سے بھی یہی ظاہر ہونا شروع ہوگیا تھا کہ اب آپ ﷺ اس دنیا کے باسیوں کو الوداع کہنے والے اور داغِ مفارقت دینے والے ہیں۔ چنانچہ حجۃ الوداع سے واپسی کے بعد آپؐ نے سفرِ آخرت کی تیاری شروع کردی۔ جبرئیل امین نے اس سال آپ ﷺ کو دومرتبہ قرآن حکیم کا دور کرایا جب کہ اس سے پیشتر آپ ﷺ ہر سال ایک ہی مرتبہ دور کرتے تھے۔

اوائل صفر سنہ ۱۱ھ میں ایک روز آپؐ میدان احد میں تشریف لے گئے۔ آٹھ سال کے بعد شہدائے احد پر نماز جنازہ پڑھی۔ پھر جنت البقیع تشریف لے گئے اور ان کے لیے دعائے خیر فرمائی اور دعا اس طرح فرمائی گویا زندوں اور مردوں سے رخصت ہو رہے ہیں۔ گورستان بقیع سے آپ ﷺ واپس گھر تشریف لائے۔ دیکھا کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سر پکڑ کر درد سے کراہ رہی ہیں۔ بار بار سیدہ رضی اللہ عنہا کی زبان سے ''ہائے میرا سر، ہائے میرا سر، نکل رہا ہے۔'' رسول اللہ ﷺ نے سیدہ رضی اللہ عنہا کو دیکھ کر فرمایا: ''عائشہ رضی اللہ عنہا! بلکہ میں کہتا ہوں ''ہائے میرا سر۔'' پھر فرمایا: ''اگر تو مجھ سے پہلے انتقال کر جائے تو تجھے کیا نقصان ہے؟ میں خود تمھاری تجہیز وتکفین کروں گا اور تمھاری نماز جنازہ پڑھ کر تمھیں دفن کروں گا۔'' سیدہ رضی اللہ عنہا بولیں: ''آپ ﷺ کی خواہش تو یہی ہے کہ جس طرح ہو سکے مجھے سپرد خاک کر دیں اور دولت کدہ پر تشریف لا کر میری باری کسی سوکن کو ہبہ کر دیں۔'' سیدہ رضی اللہ عنہا کا جواب سن کر آپؐ نے تبسم فرمایا اور خاموش ہوگئے۔ بس اسی روز سے آپؐ کے سر میں درد نے شدت اختیار کر لی۔ قدرے افاقہ ہوا تو سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کے ہاں تشریف لے گئے۔ یہ غالباً ۲۹ صفر کا واقعہ ہے۔ یہ آپؐ کے مرض کا آغاز تھا، اور ۱۳ یا ۱۴ روز آپؐ صاحب فراش رہے۔ (زرقانی: ۸/۲۵۶، ابن ہشام: ۲/۶۴۳، البدایہ والنہایہ: ۵/۲۲۴)

شدت مرض ہی میں آپؐ باری باری ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے ہاں تشریف لے جاتے رہے۔ جب مرض نے شدت اختیار کر لی تو ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن سے اجازت لے کر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہاں تشریف لے آئے اور آٹھ روز کے بعد اگلے پیر کو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرۂ مبارکہ میں انتقال فرمایا۔

علالت کے دوران ہی آپؐ کو اسود عنسی، مسیلمہ کذاب اور طلیحہ اسدی مدعیان نبوت کی اطلاع ملی اور

Marfat.com

اسود عنسی کی سرزنش اور سرکوبی کے لیے انصار کی ایک جماعت روانہ فرمائی اور آپ ﷺ کی رحلت سے ایک روز قبل اس مردود کو قتل کیا گیا۔

علالت نے ابتداء ہی سے بلا کی شدت اختیار کر لی جیسے جسم کا رواں رواں حرارت کا سوتا بن گیا ہو۔ جونہی حرارت میں کمی واقع ہوئی آپؐ مسجد میں تشریف لائے اور نماز پڑھائی۔ آپؐ کی اولاد میں سے اب صرف ایک ہی بیٹی زندہ تھی اور وہ سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا تھیں۔ یہ سب سے چھوٹی بھی تھیں۔ اس وجہ سے آپؐ کو ان سے بے پناہ محبت تھی۔ علالت کے دوران انھیں بلا بھیجا۔ وہ تشریف لائیں تو ان کے کان میں کچھ ارشاد فرمایا۔ وہ رونے لگیں، اس کے بعد کچھ اور ان کے کان میں کہا تو وہ ہنس پڑیں۔ پہلی دفعہ یہ فرمایا کہ میں اس بیماری میں اللہ سے جا ملوں گا۔ آپ کی وفات کا سن کر سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں رو پڑی۔ دوسری مرتبہ میرے کان میں یہ فرمایا کہ میرے گھر والوں میں تو سب سے پہلے مجھے آ ملے گی تو میں اس خوش خبری پر ہنس پڑی۔

(زرقانی: ۲۶۲/۸، فتح الباری: ۱۰۳/۸)

ایک روز فرمایا: ''لوگو! اللہ نے اپنے ایک بندے کو اختیار دیا کہ وہ دنیا اور آخرت اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے، ان دونوں میں سے کسی ایک کو اختیار کر لے لیکن اللہ کے اس بندے نے اللہ کے ہاں کی نعمتوں کو اختیار کیا۔''

یہ بات کہہ کر آپؐ خاموش ہو گئے، لیکن سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ بات کی تہہ تک پہنچ گئے کہ یہ سب کچھ آپؐ نے اپنے ہی بارے میں فرمایا ہے۔ چنانچہ وہ دھاڑیں مار مار کر رونے لگے۔ سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے رونے سے ہمیں بہت تعجب ہوا۔ لوگوں نے کہا: اس بڑے میاں کو دیکھو، رسول اللہ ﷺ تو ایک بندے کے لیے فرما رہے ہیں اور یہ بڑے میاں رو رہے ہیں، لیکن چند روز کے بعد واضح ہو گیا کہ جس بندہ کو اختیار دیا گیا تھا وہ خود رسول اللہ ﷺ تھے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ ہم میں سب سے زیادہ صاحب علم تھے۔

(بخاری: ۵۱۶/۱)

وفات سے پانچ روز پہلے یعنی بدھ کے روز بخار میں مزید شدت آ گئی۔ آپؐ نے فرمایا کہ مجھ پر مختلف کنوؤں سے سات مشکیں پانی ڈال دیں۔ چنانچہ مختلف کنوؤں سے سات مشکیں بھر کر لائی گئیں اور آپؐ پر ڈال دی گئیں۔ آپؐ پر اتنا پانی ڈالا گیا کہ آپ ''بس، بس'' کہنے لگے۔ چنانچہ کچھ سکون ہوا۔ آپؐ سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کے سہارا سے مسجد میں تشریف لائے اور نماز پڑھائی۔ یہ ظہر کی نماز تھی۔ بعد ازاں آپؐ نے ایک خطبہ دیا۔ یہ آپؐ کا آخری خطبہ تھا۔ آپ نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ یہود و نصاریٰ پر لعنت کرے جنھوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا۔ لوگو! میری قبر کو بت کدہ نہ بنانا کہ اس کی پوجا کی جائے۔'' (بخاری: ۶۲/۱)

پھر آپؐ نے اپنے آپ کو قصاص کے لیے پیش فرمایا اور فرمایا کہ میں نے کسی کی پیٹھ پر اگر کوئی کوڑا مارا ہو تو میری پیٹھ حاضر ہے۔ وہ شخص مجھ سے قصاص لے لے، اور اگر کسی کی آبرو ریزی کی ہو تو اس کے سامنے میری

Marfat.com

آبرو حاضر ہے۔ وہ مجھ سے بدلہ لے لے۔ اسی اثناء میں ایک شخص نے کہا: ''یارسول اللہ ﷺ! آپؐ کے ذمہ میرے تین درہم باقی ہیں۔ آپؐ نے سیدنا فضل بن عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''اسے تین درہم دے دو۔''

اے لوگو! میں تمھیں انصار کے بارے میں وصیت کرتا ہوں۔ ان کے ساتھ حسن سلوک کا معاملہ کرنا۔ انصار نے اسلام اور ایمان کو ٹھکانہ دیا اور زمینوں، مکانوں، باغوں اور پھلوں میں تمھیں اپنے ساتھ حصہ دار بنایا اور باوجود فقر وفاقہ اور تنگ دستی کے تمھیں اپنے آپ پر ترجیح دی۔

سنو! میں تم سے پہلے جا رہا ہوں اور تم بھی مجھ سے آ کر ملو گے۔ حوض کوثر پر ملنے کا وعدہ ہے۔''

(البدایہ والنہایہ: ۵/۲۳۱، زرقانی: ۸/۲۶۸)

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی امامت:

آپ ۱۳ یا ۱۴ روز بیمار رہے۔ مرض کی شدت کے باوجود وفات سے چار روز پہلے تک تمام نمازیں خود ہی مسجد میں جا کر پڑھاتے رہے۔ اس روز بھی مغرب کی نماز آپؐ ہی نے پڑھائی۔ (بخاری: ۲/۶۳۷) لیکن عشا کے وقت مرض میں شدت پیدا ہو گئی اور مسجد میں جانے کی سکت نہ رہی۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے دریافت فرمایا کیا لوگوں نے نماز پڑھ لی ہے؟ عرض کیا گیا: ''نہیں، بلکہ لوگ مسجد میں آپؐ کا انتظار کر رہے ہیں۔ آپ ﷺ نے غسل فرمایا اور مسجد میں جانا چاہا لیکن آپؐ پر غشی طاری ہو گئی۔ پھر جب افاقہ ہوا تو پوچھا: ''کیا لوگوں نے نماز پڑھ لی؟'' کہا گیا: ''نہیں، یارسول اللہ ﷺ'' دو تین بار آپؐ نے مسجد میں جانے کی کوشش کی لیکن ہر بار آپؐ پر غشی طاری ہو گئی۔ بالآخر ارشاد فرمایا: ''ابوبکر رضی اللہ عنہ کو میری طرف سے حکم دو کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔'' سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی: ''یارسول اللہ ﷺ! ابوبکر نہایت رقیق القلب آدمی ہیں۔ جب وہ آپؐ کی جگہ کھڑے ہوں گے تو وہ اپنی رقت قلبی کی وجہ سے لوگوں کو نماز نہیں پڑھا سکیں گے، لہٰذا آپ ﷺ عمر رضی اللہ عنہ کو نماز پڑھانے کے لیے فرمائیں۔ آپؐ نے تین چار بار یہی فرمایا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کو میری طرف سے کہیں کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ اور ہر بار سیدہ رضی اللہ عنہا نے جواب میں یہی کہا کہ آپ عمر رضی اللہ عنہ سے کہیں کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں لیکن آپؐ نے ہر بار انکار کیا۔ بالآخر فرمایا: ''تم سب یوسف والیاں ہو، ابوبکر رضی اللہ عنہ کو حکم دو کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔

(بخاری: ۱/۹۹)

چنانچہ اس دن عشا کی نماز کے بعد سے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ مسجد نبوی ﷺ میں لوگوں کو برابر نماز پڑھاتے رہے۔ اس طرح سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سترہ نمازیں پڑھائیں۔

ہفتہ یا اتوار کو آپؐ نے اپنی طبیعت میں قدرے افاقہ محسوس فرمایا۔ چنانچہ آپؐ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے سہارے تشریف لائے۔ اس وقت سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نماز پڑھا رہے تھے۔ وہ آپؐ کو دیکھ کر پیچھے ہٹنے لگے۔ آپؐ نے پیچھے نہ ہٹنے کا اشارہ فرمایا اور لانے والوں سے فرمایا کہ مجھے ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بائیں

Marfat.com

جانب بٹھا دیا جائے۔ چنانچہ حکم کی تعمیل کی گئی۔ اس کے بعد ابوبکر رضی اللہ عنہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امام ہو گئے۔ باقی ماندہ نماز لوگوں کو آپؐ نے پڑھائی اور ابوبکر رضی اللہ عنہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تکبیریں سنا رہے تھے۔

(بخاری:۱/۹۸، ۲/۲۹۳، نووی شرح مسلم:۱/۱۷۹، فتح الباری:۲/۱۲۴)

بعض روایات میں ہے کہ آپؐ جب امام ہو گئے اور ابوبکر رضی اللہ عنہ متقدی تو آپؐ نے وہیں سے قرأت شروع کی جہاں تک ابوبکر رضی اللہ عنہ کر چکے تھے۔ (ابن ماجہ: ص ۸۸، مسند احمد: ۲۳۲، ۲۰۹، بخاری:۱/۱۹۷، سنن کبریٰ بیہقی:۳/۸۱)

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پیر کے روز بظاہر طبیعت کو کچھ سکون محسوس ہوا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نماز فجر میں مشغول تھے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ امامت کے فرائض انجام دے رہے تھے۔ آپؐ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ کا پردہ اٹھا کر مسجد میں نگاہ ڈالی۔ دیکھا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نماز میں مشغول ہیں۔ آپؐ نے تبسم فرمایا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے آہٹ پا کر سمجھا کہ آپؐ مسجد میں تشریف لانا چاہتے ہیں۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پیچھے ہٹنا چاہا لیکن آپؐ نے اشارہ سے روکا۔ لوگ فرط مسرت سے بے قابو ہو گئے اور قریب تھا کہ نماز ٹوٹ جائے لیکن آپؐ نے اشارہ فرمایا کہ نماز پوری کرو۔ پھر آپؐ نے حجرہ میں داخل ہو کر پردہ گرا دیا۔ مسلم میں روایت ہے کہ آپ کی طبیعت میں اس قدر ضعف تھا کہ پردہ بھی اچھی طرح نہ گرا سکے۔ (مسلم:۱/۱۶۷)

یہ سب سے آخری موقع تھا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رخ انور کی زیارت کی۔ چہرۂ انور کا یہ حال تھا کہ گویا مصحف کا ایک ورق ہے یعنی بالکل سفید ہو گیا تھا۔ (مسلم:۱/۱۶۷)

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نماز فجر سے فارغ ہو کر سیدھے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر سیدہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ معلوم ہوتا ہے آپؐ کو کچھ سکون اور افاقہ ہے۔ اس حالت میں اکثر آپؐ کی زبان سے یہ الفاظ نکلتے:

مع الذین انعم اللہ علیھم۔

''ان لوگوں کے ساتھ جن پر اللہ نے انعام کیا۔''

اور کبھی آپؐ یہ فرماتے:

اللھم فی الرفیق الاعلیٰ۔

''اے اللہ آپ بڑے رفیق ہیں۔''

سیدنا عائشہ رضی اللہ عنہا سمجھ گئیں کہ اب اس دنیا سے قطع تعلق ہے۔ اب صرف رفاقت الٰہی مطلوب ہے۔ اب اس زہر کا اثر بھی ظاہر ہونا شروع ہو گیا جسے آپؐ کو خیبر میں یہودی عورت نے کھلایا تھا۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپؐ نے مجھے فرمایا: ''عائشہ رضی اللہ عنہا! خیبر میں جو ایک لقمہ میں نے کھا لیا تھا اس کی تکلیف بھی اب میں برابر محسوس کر رہا ہوں۔ اس وقت مجھے ایسا معلوم ہو رہا ہے کہ اس زہر کے اثر سے میری شہ رگ کٹی جا رہی ہے۔ (بخاری:۲/۶۳۷)

اسی حالت میں اپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو وصیت فرمائی:

Marfat.com

الصلوٰۃ، الصلوٰۃ وما ملکت ایمانکم۔ (بخاری:۲/۶۳۷)

''نماز، نماز اور تمھارے ماتحت یعنی غلام اور لونڈیاں۔''

یہ الفاظ آپؐ نے کئی مرتبہ دہرائے۔

انتقال سے کچھ وقت پہلے آپؐ کی طبیعت میں کافی سکون اور افاقہ محسوس ہونے لگا تھا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے یہ سمجھا کہ آپؐ روبصحت ہو رہے ہیں۔ چنانچہ سیدنا اسامہ رضی اللہ عنہ نے حاضر خدمت ہو کر اپنے لشکر کو شام لے جانے کی اجازت طلب کی۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! میں دیکھ رہا ہوں کہ آپؐ کی صحت اللہ کے فضل سے اچھی ہو رہی ہے۔ میری ایک بیوی حبیبہ بنت خارجہ کی باری کا دن ہے۔ اگر اجازت ہو تو اس کے ہاں سے ہو آؤں؟ فرمایا: اجازت ہے۔ چنانچہ ابوبکر رضی اللہ عنہ حوالیٔ مدینہ مقام سخ چلے گئے۔ پھر یک دم جو طبیعت خراب ہوئی تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سمجھ گئیں کہ اب عالم نزع شروع ہو گیا ہے۔ سیدہ رضی اللہ عنہا نے آپؐ کی اپنے اوپر ٹیک لگوا دی۔ اتنی دیر میں سیدہ رضی اللہ عنہا کے بھائی سیدنا عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ ہاتھ میں مسواک لیے آ گئے۔ آپ اس کی طرف دیکھنے لگے۔ سیدہ رضی اللہ عنہا نے کہا: ''یارسول اللہ ﷺ! کیا آپؐ کے لیے مسواک لے لوں؟ اشارہ سے فرمایا: ''ہاں!'' سیدہ رضی اللہ عنہا نے مسواک نرم کر کے آپؐ کو دی۔ آپؐ نے نہایت اچھی طرح مسواک کی۔ آپؐ کے سامنے لگن میں پانی تھا۔ آپؐ اس پانی میں دونوں ہاتھ ڈال کر چہرۂ مبارک پونچھتے جاتے اور فرماتے جاتے:

لآ الہ الا اللہ، ان للموت سکرات۔ (بخاری:۲/۶۴۰)

''اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، بے شک موت کی بڑی سختیاں ہیں۔''

پھر آپؐ نے ہاتھ یا انگلی آسمان کی طرف اٹھائی۔ نگاہ چھت کی طرف بلند کی اور دونوں ہونٹ ہلے۔ سیدہ رضی اللہ عنہا نے کان لگایا تو فرما رہے تھے:

ان انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین کے ہمراہ جن پر تو نے اپنا انعام فرمایا: اے اللہ! مجھے بخش دے، مجھ پر رحم فرما اور مجھے رفیق اعلیٰ میں پہنچا دے۔ اے اللہ! رفیق اعلیٰ میں پہنچا دے۔''

آخری فقرہ آپ ﷺ نے تین مرتبہ دہرایا اور اسی وقت ہاتھ جھک گیا اور آپؐ رفیق اعلیٰ سے جا ملے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ دفعتاً محسوس ہوا کہ میری آغوش بوجھ سے دبی جا رہی ہے۔ میں نے رخ انور پر نظر ڈالی تو آنکھیں پتھرائی جا رہی تھیں یہاں تک کہ آپؐ رفیق اعلیٰ سے جا ملے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

یہ روح فرسا اور جان گداز واقعہ ۱۲ ربیع الاول سنہ ۱۱ھ بروز پیر چاشت کی شدت کے وقت پیش آیا۔ اس وقت آپؐ کی عمر مبارک تریسٹھ سال چار دن تھی۔ (زرقانی:۳/۱۱۰، فتح الباری:۸/۹۸)

بیکراں اضطراب:

اس قیامت خیز خبر نے تمام اہل مدینہ کو اس قدر متاثر کیا کہ ان کے ہوش اڑ گئے۔ کوہِ غم ٹوٹ پڑا۔ تمام

Marfat.com

عالم ان پر تاریک ہوگیا۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ پر سکتہ طاری ہوگیا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ روتے روتے بے ہوش ہوگئے۔ سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا نے فرط غم سے کہا: ''ہائے بابا جان! آپؐ نے اپنے رب کی آواز پر لبیک کہا۔'' ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن اور خصوصاً سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر رنج وغم کا جو کوہ گراں گرا، قلم کو اس کے لکھنے کی تاب نہیں۔ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کی پریشانی اور رنج وغم بھی دیدنی تھا۔ ہر ایک صحابی فرطِ غم سے نڈھال تھا۔ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا ہوگیا ہے؟ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جس روز سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف لائے اس سے زیادہ روشن اور تابناک دن بھی میں نے کبھی نہیں دیکھا اور جس روز آپؐ نے وفات پائی اس سے زیادہ تاریک دن بھی میں نے کبھی نہیں دیکھا۔ (بخاری:۲/۶۴۱)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نہایت جوش میں تھے۔ برہنہ تلوار ہاتھ میں تھی۔ مسجد میں جوش سے ادھر ادھر دیوانہ وار پھر رہے تھے۔ کسی کی مجال نہ تھی کہ ان کے سامنے یہ کہہ سکے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا واقعی انتقال ہوگیا ہے۔

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لے کر اپنے گھر سخ تشریف لے گئے تھے۔ ابھی وہ اپنے مکان پر پہنچے ہی تھے کہ یہ جان گداز خبر ان کو ملی۔ وہ فوراً اپنے گھوڑے پر سوار ہوکر واپس مدینہ پہنچے۔ نہایت غمگین حالت میں حجرۂ عائشہ رضی اللہ عنہا میں داخل ہوئے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی آمد کا سن کر تمام ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن نے پردہ کرلیا۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے چہرۂ انور سے چادر کو ہٹایا۔ پیشانی کو بوسہ دیا اور آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے اور کہا:

وانبیاء واخلیلا، واصفیا۔

تین مرتبہ یہ الفاظ دہرائے اور پیشانی مبارک بوسہ دے کر فرمایا:

''میرے ماں باپ آپ پر قربان، آپ موت وحیات دونوں کیفیتوں میں کیسے پاکیزہ تھے۔'' اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، اللہ تعالیٰ آپ کو دو موتوں کا ذائقہ کبھی نہ چکھائے گا۔'' (بخاری:۱/۵۱۷)

پھر فرمایا: ''جو موت اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے لکھی تھی وہ تو آپؐ پر وارد ہوچکی۔'' (بخاری:۱/۱۶۶)

پھر آپ رضی اللہ عنہ مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں تشریف لے گئے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی بات سن کر اور کیفیت دیکھ کر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''عمر بیٹھ جاؤ۔'' سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نہیں بیٹھے بلکہ ان پر ایک عجیب کیفیت طاری تھی۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو چھوڑ کر منبر نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بڑھے اور لوگوں سے فرمایا کہ خاموش ہوکر بیٹھ جاؤ۔ پھر فرمایا: ''لوگو! جو کچھ میں کہنا چاہتا ہوں اسے نہایت غور سے سنو۔'' چنانچہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہمہ تن گوش ہوکر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ارشادات سننے کے لیے بیٹھ گئے۔ چنانچہ حمد وثنا کے بعد ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''لوگو! جو شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کیا کرتا تھا اسے جان لینا چاہیے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو وفات پاگئے، اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا تھا وہ جان لے کہ اللہ تعالیٰ زندہ ہے اور اس پر کبھی موت نہیں آسکتی۔ اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نہیں ہیں مگر اللہ کے رسول، ان سے پہلے اور بھی بہت سے رسول گزر

Marfat.com

چکے ہیں، سواگر آپ ﷺ کا انتقال ہوجائے یا آپ شہید ہوجائیں تو کیا تم لوگ دین اسلام سے پھر جاؤ گے، اور جو شخص دین اسلام سے پھر جائے گا تو وہ اللہ کو ذرہ برابر بھی نقصان نہیں پہنچا سکتا، اور عنقریب اللہ تعالیٰ شکر کرنے والوں کو جزا دے گا۔" (بخاری:۲/۶۴۰)

اس کے علاوہ کچھ اور باتیں بھی ارشاد فرمائیں جن کو علامہ زرقانی نے نقل کیا ہے۔

(زرقانی:۸/۲۸۰، البدایہ والنہایہ:۵/۲۴۳)

لوگوں کا رخ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرف دیکھ کر وہ عمر رضی اللہ عنہ جو پہلے ابوبکر رضی اللہ عنہ کے کہنے کے باوجود نہ بیٹھے تھے، اب نہایت خاموشی سے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی تقریر سنتے رہے۔ جب انھوں نے مذکورہ آیت پڑھی تو عمر رضی اللہ عنہ کے پاؤں لڑکھڑا گئے اور انھیں رسول اللہ ﷺ کی وفات کا یقین ہوگیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ خود فرماتے ہیں کہ "میری حالت یہ ہوگئی کہ گویا میں نے آج ان ہی آیات کو پڑھا اور اپنے خیال سے رجوع کیا۔"

(تفسیر قرطبی:۴/۲۲۳)

آپ ﷺ کی وفات کی روح فرسا خبر سن کر سیدنا اسامہ رضی اللہ عنہ بھی مقام جرف سے اپنے ساتھیوں کے ساتھ مدینہ آگئے اور فوج کا علم سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ کے دروازے کے قریب نصب کر کے مسلمانوں کے فیصلے کے انتظار میں اپنے سفر کو التواء میں ڈال دیا۔

تاسیس خلافت:

رسول اللہ ﷺ کے انتقال پر ملال نے مسلمانوں کے اوسان خطا کر دیئے۔ ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ حالات کیا کروٹ لیں گے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے اعلان نے انھیں تذبذب میں ڈال دیا۔ جب سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی تقریر نے انھیں بحر تذبذب سے نکال کر یقین کے ساحل پر بٹھا دیا تو انھیں پتہ چل گیا کہ رسول اللہ ﷺ واقعی انتقال فرما گئے ہیں۔ چنانچہ وہ اپنے اپنے گھروں کو لوٹ گئے۔

اسی اثناء میں انصار کا ایک اچھا خاصا گروہ سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہوا۔ ایک شخص سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس یہ خبر لایا کہ سعد بن عبادہ انصاری رضی اللہ عنہ نے سقیفہ بنی ساعدہ میں انصار کا مجمع لگا رکھا ہے اور آپ ﷺ کی جانشینی کا مسئلہ درپیش ہے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو فکر لاحق ہوئی کہ مبادا انصار عجلت میں کسی شخص کے ہاتھ پر بیعت نہ کر بیٹھیں اور بعد میں وہ فتنہ کا سبب نہ بن جائے۔ چنانچہ یہ دونوں حضرات فوری طور پر اس طرف روانہ ہوگئے۔ ان دونوں حضرات نے نہایت حکمت عملی سے اس مسئلے کا حل تلاش کر لیا۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ ان دونوں حضرات کے ساتھ سیدنا ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ اور کچھ مہاجرین بھی تھے۔ وہاں انصار و مہاجرین میں بحث و تمحیص اور گفتگو ہوئی۔ انصار نے اپنی فضیلت و استحقاق کا ذکر کیا۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انصار کی باتوں کا جواب دیا اور پھر انھوں نے "سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پکڑے اور فرمایا:

Marfat.com

''میں آپ حضرات کے لیے ان دونوں میں سے کسی بھی ایک کو پسند کرتا ہوں۔''

اس پر انصار کے ایک شخص نے کہا کہ ایک امیر ہم میں سے اور ایک امیر آپ لوگوں میں سے ہوں۔ اس پر بڑا شور اٹھا اور اختلاف کا خطرہ ہو چلا۔ اس حالت کو دیکھ کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑا اور ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ آپ کو دیکھ کر تمام مجمع نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔

تجہیز و تکفین اور تدفین:

منگل کے روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کپڑے اتارے بغیر غسل دیا گیا۔ غسل دینے والوں کے نام یہ ہیں: سیدنا عباس رضی اللہ عنہ، سیدنا علی رضی اللہ عنہ، سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کے دو صاحبزادے سیدنا فضل رضی اللہ عنہ اور سیدنا قثم رضی اللہ عنہ جو پردہ کیے ہوئے تھے۔ سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک غلام شقران رضی اللہ عنہ پانی ڈال رہے تھے۔ غسل کے دوران جسد اطہر کو ملنے کے باعث خوشبو کی لپٹوں کے باعث در و دیوار مہک اٹھے، بعد ازاں سحول کے بنے ہوئے تین سفید کپڑوں میں آپ کو کفن دیا گیا۔ ان میں قمیص اور عمامہ نہ تھا۔

تجہیز و تکفین سے فراغت کے بعد جسد اطہر کو قبر مبارک کے کنارے پر رکھ دیا گیا۔ اب ایک ایک گروہ حجرہ مبارک میں آتا تھا اور نماز جنازہ پڑھ کر واپس آ جاتا تھا۔ ہر شخص تنہا نماز پڑھتا۔ ان کا کوئی امام نہ تھا۔ ہر ایک گروہ حجرہ میں جاتا، تکبیر کہتا پھر درود اور دعا پڑھتا اور باہر آ جاتا۔ اسی طرح پھر دوسرا گروہ جاتا اور وہ بھی اسی طرح کر کے واپس آ جاتا۔ ایک روایت میں ہے کہ اپنی نماز جنازہ کا یہ طریقہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ہی بتایا تھا۔

(ملاحظہ ہو شرح شمائل للمناوی: ۲/۲۷۴، زرقانی: ۸/۲۹۱، زرقانی شرح الموطا: ۲/۱۶)

اس طریقہ کے ساتھ قریباً تیس ہزار لوگوں نے آپؐ کی نماز جنازہ پڑھی۔ (زرقانی: ۸/۲۸۱)

منگل کا سارا دن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز جنازہ پڑھنے میں مشغول و مصروف رہے۔ بدھ کا سارا دن بھی اسی طرح رہا۔ جب تمام مسلمان مرد، بچے اور عورتیں آپؐ کے آخری دیدار سے فارغ ہو گئے تو آپ کی تدفین پر توجہ دی گئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوڑھنے کی سرخ چادر کا فرش بچھایا گیا۔ جو حضرات غسل میں شامل تھے انھوں نے اپنے ہاتھوں سے قبر میں اتارا۔ چنانچہ بدھ کی رات کو آپؐ کی ''تدفین'' کی گئی۔ جب جسد اطہر کو لحد میں اتارا گیا تو اسے کچی اینٹوں سے ڈھانک دیا گیا۔ قبر پر مٹی ڈالنے کے بعد اس کی شکل کوہان کی سی بنا دی گئی اور پانی چھڑکا گیا۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے بیان کے مطابق آپ کو کسی میدان میں اس لیے دفن نہیں کیا گیا کہ آخری لمحوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ خیال تھا کہ لوگ فرط عقیدت و محبت سے میری قبر کو عبادت گاہ نہ بنا لیں۔

(بخاری، کتاب الجنائز باب الوفات)

Marfat.com

خلافت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

نام ونسب:

نام عبداللہ، کنیت ابوبکر، لقب صدیق اور عتیق (بخاری: ۱۱/۵، مستدرک حاکم: ۶۲/۳، ابن سعد: ۱۷۲/۲، اسد الغابہ: ۳۱۰/۳)۔ والد کا نام عثمان اور ابوقحافہ۔ والدہ کا نام سلمٰی اور کنیت ام الخیر۔ رشتہ کے لحاظ سے اپنے شوہر کی چچا زاد بہن تھیں۔ (الاصابہ: ۱۴۴/۴، سیرۃ وحیاۃ الصدیق مجدی فتحی: ص ۳۷)

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا تعلق قریش کی ایک شاخ بنو تیم سے تھا۔ والد کی طرف سے آپ کا سلسلۂ نسب یہ ہے: عبداللہ بن عثمان بن عامر بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرۃ بن کعب بن غالب بن فہر بن مالک بن کنانہ اور والدہ کا نسب نامہ یہ ہے: سلمٰی بنت صخر بن عمرو بن کعب۔ (ابوبکر صدیق، علی طنطاوی: ص ۴۶)

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے والد ماجد ابوقحافہ عثمان، معززین مکہ میں سے تھے اور عمر کی کافی منزلیں طے کر چکے تھے، جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان نبوت فرمایا، یہ فتح مکہ کے روز حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف فرما تھے کہ یہ اپنے فرزند ارجمند سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھ کر فرمایا، ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تم نے انھیں کیوں تکلیف دی، میں ان کے پاس آ جاتا۔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سینہ پر ہاتھ پھیرا۔ ابوقحافہ رضی اللہ عنہ نے بڑی لمبی عمر پائی اور ۱۴ھ میں ۹۷ برس کی عمر میں انتقال فرمایا۔ (الاصابہ: ۴۸/۲)

آپ کی والدہ ماجدہ سیدہ ام الخیر سلمٰی بنت صخر اپنے شوہر سے پہلے اسلام لائی تھیں۔ انھوں نے بھی طویل عمر پائی اور سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بعد لیکن ابوقحافہ کے انتقال سے قبل انتقال فرمایا۔ (الاصابہ: ۴۲۹/۴)

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ عام الفیل کے واقعہ کے اڑھائی سال بعد پیدا ہوئے۔ (تاریخ الدعوۃ الی الاسلام فی عہد الخلفاء الراشدین: ص ۳۰) آپ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قریباً تین برس چھوٹے تھے۔ والدین نے نام عبداللہ رکھا۔ آپ کا لقب صدیق تھا، جس کی وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کی رات جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا، کہ اس واقعہ کی تصدیق کون کرے گا؟ انھوں نے کہا، کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کریں گے۔ وہ صدیق

Marfat.com

ہیں۔(طبقات ابن سعد:۱/۱۲۶)

کتابوں میں آپ کا ایک اور لقب ''عتیق'' بھی آتا ہے کیونکہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے ان کو دیکھ کر فرمایا تھا، انت عتیق اللّٰہ من النار (تم اللہ کی طرف سے جہنم سے آزاد ہو)۔(ترمذی:۲/۲۲۷،اصحاب الرسولؐ:۱/۵۹)

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا ذریعہ معاش تجارت تھا۔ چنانچہ آپ نے اپنا پہلا تجارتی سفر ۱۸ سال کی عمر میں کیا۔ آپ کپڑے کی تجارت کرتے تھے۔ بہت بڑا تاجر ہونے کے ناطے اور عقل وفہم اور اصابت رائے کی وجہ سے قریش میں اشناق کی خدمت ان کے ذمے تھی، یعنی اگر کوئی قتل کا واقعہ پیش آجاتا تو قاتل سے دیت اور خون بہا لینے کا معاملہ ان کے ذمے ہوتا۔ علم الانساب میں بھی آپ کا ایک خاص مقام تھا۔

آپ ابتداء ہی سے سلیم الفطرت تھے۔ چنانچہ زمانۂ جاہلیت میں بھی بت پرستی اور شراب نوشی سے نفرت تھی۔ آپ کا مزاج رسول اللہ ﷺ کے مزاج سے ایک خاص مشابہت ومناسبت رکھتا تھا۔(تاریخ الخلفاء:۳۲)

قبول اسلام:

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ سے ایک خاص محبت تھی جس کی بنا پر دوستی کا رشتہ قائم ہوگیا تھا۔ ان دیرینہ تعلقات کی وجہ سے آپ قریباً ہر روز آپس میں ملتے تھے۔ چنانچہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ہم پر کوئی دن ایسا نہیں گزرا جب کہ رسول اللہ ﷺ صبح وشام ہمارے گھر نہ آتے ہوں۔(بخاری:۱/۵۵۲)

اسی دوستی کے ناطے اور گزشتہ صحبتوں کے تجربات کی وجہ سے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے سامنے جب رسول اللہ ﷺ نے اسلام پیش کیا تو آپ نے اسے اسی وقت قبول کرلیا۔(البدایہ والنہایہ:۳/۲۹)

روایات میں ہے کہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سب سے پہلے ایمان لائے تھے۔ چنانچہ امام نخعی نے کہا، ابوبکر اول من اسلم ابوبکر رضی اللہ عنہ سب سے پہلے شخص ہیں جو اسلام لائے۔

(البدایۃ والنہایہ: جلد۳،ص۲۷،طبری: جلد۲،ص۵۵،تاریخ الخلفاء:۳۳)

سید الفقہاء امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''آزاد مردوں میں سب سے پہلے ابوبکر رضی اللہ عنہ ایمان لائے، عورتوں میں سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا، غلاموں میں زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ اور بچوں میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب ایمان لائے تھے۔''

(البدایہ والنہایہ:۳/۲۹،طبری:۲/۶۰)

شیخ الاسلام ابن حجر عسقلانی نے بھی ایسا ہی لکھا ہے۔(ملاحظہ ہو فتح الباری:۷/۱۳۰)

جونہی سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اسلام کو قبول کیا، فوراً اس نظریہ کی اشاعت بھی شروع کردی۔ چنانچہ آپ کی دعوت پر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ، سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ، سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ، سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اور سیدنا طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابہ دولت ایمان سے مشرف ہوئے۔(اسد الغابہ)۔ سیدنا عثمان بن مظعون رضی اللہ

Marfat.com

سیدنا ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ سیدنا ابوسلمہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا خالد بن سعید بن العاص رضی اللہ عنہ جیسے حضرات بھی آپ ہی کی تبلیغ سے دائرہ اسلام میں داخل ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ جب مختلف قبائل میں تبلیغ اسلام کے لیے تشریف لے جاتے تو روایات بتاتی ہیں کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی آپ ﷺ کے ساتھ ہوتے تھے، اور اکثر ملاقات کے دوران لوگوں میں آپ کو متعارف کرواتے۔ (کنز العمال:۶/۳۱۹)

جونہی رسول اللہ ﷺ نے اعلان نبوت فرمایا، تو مکہ کے ہر گلی کوچہ سے لوگ آپ ﷺ کی مخالفت میں اٹھ کھڑے ہوئے اور آپ ﷺ کو اس قدر تکالیف پہنچائیں کہ قلم کو تاب نگارش نہیں۔ پھر جس جس شخص نے بھی دعوت اسلامی میں آپ ﷺ کا ساتھ دیا وہ بھی قریش مکہ کی ایذا رسانی سے نہ بچ سکا۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بھی قریش کے ان ظلم وستم کا سامنا کرنا پڑا لیکن یہ چونکہ ہر وقت حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے ساتھ ہوتے تھے، لہٰذا انھیں اپنی تو چنداں فکر نہ ہوتی۔ البتہ رسول اللہ ﷺ کا آپ کو برابر دھیان رہتا کہ کہیں آپ ﷺ کی ذات اطہر کو کوئی گزند نہ پہنچ جائے۔ چنانچہ ایک مرتبہ آپ ﷺ بیت اللہ میں نماز پڑھ رہے تھے کہ عقبہ بن ابی معیط نے اپنی چادر آپ ﷺ کی گردن میں ڈال کر اس زور سے اس کو بل دیا کہ آپ ﷺ کا دم گھٹنے لگا۔ اتنے میں سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پہنچ گئے۔ انھوں نے عقبہ کو دھکا دے کر پیچھے ہٹایا اور فرمایا:

''ظالمو! کیا تم اس شخص کو قتل کرنا چاہتے ہو جو کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے۔''

(بخاری:۱/۵۴۴) اسی طرح کی روایت فتح الباری:۱/۱۲۹ میں بھی ہے۔)

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا قریش کے ظلم وستم سے غلاموں کو نجات دلانا:

جب رسول اللہ ﷺ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ قریش کے ظلم وستم سے نہ بچ سکے، تو اس سے آپ اندازہ لگا لیں کہ ان غلاموں کا کیا حال ہوگا جنھوں نے پیغمبر اسلام ﷺ کی آواز پر لبیک کہا تھا۔ تاریخ کے اوراق ان مظالم کو محفوظ کیے ہوئے ہیں جو قریش مکہ نے سیدنا بلال رضی اللہ عنہ، سیدنا عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ، سیدنا ابوفکیہہ رضی اللہ عنہ، سیدہ لبینہ رضی اللہ عنہا، سیدہ زنیرہ رضی اللہ عنہا، سیدہ نہدیہ رضی اللہ عنہا، سیدہ ام عبیس رضی اللہ عنہا وغیرہ پر روا رکھے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان سب کو اپنے مال سے خرید کر آزاد کر دیا اور انھیں قریش کے ظلم شدید سے نجات دلائی۔

ابتداء میں جن لوگوں نے دعوت اسلام کو قبول کیا تھا ان میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کے سوا باقی تقریباً سارے مفلوک الحال تھے۔ پھر ان میں غلاموں کی بھی اچھی خاصی تعداد تھی جن کے پاس اپنی آزادی کے لیے بھی کوئی مال نہ تھا۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ایک طرف تو اپنے مال سے ان غلاموں کو خرید کر ان کی دادرسی کی اور دوسری طرف جہاں بھی اسلام کو مال کی ضرورت پڑی آپ رضی اللہ عنہ نے وہاں بے دریغ مال خرچ کیا۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ: ''ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مال نے مجھے جو فائدہ دیا ہے وہ کسی اور کے مال نے نہیں دیا۔'' (جامع ترمذی:۲/۱۴۷)

Marfat.com

ہجرت حبشہ کا ارادہ:

رسول اللہ ﷺ کی دعوت کو قبول کرنے والوں پر جب قریش نے ظلم وستم کے پہاڑ ڈھانے شروع کر دیئے تو آپ ﷺ نے انھیں حبشہ ہجرت کی اجازت دے دی۔ بہت سے ستم زدہ مسلمان حبشہ کی طرف روانہ بھی ہو گئے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنی ذاتی وجاہت اور اعزاز کے باوجود اس دار وگیر سے محفوظ نہ رہ سکے۔ اس وجہ سے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی حبشہ کی طرف ہجرت کا ارادہ فرمالیا لیکن جب آپ مکہ سے یمن کی طرف پانچ روز کی مسافت پر واقع مقام برک الغماد پہنچے تو آپ کی قبیلہ قارہ کے سردار ابن الدغنہ سے ملاقات ہوگئی۔ ابن الدغنہ نے پوچھا، ابوبکر رضی اللہ عنہ کہاں کا ارادہ ہے۔'' آپ نے جواب میں فرمایا کہ میری قوم نے مجھ کو نکال دیا ہے۔ اب سوچتا ہوں کہ کسی اور ملک میں چلا جاؤں اور اپنے رب کی عبادت کروں۔ ابن الدغنہ نے کہا کہ ''تم جیسا شخص کس طرح جلاوطن کیا جاسکتا ہے، تم غریبوں اور ناداروں کی دست گیری کرتے ہو، بے سہاروں کا سہارا بنتے ہو، قرابت داروں کی پاس داری کرتے ہو، مصیبت زدوں کی اعانت کرتے ہو۔ میں تمھیں نہیں جانے دوں گا۔ تم میرے ساتھ واپس چلو اور اپنے شہر ہی میں رب کی عبادت کرو۔'' چنانچہ وہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اپنے ساتھ واپس مکہ لے آیا اور قریش سے مخاطب ہو کر کہا کہ کیا غضب ہے کہ تم ان اوصاف کے حامل شخص کو شہر میں رہنے نہیں دیتے۔ یہ اب میری امان میں ہیں۔ قریش نے کہا، ابوالدغنہ! تم نے جو انھیں پناہ دی ہے وہ ہمیں اس شرط کے ساتھ منظور ہے کہ وہ چھپ کر عبادت کریں۔

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کچھ دنوں تک پوشیدہ طور پر ہی عبادت کرتے رہے لیکن آخر اپنے گھر کے صحن میں ایک مسجد بنالی۔ اس میں عبادت بھی کرتے اور قرآن مجید کی بڑے درد انگیز لہجہ میں تلاوت کرتے۔ قریش نے ابن الدغنہ سے شکایت کی۔ ابن الدغنہ نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے قریش کی شکایت کا تذکرہ کیا۔ آپ نے فرمایا: ''مجھے تمھاری پناہ کی ضرورت نہیں، میں اب اللہ کی پناہ میں آتا ہوں۔'' (بخاری: ۱/۲۵۲)

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کے عقد میں:

۱۰ نبوی میں ام المومنین سیدہ خدیجہ طاہرہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوگیا۔ رسول اللہ ﷺ کو اپنی اس جاں گسار اہلیہ کی جدائی کا سخت صدمہ ہوا۔ چنانچہ آپ ﷺ اکثر غمگین نظر آتے۔ اسی اثنا میں خولہ بنت حکیم رضی اللہ عنہا نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ آپ ﷺ کے نکاح کی تحریک کی۔ رسول اللہ ﷺ کو اس بارے میں پہلے ایک خواب بھی آیا تھا۔

(بخاری: جلد ۱، ص ۵۱

لہٰذا آپ ﷺ اس نکاح پر راضی ہوگئے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے جب سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی والدہ رومان رضی اللہ عنہا کی معرفت اس کا تذکرہ ہوا تو آپ رضی اللہ عنہ نے چار سو درہم پر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا نکاح رسول اللہ ﷺ کر دیا، لیکن اس وقت صرف نکاح ہوا، رخصتی ہجرت کے بعد مدینہ طیبہ میں ہوئی۔

Marfat.com

ہجرت مدینہ منورہ:

مکہ مکرمہ میں مشرکین کی ستم رانیاں دن بہ دن زیادہ ہو رہی تھیں اور اسلام کا نام لینے والوں کے لیے عرصہ حیات تنگ ہوتا چلا جا رہا تھا۔ ادھر مدینہ منورہ میں اسلام کے آفتاب جہاں تاب کی کرنیں اہل مدینہ کے قلوب کو منور و تاباں کر رہی تھیں۔ لہٰذا بارگاہ نبوت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مدینہ طیبہ ہجرت کرنے کا حکم ہوا۔ چنانچہ اکثر جاں نثار ہجرت کر کے مدینہ میں آباد ہو گئے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پوچھا کہ ''کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ہجرت کا حکم ہوگا۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ''ہاں۔'' عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے بھی ہمراہی کا شرف حاصل ہوگا؟ فرمایا، ''ہاں تم بھی ساتھ چلو گے لیکن ابھی انتظار کرو۔'' چنانچہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے دو اونٹنیوں کو چار ماہ قبل ہی ببول کی پتیاں کھلانا شروع کر دیں تا کہ سفر ہجرت میں یہ کام آئیں۔

چار ماہ انتظار میں گزر گئے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک روز ہم سب گھر میں بیٹھے ہوئے تھے۔ عین دوپہر کا وقت تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ گھر کے کسی فرد نے دور سے دیکھ کر کہا: ''وہ دیکھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سر پر کپڑا لپیٹے ہوئے تشریف لا رہے ہیں۔'' اس سے قبل تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی اس وقت تشریف نہیں لائے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے عرض کیا: ''میرے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان، اس بے وقت تشریف آوری کا مقصد ضرور کوئی اہم کام ہے۔'' اتنے میں جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مکان پر پہنچ گئے اور دروازہ پر کھڑے ہو کر اجازت طلب کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اجازت دی گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اندر تشریف لائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے فرمایا، ''یہاں جو لوگ موجود ہیں انھیں باہر بھیج دیں۔'' سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان، یہ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے گھر والے ہیں۔ یہ دونوں میری بیٹیاں ہیں اسماء رضی اللہ عنہا اور عائشہ رضی اللہ عنہا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ''مجھے ہجرت کا حکم مل گیا ہے۔'' سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، ''کیا میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جاؤں گا۔'' فرمایا، ''ہاں۔'' سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا میری ان دو اونٹنیوں میں سے ایک اونٹنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم لے لیجیے۔ میں نے انھیں سفر ہی کے لیے تیار کیا ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''قیمتاً لوں گا۔''

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ''ہم نے جلدی جلدی سفر کی تیاری کی۔ راستہ طویل تھا، لہٰذا کچھ کھانا پکا کر چمڑے کے ایک تھیلے میں رکھ دیا۔'' سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہا ''تھیلا باندھنے کے لیے میرے کمر بند کے سوا اور کچھ نہیں۔'' سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، اس کے دو ٹکڑے کر لو۔ سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا نے اپنے کمر بند کے دو ٹکڑے کیے۔ ایک سے مشکیزے اور تھیلے (توشہ دان) کا منہ باندھا اور دوسرے ٹکڑے سے اپنے کمر بند کو باندھ لیا۔ اسی وجہ سے ان کا لقب ''ذات النطاقین'' یعنی دو کمر بند والی ہو گیا۔ (بخاری: ۱/۵۵۳)

یہ بخاری کی روایت ہے جو کتاب اللہ کے بعد سب سے زیادہ صحیح کتاب ہے۔ اس کی روایت کے

Marfat.com

مقابلے میں واقدی، ابن اسحاق اور دوسرے راویوں کی روایات کی کوئی حیثیت نہیں۔ بخاری کی اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ہجرت دوپہر کے وقت ہوئی تھی اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مکان سے ہجرت کا آغاز ہوا تھا۔ اس کے مقابلے میں وہ روایات جن میں ہجرت کا وقت رات کو بتایا گیا ہے اور یہ بتایا گیا ہے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بستر پر سلایا تھا، سراسر غلط ہے۔

بعض روایات میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ مکان کی پچھلی جانب جو کھڑکی تھی اس سے خاموشی سے نکل کر اپنی اپنی سواری پر سوار ہو گئے۔ وہاں سے تین میل بجانب جنوب ایک پہاڑ ہے جس کا نام ثور ہے۔ دونوں حضرات اس پہاڑ کی غار میں پہنچ گئے اور تین روز تک وہاں چھپے رہے۔

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے عبداللہ رضی اللہ عنہ نہایت ذہین نوجوان تھے۔ وہ رات غار ہی میں گزارتے اور صبح کے وقت وہاں سے چلے جاتے اور قریش مکہ کے ساتھ اس طرح صبح کرتے جیسے رات کو وہیں رہے ہوں۔ قریش ان دونوں کے خلاف دن میں جو بات کرتے یا منصوبہ بناتے عبداللہ رضی اللہ عنہ انھیں ذہن میں محفوظ رکھتے۔ پھر شب کی تاریکی میں غار ثور میں پہنچ کر صبح کی ساری باتیں ان دونوں حضرات کو سناتے۔ طبقات ابن سعد کی روایت کے مطابق سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ ان دونوں حضرات کے لیے گھر سے کھانا بھی لاتے تھے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے غلام عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ غار کے قریب بکریاں چرایا کرتے تھے۔ جب اندھیرا چھا جاتا تو وہ ان بکریوں کو ان دونوں کے پاس لے جاتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ رات کو ان ہی بکریوں کا دودھ پی لیا کرتے تھے۔ صبح کو اندھیرے ہی میں سیدنا عامر رضی اللہ عنہ ان بکریوں کو ہانک کر لے جایا کرتے تھے۔ تین روز تک ان کا یہی معمول رہا۔

بعض روایات میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غار میں داخل ہونے سے پہلے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے غار میں داخل ہو کر اس کو درست کیا جو سوراخ وغیرہ نظر آئے ان کو بند کیا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اندر تشریف لانے کے لیے عرض کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اندر تشریف لائے اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زانو پر سر مبارک رکھ کر مشغول استراحت ہو گئے۔ اس حالت میں ایک سوراخ سے جو بند ہونے سے رہ گیا تھا ایک زہریلے سانپ نے سر نکالا لیکن سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس خیال سے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی راحت میں خلل نہ آئے خود اپنی جان کو خطرہ میں ڈالا اور اپنا پاؤں اس سوراخ کے آگے رکھ دیا۔ سانپ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاؤں کو کاٹ لیا۔ درد اور تکلیف کے باعث ابوبکر رضی اللہ عنہ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے، لیکن اپنے جسم کو حرکت نہ دی۔ اتفاقاً آنسوؤں کا ایک قطرہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے روئے انور پر گرا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آنکھیں کھولیں اور اپنے مخلص و غم گسار کو درد و کرب سے بے چین دیکھ کر فرمایا ''ابوبکر رضی اللہ عنہ کیا ہے؟'' عرض کی سانپ نے کاٹ لیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی وقت اس جگہ پر اپنا لعاب دہن لگا دیا جس سے زہر کا اثر فی الفور دور ہو گیا۔ (زرقانی: ۱/۳۸۹)

ادھر غار ثور میں آقا صلی اللہ علیہ وسلم و خادم روپوش تھے۔ ادھر قریش مکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں سرگرداں تھے۔ ابوجہل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گھر میں نہ پا کر سخت بے چین تھا۔ وہ فوری طور پر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گھر آیا اور

Marfat.com

آپ رضی اللہ عنہ کی بڑی بیٹی اسماء رضی اللہ عنہا سے ان کے والد کے متعلق دریافت کیا۔ انھوں نے لاعلمی کا اظہار فرمایا۔ ابوجہل نے غضبناک ہوکر سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا کے منہ پر زوردار طمانچہ مارا۔ ابوجہل اور دوسرے قریش مکہ کو یقین ہوگیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر رضی اللہ عنہ دونوں اکٹھے ہی ہیں۔

قریش مکہ نے آپ کو اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو تلاش کرنا شروع کردیا اور اعلان کیا کہ جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کو تلاش کرکے لائے تو ہر ایک کے عوض سو اونٹ دیئے جائیں گے۔ چنانچہ کئی لوگوں نے اس انعام کے لالچ میں تلاش شروع کردی۔ تلاش کرنے والے آبادی، ویرانہ، جنگل اور پہاڑ ہر جگہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تلاش کرنے کے لیے پہنچ گئے۔ چنانچہ ایک جماعت اس غار کے دہانہ تک پہنچ گئی جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ روپوش تھے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ ان کی آہٹ پا کر سخت پریشان ہوئے اور بارگاہ رسالت میں عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ لوگ اپنے قدموں کی طرف دیکھیں تو ہم نظر آجائیں۔ سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا، ابوبکر رضی اللہ عنہ ان دو کے متعلق تمہارا کیا گمان ہے جن کا تیسرا ساتھی اللہ ہو۔ (بخاری: ۱/۵۱۶)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے قبیلہ بنو وائل کے ایک شخص کو اجرت پر ملازم رکھ لیا تھا۔ یہ شخص بنو عبد بن عدی کے گھرانے کا ایک فرد تھا اور راستہ کے پیچ وخم سے خوب آشنا اور ماہر تھا۔ یہ شخص عاص بن وائل سہمی کا حلیف تھا اور ابھی تک قریش مکہ کے دین پر قائم تھا۔ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اسے اپنا امین بنالیا۔ غار ثور پہنچ کر دونوں اونٹنیاں اس کے حوالے کردیں اور اس سے تین رات بعد صبح کے وقت اونٹنیاں لانے کا وعدہ لے لیا۔ تیسرے دن یہ دونوں حضرات اور ان کے ساتھ سیدنا عامر رضی اللہ عنہ بن فہیرہ راہبر عبداللہ بن اریقط کی رہنمائی میں غار ثور سے روانہ ہوئے اور ساحل کا رخ کیا۔

یہ کارواں جو غار ثور سے چلا اب اس میں دو کے بجائے چار افراد تھے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کے لیے کبھی آگے بڑھ جاتے اور کبھی پیچھے ہوجاتے۔ اس طرح شمع نبوت کا یہ پروانہ دیوانہ وار پھرتا۔

اسی اثنا میں ابوبکر رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ سراقہ بن جعشم گھوڑے پر سوار آرہا ہے۔ یہ سراقہ بنی مدلج سے تعلق رکھتا تھا۔ اس نے قریش کے ایک قاصد سے سنا کہ قریش نے اعلان کیا ہے کہ جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کو گرفتار کرکے زندہ لائے گا یا قتل کرے گا تو ہر ایک کے عوض سو اونٹ دیا جائے گا۔ سراقہ کو ایک شخص نے یہ بھی بتایا کہ ابھی ابھی میں نے چند لوگوں کو ساحل کی طرف جاتے دیکھا ہے۔ مجھے گمان ہے کہ وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھی ہیں۔ سراقہ یہ سن کر گھر گیا اور اپنا نیزہ ہاتھ میں لے کر گھوڑے پر سوار ہوگیا اور گھوڑے کو سرپٹ دوڑاتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تعاقب میں چل پڑا۔ جب وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب پہنچا تو اس کے گھوڑے نے ٹھوکر کھائی اور وہ اس سے گر پڑا۔ اب اس نے اپنے ترکش سے فال کے لیے تیر نکالے کہ مجھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تعاقب کرنا چاہیے یا نہیں؟ فال کا جواب اس کی مرضی کے مطابق نہ نکلا۔ مگر انعام کے لالچ کی وجہ سے وہ پھر گھوڑے پر سوار ہوا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بالکل قریب پہنچ گیا۔ اتنا قریب کہ اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرأت سنائی دینے لگی۔ سیدنا

Marfat.com

ابوبکر رضی اللہ عنہ چونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حفاظت کی خاطر ادھر ادھر دیکھتے تھے لہٰذا انھوں نے سراقہ کو دیکھا تو گھبرا گئے اور بارگاہ رسالت میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ شخص ہماری تلاش میں آ گیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، لاتحزن ان اللّٰہ معنا ابوبکر رضی اللہ عنہ! گھبراؤ نہیں بلاشبہ اللہ ہمارے ساتھ ہے۔

یہ کہہ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیچھے مڑ کر دیکھا اور دعا کی اے اللہ! اسے گرا دے۔ فوراً سراقہ کے گھوڑے کے اگلے پاؤں گھٹنوں تک زمین میں دھنس گئے اور سراقہ گر پڑا۔ سراقہ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے عرض کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم میرے لیے دعا فرمائیں، میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نقصان نہیں پہنچاؤں گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی برکت سے اسے نجات ملی۔ اس کے بعد اس نے اپنے گھوڑے کو ڈانٹا تو بڑی مشکل سے اس کے پاؤں زمین سے باہر نکلے۔ جب گھوڑا سیدھا کھڑا ہوا تو اس کی وجہ سے بہت سا غبار دھویں کی شکل میں آسمان تک بلند ہوا۔ گھوڑا ہنہنانے لگا۔ سراقہ نے پھر تیروں سے فال نکالی لیکن فال پھر اس کی مرضی کے خلاف نکلی۔ لہٰذا اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی سے امان کی طلب کی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صدیق رضی اللہ عنہ کا یہ قافلہ ٹھہر گیا۔ سراقہ اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر ان کے پاس پہنچ گیا۔

سراقہ نے کہا کہ مجھے ایک پروانۂ امن لکھ دیا جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا عامر رضی اللہ عنہ بن فہیرہ کو ارشاد فرمایا، انھوں نے چمڑے کے ایک ٹکڑے پر تحریر امن لکھ دی۔ پروانۂ امن لے کر سراقہ گھوڑے پر سوار ہو کر واپس آ گیا۔ (بخاری:۱/۵۵۶)

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ تجارتی سلسلے میں اکثر باہر آتے جاتے رہتے، اس وجہ سے ان کی کافی شناسائی تھی۔ ہجرت کے اس سفر میں انھیں راستہ میں کافی شناسا آدمی ملے۔ وہ ابوبکر رضی اللہ عنہ سے پوچھتے یہ تمھارے ساتھ کون ہیں؟ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ گول مول جواب دیتے، ''یہ میرے رہنما ہیں۔'' لوگ دنیا کا راستہ دکھانے والا سمجھتے لیکن ابوبکر رضی اللہ عنہ کی مراد آخرت کا راستہ دکھانے والا تھی۔ (بخاری:۱/۵۵۶)

اس طرح پہلی منزل ختم ہوئی۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ایک سایہ دار چٹان کے لیے زمین درست کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آرام و آسائش کا سامان بہم پہنچایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم استراحت فرمانے لگے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ ادھر ادھر پھرنے لگے تاکہ دیکھیں کہ کوئی تعاقب تو نہیں کر رہا۔ دوسرے کچھ کھانے کا سامان کیا جائے۔ اتنے میں آپ کو ایک چرواہا لڑکا نظر آیا۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اسے پوچھا کہ تمھاری بکریوں میں کوئی دودھاری بکری ہے؟ اس نے کہا ہاں۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پھر پوچھا کہ دودھ دو گے۔ اس نے کہا ضرور۔ چنانچہ اس نے دودھ دوہنے کے لیے ایک بکری کو قابو میں کیا۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے از راہ نفاست اور حب نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے تقاضے کے پیش نظر اس سے کہا کہ پہلے بکری کے تھنوں کو گرد و غبار سے صاف کر لو، اور پھر اپنے ہاتھ کو بھی جھاڑ لو۔ لڑکے نے اس طرح دودھ دوہا اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں لے کر آیا۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ ایک چمڑے کا برتن لے کر آئے، اس کے منہ پر کپڑا باندھا اور پھر اس میں دودھ انڈیلا اور خدمت اقدس صلی اللہ علیہ وسلم میں لے کر حاضر ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے

Marfat.com

دودھ پینے کے لیے عرض کیا۔ حضور ﷺ نے دودھ نوش فرمایا۔ اب عرض کیا، یارسول اللہ ﷺ چلنے کا وقت ہوگیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''بہت بہتر۔'' چنانچہ یہ قافلہ دوسری منزل کے لیے چل پڑا۔ (بخاری:۱:۵۵۶)

غرضیکہ یہ قافلہ کئی روز سفر کر کے ۲۴ ستمبر ۶۲۲ء دوشنبہ کے روز ربیع الاول کے مہینہ میں اپنی منزل مقصود پر پہنچا۔ قبا میں کچھ دنوں کے قیام کے بعد آپ ﷺ اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ مدینہ طیبہ میں داخل ہوئے۔ مدینہ طیبہ کی ایک مرتفع بستی تھی۔ یہاں آپ حضرات نے بنی عمرو بن عوف کے ایک محلّہ میں قیام فرمایا۔ رسول اللہ ﷺ سواری سے اتر کر خاموش بیٹھ گئے اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ لوگوں سے بات چیت کرنے کے لیے کھڑے رہے۔ انصار کے جن لوگوں نے آپ ﷺ کو ابھی دیکھا نہیں تھا وہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آتے اور انھیں ہی اللہ کا رسول ﷺ سمجھ کر سلام کرتے تھے۔ اتنے میں دھوپ تیز ہوگئی۔ جان نثار نبوت نے اپنی چادر سے رسول اللہ ﷺ کے سر پر سایہ کر دیا، تب لوگوں نے سمجھا کہ ان کا گوہر مقصود ﷺ کون ہے۔ (بخاری:۱/۵۵۹)

مدینہ طیبہ میں سیدنا ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کو شرف میزبانی حاصل ہوا لیکن سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مدینہ طیبہ کے قریب سخ نامی جگہ پر خارجہ بن زید رضی اللہ عنہ بن ابی زہیر کے ہاں قیام فرمایا اور یہیں تجارت کا کاروبار شروع کر دیا۔ بعد میں آپ نے خارجہ بن زید رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی حبیبہ رضی اللہ عنہا سے نکاح بھی کر لیا اور ایک مستقل مکان میں رہنے لگے۔ چند روز کے بعد سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے سب اہل وعیال مکہ سے مدینہ طیبہ پہنچ گئے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کے چھ ماہ بعد تک یہیں قیام فرمایا۔ (طبقات ابن سعد:۳/۱۴۹)

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو منہاج السنہ:۴/۲۴۵، ۲۵۲، ۲۶۲، ابوبکر صدیق افضل الصحابۃ: ص ۴۳)

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی علالت:

مدینہ طیبہ کی آب وہوا اس زمانہ میں کوئی اچھی نہ تھی، لہٰذا مہاجرین کی اکثریت مدینہ میں بیمار ہوگئی۔ چنانچہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی شدید تپ لرزہ میں مبتلا ہوگئے یہاں تک کہ زندگی سے مایوس ہوگئے۔ سیدنا عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک روز حال پوچھا تو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اس وقت یہ شعر پڑھ رہے تھے:

كل امرءٍ مصبح فی اهله والموت ادنیٰ من شراك نعله

''ہر آدمی اپنے بال بچوں میں دادعیش دیتا ہے، حالانکہ موت اس کے جوتے کے تسمہ سے بھی زیادہ قریب ہوتی ہے۔''

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی اس کیفیت کو دیکھ کر گھبرا گئیں۔ فوراً رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور اپنے باپ کی اس کیفیت کو عرض کیا۔ جناب رسالت مآب ﷺ نے اسی وقت دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے اور فرمایا: اللهم حبب الینا المدینة کحبنا مکة او اشد وصححها وبارك لنا فی صاعها ومدها وانقل حماها فاجعلها بالجحفه (اے اللہ! تو مدینہ کو بھی ہمارے لیے اتنا ہی محبوب

Marfat.com

بنا دے جیسا کہ مکہ تھا، بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ یہاں کی آب وہوا کو صحت بخش بنا دے اور یہاں کے صاع اور مد (ناپ تول) میں برکت دے اور بخار کو جحفہ میں منتقل کر دے۔) (بخاری:۱/۵۵۹)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یہ دعا قبول ہوئی۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ صحت یاب ہو گئے اور تمام مہاجرین کو مدینہ کی آب وہوا راس آ گئی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اس دعا کا یہ اثر ہوا کہ اب مدینہ طیبہ پورے حجاز میں آب وہوا کے لحاظ سے بہترین جگہ ہے۔

مواخات:

مدینہ طیبہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین اور انصار کے مابین بھائی چارہ قائم کر دیا جس سے ایک تو ان کی اجنبیت دور ہو گئی اور دوسرے دونوں کے درمیان محبت و یگانگت کا رشتہ استوار ہو گیا۔ مواخات کا یہ رشتہ ایسا تھا جو اس سے پہلے کبھی قائم نہ ہوا تھا اور بعد میں بھی اس کی مثال نہیں ملتی۔ ان بھائیوں کی باہمی محبت سگے بھائیوں سے بھی زیادہ تھی۔ یہ رشتۂ مواخات قائم کرنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طرفین کی حیثیت کا لحاظ رکھا۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو سیدنا خارجہ بن زید انصاری رضی اللہ عنہ کا بھائی بنایا جو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرح ایک تجارت پیشہ شخص تھے۔ اس طرح سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ کا بھائی بنایا جو قبیلہ بنو سالم کے سردار تھے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو سیدنا اوس بن ثابت رضی اللہ عنہ کا اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو سیدنا سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ کا بھائی بنایا۔ (مقدمہ فتح الباری:۳۲۱، اسد الغابہ: جلد ۱، ابن سعد:۳/۲۳)

تعمیر مسجد:

عبادت خداوندی اور مسلمانوں کی اجتماعیت کے قیام کے لیے مسجد کی اشد ضرورت تھی۔ لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مسجد کی تعمیر کرنا چاہتے، تھے اس مقصد کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو قطعہ اراضی پسند فرمایا وہ دو یتیم بچوں سہل اور سہیل کا تھا۔ انھوں نے یہ جگہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بلا قیمت دینا چاہی لیکن اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بلا قیمت لینے سے انکار فرمایا۔ آخر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین کی قیمت ۱۰ دینار طے کی جو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ادا کر دی۔ بعد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ اس مسجد کی تعمیر میں بھی شریک رہے۔ (فتح الباری:۷/۱۹۳)

غزوات:

مدینہ طیبہ میں اسلام کی پہلی اسٹیٹ قائم ہوئی جس کے سربراہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ اس اسٹیٹ کا کام منتشر قوتوں کی شیرازہ بندی، غیر قوموں کے ساتھ معاہدے کرنا، اپنی اجتماعی اور قومی تنظیم کا دستور العمل مرتب کرنا وغیرہ تھا۔ تاریخ کے رپورٹر ہمیں یہ بتلاتے ہیں کہ ان تمام معاملات میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنی دانشوری

Marfat.com

اصابت رائے، دوراندیشی، اور حسن تدبیر کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ کے دست راست رہے۔

کفار مکہ کو مسلمانوں کی یہ روز افزوں ترقی ایک آنکھ نہ بھاتی تھی۔ چنانچہ انھوں نے مسلمانوں کو صفحہ ہستی سے معدوم اور نیست و نابود کرنے کے لیے طاقت استعمال کی لیکن ان سب مہمات میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ ایک تجربہ کار سپاہی، ایک مشیر با تدبیر، اور حلیم و باوقار وزیر کی طرح رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ساتھ رہے کیونکہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ ایک اونچے درجے کے مطیع و فرمانبردار ہونے کے ساتھ ساتھ ایک بلند پایہ قائد بھی تھے۔

غزوۂ بدر:

یہ اسلام کا سب سے پہلا غزوہ ہے جو حق و باطل کے درمیان ایک فیصلہ کن معرکہ تھا۔ اس معرکہ میں مجاہدین اسلام کی تعداد ۳۱۳ تھی جبکہ قریش مکہ کی تعداد ان سے تین گنا زیادہ تھی۔ سید دو عالم ﷺ نے ایک طرف ان سرفروش مجاہدوں کو دشمنوں کے مقابلہ میں صف آرا کیا اور دوسری طرف اللہ کا رسول ﷺ ایک سائبان کے نیچے اللہ کے حضور رو رو کر یہ دعا کر رہا تھا:

''اے اللہ! تو نے مجھ سے جو وعدہ کیا ہے اسے پورا کر۔ اے اللہ! اگر مسلمانوں کی یہ جماعت ہلاک ہوگئی تو پھر قیامت تک تجھے پوجنے والا کوئی نہ ہوگا۔''

حضور ﷺ اتنی بے قراری سے یہ دعا مانگ رہے تھے کہ آپ ﷺ کے شانۂ مبارک سے آپ ﷺ کی چادر گر پڑی تھی۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اس وقت آپ ﷺ کے پاس کھڑے تھے۔ آپ ﷺ نے چادر آپ کے شانہ پر ڈال دی اور حضور ﷺ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا: یا رسول اللہ ﷺ اب بس کیجیے۔ اللہ تعالیٰ آپ ﷺ سے کیا ہوا وعدہ ضرور پورا کرے گا۔ چنانچہ آپ ﷺ پر فوراً وحی کا نزول ہوا اور فتح کی خوشخبری سنائی۔ (مسلم و بخاری)

اس جنگ میں ایک تو آپ رفیق نبوت تھے۔ دوسرے رسول اللہ ﷺ کی حفاظت اور نگرانی آپ کے ذمے تھی اور یہ سب سے مشکل کام تھا۔ چنانچہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جنگ بدر کے دن سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ تلوار نیام سے باہر نکالے نبوت کے گرد ہالہ بنائے پہرہ دے رہے تھے۔ جو شخص بھی آپ ﷺ کی طرف آنے کی کوشش کرتا سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اس پر ٹوٹ پڑتے۔ اس بات کو بیان کرنے کے بعد سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''ابوبکر رضی اللہ عنہ سب سے بہادر انسان تھے۔'' (السیرۃ الحلبیہ: ۳/۱۶۱)

تاریخ نے یہ اہم واقعہ بھی اپنے سینے میں محفوظ رکھا ہوا ہے کہ آپ کے سب سے بڑے صاحبزادے عبدالرحمٰن نے جو ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے تھے اور جنگ بدر میں قریش کی طرف سے لڑنے آئے تھے میدان جنگ میں بڑھ کر مبارزت طلب کی۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ فوراً تلوار کھینچ کر اس کے مقابلہ کو نکلے لیکن سید دو عالم ﷺ نے اس بات کو پسند نہ فرمایا، لہٰذا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو فوراً روکا اور فرمایا: ''تم اپنی ذات سے مجھ کو فائدہ پہنچاتے رہو۔''

(اسد الغابہ: ۳/۳۰۵، تاریخ الخلفاء سیوطی: ص ۹۴)

Marfat.com

جنگ ختم ہوئی تو اس جنگ میں ستر قیدی مسلمانوں کے ہاتھ آئے۔ سید دو عالم ﷺ نے ان کے بارے میں صحابہ کرام سے مشورہ کیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی رائے یہ تھی کہ ان کو قتل کر دیا جائے لیکن سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی رائے یہ تھی کہ یہ چونکہ اپنے ہی عزیز و اقارب اور بھائی ہیں لہٰذا ان کے ساتھ رحم و کرم کا برتاؤ کرنا چاہیے۔ اس بنا پر ان سے زر فدیہ لے کر ان کو رہا کر دیا جائے۔ سرکار دو عالم ﷺ کو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی رائے پسند آئی، چنانچہ اسی پر عمل کیا گیا۔ (مسلم باب الامداد بالملائکہ)

غزوۂ احد:

غزوۂ احد ۳ ہجری میں پیش آیا۔ قریش مکہ کو غزوۂ بدر میں جو شکست فاش ہوئی تھی اور ان کے بڑے بڑے سردار ابوجہل اور عتبہ وغیرہ اس میں مارے گئے تھے، ان کا بدلہ لینے کے لیے اگلے ہی سال مسلمانوں پر بھرپور انداز میں حملہ کرنے کا منصوبہ بنایا۔ رسول اللہ ﷺ کے چچا سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کو ایک تیز رو قاصد کے ذریعے قریش کی ان تیاریوں کی اطلاع دی۔ رسول اللہ ﷺ سات سو جان نثاروں کے ساتھ مدینہ طیبہ سے روانہ ہوئے اور جبل احد کی پشت پر پہنچ کر صفوں کو آراستہ کیا۔

اس جنگ میں سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سیدنا ابو دجانہ رضی اللہ عنہ اور دوسرے کئی ایک صحابہ نے بڑے کارہائے نمایاں سرانجام دیئے اور دشمن کو ایسی کاری ضرب لگائی کہ اس کے پاؤں اکھڑ گئے اور اس کو بھاگنا پڑا۔ مسلمان مال غنیمت اکٹھا کرنے میں مشغول ہو گئے۔ قریش کے ایک دستے نے اسی اثنا میں عقب سے حملہ کر دیا جس سے مسلمانوں کی فتح شکست میں تبدیل ہو گئی۔ عقب سے قریش کے حملے نے مسلمانوں میں ایک افراتفری کا عالم پیدا کر دیا۔ اتنے میں قریش نے یہ خبر مشہور کر دی کہ سرکار دو عالم ﷺ شہید ہو گئے ہیں۔ اس خبر نے مسلمانوں کے دلوں پر بددلی کے اثرات پیدا کیے اور کئی مسلمان میدان چھوڑ کر چلے گئے۔

رسول اللہ ﷺ میدان جنگ کے ایک گوشہ میں چند جان نثاروں کے ساتھ کھڑے تھے جن میں ایک سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ قریش کا ایک دستہ تیر برسا رہا تھا اور سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ جیسے لوگ ان تیروں کو اپنے سینے اور ہاتھوں پر لے رہے تھے۔ سرکار دو عالم ﷺ کبھی کبھی گردن اٹھا کر دیکھتے تو سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ عرض کرتے: ''میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان آپ ﷺ گردن نہ اٹھائیں، دشمنوں کے تیروں کے لیے میرا سینہ حاضر ہے۔''
(بخاری: ۱/۲۷۶)

ادھر یہ حالت تھی ادھر ابوسفیان نے پہاڑ پر چڑھ کر آواز دی: ''کیا تم میں محمد ﷺ ہیں؟ جب مسلمانوں کی طرف سے کوئی جواب نہ آیا تو پھر بولا: ''کیا تم میں ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں؟ جب اس کا بھی جواب نہ ملا تو اس نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا نام لیا۔ (بخاری)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کفار بھی رسول اللہ ﷺ کے بعد سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی کو مسلمانوں کا قائد تسلیم

Marfat.com

کرتے تھے۔ چنانچہ جب ابوسفیان کوکوئی جواب نہ ملا تو اس نے خوشی سے نعرہ لگایا، ''ھبل کی جے'' (اعل ھبل)۔

مسلمانوں کو جب معلوم ہوگیا کہ سرکار دوعالم ﷺ بخیریت ہیں تو انھوں نے اپنی منتشر قوتوں کو سمیٹ کر اس زور سے کفار مکہ پر حملہ کیا کہ وہ میدان چھوڑ کر بھاگنے پر مجبور ہوگئے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کا تعاقب کرنے کے لیے کہا۔ اس کے لیے ستر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنے نام پیش کیے۔ ان میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ کا نام بھی ہے۔ (بخاری:۲/۵۸۴)

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی زندگی پر اگر نگاہ ڈالی جائے تو پتہ چلتا ہے کہ رزم و بزم میں وہ رسول اللہ ﷺ کے دست راست اور مشیر خاص تھے۔ میدان جنگ ہو یا مسجد نبوی ﷺ، آپ ﷺ نے انھیں ہمیشہ ساتھ رکھا۔ چنانچہ ہماری اس بات کی تائید سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ کی اس بات سے بھی ہوتی ہے جس میں ایک مرتبہ آپ نے فرمایا تھا، کہ میں چاہتا ہوں کہ اطراف واکناف میں فرائض وسنت کی تعلیم کے لیے اسی طرح اپنے آدمیوں کو بھیجوں جس طرح سیدنا عیسیٰ علیہ السلام اپنے حواریوں کو بھیجا کرتے تھے۔ کسی شخص نے عرض کیا، ''یارسول اللہ ﷺ آپ ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ کو کیوں نہیں بھیجتے''؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ، ''میں ان دونوں سے بے نیاز نہیں ہوسکتا، وہ دین کے کان اور آنکھیں ہیں۔''

غزوۂ خندق:

غزوۂ خندق کو جنگ احزاب بھی کہتے ہیں کیونکہ اس جنگ میں عرب کے کئی قبائل نے مل کر مدینہ طیبہ کی طرف حملہ کیا تھا۔ اس جنگ میں کفار کی تعداد دس ہزار تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے تین ہزار صحابہ کے ساتھ مدینہ کے اردگرد خندق کھودی اور قلعہ بند ہوکر بیٹھ گئے۔ اس غزوہ میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کسی سے پیچھے نہ تھے۔ چنانچہ ایک دستۂ فوج کی کمان آپ کے سپرد تھی۔ اس دستہ کو لے کر سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے جہاں پڑاؤ کیا، وہاں اب بھی ایک مسجد ''مسجد صدیق'' کے نام سے قائم ہے۔ (ازالۃ الخفاء:۲/۱۳)

غزوۂ بنی المصطلق:

اس غزوہ کو ''غزوۃ المریسیع'' بھی کہتے ہیں۔ یہ غزوۂ بنی المصطلق کے سردار حارث بن ضرار کے ساتھ پیش آیا جس نے عربوں میں مسلمانوں کے خلاف شدید جذبہ پیدا کر کے ان پر حملہ کرنے کا منصوبہ بنایا۔ رسول اللہ ﷺ کو جب اس کے منصوبہ کا پتہ چلا تو آپ ﷺ مسلمانوں کا ایک لشکر لے کر وہاں کے لیے روانہ ہوئے۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اس غزوہ میں بھی آپ ﷺ کے ہم رکاب تھے اور مہاجرین کا علم آپ کے ہاتھ میں تھا۔ مقام مریسیع (یہ کسی تالاب یا کنویں کا نام تھا) پر دونوں لشکروں میں پہلے تو تیر اندازی ہوتی رہی جبکہ بعد میں رسول اللہ ﷺ نے اس زور کا حملہ کیا کہ دشمن کے پاؤں اکھڑ گئے۔ (زادالمعاد:۲/۱۱۲)

Marfat.com

یہی وہ غزوہ ہے جس سے واپسی پر جگر گوشہ صدیق سیدہ عائشہ سلام اللہ علیہا کے بارے میں واقعہ افک پیش آیا اور قرآن نے سیدنا عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں عصمت وعفت کا ایسا سرٹیفکیٹ دیا جو قیامت تک قائم ودائم رہے گا۔

ذی قعدہ ۶ ھ میں صلح حدیبیہ کا واقعہ پیش آیا۔ قرآن حکیم نے اس واقعہ کو ''فتح مبین'' کے لفظ سے تعبیر کیا ہے: ﴿اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا﴾ (الفتح ۴۸:۱) سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اس واقعہ میں بھی جناب ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم کے دوش بدوش تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۱۵ سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ عمرہ کے ارادہ سے مکہ مکرمہ روانہ ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب حدیبیہ کے سامنے ''غدیر الاشطاط'' کے مقام پر پہنچے تو ایک جاسوس آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ملا جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا کہ قریش آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بیت اللہ کی زیارت نہیں کرنے دیں گے اور انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنگ کرنے کی پوری تیاری کر لی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا کہ اب کیا کرنا چاہیے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم!'' آپ تو بیت اللہ کی زیارت کی غرض سے نکلے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارادہ نہ تو جنگ کرنے کا ہے اور نہ ہی کسی کو قتل کرنے کا۔ قریش نے اگر ہم کو روکا تو ہم ان سے جنگ کریں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر فرمایا: ''تو پھر چلیں۔'' (بخاری)

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی اس بات کو سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم روانہ ہوئے اور حدیبیہ کے مقام پر پڑاؤ ڈالا۔ بدیل بن الورقاء الخزاعی کی معرفت قریش کو پیغام بھیجا کہ ہم جنگ کے ارادہ سے نہیں آئے، بلکہ ہمارا مقصد صرف عمرہ کرنا ہے۔ لہٰذا بہتر یہی ہے کہ آپ لوگ ہم سے مصالحت کر لیں اور ہمیں عمرہ کرنے دیں، وگرنہ قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے میں خون کے آخری قطرہ تک تم سے لڑوں گا۔

قریش نے مصالحت کے لیے عروہ بن مسعود ثقفی کو جو قریش کا نہایت جہاں دیدہ، تجربہ کار اور چالاک شخص تھا، بھیجا۔ عروہ نے مصالحت کی گفتگو کے دوران رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں میں ایسے ملے جلے آدمی دیکھتا ہوں جو مشکل وقت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تنہا چھوڑ کر بھاگ جائیں گے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اگرچہ بڑے حلیم اور بردبار تھے، لیکن عروہ کے منہ سے یہ بات سن کر بھڑک اٹھے اور فرمایا، ''بدمعاش! کیا ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ سکتے ہیں؟'' ''عروہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو پہچانتا نہیں تھا، اس لیے پوچھا یہ کون ہیں؟'' بتایا گیا: یہ ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں۔ عروہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے کہنے لگا ''اگر تمہارا وہ احسان مجھ پر نہ ہوتا جس کا بدلہ میں اب تک نہیں چکا سکا تو میں تم کو تمھاری اس بات کا جواب دیتا۔'' (بخاری)

معاہدے کی بات چیت شروع ہوئی۔ معاہدہ لکھتے وقت کچھ دفعات ایسی تھیں جو مسلمانوں کے لیے بڑی صبر آزما تھیں۔ سیدنا فاروق رضی اللہ عنہ ان دفعات کو پسند نہیں فرماتے تھے۔ لہٰذا شدت جذبات میں انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسے لب ولہجہ میں بات چیت کی جس کا ملال آخر وقت تک انھیں رہا۔ اسی حالت میں وہ رفیق غار ثور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس بھی گئے اور کہا ''بھلا قریش سے دب کر صلح کیوں کر ہو سکتی ہے۔'' سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے

Marfat.com

جواب دیا: ''آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں، جو کچھ کرتے ہیں اللہ کے حکم سے کرتے ہیں، اس میں یقیناً بہتری ہوگی۔ اللہ تعالیٰ انھیں کبھی ہلاک نہیں کرے گا۔'' اس کے بعد آیت فتح نازل ہوئی اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو بھی تسکین ہوگئی۔ (مسلم:۲/۱۰۶)

غزوۂ خیبر:

خیبر عرب میں یہودیوں کا سب سے بڑا مرکز تھا اور متعدد مضبوط قلعوں پر مشتمل تھا۔ ۶ھ کے اواخر یا ۷ھ کے شروع میں رسول اللہ ﷺ ان کی سرکوبی کے لیے تشریف لے گئے۔ خیبر کے مختلف قلعوں کی فتح کے لیے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے متعدد دستے متعین فرمائے اور ہر دستے کا الگ الگ امیر متعین فرمایا۔ پورے لشکر کی کمان آپ کے ہاتھ میں تھی۔ قلعہ قموص جو سب سے مضبوط قلعہ تھا، اس کی فتح کی ذمہ داری سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے سپرد ہوئی، لیکن وہ قلعہ ان کے ہاتھوں فتح نہ ہوسکا۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اسی سال شعبان میں بنی کلاب کی سرکوبی کے لیے مامور کیا گیا اور وہ وہاں سے کامیاب ہوکر واپس لوٹے۔ بعد میں انھیں بنوفزارہ کی تنبیہ کے لیے ایک جماعت کے ساتھ روانہ کیا گیا۔ چنانچہ وہاں سے بھی وہ کامران ہوکر واپس لوٹے اور بہت سے قیدی اور مال غنیمت لے کر آئے۔

(ملاحظہ ہو زرقانی:۲/۳۸۷، طبری:۲/۲۸۸)

فتح مکہ:

۸ھ میں رسول اللہ ﷺ نے دس ہزار صحابہ کے ساتھ سرزمین مکہ کو فتح کیا۔ یہ اسلامی تاریخ کا نہایت عظیم الشان واقعہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ فاتحانہ جاہ وجلال کے ساتھ مکہ میں داخل ہوئے۔ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، کہ رسول اللہ ﷺ جب مکہ میں داخل ہوئے تو آپ ﷺ نے عورتوں کو دیکھا کہ وہ اپنے دوپٹوں سے گھوڑوں کے منہ پر طمانچے مار رہی ہیں۔ آپ ﷺ نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرف دیکھ کر تبسم فرمایا اور پوچھا: ''ابوبکر رضی اللہ عنہ! تم کو حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے وہ شعر یاد ہیں جس میں اس نے اس منظر کا ذکر کیا ہے۔'' سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو وہ شعر یاد تھے۔ آپ نے فوراً پڑھ کر سنا دیئے۔ (ازالۃ الخفاء:۲/۱۶)

فتح مکہ کے روز آپ کے والد ماجد سیدنا ابوقحافہ عثمان بن عامر رضی اللہ عنہ شرفِ اسلام سے مشرف ہوئے اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ انھیں پکڑ کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس لائے۔ آپؐ نے نہایت شفقت ومحبت سے ان کے سینے پر ہاتھ پھیرا اور نور ایمان سے ان کے سینے کو منور فرمایا۔ (اصابہ)

غزوۂ حنین:

حنین مکہ مکرمہ اور طائف کے درمیان ایک وادی کا نام ہے۔ فتح مکہ نے دوسرے قبیلوں کو بھی مغلوب

Marfat.com

کر دیا اور وہ دعوت اسلام پر لبیک کہنے لگے۔ لیکن ہوازن اور ثقیف دو قبیلے کچھ اکھڑ بھی تھے اور فنون سپہ گری کے ماہر اور جنگ جوئی کے میدان کے شہسوار بھی تھے۔ ۶ شوال ۸ھ میں اسلامی فوج نے جس کی تعداد بارہ ہزار تھی پیش قدمی کر کے ہوازن پر حملہ کر دیا۔ بنوازن کے جو نامور تیر انداز تھے انھوں نے اسلامی لشکر پر تیروں کی بوچھاڑ کر دی، جس سے اسلامی لشکر کے قدم اکھڑ گئے اور جناب ختمی مرتبت ﷺ صرف چند جان نثاروں کے ساتھ تنہا رہ گئے۔ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ثابت قدم رہنے والوں میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا نام سرفہرست ہے۔ (طبری:۲/۳۴۷)

آخر کار رسول اللہ ﷺ کی پکار پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جمع ہوئے اور اس زور سے مشرکوں پر حملہ کیا کہ وہ میدان چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جب ان کا مال اکٹھا کر رہے تھے تو رسول اللہ ﷺ نے اعلان فرمایا کہ جو شخص کسی کا قاتل ہوگا مقتول کا سامان اسی کو ملے گا۔ سیدنا ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے ایک بہادر اور طاقتور مشرک کا قتل کیا، لیکن اس بارے میں انھیں کوئی شہادت دینے والا نہ ملا۔ انھوں نے اصل واقعہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ ایک شخص بولا ''یارسول اللہ ﷺ! یہ سچ کہتے ہیں لیکن ان کے مقتول کا سامان میرے پاس ہے۔'' لہٰذا اب یہ مجھی کو دے دیجیے۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، اس شخص کی بات سن کر بولے: ''بخدا! ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا کہ رسول اللہ ﷺ ایک بزدل شخص کو مقتول کا سامان دے دیں اور اللہ کے اس شیر کو نہ دیں، جس نے اللہ اور رسول کی خاطر جنگ کی ہے۔'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ابوبکر رضی اللہ عنہ'' سچ کہتے ہیں۔'' چنانچہ وہ سامان سیدنا ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کو دے دیا گیا۔ (بخاری)

غزوۂ طائف:

حنین کی شکست خوردہ فوج طائف میں قلعہ بند ہوگئی تھی۔ لہٰذا اسلامی لشکر نے آگے بڑھ کر طائف کا محاصرہ کیا۔ کئی روز کے محاصرے کے بعد قلعہ فتح نہ ہوسکا۔ جناب رسول اللہ ﷺ نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ کسی نے مجھے ایک لبالب بھرا ہوا پیالہ پیش کیا ہے لیکن ایک مرغے نے اس میں ٹھونگ ماری اور جو کچھ پیالہ میں تھا وہ گر پڑا۔'' سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ''اس خواب سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو اس محاصرہ میں کامیابی نہیں ہوگی۔'' آپ نے فرمایا، ہاں میں بھی یہ سمجھتا ہوں۔ چنانچہ محاصرہ اٹھا لیا گیا۔
(ازالۃ الخفا:۲، طبری ۲/۳۵۵)

اسی جنگ میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے عبداللہ، عبیداللہ بن مجن ثقفی کے تیر سے زخمی ہوئے اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے اوائل میں یہی زخم ان کی شہادت کا باعث ہوا۔
(اسد الغابہ تذکرہ عبداللہ بن ابی بکر، اصابہ: ترجمہ عبداللہ بن ابی بکر)

Marfat.com

غزوۂ تبوک:

یہ غزوہ ۹ھ میں واقع ہوا کیونکہ یہ افواہ پھیلی کہ قیصر روم عرب پر حملہ آور ہونا چاہتا ہے۔ مسلمانوں کے لیے یہ موقع خشک سالی، اور عام مالی تنگدستی اور زبوں حالی کا تھا۔ جس وجہ سے اس کو ''جیش العسرۃ'' بھی کہتے ہیں۔ اس جنگ میں سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا امتیازی وصف یہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب صحابہ کرام کو انفاق فی سبیل اللہ کی ترغیب دی تو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنا پورا مال اس میں دے دیا۔ چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب پوچھا: ''ابوبکر رضی اللہ عنہ! تم نے اپنے گھر والوں کے لیے کیا چھوڑا؟ تو جاں نثار نبوت کا جواب یہ تھا: ''ان کے لیے صرف اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑا ہے۔'' (ترمذی: ابوداؤد)

امارت حج:

۹ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین سو مسلمانوں کا ایک کارواں حج کے لیے روانہ فرمایا اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اس کا امیر الحج مقرر فرمایا۔ حج کے اس قافلہ میں ۲۰ اونٹ اور خود سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے اپنے پانچ اونٹ بھی قربانی کے لیے ساتھ تھے۔ سورہ برأت بھی اسی زمانہ میں نازل ہوئی تھی۔ اس وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو بعد میں اس کی آیات سنانے کے لیے بھیجا۔ گویا امیر حج سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ نقیب تھے۔ چنانچہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا بھی کہ ''آپ امیر بن کر آئے ہیں یا قاصد بن کر؟ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ قاصد بن کر۔ سورہ برأت کی ۴۰ آیات ہیں جن کے ساتھ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بھیجا ہے تاکہ میں حج کے موقع پر ان کا علان کر سکوں۔ ۸۔۹۔۱۰ ذی الحجہ تین دن سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے امیر الحج کی حیثیت سے خطبہ پڑھا اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے سورہ برات کی آیات کا اعلان کیا۔ اعلان یہ تھا: ''اس سال کے بعد کوئی مشرک نہ حج کرے گا اور نہ کوئی برہنہ ہو کر طواف کرے گا۔ (بخاری: ۲/۶۲۶، نسائی: ۲/۴۳)

حجۃ الوداع:

ذی الحجہ ۱۰ھ میں جناب ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم حج کے لیے تشریف لے گئے۔ اس سفر میں بھی سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ آپ کے ہم رکاب تھے بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سامان سفر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی اونٹنی پر ہی لدا ہوا تھا۔ یہ اونٹ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے غلام کی تحویل میں تھا۔ غلام سے یہ اونٹ راستہ میں کہیں گم ہو گیا۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو غلام کی اس غفلت پر غصہ آیا۔ چنانچہ آپ نے اس کو دو چار چپت لگا دیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسکراتے ہوئے فرمایا: ''ذرا اس محرم (احرام باندھنے والے) کو تو دیکھو کیا کر رہا ہے؟'' (مسند احمد: ۲/۳۴۴)

Marfat.com

وفات نبوی ﷺ اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ:

۱۰ھ میں جناب رسول اللہ ﷺ حج کے لیے تشریف لے گئے۔ اس سفر میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے ساتھ تھے۔ مدینہ واپس آ کر آپ ﷺ نے ایک خطبہ ارشاد فرمایا جس میں فرمایا کہ ''اللہ تعالیٰ نے ایک بندہ کو دنیا میں اور اس چیز میں جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے اختیار دیا کہ دونوں میں سے کسی ایک کو پسند کر لے۔ اس بندہ نے جو اللہ کے پاس ہے یعنی قرب خداوندی اس کو پسند کیا۔''

یہ سن کر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ رونے لگے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو سخت حیرانی ہوئی کہ یہ رونے کا کون سا موقع ہے لیکن رمز شناس کلام رسالت اور محرم اسرار نبوت فوراً سمجھ گئے کہ اس بندہ سے مراد خود آپ ﷺ کی ذات گرامی ہے اور اس کلام سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ آپ ﷺ کی وفات کا وقت آ پہنچا ہے۔ (بخاری:۱/۵۱۶)

چند روز بعد نبی اکرم ﷺ بیمار ہو گئے۔ بیماری میں روز بروز اضافہ ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ مسجد میں تشریف لانے سے بھی معذور ہو گئے۔ چنانچہ آپؐ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: ''ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہو کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔'' سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ رقیق القلب ہیں۔ جب وہ آپ ﷺ کی جگہ کھڑے ہوں گے تو فرط گریہ سے ان کی آواز کسی کو سنائی نہ دے گی۔ لہٰذا عمر رضی اللہ عنہ کو کہیں کہ وہ نماز پڑھائیں۔ ساتھ ہی عائشہ رضی اللہ عنہا کے کہنے پر سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا نے بھی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی سفارش کی، لیکن جناب ختمی مرتبتؐ نے کوئی عذر قبول نہ فرمایا، اور پھر اصرار کے ساتھ حکم دیا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کو کہیں کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا سے بگڑ کر فرمایا: ''تم انہی عورتوں میں سے ہو جنھوں نے یوسف علیہ السلام کو جُل دیا تھا۔'' (بخاری:۱/۹۳)

رسول اللہ ﷺ کے اس حکم کے مطابق سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ تین دن تک نماز پڑھاتے رہے۔ ایک دن رسول اللہ ﷺ کو کچھ افاقہ محسوس ہوا تو حجرہ سے نکل کر خود مسجد میں تشریف لائے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اس وقت نماز پڑھا رہے تھے۔ حضور ﷺ کو دیکھ کر پیچھے ہٹنے لگے۔ رسول اللہ ﷺ نے اشارہ سے منع فرمایا اور خود سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی دائیں جانب آ کر بیٹھ گئے۔ اب سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی اور دوسرے صحابہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی اقتداء کر رہے تھے۔ (بخاری)

ایک روز پھر حسب معمول سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نماز پڑھانے کے لیے آگے بڑھ رہے تھے۔ حجرۂ نبوی ﷺ کا پردہ اٹھا اور روئے انور ظاہر ہوا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی خوشی کی کوئی حد نہ رہی۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ پیچھے ہٹنے لگے تو رسول اللہ ﷺ نے ہاتھ سے اشارہ فرمایا۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے نماز شروع کر دی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پھر وہ پردہ گرا دیا۔ (بخاری:۱/۹۴)

علامہ ابن کثیر نے لکھا کہ یہ آخری نماز تھی جو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پڑھائی اور یہ فجر کی نماز تھی۔

(ملاحظہ ہو البدایہ والنہایہ:۵/۲۴۴)

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نماز سے فارغ ہونے کے بعد حجرہ عائشہ رضی اللہ عنہا میں تشریف لائے۔ نبی اکرم ﷺ

Marfat.com

مرض میں افاقہ اور درد میں کمی محسوس ہوئی۔ چنانچہ آپ اپنے گھر مقام ''سخ'' جہاں آپ کی زوجہ محترمہ حبیبہ بنت خارجہ رضی اللہ عنہا رہتی تھیں تشریف لے گئے۔ (بخاری:۱/۹۵)

جب چاشت کا وقت ہوا تو سرور کائنات ﷺ اس عالم فانی سے عالم جاودانی کو انتقال فرما گئے۔ سالم بن عبید کے ذریعے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو آپ ﷺ کے انتقال کی خبر ملی۔ آپ اسی وقت گھوڑے پر سوار ہو کر مدینہ طیبہ تشریف لائے۔ دیکھا کہ مسجد نبوی ﷺ جاں نثاران نبوت سے بھری ہوئی ہے۔ آپ نے کسی سے کوئی بات نہ کی اور سیدھے کاشانۂ نبوت پر تشریف لے گئے اور جسد اطہر کے قریب کھڑے ہو کر روئے انور سے چادر اٹھائی، پیشانی مبارک کو بوسہ دیا اور رو کر کہا:

بابی انت وامی طبت حیا و میتا والذی نفسی بیده لا لیذیقك الله الموتتین ابداما الموتة التی کتب الله علیك فقد متها۔

''میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان ہوں، آپ ﷺ زندگی اور موت دونوں حالتوں میں پاک و صاف تھے۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اللہ تعالیٰ ہرگز آپ ﷺ کو دو موتیں نہیں دے گا۔ وہ موت جو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے لیے مقدر کی تھی وہ تو آپ ﷺ کو آ ہی گئی۔''

پھر آپ باہر تشریف لائے۔ یہاں مسجد میں ایک کہرام بپا تھا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ جوش وارفتگی میں قسمیں کھا کھا کر رسول اللہ ﷺ کی وفات کا انکار کر رہے تھے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انھیں سمجھایا اور فرمایا: ''عمر بیٹھ جاؤ۔'' لیکن سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو وارفتگی کی عالم میں کچھ ہوش ہی نہیں تھا۔ آخر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''اے قسم کھانے والے! ذرا ٹھہر اور جلدی نہ کر۔'' سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اب بیٹھ گئے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حمد و ثنا کے بعد فرمایا:

الا من کان یعبد محمداً فان محمدا قدمات ومن کان یعبد الله ، فان الله حی لایموت۔

''سنو! جو شخص محمد ﷺ کی عبادت کرتا تھا تو بے شک محمد ﷺ کی موت واقع ہو گئی اور جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا تھا تو بے شک وہ زندہ ہے اور اسے کبھی موت نہیں آئے گی۔''

اس کے بعد آپ نے قرآن حکیم کی یہ آیات پڑھیں:

﴿اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ﴾ (الزمر۳۹:۳۰)

''اے محمد! بے شک آپ ﷺ کو بھی موت آنی ہے اور وہ بھی مرنے والے ہیں۔''

﴿وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُل﴾ (آل عمران۳:۱۴۴)

''محمد صرف اللہ تعالیٰ کے ایک رسول ہیں جن سے پہلے بھی بہت سے رسول گزر چکے ہیں۔''

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے منہ سے کلمات اور آیات سن کر سب لوگ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔ ہر شخص کا دل مطمئن ہو گیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا وہ جوش وارفتگی ختم ہو گیا۔ سیدنا عبداللہ فرماتے ہیں: ''بخدا! ہم لوگوں کو ایسا معلوم ہوا کہ گویا یہ آیت پہلے نازل ہی نہیں ہوئی تھی۔'' (بخاری)

Marfat.com

سقیفہ بنی ساعدہ:

ادھر پیغمبر اسلام ﷺ کی تجہیز و تکفین کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ ادھر مدینہ طیبہ میں خلافت کا قضیہ کھڑا ہو گیا۔ انصار مدینہ نے سقیفہ بنی ساعدہ میں جو ان کا دارالمشورہ تھا اکٹھے ہو کر خلافت کی بحث چھیڑ دی۔ انصار کا خیال تھا کہ جانشین رسول اللہ ان میں سے ہو اور کچھ لوگ یہ کہتے تھے کہ بجائے ایک کے دو امیر ہوں ایک انصار میں سے اور دوسرا مہاجرین میں سے۔ اگر سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ بروقت مداخلت نہ کرتے تو مہاجرین و انصار باہم دست و گریبان ہو جاتے اور ایک ایسا فتنہ جنم لیتا جو شاید اسلام کا چراغ ہمیشہ کے لیے گل کر دیتا لیکن ان دونوں حضرات کی عقل و بصیرت نے اس فتنہ کو ختم کر دیا۔

روایات میں ہے کہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو جب اس بات کی اطلاع ہوئی تو وہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر سقیفہ بنی ساعدہ میں پہنچے۔ وہاں ایک شور و غل برپا تھا۔ جب یہ تینوں حضرات بیٹھ گئے تو انصار کے ایک خطیب نے اٹھ کر کہا:

''ہم اللہ کے انصار اور اسلام کے لشکر ہیں اور اے مہاجرین! تم ہمارے نبی اکرم ﷺ کے ساتھی ہو لیکن اب تم ہم سے برگشتہ ہو گئے ہو اور ہمیں ہمارے مقام سے الگ کرنا چاہتے ہو۔''

یہ تقریر ختم ہوئی تو سیدنا فاروق رضی اللہ عنہ نے کچھ بولنا چاہا، صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے انھیں روک دیا اور کھڑے ہو کر ایک نہایت فصیح و بلیغ فی البدیہہ تقریر فرمائی۔ جس میں پہلے تو مہاجرین کے فضائل اور اسلام کے لیے ان کی غیر معمولی قربانیوں کا تذکرہ فرمایا۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے ساتھ ان کے رشتۂ قرابت کا ذکر کیا، پھر فرمایا:

''اے انصار! تم جو کچھ اپنے متعلق کہتے ہو بے شک اس کے اہل ہو اور اس میں کوئی شک نہیں۔ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بھی تمہارا گہرا تعلق تھا۔ آپ ﷺ کی بعض ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن تم ہی میں سے تھیں لیکن عرب اس معاملے میں سوائے قریش کے اور کسی کی اطاعت قبول نہیں کریں گے۔''

اس کے بعد آپ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا کہ ان دونوں میں سے کسی کے ہاتھ پر بیعت کر لو۔ اس پر شور و غل کچھ زیادہ ہو گیا اور انصار کی طرف سے حباب رضی اللہ عنہ بن منذر نے سخت کلامی کی۔ موقع کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ نہیں ہم آپ کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں کیونکہ آپ رضی اللہ عنہ ہم سب سے بہتر ہیں اور رسول اللہ ﷺ سب سے زیادہ آپ رضی اللہ عنہ ہی سے محبت کرتے تھے۔ یہ کہہ کر سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ کر بیعت کی۔ سیدنا فاروق رضی اللہ عنہ کا بیعت کرنا تھا کہ انصار و مہاجرین سب بیعت کے لیے ٹوٹ پڑے۔

(یہ واقعہ بخاری کے کئی مقامات پر مرقوم ہے۔ ہم نے ان سے اختصار کیا ہے۔ ملاحظہ ہو بخاری: ۱/ ۵۱۸، ۲/ ۱۰۰۹، طبری: ۲/ ۴۵۷ پر بھی اس کی تفصیل درج ہے۔)

Marfat.com

سقیفہ بنی ساعدہ کے اس واقعہ سے فراغت کے بعد یہ صحابہ رضی اللہ عنہم کاشانۂ نبوت پر حاضر ہوئے اور رسول اللہ ﷺ کی تجہیز و تکفین میں مشغول ہو گئے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تدفین کے بارے میں صحابہ کرام میں اختلاف ہوا تو اس عقدہ کو بھی سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حل کیا۔ اختلاف یہ تھا کہ آپ ﷺ کو کہاں دفن کیا جائے؟ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے:

''اللہ کسی نبی کی روح اسی جگہ قبض کرتا ہے جہاں اس کو دفن ہونا پسند ہوتا ہے۔''

لہٰذا تم لوگ بھی آپ ﷺ کو آپؐ کی اسی خواب گاہ میں دفن کر دو۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس سے اتفاق کرتے ہوئے حضور ﷺ کو وہیں دفن کر دیا۔

بیعت عامہ:

رسول اللہ ﷺ کی وفات کے دوسرے روز یعنی ۱۳ ربیع الاول ۱۱ ھ مطابق ۲۸ مئی ۶۳۲ء کو مسجد نبوی ﷺ میں بیعت عامہ کا اہتمام کیا گیا۔ سب انصار و مہاجرین جمع ہوئے۔ پہلے سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے منبر پر بیٹھ کر خطبہ دیا جس میں اور باتوں کے علاوہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مناقب و فضائل بیان فرمائے۔ پھر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے جو خاموش بیٹھے ہوئے تھے کہا: ''منبر پر تشریف لائیے،'' لیکن سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنی جگہ سے نہ ہلے۔ آخر جب دو تین مرتبہ کہا تو آپ رضی اللہ عنہ منبر پر تشریف فرما ہوئے اور تمام مسلمانوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔

(بخاری: ۲/۱۰۷۲)

اس کے بعد آپ نے ایک خطبہ ارشاد فرمایا، حمد و ثنا کے بعد فرمایا:

''اے لوگو! میں تمہارا امیر بنا دیا گیا ہوں حالانکہ میں تم لوگوں میں سب سے بہتر نہیں ہوں۔ اگر میں اچھا کام کروں تو میرے ساتھ تعاون کرو اور اگر میں برا کام کروں تو مجھے سیدھا کر دو۔ صدق امانت ہے اور کذب خیانت۔ تمہارا ضعیف فرد بھی میرے نزدیک قوی ہے اور قوی فرد بھی میرے نزدیک کمزور ہے یہاں تک کہ میں اس سے دوسروں کا حق دلا دوں۔ جو قوم جہاد فی سبیل اللہ کا فریضہ چھوڑ دیتی ہے اس پر خدا ذلت و خواری مسلط کر دیتا ہے اور جس قوم میں بدکاری عام ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس پر مصیبت کے سائے منڈلانے لگ جاتے ہیں۔ جب میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کروں تم میری اطاعت کرو اور جب میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کروں تو تم پر میری اطاعت ضروری نہیں۔ اچھا اب نماز کے لیے کھڑے ہو جاؤ۔ اللہ تم پر رحم فرمائے۔''

(البدایہ والنہایہ: ۵/۲۴۸، طبقات ابن سعد: ۳/۱۲۹)

ابن سعد نے لکھا ہے کہ ایسا خطبہ پھر کسی کی زبان سے سننے میں نہیں آیا۔

Marfat.com

مخلفین:

تاریخ کی بعض کتابوں میں ہے کہ بعض اہم شخصیتوں نے اس دن سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت نہیں کی تھی جس دن سب لوگوں نے بیعت کی۔ زہری کا بیان ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ، بنو ہاشم اور زبیر رضی اللہ عنہ نے چھ ماہ تک ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت نہیں کی تھی۔)

(ابن اثیر:۲/۳۳۱، طبری:۲/۴۴۸ ایسا ہی السنن الکبریٰ بیہقی:۲/۳۰۰، مسند ابی عوانہ:۴/۱۴۶، بخاری:۲/۶۰۹، انساب الاشراف:۱/۵۸۶ وغیرہ میں مرقوم ہے۔)

قبیلۂ خزرج کے سردار سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں بھی کہا جاتا ہے کہ انھوں نے بھی سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت نہیں کی تھی۔ یہ سب روایات سبائیوں کی وضع کردہ ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ ان سب حضرات نے بغیر کسی توقف اور ہچکچاہٹ کے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت کی تھی۔

جہاں تک سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کا تعلق ہے بہت سی روایات میں ہے کہ انھوں نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی بیعت کی تھی، چنانچہ علامہ ابن حجر ہیثمی نے لکھا ہے کہ ابن عبدالبر نے جو یہ لکھا ہے کہ سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت نہیں کی تھی، یہاں تک کہ ان کی وفات ہوگئی۔ روایات سے اس کی تغلیط ہوتی ہے۔ (الصواعق المحرقہ ص ۷) اور طبری نے تو ایک روایت میں صاف صاف لکھا: ''ساری قوم نے بیعت کی اور سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے بھی (سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی) بیعت کی۔ (تتابع القوم علی البیعته وبایع سعد) (طبری:۲/۴۵۹)

اور سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ کے بارے میں روایات ملتی ہیں کہ انھوں نے بھی سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت کی تھی۔ چنانچہ لکھا ہے کہ سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہا:

''بے شک ہم ابوبکر رضی اللہ عنہ کو سب لوگوں سے زیادہ خلافت کا حق دار سمجھتے ہیں، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غار کے ساتھی ہیں اور ثانی اثنین ہیں۔ ہم ان کی شرافت اور بزرگی کا بدل وجان اعتراف کرتے ہیں اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات طیبہ میں انھیں لوگوں کی نماز کا امام بنایا تھا۔ اس روایت کی سند عمدہ اور جید ہے۔'' (البدایہ والنہایہ:۵/۲۵۰، ۶/۳۰۲، مستدرک حاکم:۳/۶۶، السنن الکبریٰ:۸/۱۵۲)

شیعہ مصنف نے بھی اس روایت کا اعتراف کیا ہے۔ (ابن ابی الحدید:۲/۵)

باقی رہا معاملہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا تو اس ضمن میں بھی بکثرت روایات موجود ہیں جن میں صاف لکھا ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے پہلے دن ہی سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت قبول کر لی تھی۔ چنانچہ حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ:

''یہ اسناد صحیح اور محفوظ ہیں..... اور اس سے بڑی مفید چیز ثابت ہوئی وہ یہ کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد پہلے روز یا دوسرے روز سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی تھی اور یہی بات حق ہے۔'' (البدایہ والنہایہ:۵/۲۴۹)

ایسا ہی علامہ بلاذری نے انساب الاشراف:۱/۵۸۵ الخلفاء الراشدون للخالدی: ص ۵۶ پر لکھا ہے۔

Marfat.com

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا استحقاق خلافت:

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے خلاف قلبی بغض وعناد رکھنے والے لوگ آج تک ثابت کرنے کی کوشش کر رہے ہیں کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ خلافت کے مستحق نہ تھے بلکہ خلافت کے مستحق اور اہل سیدنا علی رضی اللہ عنہ تھے، کیونکہ وہ داماد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد بھائی تھے۔ یہ دلیل اپنے اندر کوئی وزن نہیں رکھتی، کیونکہ اگر داماد رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہونا خلیفہ ہونے کا استحقاق رکھتا ہے تو پھر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو خلیفہ رسول ہونا چاہیے تھا، جن کے نکاح میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دو صاحبزادیاں یکے بعد دیگرے آئیں۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سگی پھوپھی کے نواسے تھے اور تجربہ اور اصول جہانبانی سے واقف وآشنا ہونے کی وجہ سے امور خلافت کو نہایت اچھے طریقے سے چلا سکتے تھے۔

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور وراثت رسول صلی اللہ علیہ وسلم:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وراثت کا مسئلہ پیدا ہوا۔ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان کی معرفت خلیفہ رسول کو کہلا بھیجا کہ متروکات رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں سے ہماری میراث کا حصہ دیا جائے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے انھیں کہا کیا تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ نہیں سنا کہ ہماری وراثت نہیں ہوتی۔ ہم جو کچھ چھوڑ جاتے ہیں وہ صدقہ ہوتا ہے۔ (بخاری:۲/۹۹۶)

بخاری ہی کی ایک اور روایت میں ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا، کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن سے ان کے اس مطالبہ کی تردید کی اور کہا کہ ''کیا تم اللہ سے نہیں ڈرتیں اور کیا تمھیں علم نہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے، کہ ہمارے اموال میں وراثت جاری نہیں ہوتی۔ ہم جو کچھ چھوڑ جاتے ہیں وہ صدقہ (وقف) ہوتا ہے۔'' سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ''جب میں نے انھیں یہ بتایا تو وہ اپنے مطالبہ سے رک گئیں۔'' (بخاری:۲/۵۷۶، فتوح البلدان:۳۷)

ایک طرف تو ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کا مطالبہ تھا، دوسری طرف روایات میں ہے کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے بھی سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے اپنی میراث کا مطالبہ کیا۔ چنانچہ بخاری ہی میں ہے:

''سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں، کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اور سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں مدینہ منورہ کے صدقات اور فدک کی آمدنی اور خیبر کے خمس کا مطالبہ بطور میراث پیش کیا۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے، انبیاء کی وراثت (مالی) جاری نہیں ہوتی، جو کچھ چھوڑ کر رخصت ہوتے ہیں وہ صدقہ (وقف) ہوتا ہے۔''

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مذکورہ بالا اموال میں سے آل رسول یقیناً خوراک اور نان ونفقہ ضرور حاصل کرتی رہے گی اور جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں مالی اخراجات آل رسول کے لیے ان اموال سے

Marfat.com

جاری رہتے تھے ٹھیک اسی طرح ہم بھی اس پر عمل درآمد جاری رکھیں گے۔اس میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں کی جائے گی۔مالی مصارف کے حصول کے علاوہ تقسیم میراث کا تقاضا آپ کے لیے درست نہیں۔پھر سیدنا علی رضی اللہ عنہ تشریف لائے اورانھوں نے توحید ورسالت کی شہادت کے بعد کہا: ''اے ابوبکر رضی اللہ عنہ! ہم آپ کی فضیلت اور شرافت کا اعتراف کرتے ہیں۔'' پھر ابوبکر رضی اللہ عنہ کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رشتہ داری کا بھی ذکر کیا اوران کے حقوق کا بھی تذکرہ فرمایا۔اس کے بعد سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رشتہ داری اور قرابت مجھے اپنی رشتہ داری اور قرابت داری سے زیادہ محبوب اور مقدم ہے۔''

(بخاری:۱/۵۲۶،۲/۵۷۶،طحاوی:۱/۲۹۸)

اب اس مال کی دو حیثیتیں ہیں۔ایک یہ کہ وہ جائیداد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتی ملکیت ہو دوسری یہ کہ صدر ریاست اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہونے کی حیثیت سے وہ ان کے اخراجات کے لیے وقف ہو یعنی بجائے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ملکیت میں ہونے کے آپ کی تولیت میں ہو۔اگر وہ جائیداد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ملکیت ہوتی تب تو ورثاء میں اس کی وراثت جاری نہ ہونا ایک فطری اور قدرتی امر تھا۔اسی وجہ سے حدیث میں اس جائیداد کے بارے میں یہ نہیں آیا ہے کہ یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے خاص تھی بلکہ یوں آیا ہے: فكانت هذه خالصة لرسول الله صلى الله عليه وسلم کہ یہ جائیداد اللہ کے رسول کے لیے مخصوص تھی۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قائم مقام سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی طرف منتقل ہوئی۔چنانچہ حدیث میں ہے کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس پیغام بھیجا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وارث آپ ہیں یا آپ کی اولاد؟ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جواب میں فرمایا: ''میں نہیں بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل (متعلقین) ہیں۔'' اب سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہلوا بھیجا کہ ''پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حصہ کہاں ہے؟'' اس کا جواب سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ دیا کہ میں نے ہادی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے: ''اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو کھلاتا ہے، لیکن جب وہ اس دنیا سے اٹھا لیتا ہے تو جو اس نبی کا حصہ ہوتا ہے وہ اس شخص کی تحویل اور سپرداری میں چلا جاتا ہے جو اس کا قائم مقام ہوتا ہے۔(مسند احمد:۱/۴)

ان روایات سے صاف پتہ چلتا ہے کہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ قائم مقام رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہونے کی وجہ سے خیبر وفدک کی اس جائیداد کے اسی طرح متولی تھے جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے متولی تھے۔یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ملکیت نہ تھی کہ اس میں وراثت جاری ہوتی۔عہد نبویؐ میں خیبر وفدک کا مصرف نہ تھا کہ ہادی دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم اپنے متعلقین کا سال بھر کا خرچ اس میں سے پورا کرتے اور اس کے علاوہ وہ مسلمانوں کی ضرورت پر اس کو خرچ کرتے تھے۔(مسند احمد:۱/۱۰)

اسی وجہ سے سیدنا عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے فدک کے بارے میں ایک جماعت کو مخاطب کر کے فرمایا تھا کہ ''فدک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تھا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس میں سے خرچ کرتے تھے اور اسی میں سے بن ہاشم کے فقراء پر خرچ کرتے تھے۔ان کی کنواری لڑکیوں کی شادی کرتے تھے۔سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم

Marfat.com

سے درخواست کی تھی کہ آپ ﷺ فدک ان کے نام ہبہ کردیں تو آپ ﷺ نے انکار فرمادیا۔'' (ابوداؤد:۲/۱۷۶)

انکار بھی صرف اس وجہ سے فرمایا تھا کہ وہ آپ ﷺ کی ملکیت نہ تھا، بلکہ تولیت میں تھا۔ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ دونوں حضرات کو اس کا یقین واطمینان تھا کہ اس میں وراثت جاری نہیں ہوسکتی، لیکن ان کی خواہش تھی کہ اس جائیداد کا انھیں متولی بنادیا جائے۔ وقف کا متولی تو دراصل خلیفۂ وقت ہوتا ہے، لیکن وہ اپنا حق دوسرے کو بھی منتقل کرسکتا ہے۔ چنانچہ ان حضرات کی دل جوئی کی خاطر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس کا حق تولیت ان دونوں حضرات کو منتقل کردیا۔ اس کے علاوہ خمس کی تقسیم کے متولی بھی سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور سیدنا عباس رضی اللہ عنہ تھے۔ چنانچہ روایات میں ہے کہ:

''سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، میں نے عباس رضی اللہ عنہ، فاطمہ رضی اللہ عنہا اور زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی موجودگی میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں عرض کیا کہ ہم قرابت داران رسول کا جو حصہ خمس میں ہے اس کی تقسیم کی ذمہ داری اگر جناب ﷺ اپنی حیات طیبہ میں میرے سپرد فرمادیں تو اچھا ہوگا تاکہ آپ ﷺ کے بعد کوئی شخص اس بارے میں ہمارے ساتھ جھگڑا نہ کرے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مجھے اس کام کا متولی بنادیا۔ عہد نبویؐ میں اس خمس کے حصہ کو میں بنی ہاشم میں تقسیم کرتا رہا، پھر ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مجھے اس خمس کی تقسیم کا والی بنایا تو میں عہد صدیقی میں بھی اس کو تقسیم کرتا رہا۔ پھر عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ نے بھی اس کی تقسیم کا مجھے متولی بنایا تو میں عہد فاروقی میں بھی اس کو بنو ہاشم میں تقسیم کرتا رہا یہاں تک کہ عہد فاروقی کے آخری سال میں عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس بہت سا مال غنیمت آیا۔ انھوں نے ہمارے حصے کا حق خمس الگ کرکے میری طرف آدمی بھیجا کہ اس مال کو آکر تقسیم کردیجیے۔ میں نے جواب میں کہلا بھیجا کہ ''امیر المومنین رضی اللہ عنہ! ہم لوگ اب اس سے مستغنی ہوچکے ہیں (کیونکہ ہماری مالی حالت اب بہت بہتر ہے) اور دوسرے مسلمانوں کو اس کی ضرورت ہے۔'' تب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے وہ مال غرباء کے لیے بیت المال میں واپس لوٹادیا۔ (ابوداؤد:۲/۶۱، مسند احمد:۱/۸۴، کتاب الخراج:۲۰)

باقی رہا معاملہ فدک کا تو اس کی تولیت بھی روایات کے مطابق جیسا کہ ذکر کیا گیا ہے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو دے دی تھی اور یہ تولیت ان کے بعد ان کی اولاد میں چلتی رہی۔ چنانچہ بخاری: جلد۲، ص۵۷۶، مسند ابی عوانہ: جلد۴، ص۱۴۰، اور دوسری کتابوں میں اس کی تفصیل سے مذکور ہے۔

بعض روایات میں ہے کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا جب اپنا حق وراثت لینے کے لیے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لے گئیں اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انھیں حدیث رسول ﷺ سنا کر مطمئن کرنے کی کوشش کی تو وہ مطمئن ہونے کی بجائے فغضبت فاطمة فهجرته فلم تكلمه حتى توفيتيع نی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا غضبناک ہوگئیں اور وفات تک ابوبکر رضی اللہ عنہ سے نہ ملیں اور نہ ہی کوئی کلام کیا۔ (السنن الکبریٰ:۲/۳۰۰، بخاری:۲/۹۹۶)

یہ روایت درایتاً بھی غلط ہے اور روایتاً بھی کیونکہ حدیث رسول اللہ ﷺ جو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سیدہ

Marfat.com

فاطمہ رضی اللہ عنہا کے سامنے پیش کی اس کو سن کر سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے سامنے صرف دو صورتیں تھیں یا تو وہ اس حدیث نبوی ﷺ کا انکار کرتیں اور یا اس حدیث کو صحیح تسلیم کرتیں۔ پہلی صورت تو کسی طرح ممکن نہیں اس لیے کہ اول تو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ جیسے افضل الصحابہ اور اعلم الصحابہ کا کسی حدیث کو بیان کرنا اس کی صحت کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ لہٰذا سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لیے حدیث نبوی ﷺ کی عدم صحت کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اب لامحالہ دوسری صورت ہی باقی رہتی ہے اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی نسبت ایک لمحہ کے لیے بھی یہ باور نہیں کیا جا سکتا کہ حدیث کی صحت تسلیم کرنے کے بعد انھیں معمولی سا بھی طبیعت میں تکدر ہوا ہو اور انھوں نے نہایت مسرت اور خوشی سے اپنے مطالبہ سے دست برداری حاصل نہ کر لی ہو۔ وہ تو سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت محمد ﷺ ہیں، ایک معمولی انسان کے سامنے بھی صحیح اور صریح حدیث نبوی ﷺ پیش کی جائے تو اس کو بھی انکار کی مجال نہیں ہوتی چہ جائے کہ رسول اللہ ﷺ کی اپنی بیٹی ان کی بات کا انکار کرے۔ لہٰذا یہ کہنا کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ناراض ہو گئی تھیں کسی دشمن ابوبکر رضی اللہ عنہ اور دشمن صحابہ نے یہ الفاظ حدیث میں گھسیڑے ہوئے ہیں۔ حدیث میں تو صاف لفظوں میں مذکور ہے کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی زبان سے حدیث رسول سننے کے بعد سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

فانت وماسمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم اعلم۔

''تو پھر آپ نے رسول اللہ ﷺ سے جو سنا ہے آپ اس کو بہتر جانتے ہیں۔'' (مسند احمد: ۱/۴)

اس سے صاف واضح ہوتا ہے کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ پر کوئی ملال اور غصہ نہیں تھا لیکن اگر وہ خاموش ہو گئی تھیں یا انھوں نے ابوبکر رضی اللہ عنہ سے اپنی وفات تک کوئی کلام نہیں کیا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس مطالبہ کے بارے کوئی کلام نہ کیا کیونکہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے منہ سے حدیث نبوی ﷺ سن کر ان کو پورا پورا اطمینان ہو گیا تھا۔ چنانچہ حافظ ابن کثیر نے بڑی صحیح بات لکھی ہے:

''بعض روایات سے پتہ چلتا ہے کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے پہلے پہلے اپنے قیاس اور آیت وراثت کے عموم سے استدلال کیا تھا۔ پھر خلیفۂ رسول ﷺ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ، اس وراثت کے عمومی مسئلہ سے رسول اللہ ﷺ خارج ہیں اور ان کے لیے خاص حکم ہے۔ پس ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا، سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اسے تسلیم کر لیا اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں ہمارا یہ حسن ظن ہے۔''

(البدایہ والنہایہ: ۵/۲۸۹)

دوسری بات اس سلسلے میں یہ ہے کہ جن راویوں نے یہ الفاظ نقل کیے ہیں ان کا یہ صرف ایک اندازہ اور قیاس ہے بلکہ بقول محدثین کرام یہ محمد بن مسلمہ زہری کا ادراج ہے جو اس نے ہر اس حدیث میں کیا ہے جس میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر اعتراض وارد ہوتا ہو۔ چنانچہ علامہ ابن کثیر ہی نے لکھا ہے:

''اور شاید بعض راویوں نے جیسا سمجھا اس کو ویسا ہی بامعنی روایت کر دیا اور یہ بات بھی ذہن میں رہنی چاہیے کہ راویوں میں بعض وہ بھی ہیں جن میں تشیع پایا جاتا ہے۔'' (البدایہ والنہایہ: ۵/۲۸۹)

Marfat.com

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے اس فیصلے کو نہ صرف سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے صحیح مانا بلکہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے بھی صحیح تسلیم کیا۔ چنانچہ ان کی خلافت کے زمانہ میں جب بعض لوگوں نے فدک کو سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے وارثان کو لوٹانے کے لیے کہا تو آپ نے فرمایا:

انی لا ستحیی من الله ان اردشیا منع منه ابوبکر وامضاه عمر۔

''مجھے اللہ تعالیٰ سے حیا آتی ہے کہ میں اس چیز کو لوٹا دوں جس کو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے روکا تھا اور عمر نے اس حکم کو جاری رکھا۔'' (الشافی فی الامامۃ:۲۳۱/۴۱۳، ابن ابی الحدید:۴/۱۳۰ بحث فدک)

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو بخاری، رقم:۶۷۲۵، ۶۷۲۶، مسلم، رقم:۱۷۵۹، تاویل مختلف الحدیث:ص ۱۸۹، البدایہ والنہایہ:۵/۲۵۲، اباطیل یجب ان تمحی من التاریخ:ص ۱۰۹)

Marfat.com

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا استحقاق خلافت

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے منصب خلافت عطا کیا، کیا وہ واقعی اس کے مستحق تھے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ وہ اس بات کا واقعی استحقاق رکھتے تھے۔ تبھی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے متفقہ طور پر انھیں خلیفہ رسول منتخب کیا۔ چنانچہ علامہ ابن کثیر نے لکھا ہے:

''سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ سمیت تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت پر اتفاق کیا۔'' (البدایہ والنہایہ)

دوسری استحقاق کی دلیل بھی خود سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ نے یہ دی:

''بے شک ہم ابوبکر رضی اللہ عنہ کو سب سے زیادہ خلافت کے لیے مستحق سمجھتے ہیں کیونکہ وہ صاحب غار ہیں جن کا لقب ثانی اثنین ہے۔ ہم ان کی شرافت اور بزرگی کے معترف ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اس دنیوی زندگی میں ان کو تمام لوگوں کی نماز کا امام مقرر فرمایا تھا۔''

(مستدرک حاکم: ۳/۶۶، السنن الکبریٰ: ۸/۱۵۲، البدایہ والنہایہ: ۵/۲۵۰، ۶/۳۰۲)

گویا کہ بتایا یہ کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ اس منصب جلیلہ کے سب سے زیادہ مستحق ہیں۔ اس وجہ سے کہ انھیں رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت و ہمراہی کا شرف حاصل ہے اور یہ شرف کسی اور صحابی کو اس طرح حاصل نہیں رہا۔ آپ سب سے زیادہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے شریک جلوت و خلوت تھے۔ سب سے پہلے اسلام لائے۔ اسلام قبول کرنے کے بعد ایک دن کے لیے بھی ابوبکر رضی اللہ عنہ آپ سے جدا نہ ہوئے۔ لوگ حبشہ گئے لیکن ابوبکر رضی اللہ عنہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے۔ پھر ہجرت مدینہ میں سب صحابہ اکیلے مکہ سے مدینہ گئے لیکن ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ہجرت کی تو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اس طرح ساتھ رہے کہ غار میں بھی ساتھ اور سفر میں بھی ساتھ۔ جن غزوات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے جاتے تو ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی ساتھ ہوتے۔ دوسری جنگوں میں جن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہ جاتے دوسرے بارگاہ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم مین عرض کرتے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ہمارے ساتھ بھیجیے لیکن رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب یہ ہوتا کہ نہیں یہ میرے ساتھ رہیں گے اور مجھے ان کی ضرورت ہے۔ اس طویل ترین رفاقت میں جو تعلیم و تربیت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی ہوئی وہ کسی دوسرے صحابی کی نہیں ہو سکتی تھی۔

Marfat.com

اس طویل اور خصوصی تعلیم وتربیت کے اثرات کی وجہ سے ابوبکر رضی اللہ عنہ مزاج شناس رسول تھے۔ چنانچہ فکر و ذہن اور مزاج وطبیعت میں نبوت کے ساتھ یگانگت ومماثلت ہو چکی تھی۔ آپ کی زندگی کے کئی واقعات اس بات پر بین دلیل ہیں کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ ادا شناس اور مزاج شناس رسول تھے۔

اسی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سب سے زیادہ اعتماد ان پر تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ ایک عورت آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ آپ نے فرمایا: ''پھر آنا۔'' وہ بولی اگر میں آؤں اور آپ کو نہ پاؤں تو کیا کروں۔ فرمایا، ان لم تجد ینی فاتی ابابکر اگر تو مجھ کو نہ پائے تو ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آنا۔

(بخاری:۱/۵۱۶، مسلم:۲/۲۷۳)

ایک مرتبہ ارشاد فرمایا:

''مسجد میں جتنے بھی دروازے ہیں ان کو بند کر دیا جائے، البتہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کا دروازہ کھلا رہے۔''

(بخاری:۱/۵۱۶)

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ سرور دو جہاں علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ ''اگر میں اپنے رب کے سوا کسی اور کو اپنا خلیل بناتا تو ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بناتا، لیکن وہ تو میرا بھائی اور ساتھی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تمھارے ساتھی کو یعنی مجھے اپنا خلیل بنالیا ہے۔'' (بخاری:۱/۵۱۶، مسلم:۲/۲۷۳)

خلت وہ رابطہ ہے جس میں کوئی فاصل اور حائل نہ ہو۔ جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خدا کے مابین کوئی اور درجۂ فاصل نہیں، یعنی آپ بلافصل اللہ تعالیٰ کے نمائندے ہیں۔ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ترین مخلوق خداوندی میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں۔ خلت کا رابطہ اوپر خالق حقیقی سے قائم ہے اور نیچے خلافت بلافصل ابوبکر رضی اللہ عنہ کے لیے ہے۔ جیسے سایہ کبھی اپنی اصل سے جدا نہیں ہوتا، ایسا ہی نائب اپنی ہر ادا اور حرکت وفعل میں اصل سے متصل ہوتا ہے۔ لہٰذا امت کا حق تھا کہ امت آپ کو خلیفہ بناتی اور اس منصب کے لیے آپ کا پورا پورا استحقاق تھا۔

چنانچہ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہ میرے پاس جبرئیل آئے۔ انھوں نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے لے جا کر جنت کا دروازہ دکھلایا۔ جس دروازہ سے میری امت جنت میں داخل ہوگی۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر فرمایا: ''کاش میں بھی آپ کے ساتھ ہوتا اور وہ دروازہ دیکھ پاتا۔'' آپ نے فرمایا: ''ابوبکر رضی اللہ عنہ! تو میری امت میں سب سے پہلے جنت میں داخل ہوگا۔'' مطلب یہ کہ وہ دروازہ سب سے پہلے تو ہی دیکھے گا۔ (سنن ابی داؤد:۲/۶۴۰)

اس طرح ایک اور حدیث میں فرمایا:

''میں پہلا شخص ہوں جس پر سے زمین کھلے گی، پھر ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ پر سے پھر میں اہل بقیع کے پاس آؤں گا، (کیونکہ وہاں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ ہیں)۔'' (ابوداؤد:۲/۶۴۲)

Marfat.com

ان احادیث سے مجموعی طور پر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے استحقاقِ خلافت کے متعلق یہ پتہ چلتا ہے کہ وہ تمام اعمال خیر کے جامع تھے اور ہر دائرۂ عمل میں وہ کمال کی آخری سرحدوں کو عبور کر چکے تھے اور نبیؐ سے ان کو وہی نسبت ہوگئی تھی جو فاعل اور قائل کی ہو یا آفتاب اور آئینہ کی۔ گویا کہ ادھر جود وسخا تھی اور ادھر اطاعت وفنا۔ چنانچہ ایک مرتبہ جب آپؐ مختلف اعمال والوں کو جنت کے مختلف دروازوں سے بلائے جانے کی بابت ارشاد فرما رہے تھے تو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ضروری نہیں کہ کوئی ان تمام دروازوں سے بلایا جائے، لیکن کیا ایسا بھی ہوگا کہ کسی کو ان تمام دروازوں سے جنت میں داخل ہونے کی آواز پڑے۔'' آپؐ نے فرمایا: ''ابوبکر رضی اللہ عنہ ہاں اور میں امید کرتا ہوں کہ تو ان میں سے ہوگا۔'' (بخاری:۱/۵۱۷)

اس پر مزید یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی مواقع پر قولاً اور عملاً آپ کی خلافت کے بارے میں اشارات بھی فرمائے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آخری ایام میں نماز کی امامت کا منصب بھی آپ کو عطا فرمایا، باوجودیکہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا نے عذر کیا اور بارگاہ رسالت میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا اس منصب کے لیے نام تجویز کیا لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت اصرار کے ساتھ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو امامت کے لیے منتخب فرمایا، بلکہ یہاں تک فرمایا:

لاینبغی لقوم فیهم ابوبکر ان یومهم غیره۔

''کسی قوم کے لیے یہ مناسب نہیں کہ ان میں ابوبکر رضی اللہ عنہ موجود ہوں پھر کوئی اور شخص اس کی امامت کرے۔'' (ترمذی:۲/۲۱۴)

چنانچہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور دیگر کئی صحابہ نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے استحقاق خلافت کے لیے یہی دلیل دی تھی۔

علاوہ ازیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات سے چند روز قبل یہاں تک ارادہ فرمایا، کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کی وصیت لکھ دیں لیکن یہ کہہ کر اپنے ارادہ کو عملی جامہ نہ پہنایا'' کہ ''اللہ اور مومنوں کے نزدیک ابوبکر رضی اللہ عنہ کے سوا کوئی دوسرا نہیں۔'') چنانچہ امام مسلم نے اپنی صحیح میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ، مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیماری میں فرمایا:

ادعی لی ابابکر اباك و اخاك حتی اکتب کتابا فانی اخاف انی یتمنی متمن ویقول قائل انا اولی ویابی الله والمومنون الاابابکر۔

''ذرا ابوبکر اپنے والد اور بھائی کو میرے پاس بلا لاؤ تو میں ایک تحریر لکھ دوں کیونکہ مجھ کو ڈر ہے کہ کوئی تمنا کرنے والا یہ کہے کہ میں زیادہ بہتر ہوں، حالانکہ اللہ اور مومنوں کے نزدیک ابوبکر رضی اللہ عنہ کے سوا کوئی دوسرا نہیں۔'' (مسلم:۲/۲۷۳، بخاری:۲/۸۴۶)

بخاری میں یہ الفاظ اس ضمن میں بڑی اہمیت رکھتے ہیں اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کے متعلق خلافت کا حکم لکھوانے کی

Marfat.com

بڑی وضاحت کرتے ہیں:

لقدهممت او اردت ان ارسل الی ابوبکر وابنه واعهد۔

''میں نے پختہ ارادہ کیا تھا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ اور ان کے بیٹے کو بلوا بھیجوں اور خلافت کی ذمہ داری ان کے سپرد کردوں۔''

پھر خلافت کا تعلق علم سے ہے۔ نبی دنیا میں علم لے کر آتا ہے اور نبی کا جانشین بھی وہ ہونا چاہیے جو علم میں سب سے زیادہ ہو۔ اس لحاظ سے بھی سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا استحقاق ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد وہی اس کے جانشین ہوں۔ چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں:

وکان ابوبکر هو اعلمنا۔

''اور ابوبکر رضی اللہ عنہ ہم میں سب سے زیادہ عالم تھے۔'' (بخاری:۱/۵۱۶)

اس علم کی وجہ سے وہ تمام صحابہ کرام میں افضل سمجھے جاتے تھے اور افضل ہونا قیادت کا پورا پورا استحقاق رکھتا ہے۔ چنانچہ ایک مرتبہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے سیدنا محمد بن الحنیفہ رضی اللہ عنہ نے آپ سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تمام لوگوں میں سے سب سے بہتر شخص کون تھا؟ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ابوبکر رضی اللہ عنہ سب سے بہتر تھے۔ میں نے پھر پوچھا، ان کے بعد کون؟ فرمایا عمر رضی اللہ عنہ۔ مجھے گمان ہوا کہ آپ عمر رضی اللہ عنہ کے بعد عثمان رضی اللہ عنہ کا نام لیں گے۔ لہٰذا میں نے خود پوچھا پھر آپ؟ فرمایا ''میں تو مسلمانوں میں سے ایک عام مسلمان ہوں۔''

(بخاری:۱/۵۱۸، ابوداؤد:۲/۲۸۸)

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ایک شاگرد عبد خیر فرماتے ہیں کہ ایک روز سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر ارشاد فرمایا:

خیر هذه الامة بعد نبیها ابوبکر وعمر۔

''اس امت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے بہتر انسان سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں اور پھر عمر رضی اللہ عنہ۔''

سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے اس بارے میں اتنی روایات ہیں جو حد تواتر کو پہنچی ہوئی ہیں۔ چنانچہ اس بارے میں امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے حافظ کا قول نقل فرمایا:

قال الذهبی هذا متواتر عن علی۔

''ذہبی کہتے ہیں کہ یہ بات سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے تواتر کے ساتھ منقول ہے۔'' (تاریخ الخلفا:۴۵)

طبقات ابن سعد میں ہے کہ ایک مرتبہ بارگاہ رسالت میں شاعر دربار رسالت سیدنا حسان بن ثابت نے یہ اشعار پڑھے۔

وثانی اثنین فی الغار المنیف وقد
طاف العدو به اذ صعد الجبلا

''اور مبارک غار کے رفیق ہیں اور جب وہ پہاڑ پر چڑھے تو دشمن نے ان کو گھیر لیا۔''

Marfat.com

وکان حب رسول اللہ قد علموا
من البریة لم یعدل بہ رجلا

''اور وہ رسول اللہ ﷺ کے محبوب ہیں کہ پوری دنیا میں ان کے برابر کا کوئی آدمی نہیں ہے۔''

رسول اللہ ﷺ نے جب یہ اشعار سنے تو تبسم فرمایا یہاں تک کہ دندان مبارک نظر آنے لگے اور ارشاد فرمایا: ''اے حسان رضی اللہ عنہ! تو نے سچ کہا وہ ایسے ہی ہیں۔'' (طبقات ابن سعد)

ان تمام دلائل سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو جو خلیفۂ رسولؐ بنایا گیا تو وہ واقعی اس کے لیے ہر لحاظ سے موزوں ترین تھے۔

Marfat.com

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ خلیفۂ اسلام کی حیثیت سے

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ربیع الاول ۱۱ھ میں جب زمام حکومت سنبھالی تو وہ وقت نہایت نازک، کٹھن اور صبر آزما تھا۔ ایک طرف تو رسول اللہ ﷺ کی وفات کا حادثہ فاجعہ تھا جس کے جانکاہ صدمے نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی نظروں میں دنیا تیرہ وتار کردی تھی اور یار غار ثور پر تو اس حادثہ کے اور بھی زیادہ اثرات تھے۔ دوسری طرف جھوٹے مدعیان نبوت، مرتدین عن الاسلام، مانعین زکوٰۃ اور دوسرے کئی فتنوں نے سر اٹھانا شروع کر دیا۔ گویا کہ مشکلات و مصائب کا ایک پہاڑ تھا جو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے سامنے کھڑا تھا۔ چنانچہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

''رسول اللہ ﷺ کا انتقال ہوا تو میرے ابا پر اس طرح کے حوادث اور مصائب ٹوٹ پڑے کہ اگر وہ بڑے بڑے مضبوط پہاڑوں پر بھی پڑتے تو وہ بھی ریزہ ریزہ ہو جاتے۔ ایک طرف مدینہ طیبہ میں نفاق گھسا ہوا تھا اور دوسری طرف عرب مرتد ہونے لگے تھے۔'' (فتوح البلدان بلاذری:۱۰۲)

اس نازک اور صبر آزما وقت میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عنان اقتدار سنبھالی۔ اس نازک موقع پر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس ثابت قدمی، صبر وتحمل سے امور مملکت کو سرانجام دیا کہ اس کے متعلق میں سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے یہ الفاظ صحیح ترجمانی کرتے ہیں:

''رسول اللہ ﷺ کے انتقال کے بعد ہم مسلمانوں کو ایسے حالات سے سابقہ پڑا کہ اگر اللہ تعالیٰ ابوبکر رضی اللہ عنہ ہم کو عطا فرما کر ہم پر احسان نہ کرتا تو ہم ہلاک ہو جاتے۔'' (فتوح البلدان:۱۰۱)

جیش اسامہ رضی اللہ عنہ کی روانگی:

رسول اللہ ﷺ نے اپنی حیات طیبہ میں سات سو مجاہدین پر مشتمل ایک لشکر سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں شام کی طرف روانہ فرمایا تھا۔ یہ لشکر مدینہ طیبہ سے تھوڑے ہی فاصلہ پر واقع مقام جرف میں پہنچا تھا کہ جناب ختمی مرتبت علیہ الصلوٰۃ والسلام علیل ہو گئے۔ آپ ﷺ کی علالت کی خبر سنتے ہی سیدنا اسامہ رضی اللہ عنہ وہیں پر ٹھہر گئے یہاں تک کہ آپ کا انتقال ہو گیا۔

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے خلیفہ مقرر ہوتے ہی سب سے پہلے لشکر اسامہ رضی اللہ عنہ کو روانہ کرنے کا ارادہ فرمایا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خصوصاً سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے بارگاہ خلافت میں عرض کی کہ یہ وقت اس لشکر کی روانگی کا نہیں،

Marfat.com

کیونکہ مدینہ کے اردگرد کے دیہاتی سردار باغی ہورہے ہیں اور مدینہ پر حملے کی تیاریاں کررہے ہیں۔ لہٰذا پہلے نزدیکی خطرات کا خیال کیا جائے، پھر جب امن ہوجائے گا تو لشکر اسامہ رضی اللہ عنہ کو روانہ کردیا جائے گا۔ مزاج شناس نبوت سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اس تجویز کو درخور اعتناء نہ سمجھا اور فرمایا کہ جس لشکر کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے روانہ فرمایا تھا میں اس کو ہرگز نہیں روک سکتا۔ پھر فرمایا: ''اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے اگر مدینہ اس طرح خالی ہوجائے کہ میں یکہ وتنہا رہ جاؤں اور درندے اور کتے مجھے کھا جائیں تو پھر بھی میں اسامہ رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق اس مہم پر روانہ کروں گا'' (طبری:۲/۴۶۱، تاریخ الخلفا:۱۷۱، ابن عساکر:۱/۱۱۷)

خلیفۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس عزم صمیم کو دیکھتے ہوئے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے پھر کہا کہ اس مہم میں چونکہ سن رسیدہ اور تجربہ کار حضرات شامل ہیں اور اسامہ رضی اللہ عنہ نوجوان ہیں، لہٰذا کسی معمر، سن رسیدہ اور تجربہ کار شخص کو امیر لشکر متعین فرمادیجیے۔ یہ سنتے ہی ابوبکر رضی اللہ عنہ کو غصہ آ گیا اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو مخاطب کرکے ارشاد فرمایا:

''اے خطاب کے بیٹے! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو اسامہ رضی اللہ عنہ کو امیر لشکر مقرر فرمائیں اور تم کہتے ہو کہ میں اسے معزول کردوں۔'' (طبری:۲/۴۶۲)

چنانچہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ مقام جرف پر خود تشریف لے گئے۔ سیدنا اسامہ رضی اللہ عنہ کو سوار کیا اور لشکر کو چلنے کا حکم دیا۔ سیدنا اسامہ رضی اللہ عنہ گھوڑے پر سوار تھے اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ پاپیادہ ان کے ساتھ چل کر انھیں مختلف نصیحتیں فرما رہے تھے۔ سیدنا اسامہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ''اے خلیفۂ رسولؐ! یا تو آپ سوار ہوجائیں یا پھر مجھے بھی پاپیادہ چلنے کی اجازت مرحمت فرمائیں۔'' آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''تم کو خدا کی قسم جواتر واور میں بھی ہرگز سوار نہیں ہوں گا۔'' کیا ہوا اگر اللہ کی راہ میں کچھ دیر کے لیے میرے پاؤں غبار آلود ہوگئے۔ غازی کے ہر ہر قدم کے عوض سات سو نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔''

اس لشکر کے سپاہیوں میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا نام بھی شامل تھا۔ لہٰذا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سیدنا اسامہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''اگر تم مناسب سمجھو تو عمر رضی اللہ عنہ کو میرے پاس چھوڑ جاؤ۔ مجھ کو ان کے مشورہ کی ضرورت ہوگی۔'' سیدنا اسامہ رضی اللہ عنہ اس پر راضی ہوگئے۔

پھر امیر لشکر سیدنا اسامہ رضی اللہ عنہ کو تاکید فرمائی۔ ''اسامہ رضی اللہ عنہ! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمھیں جیسا حکم دیا تھا ویسا ہی کرنا اور اس حکم کی تعمیل میں ذرہ برابر کوتاہی نہ ہو۔'' (طبری:۲/۴۶۲، ابن عساکر:۱/۱۲۲)

سیدنا اسامہ رضی اللہ عنہ اس مہم پر روانہ ہوگئے اور ۷۰ دن اور بقول ایک روایت ۴۰ دن کے بعد اس مہم سے کامیاب وکامران واپس ہوئے۔ ان کی واپسی پر مدینہ میں خوشی اور مسرت کی لہر دوڑ گئی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے علاوہ خواتین بھی ان کے استقبال کے لیے موجود تھیں۔ سیدنا اسامہ رضی اللہ عنہ اس شان سے مدینہ طیبہ میں داخل ہوئے کہ اپنے باپ سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے گھوڑے پر سوار تھے۔ ان کے آگے آگے سیدنا بریدہ رضی اللہ عنہ پرچم اسلامی اٹھائے چل رہے تھے۔ یہ وہی پرچم تھا جس کے بارے میں جیش اسامہ رضی اللہ عنہ کی روانگی کے وقت سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ

Marfat.com

نے فرمایا تھا: ''جس پرچم کو رسول اللہ ﷺ نے کھولا تھا میں اسے کس طرح لپیٹ کر رکھ سکتا ہوں۔''

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے اس اصرار اور سختی سے لشکر اسامہ رضی اللہ عنہ کو بھیجنے کے سیاسی نتائج کے متعلق موجودہ صدی کا مستشرق ڈبلیو واٹ منٹگمری لکھتا ہے:

''پیغمبر اسلامؐ نے اس بات کو محسوس کر لیا تھا کہ جب تک شام کی طرف لشکر روانہ نہیں کیے جائیں گے، عرب قبائل امن و عافیت سے نہیں رہ سکتے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ اس بات کی سیاسی اہمیت سے آشنا تھے، اس وجہ سے شدید اور سخت مخالفت کے باوجود انھوں نے اسامہ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں ایک بڑا لشکر شام روانہ کیا تھا۔'' (انسائیکلوپیڈیا آف اسلام: ۱/۱۱۰)

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو السیرۃ النبویہ الصحیحۃ للعمری: ۲/ ۲۶۷، فتح الباری: ۸/ ۱۵۲، البدایہ والنہایہ: ۶/ ۳۰۷، ۳۰۹، تاریخ الدعوۃ الی الاسلام: ص ۴۲۳، ابوبکر صدیق محمد مال اللہ: ص ۱۹۶، عبقریۃ الصدیق: ص ۱۳۹)

مرتدین کی سرکوبی:

رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد بہت سے سرداران عرب مرتد ہو گئے اور ہر ایک اپنے اپنے علاقہ میں خود مختار ہو گیا۔ محققین کے مطابق یہ ارتداد زیادہ تر سیاسی تھا۔ دینی ارتداد بہت ہی کم تھا۔ ان سرکش اور باغی قبائل میں سے بنو تمیم، بنو حنیفہ، قبیلہ مضر، قبیلہ دوس، اہل نجران، اہل حضر موت اور بنو عامر وغیرہ تھے۔ چنانچہ نعمان بن منذر نے بحرین میں اور لقیط بن مالک نے عمان میں علم بغاوت بلند کیا۔ کندہ کے علاقہ میں بہت سے لوگوں نے خود مختاری کا اعلان کر دیا۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس فتنہ کی سرکوبی کے لیے بھی پورا پورا انتظام کیا۔ چنانچہ سیدنا علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ کو بحرین بھیجا جنھوں نے وہاں کے باغی نعمان بن منذر کا قلع قمع کر دیا۔ اسی لقیط بن مالک کو سیدنا حذیفہ بن محصن نے عمان جا کر قتل کیا اور زیاد بن لبید رضی اللہ عنہ نے ملوک کندہ کو بغاوت کا سبق سکھایا۔ اس ارتداد اور بغاوت کے کئی اسباب تھے جن میں ایک سبب یہ تھا کہ یہود، نصاریٰ، مجوس اور منافقین نے ان لوگوں کو شہ دے کر مسلمانوں کے خلاف بھڑکایا۔ چنانچہ بحرین میں حطم کی زیر قیادت مجوسیوں نے بغاوت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ دوسرا سبب رومیوں اور ایرانیوں کی چپقلش تھی۔ انھوں نے خانہ بدوش قبائل کی جو ان کی سرحدوں پر اپنی چھوٹی چھوٹی ریاستیں قائم کیے ہوئے تھے، مسلمانوں کے خلاف بغاوت میں پشت پناہی کی لیکن سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی سیاسی بصیرت نے چند ہی دنوں میں ان کا قلع قمع کر دیا۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو المحلی: ۱۱/ ۱۸۸، حرکۃ الردۃ عتوم: ص ۲۰، نووی شرح مسلم: ۱/ ۲۰۲، فتح الباری: ۱۲/ ۲۷۶، البدایہ والنہایہ: ۶/ ۳۱۶، حروب الردۃ، محمد احمد باشمیل: ص ۲۴، حیاۃ ابی بکر محمود شبلی: ص ۱۲۳)

مدعیانِ نبوت کا استیصال:

نبی اکرم ﷺ کی اس دنیوی زندگی کے آخری ایام میں عرب کے کچھ قبائل کے لیڈروں نے اپنی

Marfat.com

بغاوت کی سیاسی تحریک کو مذہبی رنگ دینے کے لیے نبوت کا دعویٰ کر دیا۔اس سلسلے میں سب سے پہلا شخص جس نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا وہ قبیلہ مذحج کی شاخ عنس کا الاسود تھا۔اس کا اصل نام عبیلہ بن کعب تھا۔یہ ہر وقت اپنے سر ایک دوپٹہ اوڑھے رکھتا تھا اور اسی وجہ سے اسے ''ذوالخمار'' بھی کہتے تھے۔(ابن اثیر:۲/۲۵۴)

۱ رسول اللہ ﷺ کے مرض الموت کے دنوں میں اسود نے دعویٰ نبوت کیا تھا۔اس کے ساتھ ہی اس نے نجران پر حملہ کر دیا اور رسول اللہ ﷺ کے عامل اور مبلغ سیدنا عمر بن حزم رضی اللہ عنہ اور سیدنا خالد بن سعید رضی اللہ عنہ کو نکال باہر کیا۔پھر وہ صنعا کی طرف بڑھا۔نبی اکرم ﷺ کو جب اس ضمن میں پتہ چلا تو آپ ﷺ نے وہاں کے ثابت قدم مسلمانوں کو اس کا مقابلہ کرنے کا پیغام بھیجا۔چنانچہ فیروز دیلمی نے اسے قتل کیا۔مختصر یہ کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی وفات سے پانچ روز پہلے کچھ لوگوں کے ہاتھوں قتل ہو گیا لیکن اس کی اطلاع آپ ﷺ کی وفات کے دس روز بعد مدینہ طیبہ میں پہنچی۔(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو ابن اثیر:۲/۲۵۵،فتوح البلدان:۱۱۲،البدایہ والنہایہ:۶/۳۱۰)

۲ دوسرا مدعی نبوت طلیحہ تھا جو قبیلہ بنو اسد سے تعلق رکھنے کی وجہ سے ''الاسدی'' کہلاتا تھا۔اس نے بھی حضور ﷺ کے زمانۂ اقدس میں ہی میں نبوت کا دعویٰ کیا تھا۔چنانچہ آپ ﷺ نے سیدنا ضرار رضی اللہ عنہ بن ازور کو اس کی سرکوبی کے لیے بھیجا۔ایک روز ضرار کے کچھ لوگوں نے طلیحہ کو پکڑ کر اس کے سر پر تلوار ماری لیکن اتفاق سے وہ بچ کر نکل گیا۔چنانچہ اس نے اس بات کو اپنے پراپیگنڈا کے طور پر استعمال کیا کہ تلوار مجھ پر اثر نہیں کرتی۔اسی اثنا میں رسول اللہ ﷺ کا انتقال ہو گیا۔طلیحہ کا ایک مکار دست راست عیینہ بن حصن الفزاری لوگوں کو کہتا پھرتا تھا، کہ دیکھو محمد ﷺ کا انتقال ہو گیا لیکن ہمارا نبی زندہ ہے۔

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو اس کی سرکوبی کے لیے بھیجا۔انھوں نے طلیحہ کے ساتھیوں پر حملہ کر کے انھیں قتل کیا۔عیینہ بن حصن کو گرفتار کر کے تیس قیدیوں کے ساتھ مدینہ منورہ روانہ کیا۔عیینہ نے مدینہ پہنچ کر اسلام قبول کر لیا،لیکن طلیحہ بن خویلد اسدی شام کی طرف بھاگ گیا اور وہاں سے عذر خواہی اور توبہ کے طور پر دو شعر لکھ کر بھیجے اور دوبارہ اسلام قبول کر لیا اور اس طرح وہ دوبارہ مومنین کے حلقے میں داخل ہو گیا۔
(یعقوبی:۲/۱۴۵،طبری:۲/۴۸۹)

۳ بنو تغلب کی ایک عورت سجاح بنت الحارث نے حضور ﷺ کی وفات کے بعد نبوت کا دعوی کر دیا۔بنو تغلب اور بنو تمیم کے کچھ لوگ اس کے پیروکار بھی ہو گئے۔مالک بن نویرہ جو مرتد ہو گیا تھا اس کا دست راست تھا سجاح نے آخر میں مسیلمہ کذاب سے شادی کر لی اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں مسلمان ہو گئی جس کی تفصیلی ذکر طبری نے اپنی تاریخ میں کیا ہے۔(طبری:۲/۴۹۴)

ایک اور شخص جس نے نبوت کا دعویٰ کیا وہ مسیلمہ کذاب بن حبیب تھا۔اس کا تعلق بنو حنیفہ سے تھا۔اس نے ۱۰ھ میں نبوت کا دعویٰ کیا۔اس نے حضور اکرم ﷺ کو ایک خط لکھا جس کا سرنامہ تھا: من مسیلمة رسول الله الی محمد رسول الله۔ نبی اکرم ﷺ نے اس خط کا جواب ابی بن کعب سے اس سرنامہ کے ساتھ

Marfat.com

لکھوایا:من محمد رسول الله الی مسیلمة یزعم انه رسول الله۔

مسیلمہ کذاب کی سرکوبی کے لیے سیدنا شرحبیل رضی اللہ عنہ بن حسنہ کو روانہ کیا گیا لیکن پیشتر اس کے کہ وہ حملہ کریں سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو ان کی امداد کے لیے روانہ کیا گیا۔ سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا مسیلمہ کذاب سے سخت مقابلہ ہوا۔ یہ جنگ ''جنگ یمامہ'' کے نام سے مشہور ہے۔ میدان مسلمانوں کے ہاتھ رہا۔ مسیلمہ کو سیدنا وحشی رضی اللہ عنہ نے قتل کیا۔ اس کی بیوی سجاح بھاگ کر بصرہ پہنچ گئی اور ایک روایت کے مطابق چند دنوں کے بعد مر گئی۔

(یعقوبی:۲/۱۴۷، البدایہ والنہایہ: ۶/۳۲۵، طبری:۲/۵۰۴، ابن اثیر: ۲/۲۷۲، عصر الخلافۃ الراشدۃ للعمری: ص ۳۶۴، الیمن فی صدر الاسلام للشجاع: ص ۲۵۶، البدء والتاریخ: ۵/۱۵۴، فتوح البلدان: ۱/۱۲۹، تاریخ الردۃ، کلاعی: ص ۱۵۱۔۱۵۲، ابن سعد: ۵/۵۳۵)

منکرین زکوٰۃ:

بعض عرب قبائل نے جیسے عبس وذبیان، بنوکنانہ، غطفان اور بنوفزارہ جو حوالی مدینہ میں آباد تھے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا یہ کہتے ہوئے کہ ہم نماز پڑھیں گے لیکن زکوٰۃ نہیں دیں گے۔ عرب کی اس وقت کی حالت کو دیکھ کر بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہا، کہ فی الحال مانعین زکوٰۃ سے کوئی تعرض نہ کیا جائے لیکن سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کا یہ مشورہ قبول کرنے سے انکار کر دیا اور فرمایا: ''بخدا اگر یہ لوگ اونٹ کی ایک رسی سے بھی جسے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ادا کرتے تھے انکار کریں گے تو میں اس پر ان سے جنگ کروں گا۔'' بعد ازیں فرمایا۔ ''زکوٰۃ مال کا حق ہے جو لوگ نماز اور زکوٰۃ میں تفریق کریں گے میں ان سے قتال کروں گا۔''

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے بھی اس بارے میں سیدنا ابوبکر سے کافی بحث کی لیکن وہ بھی خلیفۂ رسولؐ کو اپنا ہم نوا نہ بنا سکے۔ ان قبائل کے وفود مدینہ طیبہ آئے ہوئے تھے۔ جب انھوں نے دیکھا کہ صحابہ کرام سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ہمارے بارے میں قائل نہیں کر سکے تو وہ ناکام واپس چلے گئے۔ وفود کے اراکین نے اپنے اپنے قبائل کو آمادہ کیا کہ مدینہ طیبہ پر حملہ کر دیا جائے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ ان کے اس ارادہ کو بھانپ گئے۔ چنانچہ انھوں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ، سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ، سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ، سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور سیدنا طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں مدینہ کے مختلف راستوں پر حفاظتی دستے تعینات کر دیئے اور ایک باقاعدہ فوج کے ذریعے ان قبائل پر حملہ کر دیا۔ تھوڑی سی شدت کے بعد ان قبائل کے سردار اپنی اپنی زکوٰۃ لے کر مدینہ منورہ پہنچ گئے۔ جو حضرات مدینہ کا پہرہ دے رہے تھے ان میں سے ایک ایک صاحب زکوٰۃ رئیس کو لے کر آتا اور وہ اپنی زکوٰۃ جانشین رسول کو دیتا جاتا۔

(بخاری:۱/۱۸۰، طبری:۲/۴۷۸، البدایہ والنہایہ:۶/۳۱۵، ابن اثیر:۲/۲۶۱، فتوح البلدان:۱۰۱)

جمع القرآن:

جنگ یمامہ میں ایک ہزار دو سو مسلمان شہید ہوئے جن میں ۳۹ کبار صحابہ کرام اور حفاظ قرآن تھے۔ یہ

Marfat.com

صرف ایک جنگ کا حال تھا۔ دوسری جنگوں میں جو جانی نقصان ہوا اگر اس کو بھی ملا لیا جائے تو تعداد کہاں تک پہنچتی ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو اندیشہ ہوا کہ اگر اسی طرح صحابہ کرام شہید ہوتے رہے تو قرآن حکیم کا بہت بڑا حصہ ضائع ہو جائے گا۔ چنانچہ خلیفۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن کے جمع و ترتیب کے بارے میں کہا۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا، جس کام کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا میں اسے کیسے کر سکتا ہوں؟ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: ''یہ کام تو خیر ہے۔'' انھوں نے بار بار یہی بات کہی یہاں تک کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اطمینان اور شرح صدر ہو گیا۔ چنانچہ انھوں نے سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''تم جوان اور سمجھ دار آدمی ہو، ہم تم کو متہم نہیں کر سکتے۔ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتب وحی تھے، لہٰذا قرآن حکیم کا تتبع کرو اور اس کو یکجا کر دو۔''

سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر ابوبکر رضی اللہ عنہ کسی پہاڑ کو اس کی جگہ سے ہٹا دینے کا حکم فرماتے تو وہ مجھے اتنا گراں نہ ہوتا جتنا گراں میرے لیے تجمیع قرآن کا حکم تھا۔ چنانچہ سیدنا زید رضی اللہ عنہ نے بھی عذر کیے لیکن آخر میں انھیں بھی اطمینان ہو گیا اور انھوں نے بڑی مشقت، کوشش اور احتیاط سے قرآن حکیم کے متفرق اجزاء کو جمع کر کے ایک کتاب کی صورت میں مدون کیا۔ یہ مصحف سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس محفوظ رہا۔ آپ کی وفات کے بعد سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس کی حفاظت کی۔ جب ان کی شہادت ہوئی تو انھوں نے اس کو ام المومنین سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کی تحویل میں دے دیا تا کہ وہ اس کو محفوظ رکھیں۔ (بخاری: ۲/۶۷۶/۷۴۵)

جمع القرآن کی حقیقت:

بعض حضرات یہ سمجھتے ہیں کہ عہد نبویؐ میں قرآن حکیم کی آیات منتشر تھیں اور آیتوں اور سورتوں کی باہم کوئی ترتیب نہیں تھی اور سورتوں کے نام بھی متعین نہیں تھے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں ان آیات اور سورتوں کو باہم مرتب کیا۔ یہ نہایت سخت غلط فہمی ہے اور جو لوگ ایسا سمجھتے ہیں، وہ علمی گمراہی میں مبتلا ہیں۔ قرآن و حدیث کے دلائل سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آیتوں اور سورتوں کی باہمی ترتیب عہد نبوت میں ہو چکی تھی۔ چنانچہ بخاری اور مسلم میں سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ چار شخصوں نے عہد نبوت میں قرآن حکیم جمع کیا تھا اور یہ چاروں انصار میں سے تھے۔ ان کے نام یہ ہیں: سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ، سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ، سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابوزید رضی اللہ عنہ (بخاری: جلد ۲، ص ۷۴۸) ان کے علاوہ بھی عہد نبویؐ میں کچھ اور لوگ بھی تھے جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کاتبین وحی میں شمار ہوتے تھے۔ جب کوئی آیت نازل ہوتی آپ ان کاتبین وحی سے فرما دیتے تھے کہ اس آیت کو فلاں سورت میں لکھ لو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر سال پورا قرآن حکیم جبریل امین کو سنایا کرتے تھے جس سال آپؐ کی وفات ہوئی، اس سال آپؐ نے دو مرتبہ سنایا۔ (بخاری: ۲/۷۴۸)

ان کے علاوہ اور بھی روایات متواترہ سے پتہ چلتا ہے کہ عہد نبوت میں جونہی کوئی آیت یا آیات نازل ہوتیں تو صحابہ کرام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات کے مطابق انھیں ترتیب دیتے جاتے تھے۔ غرض کہ آپؐ کے زمانہ میں

Marfat.com

آیات اور سورتیں مرتب ہو چکی تھیں اور ان کے نام بھی دیئے جا چکے تھے۔ چنانچہ احادیث میں مختلف مواقع پر ان کے نام بھی آئے ہیں۔ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے تیس سورتیں پڑھی تھیں۔ (بخاری:۲/۷۴۸)

جب یہ سب کچھ عہد نبوت ہی میں ترتیب دیا جا چکا تھا تو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں جو جمع و ترتیب قرآن ہوا، اس کی کیا حقیقت تھی؟ اس کی حقیقت یہ ہے کہ اگرچہ عہد نبوت میں نفس قرآن مرتب ہو چکا تھا، لیکن اس کے اجزاء منتشر تھے۔ کسی صحابی کے پاس قرآن کا کوئی جزو تھا اور کسی کے پاس کوئی اور جزو۔ کسی کے پاس کوئی سورت کامل تھی اور کسی کے پاس غیر کامل۔ غرض کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک قرآن حکیم ایک مصحف کی شکل میں ''بین الدفتین'' موجود نہ تھا۔ وہ خود مرتب تھا لیکن اس کے اجزاء یکجا نہیں تھے۔ مختلف حفاظ اور قراء کے پاس مختلف اجزاء تھے۔ یہی وجہ تھی کہ جنگ یمامہ میں جب قاری اور حفاظ صحابہ کی ایک اچھی خاصی تعداد شہید ہو گئی تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو اندیشہ لاحق ہوا کہ کہیں قرآن ضائع نہ ہو جائے یعنی یہ ممکن تھا کہ جو صحابہ شہید ہو جائیں قرآن حکیم کے بعض اجزاء صرف انھیں کے پاس ہوں اور کسی دوسرے کے پاس نہ ہوں۔ اگر ایسا ہوا تو ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شہادت کے بعد وہ اجزائے قرآن پھر کہیں اور ملیں گے ہی نہیں اور دنیا ہمیشہ کے لیے ان سے محروم ہو جائے گی۔ چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی رضی اللہ عنہ نے بھی یہی چیز لکھی ہے۔ فرماتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں اپنے قول "یتلوا صحفا مطهرة" کے ذریعے پہلے ہی یہ بتا دیا تھا کہ وہ صحیفوں میں جمع ہے اور قرآن حکیم صحیفوں میں لکھا ہوا ضرور تھا لیکن وہ صحیفے متفرق اور منتشر تھے۔ پس ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان منتشر صحیفوں کو ایک جگہ جمع کر دیا۔'' (فتح الباری:۹/۱۰)

الکتانی نے قسطلانی کے حوالے سے لکھا ہے:

قد كان القرآن كله مكتوبا فى عهده صلى الله عليه وسلم لكن غير مجموع فى موضع واحد۔

''قرآن کل کا کل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ ہی میں لکھا جا چکا تھا البتہ ایک جگہ تمام سورتوں کو جمع نہیں کیا گیا تھا۔'' (التراتیب الاداریہ:۲/۳۸۴)

علامہ جلال الدین السیوطی نے بھی ایسا ہی لکھا ہے۔ (الاتقان:۱/۴۰)

اس کا مطلب یہ ہوا کہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے قرآن حکیم کو ''صحف'' سے ''مصحف'' کی شکل میں ترتیب دیا۔ شاہ ولی اللہ نے لکھا ہے:

''یہی جمع قرآن در مصاحف ہے جس پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد وانا له لحافظون منطبق ہوتا ہے اور جس کی بشارت ان علینا جمعه وقرانهمی ں موجود ہے۔'' (ازالۃ الخفا:۲/۵)

(حروب الردة وبناء الدولة الاسلامية، احمد سعید: ص ۱۴۵، سیرة وحیاة الصدیق: ص ۱۲۰، ابن ابی شیبہ: ۷/۱۹۶، التفوق والنجابة علیٰ نهج الصحابة، حمد العجمی: ص ۷۳-۷۴)

Marfat.com

فتوحات

عرب کی سرحد دنیا کی دو عظیم الشان اور سپر پاور سلطنتوں سے ٹکراتی تھی۔ ایک طرف شام تھا جس پر بازنطینی سلطنت کا قبضہ تھا اور دوسری طرف عراق جس پر ایرانی حکومت کا پرچم لہرا رہا تھا۔ عراق اور شام دونوں کی سرحدیں جزیرہ نما عرب سے ملتی تھیں۔ اس لیے عرب کے خانہ بدوش اور بدو قبائل ان ملکوں میں گھس کر لوٹ مار کرتے رہتے تھے جس کی وجہ سے دونوں سلطنتیں ان سے پریشان تھیں۔ ان دونوں سلطنتوں نے باہم مل کر یہ پالیسی اختیار کی کہ عربوں کو اپنے اپنے ملک کی سرحدوں پر آباد کر کے ان کی باقاعدہ ریاستیں قائم کر دیں تاکہ اس طریقہ سے وہ عربوں کی لوٹ مار سے محفوظ رہیں اور اگر بازنطینی اور ساسانی حکومتوں میں جنگ ہو تو ہر ایک کی دست پروردہ عرب حکومت اس کی مدد کر سکے۔ ساسانی یا ایرانی حکومت کے تحت جو عرب حکومت قائم ہوئی وہ حیرہ یا لخمی حکومت کہلاتی تھی اور قیصر روم کے زیر سایہ جو عرب حکومت معرض وجود میں آئی اس کا نام حکومت غسانسہ تھا۔

حکومت حیرہ کا پہلا بادشاہ مالک بن فہم ازدی تھا اور اس کے بعد اس کا بیٹا جذیمہ الابرش بادشاہ بنا۔ وہ ایک عورت کے ہاتھوں مارا گیا تو اس کا بھانجا عمرو بن عدی اس کا جانشین بنا۔ اس نے حیرہ کو جو کوفہ سے متصل تھا اپنا دارالسلطنت بنایا اور ملک العراق کہلایا لیکن تھوڑے ہی عرصے بعد اردشیر بن بابک نے اسے اپنا باج گزار بنا لیا۔ بعد میں اردشیر کے بیٹے شاپور نے حجاز اور یمن کو بھی اپنا باج گزار بنا لیا۔

تاریخ کے رپورٹر بتاتے ہیں کہ ایرانیوں کا رویہ عربوں کے ساتھ بڑا تحقیر آمیز تھا۔ چنانچہ عرب دل سے ایرانیوں کو پسند نہیں کرتے تھے۔ جس زمانے میں رسول اللہ ﷺ مدینہ طیبہ تشریف رکھتے تھے۔ اس زمانے میں ایرانیوں اور عربوں کے قبیلہ بنو بکر کا ایک بڑے زور کا معرکہ ہوا جس میں ایرانیوں کو شکست فاش ہوئی۔ رسول اللہ ﷺ کو جب اس شکست کا علم ہوا تو آپؐ نے فرمایا:

الیوم انتصف العرب من العجم۔

''آج عرب نے عجم سے اپنا بدلہ لے لیا۔'' (ابن خلدون: ۲/۲۶۸، العقد الفرید: ۳/۸۱)

اس جنگ کو جنگ ذی قار کا نام دیا گیا کیونکہ یہ ذی قار کے مقام پر ہوئی تھی۔ ۶ھ میں رسول اللہ ﷺ نے جہاں اور بادشاہوں کو دعوت اسلام کے خطوط لکھے، وہاں ایک خط ایران کے بادشاہ کو بھی لکھا لیکن ایران کے

Marfat.com

بادشاہ خسرو پرویز نے رسول اللہ ﷺ کے خط کو پھاڑ دیا اور حضور علیہ السلام کے سفیر کو دربار سے نکلوا دیا اور یمن کے گورنر بازان کو حکم بھیج کہ حضور علیہ السلام کو گرفتار کر کے اس کے پاس مدائن بھیج دیں۔ نبی اکرم ﷺ کو جب پتہ چلا تو فرمایا: ھلك کسریٰ ولا کسریٰ بعدہ کسریٰ ہلاک ہوگیا اب اس کے بعد کوئی کسریٰ نہیں ہوگا۔ چنانچہ اسی دن شیرویہ نے اپنے باپ خسرو پرویز کو ختم کر دیا۔ حضور علیہ السلام کے اس معجزے کو دیکھ کر بازان مسلمان ہوگیا۔

مدینہ طیبہ میں جب دعوت اسلام کا چرچا ہوا تو ایرانی حکومت کو یہ پریشانی لاحق ہوئی کہ اسلام سے وابستہ ہو کر عرب منظم اور مضبوط طاقت بن رہے ہیں اور ایرانی حکومت اس کو اپنے لیے ایک عظیم خطرہ سمجھتی تھی۔ اس کے مقابلے میں عرب بھی یہ سمجھتے تھے کہ جب تک عراق کے عربوں کو ایرانی شہنشاہیت کے جُوئے سے آزاد نہ کرا لیا جائے جزیرہ نما عرب کی مشرقی سرحد محفوظ نہیں ہو سکتی۔

ایک طرف ایران کے ساتھ عرب کے یہ تعلقات تھے اور دوسری طرف شام کے ساتھ تعلقات کی نوعیت یہ تھی کہ شروع میں بنو قضاعہ کے چند قبائل نے وہاں جا کر سکونت اختیار کی۔ وہاں رومیوں کی حکومت تھی۔ انھوں نے ایک خاص پالیسی کے تحت اس میں سے ایک سردار کو ان کا حاکم مقرر کر دیا۔ ان سرداروں کو ملوک کہا جاتا تھا۔ پھر کچھ عرصہ کے بعد غسانی قبیلہ یمن سے ہجرت کر کے وہاں آباد ہوگیا۔ اس قبیلہ نے کچھ دنوں بعد اس قدر طاقت حاصل کر لی کہ بنو قضاعہ پر غالب آ گئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بازنطینی حکومت نے انھیں اب ملوک تسلیم کر لیا۔ غسانیوں نے اس علاقے میں چار سو سال کے قریب حکومت کی۔ ان کا آخری بادشاہ جبلہ بن الایہم غسانی تھا جو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں مسلمان ہو کر مدینہ طیبہ آیا اور پھر مرتد ہو کر قسطنطنیہ بھاگ گیا۔

خلاصہ یہ کہ شام اور عراق کی سرحدوں پر جو عرب قبائل آباد تھے وہ کہنے کو تو خود مختار تھے لیکن دراصل ساسانی اور بازنطینی حکومت کے باج گزار تھے اور یہ حکومتیں ان کو طرح طرح کی تکالیف دیتیں، بھاری بھاری ٹیکس ان سے وصول کیے جاتے اور بعض دفعہ معمولی معمولی باتوں پر انھیں سخت سزائیں دی جاتیں۔

اسلام کی دعوت کا جب غلغلہ بلند ہوا اور اس کے ذریعے عربوں میں قومی تنظیم پیدا ہوئی تو ساسانی حکومت کی طرح بازنطینی حکومت کو بھی شدید خطرہ لاحق ہوا۔ اس خطرہ سے محفوظ رہنے کے لیے اس نے ان عربوں کو استعمال کیا جو حدود شام میں آباد تھے تا کہ اہل اسلام کی اس عظیم سیاسی طاقت کو ابھرنے نہ دیا جائے۔

۶ھ میں رسول اللہ ﷺ نے اور بادشاہوں کی طرح قیصر روم ہرقل کو بھی ایک خط لکھا جو حضور علیہ السلام کے ایک صحابی سیدنا دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ لے کر گئے۔ واپسی پر جب وہ مقام جذام پر پہنچے تو شامی عربوں نے بازنطینی حکومت کے اشارے پر ان پر حملہ کیا اور ان کے مال و متاع کو لوٹ لیا۔ اسی طرح نبی اکرم ﷺ نے بصریٰ کے حاکم کو اسلام کی دعوت کا خط لکھا اور سیدنا حارث بن عمیر رضی اللہ عنہ بطور سفیر اس خط کو لے کر گئے تو شرحبیل بن عمرو جو شام کے سرحدی علاقے کا ایک عرب حکمران اور قیصر کا باج گزار تھا اس نے سیدنا حارث رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیا۔ اس کا انتقام لینے کے لیے غزوۂ موتہ کا واقعہ پیش آیا جس میں سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ، سیدنا جعفر طیار رضی اللہ عنہ، اور سیدنا عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ

Marfat.com

جیسے اکابر صحابہ شہید ہوئے۔

جنگ موتہ کے بعد رومیوں کا حوصلہ بڑھا اور انھوں نے مدینہ طیبہ پر حملے کی تیاریاں شروع کر دیں۔ رسول اللہ ﷺ کو جب ان کی تیاریوں کی خبریں ملیں تو آپؐ ایک لشکر جرار لے کر تبوک کی طرف بڑھے۔ رومیوں کو جب اسلامی لشکر کی اطلاع ملی تو وہ میدان میں نہ آئے۔

اپنے انتقال سے چند روز قبل آپؐ نے سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کی زیر قیادت جو لشکر ارسال فرمایا تھا وہ بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی تھی۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس لشکر کو اتنی اہمیت دی کہ زمام خلافت ہاتھ میں لیتے ہی ہزاروں مشکلوں کے باوجود اور باوجود کئی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مخالفت کے علی الرغم اس لشکر کو حدود شام کی طرف روانہ فرما دیا۔ مشہور مستشرق ولیم میور نے لکھا ہے:

''ابوبکر رضی اللہ عنہ کا یہ کام انتہائی سیاسی دانش مندی پر مبنی تھا کیونکہ اس عمل نے اسلام کے اندرونی اور بیرونی دشمنوں کے دلوں پر اسلام کی سیاسی طاقت کی دھاک بٹھا دی۔'' (The Caliphate, Muir, p42)

اس ساری تفصیل کا خلاصہ یہ ہے کہ مسلمان اس وقت کی دو سپر طاقتوں ایران اور روم کے درمیان گھرے ہوئے تھے اور یہ دونوں قوتیں اس وقت اسلام کے لیے ایک عظیم خطرہ تھیں۔ اس وجہ سے جب تک ان دونوں حکومتوں کی سرکوبی نہ کی جاتی اسلام کو پھیلنے اور بڑھنے کا ہرگز موقع نہیں مل سکتا تھا۔

یہ تھے وہ حالات جن میں رسول اللہ ﷺ کے جانشین کے لیے ناگزیر تھا کہ وہ ان دونوں سرکش و باغی حکومتوں کی سرکوبی کرتا اور اسلام کی دعوت کو چار دانگ عالم میں پھیلنے کا موقع بہم پہنچاتا۔ چنانچہ خلیفۂ رسول اللہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ارتداد و بغاوت کے اندرونی فتنوں سے فراغت کے بعد عراق و شام کی طرف توجہ دی۔

عراق کی مہم:

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ساسانی خاندان کی حکومت تھی جس کا بانی اردشیر ابن بابک تھا۔ اردشیر کے مرنے کے بعد حکومت اس کی اولاد کو نسل در نسل منتقل ہوتی رہی۔ نوشیروان عادل بھی اسی خاندان میں سے تھا۔ نوشیروان کے بعد ہرمز اس کا جانشین ہوا اور اس کے بعد خسرو پرویز تخت نشین ہوا۔ یہ وہی بادشاہ تھا جس نے رسول اللہ ﷺ کے نامہ مبارک کو پھاڑا تھا۔ خسرو کو اس کے بیٹے شیرویہ نے قتل کر دیا اور وہ ڈیڑھ سال تک بادشاہ رہ کر مر گیا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا اردشیر تخت نشین ہوا لیکن اس کو فوج کے ایک سردار نے قتل کر دیا۔ اس کے بعد اس خاندان کا آخری بادشاہ یزدگرد تخت پر بیٹھا۔ اسی یزدگرد کے زمانہ میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عراق پر لشکر کشی کی۔

قبیلہ بنوبکر کے ایک شخص مثنیٰ بن حارثہ شیبانی اسلام قبول کر چکے تھے۔ یہ اپنے قبیلے کے سردار تھے اور انھوں نے بحرین کے مرتدین کے مقابلہ میں سیدنا علاء بن الحضرمی رضی اللہ عنہ کی بڑی مدد کی تھی۔ یہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور درخواست کی کہ انھیں ان کی قوم کا سردار بنا دیا جائے تاکہ وہ ایرانی حکومت اور

Marfat.com

اطراف واکناف کے دوسرے دشمنوں سے جنگ کرسکیں۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ پہلے ہی چونکہ ان کی اچھی شہرت سن چکے تھے، لہٰذا انھوں نے بلا تامل انھیں امارت کا پروانہ لکھ کر دے دیا۔

سیدنا مثنیٰ جب پروانۂ امارت لے کر چلے گئے تو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو خیال آیا کہ عراق کی مہم بہت اہم ہے۔ یہ اکیلے اس کو سر نہ کرسکیں گے، لہٰذا انھوں نے سیدنا خالد رضی اللہ عنہ بن ولید کو کہا کہ وہ دس ہزار کا لشکر لے کر عراق کی جانب جائیں۔ دوسری طرف سیدنا مثنیٰ رضی اللہ عنہ بن حارثہ اور ان کے ایک ساتھی مذعور بن عدی العجلی کو لکھا کہ وہ خالد رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہیں اور ان کے زیر کمان رہیں۔ ان کے علاوہ سیدنا عیاض رضی اللہ عنہ بن غنم جو اس وقت نباج اور حجاز کے درمیان کسی مقام پر تھے، کو بھی لکھا کہ وہ خالد رضی اللہ عنہ کی مدد کے لیے پہنچیں۔

سیدنا خالد رضی اللہ عنہ بن ولید کو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کچھ ہدایات دیں جو کہ ان کی فوجی مہارت اور غیر معمولی تدبر و فراست اور بیدار مغزی کی دلیل ہیں اور ساتھ ہی حکم دیا کہ اپنی جنگی کارروائیوں کا آغاز ''ابلہ'' سے کریں۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ بن ولید دس ہزار فوج کے ساتھ حدود عراق میں داخل ہوئے تو یہاں سیدنا مثنیٰ رضی اللہ عنہ بن حارثہ آٹھ ہزار فوج کے ساتھ ان کے استقبال کے لیے موجود تھے۔

سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے اس فوج کو تین حصوں میں تقسیم کیا۔ ایک حصے کے سردار سیدنا مثنیٰ رضی اللہ عنہ تھے، دوسرے حصے کے سیدنا عدی رضی اللہ عنہ بن حاتم الطائی اور تیسرے کے خود سیدنا خالد رضی اللہ عنہ۔ ان تینوں افواج نے حفیر کے مقام پر وہاں کے بادشاہ ہرمز کو شکست فاش دی اور ایرانیوں کی ایک بہت بڑی تعداد قتل ہوئی۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے مال غنیمت جس میں ایک ہاتھی اور ہرمز کی ایک لاکھ کی قیمتی ٹوپی بھی تھی، مدینہ بھیجا۔ ہاتھی کو مدینہ کی گلیوں اور شاہراہوں پر گھمایا گیا۔ مدینہ کے لوگوں نے اس سے پہلے ہاتھی نہیں دیکھا تھا لہٰذا مدینہ کی عورتیں اور بچے اس کو دیکھ کر خوش بھی ہوتے اور تعجب بھی کرتے۔ یہ جانور چونکہ تزک و احتشام کی علامت تھا لہٰذا اسے واپس بھیج دیا گیا۔

سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے ایرانیوں سے دوسری جنگ مذار کے مقام پر لڑی جو دریائے دجلہ اور فرات کے سنگم پر واقع ہے۔ اس جنگ میں ایران کے مشہور بہادر اور نامور سردار قارن، نوشجان اور قباز وغیرہ مارے گئے۔ ان کے علاوہ تیس ہزار ایرانی فوجی قتل ہوئے۔

ایرانی شہنشاہ کو جب اس شکست کا علم ہوا تو اس نے ایران کے ایک نامور سردار جادویہ کی سرکردگی میں ایک اور لشکر بھیجا اور مقام دلجہ پر سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کے لشکر سے گھمسان کی جنگ ہوئی لیکن یہاں بھی شکست ایرانیوں کا مقدر بن چکی تھی۔ لہٰذا ایک بہت بڑی تعداد قتل ہوئی۔

اس تیسری شکست نے ایرانیوں کی کمر ہمت توڑ دی۔ اب وہاں کے عرب قبائل نے ایرانیوں سے مل کر بڑے پیمانے پر حملے کا منصوبہ بنایا اور دریائے فرات کے کنارے الیس کے مقام پر یہ سب فوجیں جمع ہوئیں۔ ایرانی فوج کا کمانڈر جابان تھا۔ یہاں بھی سیدنا خالد رضی اللہ عنہ فتح مند ہوئے اور ایرانیوں اور ان کے حلیفوں کو بری طرح شکست کا منہ دیکھنا پڑا۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو جب سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کی ان پیہم فتوحات کا علم ہوا تو خوش ہو کر فرمایا،

Marfat.com

''عورتیں خالد رضی اللہ عنہ جیسا بہادر پیدا کرنے سے عاجز ہیں۔''

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو البدایہ والنہایہ:۶/ ۳۴۷،طبری:۴/ ۱۶۶،الوثائق السیاسیۃ،حمید اللہ الدکتور:۳۷۱۔۳۷۲، الفن العسکری الاسلامی:ص۱۸۳التاریخ الاسلامی:۹/ ۱۳۱،ابوبکر الصدیق، خالد الجنابی:ص۴۶،الصدیق اول الخلفاء:ص۱۳۱)

حیرہ کی فتح:

ان پے در پے شکستوں نے ایرانیوں کے حوصلے پست اور کمر ہمت کمزور کردی۔ اب سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے عراق عرب کے پایہ تخت حیرہ پر حملے کا پلان بنایا۔ حیرہ کا گورنر اس وقت ایک ایرانی تھا۔ اسلامی فوج نے جب حیرہ پر حملہ کیا تو گورنر حیرہ اپنی فوج کے ساتھ قلعہ بند ہو گیا۔ آخر دو روز کے بعد اس نے ایک لاکھ نوے ہزار سالانہ درہم پر صلح کر لی۔

سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کا پلان یہ تھا کہ ایرانی پایہ تخت مدائن پر حملہ کیا جائے، لیکن سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انھیں حکم بھیج دیا تھا کہ عیاض رضی اللہ عنہ بن غنم کے پہنچنے تک یہیں ٹھہرے رہیں اور میری اجازت کے بغیر پیش قدمی نہ کریں۔ چنانچہ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ بن ولید نے حیرہ کو اپنا ہیڈ کوارٹر بنایا اور قریباً ایک سال یہاں قیام کیا۔ اس دوران حیرہ کے اردگرد کے جاگیرداروں اور زمینداروں نے جزیہ پر اسلامی لشکر سے صلح کر لی۔ اس طریقے سے جنوب میں خلیج فارس شمال میں حیرہ، مغرب میں بلاد عرب اور مشرق میں دجلہ تک کے وسیع علاقے پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔

سیدنا خالد رضی اللہ عنہ بن ولید کو خبر پہنچی کہ ایرانیوں نے اپنی شکست کا بدلہ لینے کے لیے انبار اور عین التمر میں جو حیرہ سے قریب ہی ہیں، فوجیں جمع کرنا شروع کر دی ہیں۔ چنانچہ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ قعقاع رضی اللہ عنہ بن عمرو کو اپنا قائم مقام بنا کر انبار پر حملہ آور ہوئے۔ ایرانی قلعہ بند ہو گئے لیکن چند دنوں بعد ہی انھوں نے مسلمانوں سے صلح کر لی۔ اس طریقہ سے انبار پر بھی مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔ (طبری:۲/ ۵۷۶،فتوح البلدان:۲۵۵)

عین التمر کی فتح:

اب سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کا ہدف عین التمر تھا۔ یہاں کا حاکم بہرام چوبین کا بیٹا مہران تھا۔ اس کے پاس ایرانی فوج کے علاوہ بنو تغلب، بنو ایاد اور بادیہ شام کے عرب قبائل کا بھی ایک عظیم لشکر تھا۔ دونوں نے مل کر اسلامی فوج کا مقابلہ کیا لیکن شکست فاش کھائی۔ عرب قبائل کے لشکر کا سردار عقبہ گرفتار ہو کر مارا گیا لیکن مہران بھاگنے میں کامیاب ہو گیا۔

یہاں سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے ایک گرجا دیکھا جس کا دروازہ اندر سے بند تھا۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کے حکم سے اس کا دروازہ توڑا گیا تو اندر سے ۴۰ لڑکے انجیل پڑھتے ہوئے ملے۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے پوچھا: ''تم کون ہو؟'' انھوں نے جواب دیا: ''ہم یہاں گروی ہیں۔'' سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے ان کو فوج میں تقسیم کر دیا۔ طبری نے لکھا ہے کہ فاتح اندلس موسیٰ بن نصیر اور نامور فقیہ امام محمد بن سیرین انھی لڑکوں میں سے تھے۔ (طبری:۲/ ۵۷۷)

Marfat.com

دومۃ الجندل کی فتح:

دومۃ الجندل اس راستہ پر واقع ہے جو حیرہ سے عراق کی طرف جاتا ہے۔عین التمر سے اس کا فاصلہ تین سو میل ہے۔دومۃ الجندل پر رسول اللہ ﷺ کے حکم سے شوال ۹ھ میں بھی سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے حملہ کیا تھا اور یہاں کے حاکم اکیدر بن عبدالملک کو گرفتار کر کے مدینہ طیبہ لے آئے تھے۔اکیدر مسلمان ہو گیا۔چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کے لیے اور اس کی قوم کے لیے پروانہ امن عطا فرما دیا لیکن آپؐ کی وفات کے بعد اکیدر نے زکوٰۃ ادا کرنے سے انکار کیا اور مرتد ہو گیا۔سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عیاض رضی اللہ عنہ بن غنم کو حکم دیا کہ وہ دومۃ الجندل پہنچیں۔دومۃ الجندل کی ریاست اس وقت دو شخصوں میں تقسیم تھی۔ایک اکیدر اور دوسرا جودی بن ربیعہ۔دونوں سرداروں نے شکست کھائی اور اسلامی لشکر کے ہاتھوں گرفتار ہو گئے۔اکیدر چونکہ باغی اور مرتد تھا۔لہٰذا قتل کر دیا گیا اور جودی کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ بھی قتل ہو گیا۔اس کی بیٹی جو حسن و جمال میں شہرہ آفاق تھی، گرفتار ہو کر آئی۔سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے اسے پہلے خریدا پھر آزاد کر کے اس سے نکاح کر لیا۔(فتوح البلدان:۶۹)

ایرانیوں اور اہل عراق کی بغاوت:

سیدنا خالد رضی اللہ عنہ بن ولید دومۃ الجندل میں مقیم تھے کہ ایرانیوں اور عراق کے عرب قبائل نے ان کی غیر موجودگی میں بغاوت کر دی۔سیدنا خالد رضی اللہ عنہ بغاوت کی خبر سنتے ہی دومۃ الجندل روانہ ہو گئے۔حیرہ سے آپ نے اپنے قائم مقام سیدنا قعقاع رضی اللہ عنہ کو بھی بلوا لیا اور نہایت مستعدی سے اس بغاوت کا سر قلم کر دیا۔اس بغاوت کے فرو کرنے میں دو مسلمان بھی سہواً قتل ہو گئے۔سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے سامنے ان دونوں مسلمانوں کے قتل کا الزام خالد بن ولید رضی اللہ عنہ پر لگایا۔سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جواب میں فرمایا: ''جو کوئی اہل شرک کے ساتھ قیام کرتا ہے اس کا یہی حشر ہوتا ہے۔'' البتہ آپ نے ان دونوں کا خون بہا بھی ادا کر دیا۔(ابن اثیر:۳/۲۷۲،طبری:۲/۵۸۱)

بغاوت کا یہ سارا فتنہ بنو تغلب کا تھا اور ایرانی انھی کی شہ اور بل بوتے پر سب کچھ کر رہے تھے۔اس وجہ سے سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے قسم کھائی کہ وہ بنو تغلب کو تہس نہس کیے بغیر دم نہیں لیں گے۔چنانچہ انھوں نے ثنی اور ہذیل جو بنو تغلب کے خاص مرکز تھے، پہنچ کر تین طرف سے ان پر اس زور سے حملہ کیا کہ کوئی شخص دوسروں تک ان کی خبر پہنچانے والا بھی نہ بچا۔اس جنگ میں گرفتار شدہ عورتوں میں ربیعہ بن بجیر التغلبی کی بیٹی بھی تھی۔سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ربیعہ کی بیٹی الصہباء نامی کو خرید لیا اور اس کے بطن سے آپ کا بیٹا عمر اور بیٹی رقیہ پیدا ہوئے۔الصہباء کی کنیت ام حبیب تھی۔(البدایہ والنہایہ:۲/۳۵۲)

سیدنا خالد رضی اللہ عنہ عراق کی بغاوت فرو کر کے فراض پہنچے جو عراق اور شام کی سرحد پر دریائے فرات کے شمالی حصہ میں واقع ہے۔آپ نے رمضان کا مہینہ یہیں گزارا۔رومیوں نے اسلامی لشکر کو جو اس حالت میں دیکھا

Marfat.com

توان کے غصے کی حد نہ رہی۔ رومیوں نے اردگرد کے ایرانیوں اور عرب قبائل سے مدد لے کر بہت بڑی فوج تیار کی اور اسلامی لشکر پر ذی قعدہ ۱۲ھ میں حملہ کر دیا۔ نہایت گھمسان کا رن پڑا لیکن بالآخر رومی مقتولین کی ایک بہت بڑی تعداد میدان جنگ میں چھوڑ کر بھاگ گئے اور میدان اسلامی فوج کے ہاتھ رہا۔

اس جنگ سے فراغت کے بعد سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے اچانک حج کا ارادہ کر لیا اور نہایت دشوار گزار مسافت کو چند دنوں میں طے کر کے نہایت مخفی طور پر مکہ مکرمہ آئے اور پھر واپس چلے گئے بہ ایں انداز کہ فراض کی جنگ سے فارغ ہو کر جس فوج کو حیرہ واپس بھیجا تھا، حج سے فارغ ہو کر پھر اسی فوج میں آ ملے اور ان لوگوں میں سے کسی کو پتہ نہ چلا کہ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کا یہ عمل جوانمردی اور عزم و ہمت کا کمال تھا لیکن ڈسپلن کے خلاف تھا۔ لہٰذا سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انھیں نہایت سخت خط لکھا کہ تمھیں اپنی کامیابیوں پر غرہ نہیں ہونا چاہیے اور آئندہ نظم و ضبط کے خلاف ایسی کوئی حرکت سرزد نہ ہو۔ (طبری: ۲/۵۸۴)

Marfat.com

فتوحات شام

جس زمانہ میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ ارتداد و بغاوت کے خلاف لشکر کشی کر رہے تھے اور حروب ارتداد جاری تھیں، اس زمانہ میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سیدنا خالد بن سعید الاموی رضی اللہ عنہ کو شام کی سرحد کی حفاظت کے لیے ایک دستۂ فوج کا امیر بنا کر بھیجا اور تاکید کی کہ جب تک میرا حکم نہ پہنچے اور وہ لوگ جنگ میں پہل نہ کریں اس وقت تک جنگ نہ کریں لیکن فتنہ ارتداد اور بغاوت کی سرکوبی کے بعد جب عراق، یمن، حضرموت اور عمان کے علاقوں میں مسلمانوں کو پے در پے فتوحات حاصل ہوئیں تو قیصر روم بدحواس ہو گیا۔ چنانچہ اس نے بھرا، تنوخ، غسان، کلب، لخم اور جذام وغیرہ عرب قبائل جو حدود شام میں آباد اور قیصر کے باج گزار تھے، ان سب کو اپنے ساتھ ملا کر اسلام کے خلاف ایک بہت بڑی فوج جمع کر لی اور بڑے پیمانے پر جنگی تیاریاں شروع کر دیں۔

ادھر مسلمانوں کو حروب ارتداد میں مکمل کامیابی ہوئی۔ یمن اور اس کے آس پاس کے علاقے ان کے قبضے میں آ گئے تھے۔ حیرہ فتح ہو گیا۔ دومۃ الجندل نے مجاہدین اسلام کے لیے اپنے دروازے کھول دیئے اور اس کی وجہ سے وادی سرحان کے راستے شام میں داخل ہونا مسلمانوں کے لیے آسان ہو گیا تھا۔ لہٰذا سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو جب قیصر روم کی جنگی تیاریوں کی اطلاع ملی تو آپ نے بھی شام پر حملہ کرنے کا ارادہ فرما لیا۔

ماہ صفر ۱۳ھ میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک مجلس مشاورت بلائی۔ مجلس میں آپ نے شام پر حملہ کرنے کے بارے میں اپنا منصوبہ بیان کیا۔ سب حاضرین نے بیک آواز کہا: ''اے خلیفہ رسولؐ! آپ کی اطاعت ہم پر واجب ہے، لہٰذا آپ جو حکم کریں گے اس کو بجا لایا جائے گا۔'' اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اتفاق رائے کے بعد آپ نے حجاز اور یمن کے تمام قبائل کے امراء کے نام جہاد میں شرکت کرنے کا لیے دعوت نامے ارسال فرمائے۔ قبائل نے آپ کی دعوت کو بڑی خوش دلی اور جوش و خروش سے لبیک کہا اور چند ہی دنوں میں انھوں نے جوق در جوق مدینہ طیبہ آنا شروع کر دیا۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان قبائلی مجاہدین کو مدینہ طیبہ کے قریب مقام جرف میں خیمے لگا کر ٹھہرایا۔ (ابن عساکر: ۱/۱۲۹)

شام جانے والے لشکروں میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کو شریک کیا جو بدر و احد کے معرکوں میں شریک رہ چکے تھے اور جن کی تعداد تین سو کے قریب تھی۔ ان کے علاوہ سیدنا عکرمہ رضی اللہ عنہ بن ابی جہل جو حروب

Marfat.com

ارتداد کندہ، حضر موت اور عمان کی مہمات سر کر کے مدینہ طیبہ پہنچ چکے تھے اور سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ جو مرتدین کے استیصال کے بعد سے قضاعہ میں مقیم تھے، ان سب کو شام روانہ کرنے کا انتظام کیا۔

جب افواج کی روانگی کا وقت آیا تو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ایک ٹیلے پر چڑھ کر مجاہدین اسلام کے اجتماع عظیم کا جائزہ لیا اور ان کے جوش وخروش اور جذبہ کو دیکھ کر آپ نہایت مسرور ہوئے۔ چار لشکر تیار کیے گئے۔ ان لشکروں میں سب سے بڑا لشکر سیدنا یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کا تھا، ایک لشکر سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ ابن الجراح، ایک لشکر عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اور ایک سیدنا شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں تھا۔ (البدایہ والنہایہ: ۳/۷)

ان لشکروں کے علاوہ کچھ اور لشکر بھی بھیجے گئے جن کی مجموعی تعداد ۳۰ ہزار بنتی ہے۔ (فتوح البلدان: ۱۱۴)

یہ سارے لشکر مختلف محاذوں پر بھیجے گئے لیکن ان سب میں مراسلت ومشاورت کا سلسلہ برابر جاری تھا۔ قیصر روم کو جب ان لشکروں کا علم ہوا تو اس نے بہت بڑے پیمانے پر اپنے لشکر ترتیب دیئے۔ اس کی جنگ کی بنیادی پالیسی یہی تھی کہ اسلامی لشکروں کو کسی ایک محاذ پر جمع نہ ہونے دیا جائے تاکہ وہ سب اجتماعی قوت کے ساتھ مقابلہ نہ کر سکیں۔ قیصر روم خود حمص آیا جہاں شام کی ایک بہت بڑی فوجی چھاؤنی تھی اور یہاں سے اس نے اپنے چار لشکر بہ ایں انداز ترتیب دیئے:

① پہلا لشکر سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے مقابلے کے لیے بھیجا۔ اس میں نوے ہزار سپاہی تھے اور قیادت ہرقل کا بھائی تھیوڈرس کر رہا تھا۔ اس کے مقابلے میں سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے لشکر کی تعداد سات آٹھ ہزار تھی۔

② دوسرا لشکر سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ بن الجراح کے مقابلے میں بھیجا۔ اس میں ساٹھ ہزار سپاہی تھے اور اس کی قیادت پیٹر کر رہا تھا، جب کہ سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے پاس صرف سات آٹھ ہزار سپاہی تھے۔

③ تیسرا لشکر سیدنا یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کے مقابلے کے لیے بھیجا گیا اس کا قائد سرجیس تھا۔

④ چوتھا لشکر سیدنا شرحبیل رضی اللہ عنہ بن حسنہ کے مقابلے کے لیے بھیجا گیا اس کا قائد دراقص تھا۔ مجاہدین اسلام کو جب لشکروں کی تعداد اور ان کے سامان اسلحہ کا علم ہوا تو انھیں اپنی تعداد کی وجہ سے کچھ اندیشہ ہوا۔ چنانچہ خلیفۂ رسولؐ کو دشمن کی کثرت تعداد کی اطلاع دی گئی، لیکن بارگاہ خلافت سے جو جواب آیا وہ یہ تھا:

''تم سب ایک جگہ ہو جاؤ اور ایک لشکر بنالو۔ اپنی قلت تعداد کا غم نہ کرو۔ تم اللہ کے دین کے مددگار ہو۔ وہ ضرور تمھاری مدد کرے گا اور تم سب یرموک میں جمع ہو جاؤ۔''

قیصر روم نے یرموک کو پہلے ہی اپنے فوجی ہیڈ کوارٹر کے لیے منتخب کیا ہوا تھا۔ مسلمان دریائے یرموک کے دائیں بازو کو عبور کر کے رومیوں کے بالمقابل خیمہ زن ہو گئے۔ اب رومی تین اطراف سے پہاڑوں میں گھرے ہوئے تھے اور ان کے سامنے والے علاقے پر اسلامی فوجیں قابض تھیں۔

دونوں فوجیں دو ماہ تک آمنے سامنے پڑی رہیں۔ اس مدت میں معمولی جھڑپیں ہوتی رہیں لیکن کھل کر

Marfat.com

جنگ نہ ہوئی۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو جب اس کی اطلاع ملی تو وہ بہت فکرمند ہوئے اور آپ نے سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کو حکم بھیجا کہ عراق میں مثنیٰ کو اپنا قائم مقام بنا کر فوراً شام کے لیے روانہ ہو جائیں۔ ابن اثیر نے لکھا ہے کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے خالد رضی اللہ عنہ کو لکھا:

''تم روانہ ہو یہاں تک کہ یرموک میں جو مسلمان اکٹھے ہوئے ہیں ان سے ملو کیونکہ وہ غمزدہ ہیں۔'' (ابن اثیر: ۲/۶۰۲)

سیدنا خالد رضی اللہ عنہ خلیفۂ رسولؐ کے حکم کی تعمیل میں منزلوں پر منزلیں طے کرتے اور مختلف علاقوں کو راستہ میں مغلوب اور فتح کرتے بصرہ پہنچے تو یہاں سیدنا شرحبیل رضی اللہ عنہ بن حسنہ اور سیدنا یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ نے اس شہر کا محاصرہ کیا ہوا تھا لیکن وہ شہر فتح نہیں ہو رہا تھا۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے آتے ہی اس زور کا حملہ کیا کہ شہر فتح ہو گیا۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو حروب الاسلام فی الشام، احمد محمد: ص ۴۵، طبری: ۴/۲۱۱، تاریخ الدعوۃ الی الاسلام: ص ۲۵۹، ابوبکر صدیق الحدیثی: ص ۶۰، الفن العسکری الاسلامی: ص ۹۸، فتوح الشام ازدی: ص ۶۸۔۷۲، التاریخ الاسلامی حمیدی: ۹/۲۳۱)

معرکۂ اجنادین[1]:

جیسا کہ بتایا گیا ہے کہ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کی عراق سے روانگی سے قبل مسلمان فوجیں قیصر روم کی فوجوں کے بالمقابل یرموک میں جمع تھیں۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے محسوس کیا کہ یرموک کو میدان جنگ بنانا مناسب نہیں کیونکہ یہ مقام تین اطراف سے پہاڑوں میں گھرا ہوا ہے اور ایک طرف سے کھلا ہے۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ سمجھتے تھے کہ وہ دشمن جو بڑی شان و شوکت اور ساز و سامان کے ساتھ آیا ہو، اس کو اس طرح گھیر کر جنگ کرنا عقل مندی نہیں بلکہ جنگ ہمیشہ دشمن کے لیے راہ فرار رکھ کر لڑنی چاہیے۔ اس وجہ سے سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے یرموک کی بجائے دمشق کی طرف رخ کیا۔ چنانچہ اسلامی فوجیں بھی یرموک سے ہٹ کر اجنادین میں آ کر جمع ہو گئیں۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ بن ولید نے دیکھا کہ ایک لاکھ سے زائد رومیوں نے اجنادین کو اپنا فوجی مرکز بنا لیا ہے تو وہ بھی دمشق کا ارادہ ترک کر کے اجنادین پہنچ گئے۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کے یہاں پہنچنے کے ساتھ ہی سارے اسلامی لشکر یہاں پہنچ گئے۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے پوری اسلامی فوج کا جائزہ لیا اور فوجیوں کو جہاد فی سبیل اللہ کی اہمیت یاد دلائی۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے افواج کی صف بندی کی۔ ان کا خیال تھا کہ سنت نبویؐ کی پیروی کرتے ہوئے دشمن پر نماز ظہر کے بعد حملہ کیا جائے، لیکن رومیوں نے پیش قدمی کر کے اسلامی فوجوں پر حملہ کر دیا۔ اسلامی فوج کے میمنہ پر سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ بن جبل اور میسرہ پر سعید بن زید رضی اللہ عنہ، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے بھتیجے تھے۔ رومیوں نے ان دونوں بازوؤں پر اس شدت سے تیر اندازی کی کہ مجاہدین کے گھوڑے بدکنے لگے۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے یہ دیکھتے ہوئے فوج کو یکبارگی حملہ کا حکم دے دیا۔ حملہ اس شدت کا تھا کہ دشمن کے لیے سوائے فرار کے اور کوئی راستہ نہ تھا۔ رومی فوج کے سپہ سالار اعظم ہرقل کے بھائی

---

[1] فلسطین کے نواح میں ایک علاقہ ہے۔ (معجم البلدان: ۱/۲۰۳)

Marfat.com

تھیوڈرس نے بھاگ کر جان بچائی۔ وہ بھاگ کر حمص پہنچا جہاں قیصر روم پہلے سے موجود تھا۔ قیصر نے بڑی ذلت و خواری کے ساتھ اس کو اس کے عہدے سے معزول کر دیا اور وہ آخر کار اسی حالت میں مر گیا۔ یہ جنگ شام کی سب سے بڑی اور پہلی جنگ تھی جو جمادی الاولیٰ ۱۳ھ میں لڑی گئی۔ اس کے ۲۴ روز بعد سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو حروب الاسلام فی الشام، احمد محمد: ص ۴۵، تاریخ الدعوۃ الی الاسلام: ص ۳۵۹، البدایہ والنہایہ: ۷/ ۵، الفن العسکری الاسلامی: ص ۹۸، مجموعۃ الوثائق السیاسیۃ: ص ۳۹۲، فتوح الشام ازدی: ص ۶۸، العملیات التعرضیۃ والدفاعیۃ: ص ۱۶۳، ابوبکر رجل الدولۃ: ص ۸۸)

عراق کی بغاوت:

عراق میں سیدنا خالد رضی اللہ عنہ بن ولید کی غیر موجودگی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ایرانیوں نے عراق میں بغاوت کر دی۔ ادھر شہنشاہ ایران نے بھی دس ہزار سپاہیوں کے ساتھ ہرمز جاذویہ کو سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کے قائم مقام سیدنا مثنیٰ رضی اللہ عنہ بن حارثہ کے مقابلہ پر روانہ کیا۔ اس لشکر کے ساتھ ہاتھی بھی تھا جس کے ساتھ جنگ کرنے کا عربوں کو کوئی تجربہ نہیں تھا۔ سیدنا مثنیٰ کو جب کسریٰ کی فوج کا علم ہوا تو انھوں نے مختلف چھاؤنیوں میں اپنی منتشر فوج کو یکجا کیا اور بابل میں خیمہ زن ہو گئے۔ بابل میں دونوں فوجیں صف آرا ہوئیں اور جنگ شروع ہوئی۔ شروع شروع میں ہرمز کے ہاتھی نے اسلامی فوج کو بڑی تشویش انگیز صورت حال میں ڈال دیا۔

آخر انھوں نے فوج کو یکبارگی حملہ کا حکم دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہاتھی قتل ہو گیا اور ایرانی شکست کھا کر ایسے بھاگے کہ سیدنا مثنیٰ رضی اللہ عنہ نے ایرانی دارالسلطنت مدائن تک ان کا تعاقب کیا۔ وہ چاہتے تھے کہ اسی حملہ میں مدائن کو بھی فتح کر لیا جائے لیکن ان کے پاس اتنی فوج نہ تھی، اس لیے انھوں نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو کمک بھیجنے کے لیے خطوط لکھے، لیکن سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے لیے اس وقت کمک بھیجنا ممکن نہ تھا کیونکہ پورا اسلامی لشکر تو اس وقت شام کے محاذ پر مصروف کارزار تھا۔ لہٰذا بارگاہ خلافت سے ان خطوط کا کوئی جواب نہ آیا۔ بالآخر سیدنا مثنیٰ رضی اللہ عنہ خود مدینہ طیبہ پہنچ گئے۔ یہاں دیکھا کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سخت بیمار ہیں اور صحت یابی کی کوئی امید نہیں، لیکن اس حالت میں بھی سیدنا مثنیٰ رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی۔ انھوں نے عراق کی بغاوت کی پوری روئیداد بیان کی اور کمک کی درخواست کی۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اسی وقت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو بلایا، کیونکہ وہ ان کو اس وقت اپنا جانشین مقرر فرما چکے تھے اور فرمایا:

''عمر رضی اللہ عنہ جو میں کہتا ہوں اس کو سنو اور اس پر عمل بھی کرو۔ میرا خیال ہے کہ میں آج دنیا سے رخصت ہو جاؤں گا۔ اگر ایسا ہو تو شام ہونے سے پہلے پہلے لوگوں کو مثنیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ روانہ کر دو اور اگر شام کو رخصت ہو گیا تو صبح ہونے سے پہلے پہلے ایسا کر گزرو۔'' پھر فرمایا: ''عمر رضی اللہ عنہ! مصیبت خواہ کتنی ہی بڑی ہو تمھیں وہ دین کے کام اور اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل سے باز نہ رکھے۔'' شام کا معرکہ اگر سر ہو جائے تو خالد رضی اللہ عنہ کو پھر عراق واپس بھیج دینا۔ (ابن اثیر: ۲/ ۲۸۶)

Marfat.com

عراق اور شام کی ان مہمات کے علاوہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عثمان رضی اللہ عنہ بن ابی العاص کو توج روانہ فرمایا۔ انھوں نے توج، مکران اور اس کے اردگرد کے علاقوں کو زیر نگیں کر کے اسلامی مملکت میں شامل کیا۔ اسی طرح سیدنا علاء رضی اللہ عنہ بن حضرمی کو زارہ بھیجا۔ انھوں نے اس کو فتح کر کے اتنا مال غنیمت مدینہ طیبہ روانہ کیا کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس میں سے مدینہ کے ہر باشندے کو ایک ایک دینار تقسیم فرمایا۔ (یعقوبی: ۲/۱۵۱)

Marfat.com

وفات

رسول اللہ ﷺ کے انتقال پُر ملال پر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو آپؐ کی جدائی کا شدید غم تھا۔ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے بیان کے مطابق آپؐ اس غم میں اندر ہی اندر گھلتے رہے۔ آخر ۷ جمادی الآخر ۱۳ھ بروز اتوار آپ نے غسل فرمایا۔ اس روز شدید سردی تھی۔ غسل کے بعد آپ کو بخار ہو گیا جو قریباً ۱۵ روز تک رہا۔ بہت علاج کرایا گیا لیکن کوئی افاقہ نہ ہوا۔ اسی بخار کی حالت میں آپ مسجد نبویؐ میں امت کو نماز بھی پڑھاتے رہے، لیکن آخر میں کمزوری اس قدر ہو گئی کہ باہر نماز کے لیے بھی نہیں جا سکتے تھے، چنانچہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو نماز کے لیے حکم فرمایا۔

بعض روایات میں ہے کہ حارث بن کلدہ کے ساتھ ایک یہودی نے آپ کو چاولوں میں زہر دیا تھا جو سال بھر کے بعد آپ کی وفات کا سبب بنا۔

آپ کی بیماری کی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو سخت تشویش تھی۔ سب عیادت کو آتے لیکن سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ چونکہ آپ کے پڑوس میں رہتے تھے، لہٰذا وہ سب سے زیادہ تیمارداری کے لیے تشریف لاتے۔

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جب مرض میں کوئی افاقہ نہ دیکھا تو آپ نے مختلف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بلا کر اپنی جانشینی کے بارے میں مشورہ فرمایا۔ آپ کا ذاتی رجحان سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی جانب تھا۔ چنانچہ آپ نے عمر رضی اللہ عنہ کا نام مختلف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے پیش کیا۔ سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ بن عوف نے کہا، کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ بہترین آدمی ہیں اور ہر لحاظ سے اہل ہیں، لیکن مزاج میں درشتی اور سختی ہے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ مجھ کو نرم دیکھتے ہیں۔ جب وہ خلیفہ ہو جائیں گے تو خود بخود ان کی سختی ختم ہو جائے گی۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے جب پوچھا، تو انھوں نے کہا کہ ''عمر رضی اللہ عنہ کا باطن ان کے ظاہر سے اچھا ہے، ان جیسا ہم میں کوئی نہیں۔'' سیدنا اسید رضی اللہ عنہ بن حضیر سے جب پوچھا گیا تو انھوں نے کہا: ''میں آپ کے بعد عمر رضی اللہ عنہ کو بہترین آدمی سمجھتا ہوں۔'' وہ خوش ہونے کی باتوں پر خوش ہوتے ہیں اور ناراض ہونے کی باتوں پر ناراض ہوتے ہیں۔ ان کا باطن ان کے ظاہر سے بہتر ہے۔ آپ کے بعد ان سے زیادہ کوئی خلافت کا مستحق نہیں۔ ان حضرات کے علاوہ سیدنا سعید بن زید رضی اللہ عنہ اور دیگر اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے حق میں رائے دی۔ چنانچہ مشہور ہو گیا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہونے والے ہیں۔ سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ بن عبید اللہ کو اس بات کا پتہ چلا تو وہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہا:

Marfat.com

''ابوبکر رضی اللہ عنہ! آپ کو بخوبی پتہ ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ کے مزاج میں کس قدر سختی ہے۔اس کے باوجود میں نے سنا ہے کہ آپ انھیں خلیفہ نامزد کر رہے ہیں۔کل اس بارے میں اپنے اللہ کو کیا جواب دیں گے؟''

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ لیٹے ہوئے تھے، سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ کی زبان سے یہ الفاظ سن کر آپ جذباتی ہو گئے اور حاضرین سے فرمایا: ''ذرا مجھے بٹھا دو۔'' لوگوں نے آپ کو بٹھا دیا تو آپ نے فرمایا: ''طلحہ رضی اللہ عنہ! تم مجھے میرے رب سے ڈراتے ہو۔میں جب اپنے پروردگار سے ملوں گا تو کہوں گا کہ ''اے اللہ! میں نے تیرے بندوں پر تیرے ایک بہترین بندے کو خلیفہ مقرر کیا۔'' (ابن اثیر:۲/۲۹۲)

جب سب لوگ چلے گئے تو آپ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو بلایا اور فرمایا کہ میری طرف سے خلافت کی جانشینی کا وصیت نامہ لکھو۔چنانچہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے لکھوایا:

هذا ماعهد ابوبكر ابن ابى قحافه الى المسلمين۔ اما بعد فانى قد استخلفت عليكم.....

ابھی اتنا ہی املا کروایا تھا کہ آپ پر غشی طاری ہو گئی۔سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اس وصیت نامہ میں اپنی طرف سے یہ الفاظ بڑھا دیئے۔عمر بن الخطاب یعنی میں تم پر عمر رضی اللہ عنہ بن الخطاب کو خلیفہ مقرر کرتا ہوں۔

تھوڑی دیر بعد جب آپ کو ہوش آیا تو آپ نے عثمان رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ آپ نے کیا لکھا ہے؟ آپ نے جو کچھ لکھا تھا وہ پڑھ کر سنایا۔جب سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے عمر رضی اللہ عنہ بن الخطاب کا نام پڑھا تو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے منہ سے نکلا اللہ اکبر اور فرمایا، عثمان رضی اللہ عنہ حق تعالیٰ تمھیں جزاء خیر عطا فرمائے تم نے میرے دل کی بات لکھ دی۔

(الامامۃ والولایۃ:۱/۱۹، العواصم من القواصم ۵۱، عثمان بن عفان للعقاد:۱۵۰)

بعض روایات میں ہے کہ آپ نے یہ الفاظ لکھے: "استخلفت عليكم عمر ابن الخطاب ولم ان لكم خيرا" یعنی میں تم پر عمر رضی اللہ عنہ بن الخطاب کو خلیفہ مقرر کرتا ہوں اور میں نے اس معاملہ میں تمھاری خیر خواہی میں کوئی کوتاہی نہیں کی۔

غرضیکہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو جانشین تجویز فرما کر مسلمانوں کے سامنے ایک تحریر پیش کی۔ روایات میں ہے کہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بالا خانے پر تشریف لائے اور لوگوں کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا: ''اے لوگو! خلافت کے بارے میں، میں نے ایک عہد کیا ہے کیا تم اس پر رضامند ہو؟'' سب لوگوں نے جواب دیا: اے خلیفۂ رسولؐ! ہم اس بات پر راضی ہیں، لیکن سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے کہا:

لانرضى الا ان يكون عمر ابن الخطاب۔

''عمر رضی اللہ عنہ ابن الخطاب کے سوا ہم کسی دوسرے شخص پر راضی نہیں ہوں گے۔''

(اسد الغابہ:۴/۷۰، تاریخ الخلفاء:۷۲، الصواعق المحرقہ:۵۴)

ابن سعد نے لکھا ہے کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے حکم سے وصیت نامہ کو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سر بمہر کر کے آپ کے

Marfat.com

گھر سے باہر آئے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی طرف سے کہا کہ ''اس کاغذ پر جس شخص کی تجویز ہو چکی ہے کیا آپ اس کے حق میں بیعت کرنے کے لیے تیار ہیں؟'' سب حضرات نے یک زبان ہو کر کہا کہ ''ہم بیعت کے لیے بالکل تیار ہیں۔'' لیکن سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے کہا: ''وہ شخص ہمیں معلوم ہو گیا ہے۔''

وهو عمر فاقروا بذالك ورضوا وبايعوا۔

''اور وہ عمر رضی اللہ عنہ ہیں۔ سب لوگوں نے انھیں تسلیم کر لیا، اور اس پر رضامند ہو گئے اور سب نے عمر رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی۔'' (طبقات ابن سعد: ۱۴۲/۳)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں جانشینی کی وصیت کے بعد سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو بلایا اور انھیں بڑی کارآمد وصیتیں کیں جن میں مملکت کے دستور العمل کے متعلق کچھ مفید باتیں بھی تھیں۔

(ابن اثیر: ۲۹۲/۲، ابن سعد: ۱۴۲/۳)

ان باتوں سے فارغ ہونے کے بعد آپ نے ذاتی اور خانگی امور کے بارے میں بھی کچھ باتیں فرمائیں، آپ نے ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو مدینہ طیبہ یا بحرین کے نواح میں ایک جاگیر دی تھی۔ خیال آیا کہ اس سے دوسرے وارثان کی حق تلفی ہو گی، لہٰذا فرمایا ''بیٹی! امیری اور غریبی دونوں حالتوں میں تم مجھے بہت محبوب رہی ہو، لیکن میں نے تمھیں جو جاگیر دی تھی کیا تم اس میں اپنے بہن بھائیوں کو شریک کر سکتی ہو؟ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے بخوشی حامی بھر لی۔

پھر فرمایا ''اب تک مجھے بیت المال سے کل کتنا وظیفہ ملا؟'' بتایا گیا ''چھ ہزار درہم۔'' فرمایا میری فلاں زمین فروخت کر کے کل روپیہ بیت المال میں واپس کر دیا جائے۔ پھر فرمایا ''خلیفہ بننے کے بعد میرے مال میں کتنا اضافہ ہوا ہے؟'' بتایا گیا ''ایک حبشی غلام، ایک اونٹنی جس پر پانی لایا جاتا ہے اور ایک چادر جو سوا روپیہ کے لگ بھگ ہو گی۔ فرمایا ''میرے انتقال کے بعد ان تینوں چیزوں کو عمر رضی اللہ عنہ کے پاس بھیج دینا۔'' چنانچہ جب یہ چیزیں سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پہنچیں تو وہ روتے جاتے اور کہتے جاتے تھے ''ابوبکر رضی اللہ عنہ! تم اپنے جانشینوں کے لیے بہت مشکل نمونہ چھوڑ گئے ہو۔'' (طبقات ابن سعد: ۱۳۶/۳)

سیدنا عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ تجہیز و تکفین کے بعد دیکھنا کہ کوئی چیز تو نہیں رہ گئی۔ اگر ہو تو اس کو بھی خلیفہ عمر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا دینا، چنانچہ جائزہ لیا گیا لیکن بیت المال کی اور کوئی شے نہ نکلی۔

بعد میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو کتنے کپڑوں میں کفن دیا گیا تھا؟ انھوں نے کہا ''تین کپڑوں میں۔'' سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اس وقت دو پھٹے پرانے کپڑے زیب تن کیے ہوئے تھے، ان کی طرف اشارہ کر کے فرمایا ''دو تو یہ ہیں اور تیسرا کپڑا بازار سے خرید لانا اور ان تینوں کپڑوں میں مجھے دفنا دینا۔'' سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا ''ابا جان! ہم تینوں نئے کپڑے بازار سے خرید لیں گے۔'' فرمایا ''بیٹی! نئے کپڑوں کے زندہ لوگ مردہ لوگوں سے زیادہ مستحق ہوتے ہیں۔ یہ کفن کے کپڑے تو لہو اور پیپ کے لیے ہیں، یعنی خراب ہونے کے

Marfat.com

لیے ہیں۔'' (طبری:۲/۶۱۳)

پھر اپنی اہلیہ سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا بنت عمیس سے فرمایا کہ مجھے تم ہی غسل دینا۔ انھوں نے کہا: ''یہ کام میرے لیے ممکن نہیں۔'' فرمایا ''تمہارا بیٹا عبدالرحمٰن تمھاری مدد کرے گا، وہ پانی ڈالتا رہے گا۔'' پھر دریافت کیا ''آج کون سا دن ہے؟'' بتایا گیا ''دوشنبہ۔'' پوچھا کہ ''رسول اللہ ﷺ کا انتقال کس روز ہوا تھا۔'' جواب دیا گیا ''دوشنبہ کے دن۔'' فرمایا ''مجھے امید ہے کہ میرا انتقال بھی آج ہی کے دن ہوگا۔'' پھر فرمایا کہ ''مجھے رسول اللہ ﷺ کے پہلو میں دفن کیا جائے۔''

ان وصیتوں کے بعد سکرات موت کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ آخر کار ۲۲ جمادی الآخر ۱۳ ہجری بروز دوشنبہ مغرب اور عشاء کے درمیان خلافت وامامت کا یہ نیر تاباں روپوش ہوگیا۔ آخر وقت زبان پر یہ دعا تھی:

رب توفنی مسلما و الحقنی بالصالحین۔

رات ہی کو وصیت کے مطابق آپ کی اہلیہ محترمہ سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا بنت عمیس نے سیدنا عبدالرحمٰن بن ابی بکر کی معاونت سے غسل دیا۔ جانشین ابوبکر رضی اللہ عنہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ، سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما نے قبر میں اتارا۔

وفات کے وقت عمر مبارک رسول اللہ ﷺ کی عمر مبارک کے برابر ۶۳ سال تھی اور مدت خلافت دو سال تین ماہ اور گیارہ دن۔

آپ کی وفات سے نہ صرف مدینہ طیبہ بلکہ پوری مملکت اسلامیہ کے بام ودر لرز اٹھے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نہایت صدمہ ہوا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

الیوم انقطعت خلافة النبوة۔

''آج خلافت نبوت منقطع ہوگئی۔''

(تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمایے ابوبکر الصدیق، علی الطنطاوی: ص ۲۳۷، دراسات فی عہد النبوۃ والخلافۃ الراشدہ: ص ۲۷۳، صفۃ الصفوۃ: ۱/۲۶۴، اصحاب الرسولؐ محمد المصری: ۱/۱۰۴، الطبقات سعد: ۳/۱۴۶، المنتظم لابن الجوزی: ۴/۱۲۷، اشہر مشاہیر الاسلام: ۱/۹۴، التاریخ الاسلامی محمود شاکر: ص ۱۰۴، البقرۃ لابن الجوزی: ۱/۴۷۷، تاریخ الاسلام ذہبی، عہد الخلفاء الراشدین: ص ۱۲۰)

Marfat.com

خدمات

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تمام امت میں سب سے افضل اور بہتر تھے۔ اسی طرح آپ نے پیغمبر اعظم وآخر صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد سب سے بہتر کام کیے۔ جس وقت آپ نے زمام خلافت سنبھالی تو اسلام اس وقت گرداب فنا میں مبتلا تھا۔ ارتداد وبغاوت کے بگولے قصر اسلام کو منہدم کرنے کے لیے پورے زور سے چل رہے تھے، کہیں جھوٹے نبیوں نے اسلام کے خلاف یورش کی ہوئی تھی اور کہیں بازنطینی سلطنت نخل اسلام کو جڑ سے کاٹنے کی پوری پوری کوشش کررہی تھی۔ اس نازک موقع پر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے تدبر، فراست، دور بینی اور فہم وبصیرت پر مبنی پالیسیوں نے ہچکولے کھاتی ہوئی اسلام کی کشتی کو کنارہ دیا اور شمع اسلام کو گل ہونے سے محفوظ رکھا، لہٰذا یہ بات کہنا بالکل درست ہے کہ نبوت کے بعد دنیائے اسلام پر سب سے زیادہ احسان سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ہے جنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسلام کو دوبارہ زندگی دی۔ یہ درست ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے قیصر وکسریٰ کی سپر پاورز کو تہس نہس کر کے رکھ دیا اور روم وایران کے دفتر الٹا دیئے لیکن اس انقلاب عظیم کی بنیاد کس نے رکھی ہے اور ان حکومتوں کو برباد فنا کرنے کے لیے مجاہدین کو حوصلہ کس نے دیا؟

نظام حکومت:

رسول چونکہ اللہ کی وحی کی روشنی میں چلتا ہے اس لیے اس کے لیے ضروری نہیں کہ وہ کسی سے مشورہ کرے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو مشورہ کرنے کے لیے کہا گیا (وشاورھم فی الامر) وہ صرف ہمیں تعلیم دینے کے لیے تھا۔ اس کی وجہ سے اسلام کے نظام حکومت کی صحیح تصویر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں لوگوں کے سامنے پیش کی۔

اسلام کا نظام حکومت نہ تو جمہوری ہے اور نہ شخصی بلکہ شورائی ہے۔ یعنی ہر کام باہمی مشورہ سے ہو اور جماعتی عصبیت سے بالاتر ہو کر سرانجام دیا جائے۔ اسی وجہ سے اسلام نے ''مشورہ'' کا حکم دیا اور اہل اسلام کی خوبی یہ بتائی کہ ان کے معاملات باہمی مشاورت سے طے پاتے ہیں (وامرھم شوریٰ بینھم)، چنانچہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنے سوا دو سالہ عہد خلافت میں تمام امور مملکت میں مشورے کو خاص اہمیت دی۔ اگرچہ آپ کے عہد خلافت

Marfat.com

میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے عہد حکومت کی طرح کوئی باقاعدہ مجلس نہ تھی، لیکن تاریخ کے رپورٹر یہ بتاتے ہیں کہ:

ان ابابکر الصدیق کان اذا نزل به امر یرید فیه مشاورة اهل الرائے واهل الفقه و دعا رجالا من المهاجرین والانصار دعا عمر و عثمان و علیا و عبدالرحمن بن عوف و معاذ بن جبل وابی ابن کعب و زید بن ثابت۔

''سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو جب کوئی معاملہ پیش آتا جس میں اہل الرائے اور اہل الفقہ کے مشورہ کی ضرورت ہوتی تھی تو آپ مہاجرین اور انصار کے کچھ لوگوں کو بلاتے تھے جن میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ، عثمان رضی اللہ عنہ، علی رضی اللہ عنہ، عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ بن عوف، معاذ رضی اللہ عنہ بن جبل، ابی رضی اللہ عنہ بن کعب، زید رضی اللہ عنہ بن ثابت کو بلاتے تھے۔'' (طبقات ابن سعد: ۲/۱۰۹، یعقوبی: ۲/۱۳۸)

چنانچہ جب آپ نے شام پر لشکر کشی کا ارادہ فرمایا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا، منکرین زکوٰۃ کے متعلق اور استخلاف سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں آپ نے اہل الرائے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا۔ غزوۂ روم کا ارادہ کیا تو اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یعنی سیدنا علی رضی اللہ عنہ، سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ، سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ، سیدنا سعد رضی اللہ عنہ بن ابی وقاص، سعید رضی اللہ عنہ بن زید اور سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ سے مشورہ کیا۔ (کنز العمال: ۳/۱۴۳، یعقوبی: ۲/۱۳۲)

اسلامی نظام میں جمہوریت کی طرح یہ ضروری نہیں ہے کہ فیصلہ اکثریت پر ہو بلکہ اسلامی حکومت میں فیصلہ قوت دلیل پر ہوتا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اکثریت مانعین زکوٰۃ کے ساتھ جہاد کرنے کی حامی نہیں تھی لیکن سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس رائے کی مخالفت کی، آخر وہی کیا جس کو وہ اپنی بصیرت کے اعتبار سے حق سمجھتے تھے۔ ایسے ہی جیش اسامہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اکثریت نے مخالف تھی، لیکن سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کی بات کو کوئی اہمیت نہیں دی اور اپنی بصیرت سے کام لیا اور حالات کے پیچ وخم نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کے فیصلے کی تصدیق کی۔ البتہ مشورہ آپ نے ہر معاملے میں لیا اور یہ اصول بتایا کہ امیر مملکت کے لیے مشورہ ضروری ہے۔

ملکی نظم ونسق

ایک حکومت اسی وقت اچھے طریقے سے چل سکتی ہے جب اس کا نظم ونسق اچھا ہو۔ اگر ملکی نظم ونسق اچھا نہیں تو نظام حکومت خواہ کتنا ہی اچھا کیوں نہ ہو، حکومت صحیح طریقے سے نہیں چل سکتی۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے مختصر سے عہد خلافت میں بہترین نظم ونسق کے ساتھ حکومت کو چلایا۔ عہدوں کی اچھے طریقے سے تقسیم کی اور ہر صوبے اور ضلع میں گورنر اور حاکم مقرر فرمائے۔ تاریخ کی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے مختلف علاقوں میں مندرجہ ذیل حضرات کو حاکم مقرر کیا ہوا تھا:

① مدینہ طیبہ: یہ دارالخلافہ تھا جو براہ راست خلیفہ کے زیر انتظام تھا۔

Marfat.com

②	مکہ مکرمہ:	سیدنا عتاب رضی اللہ عنہ بن اسید
③	طائف:	سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ بن ابی العاص
④	صنعاء:	سیدنا مہاجر رضی اللہ عنہ بن ابی امیہ
⑤	حضرموت:	سیدنا زیاد رضی اللہ عنہ بن لبید انصاری
⑥	خولان:	سیدنا یعلیٰ رضی اللہ عنہ بن منیہ
⑦	زبید ورمع (یمن میں ایک علاقے کا نام)	سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ
⑧	جند:	سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ بن جبل
⑨	بحرین:	سیدنا علاء رضی اللہ عنہ بن حضرمی
⑩	نجران:	سیدنا جریر رضی اللہ عنہ بن عبداللہ البجلی
⑪	دومتہ الجندل:	سیدنا عیاض رضی اللہ عنہ بن غنم
⑫	عراق:	سیدنا مثنیٰ رضی اللہ عنہ بن حارثہ
⑬	جرش:	سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ بن ثور
⑭	حمص:	سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ بن الجراح
⑮	اردن:	سیدنا شرحبیل رضی اللہ عنہ بن حسنہ
⑯	دمشق:	سیدنا یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ
⑰	فلسطین:	سیدنا عمرو رضی اللہ عنہ ابن العاص

دارالخلافہ میں اکثر صیغوں کے الگ الگ عہدیدار مقرر کیے گئے تھے جیسے سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ بن الجراح شام کی گورنری سے قبل مدینہ کے افسر مال تھے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ قاضی تھے اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور سیدنا زید رضی اللہ عنہ بن ثابت بارگاہ خلافت کے کاتب تھے۔

عہدہ داروں کے انتخاب میں ان کا اصول یہ تھا کہ جس عہدہ کے لیے کسی کو منتخب کیا جائے اس میں عہدہ کی بہم وجوہ اہلیت ہو گویا کہ ان تودوا الامانات الی اھلھا پر ان کا پورا پورا عمل تھا۔ دوسری بات جس پر انھوں نے اس بارے میں عمل کیا وہ یہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ صحیح انتخاب اور کسی کا نہیں ہوسکتا، لہٰذا جن حضرات کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی عہدہ دیا ہوا تھا، اس کو اسی عہدہ پر برقرار رکھا گیا۔ چنانچہ جیش اسامہ رضی اللہ عنہ کی روانگی کے وقت بڑے بڑے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی رائے کی مخالفت کے باوجود ان کو ان کے عہدے پر قائم رکھا۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کی معزولی کے بارے میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے شدید اصرار کیا، لیکن آپ کا جواب یہ تھا کہ ''جس تلوار کو رسول نے نیام سے باہر کیا ہو میں اس کو کیوں کر نیام میں رکھ سکتا ہوں۔'' مکہ مکرمہ میں سیدنا عتاب رضی اللہ عنہ بن اسید، طائف میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ بن ابی العاص، صنعاء میں سیدنا مہاجر رضی اللہ عنہ بن ابی امیہ، حضرموت میں زیاد رضی اللہ عنہ بن لبید

Marfat.com

اور بحرین میں سیدنا علاء رضی اللہ عنہ بن الحضرمی رسول اللہ ﷺ کی طرف سے گورنر چلے آ رہے تھے۔ آپ نے ان کو انھی عہدوں پر قائم رکھا۔ (طبری:۲/۶۱۷)

تیسری بات آپ نے حکومت کے عہدہ داران کے انتخاب میں یہ مدنظر رکھی کہ وہ اس شخص کا انتخاب فرماتے تھے جو رسول اللہ ﷺ کے فیضان صحبت و تربیت سے زیادہ سے زیادہ بہرہ مند ہو۔ چنانچہ اس بارے میں السابقون الاولون صحابہ کو ترجیح دی گئی۔

اس سلسلے میں ایک اصول یہ اپنایا کہ عہدوں کی تقسیم کے معاملہ میں کنبہ پروری، اقربا نوازی، جنبہ داری سے کلی اجتناب کیا جائے اور عہدہ صرف اس شخص کو دیا جائے جو اس کا اہل ہو کیونکہ ملکی نظم و نسق کو سب سے زیادہ برباد کرنے والی یہی چیز ہے۔ اس بارے میں آپ اپنے عمال کو بڑی سختی سے تاکید فرماتے تھے۔ چنانچہ سیدنا یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کو جب آپ نے شام کی امارت پر روانہ کیا تو فرمایا:

''اے یزید! وہاں تمھارے عزیز و اقارب ہیں، ممکن ہے تم ان کہ عہدہ دینے کے بارے میں ترجیح دو۔ یہ وہ سب سے بری چیز ہے جس کا مجھے تم سے اندیشہ ہے۔ یاد رکھو! رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو شخص مسلمانوں کے کسی کام کا ذمہ دار ہو اور وہ بلا استحقاق محض رشتہ کی وجہ سے ان پر کسی شخص کو امیر بنا دے تو اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہوگی اور اللہ تعالیٰ اس کی طرف سے کسی فدیہ یا کفارہ کو قبول نہیں کرے گا، یہاں تک کہ اس کو جہنم میں داخل کر دے گا۔'' (مسند احمد:۱/۶)

ملکی نظم و نسق میں آپ نے اس بات کا بھی اہتمام فرمایا کہ جب کسی شخص کو آپ کسی عہدہ پر مامور فرماتے تو اس کے فرائض کی تشریح بھی اس کے سامنے کر دیتے اور سلامت روی اور تقویٰ جو دین کی روح ہے اس کی بڑے موثر الفاظ میں تلقین فرماتے۔ چنانچہ جب آپ نے سیدنا عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص اور سیدنا ولید رضی اللہ عنہ بن عقبہ کو بنو قضاعہ پر محصّلِ صدقہ بنا کر بھیجا تو فرمایا:

''جلوت و خلوت میں حق تعالیٰ سے ڈرتے رہو کیونکہ جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے وہ اس کے لیے ایک ایسی سبیل اور اس کے رزق کا ایک ایسا ذریعہ مہیا کر دیتا ہے جو کسی کے وہم و گمان میں نہیں آ سکتا۔ جو خدا سے ڈرتا ہے وہ اس کے گناہ معاف کر دیتا ہے اور اس کا اجر دوبالا کر دیتا ہے۔ بے شک اللہ کے بندوں کی خیر خواہی بہترین تقویٰ ہے۔ تم اللہ تعالیٰ کی ایک ایسی راہ میں ہو جس میں افراط و تفریط اور ایسی چیزوں سے غفلت کی گنجائش نہیں جن میں دین کا استحکام اور خلافت کی حفاظت مضمر ہے، لہٰذا سستی اور غفلت کو راہ نہ دینا۔''

اسی طرح یزید بن ابی سفیان کو شام روانگی کے وقت بڑی مفصل ہدایات دیں۔

(طبری:۲/۳۶۴، ابن اثیر:۲/۲۷۷)

عہدوں کی تقسیم کے سلسلے میں ایک اصول کے طور پر آپ نے عالی ظرفی کو بھی اپنایا یعنی اگر کسی شخص کے

Marfat.com

بارے میں آپ کو یہ پتہ چلتا کہ اسے آپ کی ذات کے خلاف کوئی شکایت یا رنجش ہے لیکن جو عہدہ اسے دیا جارہا ہے اس کے لیے وہ اہل اور موزوں ہے، تو آپ اس کی ذاتی رنجش اور مخالفت کی کوئی پروانہ کرتے ہوئے وہ عہدہ دے دیتے۔ چنانچہ شام کی مہم روانہ کرنے کے وقت آپ نے خالد رضی اللہ عنہ بن سعید کو بھی ایک علم عطا فرمایا۔ اگرچہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس کی مخالفت کی اور کہا کہ، خالد آپ کی خلافت سے خوش نہیں تھا اور انھوں نے آپ کے خلاف بعض لوگوں کو بھڑکایا تھا، لیکن آپ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی ان باتوں کی پروانہ کرتے ہوئے اس کو اس عہدے پر برقرار رکھا۔ (طبری:۲/۵۸۴)

نظم ونسق حکومت کے لیے یہ بھی ضروری قرار دیا کہ عہدہ داران حکومت کی دل جوئی کی جائے اور جبر و تحکم کا برتاؤ اختیار نہ کیا جائے اور ان کے منصب کے لحاظ سے ان کا پورا احترام کیا جائے۔ چنانچہ جب آپ خلیفہ مقرر ہوئے تو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا خیال تھا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ جیش اسامہ میں نہ جائیں اور مدینہ میں رہ کر ان کے خصوصی مشیر کی حیثیت سے کام کریں۔ جانشین رسولؐ ہونے کی حیثیت سے آپ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو خود بھی روک سکتے تھے لیکن آپ نے امیر الجیش سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے درخواست کی کہ اگر وہ مناسب سمجھیں تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو ان کے پاس چھوڑ جائیں۔

پھر دل جوئی کا یہ عالم تھا کہ سیدنا اسامہ رضی اللہ عنہ جب روانہ ہوئے تو آپ دور تک پیدل ان کی مشایعت کے لیے تشریف لے گئے۔ اسی طرح سیدنا یزید کو شام کی مہم پر رخصت کرتے وقت پیدل کافی دور تک مشایعت کی۔

عہدہ داران کی تقرری کے بارے میں ایک اصول یہ بتایا کہ جو شخص کسی وجہ سے اپنا اعتماد کھو بیٹھے، تائب ہونے کے بعد بھی اس کو پھر ذمہ داری کا کوئی کام نہ سونپا جائے۔ چنانچہ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کو جب آپ نے عراق کی مہم پر روانہ فرمایا تو یہ تاکید کی کہ جو لوگ مرتد ہوگئے تھے ان کو فوج میں بھرتی نہ کیا جائے۔ جب تک کسی عہدہ دار کی حسن کارکردگی کا آپ کو یقین نہیں ہو جاتا اس وقت تک اس کا تقرر عارضی کرتے تھے، مستقل ہونے کی شرط بہتر کارکردگی تھی۔ چنانچہ سیدنا یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کو جب شام کی مہم پر ایک دستہ فوج کا امیر مقرر کر کے روانہ کیا تو فرمایا:

''میں نے تم کو اس لیے والی بنایا ہے کہ میں تم کو آزماؤں، تمہارا تجربہ کروں اور تم کو ٹریننگ دوں۔ اگر تم نے اچھا کام کیا تو میں تم کو اس عہدے پر برقرار رکھوں گا اور ترقی دوں گا اور اگر تمہارا کام اچھا نہ ہوا تو تمھیں عہدے سے الگ کر دوں گا۔'' (ابن اثیر:۲/۲۷۶)

کسی عہدے پر تقرری کے بعد اگر وہ شخص نااہل ثابت ہوتا تو آپ اسے فوراً معزول کر دیتے تھے۔ چنانچہ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ بن سعید کو اتنی عالی ظرفی کے ساتھ سرحد پر نگران مقرر فرمایا، حالانکہ تقرری کے وقت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے منع کیا تھا اور کہا تھا، کہ اس نے آپ کی خلافت کی مخالفت کی تھی، لیکن آپ نے اس وجہ کو درخور اعتناء نہ سمجھا، لیکن جب اسے اپنے کام میں نااہل دیکھا تو فوری طور پر اسے معزول کر کے مدینہ طیبہ واپس بلا لیا۔

(طبری:۲/۵۹۰)

Marfat.com

اگر کسی عہدہ دار سے کوئی غلطی ہو جاتی تو آپ اس کا احتساب تو فرماتے لیکن عہدہ کی اہمیت کی وجہ سے اسے اس کے عہدے سے معزول نہ فرماتے۔ چنانچہ مالک بن نویرہ منکر زکوٰۃ تھا۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے خالد رضی اللہ عنہ کو اس کی تنبیہ کے لیے مامور فرمایا، لیکن خالد رضی اللہ عنہ نے زبانی ہدایت دینے سے قبل ہی اس کو قتل کر دیا۔ مالک کا بھائی متمم بن نویرہ بہت بڑا شاعر تھا۔ اس نے مالک کا بڑا پر درد مرثیہ لکھا اور ظاہر کیا کہ وہ تائب ہونے کے لیے تیار تھا۔ لیکن خالد رضی اللہ عنہ نے محض ذاتی عداوت کی بنا پر اسے قتل کر دیا ہے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو جب اس بات کا پتہ چلا تو آپ نے خالد رضی اللہ عنہ کی بہت زجر و توبیخ کی لیکن ان کے عہدہ سے انھیں معزول نہ کیا حالانکہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے معزولی کے لیے شدید اصرار کیا تھا۔ (یعقوبی:۲/۱۴۹)

ملکی نظم و نسق کی بہتری کے لیے اور انتظامی امور کی صحیح طور پر بجا آوری کے لیے ہر شعبہ کو مختلف ذمہ دار عہدہ داران کی نگرانی میں دیا ہوا تھا یعنی سارے اختیارات ایک ہی شخص کے ہاتھ میں نہیں تھے بلکہ اختیارات کو مختلف شعبوں میں تقسیم کیا ہوا تھا۔ چنانچہ عہدۂ قضا سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے پاس تھا اور آپ قاضی القضاہ یعنی چیف جسٹس تھے۔ (طبری:۲/۶۱۷، ابن اثیر:۲/۲۶۰)

اور عدلیہ بالکل آزاد تھی، چنانچہ ایک مرتبہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے خلیفۂ رسولؐ کے حکم کے خلاف فیصلہ کر دیا جس پر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ خوش بھی ہوئے اور یہ بھی فرمایا: ''میں اس کی تجدید نہیں کروں گا جس کو عمر رضی اللہ عنہ نے رد کر دیا ہے۔'' (لا اجدد شیارده عمر)

اسی طرح بیت المال کا انتظام سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے سپرد تھا جو اس کا پورا پورا حساب رکھتے تھے۔ عہدہ کتابت یعنی احکام و فرامین کی کتاب کے لیے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان اور سیدنا زید رضی اللہ عنہ بن ثابت متعین تھے۔ (طبری:۲/۶۱۷)

عہدہ افتاء کی خدمت سیدنا علی رضی اللہ عنہ، سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ بن جبل، سیدنا ابی رضی اللہ عنہ بن کعب، سیدنا زید رضی اللہ عنہ بن ثابت اور سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ بن مسعود کے سپرد تھی۔ (یعقوبی:۲/۶۱۷)

عہدہ داران کا احتساب:

جس جس شخص کو جو جو عہدہ دیا جاتا سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اس کی نگرانی اور احتساب بھی فرماتے اور عہدہ کے لحاظ سے وہ شخص خواہ کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو، آپ اچھے طریقے سے اس سے اس کے اعمال کی باز پرس فرماتے۔ چنانچہ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ بن ولید حکومتی مشینری کے ایک اہم پرزے تھے۔ فتوحات عراق و شام اور ارتداد کے حروب میں ان کا کتنا اہم حصہ ہے لیکن جنگ یمامہ کے فوراً بعد جب انھوں نے مسیلمہ کذاب کے کمانڈر انچیف مجاعہ کی لڑکی سے شادی کر لی تو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انھیں اتنا سخت خط لکھا مورخین کے بیان کے مطابق گویا کہ اس سے خون ٹپک رہا تھا۔ آپ نے لکھا:

Marfat.com

''اے خالد کی ماں کے بیٹے! تیرا دل بے رحم ہے، تو اس وقت نکاح کر رہا ہے جب کہ تیرے گھر کے صحن میں بارہ سو مسلمانوں کا خون ابھی تک خشک نہیں ہوا تھا۔'' (طبری:۲/۵۱۹)

یعقوبی کے الفاظ ہیں کہ آپ نے لکھا: ''تمھارے خیمے کی طناب کے پاس مسلمانوں کا خون بہہ رہا ہے اور تو عورتوں کے ساتھ عیش وعشرت میں مصروف ہے۔

لیکن معمولی بھول چوک سے اغماض برتتے یا پھر تھوڑی سی تنبیہ فرما دیتے تا کہ عہدہ دار اس چھوٹی غلطی کے بعد بڑی غلطی نہ کر بیٹھے اور اسے معلوم ہو کہ سربراہ مملکت کو میرے اعمال کی خبر ہے۔ چنانچہ لکھا ہے کہ ''ابوبکر رضی اللہ عنہ عہدہ داران حکومت پر زیادہ خوردہ گیری نہیں فرماتے تھے۔'' (طبری:۲/۵۰۳)

فوجی نظام:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد باسعادت میں عربوں کا کوئی باقاعدہ اور باضابطہ فوجی نظام نہ تھا۔ وقت پڑنے پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خود ہی شوق جہاد میں اکٹھے ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات کی روشنی میں دشمن سے جہاد وقتال کرتے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا عہد خلافت چونکہ نہایت مختصر تھا، لہٰذا وہ بھی کوئی باضابطہ فوجی نظام تو قائم نہ کر سکے، البتہ کچھ اصلاحات اس شعبہ میں کی گئیں جو حسب ذیل ہیں:

① ایک امیر الامراء یعنی کمانڈر انچیف کا نیا عہدہ بنایا گیا جو عہدہ عہد نبویؐ میں نہیں تھا اور سب سے پہلے کمانڈر انچیف سیف اللہ خالد رضی اللہ عنہ بن ولید مقرر ہوئے۔ (فتوح البلدان:۱۱۵)

② کسی مہم پر فوج کو بھیجتے وقت اس کو مختلف دستوں میں تقسیم کر کے ان پر علیحدہ علیحدہ افسر مقرر فرماتے۔ بعض مرتبہ ان کے جھنڈے بھی الگ الگ ہوتے۔

③ ہر لشکر میں ایسے حضرات کو رکھا جاتا جو اپنے خطبات سے مجاہدین میں ولولہ اور جوش پیدا کرتے۔ چنانچہ شام کی مہمات میں یہ خدمت سیدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے سپرد تھی۔

④ لشکر میں جو ہتھیار کوئی فوجی استعمال کر سکتا تھا، وہی ہتھیار اسے مہیا کیا جاتا اور ان ہتھیاروں کی فراہمی کا پورا پورا انتظام کیا گیا۔

فوجی چناو میں احتیاط:

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ فوج کے معاملے میں بہت محتاط تھے اور کسی مشتبہ آدمی کو فوج میں شامل کرنے کے سخت مخالف تھے، چنانچہ شام کی مہم پر آپ نے جو فوج بھیجی، اس میں ان لوگوں کو شریک کرنے سے ممانعت فرما دی جن کے دامن پر ارتداد کا داغ لگ چکا تھا۔ (ابن اثیر:۲/۲۷۶)

Marfat.com

اسلحہ کی فراہمی:

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حکومتی آمدنی کا ایک معقول حصہ اسلحہ کی خریداری اور فراہمی کے لیے مختص کیا ہوا تھا۔ مال غنیمت میں سے جو حصہ حکومت کو ملتا اس کو بھی فوجی مصارف کے لیے مختص کیا ہوا تھا، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی مال غنیمت کے اس حصہ کو فوجی مصارف میں صرف فرماتے تھے۔ (کتاب الخراج لابی یوسف:۲۱)

اونٹ اور گھوڑوں کی پرورش کے لیے مقام بقیع میں ایک چراگاہ تھی، اس کو مخصوص کیا۔ علاوہ ازیں ربذہ کی چراگاہ کو زکوٰۃ اور صدقہ کے گھوڑوں اور اونٹوں کے لیے مختص کر دیا گیا تھا۔

فوج کی اخلاقی تربیت:

فوج کی جس طرح اسلحی اور پیشہ وارانہ تربیت ضروری ہوتی ہے، اسی طرح اس کی اخلاقی تربیت بھی بہت ضروری ہوتی ہے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس تربیت کا بھی انتظام فرمایا تھا۔ مجاہدین تو ویسے ہی علاء کلمۃ اللہ کے لیے جہاد کرتے تھے جن میں ان کی نیت کا خلوص اور اعمال کی سچائی شامل ہوتی تھی۔ لیکن سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا نظریہ تھا کہ اسلامی فوج اخلاقی طور پر تمام دنیا کی افواج میں سب سے اعلیٰ اور بلند ہے۔ چنانچہ جب کسی مہم پر آپ کسی فوج کو بھیجتے تو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ پا پیادہ امیر لشکر کے ساتھ چل کر اس کی مشایعت فرماتے اور اس کو اخلاقی اور دینی طور پر ہدایات ارشاد فرماتے اور ان ہدایات کی پابندی کرنے کی اسے تاکید بھی فرماتے۔ چنانچہ مہمات شام میں امیر فوج کو فرمایا:

''تم ایک ایسی قوم کو پاؤ گے جنھوں نے اپنے آپ کو اللہ کی عبادت کے لیے وقف کر رکھا ہے، ان سے تعرض نہ کرنا۔ میں تمھیں دس وصیتیں کرتا ہوں۔ کسی عورت، بچے اور بوڑھے کو قتل نہ کرنا، پھل دار درخت کو نہ کاٹنا، کسی آباد جگہ کو ویران نہ کرنا، بکری اور اونٹ کھانے کے سوا بیکار ذبح نہ کرنا، نخلستان نہ جلانا، مال غنیمت غبن نہ کرنا، اور بزدل نہ ہو جانا۔'' (تاریخ الخلفاء:۹۶)

سیدنا خالد رضی اللہ عنہ بن ولید کو ذوالقصہ کی طرف روانہ کرتے ہوئے فرمایا:

''تمھارے ادھر ادھر طے کا قبیلہ پڑے گا۔ اگرچہ تمہارا رخ بزاخہ ہی کی طرف ہوگا، لیکن تم ابتداء طے ہی سے کرنا۔ بزاخہ سے فارغ ہو کر بطاح جاؤ اور جب بطاح کا معرکہ سر کر لو تو اس وقت تک وہاں سے نہ ہٹو جب تک میں تم کو کمک نہ بھیج دوں۔'' (بخاری:۲/۴۸۳)

شام کی ایک مہم میں امراء لشکر کو فرمایا:

''رومی تم کو ایک محاذ پر جمع کر کے تم سے مقابلہ کرنا چاہیں گے، لہٰذا میں چاہتا ہوں کہ تم میں سے نشیبی علاقہ سے جانے والا بالائی علاقہ سے جائے اور بالائی علاقہ سے جانے والا نشیبی راستے سے جائے۔ یعنی راستے بدل کر جاؤ تا کہ رومی دستوں کو اکٹھا ہونے کا موقع نہ ملے۔'' (طبری:۲/۵۸۹)

Marfat.com

فوجی مراکز کا معائنہ:

آپ صرف فوج کو زبانی ہدایات ہی نہیں دیتے تھے بلکہ وقتاً فوقتاً فوجی مراکز اور چھاؤنیوں میں فوجی دستوں کا معائنہ بھی فرماتے تھے اور اگر فوج میں مادی یا روحانی قسم کی کوئی خرابی دیکھتے تو اس کا فوری تدارک کرتے۔ چنانچہ ایک مرتبہ جرف میں اسلامی فوجیں اکٹھی تھیں اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اچانک معائنہ کے لیے تشریف لے گئے۔ جب آپ بنوفزارہ کے کیمپ میں پہنچے تو سب نے سروقد ہو کر آپ کی تعظیم کی۔ اس کے بعد عرض کیا: ''اے خلیفۂ رسولؐ! ہم لوگ گھوڑوں کی سواری خوب کرتے ہیں لہٰذا گھوڑے بھی ساتھ لائے ہیں، آپ سے گزارش ہے کہ آپ بڑا جھنڈا ہمارے ساتھ کر دیجیے۔'' سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انھیں بلند ہمتی کی دعا دی لیکن کہا کہ بڑا جھنڈا آپ لوگوں کو نہیں مل سکتا کیونکہ وہ بنوعبس کے حصے میں آ چکا ہے۔ اس پر ایک فزاری نے کہا ''ہم لوگ بنو عبس سے اچھے ہیں۔'' سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے غصے سے ڈانٹ کر فرمایا: ''احمق چپ ہو جا تجھ سے ہر عبسی اچھا ہے۔'' بنوعبس بھی اس معاملہ میں کچھ بولنا چاہتے تھے لیکن سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انھیں بھی ڈانٹ کر خاموش کر دیا اور فرمایا، میں تمھاری طرف سے کہہ چکا ہوں۔ (کنز العمال: ۵/۳۶۱)

مالی نظام:

ایک مملکت کو صحیح طور پر چلانے کے لیے اس کا مالی نظام نہایت اعلیٰ ہونا چاہیے۔ بعض دفعہ مالی نظام کی خرابیاں مملکت کی تباہی کا سبب بن جاتی ہیں۔ جہاں تک روپیہ کے خرچ کرنے کا تعلق ہے، دین اسلام نے سب سے زیادہ اسی بات پر زور دیا ہے۔ قرآن حکیم میں نماز کے حکم کے ساتھ زکوٰۃ کا حکم بھی دیا گیا۔ پھر صدقات نافلہ اس پر مستزاد ہیں بلکہ قرآن حکیم نے ''عفو'' کا لفظ استعمال کر کے اس بات کی بھی ترغیب دے دی کہ اپنی ضروریات زندگی پوری کرنے کے بعد جو کچھ بچ جائے اس کو اللہ کے راستے میں یعنی اللہ کے بندوں پر خرچ کر دو۔ گویا کہ اگر کوئی اسلامی ریاست نہ بھی ہو تو تب بھی اللہ تعالیٰ مسلمان سوسائٹی کے ذمہ یہ فریضہ عائد کرتا ہے کہ امراء، غرباء اور فقراء پر اپنے مالوں کو خرچ کریں۔ اسلام کے مالی نظام کی خاص خصوصیت یہ ہے کہ وہ دولت کے ارتکاز کو روکتا ہے۔ اسلام میں حکومت کی آمدنی کے ذرائع حسب ذیل ہیں:

① زکوٰۃ:

اسلام میں زکوٰۃ کی شرح مقرر ہے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں اس شرح کو قائم رکھا۔ چنانچہ سیدنا عبداللہ بن انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے میرے والد کو عامل صدقات بنا کر روانہ کیا اور انھیں اپنی ایک تحریر عنایت فرمائی جس پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مہر لگی ہوئی تھی اور اس میں جانوروں کی زکوٰۃ کے احکام

Marfat.com

کی تفصیل درج تھی۔(ابوداؤد:۱/۲۴۵)

زکوٰۃ کی حیثیت ایک اسٹیٹ ڈیوٹی کی سی ہے، چنانچہ آپ کے عہد خلافت میں جب مانعین زکوٰۃ اور منکرین زکوٰۃ کا فتنہ اٹھا تو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کے خلاف جہاد کیا اور فرمایا، کہ اگر انھوں نے اونٹ کی ایک رسی جس کو وہ عہد نبویؐ میں دیا کرتے تھے، مجھ کو اس کے دینے سے انکار کیا تو میں ان سے جہاد وقتال کروں گا۔جس سے معلوم ہوتا ہے کہ نظام زکوٰۃ کو انھوں نے اسی طرح قائم رکھا جس طرح وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں قائم تھا۔

② لگان اجارہ:

یہ بھی حکومت کی آمدنی کی ایک مد ہے۔اس کی صورت یہ تھی کہ زمین کا کوئی ٹکڑا کسی کاروبار کے لیے کسی شخص کو اس شرط پر دے دیا جاتا تھا کہ وہ اس کاروبار کے منافع سے ایک معینہ رقم بیت المال میں داخل کرے گا۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس کو بھی اس طرح قائم رکھا جس طرح وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانے میں تھا۔

③ خراج:

آمدنی کا ایک بڑا ذریعہ خراج بھی تھا جو اسلامی فتوحات کے نتیجہ میں پیدا ہوا۔خراج مال یا زمین کی پیداوار کی اس معین مقدار کو کہتے ہیں جو مفتوحین کی زمین پر بطور محصول مقرر کردی گئی ہو۔سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں خیبر کی زمینوں کے ساتھ وہی معاملہ رکھا جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تھا، لیکن آپ کے عہد خلافت میں عراق اور شام کے جو علاقے فتح ہوئے آپ نے ان پر سرسری طور پر کچھ رقم متعین کردی۔

④ جزیہ:

یہ ٹیکس غیر مسلموں سے لیا جاتا ہے۔عہد نبویؐ میں اس کی کوئی معین مقدار نہیں تھی۔چنانچہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی اس کی کوئی مقدار معین نہ فرمائی۔آپ کے زمانہ میں حیرہ بطور صلح کے ہوا تھا، لہٰذا خراج کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوسکتا تھا، البتہ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ بن ولید نے ان لوگوں سے دس درہم فی کس کے حساب سے جزیہ وصول کیا اور اسے مدینہ طیبہ روانہ کردیا۔(کتاب الاموال:۲۷۲)

ان مدات آمدنی کے علاوہ اور بھی کئی مدات تھیں مثلاً فے، غنیمت، جاگیریں، معادن (معدنیات، کانوں) پر ٹیکس وغیرہ۔ان سب میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اسی طریقے کو اپنایا جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں عمل تھا۔

مصارف:

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ طریقہ اپنایا کہ جو کچھ آتا وہ ہر شخص خواہ وہ عورت ہو یا مرد، چھوٹا ہو یا بڑا، غلام ہو یا

Marfat.com

آزاد، ہر ایک پر پورا پورا تقسیم فرما دیتے۔ چنانچہ ایک مرتبہ بحرین سے مال آیا تو آپ نے اس کو سب میں برابر تقسیم کر دیا اور ہر شخص کو سوا سات درہم آئے۔ اگلے سال زیادہ مال آیا تو پھر ہر ایک کو بیس درہم آئے۔ ایک شخص نے اس مساوات پر اعتراض کیا، تو فرمایا کہ فضائل و مناقب کا ثواب اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے۔ یہ معاش کا معاملہ ہے۔ اس میں برابری کا معاملہ ترجیح دینے سے بہتر ہے۔ (کتاب الخراج: ۴۲، طبقات ابن سعد: ۳/۱۵۱، الاصابہ: ۲/۱۵۴)

خمس کی تقسیم کے معاملے میں بھی وہ طریقہ اختیار کیا گیا جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں متداول تھا۔ چنانچہ ابن شہاب زہری کا قول ہے: ''ابوبکر رضی اللہ عنہ خمس کو اسی طرح تقسیم کرتے تھے جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیا کرتے تھے۔'' (کتاب الاموال: ۳۳۱)

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ایک بات کا اضافہ ہوا اور وہ یہ کہ آپ نے اپنے عہد خلافت میں ایک بیت المال تعمیر کروایا، لیکن اس بیت المال میں رقوم جمع کرنے کا کوئی موقع نہ آیا۔ لہٰذا اس کی حفاظت کے لیے کوئی محافظ بھی نہیں تھا۔ صرف ایک قفل اس کے دروازے کو لگا رہتا تھا۔ آپ کی وفات کے بعد سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ، سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ بن عوف اور دوسرے صحابہ کرام کو ساتھ لے کر اس بیت المال کا جائزہ لیا تو صرف ایک درہم نکلا۔ لوگوں نے کہا: ''خدا ابوبکر رضی اللہ عنہ پر رحم فرمائے۔'' بیت المال کے خزانچی کو بلا کر پوچھا کہ شروع سے اس وقت تک بیت المال میں کتنا مال آیا؟ اس نے کہا: ''دو لاکھ دینار۔'' (طبقات ابن سعد: ۳/۱۵۱)

اہل بیت کے مالی حقوق کی ادائیگی:

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں اہل بیت نبوت کے مالی حقوق کی طرف خاص توجہ دی اور انھیں پورا پورا تحفظ دیا، کیونکہ آپ فرمایا کرتے تھے، کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے۔

لقرابة رسول الله صلى الله عليه وسلم احب الى ان اصل من قرابتى۔

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رشتہ داری اور قرابت کا لحاظ مجھے اپنی قرابت داری سے زیادہ محبوب ہے۔'' (بخاری: ۱/۵۲۶)

چنانچہ آپ نے اس کی تقسیم میں وہی اصول اور طریقہ اختیار فرمایا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ خود فرماتے ہیں کہ میں نے (عباس رضی اللہ عنہ، فاطمہ رضی اللہ عنہا اور زید رضی اللہ عنہ بن حارثہ کی موجودگی میں) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ ہم رسولؐ کے قرابت داروں کا جو حصہ ہے اس کی تقسیم کی ذمہ داری اگر جنابؐ اپنی زندگی میں میرے سپرد کر دیں تو بہتر ہوگا تا کہ آپؐ کے بعد کوئی شخص اس بارے میں ہمارے ساتھ جھگڑا نہ کر سکے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اس کام کا متولی بنا دیا۔ عہد نبویؐ میں میں اس خمس کے حصہ کو بنی ہاشم میں تقسیم کرتا رہا۔ پھر ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مجھے اس تقسیم کا متولی بنا دیا تو میں ان کے زمانے میں بھی اس کو اسی طرح تقسیم کرتا رہا۔ (ابوداؤد: ۲/۶۱، مسند احمد: ۱/۸۴)

Marfat.com

دینی خدمات

اصلاح عقائد:

وفات نبویؐ کے بعد آپ کا وہ یادگار خطبہ جو جس کا ذکر ہم نے گزشتہ صفحات میں کیا ہے وہ اصلاح عقائد کی ایک روشن دلیل ہے جس میں آپ نے مخلوق اور خالق، عبد اور معبود کے فرق کو نہایت اعلیٰ طریق سے واضح فرمایا اور یہ بتایا کہ رسولؐ خواہ وہ ''قاب قوسین'' کے مقام پر ہی کیوں نہ پہنچ گیا ہو بشری حوائج وضروریات سے مبرا نہیں ہوسکتا اور اس پر موت بھی طاری ہوتی ہے، لہٰذا اس کا دنیا سے اٹھ جانا کوئی انوکھی اور خلاف توقع بات نہیں ہے۔

بدعات کا سدباب:

اسلام میں بدعات سے بڑی سختی کے ساتھ روکا گیا ہے، کیونکہ بدعات کا مطلب ہے کسی سنت کے مقابلے میں اپنے طریقے کو رائج کرنا۔ آپ نے بدعات کو بڑی سختی کے ساتھ روکا۔ چنانچہ ایک مرتبہ حج کے موقع پر آپ کو قبیلہ احمس کی ایک عورت کی بابت معلوم ہوا کہ وہ حج کے دوران کسی سے بات نہیں کر رہی۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اس کے پاس تشریف لے گئے اور اس سے بات نہ کرنے کی وجہ پوچھی۔ لوگوں نے بتایا کہ اس نے خاموش حج کرنے کا ارادہ کیا ہے۔ آپ نے اسے فرمایا کہ یہ جاہلیت کا طریقہ ہے، اسلام میں یہ جائز نہیں۔ تم اس سے باز آجاؤ اور بات چیت کرو۔ اس عورت نے پوچھا، آپ کون ہیں؟ فرمایا ''ابوبکر رضی اللہ عنہ۔'' (بخاری: ۱/۵۴۱)

جمع القرآن کے بارے میں بھی آپ صحف کو مصحف کی شکل میں اس وجہ سے نہیں لا رہے تھے کہ کہیں یہ بدعت اور اسوۂ رسولؐ سے تجاوز نہ ہو جائے۔

خدمت قرآن وحدیث:

قرآن کی خدمت تو آپ نے اس کی جمع وترتیب کی شکل میں کی جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے اور یہ ایک ایسی خدمت تھی جو حق تعالیٰ کی طرف سے قرآن حکیم کی حفاظت کا سبب اور ذریعہ بنی۔ روایات میں ہے کہ آپ

Marfat.com

نے قریباً پانچ سو احادیث نبویہ ؐ بھی جمع فرمائی تھیں لیکن اپنی وفات سے کچھ دن قبل ان کو اس خیال سے ضائع کر دیا کہ ان میں اگر کوئی روایت خلاف واقعہ ہوئی تو اس کا وِزر اور بار میرے سر پر رہ جائے گا۔ چنانچہ کہ ایک مرتبہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اکٹھا کر کے فرمایا:

''تم لوگ رسول اللہ ﷺ سے ایسی احادیث روایت کرتے ہو جن میں خود تمھیں اختلاف ہوتا ہے۔ تمھارے بعد جو لوگ آئیں گے ان میں اور بھی سخت اختلاف واقع ہوگا۔ اس لیے رسول اللہ ﷺ سے کوئی روایت نہ کرو اور جو کوئی تم سے سوال کرے تو اسے یہ کہہ دو کہ ہمارے اور تمھارے مابین اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے۔ اس کے حلال کو حلال سمجھو اور حرام کو حرام۔''

لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مطلقاً روایت حدیث کا دروازہ بند کر دیا بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب تک کسی حدیث کی صحت کا مکمل یقین نہ ہو جائے اس وقت تک اسے روایت نہیں کرنا چاہیے۔ کیونکہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی زندگی کے کئی واقعات اس بات کی بین شہادت دیتے ہیں کہ جب کسی روایت کی انھیں پوری طرح تصدیق ہو جاتی تو وہ اسے فوراً قبول فرما لیتے۔ (تذکرہ الحفاظ: ۱/۳)

محکمۂ افتا:

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں عوام الناس کی سہولت کے لیے محکمہ افتا قائم کیا گیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ، سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ، سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ بن عوف، سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ بن جبل، سیدنا ابی رضی اللہ عنہ بن کعب اور سیدنا زید رضی اللہ عنہ بن ثابت جیسے جلیل القدر صحابہ جو علم و اجتہاد میں ایک بلند مقام کے حامل تھے، اس خدمت پر مامور تھے۔ ان حضرات کے سوا اور کسی کو فتویٰ دینے کی اجازت نہ تھی۔ (طبقات: ۲/۱۰۹)

اشاعت اسلام:

ایک اسلامی حکومت کا مقصد وحید ہی اسلام کی اشاعت اور تبلیغ ہے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی گھٹی میں اسلام کی اشاعت داخل تھی۔ جب انھوں نے مکہ میں اسلام کی دعوت پر لبیک کہا تو اس کے ساتھ ہی اسلام کی تبلیغ کے لیے ہمہ تن مصروف ہو گئے۔ چنانچہ آپ کی کوششوں سے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور سیدنا سعد رضی اللہ عنہ بن ابی وقاص جیسے جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ عرب سوسائٹی کے نچلے طبقے یعنی غلاموں میں بھی آپ نے اسلام کی دعوت دی اور ان میں سے کئی حضرات آپ کی کوششوں کے نتیجے میں دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے۔

خلیفۂ رسول ؐ اللہ ﷺ ہونے کے بعد آپ کو اس سلسلے میں اور زیادہ انہماک پیدا ہو گیا اور آپ نے تمام عرب میں پھر نئے سرے سے اسلام کی آواز کو بلند کیا۔ حروب ارتداد اور جھوٹے مدعیان نبوت سے جنگیں بھی دراصل اشاعت اسلام ہی کا ایک حصہ تھیں۔ عراق اور شام کی مہمات میں جو فوجیں آپ نے بھیجیں انھیں اس بات کی سخت

Marfat.com

ہدایت کی کہ سب سے پہلے دشمن کو اسلام کی دعوت دیں۔ نیز ان قبائل عرب کو دعوت اسلام دیں جو ان ممالک کے گردونواح میں آباد ہیں کیونکہ وہ قومی یک جہتی کی وجہ سے زیادہ آسانی کے ساتھ اسلام قبول کریں گے۔ چنانچہ سیدنا مثنیٰ رضی اللہ عنہ بن حارثہ اور سیدنا خالد رضی اللہ عنہ بن ولید کی کوششوں سے بنو وائل کے تمام بت پرست اور عیسائی اور عراق عرب اور حدود شام کے اکثر عربی قبائل دائرۂ اسلام میں داخل ہو گئے۔

طلیحہ اسدی جس نے نبوت کا جھوٹا دعویٰ کیا تھا، سیدنا خالد رضی اللہ عنہ بن ولید کے مقابلے میں فرار ہو کر جب شام پہنچا تو اس نے مندرجہ ذیل شعر اعتذار کے طور پر بارگاہ خلافت میں لکھ بھیجے اور اسلام کا اقرار کیا:

فهل يقبل الصديق انى مراجع

ومعط بما احدثت من حدث يدى

کیا ابوبکر رضی اللہ عنہ اس کو قبول فرمائیں گے کہ میں واپس آ جاؤں اور جو کچھ میں نے گناہ کیے ہیں ان کی تلافی کروں۔

وانى من بعد الضلالة شاهد

شهادة حق لست فيها بلمحد

''اور میں گمراہی کے بعد گواہی دیتا ہوں، ایک ایسی گواہی جس سے میں ہٹنے والا نہیں ہوں۔''

اس اعتذار سے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا آئینۂ قلب طلیحہ کے بارے میں بالکل صاف ہو گیا اور آپ نے اس کے عذر کو قبول فرماتے ہوئے اسے مدینہ طیبہ آنے کی اجازت مرحمت فرما دی، لیکن وہ اس وقت مدینہ طیبہ پہنچا جب آفتاب صداقت غروب ہو چکا تھا۔ (یعقوبی: ۲/۱۴۵)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلقین کا خیال:

جیسا کہ پہلے بھی ذکر کیا جا چکا ہے کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت کے مالی حقوق اور عزت و احترام کا پورا پورا خیال رکھا اور ہر ممکن کوشش کی کہ انھیں کوئی تکلیف نہ پہنچے۔ اہل بیت کے علاوہ جن لوگوں کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کچھ بھی تعلق تھا آپ نے ان کی عزت و توقیر کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سیدہ ام ایمن رضی اللہ عنہا کی ملاقات کے لیے تشریف لے جایا کرتے تھے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی آپ کے اس طریقہ کو قائم رکھا اور آپ بھی ان کی زیارت کے لیے اکثر تشریف لے جایا کرتے تھے۔ اسی طرح سندر نام کے ایک غلام کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آزاد فرمایا تھا اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا تھا کہ میں تمھارے حق میں ہر مسلمان کو وصیت کرتا ہوں۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ جب خلیفہ ہوئے تو آپ نے اس کے لیے تاحیات وظیفہ مقرر فرما دیا۔ (الاستیعاب تذکرہ ام ایمن و تذکرہ سندر)

یہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلقین کی عزت و توقیر تھی۔ آپ نے ان وعدوں کی بھی تکمیل کی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں مختلف لوگوں سے فرمائے تھے۔ آپ نے اعلان عام کر دیا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

Marfat.com

اگر کسی شخص کے ساتھ وعدہ فرمایا ہو تو وہ میرے پاس آئے، میں اس کی تکمیل کروں گا۔ چنانچہ ایک مرتبہ بحرین سے کچھ مال آیا تو ایک صحابی سیدنا جابر رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے تین دفعہ دونوں ہاتھوں سے بھر بھر دینے کا وعدہ فرمایا تھا۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انھیں تین دفعہ دونوں ہاتھوں سے بھر بھر کر عطا فرمایا۔ (بخاری: ۱/ ۳۰۷، کتاب الخراج: ۴۲)

اسی طرح آپ نے سیدنا ابوبشیر المازنی رضی اللہ عنہ کے بیان پر ان کو چودہ سو درہم عطا فرمائے۔

(طبقات ابن سعد)

Marfat.com

علمی کمالات

گزشتہ صفحات میں اجمال اور جامعیت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ علم وفضل میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سب سے بلند مقام کے حامل تھے۔(بخاری:۱/۵۱۶)

قرآن، حدیث، فقہ، علم الانساب اور اس دور میں جس قدر علوم رائج تھے، سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ ان میں مہارت تامہ رکھتے تھے۔سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے بیان کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صبح وشام ان کے گھر تشریف لاتے تھے۔آغاز بعثت سے لے کر آخری لمحہ حیات تک، سفر وحضر میں، رزم وبزم میں غرض کہ ہر جگہ اور ہر موقع پر آپ نبوت کے ساتھی رہے، اس لحاظ سے آپ محرم اسرار نبوت تھے اور آپ کا سینہ علوم وکمالات نبویہ کا گنجینہ تھا۔اس وجہ سے آپ کا قلب اطہر مختلف علوم ومعارف کا گنجینہ وخزینہ تھا۔

علم القرآن:

آپ چونکہ پیغمبر اسلام کے جلوت وخلوت کے ساتھی تھے اور جس ہستی کے سینہ پر قرآن نازل ہوا تھا اس کی صحبت میں سفر وحضر کی رفاقت میں آپ نے علم القرآن حاصل کیا۔اسی وجہ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فرمایا کرتے تھے۔هو اعلمنا برسول الله صلی اللہ علیہ وسلم.. (ازالۃ الخفا مقصد دوم:۲۰)

کلام اللہ (قرآنِ مجید) اسلام کا اصل الاصول ہے، چنانچہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو قرآن حکیم سے غیر معمولی شغف تھا۔آپ نے معلم قرآن جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اس کے بعد اب کیا چارہ ہے، کیا ہم کو ہر برے کام کا بدلہ دیا جائے گا؟

لیس بامانیکم ولاامانی اهل الکتاب من یعمل سوءً یجزی به۔

''(نجات) نہ تمھاری آرزوؤں پر موقوف ہے نہ اہل کتاب کی آرزوؤں پر، جو شخص برا کام کرے گا اس کو اس کا بدلہ ملے گا۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں ارشاد فرمایا، اے ابوبکر رضی اللہ عنہ! اللہ تعالیٰ تمھاری مغفرت کرے، کیا تم بیمار نہیں ہوتے؟ کیا تمھیں کبھی رنج اور صدمہ نہیں پہنچتا؟ اور کیا تمھیں کبھی کوئی مصیبت پیش نہیں آتی؟ وہ بولے ''کیوں نہیں۔'' فرمایا ''یہ سب تمھارے اعمال بد کا نتیجہ اور بدلہ ہے۔'' (مسند احمد:۱/۱۱، مستدرک حاکم:۳/۷۴)

Marfat.com

علم الحدیث:

قرآن حکیم کے بعد حدیث رسولؐ کا مرتبہ ہے۔ظاہر ہے کہ جس شخص نے آغاز بعثت سے آخری لمحہ وفات تک نبوت کی رفاقت میں گزارا ہو اور جس کی نگاہ میں نبوت کے صبح وشام کے جلوے رچے بسے ہوں، اس کا سینہ اعمال واقوال نبوت کا گنجینہ ہی تو ہوگا۔ اور اس بارے میں مشکل ہی سے آپ کا کوئی حریف ہوسکتا ہے۔ لیکن سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ بعض وجوہات کی بنا پر جس کا تذکرہ ہم نے گذشتہ صفحات میں بھی کیا ہے، روایت حدیث میں حد درجہ محتاط تھے، البتہ پھر بھی ان کی احادیث کی تعداد امام سیوطی رضی اللہ عنہ کے مطابق ۱۴۶ ہے۔ (تاریخ الخلفاء:۸۶)

اگرچہ آپ روایت حدیث میں بہت محتاط تھے لیکن جب ضرورت پڑتی تو وہ اسی وقت حدیث سے استدلال کرتے۔ چنانچہ سقیفہ بنی ساعدہ میں جب انصار ومہاجرین کے مابین خلافت کا جھگڑا خوفناک حد تک پہنچ گیا تو "الائمة من قریش" کی حدیث پیش کر کے حالات پر قابو پایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد اطہر کو دفن کرنے کی جگہ کا سوال پیدا ہوا تو آپ ہی نے حدیث رسولؐ کی روشنی میں اس عقدہ کو حل کیا اور فرمایا کہ میں نے جناب ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے "کہ انبیاء علیہم السلام کی جائے وفات ہی ان کا مدفن ہے۔" (موطا امام مالک:۸۰)

اسی طرح جب سیدنا علی رضی اللہ عنہ، سیدنا عباس رضی اللہ عنہ اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اجازت سے وراثت رسولؐ کا مسئلہ اٹھایا گیا تو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حدیث رسولؐ پیش کر کے اس کا جواب دیا جس سے ان حضرات کی تسلی ہوگئی۔ آپ نے فرمایا، کہ مولائے دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لانورث ماترکنا فهو صدقه ۔ (بخاری، رقم:۶۷۲۵۔۶۷۲۶)

"ہمارے مال میں وراثت جاری نہیں ہوتی اور ہم جو کچھ چھوڑ جاتے ہیں وہ وقف (صدقہ) ہوتا ہے۔"

غرض یہ کہ اپنی خلافت کے دوران اپنے ہر مسئلے کی بنیاد قرآن کے بعد حدیث رسولؐ پر رکھی۔ چنانچہ نصاب زکوٰۃ کا مفصل ہدایت نامہ جو انھوں نے عمال اور محصلین زکوٰۃ کے نام جاری کیا اس کی اساس بھی احادیث رسولؐ پر تھی۔

قیاس واجتہاد:

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بارے میں کتابوں میں مرقوم ہے کہ:

"جب ان کی عدالت میں کوئی مقدمہ پیش ہوتا تھا تو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سب سے پہلے قرآن حکیم کی طرف رجوع فرماتے، اگر قرآن حکیم میں اس بارے میں کوئی حکم ہوتا تو اس کے مطابق فیصلہ کرتے ورنہ سنت رسولؐ کی طرف رجوع فرماتے اور جب اس سے بھی مطلب پورا نہ ہوتا تو مسلمانوں سے سوال کرتے۔"
(سنن دارمی:۲/۳۶۵)

Marfat.com

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ ایک فقیہ الذھن شخصیت تھے اور قیاس واجتہاد میں رسا ذہن کے مالک تھے۔

جہاں ضرورت پڑتی آپ وہاں قیاس سے بھی کام لیتے۔ چنانچہ منکرین زکوٰۃ کے بارے میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی رائے آپ کے خلاف تھی، لیکن سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے زکوٰۃ کو نماز پر قیاس کیا، کیونکہ فرضیت اور اہمیت کے لحاظ سے دونوں میں کوئی فرق نہیں اور پھر جس طرح منکر صلوٰۃ مرتد ہے اسی طرح مانعین زکوٰۃ کو مرتد قرار دے کر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان سے قتال کو واجب قرار دیا۔ چنانچہ شاہ ولی اللہ نے ایسا ہی لکھا ہے۔ (ازالۃ الخفا:۲/۲۸)

تعبیر رؤیا:

تعبیر رؤیا بھی علوم نبوت میں سے ایک علم ہے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اس علم میں درجہ کمال حاصل تھا، چنانچہ امام محمد بن سیرین فرماتے ہیں:

کان ابوبکر اعبر ھذہ الامۃ بعد النبیؐ۔

''سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس امت میں تعبیر رؤیا میں سب سے بڑے عالم تھے۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کبھی کوئی اہم خواب دیکھتے تو ابوبکر رضی اللہ عنہ سے اس کا ذکر فرماتے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اس خواب کی جو تعبیر بیان کرتے، آپ اس کی تصدیق وتوثیق فرماتے تھے۔ چنانچہ ایک دفعہ آپ نے خواب میں دیکھا کہ چند سیاہ بھیڑوں میں بہت سی سفید بھیڑیں شامل ہوگئیں ہیں۔ آپ نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے اس کی تعبیر پوچھی۔ انھوں نے عرض کیا: ''یارسول اللہ! سیاہ بھیڑیں اہل عرب ہیں جو پہلے آپ پر ایمان لائیں گے پھر نہایت کثرت کے ساتھ اہل عجم جو سفید بھیڑوں کے رنگ میں ظاہر کیے گئے ہیں اسلام قبول کر کے اس میں شامل ہو جائیں گے۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''ابوبکر رضی اللہ عنہ! یہ صحیح ہے۔ فرشتہ آسمانی نے بھی یہ تعبیر کی تھی۔ (تاریخ الخلفاء:۱۰۴)

اسی طرح غزوۂ طائف کے موقع پر جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شہر کا محاصرہ کیے ہوئے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خواب دیکھا کہ ''آپ کو ایک بھرا ہوا پیالا ہدیۃً پیش کیا گیا، لیکن ایک مرغ نے اس میں ٹھونگ ماردی اور اس کی وجہ سے پیالے میں جو کچھ تھا وہ گر پڑا۔'' سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے تعبیر کی اور عرض کیا ''یارسولؐ اللہ! ہمیں اس موقع پر کامیابی نہیں ہوگی۔'' آپؐ نے ارشاد فرمایا: ''میرا بھی یہی خیال ہے۔'' (طبری:۲/۳۵۵)

اس بارے میں شاہ ولی اللہ نے متعدد واقعات نقل فرمائے ہیں۔ (ازالۃ الخلفاء:۲/۲۰)

علم الانساب:

یہ اس زمانے کا بڑا مایہ ناز علم تھا۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اس علم میں خاص کمال رکھتے تھے۔ چنانچہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

Marfat.com

كان ابوبكر مقدمافی كل خيروكان رجلا نسابة۔

''ابوبکر رضی اللہ عنہ ہر اچھے کام میں آگے تھے اور علم الانساب میں بڑے ماہر تھے۔'' (العقد الفرید:۳/۲۷۴)

سیدنا جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ جو خود علم الانساب میں بڑے ماہر تھے، فرمایا کرتے تھے کہ میں نے اس فن کو ابوبکر رضی اللہ عنہ سے سیکھا ہے جو علم الانساب کے اعتبار سے تمام عرب میں ممتاز تھے۔

(تاریخ الخلفاء:۴۳، ابن ہشام باب سیاقہ النسب من ولد اسماعیل)

چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شاعر سیدنا حسان رضی اللہ عنہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر باقاعدہ درس لیتے تھے۔ (الاستیعاب:۱/۱۲۸)

ایام العرب:

اس علم سے مراد عربوں کی خانہ جنگی کا علم ہے، آپ اس علم میں بھی کامل دسترس رکھتے تھے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا جو اپنے زمانہ میں اعلم بحديث العرب والنسب سمجھی جاتیں تھیں ان کا یہ علم بھی سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا فیضان تھا۔ چنانچہ عروہ نے ایک مرتبہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا تھا: ولا اعجب من علمك بالشعر وايام الناس اقول بنت ابی بكر و كان اعلم الناس۔ ''اور نہ مجھے علم شعر اور تاریخ پر تعجب ہوتا ہے کیونکہ آپ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیٹی ہیں جو ان علوم کے سب سے بڑے عالم تھے۔'' (مسند احمد:۶/۶۷)

شعر و شاعری عربوں کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اس میں بھی حظ وافر حاصل تھا۔ اسلام لانے سے پہلے شعر و شاعری کو ترک کر دیا تھا۔ چنانچہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

ان ابابكر ماقال بيت شعر فی الاسلام حتی مات۔

''ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اسلام لانے کے بعد اپنی وفات تک ایک شعر بھی نہیں کہا۔'' (الاستیعاب)

لیکن کبھی کبھی جذبات و خیالات خود بخود نظم موزوں کے قالب میں ڈھل جاتے۔ چنانچہ ایک مرتبہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو بچوں کے ساتھ کھیلتے ہوئے دیکھا۔ دیکھتے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد تازہ ہو گئی۔ بے اختیار انھیں گود میں اٹھا کر فرمایا:

وبابی شبه النبی ليس شبيها بعلی

''میرا باپ فدا ہو یہ نبیؐ سے مشابہ ہے، علی رضی اللہ عنہ سے مشابہ نہیں ہے۔'' (مسند احمد:۱/۸)

اسلام لانے کے بعد کبھی کبھی شعر پڑھنا ثابت ہے۔ چنانچہ اکثر یہ شعر پڑھا کرتے تھے ؎

واذا اردت شريف الناس كلهم فانظر الی ملك فی ذی مسكينة

''اگر تو لوگوں میں سب سے شریف انسان کو دیکھنا چاہے تو اس بادشاہ کو دیکھ جو فقر کے لباس میں ہو۔''

(کنز العمال برحاشیہ مسند احمد:۲/۱۴۳)

Marfat.com

تقریر وخطابت:

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو تقریر وخطابت میں بھی خداداد ملکہ حاصل تھا، کیونکہ یہ فن کسبی سے زیادہ وہبی ہے۔ تقریر وخطابت کی کامیابی کا سب سے بڑا معیار یہ ہے کہ خطیب اور مقرر کی زبان سے جو لفظ نکلے وہ سننے والوں کے دلوں میں گھر کرتا چلا جائے۔ وفات نبویؐ کے وقت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی کیا حالت تھی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ جیسے جری شخص کے ہوش وحواس بجا نہیں رہے تھے۔ زبان سے بے ربط باتیں نکل رہی تھیں، لیکن سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جونہی تقریر کی ہوش وحواس بجا ہوگئے، اور حزن وملال کے سارے بادل چھٹ گئے۔ اسی طرح سقیفہ بنی ساعدہ میں آپ نے جو فی البدیہہ تقریر فرمائی وہ اتنی موثر اور دلنشین تھی کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے بیان کے مطابق جو باتیں وہ سوچ کر آئے تھے، ابوبکر رضی اللہ عنہ نے وہ سب باتیں نہایت خوبی اور بلاغت سے کہہ دیں۔

آپ کی تقاریر اور آپ کے خطبات میں زور کلام، فصاحت وبلاغت اور حکیمانہ اسلوب بیان ہوتا تھا۔ جیسا کہ آپ کے خطبات سے ظاہر ہوتا ہے، لیکن ان تمام خوبیوں کے ساتھ آپ کی تقاریر رقت آمیز ہوتیں۔ چنانچہ ایک مرتبہ منبر پر تشریف لے گئے اور فرمایا کہ میں جس جگہ کھڑا ہوں، گذشتہ سال اس پر رسول اللہ ﷺ تشریف فرما تھے۔ بس اتنا کہنا تھا کہ زاروقطار رونے لگے۔ اسی طرح ایک روز تین مرتبہ تقاریر کا ارادہ کیا اور ہر مرتبہ ایک دو جملے کہہ کر گلوگرفتہ ہوگئے۔ (مسند احمد: ۱/۳۵۳)

Marfat.com

عادات واخلاق

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ فطری طور پر اعلیٰ اخلاق سے متصف تھے۔ چنانچہ اسلام لانے سے قبل بھی آپ نے نہ تو کبھی شراب پی تھی، نہ کسی جوئے کی مجلس میں شرکت کی اور نہ ہی کسی بت کے سامنے سر جھکایا تھا۔ ان گندگیوں سے آپ کو ایام جاہلیت میں بھی نفرت تھی اور تمام اخلاق حمیدہ جیسے مفلس و بے نوا کی خبر گیری بلکہ دست گیری، بے کسوں کی اعانت، قرابت داروں کا خیال، مہمان داری، مسافر نوازی وغیرہ مشرف باسلام ہونے سے قبل ہی آپ کے اندر بدرجہ اتم موجود تھی۔

تقویٰ وطہارت:

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی کتاب زندگی کا یہ اولین باب تھا۔ آپ کی فطرت سلیم کسی ایسی چیز کو برداشت ہی نہیں کرسکتی تھی جو معنوی نجاست اور گندگی سے ملوث ہو۔ ایک مرتبہ ایک صحابی آپ کو اپنے گھر لے جارہا تھا۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اس راہ سے نا آشنا تھے، لہٰذا پوچھا یہ کون سا راستہ ہے؟ اس شخص نے جواب دیا: ''اس راستے پر ایسے لوگ رہتے ہیں جن کے پاس سے گزرتے ہوئے ہمیں شرم آتی ہے۔'' سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''بہت خوب! گزرتے ہوئے شرم آتی ہے لیکن پھر اس راہ سے گزر رہے ہو، تم اس راہ سے جاؤ میں نہیں جاؤں گا۔''

(کنز العمال برمسند: ۴/۳۴۷)

بخاری میں ہے کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ایک غلام نے ایک مرتبہ کوئی کھانے کی چیز لاکر دی۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جب اس کو کھالیا تو غلام نے کہا: ''آپ جانتے ہیں وہ کیا شے تھی؟ پوچھا کیا تھی؟ اس نے کہا ''میں جاہلیت میں کہانت کا کام کرتا تھا، یہ شے اس کا معاوضہ تھی۔'' سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ سنا تو فوراً قے کردی اور پیٹ میں جو کچھ تھا وہ نکال باہر پھینکا۔ (بخاری: ۱/۵۴۳)

فرمایا کرتے تھے ''جو جسم اکل حرام سے پرورش پاتا ہے، اس کا بہترین مسکن جہنم ہے۔''

ایک دفعہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے حضرات کے ساتھ سفر کررہے تھے۔ راستے میں ایک جگہ پڑاؤ ہوا۔ سب حضرات مختلف لوگوں کے ہاں ٹھہر گئے، لیکن سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سیدنا ابوسعید الخذری رضی اللہ عنہ

Marfat.com

وغیرہ کے ساتھ ایک بدو کے گھر میں ٹھہرے۔ ان کے ساتھ ایک اور اعرابی تھا۔ میزبان کی بیوی حاملہ تھی۔ اس اعرابی نے میزبان کی بیوی سے شرط کرلی کہ اگر وہ ان سب کو بکری کھلائے گی تو اس کے ہاں لڑکا پیدا ہوگا۔ اس عورت نے یہ شرط منظور کرلی اور بکری ذبح کردی، جس پر اعرابی نے کچھ مسجع جملے پڑھ دیئے۔ بکری کا گوشت کھانے کے بعد جب سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو یہ پورا واقعہ معلوم ہوا تو فوراً قے کردی۔ (مسند احمد: ۳/۵۱)

ایک دفعہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے کوئی جھگڑا ہوگیا۔ تلخ کلامی کے دوران کوئی سخت جملہ زبان سے نکل گیا، لیکن پھر ندامت اور پشیمانی دامن گیر ہوئی۔ لہٰذا بولے ''مجھے معاف کردو۔'' سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے انکار کیا۔ اسی وقت دامن اٹھائے ہوئے آستانۂ رسالتؐ پر حاضر ہوئے اور پریشانی کی وجہ بیان کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ فرمایا ''ابوبکر رضی اللہ عنہ! اللہ تعالیٰ تمھاری خطا معاف فرمائے گا۔'' اب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو بھی انکار کی ندامت ہوئی۔ چنانچہ وہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو تلاش کرتے ہوئے دربار نبوت میں حاضر ہوئے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اندیشہ ہوا کہ کہیں حضور علیہ السلام سیدنا عمر رضی اللہ عنہ پر ناراض نہ ہوں، لہٰذا فوراً دوزانو ہوکر بیٹھ گئے اور عرض کیا ''یارسول اللہ! بخدا میں ہی ظالم تھا میں نے ہی زیادتی کی تھی۔'' اس طریقہ سے نبوت کے غیظ وغضب کی طغیانی فرو ہوگئی، تاہم ارشاد فرمایا:

''میں معبوث ہوا تو سب نے میری تکذیب کی، لیکن ابوبکر رضی اللہ عنہ نے میری تصدیق کی اور جان ومال سے میری غم خواری کی۔ کیا تم مجھ سے میرے ساتھی کو چھڑا دو گے۔'' (بخاری: ۱/۵۱۶)

اسی طرح کا ایک اور واقعہ ربیعہ بن کعب الاسلمی رضی اللہ عنہ کا ہے۔ ان سے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا زمین کے ایک ٹکڑے پر کچھ جھگڑا ہوگیا۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے غصہ میں کوئی سخت بات کہہ دی۔ بعد میں جب اس سخت بات کا احساس ہوا تو ربیعہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ تم بھی مجھ کو ایسی ہی سخت بات کہہ کر بدلہ لے لو، لیکن انھوں نے انکار کیا۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اگر تم مجھ سے بدلہ نہیں لوگے تو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تمھاری شکایت کردوں گا۔ ربیعہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں ایسا ہرگز نہیں کروں گا۔ مزید برآں انھوں نے زمین کے اس ٹکڑے ہی سے دست برداری کا اظہار کردیا لیکن سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نہ مانے۔ چنانچہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں شکایت کرنے کے لیے چل پڑے۔ آگے آگے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے اور پیچھے پیچھے سیدنا ربیعہ رضی اللہ عنہ۔ سیدنا ربیعہ رضی اللہ عنہ کے قبیلہ والوں نے جب یہ دیکھا تو سیدنا ربیعہ رضی اللہ عنہ کی حمایت کرتے ہوئے کہا، عجب بات ہے ایک تو ربیعہ رضی اللہ عنہ کو ناسزا بات کہہ دی اور دوسرے اب الٹا ان کی شکایت کرنے کے لیے دربار رسالتؐ میں جارہے ہیں۔ سیدنا ربیعہ رضی اللہ عنہ نے جب یہ سنا تو کہا کہ چپ رہو۔ انھوں نے پلٹ کر تم کو دیکھا تو غضب ناک ہوجائیں گے۔ ان کے غضبناک ہونے کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو غصہ آئے گا اور ان دونوں کے غصہ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ غضبناک ہوں گے۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ ربیعہ رضی اللہ عنہ تباہ وبرباد ہوجائے گا۔ چنانچہ یہ لوگ واپس چلے گئے۔ اتنے میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پہنچ گئے اور یہ سارا واقعہ سنایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ربیعہ رضی اللہ عنہ سے کہا تم نے اچھا کیا جو ابوبکر رضی اللہ عنہ کو وہی بات پلٹ کر نہیں کہی، جو انھوں نے تم سے کہی تھی۔ ہاں تم اب صرف اتنا کہہ دو ''ابوبکر رضی اللہ عنہ! اللہ تمھیں معاف کردے۔'' (مسند

Marfat.com

احمد:۴/۵۹، فتح الباری ۷/۱۸)

اس طرح کے کئی واقعات سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی کتاب زندگی میں ملتے ہیں، جن سے ان کے تقویٰ و طہارت اور اخلاقی پاکیزگی کا پتہ چلتا ہے۔

خوف خدا:

تقویٰ وطہارت کی اصل بنیاد خوف خدا ہے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی زندگی کی کتاب کا یہ باب بھی نہایت درخشاں ہے۔ آپ پر ہر وقت اللہ تعالیٰ کے خوف کا حد درجہ غلبہ رہتا تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ ایک چڑیا کو درخت پر بیٹھے دیکھا تو اس سے مخاطب ہو کر فرمایا:

''تو کتنی خوش نصیب ہے۔ کاش کہ میں تیرے جیسا ہوتا۔ تو درخت پر بیٹھتی ہے، پھل کھاتی ہے اور پھر اڑ جاتی ہے، تجھے کوئی حساب و کتاب نہیں دینا۔''

پھر فرمایا:

''کاش میں راستے کا ایک درخت ہوتا۔ اونٹ وہاں سے گزرتا، مجھ پر اپنا منہ مارتا، مجھے چباتا اور اس طرح میری تذلیل و تحقیر کرتا اور پھر ایک مینگنی کی شکل میں مجھ کو خارج کرتا۔ یہ سب کچھ ہوتا لیکن میں ایک انسان نہ ہوتا۔'' (منتخب کنز العمال:۴/۳۶۱)

زہد و ورع:

تقویٰ وطہارت اور خوف خدا کی وجہ سے دنیا کی بے ثباتی کا تصور پیدا ہوتا ہے اور اس سے انسان کے اندر زہد و ورع کی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ خلافت کے بارگراں کو بھی محض امت کو تشتت و افتراق سے محفوظ رکھنے کے لیے اٹھالیا تھا، وگرنہ قلب اس ذمہ داری کی تمنا سے یک قلم خالی تھا۔ اپنے خطبات میں کئی مرتبہ فرمایا کہ اگر کوئی شخص اس بار کو اٹھانے کے لیے تیار ہو جائے تو وہ نہایت خوشی سے اس کے بار سے سبکدوش ہو جائیں گے۔

(طبقات ابن سعد:۳/۱۵۰)

آپ اگرچہ دنیا میں رہتے تھے لیکن دل دنیا سے خالی تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ پینے کے لیے پانی مانگا۔ لوگوں نے پانی اور شہد دونوں ملا کر پیش کیا لیکن جیسے ہی پیالہ منہ کے قریب لے گئے تو بے اختیار زار و قطار رونے لگے۔ جب چپ ہوئے تو لوگوں نے رونے کی وجہ پوچھی۔ فرمایا، میں ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں تھا۔ دیکھا کہ آپ کسی چیز کو دور دور کہہ رہے ہیں۔ میں نے پوچھا یا رسول اللہ! آپ دور دور کس چیز کو کہہ رہے ہیں۔ میں تو کسی چیز کو نہیں دیکھ رہا تھا۔ فرمایا دنیا ظاہر ہو کر، مجسم فریب ہو کر میرے سامنے آئی تھی، میں نے اسے دور کر دیا۔ وہ پھر آئی اور کہا کہ آپ مجھ سے بچ کر نکل جائیں تو نکل جائیں، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آنے والے لوگ

Marfat.com

مجھ سے نہیں بچ سکتے۔ فرمایا اس وقت مجھ کو یہ بات یاد آ گئی اور خوف پیدا ہوا کہ کہیں اس کے دام تزویر میں نہ پھنس جاؤں۔ (اسد الغابہ: ۳/ ۲۱۷)

وفات کے وقت تک کل تنخواہ جو بیت المال سے لی تھی چھ ہزار درہم تھی لیکن اس کو قرض سمجھ کر وصیت کی کہ میری جائیداد فروخت کر کے اس کو ادا کر دیا جائے۔ یہ بھی وصیت کی کہ میرے مال میں جو شے فاضل نظر آئے وہ میرے جانشین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ابن الخطاب کو بھیج دی جائے۔ چنانچہ وفات کے بعد ایک غلام، ایک لونڈی اور دو اونٹنیاں عمر رضی اللہ عنہ بن الخطاب کے پاس بھیج دی گئیں۔ ان چیزوں کو دیکھ کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ رو پڑے اور فرمایا کہ ''ابوبکر رضی اللہ عنہ! اللہ تم پر رحم کرے، تم نے مرنے کے بعد بھی زہد کا دامن نہ چھوڑا اور کسی کو نکتہ چینی کا موقع نہ دیا۔''

(طبقات: ۳/ ۱۳۷)

ایک مرتبہ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ بن ولید نے فرمایا:

فرعن الشر يتبعك الشرف واحرص

على الموت توهب لك الحيٰوة

''زندگی سے بھاگ تو بڑائی تیرے پیچھے آئے گی اور موت کی تمنا کر تو تجھے زندگی بخشی جائے گی۔''

(العقد الفرید: ۳/ ۱۷۵)

تواضع:

مسند خلافت پر متمکن ہونے کے بعد بھی آپ تواضع اور سادگی کا ایک بے مثال و عدیم النظیر نمونہ تھے۔ ابن الدغنہ نے ان کے بارے میں جو کچھ کہا تھا وہ سادگی ہی کے اوصاف تھے۔ مدینہ طیبہ میں ایک نابینا عورت تھی جس کا کام کاج سیدنا عمر رضی اللہ عنہ آ کر کر جاتے تھے، لیکن کچھ دنوں کے بعد انھیں معلوم ہوا کہ ان کے آنے سے پہلے کوئی اور شخص اس عورت کا کام کر جاتا ہے۔ وہ حیران تھے کہ وہ کون شخص ہے۔ ایک روز وہ اس شخص کو معلوم کرنے کے لیے پہلے سے چھپے بیٹھے رہے۔ انھیں دیکھ کر سخت حیرانگی ہوئی کہ وہ شخص خلیفۂ رسولؐ اللہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے، جو اس عورت کا تمام گھریلو کام کر جاتے تھے۔ (ابن اثیر: ۳/ ۲۹۰، کنز العمال: ۶/ ۳۱۲)

خلیفہ ہونے سے قبل محلے کی لڑکیوں کی بکریوں کا دودھ دوہ دیتے تھے۔ جب خلیفہ ہوئے تو ایک لڑکی کے منہ سے نکلا کہ ہماری بکریوں کا دودھ کون دوہے گا؟ آپ نے فرمایا: ''خلافت مجھ کو خدمت خلق سے باز نہیں رکھ سکتی، میں اب بھی تمھاری بکریوں کا دودھ دوہوں گا۔'' (ابن اثیر: ۲/ ۲۹۱، طبقات ابن سعد تذکرہ ابوبکر: ۳/ ۱۳۷)

خلافت سے قبل کپڑے کی تجارت کرتے تھے۔ خلیفہ ہوئے تو کندھے پر کپڑوں کے تھان رکھ کر بازار جا رہے تھے کہ راستے میں سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ مل گئے۔ انھوں نے پوچھا:

''خلیفۂ رسولؐ! کہاں کا ارادہ ہے؟ فرمایا، بازار کا۔ انھوں نے فرمایا، کہ آپ مسلمانوں کے حاکم ہیں

Marfat.com

واپس چلیے ،ہم آپ کے لیے کچھ روزینہ مقرر کردیں گے۔'' (طبقات ابن سعد:۳/۱۳۷)

بخاری میں ہے کہ جب خلافت کی ذمہ داریوں کی وجہ سے آپ اپنا ذاتی کاروبار نہ کرسکے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا، کہ میرا پیشہ میرے اہل خانہ کا بار اٹھانے سے قاصر نہ تھا اور اب چونکہ میں مسلمانوں کے کام میں مصروف ہوگیا ہوں، لہٰذا میرا لقدر ضرورت وظیفہ مقرر کیا جائے۔ (بخاری: ابن اثیر:۲/۲۹۱)

لوگ جب خلیفۂ رسولؐ ہونے کی حیثیت سے تعظیم کے آداب بجالاتے تو نہایت شرمساری محسوس کرتے اور فرماتے ''تم لوگوں نے مجھے بہت چڑھا دیا ہے۔'' اور اگر کسی سے اپنے متعلق تعریفی کلمات سنتے تو دل میں کہتے ''اے اللہ! تو مجھے ایسا بنادے جیسا یہ لوگ میرے متعلق سوچتے ہیں۔ میرے گناہوں کو معاف فرما اور لوگوں کی بے جا تعریف پر میری پکڑ نہ کرنا۔'' (اسد الغابہ:۳/۲۱۷)

غرور اور تکبر کی علامات سے بھی خوفزدہ ہوجاتے۔ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جو شخص از راہ تکبر اپنا کپڑا گھسیٹتے ہوئے چلتا ہے اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس کی طرف نگاہ بھی نہ کرے گا۔'' سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی اس وقت موجود تھے، عرض کی ''یارسولؐ اللہ! میرا تہبند بھی کبھی کبھی لٹک جاتا ہے۔'' ارشاد فرمایا: ''تم تکبر سے ایسا نہیں کرتے۔'' (بخاری:۱/۵۱۷)

فقر و درویشی:

بیت المال سے جو وظیفہ مقرر کروایا یا مقرر کیا گیا اس سے بمشکل گزارہ ہوتا تھا۔ چنانچہ ایک روز ان کی اہلیہ کا جی چاہا کہ حلوہ کھایا جائے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے فرمائش کی تو انھوں نے کہا، کہ گنجائش نہیں ہے۔ اہلیہ نے کہا ''آپ روزمرہ کا جو خرچ مجھے دیتے ہیں، میں اس سے کچھ پس انداز کر کے حلوہ پکالوں گی۔ چنانچہ چند روز بعد اتنی رقم جمع ہوگئی جس سے حلوہ پک سکے۔ خلیفۂ رسولؐ کو جب علم ہوا کہ روزمرہ کا خرچ اتنے پیسے کم کر کے بھی پورا ہوسکتا ہے تو اہلیہ سے فرمایا، کہ اب آئندہ تم کو گھر کا خرچ اتنا کم دیا جائے گا اور جو رقم حلوے کے لیے پس انداز ہوئی تھی وہ بیت المال میں جمع کروادی۔ (ابن اثیر:۲/۲۱۹)

انفاق فی سبیل اللہ:

اللہ تعالیٰ کے راستے میں جس فراخ دلی کے ساتھ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مال خرچ کیا، اس کشادہ دلی کے ساتھ اور کوئی صحابی اسلام کی راہ میں مال خرچ نہیں کرسکا۔ قبول اسلام کے وقت ۴۰ ہزار درہم نقد موجود تھے، مدینہ پہنچتے پہنچتے صرف پانچ ہزار رہ گئے، وہ بھی سب اللہ کی راہ میں خرچ کردیئے۔ اسی فیاضی پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بارہا فرمایا:

مانفعنی مال احد قط مانفعنی مال ابی بکر۔

Marfat.com

''کسی کے مال نے مجھے اتنا فائدہ نہیں دیا جتنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مال نے دیا۔'' (کنز العمال: جلد۶/۳۱۲)

ایک دفعہ یہ بھی فرمایا:

انه ليس من الناس احد امن علی فی نفسه وماله من ابی بکر۔

''جان اور مال کے لحاظ سے ابوبکر رضی اللہ عنہ سے زیادہ مجھ پر کسی اور کا احسان نہیں۔'' (ایضاً)

مدینہ طیبہ آ کر سیدنا خارجہ رضی اللہ عنہ کی شراکت سے جو تجارت کی اس کی کل آمدنی غزوۂ تبوک میں جناب رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں لا کر ڈال دی اور عرض کیا، بال بچوں کے لیے صرف اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر آیا ہوں۔ اس ایثار اور قربانی پر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی آنکھیں کھل گئیں۔

یہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کا مال تھا جس سے بے شمار غلاموں اور لونڈیوں کو خرید کر آزاد کیا گیا اور مسجد نبوی کی زمین خریدی گئی، جس پر آج تک مسلمان نمازیں پڑھتے ہیں۔

فقراء اور مساکین کا بہت خیال رکھتے تھے، چنانچہ موسم سرما میں ان کو کپڑے تقسیم کرتے تھے۔

(ابن اثیر: ۲/۲۹۰)

وفات کے وقت بھی آپ نے انھیں فراموش نہ کیا، چنانچہ اپنے مال میں سے ان کے لیے ۱/۵ کی وصیت کی۔ (کنز العمال: ۶/۳۲۴)

شجاعت و بہادری:

بہادری اور شجاعت میں بھی آپ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے افضل تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے دوران خطبہ لوگوں سے پوچھا کہ ''لوگوں میں سب سے زیادہ بہادر کون تھا؟'' (من اشجع الناس) لوگوں نے کہا کہ تمام لوگوں میں سب سے بہادر آپ ہیں۔ آپ نے فرمایا نہیں بلکہ تمام لوگوں سے زیادہ شجاع اور بہادر ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے۔ فرمایا: ''غزوۂ بدر کے موقع پر ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ایک چبوترہ (عریش) بنایا تھا جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم قیام فرمائیں گے۔ پھر سوال پیدا ہوا کہ اس چبوترہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کی خدمت کون سرانجام دے گا۔ کوئی آگے نہ بڑھا سوائے ابوبکر رضی اللہ عنہ کے۔ آپ برہنہ شمشیر لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پہرہ دیتے رہے۔ جہاں کسی نابکار اور شیطان نے ادھر کا رخ کیا سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اس پر بھوکے باز کی طرح جھپٹ پڑے۔ اسی طرح مکہ مکرمہ میں ایک دفعہ قریش نے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے نرغے میں لے کر طرح طرح کی اذیتیں دینی شروع کیں تو اس وقت بھی تنہا ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی تھے جو اس ہجوم میں گھستے چلے گئے اور قریش کے لوگوں کو مارتے پیٹتے حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچے اور قریش سے کہا ''ظالمو! کیا تم اس ہستی کو قتل کرنا چاہتے ہو جو کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے۔'' اور اس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مشرکین کے نرغے سے نکال لائے۔ اتنا کہہ کر آنکھوں میں سے آنسوؤں کا سیلاب امڈ آیا جس سے ریش مبارک تر بتر ہو گئی۔ (منتخب کنز العمال برحاشیہ مسند احمد: ۴/۳۵۹)

Marfat.com

شجاعت کا نقطہ کمال یہ ہے کہ اس کے ساتھ حلم و بردباری بھی ہو۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا دامن اخلاق ان اوصاف سے بھی مالا مال تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو سب وشتم کیا۔ آپ بالکل خاموش رہے۔ اس نے پھر بدتمیزی کے جملے منہ سے نکالے۔ آپ پھر خاموش رہے۔ جب تیسری مرتبہ یہی حرکت کی تو آپ نے اس کی بدتمیزی کا جواب دے دیا۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا جواب سنتے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھ کھڑے ہوئے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو فکر دامن گیر ہوئی کہ آپ کہیں ناراض تو نہیں ہو گئے۔ لہٰذا عرض کیا ''یارسول اللہ! آپ کو مجھ پر غصہ تو نہیں آ گیا۔ آپ نے ارشاد فرمایا ''ابوبکر رضی اللہ عنہ! یہ شخص جو کچھ تمھیں کہہ رہا تھا، اللہ تعالیٰ کا ایک فرشتہ تیری طرف سے اس کو جواب دے رہا تھا اور اس کی تکذیب کر رہا تھا، لیکن جب تم نے اس سے بدلہ لے لیا تو شیطان درمیان میں آ دھمکا۔ پھر میرے لیے مناسب نہ تھا کہ جہاں شیطان ہو میں وہاں بیٹھا رہوں۔ (سنن ابی داؤد: ۴/۲۷۴، ریاض)

اسی طرح آپ کے عہد خلافت میں ایک شخص نے آپ کے منہ پر آپ کو برا بھلا کہا۔ اس پر ایک صحابی نے کہا کہ مجھے اس کی گردن اڑا دینے کی اجازت مرحمت فرمائیں۔ فرمایا ''بالکل نہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں گستاخی کرنے والے کے علاوہ اور کسی کی گردن اڑانا جائز نہیں۔''

Marfat.com

ذاتی حالات

لباس وغذا:

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی ذاتی زندگی نہایت سادہ تھی۔ کپڑے نہایت سادہ اور موٹے موٹے ہوتے تھے۔ غذا بھی سادہ ہوتی۔ خلافت کے بعد تو سادگی میں اور بھی اضافہ ہو گیا۔ چنانچہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ ''جب سے خلافت کا بارگراں میرے کندھوں پر پڑا، میں نے معمولی سے معمولی غذا اور سادہ سے سادہ کپڑوں پر قناعت کی۔ مسلمانوں کے مال سے میرے پاس ایک حبشی غلام، ایک اونٹ اور ایک پرانی چادر کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ میرے بعد یہ تمام اشیاء میرے جانشین عمر رضی اللہ عنہ بن خطاب کو واپس کر کے بری ہو جانا۔ (ابن سعد: ۳/۱۳۹)

بعض اوقات فاقہ کی نوبت بھی آ جاتی تھی۔ چنانچہ ایک مرتبہ جناب سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں اور سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو مسجد میں بھوک سے نڈھال دیکھا۔ ارشاد فرمایا: ''میں بھی تمھاری طرح سخت بھوکا ہوں۔'' چنانچہ سیدنا ابوالہیثم انصاری رضی اللہ عنہ کو علم ہوا تو انھوں نے تینوں کے کھانے کا انتظام فرمایا۔ (موطاء امام مالک: ۳۷۱)

ذریعۂ معاش:

جیسا کہ ذکر کیا جا چکا ہے کہ آپ کا ذریعہ معاش تجارت تھا۔ اسلام لانے کے بعد بھی تجارت ہی ذریعۂ معاش رہا اور سامان تجارت دور دراز کے ممالک تک بھی لے جایا کرتے تھے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے ایک سال قبل بھی تجارت کے لیے بصریٰ تشریف لے گئے تھے۔ (سنن ابن ماجہ، کتاب الادب باب المزاح)

فرمایا کرتے تھے ''میں قریش میں سب سے بڑا اور متمول تاجر تھا۔''

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر میں ایک جاگیر عطا فرمائی تھی۔ بحرین میں بھی ایک جاگیر تھی جو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو ہبہ کر دی گئی تھی، لیکن وفات کے بعد ان سے واپس لے لی تھی تا کہ دوسرے وارثان کی حق تلفی نہ ہو۔ اطراف مدینہ میں اموال بنوالنضیر میں سے بئر حجر تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں عنایت فرمایا تھا۔ آپ نے اس کی اصلاح کر کے

Marfat.com

اس میں کھجور کے درخت لگائے۔

مسند خلافت پر متمکن ہونے کے بعد چونکہ آپ کا ذاتی کاروبار بند ہو گیا تھا اور سارا وقت امور مملکت کے نپٹانے میں صرف کر دیتے تھے، لہٰذا پہلے وظیفہ دو ہزار درہم سالانہ مقرر ہوا لیکن سلطنت اسلامیہ کی مالی حالت فتوحات کی بنا پر جیسے جیسے بہتر ہوتی گئی، ویسے ویسے وظیفے میں اضافہ ہوتا گیا۔ علاوہ ازیں زیب تن کرنے کے لیے دو چادریں آپ کو دی جاتی تھیں۔ جب وہ پرانی ہو جاتیں تو ان کی جگہ اور دے دی جاتیں اور وہ پرانی واپس لے لی جاتیں۔

حلیہ:

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی زبانی آپ کا حلیہ کچھ یوں تھا:

''رنگ گورا چٹا، دبلے پتلے، دونوں رخسار سُتے ہوئے، کمر ذرا خمیدہ، تہبند کمر پر رک نہیں سکتا تھا بلکہ نیچے کھسک جاتا تھا، چہرہ ہڈیاں نکلا ہوا۔ آنکھیں اندر کی جانب دھنسی ہوئی۔ پیشانی بلند، انگلیوں کے جوڑ گوشت سے خالی، پنڈلیاں اور رانیں پتلی، قدموزوں بالوں میں مہندی کا خضاب لگاتے تھے۔''

ازواج واولاد:

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے چار شادیاں کیں۔ دو اسلام سے قبل اور دو اسلام لانے کے بعد۔ اسلام لانے سے قبل مندرجہ ذیل دو خواتین سے عقد کیا:

① قتیلہ بنت عبدالعزیٰ، اس کا اسلام لانا مشکوک ہے لیکن ان سے ایک لڑکا سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ اور ایک لڑکی سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا پیدا ہوئیں۔ اس کے اسلام لانے میں اختلاف ہے۔ (ابن سعد: ۳/۱۶۹، ۸/۲۴۹)

② ام رومان رضی اللہ عنہا، یہ اسلام لائیں اور انتقال کے وقت جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی نعش کو قبر میں اتارا تو ان کے لیے خصوصی دعائے مغفرت فرمائی اور فرمایا: ''اے اللہ! تو جانتا ہے کہ ام رومان رضی اللہ عنہا نے تیرے لیے اور تیرے پیغمبرؐ کے لیے کیا کیا مصیبتیں اٹھائی ہیں۔'' ان ام رومان رضی اللہ عنہا سے سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ اور ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ سلام اللہ علیہا پیدا ہوئیں۔ (الاصابہ: ۸/۳۹۱)

''اسلام لانے کے بعد جن خواتین سے شادی کی ان کے نام یہ ہیں:''

① سیدہ حبیبہ بنت خارجہ رضی اللہ عنہا ان سے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی سب سے چھوٹی صاحبزادی سیدہ ام کلثوم پیدا ہوئیں۔

② اسماء رضی اللہ عنہا بنت عمیس، یہ ام المومنین سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کی ماں شریک بہن تھیں۔ سیدنا جعفر طیار رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان سے نکاح کیا۔ سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا کو دو دفعہ ہجرت کا شرف حاصل

Marfat.com

ہوا۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی ان کی فضیلت کے قائل تھے۔ انھوں نے ہی وصیت کے مطابق سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو غسل دیا تھا۔ (سیر اعلام النبلاء:۲/۲۸۲)

ان سے آپ کا ایک لڑکا محمد بن ابی بکر پیدا ہوا۔ یہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا ربیب تھا کیونکہ سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے انتقال کے بعد سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے نکاح کرلیا تھا۔ ان کے بیٹے قاسم بن محمد، فقہائے سبعہ مدینہ میں شمار ہوتے ہیں۔

① عبدالرحمٰن بن ابی بکر: یہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کا سب سے بڑا بیٹا تھا۔ یوم حدیبیہ کے روز ایمان لایا۔

② عبداللہ بن ابی بکر: یہ غار ثور کے زمانہ میں سارا دن لوگوں کی باتیں سنتا رہتا اور رات کو اپنے والد اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سناتا۔ طائف کی جنگ میں اسے ایک کاری زخم آیا جس کی وجہ سے وہ خلافت صدیقی مدینہ منورہ میں فوت ہوگیا۔ (نسب قریش: ص ۲۷۵)

③ محمد بن ابی بکر: یہ اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا کے بطن سے تھا اور حجۃ الوداع کے سال پیدا ہوا اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی گود میں پرورش پائی۔ انھوں نے اس کو مصر کا گورنر بنایا ار پھر وہیں قتل ہوا۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلین کے ساتھ اس کا گٹھ جوڑ تھا۔

④ اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا: ان کا لقب ''ذات النطاقین'' تھا۔ یہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے دس سال بڑی تھیں۔ یہ سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ تھیں۔ انھوں نے زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کی معیت میں ہجرت فرمائی۔ یہ اس وقت حاملہ تھیں۔ چنانچہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ ان کے ہاں ہجرت کے بعد پیدا ہوئے اور یہ مہاجرین کے سب سے پہلے مولود تھے جو مدینہ میں ہجرت کے بعد پیدا ہوئے۔ سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا کی عمر قریباً سو سال ہوئی لیکن عقلی قویٰ تمام صحیح وسالم تھے اور نہ ہی ان کا اس عمر میں کوئی دانت گرا تھا۔ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ۵۶ احادیث سنی ہی یہ بہت سخی خاتون تھیں اور سنہ ۷۳ھ میں مکہ مکرمہ میں ان کا انتقال ہوا۔

⑤ سیدہ عائشہ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا: صدیقہ بنت صدیق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے ۱۶ سال کی عمر میں نکاح کیا اور ۱۹ سال کی عمر میں رخصتی ہوئی۔ چھ سال کی عمر میں نکاح کرنے کی روایت درست نہیں ہے۔ ان کا نکاح ماہ شوال میں ہوا اور وہ تمام عورتوں میں سب سے زیادہ عالم تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی کنیت ''ام عبداللہ'' رکھی تھی۔ زیادہ عالم تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ۲۲۱۰ احادیث روایت کی ہیں۔ آپ کی وفات سنہ ۵۷ھ میں ہوئی۔ آپ کی کوئی اولاد نہ تھی۔ (طبقات ابن سعد:۳/۵۸)

⑥ ام کلثوم بنت ابی بکر رضی اللہ عنہ: ان کی والدہ حبیبہ بنت خارجہ تھیں۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنی بیٹی سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے وفات کے وقت فرمایا تھا کہ میرے بعد خارجہ کے بطن سے لڑکی پیدا ہوگی۔ چنانچہ یہ باپ کی وفات کے بعد پیدا ہوئی، اور سیدنا طلحہ بن عبیداللہ کے ساتھ ان کی شادی ہوئی جو جنگ جمل میں شہید ہوگئے۔

(طبقات ابن سعد:۳/۱۹۵، نسب قریش: ص ۲۷۸، الاصابہ:۸/۴۶۶، تاریخ الدعوۃ فی عہد الخلفاء الراشدین: ص ۳۵)

Marfat.com

یہ تھا سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا خاندان جس کو اللہ تعالیٰ نے اسلام سے عزت وعظمت عطا فرمائی۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ اس بارے میں تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر ایک فضیلت رکھتے ہیں۔ علماء فرماتے ہیں کہ کسی صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی چار نسلیں دولت اسلام سے بہرہ ور نہیں ہوئیں سوائے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے۔ چنانچہ عبداللہ بن زبیر جو اسماء بنت ابوبکر بن ابی قحافہ رضی اللہ عنہ کے صاحب زادے تھے، یہ چاروں صحابی رسول تھے۔ دوسری طرف محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی بکر بن ابی قحافہ رضی اللہ عنہ۔ یہ بھی چاروں صحابی رسول تھے۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو ابوبکر الصدیق، محمد رشید رضا: ص ۷، ابوبکر الصدیق لمحمد مال اللہ: ۱/۲۸۰)

اوّلیات:

علامہ سیوطی اور دوسرے مورخین نے اولیات ابوبکر رضی اللہ عنہ، یعنی سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے وہ کارنامے جن میں آپ نے سب سے پہلے سبقت کی، ذکر کیے ہیں۔ ہم بھی ان میں سے کچھ کا ذکر کر رہے ہیں:

① سب سے پہلے اسلام آپ نے قبول کیا۔
② قرآن حکیم کو سب سے پہلے آپ نے جمع کیا۔
③ قرآن حکیم کا نام سب سے پہلے آپ نے مصحف رکھا۔
④ سب سے پہلا شخص جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت میں کفار سے جنگ لڑی اور شدید زخمی ہوئے۔
⑤ اسلام میں سب سے پہلے آپ نے مسجد بنائی جو آپ کے گھر کے صحن میں تھی۔
⑥ سب سے پہلے امیر حج ہونے کا شرف بھی آپ کو حاصل ہوا۔
⑦ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے سب سے پہلے نماز کی امامت کا شرف آپ کو حاصل ہوا۔
⑧ سب سے پہلے خلیفہ کے لقب سے آپ پکارے گئے۔
⑨ سب سے پہلے خلیفہ جو باپ کی زندگی میں خلافت سے سرفراز ہوئے۔
⑩ سب سے پہلے آپ نے بیت المال قائم کیا۔
⑪ سب سے پہلے آپ نے اجتہاد اور استنباط احکام کے اصول اربعہ مقرر فرمائے۔
⑫ اسلام میں سب سے پہلے رعایا نے خلیفہ ہونے کی حیثیت سے آپ کا وظیفہ مقرر کیا۔
⑬ دوزخ سے نجات کی خوشخبری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ ہی کو دی۔
⑭ اسلام میں سب سے پہلا لقب عتیق آپ ہی کو بارگاہ رسالتؐ سے عطا ہوا۔

Marfat.com

خلافت سیدنا عمر بن الخطاب، فاروق اعظم رضی اللہ عنہ

نام ونسب:

نام عمر، کنیت ابوحفص، لقب فاروق، (صحیح التوثیق فی سیرۃ وحیاۃ الفاروق: ص ۱۵) والد کا نام خطاب، والدہ کا نام حنتمہ۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا تعلق قریش کی شاخ بنوعدی سے تھا۔ پورا سلسلہ نسب والد کی طرف سے یہ ہے۔ عمر رضی اللہ عنہ ابن الخطاب بن نفیل بن عبدالعزی بن رباح بن عبداللہ بن قرط بن ازاح بن عدی بن کعب بن لوی (طبقات ابن سعد: ۳/ ۲۶۵) بن فہر بن مالک (الاصابہ: ۲/ ۵۱۸، ابن سعد: ۳/ ۲۶۵) عدی کے دوسرے بھائی مرہ تھے، جو سرکار دوعالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اجداد میں سے تھے۔ اس لحاظ سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا سلسلہ نسب آٹھویں پشت میں سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم سے جا کر ملتا ہے۔

والدہ کی طرف سے سلسلۂ نسب یہ ہے: حنتمہ بنت ہاشم بن المغیرہ بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم۔ آپ کی والدہ کے دادا مغیرہ وہ آدمی تھے کہ جب قبیلہ قریش نبرد آزما ہونے کے لیے جاتا تو فوج کا انتظام انھی کے ذمے ہوتا۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا خاندان بنوعدی زمانۂ جاہلیت ہی سے نہایت ممتاز اور اعلیٰ سمجھا جاتا تھا اور اس خاندان میں قریش کا عہدہ سفارت تھا۔ آپ کے اجداد اعلیٰ عدی بن کعب عربوں کے باہمی تنازعات میں ثالث مقرر ہوا کرتے تھے اور قریش کو اگر کسی قبیلے کے ساتھ کوئی ملکی معاملہ پیش آتا تو وہ سفیر بن کر جایا کرتے تھے۔ یہ دونوں منصب آپ کے خاندان میں نسلاً بعد نسلٍ چلے آ رہے تھے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ عام الفیل سے ۱۳ سال بعد مکہ میں پیدا ہوئے (تاریخ الخلفاء: ص ۱۳۳)۔ آپ کی پیدائش پر غیر معمولی خوشی منائی گئی۔ والدہ نے عمر (رضی اللہ عنہ) نام رکھا۔ بچپن اور لڑکپن کے حالات پردۂ اخفا میں ہیں۔ عالم شباب میں شرفائے عرب کے تمام مشغلوں میں سے گزرے۔ علم انساب، سپہ گری، خطابت، پہلوانی اور دیگر علوم وفنون میں مہارت تامہ حاصل کی۔ شہسواری آپ کا محبوب مشغلہ تھا اور اس میں کمال حاصل کیا۔ لکھنا پڑھنا بھی سیکھا۔ چنانچہ ایام جاہلیت میں جو چند بزرگ پڑھنا لکھنا جانتے تھے، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بھی ان میں سے ایک تھے۔

Marfat.com

ذریعۂ معاش تجارت تھا۔ چنانچہ اسی سلسلے میں دور دراز ممالک کا سفر بھی کیا اور سفر کے تجربات اور فوائد سے بہرۂ وافر حاصل کیا۔ چونکہ خاندانی اعتبار سے عہدہ سفارت آپ کے پاس تھا، اس وجہ سے اگر قبائل عرب کے تعلقات میں کوئی پیچیدگی یا کوئی تنازع پیدا ہو جاتا تو ان کے مابین سفارت کے فرائض آپ ہی انجام دیتے اور اپنی غیر معمولی معاملہ فہمی اور تجربہ کاری سے پیچیدگی کے اس عقدہ کو حل فرماتے۔ شروع ہی سے بلند حوصلہ، معاملہ فہم، خوددار اور غیر معمولی ذہین تھے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اپنی عمر کی ستائیس منزلیں طے کر چکے تھے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کی گھاٹیوں سے اسلام کی آواز بلند کی، لیکن جس طرح اور لوگوں کے لیے یہ آواز نامانوس تھی، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بھی اس آواز کو اپنے لیے نہایت نامانوس اور اجنبی سمجھتے تھے۔ دین جاہلیت یعنی شرک چونکہ رگ و پے میں سرایت کیے ہوئے تھا، لہٰذا توحید کی آواز سن کر سخت برہم ہوئے۔ یہاں تک کہ اسلام کی آواز پر لبیک کہنے والے لوگ بھی اچھے نہ لگتے تھے، لہٰذا ان کے دشمن بن جاتے۔ بعض ایسے لوگوں پر آپ کا سختی کرنا اور ان کو شدید زدوکوب کرنا بھی روایات سے ثابت ہوتا ہے، لیکن عمر رضی اللہ عنہ کا ذہن اس بات پر سخت اظہار تعجب کرتا جب وہ دیکھتے کہ جس شخص کو بھی اسلام کا نشہ چڑھ گیا، وہ کسی بھی سختی کی ترشی سے نہ اترتا۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو الادارۃ الاسلامیہ فی عھد عمر بن الخطاب، فاروق مجددلاوی: ص ۹۰، ابن عساکر: ۵۲/ ۲۶۸، ابن سعد: ۳/ ۲۶۶، الفاروق مع النبی: ص ۶، التاریخ الاسلامی، علی حسن ابراہیم: ص ۲۲، عمر بن خطاب: ص ۱۵۳ وغیرھم)

اسلام سیدنا عمر رضی اللہ عنہ:

اہل کفر میں سے دو شخص ایسے تھے جو نہایت جری، بہادر اور اسلام دشمنی میں نہایت سرگرم تھے۔ ان دونوں کی یہ خصوصیات کفر کے لیے استعمال ہو رہی تھیں، جو اسلام کی دعوت کے پھیلاؤ میں ایک بہت بڑی رکاوٹ کا سبب بن رہی تھیں۔ داعی اسلام نے ایک روز دعا فرمائی: اللھم اعز الاسلام باحد الرجلین اما ابن ھشام واما عمر ابن الخطاب یعنی اے اللہ! اسلام کو دو شخصوں میں سے ایک کے ساتھ عزت اور سرفرازی عطا فرما، یا تو ابن ہشام (ابوجہل) سے یا عمر بن الخطاب سے۔ (ترمذی) حاکم نے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو عمروں میں سے ایک عمر کے مسلمان ہونے کی دعا نہیں مانگی تھی بلکہ صرف عمر رضی اللہ عنہ بن الخطاب کے حلقہ بگوش اسلام ہونے کی دعا فرمائی تھی۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔ اللھم اعز الاسلام بعمر ابن الخطاب خاصة اے اللہ خاص طور پر عمر بن الخطاب کو دائرہ اسلام میں داخل کر کے اسلام کو عزت دے۔ (تاریخ الخلفاء: ۱۰۹)

امام سیوطی فرماتے ہیں کہ اس روایت کو طبرانی نے الاوسط میں اور الکبیر دونوں میں نقل کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل کی اتھاہ گہرائیوں سے نکلی ہوئی اس دعا کو قبول فرمایا اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ جیسے دشمن اسلام کو

Marfat.com

جان نثار اسلام بنا دیا۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اپنے اسلام لانے کا سبب خود بیان فرماتے ہیں کہ بعثت نبویؐ سے کچھ عرصہ بعد وہ ایک صنم کدہ میں لیٹے ہوئے تھے کہ ایک شخص ایک بچھڑا لے کر آیا اور اسے ذبح کیا اور اس کے ذبح ہوتے ہی ایک چیخنے والی کی..... آواز آئی: ''اے جلیح! ایک فصیح البیان شخص یہ کہتا ہے لا الـــه الا اللـــه۔ یہ آواز سن کر لوگ بھاگ کھڑے ہوئے، لیکن میں وہیں کھڑا رہا تا کہ دیکھوں کہ اس کے بعد کیا ہوتا ہے، لیکن پھر وہی آواز آئی۔ اس واقعہ کے تھوڑے عرصہ بعد یہ مشہور ہوا کہ محمد ﷺ نبی ہیں۔ (بخاری: ۱/۵۴۶)

اس غائبانہ آواز نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے قلب و دماغ پر کیا اثر چھوڑا؟ اگرچہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو خود تو بیان نہیں فرمایا، لیکن الفاظ کے نشیب و فراز بتا رہے ہیں کہ اسلام کے اثرات قلب عمر رضی اللہ عنہ میں جاگزین ہو چکے تھے۔ چنانچہ اب ان کا رویہ اہل اسلام کے باب میں پہلے سے مختلف ہو گیا۔ سختی کی بجائے اب نرمی آ گئی۔ چنانچہ آپ کے اپنے قبیلہ کی ایک عورت لیلیٰ بنت ابی حثمہ سابقون الاولون میں سے ہیں، فرماتی ہیں کہ ''مکہ میں ہم پر ظلم ڈھانے والے کافروں میں عمر رضی اللہ عنہ بن خطاب سب سے زیادہ شدید تھے۔ جب ہم نے ہجرت حبشہ کا فیصلہ کیا تو عمر رضی اللہ عنہ میرے پاس سے گزرے۔ میں سامان سفر باندھ رہی تھی۔ میرے خاوند عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ کسی کام سے باہر نکلے ہوئے تھے اور میرا شیر خوار بیٹا عبداللہ کھیل رہا تھا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ کدھر کا ارادہ ہے، عبداللہ کی ماں؟ میں نے جواب دیا ''تم لوگوں نے خدا کے دین کی پاداش میں ہم پر مکہ کی زمین تنگ کر دی ہے، لیکن اللہ کی زمین بڑی وسیع ہے۔ ہم گھر بار چھوڑ کر جا رہے ہیں۔'' فرماتی ہیں: ''میری بات سن کر عمر رضی اللہ عنہ نے ٹھنڈی آہ بھری اور صرف اتنا کہا ''صـحبـكـم اللـه'' (اللہ تمھارا ساتھی اور حامی ہو) پھر وہ چلے گئے۔ جب میرے خاوند عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ آئے تو میں نے انھیں یہ واقعہ سنایا، وہ فرمانے لگے: ''امید رکھو کہ عمر اسلام میں داخل ہو جائے گا۔''

اس روایت سے پتہ چلتا ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے رویہ اور مزاج میں مسلمانوں کے بارے میں کافی تبدیلی آ چکی تھی۔ اب مسلمانوں سے دشمنی، محبت میں تبدیل ہو چکی تھی اور اب انھیں اذیتیں دینے کی بجائے ان کے لیے دعائیں کی جا رہی تھیں اور دعائیں بھی کسی بت کے نام پر نہیں بلکہ اللہ کے نام پر (صحبکم اللہ) شاید ابھی تک داعیٔ اسلام سے واسطہ نہیں پڑا تھا اور ان کی دعوت توحید کی آواز کان میں نہیں پڑی تھی۔ خود فرماتے ہیں:

''ایک رات میں پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام سے آمنا سامنا کرنے کے لیے گھر سے نکلا۔ آپ بڑھ کر مسجد میں داخل ہو گئے۔ میں آپؐ کے پیچھے کھڑا ہو گیا۔ آپؐ نے نماز شروع کر دی۔ جس میں سورہ الحاقہ کی تلاوت شروع کر دی، میں کھڑا سنتا رہا یہاں تک کہ قرآن حکیم کے نظم و اسلوب نے مجھے حیرت میں ڈال دیا۔ میں نے اپنے دل میں کہا ''بخدا! جیسا کہ قریش کہتے ہیں یہ شخص واقعی شاعر ہے۔'' میں دل میں یہ کہہ رہا تھا کہ آپ ﷺ نے یہ آیت پڑھی:

﴿اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ○ وَّمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ قَلِيْلًا مَّا تُؤْمِنُوْنَ﴾

(الحاقۃ ۶۹: ۴۰، ۴۱)

Marfat.com

''یہ ایک بزرگ رسول کا کلام ہے اور یہ کسی شاعر کا کلام نہیں، تم بہت کم ایمان رکھتے ہو۔''
میں نے کہا یہ تو کاہن ہے تبھی تو یہ میرے دل کی بات جان گیا ہے، لیکن اس کے بعد ہی آپ ﷺ نے یہ آیت پڑھی:

﴿وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ○ تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾
(الحاقۃ ۶۹:۴۲،۴۳)

''یہ کسی کاہن کا کلام بھی نہیں تم بہت کم نصیحت پکڑتے ہو یہ تو جہانوں کے پروردگار کی طرف سے اترا ہے۔''

جب یہ سورت آپ ﷺ نے ختم کی تو (فوقع فی قلبی الاسلام کل موقع) اسلام میرے دل میں پوری طرح گھر کر گیا۔ (مسند احمد: ۱/۱۷، تاریخ الخلفاء: ۱۰۹)

(تلخیص) یہ ہے اسلام لانے کا اصل واقعہ، جس کو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی زبان سے بیان کیا ہے اور بخاری اور مسند احمد جیسی معتبر کتابوں کی روایات میں بتایا گیا ہے، لیکن اس کے برعکس جو واقعہ کذاب راویوں نے بیان کیا ہے ان کو اتنی شہرت دی گئی کہ بخاری اور مسند احمد کی روایات نیچے دب کر رہ گئیں۔ وہ واقعہ کچھ یوں بیان کیا جاتا ہے کہ ''جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنی انتہائی سختیوں کے باوجود ایک شخص کو بھی اسلام سے بددل نہ کر سکے تو آخر کار مجبور ہو کر (نعوذ باللہ) خود آنحضرت ﷺ کے قتل کا ارادہ کیا اور تلوار کمر سے لگا کر سیدھے رسول اللہ ﷺ کی طرف چلے۔ راہ میں اتفاقاً نعیم رضی اللہ عنہ بن عبداللہ مل گئے۔ ان کے تیور دیکھ کر پوچھا: ''خیر تو ہے۔ کہا ''محمد (ﷺ) کا فیصلہ کرنے جا رہا ہوں۔'' انھوں نے کہا ''پہلے اپنے گھر کی تو خبر لو، خود تمھاری بہن اور بہنوئی اسلام لا چکے ہیں۔'' فوراً پلٹے اور بہن کے یہاں پہنچے۔ وہ قرآن پڑھ رہی تھیں۔ ان کی آہٹ پا کر چپ ہو گئیں اور قرآن کے اجزاء چھپا لیے، لیکن آواز ان کے کانوں میں پڑ چکی تھی۔ بہن سے پوچھا یہ کیسی آواز ہے؟ وہ بولیں کچھ نہیں۔ انھوں نے کہا میں سن چکا ہوں تم دونوں مرتد ہو گئے ہو۔ یہ کہہ کر بہنوئی سے دست و گریبان ہو گئے اور جب ان کی بہن بچانے کو آئیں تو ان کی بھی خبر لی یہاں تک کہ ان کا جسم لہولہان ہو گیا، لیکن اسلام کی محبت کے باعث ان پر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی ان سختیوں کا کچھ اثر نہ ہوا۔ ''بولیں کہ عمر رضی اللہ عنہ! جو بن آئے کرو لیکن اسلام اب دل سے نہیں نکل سکتا۔''

ان الفاظ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دل پر خاص اثر کیا۔ بہن کی طرف محبت کی نگاہ سے دیکھا۔ ان کے جسم سے خون جاری تھا۔ اسے دیکھ کر اور بھی رقت ہوئی۔ فرمایا تم لوگ جو پڑھ رہے تھے مجھ کو بھی سناؤ۔ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے قرآن کے اجزاء سامنے لا کر رکھ دیئے، اٹھا کر دیکھا تو یہ سورہ تھی ﴿سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾ (الحدید ۵۷:۱) زمین اور آسمان میں جو کچھ ہے سب اس کے تسبیح پڑھتے ہیں وہ غالب اور حکمت والا ہے۔ ایک ایک لفظ پر ان کا دل مرعوب ہوتا جاتا تھا یہاں تک کہ جب اس آیت پر پہنچے ﴿آمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ﴾ (الحدید ۵۷:۷) خدا اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ۔ تو بے اختیار پکار اٹھے کہ: اشهد ان لا

Marfat.com

اله الا الله واشهد ان محمدا رسول الله۔

یہ وہ زمانہ تھا جب رسول اللہ ﷺ ارقم کے مکان پر جو کوہ صفا کے نیچے واقع تھا، پناہ گزین تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آستانہ مبارک پر پہنچ کر دستک دی۔ چونکہ شمشیر بکف تھے، صحابہ رضی اللہ عنہم کو تردد ہوا، لیکن حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے کہا آنے دو۔ مخلصانہ آیا ہے تو بہتر ہے، ورنہ اسی کی تلوار سے اس کا سر قلم کردوں گا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اندر قدم رکھا تو رسول اللہ ﷺ خود آگے بڑھے اور ان کا دامن پکڑ کر فرمایا ''کیوں عمر رضی اللہ عنہ کس ارادہ سے آئے ہو؟ نبوت کی پرجلال آواز نے ان کو کپکپا دیا۔ نہایت خضوع کے ساتھ عرض کی ''ایمان لانے کے لیے۔'' آنحضور ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے بے ساختہ ''اللہ اکبر'' کا نعرہ اس زور سے مارا کہ مکہ کی تمام پہاڑیاں گونج اٹھیں۔

(سیرۃ النبیؐ:۱/۲۲۴۔۲۲۶)

یہ سارا قصہ ہم نے سیرۃ النبیؐ سے نقل کیا ہے اور شبلی جیسے محقق نے اس کو الفاروق میں نقل کیا ہے، لیکن شبلی نے اس واقعہ کی اسناد اور درایت کی طرف کوئی توجہ نہیں دی۔ اردو میں کتابیں لکھنے والے دوسرے مورخین اور سیرت نگاروں نے بھی اس واقعہ کو بڑے شد و مد سے لکھا ہے۔ اس واقعہ کے بارے میں شبلی نے لکھا ہے کہ اس واقعہ کو انساب الاشراف بلاذری، طبقات ابن سعد، اسد الغابہ، ابن عساکر اور کامل ابن اثیر میں نقل کیا گیا ہے۔

پیشتر اس کے کہ ہم اس واقعہ پر کوئی بحث کریں، علامہ شبلی کے جانشین علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس واقعہ کے متعلق جو وضاحت کی ہے اس کو ملاحظہ فرمائیں۔ سید صاحب فرماتے ہیں:

''دار قطنی نے اس روایت کو مختصراً لکھ کر کہا ہے کہ اس کا ایک راوی قاسم بن عثمان بصری قوی نہیں۔ (باب طهارة للقرآن) ذہبی نے مستدرک حاکم: ۴/۵۱۹ کے استدراک میں لکھا ہے کہ یہ روایت واہی اور منقطع ہے اور میزان الاعتدال میں قاسم بن عثمان کے حال میں، جو اس روایت کا ایک راوی ہے، لکھا ہے اس نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام کا قصہ بیان کیا ہے: وهی منكرة جدا اور وہ نہایت منکر ہے۔ کنز العمال (فضائل عمر بن الخطاب) میں بھی اس روایت کی کمزوری ظاہر کی گئی ہے۔ ان روایتوں کے مشترک راوی اسحاق بن یوسف، قاسم بن عثمان، اسحاق بن ابراہیم الحنینی اور اسامہ بن زید بن اسلم ہیں اور یہ سب پایۂ اعتبار سے ساقط ہیں۔

(سیرۃ النبیؐ: ۳/۳۳۵)

اس قصہ میں سورہ حدید کی تلاوت کا ذکر ہے لیکن ایک دوسری روایت میں سورہ طہٰ کی ابتدائی آیات کا ذکر ہے اور بقیہ کہانی وہی ہے۔ یہ روایات طبقات ابن سعد، مسند ابی یعلی، سنن دار قطنی، مستدرک حاکم، بیہقی، طبرانی، بزار اور ابو نعیم وغیرہ میں موجود ہیں۔ ان سب کی روایات میں جو راوی ہیں ان کے بارے میں علمائے جرح و تعدیل نے جو جرح کی ہے وہ حسب ذیل ہے:

① قاسم بن عثمان: اس نے سیدنا انس رضی اللہ عنہ بن مالک سے اس قصہ کو روایت کیا ہے۔ امام بخاری اس قاسم کے بارے میں فرماتے ہیں یہ ایسی روایات بیان کرتا ہے جس کا کوئی شاہد نہیں ہوتا۔ امام ذہبی فرماتے

Marfat.com

ہیں کہ یہ قصہ نہایت ردی اور منقطع ہے (تلخیص مستدرک) میزان میں فرماتے ہیں کہ اس نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام کا قصہ نقل کیا ہے جو انتہائی منکر ہے۔ (میزان الاعتدال: ۳/۳۷۵)

حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ اس نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام کا قصہ نقل کیا ہے، جو انتہائی منکر ہے۔ امام دارقطنی فرماتے ہیں، یہ قوی نہیں ہے۔ (لسان المیزان: ۴/۴۶۳)

ایسی ہی رائے دوسرے دو راویوں اسحاق بن ابراہیم اور اسامہ بن زید بن اسلم کے بارے میں ہے۔ (ملاحظہ ہو "میزان الاعتدال" (۱/۱۷۹، ۱۷۴)

گویا کہ اس واقعہ کے سارے راوی نا قابل اعتماد اور غیر ثقہ ہیں۔ درایت کے لحاظ سے بھی یہ قصہ بالکل غلط ہے اور صرف سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو خونی، ظالم اور یہاں تک کہ وہ رسول ؐ کو قتل کرنے کا ارادہ بھی رکھتا تھا، ثابت کرنے کے لیے بنایا گیا ہے اس کے غلط ہونے کے شواہد حسب ذیل ہیں:

① اس روایت کے الفاظ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اپنی بہن فاطمہ رضی اللہ عنہا اور اپنے بہنوئی سیدنا سعید رضی اللہ عنہ بن زید کے اسلام لانے سے نا آشنا تھے اور آپ کو نعیم رضی اللہ عنہ بن عبداللہ کی زبانی پتہ چلا کہ وہ دونوں مسلمان ہو چکے ہیں۔ حالانکہ یہ بات روایاتِ صحیحہ کے خلاف ہے۔ چنانچہ بخاری میں سیدنا سعید رضی اللہ عنہ بن زید کی اپنی زبان سے یہ بات منقول ہے: واللہ لقد رایتنی وان عمر لموثقی علی الاسلام قبل ان یسلم عمر (بخاری: ۱/۵۴۵) اللہ کی قسم میں نے اپنے کو اس حال میں دیکھا کہ عمر رضی اللہ عنہ اپنے اسلام لانے سے قبل مجھے باندھ کر ڈال دیا کرتے تھے۔

اس روایت صحیحہ سے غیر مبہم طور پر عیاں ہے کہ وہ اپنے بہنوئی کو اس کے اسلام لانے کے بعد باندھ کر زمین پر ڈال دیا کرتے تھے تا کہ وہ کہیں اور نہ جا سکیں اور کسی دوسرے قریشی تک اپنے ایمان کے جراثیم منتقل نہ کر سکیں۔ اس لیے وہ انھیں باندھ کر گھر میں بٹھائے رکھتے۔

② اس وقت میں رسول اللہ ﷺ کی خود بھی تاکید تھی کہ اہل ایمان اپنے ایمان کو مخفی رکھیں۔ چنانچہ جب سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ حلقہ بگوش اسلام ہوئے تو آپ ﷺ نے ان کو بھی تاکید فرمائی تھی اور نبی اکرم ﷺ خود بھی چھپ کر دار ارقم میں رب واحد کی عبادت کرتے۔ جب حالات یہ تھے تو نعیم رضی اللہ عنہ بن عبداللہ نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اور سیدنا سعید رضی اللہ عنہ بن زید کے ایمان لانے کے راز کو کیوں فاش کر دیا؟ یہ تو انھوں نے ان دونوں سے معاذ اللہ اپنی کسی دشمنی کا بدلہ لیا ہوگا۔ یہ بات خلاف عقل ہے۔

③ اس واقعہ میں سورہ الحدید کی ابتدائی آیات کی تلاوت کا ذکر ہے۔ یہ سورہ مدینہ طیبہ میں فتح مکہ کے بعد نازل ہوئی جب کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کا واقعہ سن ۶ نبوی ؐ کا ہے۔ گویا کہ یہ آیات ۱۵ سال بعد نازل ہوئیں لیکن کذاب اور سبائی راویوں نے ۱۵ سال قبل سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے منہ سے ان کی تلاوت کروادی۔

Marfat.com

④ سیدنا سعید رضی اللہ عنہ بن زید کے والد زید جو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے حقیقی چچا تھے، بعثت نبویؐ سے قبل بھی بت پرستی کے سخت مخالف تھے اور توحید کے پرچارک تھے زید کو ان کے اس نعرۂ توحید پر قریش مکہ نے تکالیف بھی دیں۔ انہی زید کے فرزند ارجمند سیدنا سعید رضی اللہ عنہ اعلان نبوت کے چند روز بعد ہی حلقہ بگوش اسلام ہو گئے تھے۔ اتنی جلدی مشرف باسلام ہونے میں ان کی گھریلو زندگی کے بھی اثرات تھے۔ لہٰذا یہ کہنا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو اپنی بہن اور بہنوئی کے اسلام لانے کا علم نہیں تھا، بعید از عقل اور واقعات کے صریحاً خلاف ہے۔

ان شواہد سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعات دشمنان عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں سفاک، ظالم اور رسول اللہ ﷺ کے قتل کا منصوبہ بنانے والا ظاہر کرنے کے لیے گھڑے ہیں وگرنہ حقیقت ایسی نہیں ہے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اسلام کیا لائے، تاریخ اسلام کا نقشہ بدل گیا۔ بے بسی اور مجبوری کے عالم میں زندگی بسر کرنے والے ۴۰، ۴۵ مسلمان اپنے اندر ہمت و جرأت کے احساسات محسوس کرنے لگے۔ وہ جو اپنے ایمان کو مخفی رکھتے تھے اور نمازوں کو پوشیدہ اور چھپ کر ادا کرتے تھے، اب اپنے ایمان کا اظہار علانیہ اور برملا کرنے لگے اور چند ہی روز بعد حرم کعبہ میں سب کافروں کے سامنے اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مصروف نظر آنے لگے۔ چنانچہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''عمر رضی اللہ عنہ کا اسلام لانا اسلام کی فتح تھی، آپ کی ہجرت نصرت تھی اور آپ کی امامت رحمت۔ ہم میں وہ ہمت و طاقت نہیں تھی کہ بیت اللہ میں نماز پڑھ سکیں، لیکن جب عمر رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا تو آپ نے مشرکین سے اس قدر جدال و قتال کیا کہ عاجز آ کر انھوں نے ہمارا پیچھا چھوڑ دیا اور ہم بیت اللہ میں نہایت اطمینان سے نماز پڑھنے لگے۔'' (طبقات ابن سعد: ۳/۲۷۰، تاریخ الخلفاء: ۱۱۵)

اسی طرح سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''جب سے عمر رضی اللہ عنہ اسلام لائے تب سے اسلام کی حالت ایک ایسے اقبال مند شخص کی سی ہو گئی جس کا ہر قدم ترقی کی جانب اٹھتا ہے اور جب آپ شہید ہوئے تو اسلام کے عروج اور ترقی میں کمی آتی گئی اور اس کا ہر قدم پیچھے کی طرف پڑنے لگا۔'' (طبقات ابن سعد: ۳، تاریخ الخلفاء: ۱۱۵)

یہ پہلا موقع تھا کہ حق، باطل کے مقابلے میں سربلند اور کامران ہوا اور اس کے صلے میں بارگاہِ رسالتؐ سے انھیں ''فاروق'' کا لقب عطا ہوا۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ عام روایت کے مطابق ۶ نبویؐ میں حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ اس وقت ان کی عمر ۲۶ سال تھی۔

(اخبار عمر، الطنطاویات: ص ۱۲، سیرۃ ابن ہشام: ۱/۲۱۶، فضائل الصحابۃ، امام احمد: ۱/۳۴۱، الفاروق عمر: ص ۹، ابن سعد: ۳/۲۶۷، فضائل الصحابہ: ۱/۳۴۲، ۳۴۴، حلیۃ الاولیا: ۱/۴۰، صفۃ الصفوۃ: ۱/۱۰۳، الخلیفۃ الفاروق: ص ۲۶۔۲۷)

ہجرت:

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے حلقہ بگوش اسلام ہونے سے بلاکشانِ اسلام کے جوش، ثبات اور وارفتگی میں غیر معمولی

Marfat.com

اضافہ ہوا۔ دوسرے یہ کہ اب اسلام کا نام لینے والوں کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہونا شروع ہوگیا۔ مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ قریش کے سیاسی مصالح کے سخت خلاف تھا، کیونکہ اب انھیں اپنی سیاسی موت جھانکتی نظر آ رہی تھی۔ پہلے تو وہ مذہبی جوش، فطری خونخواری اور سفاکی کی وجہ سے مسلمانوں کو اذیتیں دیتے تھے۔ اب سیاسی مصالح کی وجہ سے ان کے لیے مسلمانوں کا کامل استحصال ناگزیر ہوگیا۔ چنانچہ ان کی اذیتوں میں بھی روز بروز اضافہ ہوگیا۔

قریش کے مظالم جب حد سے بڑھ گئے تو مسلمانوں کو مدینہ طیبہ کی جانب ہجرت کی اجازت ملی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابہ چوری چھپے مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کرنے لگے۔ سب نے ہجرت کی لیکن علانیہ نہیں بلکہ رات کی تاریکی میں یا دن کے اس اجالے میں جب کوئی دیکھنے والا نہ تھا، لیکن جس طرح سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا اسلام لانا انوکھا، اسی طرح ان کی ہجرت بھی عجیب اور دوسرے تمام مسلمانوں سے الگ نوعیت کی تھی۔ آپ اکیلے نہیں بلکہ بیس آدمیوں کی ایک جماعت کے ساتھ اس شان سے جانب مدینہ روانہ ہوئے کہ اسلحہ سے لیس ہو کر مشرکین مکہ کے مجمعوں سے گزرتے ہوئے بیت اللہ پہنچے۔ نہایت اطمینان سے طواف کعبہ کیا، نماز پڑھی پھر وہاں موجود مشرکین کو مخاطب کر کے فرمایا:

''تمھاری صورتیں بگڑیں۔ تمھارا ناس ہو، ہے کوئی تم میں جو اپنی ماں کو بے پوت، اپنے بیٹے کو یتیم اور اپنی بیوی کو بیوہ کرانے کا ارادہ رکھتا ہو۔ آئے اور اس وادی سے اس طرف آ کر میرا مقابلہ کرے۔''

لیکن وہاں کس میں تاب تھی کہ اسلام کے اس بطل جلیل کا مقابلہ کرتا۔ (تاریخ الخلفا: ۱۱۵، زرقانی جلد ۱/ ۳۷۱)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ مدینہ طیبہ پہنچ کر عوالی (قبا) میں رفاعہ بن عبدالمنذر کے مہمان ہوئے۔ سیدنا براء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سب سے پہلے ہجرت کر کے سیدنا مصعب رضی اللہ عنہ بن عمیر مدینہ طیبہ تشریف لائے، پھر عبداللہ رضی اللہ عنہ بن ام مکتوم اور ان کے بعد سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بن الخطاب بیس سواروں کی ایک جمعیت کے ساتھ تشریف لائے۔

(صحیح التوثیق فی سیرۃ الفاروق: ص ۳۰، فتح الباری: ۷/ ۲۶۱، الھجرۃ النبویۃ المبارکہ، عبدالرحمٰن عبدالبر: ص ۱۲۹، ۱۳۱، مناقب عمر بن الخطاب لابن الجوزی: ص ۳۱، ابن سعد: ۳/ ۲۱۲)

مواخات:

مدینہ طیبہ میں رسول اللہ ﷺ نے انصار اور مہاجرین کے مابین ایک ایسا بھائی چارہ قائم کیا جس کی مثال دنیا کی تاریخ میں نہیں ملتی، انصار مدینہ نے عدیم النظیر ایثار سے کام لے کر اپنے مہاجر بھائیوں کو اپنی تمام جائیداد اور مال و متاع میں نصف کا شریک بنالیا۔

رسول اللہ ﷺ نے اس بھائی چارے میں مہاجرین اور انصار کی حیثیت (Status) کا خاص خیال رکھا یعنی جو مہاجر جس رتبہ کا تھا اسی رتبہ کے انصاری سے اس کی مواخاۃ قائم کی۔ چنانچہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے اسلامی بھائی سیدنا عتبان رضی اللہ عنہ بن مالک قرار پائے جو قبیلہ بنو سالم کے رئیس تھے۔

Marfat.com

مدینہ طیبہ کی فضا اہل اسلام کے لیے مکہ کی طرح نہ تھی، بلکہ یہ آزادی کی فضا تھی۔ مہاجرین کے ساتھ انصار کی تعداد کے اضافہ نے مسلمانوں کی تعداد میں خاصا اضافہ کر دیا۔ اب ایک محلے میں ان کے لیے رہنا مشکل ہو گیا۔ لہٰذا وہ دور دور کے علاقوں میں آباد ہونے لگے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ مدینہ سے دو تین میل دور مقام سخ پر رہائش پذیر تھے۔ مسلمانوں کی مسجد تعمیر ہو چکی تھی لیکن کوئی ایسا طریقہ نہیں تھا جس سے نماز کا اعلان کر کے انھیں جماعت کے لیے مسجد میں بلایا جائے۔ لہٰذا غور و فکر ہونے لگا کہ اس کا کیا انتظام کیا جائے۔ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی رائے آگ جلا کر خبر کرنے کی تھی، بعض کا خیال تھا کہ یہود و نصاریٰ کی طرح ناقوس سے کام لیا جائے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی رائے تھی کہ ایک آدمی نماز کا اعلان کرنے لیے کیوں نہ مقرر کیا جائے۔ بارگاہِ رسالت پناہؐ میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی رائے کو قبولیت کا شرف حاصل ہوا اور اسی وقت سیدنا بلال رضی اللہ عنہ بن رباح کو اذان کا حکم دیا۔ چنانچہ اس طرح اذان کا شعار اعظم سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بن الخطاب کی رائے کے مطابق قائم ہوا جس سے ساری دنیا میں توحید و رسالت کا اعلان دن میں پانچ وقت گونجتا اور بلند ہوتا رہے گا۔ (بخاری:۱)

غزوات:

رسول اللہ ﷺ نے جس قدر غزوات دشمنان اسلام کے خلاف لڑے ہیں اسلام کا بطل جلیل اور نبوت کا قابل اعتماد ساتھی عمر رضی اللہ عنہ ہر موقع پر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہا۔ غزوۂ بدر کفر اور اسلام کے درمیان سب سے پہلا معرکہ ہے، جس کو قرآن حکیم نے ''یوم الفرقان'' بھی کہا ہے۔ اس معرکۂ حق و باطل میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے صحیح طور پر حق کا ساتھ دیا اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی تلوار خاراشگاف نے محبت و قرابت کے تمام رشتوں کو بالائے طاق رکھتے ہوئے عاصم بن ہشام بن مغیرہ کو بھی نہ چھوڑا، جو رشتے کے اعتبار سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا سگا ماموں تھا۔ گویا کہ یہ ان کے خلوص ایمان کا امتحان تھا جس میں وہ کامیاب ہوئے۔

بدر کے معرکہ میں فتح مسلمانوں کا مقدر بنی کفار کے کم و بیش ۷۰ آدمی مارے گئے جن میں اکثر و بیشتر اساطین کفر تھے۔ گرفتار شدگان کی تعداد بھی اتنی ہی تھی۔ ان میں رسول اللہ ﷺ کے چچا عباس رضی اللہ عنہ اور داماد ابوالعاص رضی اللہ عنہ، سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے بھائی عقیل رضی اللہ عنہ بن ابی طالب اور دوسری کئی معزز شخصیات تھیں۔ لہٰذا سوال پیدا ہوا کہ ان گرفتاران جنگ کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اس بارے میں رائے لی گئی لیکن آراء میں اختلاف تھا۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی رائے یہ تھی کہ ان کو فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے اختلاف کیا اور کہا کہ ان سب کو قتل کر دیا جائے اور قتل کا طریقہ یہ ہو کہ ہم سے ہر کوئی اپنے عزیز کو اپنے ہاتھوں سے قتل کرے تا کہ ان کا کام بھی تمام ہو جائے اور ہمارے ایمانوں کا امتحان بھی ہو۔ چنانچہ کہا کہ علی رضی اللہ عنہ عقیل کی گردن ماریں اور میں فلاں کو، جو میرا عزیز ہے اپنے ہاتھوں سے قتل کرتا ہوں۔ سیاسی طور پر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی رائے بالکل صحیح تھی، لیکن رسول اللہ ﷺ کی شان رحمت اس سیاسی مصلحت پر غالب آئی اور آپؐ نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی

Marfat.com

رائے سے اتفاق کرتے ہوئے فدیہ لے کران گرفتارشدگان کوچھوڑ دیا۔ بارگاہ الوہیت سے عمر رضی اللہ عنہ کی رائے کو پسند کیا گیا اور آیت نازل ہوئی:

﴿مَاكَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهُ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِى الْاَرْضِ﴾ (الانفال ۸:۶۷)

''کسی نبی کے لیے یہ مناسب نہیں کہ اس کے پاس قیدی ہوں اور پھر وہ خونریزی نہ کرے۔''

(تفصیل کے ملاحظہ ہو الفاروق مع النبیؐ، عاصف لماضۃ: ص ۳۲، ابن سعد: ۳/ ۳۹۱، سیرۃ ابن ہشام: ۲/ ۳۸۸، الخلافۃ والخلفاء الراشدین للبھناوی: ص ۱۵۴، البدایہ والنہایہ: ۳/ ۲۹۸، ۳۱۱، صحیح التوثیق فی سیرۃ وحیاۃ الفاروق: ص ۱۸۹، السیرۃ النبویۃ الصحیحۃ: ۲/ ۳۹۲، ۴۰۹، التربیۃ القیادۃ: ۳/ ۴۶۳)

غزوۂ احد:

غزوۂ بدر کے بعد چند چھوٹے چھوٹے معرکے ہوئے جن میں ایک غزوۂ سویق بھی تھا۔ ان سب معرکوں میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نہایت سرگرم پیکار رہے۔ پھر شوال ۳ھ میں غزوۂ احد پیش آیا۔ یہ غزوۂ بدر سے زیادہ سخت تھا، کیونکہ ایک تو اس میں غنیم کی تعداد تین ہزار تھی جن میں دوسو سوار اور سات سو زرہ پوش تھے جب کہ ان کے مقابلہ میں مسلمانوں کی کل تعداد صرف سات سو تھی جن میں سو زرہ پوش اور دوسو سوار تھے۔ دوسرے اس غزوہ میں غنیم اپنے ستر سرداروں کا انتقام لینے کے لیے آیا تھا جن کو غزوۂ بدر میں غازیان اسلام نے جہنم رسید کیا تھا۔ جن میں ابوجہل، عتبہ، شیبہ جیسے لوگ بھی تھے۔ اس دفعہ قریش میں مسلمانوں کے خلاف زیادہ جوش وخروش تھا۔

لڑائی شروع ہونے سے قبل ہادیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ بن جبیر کی زیر قیادت پچاس تیرانداز مجاہدین کا ایک دستہ اسلامی فوج کے عقب میں متعین فرمادیا تھا تاکہ غنیم ادھر سے حملہ آور نہ ہوسکے اور انھیں سخت تاکید فرمائی کہ تم نے کسی حال میں بھی اس درہ کو نہیں چھوڑنا۔

جنگ شروع ہوئی۔ مجاہدین اسلام نے پہلے ہی حملے میں غنیم کی صفوں کو تہ وبالا کردیا۔ کشتوں کے پشتے لگا دیئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دشمن راہ فرار اختیار کرنے پر مجبور ہوگیا۔ دشمن کا بھاگنا تھا کہ مجاہدین مال غنیمت اکٹھا کرنے میں مصروف ہوگئے۔ درہ پر جو تیرانداز متعین تھے انھوں نے سمجھا کہ اب لڑائی ختم ہوگئی۔ اب عقب سے حملے کا کوئی خطرہ نہیں لہٰذا ہمیں بھی مال غنیمت جمع کرنے میں دوسروں کے ساتھ شریک ہونا چاہیے۔ لہٰذا انھوں نے درہ چھوڑ دیا۔ پس تیراندازوں کا اپنی جگہ سے ہٹنا تھا کہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے جو اس وقت حلقۂ اسلام میں داخل نہیں ہوئے تھے دفعتاً عقب سے اس زور کا حملہ کردیا کہ مسلمانوں کو جان کے لالے پڑ گئے اور وہ اس ناگہانی حملے کو نہ روک سکے۔

کفار کا سب سے بڑا ہدف ذات رسالت مآب تھی۔ انھوں نے ذات اقدس پر یورش کردی۔ تیروں اور پتھروں کا مینہ برسادیا جس کے نتیجے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی مبارک زخمی ہوگئی۔ مغفر کی کڑیاں رخساروں میں

Marfat.com

چبھ گئیں اور دندان مبارک شہید ہوگئے۔ آپ ؐ کا پاؤں پھسلا اور آپ ؐ ایک گڑھے میں گر گئے جس کی وجہ سے لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہوگئے۔

اس کعبۂ مقصود کا مجاہدین کی آنکھوں سے اوجھل ہوجانا کوئی کم حادثہ نہ تھا۔ مسلمانوں پر بجلی سی گر گئی۔ نگاہیں سرور عالم ﷺ کو ڈھونڈتی پھر رہی تھیں۔ سیدنا کعب رضی اللہ عنہ بن مالک کی نظر پڑی۔ انھوں نے پہچان کر پکارا ''مسلمانو! رسول ؐ اللہ یہ ہیں''، تب کہیں شمع توحید کے پروانوں کی جان میں جان آئی۔

جنگ کا زور ذرا کم ہوا تو سرور عالم ﷺ اپنے تیس جانثاروں کے ساتھ پہاڑ پر تشریف لائے۔ اسی دوران میں خالد بن ولید کو فوج کے ایک دستہ کے ساتھ ادھر بڑھتے دیکھا۔ فرمایا: ''یہ لوگ یہاں تک نہ آنے پائیں۔'' سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے چند صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ آگے بڑھ کر انھیں روکا جس کی وجہ سے وہ آگے نہ بڑھ سکے۔ (طبری:۲/۲۰۲)

ابوسفیان نے سامنے کی پہاڑی پر چڑھ کر آواز دی کہ اس گروہ میں محمد ﷺ موجود ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ کوئی جواب نہ دے۔ ابوسفیان نے پھر ابوبکر رضی اللہ عنہ کا نام لیا اور جب ان کے بارے میں بھی کوئی جواب نہ ملا تو پھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا نام لے آواز دی، لیکن کوئی جواب نہ دیا گیا۔ وہ بولا کہ یہ حضرات ضرور مارے گئے ہیں۔ اگر زندہ ہوتے تو ضرور جواب دیتے۔ اب اس نے خوش ہو کر نعرہ لگایا۔ اعل ھبل یعنی ہبل کی جے۔ اب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے بارگاہِ رسالت ؐ میں عرض کیا یا رسول ؐ اللہ! اب مجھ میں ضبط کا یارا نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں جواب دو'' چنانچہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ابوسفیان کو دیکھتے ہوئے فرمایا: ''اے دشمن خدا! ہم سب زندہ ہیں'' اور اللہ اعلیٰ واجل بلند و برتر صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ ابوسفیان نے کہا: لنا عزی ولا عزی لکم ہمارے پاس عزیٰ ہے، تمھارے پاس نہیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جواب دیتے ہوئے فرمایا:

الله مولانا ولا مولی لکم خدا ہمارا آقا ہے اور تمھارا کوئی آقا نہیں۔ (بخاری:۲/طبری:۲/۲۰۵)

یہاں یہ بات ذہن میں رہنی چاہیے کہ کفار بھی یہ سمجھتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ کے انتقال کے بعد اگر کوئی شخصیت مسلمانوں کی قیادت کر سکتی ہے تو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں اور ان کے بعد سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بن الخطاب ایسے ہیں جو امت مسلمہ کی کشتی کے ناخدا ہو سکتے ہیں۔ جب ان تینوں کے بارے میں انھیں یقین ہوگیا کہ وہ تینوں اس جنگ میں شہید ہوگئے ہیں تو ان کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی اور سمجھے کہ اب کشتی اسلام کسی صورت ڈوبنے سے نہیں بچ سکتی۔

(السیرۃ النبویہ للصلابی: ص ۸۶۸، بخاری، رقم: ۴۰۴۴، السیرۃ النبویہ الصحیحۃ: ۲/۳۹۲، صحیح التوثیق: ص ۱۸۹، ابن ہشام: ۳/۳۱۹)

سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کا نکاح:

غزوۂ احد کے بعد ۳ ھ میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی صاحبزادی سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا جو اپنے خاوند سیدنا

Marfat.com

خنیس رضی اللہ عنہ بن حذافہ کے جنگ بدر میں شہید ہونے پر بیوہ ہوگئی تھیں، کا نکاح جناب ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم سے کر دیا۔ ہوا یہ کہ سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے بیوہ ہونے کے بعد سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو ان کے نکاح کی فکر ہوئی۔ سوء اتفاق سے اسی زمانہ میں سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا بنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال بھی ہو چکا تھا اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نہایت متفکر رہتے تھے۔ چنانچہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سب سے پہلے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے ملے اور ان سے سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کی خواہش کا اظہار کیا۔ انھوں نے جواب دیا میں اس پر غور کروں گا۔ پھر چند دنوں کے بعد سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی ان سے ملاقات ہوئی تو انھوں نے صاف انکار کر دیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے مایوس ہو کر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے اس کا ذکر کیا، انھوں نے کوئی جواب نہ دیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو ان کی بے التفاتی سے رنج ہوا کہ میرا اتنا قریبی ہو کر انھوں نے میری بات کا جواب خاموشی سے دیا ہے۔ چند دنوں کے بعد خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کے بارے میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے خواہش کا اظہار فرمایا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بہت خوش ہوئے۔ چنانچہ سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح ہو گیا۔ اب سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے ملے اور فرمایا کہ جب تم نے مجھ سے حفصہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کی درخواست کی اور میں خاموش رہا تو تم کو ناگوار گزرا، لیکن میں نے اسی وجہ سے کوئی جواب نہ دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ نکاح کرنے کا ذکر کیا تھا اور میں آپ کا راز فاش نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح کے ارادے کا اظہار نہ فرمایا ہوتا تو میں اس کے لیے آمادہ تھا۔ (بخاری: ۲/۵۷۱، اصابہ: ۸/۵۱)

ربیع الاول ۴ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کے یہودی قبیلہ بنونضیر کو ان کی بدعہدی کی وجہ سے مدینہ طیبہ سے جلاوطن کیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اس واقعہ میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے۔

غزوۂ خندق:

شوال ۵ھ میں غزوۂ خندق پیش آیا۔ اس کا سبب یہ ہوا کہ بنونضیر کی جلاوطنی کے بعد یہودیوں کے سردار حیی ابن اخطب، ابن ابی الحقیق اور کنانہ بن الربیع وغیرہ مکہ گئے اور قریش کو اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر چڑھائی کریں اور ہم دوسرے قبائل کے ساتھ مل کر تمھاری پوری پوری امداد کریں گے۔ چنانچہ ابوسفیان رضی اللہ عنہ دس ہزار کی جمعیت کے ساتھ مسلمانوں کے مکمل استیصال کے ارادہ سے مدینہ طیبہ کی طرف روانہ ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی رائے کے مطابق خندق کھودنے کا ارادہ فرمایا اور خود اس خندق کے حدود قائم فرمائے اور خط کھینچ کر دس دس آدمیوں پر دس دس گز زمین تقسیم فرمائی۔ خندق چھ دن میں تیار ہو گئی۔ (فتح الباری: ۷/۳۰۵)

دس ہزار کافروں نے خندق کا محاصرہ کیا ہوا تھا لیکن خندق پار کرنے کا کسی کو حوصلہ نہ پڑتا تھا۔ عمرو بن عبدود، عکرمہ بن ابی جہل، ہبیرہ بن ابی وہب، ضرار بن خطاب نے خندق پار کرنے کی کوشش کی لیکن ناکام رہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خندق کے ادھر ادھر تھوڑے تھوڑے فاصلے پر اکابر صحابہ کو متعین فرما دیا تاکہ غنیم ادھر سے گزرنے نہ پائے۔ ایک حصے پر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بھی متعین تھے، چنانچہ ان کے نام کی ایک مسجد آج بھی وہاں موجود ہے۔

Marfat.com

خندق کے محاصرے کے دوران ایک روز کفار کے مقابلہ میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو اس قدر مصروف رہنا پڑا کہ نماز عصر قضا ہوتے ہوتے رہ گئی۔ تھوڑی سی فراغت کے بعد آپ نے بارگاہِ رسالتؐ میں آ کر عرض کی کہ آج کافروں نے نماز عصر پڑھنے تک کا موقع نہ دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے بھی ابھی تک نماز عصر ادا نہیں کی۔ (بخاری:۱/۸۵)

بعد میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے حضور میں دعا مانگی۔

اللھم منزل الکتاب و مجری السحاب وھازم الاحزاب اھزمھم وانصرنا علیھم۔ حضور علیہ السلام کی یہ دعا قبول فرماتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے سخت ہوا مسلط کی اور کافر بھاگ گئے، چنانچہ ایک روایت کی رُو سے ۱۵ روز کے بعد جبکہ دوسری روایت کے مطابق ۲۴ روز کے بعد محاصرہ ختم ہوا۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو السیرۃ النبویہ الصحیحۃ:۲/۳۹۲، التربیۃ القیادۃ:۳/۴۶۳، ابن ہشام:۳/۳۱۹)

عمرۃ الحدیبیہ:

یکم ذی قعدہ ۶ھ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بقصد عمرہ مدینہ طیبہ سے روانہ ہوئے۔ قریباً پندرہ سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ کے ساتھ تھے۔ آپ نے اس خیال سے کہ کسی کو لڑائی کا شبہ نہ ہو حکم فرمایا کہ کوئی شخص ہتھیار باندھ کر نہ چلے۔ ذوالحلیفہ پہنچ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رائے دی کہ دشمنوں میں غیر مسلح چلنا مصلحت نہیں، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی رائے کے مطابق مدینہ طیبہ سے ہتھیار منگوا لیے۔ حدیبیہ کے مقام پر قیام کرنے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا خراش بن امیہ الخزاعی رضی اللہ عنہ کو ایک اونٹ پر سوار کر کے اہل مکہ کے پاس بھیجا تا کہ انھیں بتا دیں کہ ہم صرف بیت اللہ کی زیارت کے لیے آئے ہیں، جنگ کرنے یا کسی اور مقصد کے لیے نہیں آئے ہیں۔ اہل مکہ نے ان کے اونٹ کو ذبح کر ڈالا اور ان کو بھی قتل کرنے کا ارادہ کر لیا لیکن کچھ لوگوں نے درمیان میں پڑ کر انھیں قتل سے بچا لیا۔ وہ اپنی جان بچا کر واپس آ گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام حالات کے بارے میں بتا دیا۔

اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو اہل مکہ کے پاس بھیجنے کا ارادہ فرمایا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے مکہ جانے پر کوئی اعتراض نہیں لیکن آپؐ کو معلوم ہے کہ اہل مکہ مجھ سے کس قدر برہم ہیں اور میرے کتنے دشمن ہیں۔ مکہ میں میرے قبیلہ کا کوئی ایسا بااثر شخص بھی نہیں جو میری کچھ مدد کر سکے۔ لہٰذا اگر آپ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو اس کام کے لیے بھیجیں جن کی مکہ میں قرابتیں ہیں تو زیادہ بہتر ہوگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس رائے کو پسند فرمایا اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو بلا کر حکم فرمایا کہ ابوسفیان اور دوسرے رؤسائے مکہ کو ہمارا پیغام پہنچا دو اور جو مسلمان مکہ میں اپنے اسلام کا اعلان اور اظہار نہیں کر سکتے ان کو یہ خوشخبری دے دو کہ گھبرانے کی ضرورت نہیں، اللہ تعالیٰ عنقریب فتح عطا فرمائے گا اور اپنے دین کو غالب کرے گا۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان اپنے ایک عزیز ابان بن سعید کی پناہ میں مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے اور قریش مکہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام پہنچایا اور قریش کے ستم رسیدہ

Marfat.com

اور کمزور مسلمانوں کو بشارت سنائی۔

سب نے متفقہ طور پر یہ جواب دیا کہ اس سال تو رسول اللہ ﷺ مکہ میں داخل نہیں ہو سکتے، آپ کو تنہا طواف کرنے کی اجازت ہے۔ پروانۂ شمع رسالت سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ یہ ممکن ہی نہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے بغیر طواف کروں۔ قریش یہ سن کر خاموش ہو گئے اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو وہاں روک لیا۔

مسلمانوں کے لشکر میں یہ خبر مشہور ہو گئی کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا گیا ہے۔ اس خبر سے رسول اللہ ﷺ کو سخت صدمہ ہوا۔ چنانچہ فرمایا کہ جب تک میں قریش مکہ سے عثمان رضی اللہ عنہ کا بدلہ نہیں لے لوں گا یہاں سے حرکت نہیں کروں گا۔ چنانچہ آپؐ نے وہیں ایک کیکر کے درخت کے نیچے ۱۴ سو اور بعض روایات کے مطابق ۱۵ سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے جہاد پر بیعت لی۔ سب سے پہلے سیدنا ابوسنان اسدی رضی اللہ عنہ نے بیعت کی۔

اس بیعت کو بیعت رضوان کہتے ہیں جس کا تذکرہ قرآن حکیم میں ﴿لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ﴾ (الفتح ۴۸: ۱۸) کے تحت کیا گیا ہے۔

بالآخر ایک چھ نکاتی معاہدہ طے پایا جس میں ایک شرط یہ تھی کہ قریش کا جو شخص اپنے ولی اور آقا کی اجازت کے بغیر مدینہ جائے گا وہ واپس کر دیا جائے گا اگرچہ وہ مسلمان ہو کر جائے، لیکن اگر مسلمانوں میں سے کوئی شخص مدینہ طیبہ سے مکہ آ جائے تو وہ واپس نہیں کیا جائے گا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی غیور طبیعت اس شرط پر نہایت مضطرب تھی۔ چنانچہ انھوں نے خود بارگاہِ رسالتؐ میں حاضر ہو کر عرض کیا: ''یا رسول اللہ ﷺ! کیا آپ اللہ تعالیٰ کے برحق رسول نہیں؟'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیوں نہیں۔'' سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے پھر عرض کیا ''کیا ہم حق پر اور وہ باطل پر نہیں؟'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں اللہ کا رسولؐ اور برحق نبی ہوں، اس کے حکم کے خلاف نہیں کر سکتا اور وہ میرا معین و مددگار ہے۔'' سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: ''یا رسول اللہ ﷺ! کیا آپ ﷺ نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ ہم بیت اللہ کا طواف کریں گے؟'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں نے کب کہا تھا کہ اسی سال طواف کریں گے۔''

بعد ازاں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ، سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور ان سے بھی یہی گفتگو کی۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے لفظ بلفظ وہی جواب دیا جو آپ ﷺ کی زبان سے نکلا تھا۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں بعد میں، میں پیغمبر ﷺ کے ساتھ اپنی اس گفتگو پر بہت نادم ہوا اور اس کے کفارہ میں بہت سی نمازیں پڑھیں، روزے رکھے اور صدقہ اور خیرات کی اور بہت سے غلام آزاد کیے۔

الغرض ان شرائط کے ساتھ صلح نامہ مکمل ہو گیا اور فریقین کے دستخط ہو گئے۔ اہل اسلام کی طرف سے سیدنا ابوبکر ابن ابی قحافہ رضی اللہ عنہ، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بن الخطاب، سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان، سیدنا علی رضی اللہ عنہ ابن ابی طالب کاتب عہد نامہ، سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ بن عوف، سیدنا سعد رضی اللہ عنہ بن ابی وقاص، سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ ابن الجراح اور سیدنا محمد رضی اللہ عنہ بن مسلمہ کے دستخط ہوئے اور مشرکین کی طرف سے متعدد آدمیوں کے دستخط ہوئے۔ منجملہ ان کے حویطب بن عبدالعزی اور مکرز بن حفص کے دستخط ہوئے اور صلح نامہ کا ایک نسخہ آپ ﷺ کے پاس رہا اور ایک نسخہ سہیل بن

Marfat.com

عمرو کے پاس رہا۔(طبقات ابن سعد:۲/۷۱)

تکمیل معاہدہ کے بعد رسول اللہ ﷺ نے مدینہ طیبہ کا قصد فرمایا۔راستے میں سورت ﴿اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا﴾ (الفتح ۴۸:۱) نازل ہوئی۔رسول اللہ ﷺ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو بلایا اور فرمایا کہ آج ایسی سورت نازل ہوئی ہے جو مجھ کو دنیا کی تمام چیزوں سے زیادہ محبوب ہے۔(بخاری)

غزوۂ خیبر:

محرم الحرام ۷ھ میں غزوۂ خیبر پیش آیا۔یہاں یہودیوں کے دس بڑے مضبوط قلعے تھے۔ان میں سب سے زیادہ مضبوط قموص کا قلعہ تھا۔مرحب جو نہایت مشہور اور بہادر پہلوان تھا اسی قلعہ کا رئیس تھا۔رسول اللہ ﷺ درد شقیقہ کی وجہ سے میدان کارزار میں تشریف نہ لا سکے۔اس لیے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو نشان دے کر بھیجا گیا،لیکن قلعہ فتح نہ ہوا۔ان کے بعد سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو نشان دے کر بھیجا گیا لیکن قلعہ فتح کیے بغیر واپس تشریف لائے۔چنانچہ آخر میں یہ نشان سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو مرحمت فرمایا گیا،اور قلعہ قموص فتح ہو گیا۔اس قلعہ کے رئیس مرحب کو محمد رضی اللہ عنہ بن مسلمہ نے قتل کیا۔(ابن ہشام:۲/۴۷،طبری:۲/۲۹۹،البدایہ والنہایہ:۴/۱۸۸،ابن اثیر:۲/)

رسول اللہ ﷺ نے خیبر کی زمین مجاہدین اسلام میں تقسیم فرما دی،چنانچہ ایک ٹکڑا ثمغ نامی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے حصہ میں آیا۔انھوں نے اس کو فی سبیل اللہ وقف کر دیا۔اسلام کی تاریخ میں یہ سب سے پہلا وقف تھا اور وقف کی یہ سعادت بھی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے حصہ میں آئی۔

(السیرۃ النبویہ لابن ہشام:۳/۳۴۶،القیادۃ العسکریہ فی عہد الرسول:ص ۴۹۵،غزوۃ الحدیبیۃ لابی الفارس:ص ۱۳۴، ابن سعد:۳/۲۷۲،الفاروق القائد،شیت خطاب:ص ۱۱۷)

فتح مکہ:

خیبر کی فتح کے بعد قریش نے اس معاہدہ کو توڑ دیا جو حدیبیہ کے مقام پر قریش اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان ہوا تھا۔رسول اللہ ﷺ نے قریش کے پاس قاصد بھیجا اور تین شرطیں پیش کیں کہ ان میں سے کوئی منظور کر لی جائے:

① مقتولین کا خون بہا دیا جائے۔

② قریش،بنوبکر کی حمایت سے الگ ہو جائیں۔

③ اعلان کر دیا جائے کہ حدیبیہ کا معاہدہ ٹوٹ گیا۔

قرط بن عمر نے قریش کی زبان سے کہا کہ ''صرف تیسری شرط منظور ہے۔'' قاصد کے چلے جانے کے بعد قریش کو سخت پچھتاوا ہوا۔انھوں نے ابوسفیان کو حدیبیہ کے معاہدہ کی تجدید کے لیے مدینہ طیبہ بھیجا۔ابوسفیان

Marfat.com

نے مدینہ طیبہ آ کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ میں عذر خواہی کی، لیکن آپؐ خاموش رہے اور کوئی جواب نہ دیا۔ ابوسفیان نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو بیچ میں ڈالنا چاہا لیکن ان دونوں حضرات نے کانوں پر ہاتھ رکھا بلکہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے تو اس سختی سے جواب دیا کہ ابوسفیان بالکل ناامید ہو گئے۔

غرض اس نقض عہد کے باعث ۱۰ رمضان المبارک ۸ ھ کو کوکبۂ نبویؐ ۱۰ ہزار قدوسیوں کی معیت میں نہایت عظمت وشان کے ساتھ مکہ معظّمہ کی جانب بڑھا۔ مکہ کے قریب ایک وادی مرالظہران میں ان فرشتہ صفت لوگوں نے پڑاؤ ڈالا۔ اس فوج کی آمد کی بھنک قریش کے کانوں میں پڑ چکی تھی۔ چنانچہ تحقیق حال کے لیے انھوں نے حکیم بن حزام، ابوسفیان اور بدیل بن ورقاء کو بھیجا۔ خیمۂ نبویؐ کی دربانی پر جو دستہ متعین تھا اس نے ابوسفیان کو دیکھ لیا۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ جذبۂ انتقام کو ضبط نہ کر سکے۔ نہایت تیز قدمی سے آگے بڑھ کر بارگاہِ رسالتؐ میں آ کر عرض کیا کہ کفر کے استیصال کا وقت آ گیا ہے۔ اجازت دیں کہ میں اس دشمن خدا اور رسول ابوسفیان کا سر کاٹ دوں لیکن سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے ابوسفیان کی جان بخشی کی درخواست کی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے دوبارہ عرض کی۔ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے کہا ''عمر رضی اللہ عنہ! اگر یہ تمھارے قبیلے کا آدمی ہوتا تو تم اس قدر سخت دلی کا مظاہرہ نہ کرتے۔'' سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: ''آپ یہ نہ فرمائیں، بخدا! آپ جس روز حلقہ بگوش اسلام ہوئے تھے اس روز مجھ کو جو خوشی اور مسرت ہوئی تھی، خود میرا باپ خطاب بھی اگر اسلام لاتا تو مجھ کو اس قدر خوشی نہ ہوتی کیونکہ مجھے پتہ ہے کہ آپ کا اسلام لانا میرے باپ خطاب کے اسلام لانے سے رسول اللہ ﷺ کو زیادہ محبوب ہے۔ (طبری: ۲/۳۳۱)

قریش مکہ میں مقابلہ کرنے کی تاب نہ تھی، لہٰذا کوئی مزاحمت نہ کی۔ چنانچہ جناب سرور کائنات علیہ افضل الصلوات والتحیات نہایت جاہ وجلال سے فاتحانہ طور پر مکہ میں داخل ہوئے۔ آپ ﷺ نے باب کعبہ پر کھڑے ہو کر نہایت فصیح وبلیغ تقریر ارشاد فرمائی۔ پھر اعلان فرمایا کہ قریش سے انتقام لینے کی بجائے میں اپنے ابرِ عفو ورحمت سے ان کی غلطیوں کو معاف کرتا ہوں۔ پھر آپ ﷺ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر کوہ صفا پر لوگوں سے بیعت لینے کے لیے تشریف لائے۔ لوگ جوق در جوق آ کر بیعت کرتے جاتے تھے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے قریب ذرا نیچے بیٹھے ہوئے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے عورتوں کی بیعت کے وقت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا تم ان سے بیعت لے لو۔ چنانچہ تمام عورتوں نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر رسول اللہ ﷺ سے بیعت کی۔

(السیرۃ النبویہ لابن ہشام: ۲/۲۶۵، اخبار عمر رضی اللہ عنہ: ص ۱۷، بخاری: ۴۲۷۴، السیرۃ النبویہ لابی فارس: ص ۴۰۴، التاریخ الاسلامی: ۷/۱۷۶، الفاروق مع النبیؐ: ص ۴۲)

ایلاء اور تخییر:

رسول اللہ ﷺ زاہدانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ دو دو مہینے تک آپؐ کے کاشانۂ اطہر میں آگ نہیں جلتی تھی۔

Marfat.com

تمام عمر دو وقت برابر سیر ہو کر کھانا نصیب نہیں ہوا۔ اس زاہدانہ زندگی میں آپؐ کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن بھی آپ کے ساتھ برابر کی شریک تھیں۔ جب فتوحات اسلامیہ کا دائرہ بڑھا اور غنیمت کا مال مختلف علاقوں سے مدینہ طیبہ آیا تو ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے دل میں بھی یہ خواہش پیدا ہوئی کہ وہ بھی راحت و آرام سے اپنی بقیہ زندگی بسر کریں۔

۹ھ میں ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن نے رسول اللہ ﷺ سے توسیع نفقہ کے لیے درخواست کی۔ رسول اللہ ﷺ کے سکون خاطر میں یہ تنگ طلبی اس قدر خلل انداز ہوئی کہ آپؐ نے عہد فرمالیا کہ ایک مہینہ تک ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن سے نہیں ملیں گے۔

اتفاق سے اسی زمانے میں گھوڑے سے گرنے کی وجہ سے آپ ﷺ کی پنڈلی مبارک پر زخم آ گیا۔ آپ ﷺ نے بالاخانہ پر تنہائی اختیار فرمالی۔ واقعات کے قرینے اور تسلسل سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے خیال کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے تمام ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو طلاق دے دی ہے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے ہمسایہ میں ایک انصاری رہتے تھے۔ کچھ رات گئے انھوں نے بڑے زور سے میرا دروازہ کھٹکھٹایا۔ میں نے گھبرا کر دروازہ کھولا اور پوچھا خیر ہے؟ انھوں نے کہا غضب ہو گیا۔ میں نے پوچھا کیا غسانی مدینہ پر چڑھ آئے ہیں۔ بولے نہیں بلکہ اس سے بھی بڑھ کر یعنی آقائے نامدار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو طلاق دے دی ہے۔ میں صبح مدینہ آیا، رسول اللہ ﷺ کے ساتھ فجر کی نماز ادا کی۔ آپ ﷺ نماز سے فراغت کے بعد بالاخانہ میں تنہا جا کر بیٹھ گئے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس آیا، دیکھا کہ وہ بیٹھی رو رہی ہیں۔ میں نے کہا ''میں نے تجھ سے پہلے ہی کہا تھا'' لیکن اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ میں وہاں سے اٹھ کر مسجد نبویؐ میں آیا، دیکھا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم منبر کے پاس بیٹھے رو رہے ہیں۔ میں ان کے پاس بیٹھ گیا لیکن طبیعت میں سکون نہیں تھا۔ وہاں سے اٹھ کر بالاخانہ کے پاس آیا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خادم خاص رباح رضی اللہ عنہ سے کہا کہ حضور ﷺ کو اطلاع کرو لیکن بارگاہِ رسالتؐ سے کوئی جواب نہ آیا۔ میں پھر مسجد نبویؐ میں چلا آیا۔ پھر بیتاب ہو کر بالاخانہ کے نیچے آیا اور دربان خاص سے دوبارہ اذن طلبی کی درخواست کی۔ جب کوئی جواب نہ ملا تو میں نے پکار کر کہا ''رباح میرے لیے اذن مانگو، شاید آپ ﷺ کو یہ خیال ہے کہ میں حفصہ رضی اللہ عنہا کی سفارش کرنے آیا ہوں، بخدا آپ ﷺ فرمائیں تو میں حفصہ رضی اللہ عنہا کی گردن اڑا دوں۔ رسول اللہ ﷺ نے میری آواز سن کر اندر آنے کی اجازت عطا فرما دی۔ اندر گیا تو دیکھا کہ آپؐ کھری چارپائی پر لیٹے ہوئے ہیں اور جسم مبارک پر بانوں یا چٹائی کے نشان پڑ گئے ہیں۔ ادھر ادھر نگاہ کی تو دیکھا کہ ایک طرف مٹھی بھر جو رکھے ہوئے تھے۔ ایک کونے میں کسی جانور کی کھال کھونٹی پر لٹک رہی تھی'' سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں یہ سب کچھ دیکھ کر میری آنکھوں سے آنسو نکل آئے۔ رسول اللہ ﷺ نے رونے کا سبب پوچھا تو میں نے عرض کی کہ ''اس سے زیادہ رونے کا اور کیا موقع ہوگا کہ اللہ کے دشمن قیصر و کسریٰ باغ و بہار کے مزے لوٹ رہے ہیں اور اللہ کے رسول ہو کر یہ حالت ہے۔'' آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ''عمر رضی اللہ عنہ! تم اس پر راضی نہیں

Marfat.com

کہ قیصر وکسریٰ دنیا لیں اور ہم آخرت۔'' پھر میں نے عرض کیا کہ ''کیا آپ ﷺ نے ازواج رضی اللہ عنہن کو طلاق دے دی؟'' فرمایا ''نہیں''، میں نے اللہ اکبر کہا۔ پھر عرض کیا کہ ''مسجد میں تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مغموم ومحزون بیٹھے ہیں۔ اجازت ہو تو انھیں جا کر خبر کر دوں کہ یہ واقعہ غلط ہے۔''

ایلاء کی مدت ایک مہینہ تھی۔ ایک مہینہ گزرا تو آپؐ بالاخانہ سے نیچے اترے اور عام باریابی کی اجازت ہوگئی۔ اس کے بعد آیت تخییر نازل ہوئی۔ اس آیت کی رو سے رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا گیا کہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو مطلع فرما دیں کہ تمھارے سامنے دو چیزیں ہیں دنیا اور آخرت۔ اگر تم دنیا چاہتی ہو تو آؤ میں تم کو رخصتی کے جوڑے دے کر عزت واحترام کے ساتھ رخصت کر دوں اور اگر تم خدا اور رسولؐ اور آخرت کی طلب گار ہو تو خدا نے نیکوکار لوگوں کے لیے بڑا اجر مقرر کر رکھا ہے۔

غزوۂ حنین اور غزوۂ تبوک:

فتح مکہ کے بعد اسی سال غزوۂ حنین پیش آیا۔ اس جنگ میں مسلمانوں کو غنیم کے تیروں کا سامنا کرنا پڑا جس سے کچھ لوگوں کے پاؤں اکھڑ گئے، لیکن سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اس جنگ میں ثابت قدم رہے اور پامردی کے ساتھ دشمن کا مقابلہ کیا۔

۹ھ میں یہ خبر مشہور ہوئی کہ قیصر روم عرب کے علاقے پر حملہ کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تیاری کا حکم دیا اور بتا دیا کہ تبوک جانا ہے۔ تبوک مدینہ اور دمشق کے وسط میں نصف راہ پر اور مدینہ سے چودہ منزل پر واقع ہے۔ منزل دور دراز، فوج کی نفری تیس ہزار، جس میں دس ہزار گھوڑے تھے۔ جنگی تیاریوں کے لیے سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مالی اعانت کی ترغیب دی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حسب استطاعت بڑی بڑی رقمیں پیش کیں۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے دو سو اوقیہ چاندی اور دو سو اونٹ پیش کیے۔ (بعض روایات میں اس سے زیادہ رقم کا ذکر ہے) سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس موقع پر اپنے تمام مال اور جائیداد کا آدھا حصہ لا کر بارگاہِ رسالتؐ میں پیش کیا۔

غرض آپ ﷺ تیس ہزار فوج کے ساتھ تبوک روانہ ہوئے۔ وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ وہ خبر صحیح نہ تھی لیکن اصلیت سے بالکل خالی بھی نہ تھی۔ لہٰذا آپؐ چند روز قیام کے بعد واپس تشریف لے آئے۔

(السیرۃ النبویہ لابن ہشام: ۲/۲۶۵، اخبار عمر رضی اللہ عنہ: ص ۳۷، السیرۃ النبویہ لابی فارس: ص ۴۰۴، التاریخ الاسلامی: ۷/۱۷۶، صحیح التوثیق: ص ۲۰۰، بخاری، رقم: ۴۰۶۶، رقم: ۳۳۱۳، مسلم، رقم: ۱۰۶۳)

علالت نبویؐ:

۱۰ھ میں سرکار دو عالم ﷺ حجۃ الوداع کے لیے تشریف لے گئے۔ اس سفر میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بن الخطاب

Marfat.com

بھی آپ ﷺ کے ساتھ پابہ رکاب تھے۔ حج سے واپسی پر ربیع الاول ۱۱ھ کے آغاز میں رسول اللہ ﷺ بیمار ہوگئے۔ بیماری کے دوران یعنی وفات سے پانچ روز قبل رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ کاغذ اور قلم دوات لاؤ تا کہ ایک تحریر لکھ دوں، جس کے بعد تم گمراہ نہ ہوگے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کو اس وقت بیماری کی تکلیف زیادہ ہے اور ہمارے لیے اللہ کی کتاب کافی ہے۔ لوگوں نے کہا اھجر استفھموہ یعنی کیا جدائی کا وقت قریب آ گیا ہے۔ آپ سے پوچھ تو لو۔

ایک شبہہ کا ازالہ:

بعض حضرات اس حدیث کی رو سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ پر تین الزام لگاتے ہیں:

① انھوں نے رسولؐ کو (معاذ اللہ) ہذیان بکنے والا کہا کہ جو کہ ایک رسول کی سخت توہین ہے۔
② انھوں نے ایسی ضروری تحریر نہ لکھنے دی، جس سے امت گمراہی سے بچ جاتی۔
③ کتاب اللہ کو کافی کہہ کر انھوں نے حدیث رسولؐ کا انکار کیا۔

پہلے الزام کا جواب یہ ہے کہ ھجر کا معنی یہاں ہذیان نہیں بلکہ جدائی ہے اور وہ بھی ہمزہ استفہام انکاری کے ساتھ ہے۔ یہاں ھجر کا معنی ہذیان کرنا سراسر زیادتی ہے اور قرینہ کلام کے خلاف۔ دوسری بات یہ ہے کہ ھجر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا مقولہ نہیں بلکہ دوسرے حاضرین مجلس کا مقولہ ہے۔

چنانچہ اسی وجہ سے بخاری میں سات جگہ یہ روایت ہے اور کسی جگہ بھی یہ مقولۂ عمر کے طور پر نہیں بلکہ "قالوا" جمع کے صیغہ کے ساتھ ہے۔ یعنی دوسرے لوگوں نے کہا گویا کہ یہ قول اس جماعت کا ہے، جو لکھنے کی موید تھی۔

دوسرے الزام کا جواب یہ ہے کہ تحریر نہ لکھوانے کا الزام سیدنا عمر رضی اللہ عنہ پر ہرگز نہیں، کیونکہ اگر وہ تحریر اتنی ہی ضروری تھی تو اس کے بعد بھی لکھوائی جا سکتی تھی، جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اس مجلس میں موجود نہ ہوتے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ اس واقعہ کے چار روز بعد تک اس دنیا میں رہے، لیکن آپ ﷺ نے اس کے بعد پھر یہ تحریر لکھنے کے لیے نہیں کہا۔

دوسری بات یہ کہ اس روایت کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پورے طبقہ میں سوائے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کے اور کوئی شخص روایت نہیں کرتا۔ اتنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے موجود ہوتے ہوئے صرف ایک صحابی کا اسے روایت کرنا اور وہ بھی اس صحابی کا جس کی عمر اس وقت ۱۳۔۱۴ سال تھی، اس حدیث کی ثقاہت کو مخدوش کر دیتا ہے۔

(بخاری میں یہ حدیث ملاحظہ ہو: ۱/۴۴، ۲/۱۰۹۵)

تیسرے الزام کا جواب یہ ہے کہ حسبنا کتاب اللہ کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ہمیں حدیث کی ضرورت نہیں۔ وگرنہ حسبنا کتاب اللہ کا مطلب یہ ہونا چاہیے کہ ہمیں رسولؐ کی ضرورت نہیں اور اس کا کوئی بھی قائل نہیں۔

(بخاری، رقم: ۱۱۴، صحیح السیرۃ النبویہ: ص ۷۵۰، شرح مسلم نووی: ۱۱/۹۰، فصل الخطاب فی مواقف الاصحاب للغرسی: ص ۴۱، اخبار عمر رضی اللہ عنہ: ص ۴۶)

Marfat.com

وفات نبویؐ:

۱۰ روز اور بعض روایات کے مطابق ۱۳ روز کے بعد ۱۲ ربیع الاول پیر کے روز دوپہر کے وقت آپ ﷺ اس عالم فانی سے عالم جاودانی کو انتقال فرما گئے۔ آپؐ کے انتقال کی خبر نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ پر ایک خاص اثر کیا، لہٰذا وہ از خود رفتہ حالت میں مسجد نبویؐ میں یہ اعلان کرتے پھرتے تھے کہ جو شخص یہ کہے گا کہ رسول اللہ ﷺ انتقال فرما گئے ہیں، عمر رضی اللہ عنہ کی تلوار اس کے سر کو تن سے جدا کر دے گی۔

یہ بڑا نازک مرحلہ تھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے انتقال کے غم میں نڈھال تھے، ادھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا برملا یہ اعلان، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے نہ جائے رفتن نہ پائے ماندن کے مترادف تھا۔ اتنے میں سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تشریف لے آئے۔ انھوں نے ایک خطبہ دیا، جس سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حالت سنبھلی۔ تلوار ہاتھ سے گر گئی اور پتہ چل گیا کہ پیغمبرؐ بھی انتقال کر سکتا ہے۔ (السیرۃ النبویہ لابن ابی شھبۃ: ۲/۵۹۴، بخاری، رقم: ۱۲۴۲)

سقیفہ بنی ساعدہ کا اجتماع:

رسول اللہ ﷺ کی تجہیز و تکفین کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ اسی اثناء میں منافقین کی ریشہ دوانیوں کی وجہ سے انصار سقیفہ بن ساعدہ میں جمع ہوئے اور انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے جانشین کی بحث چھیڑ دی اور اس خیال کا اظہار کیا کہ پیغمبرؐ کا جانشین سیدنا سعد رضی اللہ عنہ بن عبادہ کو ہونا چاہیے۔ کچھ لوگوں کا خیال تھا کہ بجائے ایک امیر کے دو امیر ہوں۔ ایک انصار سے اور دوسرا مہاجرین سے۔

سیدنا ابوبکر، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور دوسرے اہل بیت نبوت تجہیز و تکفین میں مصروف تھے۔ ایک شخص نے دیوار کے پیچھے سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو آواز دے کر کہا ذرا باہر تشریف لائیں۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ''چلو ہٹو! ہم حضور ﷺ کی تجہیز و تکفین میں لگے ہوئے ہیں، ہم کو فرصت نہیں۔'' وہ شخص بولا ''ارے دیکھئے بڑا غضب ہو گیا، انصار سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہیں۔ آپ ذرا چل کر ان کی خبر لیجیے۔ قبل اس کے کہ وہ کوئی ایسی چیز کھڑی کر دیں جو جنگ کا باعث ہو۔'' یہ سن کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اس کی اطلاع دی۔ (فتح الباری: ۷/۲۳)

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو اس ہنگامہ آرائی کی اطلاع ہوئی تو سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کی معیت میں سقیفہ بنی ساعدہ پہنچے۔ دیکھا کہ وہاں واقعی ایک عجیب ہنگامہ برپا ہے، یہ تینوں وہاں بیٹھ گئے تو انصار کے ایک خطیب نے کھڑے ہو کر یہ کہنا شروع کیا:

''ہم اللہ کے انصار اور اسلام کے لشکر ہیں اور اے مہاجرین! تم ہمارے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھی ہو، لیکن اب تم ہم سے برگشتہ ہو گئے ہو اور جو ہمارا مقام ہے اس سے ہمیں علیحدہ کرنا چاہتے ہو۔''

یہ تقریر ختم ہوئی تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اٹھ کر کچھ بولنا چاہا، لیکن سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انھیں روک دیا اور خود کھڑے ہو کر ایک بے مثال تقریر کی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اس موقع کے لیے ایک بہت اچھی تقریر

Marfat.com

پہلے سے اپنے ذہن میں تیار کر کے لایا تھا اور یہ خیال تھا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ ایسی تقریر نہیں کر سکیں گے، لیکن جب ابوبکر رضی اللہ عنہ خود کھڑے ہوئے تو انھوں نے وہ ساری باتیں فی البدیہہ کہہ دیں جو میں بڑے غور وفکر کے بعد ذہن میں لے کر گیا تھا۔ (طبری:۲/۴۵۷)

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پہلے تو اپنی تقریر میں مہاجرین کے فضائل اور اسلام کے لیے ان کی غیر معمولی قربانیوں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان کے رشتہ وقرابت کا تذکرہ فرمایا، اس کے بعد فرمایا اے انصار! تم جو کچھ اپنے بارے میں کہتے ہو بلاشک وشبہ تم اس کے اہل ہو اور اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی تمھیں بہت گہرا تعلق تھا لیکن عرب اس معاملہ میں سوائے قریش کے اور کسی کی اطاعت قبول نہیں کریں گے۔'' اس کے بعد آپ نے سیدنا عبیدہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا کہ ''لو ان میں سے کسی ایک کے ہاتھ پر بیعت کر لو۔''

بخاری کی روایت کے مطابق سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ''جب میرا نام پیش کیا گیا تو میرے لیے یہ حد درجہ ناگوار بات تھی۔ بخدا! بغیر کسی گناہ کے میری گردن اڑا دی جاتی، یہ بات میرے لیے بہت آسان تھی بہ نسبت اس کے کہ میں ایک ایسی قوم کا امیر بنتا جس میں ابوبکر رضی اللہ عنہ موجود ہوں۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے دوسرا نام سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ بن الجراح کا پیش کیا۔ ابن سعد نے ان کے بارے میں ایک اور روایت نقل کی ہے کہ جب بعض لوگوں نے ان سے بیعت کرنا چاہی تو انھوں نے فرمایا: ''تم لوگ میرے پاس آتے ہو حالانکہ تم میں ثالث ثلاثہ (غار ثور کی رفاقت کی طرف اشارہ) یعنی سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ موجود ہیں۔'' (طبقات ابن سعد:۳)

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ دونوں میں سے ایک کی بیعت کے بارے میں کہنا تھا کہ یکدم شور وشغب اٹھا۔ انصار کی طرف سے سیدنا حباب بن منذر رضی اللہ عنہ نے کچھ تھوڑی سی سخت کلامی کی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے پیش قدمی کر کے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ ''نہیں ہم آپ کے ہاتھ پر بیعت کریں گے، کیونکہ آپ ہم سب سے بہتر ہیں، ہمارے سردار ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ آپ ہی سے محبت کرتے تھے۔'' یہ کہہ کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ لیا اور بیعت کی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا بیعت کرنا تھا کہ مہاجرین اور انصار سب نے ہاتھ بڑھا دیئے اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی۔ (بخاری:۱/۵۱۸، ۲/۱۰۰۹)

حافظ ابن کثیر نے ابن اسحاق کے حوالے سے لکھا ہے کہ سب سے پہلے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت بشیر بن سعد انصاری رضی اللہ عنہ نے کی تھی۔ (البدایہ والنہایہ:۵/۲۴۷)

ممکن ہے مہاجرین میں سے سب سے پہلے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے بیعت کی ہو اور انصار میں سے سیدنا بشیر بن سعد انصاری رضی اللہ عنہ نے۔ (مسند احمد:۱/۲۱۳، محض الصواب فی فضائل عمر بن الخطاب:۱/۲۸۰، بخاری، رقم:۳۶۶۸)

خلافت صدیقی اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ:

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی بیعت کے بعد سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ مملکت اسلامیہ کے خلیفۂ رسولؐ ہو گئے۔ آپ کی

Marfat.com

خلافت قریباً سوا دو برس رہی۔ اپنے عہد خلافت میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جتنے بڑے بڑے کام سرانجام دیئے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سب میں برابر کے شریک رہے۔ قرآن حکیم کی جمع وترتیب کا مسئلہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے سامنے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ہی نے پیش کیا۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا یہی جواب تھا کہ جس کام کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا میں اسے کیسے کرسکتا ہوں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس بات کو بار بار کہا یہاں تک کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو شرح صدر ہوگیا۔

جیش اسامہ رضی اللہ عنہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو بھی شامل فرمایا تھا۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوگئے تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے انصار کی نمائندگی کرتے ہوئے عرض کیا کہ اس لشکر میں سن رسیدہ اور تجربہ کار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی شامل ہیں اور اسامہ رضی اللہ عنہ نوجوان ہیں۔ اس لیے بہتر یہ ہے کہ امیر لشکر کسی بزرگ اور معمر صحابی کو بنا دیجئے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ یہ سنتے ہی غصہ سے بے قابو ہوگئے اور فرمایا: ''اے خطاب کے بیٹے! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو اسامہ رضی اللہ عنہ کو لشکر کا امیر مقرر فرمایا اور تم کہتے ہو کہ میں اس کو معزول کردوں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ یہ سن کر واپس آ گئے اور انصار کو سخت سست کہا کہ ان کی وجہ سے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی ڈانٹ انھیں سننی پڑی۔ (طبری:۲/۴۶۲)

سیدنا اسامہ رضی اللہ عنہ کے لشکر کو جب سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے روانہ فرمایا تو پاپیادہ اس کی مشایعت کو چلے۔ راستہ میں ان کو بہت سی باتیں ارشاد فرمائیں۔ پھر فرمایا ''اگر تم نامناسب نہ سمجھو تو عمر رضی اللہ عنہ کو میرے پاس چھوڑ جاؤ، مجھ کو ان کے مشورہ کی ضرورت ہوگی۔'' سیدنا اسامہ رضی اللہ عنہ اس پر نہایت خوشی سے رضامند ہوگئے۔ (طبری:۲/۴۶۲)

جس عمر رضی اللہ عنہ کو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سیدنا اسامہ رضی اللہ عنہ سے مانگ لیا تھا اس عمر رضی اللہ عنہ سے اپنے پورے دور خلافت میں مختلف اہم مسائل میں مشورہ فرماتے رہے۔ چنانچہ آپ جب اس دنیا سے تشریف لے جارہے تھے تو نہایت غور وفکر اور مختلف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کے ساتھ آپ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو اپنا جانشین مقرر فرمایا۔ اگرچہ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی سختی کی شکایت بھی کی لیکن فراست صدیقی میں عمر رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر اور کوئی شخص اس منصب کے لیے موزوں نہیں تھا۔ چنانچہ آپ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ ابن عفان کو بلا کر وصیت لکھوائی کہ ''میں اپنے بعد عمر رضی اللہ عنہ ابن الخطاب کو خلیفہ نامزد کرتا ہوں۔ پھر آپ نے اپنے نامزد کردہ خلیفہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو آئندہ کے لیے نہایت مفید نصیحتیں کیں جو خلافت کے دوران ان کے لیے نہایت عمدہ دستور العمل ثابت ہوئیں۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو ابن اثیر:۲/۲۲۶، طبری:۴/۴۶، شہید المحراب: ص ۶۹، عیون الاخبار:۱/۱۲۵، اصحاب الرسولؐ:۱/۱۳۷، اخبار عمر رضی اللہ عنہ: ص ۱۶۲، نیل الاوطار: ص ۸/۲۲، محض الصواب فی فضائل امیر المؤمنین عمر بن الخطاب:۱/۶۲۲، استخلاف ابی بکر الصدیق جمال عبدالھادی: ص ۱۶۶)

Marfat.com

فتوحات

فتوحات عراق:

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے عراق اور شام کی جن مہمات کا آغاز اپنے عہد خلافت میں کیا تھا سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے خلیفہ مقرر ہوتے ہی عراق کی مہم جوئی کی طرف توجہ فرمائی۔ آپ کی بیعت خلافت کے سلسلے میں عرب کے تمام علاقوں سے بااثر لوگ مدینہ طیبہ میں آئے ہوئے تھے، اس لیے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس موقع کو غنیمت جانتے ہوئے جہاد پر تقریر فرمائی اور ان کو عراق کی مہم کی طرف توجہ دلائی۔ عام لوگوں کا یہ خیال تھا کہ عراق چونکہ فارس جیسی (Super power) کا پایۂ تخت ہے۔ اس لیے اس کا فتح ہونا ناممکن نہیں تو دشوار ضرور ہے، اور ان حضرات میں سے کسی شخص نے بھی آمادگی کا اظہار نہ کیا۔ آپ تین روز تک مسلسل ان لوگوں کو جہاد پر برانگیختہ کرتے رہے لیکن کسی پر کوئی اثر نہ ہوا۔ آخر چوتھے روز آپ نے ایسی ولولہ انگیز اور پرجوش تقریر کی کہ حاضرین کے دل ہل گئے۔ مثنیٰ شیبانی نے کہا ''مسلمانو! میں نے ان بزدل مجوسیوں کو دیکھ لیا ہے۔ وہ مرد میدان نہیں ہیں۔ ہم نے عراق کے بڑے بڑے شہروں کو فتح کیا ہے اور اب وہ ہمارا لوہا مان گئے ہیں۔ لہٰذا ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ بنوثقیف کے سردار ابوعبیدہ ثقفی نے جوش میں آ کر کہا کہ اس خدمت کے لیے میں اپنے آپ کو پیش کرتا ہوں۔ ان کا یہ کہنا تھا کہ ہر طرف سے آوازیں بلند ہوئیں کہ ہم بھی اس کے لیے حاضر ہیں۔ چنانچہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ابوعبیدہ ثقفی کو ایک ہزار اور دوسری روایت کے مطابق پانچ ہزار سپاہیوں کا سپہ سالار مقرر فرما کر عراق کی جانب روانہ کر دیا۔

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت کی عراقی مہمات نے ایرانیوں کو ہوشیار کر دیا تھا۔ چنانچہ انھوں نے فوجی تنظیم نو کی۔ پوران دخت نے جو ایران کے بادشاہ یزدگرد کی سرپرست تھی، فرخ زاد گورنر خراسان کے بیٹے رستم کو جو نہایت بہادر اور مدبر پہلوان تھا، ایرانی سپاہ کا وزیر جنگ مقرر کیا۔ اس نے ایرانیوں کے مذہبی جذبات بھڑکا کر سارے ایران میں آگ لگا دی اور پوری ایرانی قوم مسلمانوں کے مقابلے میں متفق و متحد ہو گئی۔ اس طرح کیانی سلطنت نے پھر وہی قوت پیدا کر لی جو ہرمز اور پرویز کے زمانے میں اسے حاصل تھی۔ اس وجہ سے سیدنا

Marfat.com

ابوعبیدہ ثقفی کے عراق پہنچنے سے قبل مفتوحہ عراق کے کئی اضلاع بغاوت کر کے مسلمانوں کے ہاتھوں سے نکل گئے۔

وزیر جنگ رستم کے مشورہ سے پوران دخت نے ایرانیوں کے دو نامور بہادروں نرسی اور جابان کو رستم کی امداد کے لیے سپہ سالار مقرر کیا۔ یہ دونوں سپہ سالار دو مختلف راستوں سے مسلمانوں سے مقابلے کے لیے نکلے۔ جابان کی فوج کا غارق پہنچ کر سیدنا ابوعبیدہ کی فوج سے مقابلہ ہوا۔ سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے ایرانی فوج کو ایسی شکست فاش دی کہ اس کے دو ممتاز اور مشہور افسر جوشن شاہ اور مردان شاہ میدان کارزار میں کام آئے اور سپہ سالار جابان گرفتار ہوا، لیکن جس مسلمان سپاہی نے اسے گرفتار کیا تھا وہ اسے پہچانتا ہی نہیں تھا۔ جابان نے اسے کہا کہ میں بوڑھا آدمی تمھارے کس کام کا ہوں، لہٰذا میرے بدلے میں تم دو نوجوان غلام لے لو اور مجھے چھوڑ دو۔ اس مسلمان نے منظور کر لیا۔ بعد میں پتہ چلا کہ یہ ایرانی فوج کا سپہ سالار جابان تھا۔ چنانچہ بعض مسلمانوں نے اسے دوبارہ گرفتار کر لیا لیکن سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے یہ کہہ کر کہ جس کو ایک مسلمان رہا کر چکا ہو، اس سے بدعہدی نہیں کی جا سکتی، چھڑا دیا۔ جابان کو شکست فاش دینے کے بعد سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ آگے بڑھے اور سقاطیہ کے مقام پر دوسرے ایرانی سپہ سالار نرسی کو بھی شکست فاش دی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ قرب و جوار کے امراء نے اطاعت قبول کر لی۔

نرسی اور جابان کی شکست نے رستم کے اوسان خطا کر دیے۔ اس نے برافروختہ ہو کر مردان شاہ کو چار ہزار کی تازہ دم فوج کے ساتھ سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے مقابلے کے لیے روانہ کیا اور نیک فالی کے طور پر ایرانیوں کا مقدس علم درفش کاویانی جو فتح کا نشان سمجھا جاتا تھا، ساتھ کر دیا۔ مردان شاہ نے اپنی فوج کو فرات کے ساحل پر اتارا۔ مسلمان دریائے فرات کے دوسرے کنارے پر تھے۔ ہر فریق دریا کے پار جانے سے کتراتا تھا، لیکن سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ اپنے فوجی افسران کے شدید اختلاف کے باوجود فرات کو عبور کر کے دوسرے کنارے پر چلے گئے۔ مسلمان جس میدان میں اترے وہ ناہموار اور ناموزوں تھا۔ دریا پار ہوتے ہی جنگ چھڑ گئی۔ ایک تو میدان کی ناموزونیت دوسرے ایرانی فوج کے دیو پیکر ہاتھی جن سے عربی گھوڑوں کو کبھی سابقہ نہیں پڑا تھا، مسلمانوں کے لیے مفید ثابت نہ ہوئے۔ اسلامی فوج کے گھوڑے ایرانی فوج کے ہاتھیوں سے بدک گئے جس کی وجہ سے مسلمانوں کو پیدل ہو جانا پڑا۔ مسلمانوں نے گھوڑوں سے اتر کر ہاتھیوں کے ہودجوں کی رسیاں کاٹ کاٹ کر فیل نشینوں کو نیچے گرانا شروع کر دیا۔ اسی اثناء میں سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے لپک کر ایک ہاتھی پر وار کیا۔ وار اوچھا گیا لیکن ہاتھی نے ان کو سونڈ میں لپیٹ کر اپنے پیروں کے نیچے مسل ڈالا۔ ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے شہید ہوتے ہیں مسلمان پسپا ہونا شروع ہو گئے، آگے ایرانی تھے اور پیچھے دریا، لہٰذا پسپائی میں کئی ہزار مسلمان دریا کے پانی میں ڈوب گئے۔ مثنیٰ بن حارثہ شیبانی نے بڑی مشکل سے تین ہزار جانوں کو بچایا۔

دربار خلافت میں اس خبر کا پہنچنا تھا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نہایت برافروختہ ہوئے۔ اتنے ہزار جانوں کے تلف ہونے کا انھیں نہایت صدمہ تھا، لہٰذا آپ نے اپنے پرجوش خطبات سے قبائل عرب میں آگ لگا دی۔ ان کے جوش کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ نمر اور تغلب کے سرداروں نے جو عیسائی تھے، اپنے قبائل کے ساتھ اس فوج

Marfat.com

میں یہ کہہ کر شامل ہو گئے کہ آج عرب وعجم کا مقابلہ ہے، لہٰذا ہم بھی اپنی قوم کے ساتھ ہیں۔ چنانچہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا عبداللہ بن جریر البجلی کی زیر کمان ایک فوج گراں محاذ جنگ پر روانہ فرمائی۔ دوسرے سیدنا مثنیٰ نے بھی عربی قبائل کو جوش دلا کر ایک بہت بڑی فوج تیار کر لی۔

جنگ بویب:

پوران دخت نے جب مسلمانوں کی ان زبردست تیاریوں کی خبر سنی تو اس نے اپنی فوج خاصہ میں سے بارہ ہزار جنگجو بہادروں کو مہران بن مہرویہ کی ماتحتی میں مسلمانوں کے مقابلہ کے لیے بھیجا۔ مسلمان بویب میں خیمہ زن تھے۔ مہران دریائے فرات کو عبور کر کے اس کے پار صف آرا ہوا۔ دونوں فوجوں میں شدید جنگ ہوئی۔ گزشتہ جنگ میں جن مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے تھے وہ اس شکست کی تلافی میں نہایت بے جگری سے لڑے۔ مثنیٰ نے اپنے قبیلے کو لے کر اس زور کا حملہ کیا کہ ایرانیوں کی صفیں درہم برہم ہو گئیں۔ اس بھگدڑ میں بنی تغلب کے ایک نوجوان نے مہران کو قتل کر دیا۔ مثنیٰ فرات کے پل کو روک کر کھڑے ہو گئے اور جتنے ایرانیوں نے اس کو پار کرنے کی کوشش کی سب کو تہ تیغ کر دیا۔ اتنے ایرانی اس جنگ میں مارے گئے کہ کشتوں کے پشتے لگ گئے۔ اس فتح کے بعد مسلمان سارے عراق میں پھیل گئے اور سورا، کسکر، صراس اور فلالیج وغیرہ علاقے مسلمانوں کی سلطنت میں شامل ہو گئے۔

مفتوحہ علاقوں میں بغاوت:

اس شکست نے ایرانی فوجوں میں بڑا جوش وخروش پیدا کیا۔ انھوں نے اس شکست کا سبب پوران دخت کو سمجھتے ہوئے اسے معزول کر دیا اور ۲۱ سالہ یزدگرد کو جو کیانی خاندان کا تنہا وارث تھا، سلطنت کے تخت پر بٹھا دیا۔ از سر نو فوجی انتظامات کیے گئے۔ سلطنت کے اعیان واکابر نے باہم متفق ومتحد ہو کر کام کرنے کا عزم کیا۔ تمام قلعوں اور چھاؤنیوں کو سامان حرب سے بھر دیا گیا۔ ان سب انتظامات کے ساتھ ساتھ ایک نہایت مخفی اور زبردست سازش کے تحت قریباً تمام مفتوحہ علاقوں میں بغاوت پھیلا دی گئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بہت سے مفتوحہ علاقے مسلمانوں کے ہاتھوں سے نکل گئے اور مثنیٰ رضی اللہ عنہ مجبور ہو کر عرب کی سرحد پر ہٹ آئے اور فوراً بارگاہ خلافت کو تمام صورتحال سے آگاہ کیا۔ اس کے ساتھ ہی ربیعہ اور مضر کے قبائل کو جو عراق کے اطراف واکناف میں پھیلے ہوئے تھے، علم اسلامی کے نیچے جمع ہونے کے لیے کہا گیا۔

مسلمانوں کی تیاریاں:

ایرانی افواج کی جنگی تیاریوں کے حالات معلوم کر کے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے تمام عرب کے نامور خطیبوں،

Marfat.com

رئیسوں، بہادروں اور اہل الرائے حضرات کو مدینہ طیبہ طلب فرمایا۔ آپ کی دعوت پر سارا عرب دیوانہ وار امڈ آیا۔ آپ نے اس فوج گراں کے ساتھ بہ نفس نفیس جانے کا ارادہ فرمایا، لیکن اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے امیر المومنین کے اس ارادے کی سخت مخالفت کی خصوصی طور پر سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے کہا ''امیر المومنین آپ کا دارالخلافہ سے باہر نکلنا اچھا نہیں۔'' (فتوح البلدان:۲۲۴، تاریخ خلیفہ بن خیاط:۱/۱۲۰)

سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور دیگر اکابر صحابہ کی تجویز پر سیدنا سعد رضی اللہ عنہ بن ابی وقاص کو سپہ سالار اعظم مقرر کیا گیا اور بیس ہزار مجاہدین کے ساتھ عراق کی مہم پر روانہ کیا۔ اس لشکر کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ اس میں ۷۰ بدری صحابی، تین سو بیعت رضوان کے جانثار، اسی قدر فتح مکہ میں شریک ہونے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور سات سو صحابہ زادے موجود تھے۔ لشکر کو روانہ کرتے وقت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے بڑی بیش قیمت نصیحتیں کیں۔

سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ تجارت کے سلسلے میں قریباً سارے عراق کا سفر کر چکے تھے اور اس کے چپے چپے سے واقف و آشنا تھے، لہٰذا فوج کی نقل و حرکت، اس کی تنظیم و ترتیب اور مورچہ بندی سب کچھ اپنے ہاتھ میں رکھی۔ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ بن ابی وقاص کو جو عشرہ مبشرہ کے صحابہ میں سے تھے اور رشتہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ماموں لگتے تھے، یہ ہدایت کی کہ وہ ہر منزل اور ہر مرحلہ کا مکمل نقشہ دربار خلافت میں بھیجتے جائیں۔ غرض کہ ایرانیوں سے زیادہ منظم اور احسن طریقے سے افواج کو ترتیب دے کر عراق کی مہم پر بھیجا گیا۔

سیدنا سعد رضی اللہ عنہ بن ابی وقاص نے شراف پہنچ کر پڑاؤ کیا اور اس منزل کا نقشہ امیر المومنین رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بھیجا۔ اس میں فرودگاہ کی حالت اور رسد کی کیفیت کے بارے میں بھی اطلاع دی۔ اس کے جواب میں سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ایک مفصل ہدایت نامہ بھیجا جس میں فوج کی نقل و حرکت، لشکر کی ترتیب اور اس کی تقسیم، حملہ کا بندوبست اور اس کے بارے میں بڑی اہم اور مفید ہدایات ارسال فرمائیں۔ ساتھ ہی یہ فرمایا کہ شراف کے بجائے قادسیہ کو میدان کارزار بنائیں اور اس میں مورچے اس طرح بنائیں کہ فارس کی زمین سامنے ہو اور عرب کا پہاڑ پشت پر حفاظت کا کام دے۔

سیدنا سعد رضی اللہ عنہ بن ابی وقاص کے شراف کے پڑاؤ پر مثنیٰ کے بھائی معنی بھی پہنچ گئے جو سعد رضی اللہ عنہ کے لیے ایک غیبی کمک تھی۔ ہوا یہ کہ مثنیٰ آٹھ ہزار سپاہیوں کے ساتھ مقام ذی قار میں سیدنا سعد رضی اللہ عنہ بن ابی وقاص کی عظیم الشان کمک کا انتظار فرما رہے تھے کہ اسی اثنا میں ان کا انتقال ہوگیا۔ ان کے آٹھ ہزار کے لشکر کو لے کر ان کے بھائی معنی مقام شراف پر سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کے ساتھ آ کر مل گئے اور مثنیٰ نے جو ضروری اور اہم مشورے دیئے تھے وہ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ بن ابی وقاص سے بیان کیے۔

قادسیہ پہنچنے کے بعد اس لشکر کی تعداد تیس ہزار ہوگئی تھی جو مدینہ طیبہ سے بیس ہزار کی تعداد میں چلا تھا۔ ایرانی لشکر کی تعداد ایک لاکھ بیس ہزار تھی جس کی کمان خود رستم بن فرخ زاد ارمنی یا بقول واقدی رستم بن اسفندیار کر رہا تھا۔ رستم سلطنت ایران کی افواج قاہرہ کا سپہ سالار اعلیٰ تھا وہی رستم جس پر فردوسی نے شاہنامہ ایران میں

Marfat.com

تحسین وآفرین کے ڈونگرے برسائے ہیں۔ مسلمانوں کو قادسیہ میں پڑاؤ ڈالے کوئی چار ماہ کا عرصہ ہو گیا اور وہ رستم کی افواج کا انتظار کرتے رہے۔ رستم کا پڑاؤ حیرہ کے آس پاس ہی رہا۔ پورے پچاس میل کا راستہ اس نے چار ماہ میں طے کیا۔ اس کا خیال تھا کہ مسلمان انتظار کی زحمت سے بیزار ہو جائیں گے لیکن ابن اثیر کے مطابق سیدنا عمر الفاروق رضی اللہ عنہ نے سیدنا سعد رضی اللہ عنہ بن ابی وقاص کو صبر سے انتظار کرنے اور مستعد رہنے کی ہدایت دی ہوئی تھی۔

اسلامی لشکر کو زچ کرنے کے علاوہ رستم بن فرخ زاد کے پیش نظر اور بھی مقاصد تھے:

① طوالت قیام سے اسلامی لشکر کا ذخیرہ ختم کر دینا۔
② ایرانی لشکر کی شان وشوکت اور تعداد کی زیادتی سے مسلمانوں پر رعب ڈالنا۔
③ اسلامی لشکر میں پھوٹ ڈلوانا۔
④ کوئی ایسی غلطی سرزد کروانا جس سے ایرانی لشکر کو فائدہ پہنچے۔
⑤ ایرانیوں کا ستارہ گردش سے نکل کر کامیابی کے برج میں داخل ہو جائے۔

رستم کا میدان جنگ میں اترنا ایسا ہی تھا جیسے خود یزدگرد میدان میں آ گیا ہو۔ خزانوں کے منہ کھول دیئے گئے۔ تمام سرداروں اور گورنروں کو حکم ہوا کہ جو کچھ سامان رسد اور اسلحہ ہو لے کر ساباط روانہ ہو جاؤ۔

سیدنا سعد رضی اللہ عنہ بن ابی وقاص ایک ایک بات کی اطلاع دربار خلافت میں بھیجتے تھے۔ وہاں سے جواب آیا "مجھے القاء ہوا ہے کہ جب تم دشمن سے برسر پیکار ہو گے تو فتح تمھارے قدم چومے گی۔" اس خط کو جب لشکر اسلام نے سنا تو ہر سپاہی کا دل شیر کا ہو گیا۔ اس خط میں کچھ اور باتیں بھی امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے لکھیں، چنانچہ فرمایا:

"اگر تم میں سے کوئی شخص ہنسی مذاق سے بھی کسی ایرانی کو امان دے یا اشارہ کرے یا ایسے الفاظ کہے جن کو عجمی سمجھتے ہوں مگر وہ اس کو امان جانیں تو تم اس امان کو برقرار رکھو۔ ہنسی مذاق سے بچو، وعدے برابر پورے کرو۔ اگر غلطی سے بھی کوئی وعدہ کر بیٹھو تو اسے بھی پورا کرو۔ یاد رکھو اس کا نتیجہ ہمیشہ اچھا ہو گا۔ اگر غلطی سے بھی وعدہ توڑو گے تو اس کا انجام اچھا نہیں ہو گا۔ اس سے تمھاری کمزوری اور دشمن کی قوت ظاہر ہو گی۔ خبردار! مسلمانوں کی ذلت اور توہین کا باعث نہ بننا۔" (طبری)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اسلامی لشکر اور لشکر عجم کے حالات سے بالکل باخبر تھے اور لمحہ بہ لمحہ ضروری ہدایات صادر فرماتے رہے۔ دربار خلافت سے خط آیا:

"دشمن کی تیاریوں سے بالکل پریشان نہ ہونا۔ اللہ تعالیٰ سے نصرت اور مدد مانگتے رہنا اور اسی پر بھروسہ کرنا۔ اب وقت آ گیا ہے کہ دشمن کے پاس دعوت اسلام دینے کے لیے ایک وفد بھیجا جائے۔ اس وفد میں ایسے لوگ شریک ہوں جن کی شخصیت کا پہلی ہی نظروں میں اثر نہ پڑ سکے۔ اللہ اس دعوت کو دشمن کی ذلت اور ہماری سربلندی کا ذریعہ بنائے گا۔"

قادسیہ سے صرف تیس چالیس میل دور سلطنت ایران کا پایہ تخت مدائن تھا۔ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے ۱۴

Marfat.com

حضرات پر مشتمل ایک وفد مدائن بھیجا۔ اس وفد میں سیدنا مغیرہ رضی اللہ عنہ بن شعبہ جیسے مدبر، عمرو رضی اللہ عنہ بن معدیکرب جیسے شہسوار شریک تھے۔ سب اونچے نسب اور مضبوط کلے جڑے کے لوگ تھے جنہیں دیکھ کر ہی آدمی رعب میں آجائے۔ وفد قادسیہ سے چل کر مدائن پہنچا تو ان کی شان وشوکت کو دیکھنے کے لیے سارا شہر کسریٰ کے دربار کے اردگرد امنڈ آیا لیکن یہ اللہ والے اس حالت میں تھے کہ کسی کے گھوڑے پر زین تک نہ تھی۔ ہاتھوں میں کوڑے، کندھوں پر چادریں، پیروں میں پھٹے پرانے موزے، پھٹے جبے، ستے ہوئے چہرے، لیکن جس ٹھاٹ کے ساتھ یہ لوگ اپنے گھوڑوں کی ننگی پیٹھ پر سوار تھے، وہ منظر دیدنی تھا۔ گھوڑے رانوں میں ٹھہرتے نہ تھے۔ بار بار زمین پر ٹاپیں مارتے۔ ان کے سموں سے اڑتی ہوئی چنگاریاں تماشائیوں سے سواروں کی جرأت وہمت کی داد وصول کر رہی تھیں۔

دربار کسریٰ میں جب یہ وفد پہنچا، گفتگو شروع ہوئی۔ سیدنا نعمان رضی اللہ عنہ بن مقرن نے اسلام قبول کرنے کی دعوت دی لیکن دعوت قبول نہ ہوئی بلکہ یزدگرد نے بگڑ کر کہا: ''مٹی کا ایک ٹوکرا لایا جائے اور ان میں جو سب سے معزز ہے اس کے سر پر لاد دیا جائے'' پھر کہا کہ میں تمھاری سرکوبی کے لیے رستم کو بھیج رہا ہوں، وہ تمھیں قادسیہ کی خندق میں دفن کر دے گا۔''

سیدنا عاصم رضی اللہ عنہ بن عمرو نے کہا کہ میں ان سب میں معزز ہوں، یہ ٹوکرا میرے حوالے کر دو۔ ٹوکرا چوبدار شاہی سے لے کر یہ وفد سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پہنچا اور کہا ''لیجئے مبارک ہو، انھوں نے اپنی زمین خود ہمیں دے دی۔'' سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے جواب میں فرمایا: ''مجھے یقین ہے کہ ان کے ملک کی کنجیاں بھی اللہ تعالیٰ ہمیں عطا فرما دے گا۔''

رستم کو اسلامی وفد کے بارے میں سب کچھ پتہ تھا کیونکہ روایات میں ہے کہ اسلامی وفد سے گفتگو کرنے کے لیے یزدگرد نے دیگر امراء وزراء کے ساتھ ساباط سے رستم کو بھی بلوایا تھا۔ وفد کے چلے جانے کے بعد رستم نے یزدگرد سے پوچھا کہ اب کیا حکم ہے؟ یزدگرد نے جب یہ بتایا کہ میں نے مٹی کا ٹوکرا ان کے سروں پر لدوا کر انھیں دربار سے نکلوا دیا ہے تو رستم نے غصے سے پیچ وتاب کھا کر کہا ''کم ظرف ماں کا بیٹا تدبر کیا جانے، بردباری کہاں سے لائے۔'' (یزدگرد کی ماں ادنیٰ گھرانے سے تعلق رکھتی تھی) رستم لڑائی سے بہت گھبراتا تھا لیکن مٹی کے اس ٹوکرے نے اسے اور بھی زیادہ پریشان کر دیا۔

فردوسی ایرانی کا یہ بہادر رستم بویب میں مسلمانوں کی فتح اور ایرانی لشکر کی شکست فاش سے بھی سخت گھبرایا ہوا تھا۔ وہ ہر ممکن طریق سے لڑائی کو ٹالنا چاہتا تھا۔ چنانچہ اس نے سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کے پاس پیغام بھیجا کہ کسی نمائندہ کو بھیجا جائے تاکہ بات چیت کی جاسکے۔ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے سیدنا ربعی رضی اللہ عنہ بن عامر کو حکم دیا کہ ''جاؤ مسلمانوں کے نمائندے کی حیثیت سے گفتگو کر آؤ۔'' ربعی رضی اللہ عنہ بن عامر دربار رستم میں گئے لیکن یہ گفتگو بھی ناکام رہی۔ چند روز کے بعد رستم نے پھر خواہش کی کہ صلح کی بات چیت کے لیے کسی سفیر کو بھیجا جائے۔ اب کی مرتبہ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے سیدنا مغیرہ رضی اللہ عنہ بن شعبہ کو بھیجا۔ رستم نے اس بار اپنے دربار کو خوب سجانے کا حکم دیا تاکہ اسلامی سفیر پر

Marfat.com

ہماری شان وشوکت کی دھاک بیٹھ جائے لیکن سیدنا مغیرہ بن شُعبہ رضی اللہ عنہ کے دل پران زرق برق سامانوں کا کوئی اثر نہ پڑا۔ بات چیت یہ بھی ناکام ہی رہی بلکہ سیدنا مغیرہ رضی اللہ عنہ نے رستم کی غیرت کو بھرے دربار میں للکارا۔ رستم پا بگولہ ہو کر چلایا:

''چانداور سورج کی قسم! کل دن چڑھنے نہ پائے گا کہ تمھیں نیست ونابود کر کے رکھ دوں گا۔ تم لوگ ہو کس شمار وقطار میں۔ تم اپنی اوقات بھول بیٹھے ہو۔ تم نے رستم کا قہر وغضب نہیں دیکھا۔ اب تمھیں اپنی حماقت کا علم ہوگا۔''

سیدنا مغیرہ رضی اللہ عنہ نے ہنستے اور مسکراتے ہوئے جواب دیا:

''رستم! ہم میں جو اللہ کو پیارے ہو جائیں گے وہ تو ہوں گے شہید اور جو زندہ بچ رہیں گے وہ تمھارے فاتح کہلائیں گے۔ کچھ سمجھے میری بات۔''

صلح کی تمام صورتیں ناکام ہوگئیں۔ اب صرف لڑائی کی صورت سامنے تھی۔ دونوں فوجوں کے درمیان ایک نہر تھی جو رستم کے حکم سے پاٹ دی گئی اور رستم نہر عبور کر کے دوسری طرف آ گیا۔ یہ رستم کی شکست کا آغاز تھا۔ رستم نے ایک کامیاب اور تجربہ کار جرنیل کی طرح فوج کو میدان کارزار میں ترتیب دیا۔ آگے پیچھے تیرہ قطاریں تھیں۔ لشکر کے درمیانی حصہ میں ہاتھیوں کا قلعہ بنایا گیا۔ درمیان میں شاپوری سفید ہاتھی تھا۔ میمنہ اور میسرہ پر بھی ہاتھیوں کے پرے تھے۔ قلب لشکر میں ایک زرنگار تخت سیمیں پر سونے چاندی کا چتر سایہ کیے ہوئے تھا۔ رستم اس تخت سیمیں پر بڑی شان سے بیٹھا تھا اور دائیں بائیں نامی گرامی سرداران لشکر تھے۔ وہ ان کے ساتھ مل کر جنگ کے نقشے بناتا رہا اور سرداروں کو ضروری ہدایات دیتا رہا۔ آخر میں وہ بولا:

''آج ہم ان مٹھی بھر عربوں کو پیس کر رکھ دیں گے۔''

مسلمان بھی جنگ کی تیاریوں میں مصروف تھے۔ عین وقت پر سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کو عرق النساء کا اتنا سخت دورہ پڑا کہ وہ دو قدم بھی نہیں چل سکتے تھے۔ اس لیے وہ میدان جنگ کے پاس ہی ایک بالا خانے میں تکیہ کے سہارے بیٹھ گئے اور اپنا نائب سیدنا خالد بن عرفطہ کو مقرر فرمایا۔

لشکر اسلامی میں سیدنا مغیرہ رضی اللہ عنہ بن شعبہ، سیدنا عاصم رضی اللہ عنہ بن عمرو، سیدنا عمرو بن معدیکرب، سیدنا ربعی رضی اللہ عنہ بن عامر، سیدنا قیس بن ھبیرہ وغیرہ قسم کے لوگ تھے۔ اگرچہ سامنے ایرانی افواج کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر تھا جو ہر قسم کے جدید اور عمدہ قسم کے اسلحہ سے لیس تھا، لیکن اسلامی لشکر میں بھی یہ اللہ والے رجز پڑھتے، تلاوت آیات کرتے، بڑھاوے دیتے، نعرے لگاتے تھے اور ان کے منہ سے نکلے ہوئے ایک ایک لفظ سے عزم وہمت اور صولت وشجاعت کا اظہار ہو۔

نماز ظہر کے بعد جنگ کا آغاز ہوا جو رات کی تاریکی تک نہایت گھمسان سے جاری رہا۔ ابتداء میں تو کچھ ایرانی سورما اپنی اپنی صفوں سے نکل کر ان اللہ والوں کو دعوت مبارزت دینے لگے۔ پہلے ہرمز آگے بڑھا۔ سر پر

Marfat.com

تاج، بدن پر دیبا کی قبا، اس طرح صف سے نکلا جیسے پتھر سے شرارہ اٹھتا ہے۔ ادھر سے سیدنا غالب رضی اللہ عنہ بن عبداللہ الاسدی بازو پھیلائے اور سینہ تانے نکلے۔ باز کی طرح دونوں ایک دوسرے پر جھپٹے، لیکن دشمن ایک وار بھی برداشت نہ کر سکا۔ آپ اس کو گردن سے پکڑ کر اسلامی لشکر میں لے آئے۔

اس کے بعد سیدنا عاصم رضی اللہ عنہ بن عمرو اور عمرو رضی اللہ عنہ بن معدیکرب سے دو ایرانی سورماؤں کا مقابلہ ہوا لیکن دونوں موت کی وادی میں چلے گئے۔ آخر دونوں فوجیں ایک دوسرے سے گتھ گئیں۔ مسلمان کوہ گراں کی طرح جمے ہوئے تھے اور ایرانی فوجوں کا سیل بے پناہ ان سے آ کر ٹکراتا رہا۔ آخر ہاتھیوں کو چھوڑا گیا لیکن تیروں کی پھوار جب ہاتھیوں کی آنکھوں پر برسی تو وہ بھی چنگھاڑتے اور اپنے ہودج نشینوں کو نیچے گراتے اور اپنے سپاہیوں کو اپنے پیروں کے نیچے مسلتے میدان کارزار سے بھاگ کھڑے ہوئے۔ کافی رات گئے تک جنگ جاری رہی۔ آخر دونوں لشکر پیچھے ہٹے اور اپنے اپنے خیموں میں جا کر ستانے اور اگلے دن کی جنگ کی تیاریاں کرنے لگے۔ قادسیہ کا یہ پہلا معرکہ تھا۔ تاریخوں میں یہ ''یوم الارماث'' کے نام سے مشہور ہے۔

دوسرے روز ادھر سورج افق مشرق سے نکلا تھا ادھر میدان قادسیہ میں رستم صفیں درست کر رہا تھا۔ صفیں آراستہ ہو گئیں تو شام کی طرف سے گرد کے بادل اٹھے۔ یہ سیدنا قعقاع رضی اللہ عنہ بن عمرو تمیمی تھے جو تازہ کمک لے آئے تھے۔ ان کے آنے سے لشکر اسلامی کے دل بڑھے کیونکہ قعقاع رضی اللہ عنہ جیسا بہترین جرنیل انھیں مل گیا جو ایرانیوں سے جنگ کرنا خوب جانتا ہے اور ان کی نفسیات سے بھی بخوبی واقف تھا۔ فوجیں صف آرا ہوئیں تو پہلے تو انفرادی مبارزت ہوئی جس میں بہمن اور دوسرے کئی ایرانی سورما غازیان اسلام کے ہاتھوں جہنم رسید ہوئے لیکن تھوڑے ہی عرصہ کے بعد فوجیں آپس میں گتھم گتھا ہو گئیں۔

گھمسان کا رن پڑا۔ گھوڑوں کی ٹاپوں اور تلواروں کی جھنکاروں میں کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی تھی کہ اتنے میں سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا ایک قاصد کچھ تازہ گھوڑے اور عمدہ تلواریں تحفہ کے طور پر لے کر آیا جن کے بارے میں کہا گیا کہ یہ انعامات ان بہادروں کو دیئے جائیں جو میدان جنگ میں ان کا حق ادا کر سکیں۔ چنانچہ وہ انعامات طلیحہ بن خویلد، عاصم بن عمرو اور روحیل بن عمرو اور دوسرے کئی بہادر جرنیلوں کو دیئے گئے۔

جنگ زور و شور سے جاری تھی۔ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ بن ابی وقاص بالا خانے میں بیٹھ کر ہر طرف سے اس پر نگاہ ڈال رہے تھے اور مختلف قسم کی ہدایات دے رہے تھے۔ ادھر رستم اپنے زرنگار تخت پر بیٹھا میدان جنگ میں ہدایات دیتا پھر رہا تھا لیکن وہ پریشان خاطر، ہیبت زدہ اور دل چھوڑا ہوا تھا کیونکہ اس کی سپاہ گراں اور اسلحہ مسلمانوں کے مقابلے میں بے کار ثابت ہو رہے تھے۔ ہاتھیوں پر اسے بہت بھروسہ تھا لیکن انھوں نے بھی بھاگ کر اپنے ہی سپاہیوں کو روندا اور بہت کچھ نقصان پہنچایا۔ رات گئے تک جنگ جاری رہی۔ کشتوں کے پشتے لگ گئے۔ آخر جنگ کو دوسرے دن کے لیے ملتوی کر دیا گیا۔ سارے دن کی جنگ میں دس ہزار ایرانی کھیت ہوئے۔ جب کہ ان کے مقابلہ میں دو ہزار مسلمانوں نے جام شہادت نوش کیا۔ اس دن کی جنگ کا نام ''یوم الاعواث'' ہے۔

Marfat.com

تیسرے دن کے سورج نے ابھی افق خاور سے منہ نکالا ہی تھا کہ میدان جنگ میں اسے دونوں جانب بالکل تیار فوجیں ملیں جو عنقریب آپس میں گتھنے والی تھیں۔ اس روز سیدنا قعقاع رضی اللہ عنہ بن عمرو نے بہادری کے وہ جوہر دکھائے کہ شاید ہی کسی نے دکھائے ہوں گے لیکن ایرانی بھی کچھ کم دلیر نہ تھے، چنانچہ وہ بھی جم کر لڑ رہے تھے۔ ان کا لشکر گویا ایک ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر تھا۔

کئی گھنٹوں سے برابر جنگ ہو رہی تھی۔ بے تکان پیکار ہوتی رہی لیکن معلوم نہیں ہو رہا تھا کہ فتح و شکست کس کے نصیب میں ہے۔ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ بالا خانے میں سخت بے چین تھے لیکن کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا۔ بیمار ہونے کی وجہ سے ان کا میدان میں آنا نہایت مشکل تھا۔

دن کے بعد سورج ان اللہ والوں کی تاب نہ لا کر افق مغرب میں اپنا منہ چھپاتا پھر رہا تھا۔ رات کے مسافر تارے بھی آنکھیں موندنے لگے تھے، لیکن حرب و ضرب کا سلسلہ جاری تھا اور جنگ کا ہمہمہ برابر بڑھ رہا تھا۔ تلواروں کی جھنکار کا شور تھا کہ کانوں پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔ گویا مسلمان اس رات ایک پرانی اور جابرانہ تہذیب کو ملیا میٹ کر کے نئی تہذیب اور نئے تمدن کا سورج طلوع کرنے کے درپے تھے۔

جنگ چوتھے روز میں داخل ہوگئی۔ یہ دن مسلمانوں کے لیے نیک نامی کا دن تھا۔ فتح لمحہ بہ لمحہ ان کے قریب آ رہی تھی، کیونکہ تیسرے روز انھوں نے دشمن کی سیاہ فوج یعنی ہاتھیوں کے کوہ گراں سے کافی حد تک نجات حاصل کر لی تھی۔ مسلمان بہادروں نے ہاتھیوں کی آنکھیں پھوڑ دیں، سونڈیں کاٹ ڈالیں اور انھیں خرگوشوں کی طرح بھگا بھگا کر مارا تھا۔

ہاتھیوں کی وہ دیوار جو اسلامی فوج اور رستم کے درمیان حائل تھی، تیسرے دن مسلمانوں نے ختم کر دی تھی۔ اب ان کا رستم تک پہنچنا آسان تھا۔ چنانچہ سیدنا قعقاع رضی اللہ عنہ نے کچھ بہادروں اور سرداروں کو جمع کر کے فرمایا: ''میرے ساتھ آؤ، جب تک رستم زندہ ہے جنگ کا کوئی قطعی فیصلہ نہیں ہو سکتا۔ چلو دشمن کے اس منارۂ ہمت کو ڈھا دیں۔''

یہ بات بہادروں اور سرداروں کی سمجھ میں آ گئی، چنانچہ وہ کچھ جنگجو، جنگ آزما، جنگ آور اور بہادر سپاہیوں کو ساتھ لے کر کچھ اس تیزی سے غنیم پر حملہ آور ہوئے کہ ایرانی گھبرا کر پیچھے ہٹنا شروع ہو گئے۔ اس طریقہ سے رستم کے قلب لشکر کا راستہ کھل گیا۔ چنانچہ سیدنا قعقاع رضی اللہ عنہ کے جوش دلانے پر مجاہدین اسلام کی ایک ٹکڑی رستم پر ٹوٹ پڑی۔ رستم اپنے تخت رواں پر بیٹھا احکامات جاری کر رہا تھا۔ وہ یلغار تھی کہ اس کے سامنے اب کسی کا ٹھہرنا مشکل بلکہ محال تھا۔ ان مجاہدین نے اب نیزے پھینک دیئے، گھوڑے چھوڑ دیئے اور پیادوں کے ساتھ مل کر تلواریں سونت لیں۔ جس مقام پر تلواریں بے کار ثابت ہوئیں تو تلواریں پھینک کر جنگ مشتی شروع کر دی۔ سیدنا قعقاع رضی اللہ عنہ اور ان کے جیالے ساتھی چومکھی لڑ رہے تھے۔ اتنے میں ان کے قبیلوں کے لوگ بھی ان سے آ ملے۔ اب وہ سارے بہادر رستم کے تخت زرنگار کی طرف بڑھے بلکہ جھپٹے۔ دن نہایت گرم اور گرد و غبار کی وجہ سے تیرہ و تار تھا، لیکن ان جیالوں نے نہ اس کی تمازت کو محسوس کیا اور نہ اس کی تاریکی کو۔ ان کا اس وقت مقصد وحید یہی تھا کہ

Marfat.com

رستم کا گلا دبوچا جائے۔ چنانچہ سیدنا قعقاع رضی اللہ عنہ کو دشمن کی صفوں کو چیرتے ہوئے رستم کے تخت تک پہنچ ہی گئے۔ رستم سیدنا قعقاع رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر تخت سے کود کر لڑنے کھڑا ہوا لیکن مسلمان جیالوں کی تلواروں کا وار ایسا کاری تھا کہ گھبرا کر بھاگا۔ بلال رضی اللہ عنہ بن علقمہ پاس ہی لڑ رہے تھے۔ رستم کو فرار ہوتے دیکھ کر اس کے پیچھے بھاگے۔ رستم سرپٹ بھاگا اور ایک اسلحہ لدے خچر کے پیچھے جا کر چھپ گیا۔ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے اسے پکڑنے کی کوشش کی تو وہ دوسری طرف ہو گیا۔ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے وہ رسی کاٹ دی جس سے خچر پر سامان بندھا ہوا تھا۔ رسی کٹنے سے سامان جو گرا تو رستم سامان کے نیچے دب گیا۔ اس کی ریڑھ کی ہڈی کو کافی چوٹ لگی۔ اب اس نے نہر میں چھلانگ لگا دی۔ بلال رضی اللہ عنہ بھی اس کے ساتھ ہی نہر میں کود پڑے اور اس بے ایمان کو ٹانگوں سے گھسیٹ کر باہر لائے اور قتل کر دیا۔

ایرانیوں کو پتہ چلا کہ رستم مارا گیا ہے تو جنگ کا پانسہ پلٹ گیا۔ اب ایرانی جان بچانے کے لیے نہر کے پل کی طرف بھاگے لیکن سیدنا جریر بن عبداللہ نے بڑھ کر پل کا راستہ روک لیا۔ ان بھاگتے ہوئے ایرانیوں نے سیدنا جریر رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا اور تیس ہزار سپاہی ایک دم پل پر پہنچ گئے۔ پل کچا تھا ٹوٹ گیا اور سارے کے سارے ایرانی ڈوب مرے۔ اتنے میں سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ دشمن کو نہ جانے دیں۔ ان کا پیچھا کرو۔ ایرانی سخت گھبرا گئے تھے، چنانچہ انھوں نے اپنے ہی ساتھیوں کو مارنا شروع کر دیا۔ تعاقب کرنے والا ایک مسلمان سپاہی پچاس پچاس ایرانیوں کی ٹکڑی کو ہنکا لے آیا۔ سیدنا ضرار رضی اللہ عنہ بن خطاب نے ایرانی اقتدار کے پرچم درفش کاویانی جو ایک طرف میدان جنگ میں گر پڑا تھا، اٹھا لیا اور سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش کر دیا۔

جس دن قادسیہ کی جنگ چھڑی تھی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو نہایت بے چینی کے ساتھ ان خبروں کا انتظار رہتا تھا۔ آپ قاصد کے انتظار میں ہر روز مدینہ طیبہ سے باہر نکل جاتے۔ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ بن ابی وقاص کا قاصد اس فتح کی خوشخبری لے کر آیا تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اسے مدینہ سے باہر ہی ملے۔ آپ نے اس سے وہاں کے حالات پوچھے۔ وہ آپ کو نہیں پہچانتا تھا لہٰذا سواری پر سے حالات بتاتا جاتا اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ حالات سننے کے لیے سواری کے ساتھ دوڑتے جاتے تھے۔ اسی حالت میں دونوں شہر میں داخل ہوئے۔ یعنی قاصد گھوڑے پر اور امیر المومنین رضی اللہ عنہ پیدل دوڑ رہے ہیں۔ شہر میں داخل ہو کر اسے معلوم ہوا کہ دوڑنے والے شخص ہی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ہیں۔ وہ سخت گھبرا گیا۔ آپ نے اسے تسلی دی اور فرمایا کوئی حرج نہیں۔ اس کے بعد مدینہ کے مسلمانوں کو جمع کر کے سیدنا سعد رضی اللہ عنہ بن ابی وقاص کا وہ خط انھیں سنایا۔ خط سن کر سارے مدینہ میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو اتمام الوفاء: ص ۷۰، حرکۃ الفتح الاسلامی: ص ۸۰، طبری: ۳۰۶/۴، التاریخ الاسلامی: ۳۶۲/۱۰، القادسیہ، احمد عادل کمال: ص ۳۰، الفاروق، محمد رشید رضا: ص ۱۱۹۔۱۲۰، التاریخ الاسلامی: ۳۷۹/۲۰، البدایہ والنہایہ: ۳۸/۷، ابن اثیر: ۱۰۱/۲، الدعوۃ الاسلامیہ فی عہد عمر بن الخطاب: ص ۲۴۱)

فتح مدائن:

قادسیہ کی شکست کے بعد ایرانیوں کے نائب سپہ سالار مہران نے تو مدائن میں پناہ لی لیکن دوسرے سردار

Marfat.com

بابل چلے گئے اور وہاں ایرانی فوجوں کا اجتماع ہونا شروع ہوگیا۔ قادسیہ کے معرکہ سے قبل سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے ایک خط میں سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کو لکھا تھا:

''اگر اللہ تعالیٰ نے تمھارے ہاتھوں دشمن کو شکست دی تو تم اس کو دباتے دباتے سلطنت ایران کے پایہ تخت مدائن پر قابض ہوجانا۔''

سیدنا سعد کے ذہن میں بات تھی۔ چنانچہ انھوں نے دو ماہ قادسیہ میں قیام کے بعد بابل کا رخ کیا۔ قادسیہ کی شکست نے ایرانیوں کی فوجی قوت بہت کمزور کردی تھی اور اس کے سپاہی حوصلہ ہار بیٹھے تھے۔ چنانچہ بابل میں ایرانی مجاہدین کے سامنے ٹک نہ سکے۔ چنانچہ تھوڑے ہی عرصے میں مجاہدین نے بابل، کوثی پر قبضہ کرلیا اور وہ اب مدائن کی طرف بڑھ رہے تھے۔

مدائن کا وہ حصہ جو دجلہ کی دوسری طرف تھا بہرہ شیر کہلاتا تھا۔ ذی الحجہ ۱۵ھ میں جب مجاہدین اسلام یہاں پہنچے تو پوران دخت کا شاہی رسالہ بڑی تیاریوں کے ساتھ یہاں موجود تھا۔ قادسیہ کی شکست کے بعد اس رسالے کے سپاہی روزانہ اس بات کی قسم اٹھاتے تھے کہ مادر وطن کے لیے جان دے دیں گے لیکن اس پر آنچ نہیں آنے دیں گے۔

اس شہر میں ایک خطرناک اور خوفناک شیر رکھا ہوا تھا۔ پوران دخت نے اسے خاص طور پر جنگ کے لیے سدھوایا تھا۔ لہٰذا یہاں مسلمانوں پر اس شیر کو چھوڑا گیا، شیر بھوکا رکھا گیا تھا، وہ ڈکارتا، دندناتا اور بپھرتا گولی کی طرح پنجرے سے نکلا۔ دونوں طرف انسانوں کی قطار بندی تھی اور درمیان میں ایک درندہ انسانوں سے برسرپیکار۔ سیدنا ہاشم رضی اللہ عنہ بن عتبہ اسلامی لشکر سے اس شیر کے ساتھ مقابلہ کرنے کے لیے آگے بڑھے۔ اب مقابلہ شیر اور ہاشم کا تھا۔ وہ خونخوار اور بھوکا شیر بجلی کی طرح سیدنا ہاشم رضی اللہ عنہ پر کودا لیکن دیکھنے والوں نے دیکھا کہ فضا ہی سے وہ شیر دو ٹکڑے ہوکر زمین پر گرا۔ دونوں فوجیں حیران و پریشان۔ ایرانی بھاگے لیکن مسلمان فاتحانہ شہر میں داخل ہوئے۔ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے ہاشم رضی اللہ عنہ کو گلے لگایا اور پیشانی کو چوما۔

بہرہ شیر ایک بہت بڑا مورچہ تھا جو مدائن میں داخل ہونے سے روکنے کے لیے تھا لیکن مجاہدین اسلام نے بغیر کسی تگ ودو کے اسے فتح کرلیا، کیونکہ ایرانی فوج قادسیہ ہی میں دل ہار چکی تھی اور اب کسی محاذ پر اس میں مقابلہ کی تاب نہ تھی۔

بہرہ شیر مسلمانوں کے ہاتھ آ گیا۔ اس خبر نے یزدگرد کا منہ لٹکا دیا۔ عمائدین سلطنت سے مشورہ کیا گیا۔ ان کا مشورہ یہ تھا کہ اب مدائن کے بچاؤ کی کوئی صورت نہیں۔ اب دجلہ کے ایک طرف مسلمان فوجیں تھیں اور دوسری جانب ایرانی افواج۔ دونوں ایک دوسرے کی گھات لگائے کھڑی تھیں۔ دجلہ کی موجیں ایرانیوں کی بے بسی پر مسکرا رہی تھیں۔ ایک روز سیدنا ضرار رضی اللہ عنہ بن خطاب کی آواز گونجی: ''مسلمانو! وہ ہے سامنے کسریٰ کا قصر ابیض جس پر قبضے کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بشارت دی تھی۔ مسلمانوں نے جب اس قصر ابیض (White House) کو دیکھا تو ایک ولولۂ تازہ دلوں میں جوش مارنے لگا۔

دجلہ پر جتنے پل تھے وہ سب پہلے ہی توڑ دیے گئے تھے تاکہ اسلامی فوجیں ان کے راستہ سے شہر میں

Marfat.com

داخل نہ ہوسکیں لیکن اب دریا کی گہرائی اور اس کی تیز و تند موجیں کسی صورت بھی مسلمانوں کی پیش قدمی (Advancement) کو نہ روک سکتی تھیں۔

صفر ۱۶ھ میں سرفروشوں کی یہ جماعت دجلہ کے اس طرف کسریٰ کے اس سفید محل پر قبضہ کے منصوبے بنا رہی تھی۔ ان کے سامنے بڑے بڑے سورماؤں کا زہرہ آب ہو جاتا تھا۔ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ دریا کے کنارے کھڑے ہو کر دریا کا حال بھی دیکھ رہے تھے اور زندگی کا اہم ترین فیصلہ بھی کر رہے تھے۔ کچھ دیر سوچنے کے بعد سپہ سالار نے اعلان کیا کہ سب مسلمان ایک جگہ جمع ہو جائیں۔ چنانچہ سب اسلحہ سے لیس ہو کر سالار اعظم کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''مسلمانو! دشمن نے اس دریا کو اپنے لیے سپر بنایا ہے۔ پل توڑ دیئے گئے ہیں۔ کشتیاں ہٹا دی گئی ہیں۔ غنیم یہ سمجھتا ہے کہ ہم دریا پار نہیں کر سکتے اور وہ جب چاہے کشتیوں پر بیٹھ کر ہم پر حملہ آور ہو سکتے ہیں۔ ہمارے پیچھے میدان صاف ہے، ادھر سے دشمن کا کوئی ڈر نہیں۔ یہ صرف دجلہ کی لہریں ہیں جو ہمیں مقابلہ کی دعوت دے رہی ہیں۔ میں عزم کر چکا ہوں کہ صبح کا تارہ ڈوبنے سے قبل دشمن کی صفوں میں پہنچ جاؤں گا۔ بتاؤ تمھارا کیا خیال ہے۔''

سب مجاہدین کا ایک ہی جواب تھا کہ ''اپنا ارادہ پورا کیجیے۔'' یہ جواب سن کر سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے بسم اللہ مجریھا و مرسھ اپڑھ کر اپنا گھوڑا دریا میں ڈال دیا۔ اس کے ساتھ ہی مجاہدین نے اپنے ساتھیوں کو بڑھاوا دیتے ہوئے اپنے گھوڑے دریا میں ڈال دیئے۔ دجلہ کا ساحل سہم کر ان جگر داروں کو تکنے لگا۔ چشم فلک نے بھی آج تک یہ منظر نہیں دیکھا تھا۔ مجاہدین دریا میں چلے تو اس شان کے ساتھ کہ صفوں کی ترتیب میں فرق نہ آیا۔ جرأت ایمانی کا یہ عالم کہ ہنستے کھیلتے آگے بڑھ رہے تھے۔

ایرانیوں نے اس منظر کو دیکھا تو سہم گئے۔ ان کی نظریں پتھرائی ہوئی تھیں، ہوش اڑے ہوئے تھے۔ انھیں یقین نہیں آ رہا تھا کہ یہ خواب ہے یا حقیقت۔ دجلہ انھیں انسانی سروں کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر نظر آ رہا تھا۔ ایرانی متحیر ہو کر ''دیوان آمدند، دیوان آمدند'' کہہ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ ایک افسر خرزاد نے معمولی سی مزاحمت کی لیکن وہ مسلمانوں کی ایک جھڑپ بھی برداشت نہ کر سکا۔ یزدگرد اپنی افواج کی یہ حالت دیکھ کر مدائن سے بھاگ گیا۔ مسلمان ساحل دجلہ سے سیدھا قصر ابیض جا پہنچے۔ انھیں روکنے ٹوکنے والا کوئی نہیں تھا۔

جمعہ کا دن تھا، مدائن کی سرزمین میں پہلی دفعہ نماز جمعہ کے لیے قصر ابیض کے در و دیوار مسلمانوں کی تکبیروں سے گونجنے لگے۔ یہی وہ قصر تھا جہاں سے ۶ھ میں سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ بن خدافہ کو نکال دیا گیا تھا لیکن آج خود یہاں کا بادشاہ اپنی جان بچانے کے لیے حلوان بھاگ گیا۔

مدائن کے خزانوں میں صدیوں کی دولت اور زر و جواہر کے علاوہ سلاطین عجم کے نادرۂ روزگار عجائبات اور نایاب یادگاریں جمع تھیں۔ سیدنا قعقاع رضی اللہ عنہ نے ایک ایرانی کا پیچھا کر کے اسے قتل کر دیا۔ اس کے پاس سے تھیلے ملے جن میں کسریٰ، ہرقل، خاقان ترک اور دوسرے بادشاہوں کی زرہیں اور تلواریں تھیں۔ سیدنا عصمہ ایک

Marfat.com

بھگوڑے سے دو پٹارے چھین لائے۔ انھیں کھولا گیا تو ان میں سے ایک میں سونے کا گھوڑا تھا جس پر چاندی کی زین کسی ہوئی تھی جس میں قیمتی زرو جواہر جڑے ہوئے تھے۔ سوار بھی چاندی کا تھا اور اس کے سر پر جواہرات کا تاج تھا۔ دوسرے میں چاندی کی اونٹنی تھی اور ان کا پالان اور سامان سونے کا تھا۔ سونے کی مہار میں موتی پروئے ہوئے تھے۔ یہ سارا قیمتی سامان جمع کر کے سیدنا سعد رضی اللہ عنہ بن ابی وقاص نے مدینہ طیبہ بھجوا دیا۔ ان نوادرات میں نوشیران کا ملبوس شاہی اور ایران کا تاریخی فرش بہار بھی تھا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے حکم سے یہ ملبوس ایک شخص محلم کو پہنایا گیا۔ جس وقت اس نے اسے پہنا تو دیکھنے والوں کی نگاہیں اس کے جواہرات کی جگمگاہٹ سے خیرہ ہوگئیں۔ فرش بہار سلاطین عجم کا نہایت تاریخی فرش تھا۔ یہ دوسو ستر فٹ لمبا اور ایک سو اسی فٹ چوڑا تھا۔ شاہان کسریٰ موسم بہار میں اس پر بیٹھ کر شراب نوشی کیا کرتے تھے۔ اس کے چاروں طرف حاشیہ تھا اور درمیان میں صحن چمن کا منظر۔ صناعوں نے اس قالین کی زمین سونے کی اور سبزہ زمرد کا بنایا ہوا تھا۔ پکھراج کے حاشیے، موتیوں کی نہریں، سونے چاندی کے درخت، حریر کے پتے اور جواہرات کے پھل تھے۔

اس فرش بہار کو تمام فوج کی منظوری سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس بھجوا دیا گیا۔ یہ مدینہ آیا تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے تمام مسلمانوں کو جمع کیا اور پوچھا کہ اس فرش کے بارے میں کیا کیا جائے۔ کچھ لوگوں کا خیال تھا کہ اسے اسی طرح رہنے دیا جائے لیکن سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس بات سے اتفاق نہ کیا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے کہنے سے اس کو کاٹ کر مسلمانوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ اس کا جو ٹکڑا سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے حصے میں آیا وہ بیس ہزار درہم میں فروخت ہوا۔ اس طرح سے سلطنت ایران کی طرح اس فرش بہار پر بھی خزاں آ گئی۔

مورخین بتاتے ہیں کہ مدائن کے شاہی خزانہ سے تین کھرب دینار ملے تھے۔ ایک مسلمان سپاہی جواہرات کا ایک ڈبہ لے کر آیا جسے دیکھ کر ہر ایک کی زبان سے یہ نکلا کہ جتنا سامان اب تک جمع ہو چکا ہے اس میں ایک شے بھی ایسی نہیں جسے اس کے مقابلے میں رکھا جائے۔'' اس مجاہد سے پوچھا گیا کہ تم نے اس کو اپنے پاس کیوں نہ رکھ لیا؟ وہ بولا'' وجہ بتاؤں تو تم سن کر میری تعریف کرو گے لیکن میں خدا کی تعریف کرتا ہوں۔ جواب سن کر سیدنا سعد رضی اللہ عنہ بن ابی وقاص فرمانے لگے:

''بخدا! لشکر کا لشکر ایمان دار ہے، اگر اصحاب بدر کو ایک خاص فضیلت حاصل نہ ہوتی تو میں کہتا کہ یہ لوگ جنگ بدر میں شریک ہونے والوں کے ہم مرتبہ ہیں۔''

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو اتمام الوفاء فی سیرۃ الخلفاء: ص ۸۲، التاریخ الاسلامی: ۱۱/ ۱۵۵، طبری: ۴/ ۴۵۴، البدایہ والنہایہ: ۷/ ۶۷)

معرکہ جلولاء:

مدائن سے فرار ہونے کے بعد ایرانیوں نے جلولاء کو اپنا مرکز بنایا۔ یہ مدائن سے ۴۰ میل شمال کی طرف،

Marfat.com

بغداد سے قریب خراسان کے راستہ پر ایک چھوٹا سا شہر تھا، لیکن یہ شہر نہایت اہم تھا۔ جلولاء میں اس وقت مہران، فیروزان، رستم کا بھائی خرزاد اور وہ تمام بڑے بڑے جنگی سورما جمع تھے جو سلطنت عجم کی آن بان پر مرمٹنے کی قسم کھا کر جمع ہوئے تھے۔ رستم کے بھائی اور دوسرے جرنیلوں نے باہمی مشورہ سے شہر کے اردگرد ایک خندق کھدوائی۔ یزدگرد نے وعدہ کیا کہ وہ حلوان سے برابر کمک بھیجتا رہے گا۔

سیدنا سعد رضی اللہ عنہ بن ابی وقاص نے سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی ہدایت کے مطابق سیدنا ہاشم رضی اللہ عنہ بن عتبہ اور سیدنا قعقاع رضی اللہ عنہ کو بارہ ہزار فوج کے ساتھ جلولاء روانہ کیا۔ ہاشم رضی اللہ عنہ اور قعقاع رضی اللہ عنہ کے نام سے ایرانی کانپ اٹھتے تھے اور یہ دونوں وہی لوگ تھے جنہوں نے قادسیہ کے میدان میں مشہور جنگی ہاتھی ابیض کو مار مار کر اس کا بھرکس نکال دیا تھا۔ اسلامی بارہ ہزار فوج نے شہر کا محاصرہ کرلیا۔ جولاء خود ایک مستحکم شہر تھا۔ اس میں ایک مضبوط قلعہ تھا۔ شہر کے اردگرد خندق کھدی ہوئی تھی لیکن پھر بھی ایرانی فوج کو باہر نکل کر مقابلہ کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔ مہران نے بہت سوچ بچار کے بعد فیصلہ کیا کہ لڑائی قلعہ بند ہوکر کی جائے۔

یزدگر برابر حلوان سے کمک بھیجتا رہا۔ اس کمک کی وجہ سے محاصرہ لمبا ہوگیا لیکن مسلمان فوج نے بھی عزم کیا ہوا تھا کہ شہر ضرور فتح کیا جائے گا۔ ۸۰ روز کے بعد ایرانی قلعہ سے باہر آئے لیکن بڑے جنگی انتظامات کے ساتھ۔ آخر مقابلہ ہوا، ایرانیوں کو شکست فاش ہوئی اور سیدنا قعقاع رضی اللہ عنہ فتح یاب ہوئے۔ جنگ ختم ہوئی تو ایک لاکھ ایرانی میدان میں دم توڑ چکے تھے۔ مہران قتل ہو چکا تھا۔ فیروزان حلوان چلا گیا اور یزدگرد حلوان سے بھاگ کر رے میں چھپ گیا۔

زیاد ابن ابی سفیان رضی اللہ عنہ فتح جلولاء کا مژدہ لے کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں مدینہ طیبہ پہنچے۔ ان کے ساتھ مال غنیمت کا پانچواں حصہ بھی تھا۔ یہ حصہ اس قدر زیادہ تھا اور زر و جواہر کی اس قدر بہتات تھی کہ دیکھنے والوں کی نگاہیں خیرہ ہوتی جاتی تھیں۔ سارا مدینہ اس مال کی بہتات سے خوش تھا لیکن سیدنا عمر رضی اللہ عنہ دل گرفتہ تھے۔ اس مال کو دیکھ کر فرمایا:

"دولت پھوٹ اور افتراق کی علامت ہے۔ یہ حسد کی آگ بھڑکاتی ہے اور محبت و مروت کی دشمن ہے، خدا اس کی برائیوں سے ہم سب کو اپنی پناہ میں رکھے۔" (طبری: ۴/۴۷۵)

حلوان پر قبضہ:

یزدگرد مدائن سے بھاگ کر حلوان چلا گیا تھا لیکن جب اس نے جنگ جلولاء میں مسلمانوں کی فتح کی خبر سنی تو اس کا دل بیٹھ گیا۔ تاریخ کے رپورٹر بتاتے ہیں کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی ہدایت تھی کہ قعقاع رضی اللہ عنہ دشمن کا پیچھا کریں۔ اس ہدایت کے مطابق سیدنا قعقاع رضی اللہ عنہ جلولاء کی فتح کے بعد حلوان جا پہنچے۔ یزدگرد نے اپنی سوار فوج اور اس کے سالار خسرو شنوم کو مقابلے کے لیے یہاں چھوڑا تھا۔ زینبی حاکم حلوان اور خسرو شنوم نے سیدنا قعقاع رضی اللہ عنہ کا

Marfat.com

مقابلہ کیا۔ زینبی مارا گیا اور خسرو کو بھاگتے ہی بنی۔ فیروزان جو حلوان میں موجود تھا، پہاڑوں کی طرف نکل گیا تا کہ مسلمانوں کے لیے نیا محاذ کھول سکے۔ شہر پر قبضہ کے بعد سیدنا قعقاع رضی اللہ عنہ نے عام منادی کرادی کہ جو لوگ اسلام یا جزیہ قبول کریں گے ان کے جان و مال محفوظ رہیں گے۔ اس اعلان پر بہت سے امراء حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔ جلولاء عراق کا آخری مقام تھا اس کے بعد عراق کی سرحد ختم ہو جاتی ہے۔

جزیرہ اور تکریت پر قبضہ:

عراق کے سلطنت اسلامی میں داخل ہونے کے بعد سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ آگے قدم نہیں بڑھانا چاہتے تھے۔ فرماتے تھے: ''کاش ہمارے اور اہل عجم کے درمیان آگ کا پہاڑ حائل ہو جاتا تا کہ نہ وہ ہم پر حملہ کر سکتے اور نہ ہم ان پر'' لیکن عراق کے ہاتھوں سے نکل جانے کے بعد ایرانی زخمی سانپ کی طرح پیچ و تاب کھاتے تھے۔ پہلے صرف حکومتی مقابلہ تھا لیکن اب پوری ایرانی قوم اس کا انتقام لینے کے لیے سرگرم عمل ہو گئی۔ مسلمانوں سے مقابلہ اب ایک قومی مسئلہ بن گیا۔ جزیرہ کے رہنے والوں نے تکریت میں ایک زبردست اجتماع کیا تا کہ مسلمانوں کا مقابلہ کیا جا سکے۔

سیدنا سعد رضی اللہ عنہ بن ابی وقاص نے تمام تفصیل بارگاہ خلافت میں لکھ بھیجی اور ہدایات مانگیں کہ کیا کیا جائے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے لیے سوائے مقابلے کے اور کوئی چارۂ کار نہ تھا۔ چنانچہ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کو لکھ بھیجا کہ عبداللہ رضی اللہ عنہ بن غنم کو اس مہم پر بھیج دیا جائے۔

سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ بن غنم پانچ ہزار سپاہیوں کے ساتھ تکریت پہنچے۔ آتے ہی شہر کا محاصرہ کر لیا۔ محاصرہ کے دوران چالیس روز تک برابر حملے کرتے رہے لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ جزیرہ کے عیسائی عرب بھی اس جنگ میں ایرانیوں کے ساتھ تھے۔ سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ نے عیسائی عربوں کو خفیہ نام و پیام کے ذریعہ اپنے ساتھ ملا لیا۔ عربوں کے ملنے سے صورت حال دوسری ہو گئی۔ اب جو مسلمانوں نے حملہ کیا تو عقب سے عرب بھی حملہ آور ہو گئے اور ایرانی اس طرح دو پاٹوں کے درمیان پس کر رہ گئے۔ تکریت پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔ اس کے بعد چند دنوں تک جزیرہ کی مہم ملتوی رہی۔ پھر ۱۷ھ میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا عیاض رضی اللہ عنہ بن غنم کو اس مہم پر مامور کیا۔ انھوں نے جزیرہ بھر میں فوجیں پھیلا دیں اور معمولی حرب و ضرب کے بعد رقہ، حران، نصیبین، میافارقین، سمساط، سرج اور قرقیسیا وغیرہ فتح کر کے جزیرہ کا پورا علاقہ سلطنت اسلامی میں داخل کر لیا۔

خوزستان اور دیگر علاقوں پر قبضہ:

مسلمانوں نے عراق کے اتنے بڑے علاقے پر قبضہ تو کر لیا لیکن اس قبضے کو قائم رکھنا کارے دارد تھا۔ چنانچہ اس کے لیے بصرہ کا شہر آباد کیا گیا۔ اس کا سرحدی علاقہ خوزستان ابھی تک ایرانیوں کے زیر تسلط تھا۔ بصرہ کی

Marfat.com

حفاظت کے لیے اس شہر پر قبضہ کرنا نہایت ضروری تھا۔ چنانچہ ۱۶ھ میں بصرہ کے گورنر سیدنا مغیرہ رضی اللہ عنہ بن شعبہ نے اہواز پر حملہ کر کے اس کے حاکم ہرمز کو اپنا مطیع بنالیا، لیکن وہ قابل اعتبار نہ نکلا اور چند دنوں کے بعد ہی اس نے بغاوت کر دی۔ اس وقت سیدنا مغیرہ رضی اللہ عنہ کی بجائے سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بصرہ کے گورنر تھے۔ انھوں نے ہرمز کو شکست فاش دے کر اہواز پر مستقل قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد آپ نے سوس فتح کیا۔ سوس کے بعد رامہرمز کا محاصرہ کیا۔ اس کے حاکم نے آٹھ لاکھ سالانہ پر سیدنا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے صلح کر لی۔

سیدنا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کی پے در پے فتوحات کو دیکھ کر ہرمزان (جو کہ رشتہ میں یزدگرد کا ماموں تھا) نے یزدگرد سے درخواست کی کہ اگر اہواز اور فارس کی حکومت میرے نام لکھ دی جائے تو میں عربوں کی پیش قدمی کو روک دوں گا۔ یزدگرد خود پناہ کی تلاش میں تھا اور زمین باوجود اپنی وسعت کے اس پر تنگ ہو گئی تھی۔ لہٰذا اس نے ہرمزان کی یہ درخواست منظور کرتے ہوئے اس کو اہواز اور فارس کی حکومت کا پروانہ دے دیا۔ اس کے علاوہ اس نے ایک بہت بڑی فوج بھی اس کے ساتھ کر دی تا کہ وہ مجاہدین اسلام کی پیش قدمی کو روک سکے۔ پروانہ اور فوج لے کر ہرمزان سوشتر آیا اور جنگی استحکامات درست کر کے ایک بہت بڑی فوج اکٹھی کر لی۔

ہرمزان نہایت خطرناک اور مکار شخص تھا۔ سیدنا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کو اس کی جنگی تیاریوں کی خبر ملی تو انھوں نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو اس کی اطلاع دی اور مزید کمک کی درخواست بھی کی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ گورنر کوفہ کو خط لکھا کہ فوجیں لے کر ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کی مدد کے لیے جائیں۔ سیدنا جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ بھی تھوڑی سی فوج لے کر آ گئے۔ سیدنا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ ان دونوں حضرات کو ساتھ لے کر سوشتر پہنچے۔ ہرمزان نے نہایت بہادری سے ان کی مزاحمت کی۔ بڑے گھمسان کی جنگ ہوئی۔ بہت سے مسلمان کام آئے، لیکن آخر کار وہ پسپا ہو کر قلعہ بند ہو گیا۔ سیدنا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ محاصرہ کافی عرصہ تک جاری رہا لیکن کوئی کامیابی نہ ہوئی۔

اتفاق سے شہر کا ایک باشندہ مسلمانوں کے ہاتھ لگ گیا۔ اس نے قلعہ کے ایک خفیہ راستے کا پتہ بتایا۔ ایک مسلمان اس خفیہ راستے سے شہر کے تمام راستے دیکھ آیا۔ دوسرے روز وہ تھوڑے سے مسلمانوں کے ساتھ تہ خانہ کے ذریعے سے شہر میں داخل ہو گیا اور اندر جا کر شہر پناہ کے دروازے کھول دیے۔ دروازے کھلتے ہی مسلمان شہر میں داخل ہو گئے۔ ایرانی فوج مسلمانوں کے اس اچانک داخلے سے بوکھلا اٹھی اور وہ ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہو گئی۔ ہرمزان نے محل میں پناہ لی اور مسلمانوں کے امیر کو کہلا بھیجا کہ میں اس شرط پر باہر آؤں گا کہ مجھے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس بھیج دیا جائے۔ شرط قبول کر لی گئی۔ ہرمزان نے مدینہ پہنچ کر بظاہر اسلام قبول کر لیا اور بعد میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت کی سازش میں شریک ہو گیا۔

سوشتر کے بعد جندیشاپور فتح ہوا اور پھر خوزستان کا پورا علاقہ مسلمانوں کے قبضے میں آ گیا۔

Marfat.com

معرکۂ نہاوند:

خوزستان پر اسلامی فوج کے قبضہ کے وقت یزدگرد مرو میں تھا۔ جب اس کو سوشتر اور خوزستان پر مسلمانوں کے قبضے کا پتہ چلا اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اس کا دست راست ہرمزان شکست کھا کر گرفتار ہو گیا ہے تو اس کو اپنی جان کے لالے پڑ گئے۔ وہ پہلے ہی اپنی جان بچانے کے لیے شہر بہ شہر پھر رہا تھا۔ کوئی اسے پناہ نہیں دے رہا تھا۔ اب اسے نظر آ رہا تھا کہ مسلمانوں کا یہ بے پناہ سیلاب ایران کو خس و خاشاک کی طرح بہا لے جائے گا۔ اس نے پھر مسلمانوں کے ساتھ آخری مقابلے کرنے کا پلان بنایا۔ اس نے ایران کے تمام چھوٹے ماتحت امراء اور فرمانرواؤں کو لکھا کہ سب اپنی فوجیں مسلمانوں کے مقابلہ کے لیے اکٹھی کریں۔ چنانچہ بقول اثیر قریباً ڈیڑھ لاکھ فوج مسلمانوں کے مقابلے کے لیے اکٹھی ہو گئی۔

اس فوج کی کمان کے لیے ایران کے مشہور بہادر مردان شاہ کا انتخاب ہوا اور اسے اس تمام فوج کا سپہ سالار اعظم بنا کر نہاوند روانہ کر دیا گیا۔ اب کہ پھر درفش کاویانی جو فتح و ظفر کا نشان سمجھا جاتا تھا، ساتھ کر دیا گیا۔

گورنر کوفہ سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے تمام حالات سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو مطلع کیا۔ آپ نے اکابر صحابہ سے اس بارے میں مشورہ کیا۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی رائے تھی کہ امیر المومنین رضی اللہ عنہ خود مقابلے کے لیے نکلیں، لیکن سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اس رائے کی مخالفت کی اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو باہر نکلنے سے روک دیا اور کہا کہ اگر آپ خود نکلے تو اندرون ملک بغاوت ہو جانے کا خدشہ ہے۔ (البدایہ والنہایہ: ۷/۱۰۷، طبری تحت فتح نہاوند)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے مشورہ پر عمل کرتے ہوئے فوجیں جمع کیں اور سیدنا نعمان رضی اللہ عنہ بن مقرن کو سپہ سالار بنا کر نہاوند روانہ کیا۔ سیدنا مقرن رضی اللہ عنہ نے نہاوند سے چند میل ادھر قیام کیا۔ مردان شاہ کی نظروں میں رستم اور دوسرے ایرانی جرنیلوں کا انجام تھا، لہٰذا اس کی دلی خواہش تھی کہ جنگ نہ ہو۔ لہٰذا اس نے صلح کے لیے مسلمان سفرا کو بلا بھیجا۔ سیدنا نعمان رضی اللہ عنہ نے سیدنا مغیرہ رضی اللہ عنہ بن شعبہ کو سفیر بنا کر بھیجا۔ رستم کے دربار میں بھی یہی سفیر بن کر گئے تھے۔

مردان شاہ نے اپنی ٹھاٹھ باٹھ سے مسلمانوں کے سفیر پر اثر ڈالنے کی کوشش کی۔ چنانچہ وہ سر پر زرنگار تاج رکھے طلائی تخت پر بیٹھا تھا۔ چپ و راست درباری تلواریں اور نیزے لٹکائے کھڑے تھے جن کی چمک آنکھوں کو خیرہ کرتی تھی۔ سیدنا مغیرہ رضی اللہ عنہ نے اس کی ٹاٹھ باٹھ کی طرف کوئی توجہ نہ دی اور شان بے نیازی کے ساتھ دربار میں اپنی تلوار گھسیٹتے چلے گئے۔ دربار میں جا کر مردان شاہ کے ساتھ بیٹھ گئے اور مترجم کے ذریعے بات چیت شروع ہوئی۔

مردان شاہ نے کہا ''عرب میں سب سے زیادہ بدبخت، فاقہ مست اور ذلیل و خوار قوم جو ہو سکتی ہے وہ تم ہو۔ ہماری افواج قاہرہ کب کا تمہارا فیصلہ کر چکی ہوتیں لیکن تم جیسے ذلیل و خوار اور نجس و ناپاک لوگوں کے ناپاک خون سے ہم اپنے تیروں کو آلودہ نہیں کرنا چاہتے۔ اب بھی اگر تم واپس چلے جاؤ تو تمہارے لیے معافی ہے وگرنہ تمہاری لاشیں خاک و خون میں تڑپتی ہوئی نظر آئیں گی۔''

Marfat.com

سیدنا مغیرہ رضی اللہ عنہ نے اس کی نخوت آمیز باتوں کا جواب دیا کہ ''بے شک ایک زمانے میں ہم ایسے ہی تھے لیکن جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہماری کایا پلٹ دی۔ ہمارے لیے دنیا میں فتح ونصرت اور آخرت میں جنت کا وعدہ ہے۔اس لیے ہم واپس نہیں جاسکتے جب تک تمھارے ملک پر قبضہ نہ کرلیں۔''

مردان شاہ کے کبر ونخوت کی وجہ سے سفارت ناکام رہی اور فریقین میں جنگ چھڑ گئی۔ایسی خونریز جنگ ہوئی کہ کشتوں کے پشتے لگ گئے۔ایران کی لڑائیوں میں قادسیہ کی جنگ کے بعد یہ سب سے زیادہ خونریز جنگ ہے۔فریقین کی طرف سے ہزاروں لاشیں خاک وخون میں نہا گئیں۔اسلامی فوج کے سپہ سالار سیدنا نعمان رضی اللہ عنہ بن مقرن بھی شدید زخمی ہوکر گرے۔زخم مہلک تھا لیکن منع کردیا کہ لڑائی کے فیصلہ تک میری طرف کوئی توجہ نہ کی جائے اور لڑائی برابر جاری رکھی جائے۔چنانچہ ان کے فرش خاک پر گرنے کے بعد ان کے بھائی نعیم رضی اللہ عنہ نے علم سنبھال لیا اور زور وشور سے جنگ کو جاری رکھا۔رات تک ایرانیوں کے پاؤں اکھڑ گئے اور وہ بھاگ کھڑے ہوئے۔مسلمانوں نے ہمدان تک ان کا تعاقب کیا اور ہزاروں ایرانیوں کو موت کے گھاٹ اتارا۔

اس جنگ میں مورخین کے بیان کے مطابق تیس ہزار ایرانی میدان میں کام آئے اور ایرانیوں کی قوت ایسی تباہ وبرباد ہوئی کہ پھر اتنی بڑی تیاری کے ساتھ وہ مسلمانوں کے مقابلے میں نہ آسکے۔اسی وجہ سے اس فتح کو ''فتح الفتوح'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

جنگ ختم ہونے کے بعد سیدنا معقل رضی اللہ عنہ، سیدنا نعمان رضی اللہ عنہ بن مقرن کے نیم جان لاشہ کے پاس آئے۔ سیدنا نعمان رضی اللہ عنہ میں کچھ کچھ جان باقی تھی۔پوچھا لڑائی کا کیا انجام ہوا۔انھوں نے جواب دیا اللہ تعالیٰ نے فتح عطا فرمائی۔فرمایا الحمدللہ! سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو اطلاع کردو۔صرف اتنے ہی الفاظ کہے تھے کہ روح قفس عنصری سے پرواز کرگئی۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کئی روز سے اس جنگ کے بارے میں بے چین اور بے قرار تھے۔آخر ایک قاصد نے آکر فتح کا مژدہ سنایا۔بہت خوش ہوئے،لیکن جب قاصد نے بتایا کہ سیدنا نعمان رضی اللہ عنہ بن مقرن شہید ہوگئے ہیں تو بے اختیار سر پر ہاتھ رکھ کر رونے لگے۔مال غنیمت جو لایا گیا وہ تقسیم کرادیا گیا۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو طبری:۵/۱۰۹،الفن العسکری الاسلامی:ص ۲۸۵،البدایہ والنہایہ:۷/۱۱۳)

عام لشکر کشی:

جیسا کہ ذکر کیا جاچکا ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ جلولاء کی جنگ کے بعد مزید ایران کی طرف نہیں بڑھنا چاہتے تھے لیکن عراق کے نکل جانے کے بعد ایرانی ماہی بے آب کی طرح بے چین تھے۔یزدگرد مرو میں بیٹھا مختلف مفتوحہ علاقوں میں بغاوت کرواتا رہتا یا پھر مختلف علاقوں کی فوجیں جمع کرتا رہتا۔چنانچہ جنگ نہاوند بھی اس بات کا نتیجہ تھی۔سیدنا عمر رضی اللہ عنہ مفتوحہ علاقوں میں بار بار بغاوتوں کو بعض دفعہ اپنی انتظامیہ کی بدسلوکی کا نتیجہ سمجھتے۔چنانچہ کئی

Marfat.com

ایک مرتبہ اس کا اظہار بھی فرمایا۔

ایک مرتبہ آپ نے سیدنا احنف رضی اللہ عنہ بن قیس سے بھی یہی کہا۔ انھوں نے جواب دیا: ''امیر المومنین! اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ آپ نے مسلمانوں کو ایران کی سرزمین کے اندرون میں بڑھنے سے روک دیا ہے اور ان کا بادشاہ ملک میں موجود ہے۔ وہ انھیں ہر وقت بغاوت پر مشتعل کرتا رہتا ہے۔ جب تک ہم اس بادشاہ کا استیصال اور قلع قمع نہیں کریں گے اس وقت تک یہ بغاوتیں ہوتی رہیں گی۔ جب تک ایران کی رعایا اپنے بادشاہ سے مایوس نہیں ہوگی اس وقت تک ایرانی خاموشی سے نہیں بیٹھیں گے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو سیدنا احنف رضی اللہ عنہ کی رائے بہت پسند آئی۔ چنانچہ آپ نے ایران پر مکمل فوج کشی کا ارادہ فرمالیا۔

کچھ دنوں کے بعد آپ نے اکابر صحابہ سے بھی اس بارے میں مشورہ کیا۔ انھوں نے بھی یک زبان ہو کر کہا کہ جب تک ایران کے تخت کا وارث موجود ہے، اس وقت تک یہ فتنہ وفساد ختم نہ ہوگا۔ چنانچہ آپ نے ایران کے مختلف حصوں کے لیے مختلف جرنیل مقرر کر کے عام لشکر کشی کا حکم صادر فرمادیا۔ سیدنا احنف رضی اللہ عنہ بن قیس کو جنھوں نے یزدگرد کے استیصال کا مشورہ دیا تھا، خراسان کی مہم پر بھیجا جہاں یزدگرد موجود تھا۔ اردشیر اور سابور کا علاقہ مجاشع بن مسعود کو، اصطخر کا عثمان بن ابی العاص کو، فسا کا ساریہ بن رہم کنانی کو، کرمان کا سہیل بن عدی کو، سیستان کا عاصم بن عمرو کو، مکران کا حکیم بن عمیر کو اور آذربائیجان کا علاقہ عتبہ بن فرقد کے سپرد کیا گیا۔ یہ حضرات ۲۱ھ کو اپنی اپنی مہموں پر روانہ ہوئے اور انھوں نے تھوڑے ہی عرصے میں اصفہان، ہمدان، رے، طبرستان، آذربائیجان، آرمینیہ، فارس، کرمان، سیستان وغیرہ کے علاقے فتح کر لیے۔

سیستان ایران کی آخری حد ہے۔ اس کے بعد سندھ کا علاقہ شروع ہو جاتا ہے۔ چنانچہ ایران کی سرزمین پر قبضہ کرنے کے بعد اسلامی فوجیں ہندوستان کی طرف بڑھیں۔ سیستان فتح کرنے کے بعد سیدنا حکم بن عمرو تغلبی مکران کی طرف بڑھے۔ یہاں کا حکمران راسل تھا۔ اس نے سندھ کے حکمران کی مدد سے دریائے ہلمند کے قریب مسلمانوں کا مقابلہ کیا لیکن شکست فاش کھائی۔

سیدنا حکیم رضی اللہ عنہ بن عمرو نے صحار عبدی کو فتح کا خط اور مال غنیمت دے کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا۔ امیر المومنین نے اس سے مکران کا حال پوچھا۔ انھوں نے ان الفاظ میں وہاں کی خرابیوں کا نقشہ کھینچا: ارض سهلها جبل وماؤ هاوشل و ثمرهااقل و عدوها بطل و خيرهاشروشرها طويل والكثير بها قليل'' سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ وہاں کا حال بیان کرنے میں قافیہ بندی کا کیا کام؟ صحار عبدی نے عرض کیا کہ میں قافیہ بندی نہیں کر رہا بلکہ وہاں کے صحیح حالات بیان کر رہا ہوں۔ یہ بھیانک حالات سن کر آپ نے فوج کو پیش قدمی سے روک دیا۔ چنانچہ خلافت فاروقی میں فتوحات کی یہ آخری سرحد تھی لیکن علامہ بلاذری نے لکھا ہے کہ خلافت فاروقی میں اسلامی فوجیں مکران سے آگے سندھ کے علاقہ دیبل تک پہنچ گئی تھیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان میں سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے زمانے ہی میں اسلام کا علم پہنچ گیا تھا۔

Marfat.com

خراسان کی فتح:

ایران پر اس عام لشکر کشی کا اصل مقصد یزدگرد کا استیصال تھا۔ چنانچہ ان فتوحات کے دوران وہ خراسان میں مقیم تھا اور مختلف علاقوں میں ایرانیوں کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکاتا رہتا تھا۔ خراسان کی مہم سیدنا احنف رضی اللہ عنہ بن قیس کے سپرد کی گئی تھی۔ چنانچہ انھوں نے ۲۲ھ میں خراسان پر چڑھائی کی۔ اس حملہ کے وقت یزدگرد خراسان کے شہر مرو میں مقیم تھا۔ اس وجہ سے سیدنا احنف رضی اللہ عنہ نے پہلے مرو کا رخ کیا اور ہرات کو فتح کرتے ہوئے مرو شاہجہان کا رخ کیا جہاں یزدگرد ٹھہرا ہوا تھا۔

مرو شاہجہاں کی طرف سیدنا احنف رضی اللہ عنہ کا رخ دیکھ کر یزدگرد مرو الرود چلا گیا۔ وہاں سے اس نے خاقان چین اور ایران کے گردونواح کے سرحدی فرمانرواؤں سے مدد طلب کی۔ سیدنا احنف رضی اللہ عنہ کو پتہ چلا تو وہ فوراً مرو الرود پہنچ گئے۔ یزدگرد یہاں سے بھاگ کر بلخ چلا گیا۔ احنف رضی اللہ عنہ نے بھی تعاقب کیا اور معمولی سی جنگ کے بعد یزدگرد نہر پار کر کے خاقان چین کے علاقے میں چلا گیا۔

یزدگرد کے خراسان چھوڑنے کے بعد سیدنا احنف رضی اللہ عنہ نے پورے خراسان میں فوجیں پھیلا دیں اور پورے کا پورا علاقہ فتح کر لیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو اس فتح کی اطلاع دی گئی، وہ بہت خوش ہوئے اور سیدنا احنف رضی اللہ عنہ کو پیش قدمی سے روک دیا۔

یزدگرد، خراسان سے خاقان چین کے پاس پہنچا۔ اس نے اس آخری کیانی بادشاہ کا بڑا احترام کیا اور چند دنوں کے قیام کے بعد ترک، فرغانہ اور صغد کی فوجیں اکٹھی کر کے یزدگرد کے ساتھ خود خراسان آیا۔ مرو الرود کے قریب سیدنا احنف رضی اللہ عنہ کی فوج سے اس کا مقابلہ ہوا اور خاقان کو مسلمانوں کی قوت کا اندازہ ہو گیا۔ چنانچہ اس نے اس خیال سے کہ دوسروں کے لیے لڑ کر اپنی قوت برباد کرنے کا کوئی فائدہ نہیں، فوج کو واپس کوچ کا حکم دے دیا۔

خاقان چین کے واپس جانے کے بعد یزدگرد مایوس ہو گیا۔ اسی مایوسی کے عالم میں اس نے چاہا کہ خاندان کیانی کے کل خزانہ اور مال و دولت کے ساتھ ترکستان چلا جائے، لیکن ایرانیوں نے اسے روکا اور کہا کہ چین جانے سے تو یہی بہتر ہے کہ تم مسلمانوں سے صلح کر لو۔ یہ لوگ چینیوں سے بدرجہا بہتر ہیں، لیکن یزدگرد نہ مانا۔ ایرانیوں نے جب دیکھا کہ یزدگرد چین جانے پر مصر ہے تو انھوں نے وہ سارا خزانہ اور مال و دولت اس سے چھین لیا اور وہ خالی ہاتھ نامراد ترکستان چلا گیا۔ ایرانیوں نے وہ ساری دولت سیدنا احنف رضی اللہ عنہ بن قیس کے حوالے کر کے ان سے صلح کر لی اور وہ اتنی اچھی زندگی بسر کرنے لگے کہ کسریٰ فارس کو بھول گئے۔ (طبری)

سیدنا احنف رضی اللہ عنہ نے یہ سارے حالات امیر المومنین رضی اللہ عنہ کو لکھے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ خط پڑھ کر بہت خوش ہوئے۔ تمام مسلمانوں کو مسجد نبویؐ میں جمع کر کے ایک نہایت مؤثر تقریر فرمائی۔ چنانچہ آپ نے فرمایا:

''آج مجوسیوں کی سلطنت برباد ہو گئی۔ آج ایک چپہ زمین بھی ان کے ملک کی ان کے پاس نہیں رہی

Marfat.com

جس سے وہ مسلمانوں کو کسی قسم کا کوئی نقصان پہنچا سکیں۔ اللہ رب العزت نے ان کی زمین، ان کے ملک اور ان کے مال و دولت کا تمھیں اس لیے وارث بنایا ہے تا کہ تمھیں آزمائیں۔ لہٰذا تم اپنی حالت نہ بدلو وگرنہ اللہ تعالیٰ تمھاری جگہ کسی اور قوم کو لے آئے گا۔ مجھ کو اس امت کے لیے خود اس کے افراد سے خوف ہے۔" (ابن اثیر: ۳/۱۵، طبری: ۵/۱۵۹)

Marfat.com

شام کی فتوحات

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں انھوں نے دو محاذ کھولے تھے۔ ایک عراق میں جہاں ایرانی سلطنت تھی اور دوسرے شام میں جو قیصر روم کے تحت تھا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے خلیفہ منتخب ہوتے ہی عراق کے محاذ پر تو یہ فتوحات کیں جن کا مختصر تذکرہ گزشتہ صفحات میں کیا گیا ہے اور سلطنت کسریٰ کو نیست و نابود کر کے رکھ دیا۔ کسریٰ ایران جو کسی زمانے میں سپر پاور سمجھا جاتا تھا اب خاقان چین کے ہاں پناہ لے رہا تھا۔ اس کے اپنے ملک میں اس کے لیے دو انچ جگہ نہ تھی۔ دوسری طرف بازنطینی سلطنت کے محاذ پر بھی آپ نے اسلامی افواج کو روانہ کیا۔ مسلمانوں نے شام میں جب دمشق کا محاصرہ کیا ہوا تھا تو مدینہ طیبہ میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا۔ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے خلیفہ ہونے کے ساتھ اس محاذ پر بھی توجہ دی۔ مسلمانوں نے دمشق کے محاصرہ کو جاری رکھا۔ محاصرے کے دوران دمشق کے پادری کے ہاں بچے کی ولادت ہوئی۔ اس کے جشن میں اہل شہر نے خوب شرابیں پیں اور بدمست ہو کر سو گئے۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ بن ولید امیر لشکر ہونے کے ناطے راتوں کو سوتے نہ تھے بلکہ گھوم پھر کر دشمن کی مخبری کرتے تھے۔ انھیں اس جشن کی خبر ہوئی اور پتہ چلا کہ فوج اور اہل شہر بدمست ہو کر سوئے ہوئے ہیں تو انھوں نے چند مسلمانوں کو ساتھ لے کر شہر کی فصیل پر کمند لگائی اور شہر کے اندر داخل ہو گئے۔

پھاٹک کے محافظ بھی مستی میں اونگھ رہے تھے۔ ان سب کو قتل کر کے شہر کے پھاٹک کھول دیئے گئے۔ پھاٹک کھلتے ہی مسلمان فوج شہر میں داخل ہو گئی۔ مسلمان فوج کے اس طرح شہر میں داخل ہونے سے اہل شہر بوکھلا گئے۔ ان کی سمجھ میں کچھ نہیں آتا تھا کہ کیا کیا جائے۔ وہ سیدھے سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ بن جراح کے پاس پہنچے جو شہر کی دوسری طرف متعین تھے اور ان سے پناہ اور صلح کی درخواست کی۔ انھیں صحیح صورت حال کا علم نہیں تھا، لہٰذا انھوں نے صلح قبول کر لی۔ چنانچہ شہر کی ایک سمت سے سیدنا خالد رضی اللہ عنہ بن ولید فاتحانہ داخل ہوئے اور دوسری طرف سے سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ مصالحانہ طور پر۔ سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ چونکہ مصالحت کر چکے تھے، اس لیے یہ فتح مصالحانہ قرار دی گئی۔ لہٰذا نہ مال غنیمت حاصل کیا گیا اور نہ ہی کسی کو لونڈی اور غلام بنایا گیا۔

۱۴ھ میں دمشق فتح ہوا۔ یہ شام کا ایک مرکزی مقام تھا۔ چنانچہ رومیوں نے ذی قعدہ ۱۴ھ میں اردن کے شہر بیسان میں فوجیں جمع کر کے اس فتح کا انتقام لینے کے لیے مسلمانوں کا مقابلہ کیا لیکن شکست فاش کھائی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دمشق واپس لینے کی بجائے اردن کا پورا صوبہ رومیوں کے ہاتھ سے نکل گیا۔

Marfat.com

حمص کی فتح:

دمشق اور اردن کی فتح کے بعد بیت المقدس، حمص اور انطاکیہ تین بڑے شہر رہ گئے تھے۔ اتنے میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا خط پہنچا کہ اور شہروں کا خیال چھوڑ کر پہلے حمص کو فتح کیا جائے اور پھر انطاکیہ کو۔ اگر ان دونوں شہروں پر ہمارا قبضہ ہو گیا تو باقی چھوٹے چھوٹے شہر اور قلعے خود بخود فتح ہو جائیں گے۔ چنانچہ سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ، سیدنا یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کو پانچ سو سپاہیوں کے ساتھ دمشق کی حفاظت کے لیے چھوڑ کر خود حمص کی طرف روانہ ہو گئے۔ ہرقل شہنشاہ روم ان دنوں حمص میں ٹھہرا ہوا تھا۔ اسے پتہ چلا کہ مسلمان آ رہے ہیں تو اس نے اپنے جرنیل توذر سے کہا کہ آگے بڑھ کر مرج روم کے مقام پر پڑاؤ ڈال دو اور وہیں مسلمانوں کا مقابلہ کرو۔ ہرقل نے اس کی مدد کے لیے ایک اور سردار شنس کو بھیجا۔ یہ دونوں تھوڑے تھوڑے فاصلے پر مسلمانوں کے راستے میں بیٹھ گئے۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ، سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے ہراول دستہ میں تھے۔ انھیں پتہ چلا کہ حمص کے راستہ میں توذر فوج لیے بیٹھا ہے۔ چنانچہ انھوں نے وہیں پڑاؤ ڈال لیا۔ اتنے میں سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ بھی پہنچ گئے۔ انھوں نے دیکھا کہ رومی سردار شنس توذر سے کچھ ہٹ کر پڑاؤ ڈالے ہوئے ہے تو شنس سے آگے جا ٹھہرے۔ رات کو سیدنا خالد رضی اللہ عنہ اپنے سپہ سالار سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ بیٹھے لڑائی کا نقشہ بنا رہے تھے تو انھیں معلوم ہوا کہ توذر کی فوج شنس کی فوج سے جا ملی ہے۔ انھوں نے اس بات کا کوئی خاص نوٹس نہ لیا۔

دن نکلا تو دونوں لشکر آمنے سامنے ہوئے۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ صرف شنس اپنی فوج کو صف آراء کر رہا ہے اور توذر وہاں موجود نہیں۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ قدرے متذبذب ہوئے اور سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ توذر اپنی فوج لے کر دمشق چلا گیا ہے تاکہ وہ اچانک حملہ کر کے دمشق ہم سے واپس لے لے۔ اگر اجازت ہو تو میں توذر کا پیچھا کروں۔ سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے اجازت دے دی۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ گھوڑے دوڑاتے ہوئے دمشق کی طرف آئے۔ ان کے پہنچنے سے پہلے توذر دمشق پہنچ چکا تھا۔ اسے دیکھ کر سیدنا یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ قلعہ بند ہو گئے کیونکہ ان کے پاس بہت کم فوج تھی۔ توذر ابھی دمشق کا محاصرہ کیے ہوئے تھا کہ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ اپنے لشکر کے ساتھ پہنچ گئے۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کی فوج کو دیکھ کر سیدنا یزید رضی اللہ عنہ نے بھی شہر کے دروازے کھول دیئے۔ آگے سے یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ اور پیچھے سے خالد رضی اللہ عنہ بن ولید اور درمیان میں حریف۔ ان دونوں نے حریف کے پرخچے اڑا دیئے۔ حال یہ تھا کہ توذر کی لاش اٹھانے والا کوئی باقی نہ رہا۔

دمشق کو بچا کر سیدنا خالد رضی اللہ عنہ واپس مرج روم پہنچے۔ یہاں ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ اور شنس کی فوجیں ابھی تک برسرپیکار تھیں۔ خالد رضی اللہ عنہ کے پہنچتے ہی جنگ کا پانسہ پلٹ گیا۔ شنس کو قتل کر دیا گیا اور اس کی فوج کو شکست فاش ہوئی۔ یہاں سے مسلمان حمص کی طرف بڑھے۔ ہرقل کو اس شکست کا پتہ چلا تو وہاں سے بھاگ کر چلا گیا۔ اہل حمص قلعہ بند ہو گئے اور مسلمانوں نے حمص کا محاصرہ کر لیا۔ کڑاکے کی سردی پڑ رہی تھی۔ اہل حمص کا خیال تھا کہ

Marfat.com

مسلمان اس سردی کو برداشت نہیں کرسکیں گے۔لہٰذا جلد ہی محاصرہ اٹھالیں گے لیکن یہ ان کی بھول تھی۔چنانچہ شہر والوں نے صلح کرلی۔اسی دوران سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے حماۃ، شیراز اور معرۃ النعمان جیسے چھوٹے چھوٹے مقامات فتح کرلیے۔

حمص کی فتح کے بعد سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ یہاں سیدنا عبادہ رضی اللہ عنہ بن صامت کو اپنا قائم مقام بنا کر لاذقیہ روانہ ہوگئے۔سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے اس مضبوط اور مستحکم شہر کو ایک خاص تدبیر سے فتح کرلیا۔بعدازاں انھوں نے ہرقل کے پایۂ تخت انطاکیہ کو فتح کرنے کا ارادہ کیا لیکن سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا حکم پہنچا کہ ابھی آگے نہ بڑھا جائے۔

مسلمانوں کی ان روزافزوں فتوحات اور ان کے مقابلے میں رومیوں کی عاجزی و درماندگی کو دیکھ کر قیصر روم نے انطاکیہ کو چھوڑ کر قسطنطنیہ جانے کا ارادہ کرلیا، لیکن رومی مفتوحہ علاقہ جات کی رعایا نے اس کے پاس جا کر فریاد کی کہ مسلمانوں نے سلطنت رومیہ کو پامال کردیا ہے اور انھیں کوئی روکنے والی طاقت نہیں۔رومی رعایا کی ان باتوں سے قیصر روم کو غیرت آئی اور اس نے پوری طاقت سے مسلمانوں کے مقابلے کی تیاریاں شروع کردیں۔ اس نے اپنے تمام ممالک محروسہ میں فوجوں کو اکٹھا کرنے کے فرمان جاری کردیئے۔

رومی پہلے ہی سے انتقام کی آگ اپنے سینوں میں چھپائے بیٹھے تھے۔قیصر روم کے فرمان نے جلتی پر تیل کا کام کیا۔چنانچہ انطاکیہ میں رومی فوجوں کا ایک سیل بے پناہ امڈ آیا۔

رومیوں کی ان تیاریوں کی خبر جب سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو پہنچی تو انھوں نے اپنے جرنیلوں سے مشورہ کے بعد یہ قرار پایا کہ منتشر افواج کو ایک جگہ اکٹھا کیا جائے۔چنانچہ سب افواج کا اجتماع دمشق میں ہوا۔دمشق میں اکٹھا ہونے کے لیے انھیں کئی مفتوحہ علاقوں کو خالی کرنا پڑا، لہٰذا انھوں نے جزیہ کی وہ تمام رقم جو اپنی عیسائی رعایا کی حفاظت کے لیے ان سے لی تھی، واپس کردی۔اس بات کا عیسائی رعایا پر یہ اثر ہوا کہ انھوں نے رو رو کر ان فاتحین کو رخصت کیا اور ان کی واپسی کی دعائیں مانگیں۔(Preaching of Islam: Arnold, P61)

فوجوں کے اجتماع کے بعد امیر المومنین رضی اللہ عنہ کو سب حالات سے باخبر کیا گیا۔رومیوں کی تیاریوں کا سن کر اہل مدینہ میں بھی جوش پیدا ہوا اور وہ بھی محاذ جنگ پر جانے کے لیے سربکف ہوگئے۔چنانچہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے مدینہ سے امدادی فوج انطاکیہ روانہ کی۔

بلاذری کے مطابق یہ جنگ رجب ۱۵ھ میں ہوئی۔بعض روایات میں ہے کہ یرموک کی جنگ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے انتقال کے دس روز بعد ہوئی۔مسلمانوں کی کل فوج پچیس ہزار تھی۔کچھ مورخین نے اس سے زیادہ بتائی ہے لیکن پچاس ہزار سے زیادہ کسی نے نہیں بتائی۔ان کے مقابلے میں رومی فوج دو لاکھ کے قریب تھی۔ اسی ہزار سوار، اسی ہزار پیدل اور چالیس ہزار ایسے جیالے جنھوں نے اپنے آپ کو زنجیروں میں جکڑا ہوا تھا تاکہ جان دینے کے سوا قدم پیچھے ہٹانے کا خیال بھی کسی کے دل میں نہ آئے۔فوج کے جرنیل انھیں لوہے کی دیوار سمجھتے تھے، جس سے ٹکرا کر مسلمان پاش پاش ہوجائیں گے۔یہ دو لاکھ کی فوج ہر قسم کے ساز و سامان سے لیس آگے آگے

Marfat.com

تھی، کاہن وراہب، ترانے سناتے، بڑھاوے دیتے، فال نکالتے آ رہے تھے۔

سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے دشمن کی فوج کا جب یہ حال دیکھا تو تمام مسلمان جرنیل ایک جگہ سر جوڑ کر بیٹھے۔ مختلف جنگی چالیں سوچی گئیں اور فیصلہ ہوا کہ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ فوج کی کمان سنبھالیں۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے فوج کو اڑتیس (۳۸) دستوں میں تقسیم کیا، سیدنا قعقاع رضی اللہ عنہ اور سیدنا عکرمہ رضی اللہ عنہ بن ابی جہل کو قلب کے دو بازوؤں کا سالار بنایا گیا۔ اٹھارہ دستے درمیانی حصے میں رکھے گئے۔ سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو ان پر سردار مقرر کیا گیا۔ میمنہ کے دس دستے عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص اور سیدنا شرجیل رضی اللہ عنہ بن حسنہ کے سپرد کیے گئے اور میسرہ کے دس دستے سیدنا یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کی کمان میں دیئے گئے۔ ہر دستے پر ایک ایک آزمودہ کار جرنیل مقرر کیا گیا جنھیں ہدایت تھی کہ اپنے اپنے سالار کے حکم پر عمل کریں۔

سیدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ بھی باوجود اپنی پیرانہ سالی کے لشکر میں موجود تھے۔ بیٹا یزید رضی اللہ عنہ میسرہ کا سردار اور باپ ابوسفیان لشکر کا نقیب، بیوی ہند اور بیٹی جویریہ گویا کہ پورا گھرانہ اس معرکے میں موجود تھا۔ لشکر کی صف آرائی کے وقت کسی شخص کے منہ سے نکل گیا: ''رومی کتنے زیادہ اور مسلمان کتنے کم ہیں۔'' یہ فقرہ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے سن لیا۔ فرمایا ''مسلمان کتنے کم اور رومی کتنے زیادہ ہیں، مسلمانو! یاد رکھو فوجیں کثرتِ تعداد سے نہیں ہمت اور شجاعت کی وجہ سے کم یا زیادہ ہوتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی نصرت ہمیشہ اس کے ساتھ ہوتی ہے جو بہادر اور جرأت مند ہوتا ہے۔ الحمدللہ! ہم بہادر بھی ہیں، جرأت مند بھی اور صاحب ایمان بھی۔ ہم سے کون مقابلہ کرے گا۔

دونوں فوجیں آپس میں گتھ گئیں۔ سیدنا ضرار رضی اللہ عنہ بن ازور کرتا اتار کر دشمنوں پر جا پڑے۔ سیدنا عکرمہ رضی اللہ عنہ، سیدنا سہیل رضی اللہ عنہ، سیدنا عمرو رضی اللہ عنہ بن عکرمہ اور سیدنا یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کے دست و بازو میں جبرئیل کی طاقتیں سمٹ کر آ گئیں۔ یہ مجاہدین جدھر بڑھتے دشمن زنجیریں توڑ کر بھاگ کھڑا ہوتا۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ بن ولید سیف اللہ حریف کے قلب لشکر میں گھس گئے۔ گھمسان کا رن پڑا۔ دشمن کو خاک و خون میں نہلایا جا رہا تھا لیکن وہ تعداد میں اتنا کثیر تھا کہ اس کو قتل کرتے کرتے مجاہدین کے بازو شل ہو گئے۔ حارث رضی اللہ عنہ، عکرمہ رضی اللہ عنہ اور سہیل رضی اللہ عنہ جیسے مجاہدین اسلام اپنی جرأت ایمانی کے جوہر دکھا رہے تھے۔ آج انھوں نے اپنی شہادت پیش کر کے جنگ کا پانسہ پلٹ دیا تھا۔ عکرمہ رضی اللہ عنہ کے دو بیٹے یعنی ابوجہل کے پوتے بھی اس جنگ میں شدید زخمی ہوئے۔

ایک دن اور ایک رات کی مسلسل جنگ کے بعد دشمن کے پاؤں اکھڑ گئے۔ اس کے سپاہی جان بچانے کے لیے خندق کی طرف بھاگے اور اس میں اس طرح گرے جیسے مردہ قبر میں گرتا ہے۔ مجاہدین نے بھاگتے دشمن کا تعاقب کیا اور ایک ایک کو پکڑ کر قتل کیا۔ دوسرے دن میدان خالی تھا۔ ہر طرف رومیوں کی لاشیں بکھری پڑی تھیں۔ ایک لاکھ چالیس ہزار دشمن کے فوجی موت کے گھاٹ اتارے گئے۔ مجاہدین صرف تین ہزار زخمی اور شہید ہوئے۔

ہرقل نے جب اپنی اس شکست کا حال سنا تو دل پر ایک تیر سا لگا اور وہ نہایت حسرت و الم کے ساتھ انطاکیہ کو چھوڑ کر قسطنطنیہ بھاگ گیا۔

Marfat.com

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو اس جنگ کے بارے میں بہت فکر تھی۔ فتح کا مژدہ سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے قاصد کے ہاتھ بھیجا تو اللہ تعالیٰ کے حضور میں سجدۂ شکر ادا کیا۔ یرموک میں رومیوں کی شکست نے ان کی قوت کو پاش پاش کر دیا تھا۔ لہٰذا معرکۂ یرموک کے بعد مسلمانوں نے کئی چھوٹے چھوٹے شہروں کو بغیر مزاحمت کے فتح کر لیا۔

(فتوح الشام: ص ۹۹، التاریخ الاسلامی: ۹/۲۷۴، تاریخ دمشق: ۲/۱۲۶، الدعوۃ الاسلامیہ فی عہد عمر بن خطاب: ص ۲۷۶)

بیت المقدس کی مہم:

جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے کہ بیت المقدس کی مہم سیدنا عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص کے سپرد کی گئی تھی۔ انھوں نے فلسطینی علاقے کے چھوٹے شہروں عمواس، نابلس اور لُد وغیرہ کو فتح کیا تھا کہ درمیان میں یرموک کی مہم آ گئی۔ لہٰذا وہ بیت المقدس کو چھوڑ کر یرموک کی مہم میں شامل ہو گئے۔ یرموک کی فتح کے بعد انھوں نے بیت المقدس پر حملہ کیا۔ عیسائیوں نے قلعہ بند ہو کر مقابلہ کیا۔ اس دوران سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ بھی پہنچ گئے۔ اہل شہر نے چند دنوں تک مدافعت کی آخر صلح کے لیے تیار ہو گئے۔ صلح کے لیے شرائط سے مطلع کیا گیا۔ چنانچہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو اپنا قائم مقام بنا کر جب ۱۶ھ میں سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ بیت المقدس تشریف لائے۔ تمام مسلمان جرنیلوں نے جابیہ کے مقام پر امیر المومنین رضی اللہ عنہ کا استقبال کیا۔ انھوں نے بدن پر دیبا و حریر کی پُرتکلف قبائیں پہن رکھی تھیں۔ یہ دیکھ کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے غصے کی حالت میں انھیں کنکریاں مار کر فرمایا: ''تم نے اتنی جلدی عجمی عادتیں اختیار کر لیں۔'' ان لوگوں نے قبا کا دامن اٹھا کر دکھایا کہ نیچے ہتھیار ہیں تو فرمایا ''پھر کوئی مضائقہ نہیں۔'' بیت المقدس کے عیسائی بھی جابیہ آ گئے تھے، چنانچہ یہیں صلح کا معاہدے لکھا گیا۔ اس معاہدہ کو طبری اور دوسرے مورخین نے نقل کیا ہے۔ اس میں عیسائیوں کے جان، مال اور مذہب تینوں کی حفاظت کی ضمانت دی گئی ہے۔

معاہدہ کی تکمیل کے بعد سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بیت المقدس روانہ ہوئے۔ فاتح بیت المقدس کا لباس اتنا معمولی تھا کہ مسلمانوں کو شرم آتی تھی کہ عیسائی اس لباس میں دیکھ کر کیا کہیں گے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہمیں اسلام کی دی ہوئی عزت کافی ہے۔'' اسی لباس میں آپ نے بیت المقدس قبلۂ اول میں سجدۂ شکر ادا کیا۔ پھر عیسائیوں کے گرجے کی سیر کے لیے تشریف لے گئے۔ نماز کا وقت ہو گیا۔ عیسائیوں نے نماز پڑھنے کی اجازت دے دی لیکن آپ نے اس احتیاط سے کہ آئندہ مسلمان اس محبت کی بنا پر گرجا کو مسجد نہ بنا لیں نماز پڑھنے سے گریز کیا اور باہر نکل کر نماز پڑھی۔ (فتوح البلدان: ۱۴۷)

بیت المقدس میں چند روز قیام کے بعد واپسی میں آپ مفتوحہ علاقوں کا دورہ کر کے واپس مدینہ طیبہ تشریف لے آئے۔ (الھندسیۃ العسکریۃ: ص ۱۹۲، البدایہ والنہایہ: ۷/۲۰، ترتیب وتہذیب البدایہ والنہایہ: ص ۵۸)

سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کی معزولی:

شام کی فتوحات اور ۱۷ھ کے واقعات میں سب سے اہم واقعہ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ بن ولید کی معزولی کا ہے۔

Marfat.com

جس بہادر اور جانباز کی تلوار نے عراق و شام کی قسمت کا فیصلہ کر دیا، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اسے محاذ جنگ سے معزول کر دیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے اس صدمے نے بھرے مجمع میں معزولی کے نشان کے طور پر ان کے سر سے ٹوپی اتار دی اور ان کی سرزنش کی سزا میں انھی کے عمامے سے ان کی گردن باندھ دی۔

تاریخ کے پڑھنے والے جانتے ہیں کہ کتنی قوموں کے جذبات کو ٹھیس لگی۔ ان کے اندر سخت بے چینی پیدا ہوئی۔ بہت سے لوگ ان کے گرد جمع ہو گئے اور انھیں ابھارا کہ وہ خلیفہ کا حکم ماننے سے انکار کر دیں اور وعدہ کیا کہ ہم سب آپ کا ساتھ دیں گے لیکن خالد رضی اللہ عنہ بن ولید نے اس قسم کے مشورہ کو ماننے سے قطعی انکار کر دیا۔ اس وقت انھوں نے جو جملہ کہا وہ تاریخ میں محفوظ ہے۔ فرمایا:

انی لا اقاتل فی سبیل عمر ولکن فی سبیل رب عمر۔

"میں عمر رضی اللہ عنہ کی راہ میں جنگ نہیں کرتا بلکہ عمر رضی اللہ عنہ کے رب کی راہ میں جنگ کرتا ہوں۔"

اس واقعہ سے سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کے اخلاص اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دبدبہ دونوں کا اندازہ ہوتا ہے کہ اتنے بڑے مجاہد کو مجمع عام میں محاذ جنگ پر معزول کیا جاتا ہے لیکن وہ دم نہیں مارتا۔ مورخین نے یہ بھی لکھا ہے کہ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کو معزول کرنے کے بعد آپ نے گورنروں اور جرنیلوں کو لکھ بھیجا کہ "میں نے خالد رضی اللہ عنہ کو ناراضگی یا خیانت کی وجہ سے معزول نہیں کیا ہے بلکہ ان کے کارناموں کی وجہ سے لوگ فتنہ میں مبتلا ہو رہے تھے، لہٰذا میں نے انھیں معزول کر دیا تاکہ لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ یہ ساری فتوحات خالد رضی اللہ عنہ کی وجہ سے نہیں بلکہ خالد رضی اللہ عنہ کے رب کی وجہ سے ہوئی ہیں۔"

طاعون عمواس:

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں جہاں اتنی فتوحات ہوئیں وہاں دو وبائیں بھی پھیلیں، ایک وبا طاعون کی اور دوسری قحط کی۔ ۱۸ھ میں شام میں نہایت سخت طاعون پھیلا جس میں بڑے بڑے نامور اور بہادر جرنیل شہید ہو گئے۔ سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ، سیدنا یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ، سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ بن جبل وغیرہ اکابر صحابہ اس وباء کی بھینٹ چڑھ گئے۔ مورخین کے بیان کے مطابق پچیس ہزار (۲۵،۰۰۰) مسلمان شہید ہوئے۔ ہزاروں عورتیں بیوہ اور بچے یتیم ہو گئے۔ اس وجہ سے انتظام کے لیے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے دوبارہ شام کا سفر کیا اور وہاں جا کر فوجوں میں روپیہ تقسیم کیا۔ فوج میں جو افسران کی جگہیں خالی ہوئی تھیں ان پر نئے افسران کو متعین کیا۔ ان سب انتظامات کے بعد جب مدینہ واپس تشریف لائے تو عرب میں قحط ٹوٹ پڑا جس نے امیر المومنین رضی اللہ عنہ کے لیے دن کا چین اور رات کی نیند حرام کر دی۔ قحط اتنا سخت تھا کہ ہر طرف ریت اڑتی دکھائی دیتی تھی۔ اس وجہ سے اس سال کا نام ہی "عام الرمادہ" یعنی ریت کا سال مشہور ہے۔ لیکن سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی شبانہ روز کاوشوں نے ہزاروں مسلمانوں کو

Marfat.com

بھوکوں مرنے سے بچالیا۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو تاریخ الذہبی: ص ۱۷۴، الاکتفاء لما تضمنہ من معازی رسول اللہ للکلاعی: ۳/۳۰۶، حلیۃ الاولیاء: ۱/ ۲۲۸ تا ۲۴۴، اشہر المشاہیر: ۲/ ۳۶۱، الفاروق، عمر بن الخطاب، محمد رضا: ص ۲۳۰)

مصر کی فتوحات:

مصر میں قبطی حکومت تھی جو قیصر روم کے ماتحت تھی۔ شام کی فتح کے بعد اس بات کا سخت خطرہ تھا کہ کہیں قیصر روم قبطیوں کے ذریعے شام میں شورش برپا نہ کروادے۔ اس لیے سیدنا عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص کی نگاہ میں مصر پر قبضہ ضروری تھا۔ لہٰذا انھوں نے اجازت لے کر ۲۱ھ میں مصر پر فوج کشی کی اور راستے میں مختلف علاقوں کو فتح کرتے ہوئے فسطاط پہنچے۔

فسطاط میں مصری حکومت کا ایک نہایت مضبوط قلعہ تھا جہاں مصری فوجیں رہا کرتی تھیں۔ سیدنا عمرو رضی اللہ عنہ نے قلعہ کا محاصرہ کرلیا۔ مسلمان فوجوں کی تعداد صرف چالیس ہزار تھی جو کہ مصری فوجوں کے مقابلہ میں نہایت کم تھی۔ سیدنا عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص نے دارالخلافہ سے مزید فوجیں طلب کیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ بن العوام کو دس ہزار فوج دے کر بھیجا۔ کئی دنوں تک محاصرہ جاری رہا۔ آخر ایک روز سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ قلعہ کی فصیل پر چڑھ گئے اور قلعہ میں اتر کر قلعہ کا پھاٹک کھول دیا۔ اسلامی افواج قلعہ میں داخل ہوگئیں۔ یہ صورت حال دیکھ کر شاہ مقوقس نے صلح کرلی۔ قیصر روم کو جب اس صلح کی خبر ہوئی تو وہ غصے سے لال پیلا ہوگیا اور ایک فوج گراں اسکندریہ روانہ کردی۔

رومی فوجیں اسکندریہ پہنچیں تو سیدنا عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص نے اسکندریہ کا رخ کیا۔ راستہ میں قبطیوں نے کئی مقامات پر روکنے کی کوشش کی لیکن شکست فاش کھائی۔ مسلمانوں نے اسکندریہ پہنچ کر شہر کا محاصرہ کرلیا۔ عرصہ تک اسکندریہ کا محاصرہ جاری رہا لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو بڑی تشویش تھی۔ چنانچہ انھوں نے سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو ایک خط لکھا جس میں کچھ ڈانٹ بھی تھی اور آخر میں یہ تھا کہ میرا خط پہنچتے ہی متفقہ حملہ کردو۔ سیدنا عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص نے فوج میں جہاد کا وعظ کیا پھر سیدنا عبادہ رضی اللہ عنہ بن صامت کو سپہ سالار بنا کر اس زور کا حملہ کیا کہ ایک ہی حملہ میں اسکندریہ فتح ہوگیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو جب اس فتح کی اطلاع ملی تو بہت خوش ہوئے۔

اسکندریہ اور فسطاط کی فتح کے بعد سیدنا عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص نے مصر کے دوسرے چھوٹے چھوٹے علاقوں کو فتح کرنے کے لیے فوج کے چھوٹے چھوٹے دستے مختلف جرنیلوں کی کمان میں بھیجے اور انھوں نے سب چھوٹے شہروں کو فتح کرلیا۔ اس طرح چند ہی دنوں میں پورا مصر اسلامی مملکت کے زیرنگین ہوگیا۔

(عصر الخلافۃ الراشدہ عمری: ص ۳۴۸، فتوح الشام ازدی: لص ۱۱۸، دراسات فی عہد النبوۃ والخلافۃ الراشدہ: ص ۳۵۷، النجوم الزاہرہ: ۱/۴، فتوح مصر: ص ۵۷، عمرو بن العاص القائد والسیاسی، عبدالرحیم محمد: ص ۷۹، جولۃ فی عصر الخلفاء الراشدین: ص ۲۱۴)

Marfat.com

شہادت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ:

ایران کی فتح کے دوران تستر (ایران) کا ایک گورنر ہرمزان (یزدگرد کا ماموں) گرفتار ہو کر مدینہ طیبہ دربار فاروقی میں لایا گیا۔ جب وہ مدینہ طیبہ پہنچا تو اس نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے پوچھا ''شہنشاہ عمر رضی اللہ عنہ کہاں ہیں؟'' انھوں نے ایک سونے والے شخص کی طرف اشارہ کر کے بتایا کہ وہ ہیں۔ ہرمزان یہ دیکھ کر ورطۂ حیرت میں ڈوب گیا کہ اتنی بڑی سلطنت کا فرمانروا اور یوں فرش خاک پر محو استراحت ہے۔ ہرمزان نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو سوتے ہوئے دیکھ کر بے ساختہ کہا: ''اس شخص کو پیغمبر ہونا چاہیے۔ اگر یہ پیغمبر نہیں تو اس کا عمل ضرور پیغمبروں جیسا ہے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بیدار ہوئے تو انھوں نے ہرمزان کو دیکھ کر فرمایا کہ ''اس سے قبل تم ایرانی لوگ ہم لوگوں کو کبھی خاطر میں نہیں لایا کرتے تھے اور نفرت اور حقارت کی نگاہ سے ہمیں دیکھتے تھے۔ اب کیا ہوا؟'' ہرمزان نے بڑا عجیب وغریب جواب دیا۔ اس نے کہا: ''عمر رضی اللہ عنہ! اصل بات یہ ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں ہم اور تم اکیلے ایک دوسرے سے برسر پیکار ہوتے تھے۔ لہٰذا ہم ہمیشہ تم لوگوں پر غالب آتے تھے، لیکن اب صورت مختلف ہے کہ مقابلے کے وقت ہم اکیلے ہوتے ہیں اور تمھارے ساتھ خدا ہوتا ہے، لہٰذا ہمارے لیے ممکن ہی نہیں کہ ہم دونوں کا مقابلہ کر سکیں۔''

ہرمزان نے بالکل سچی بات کہی۔ چنانچہ اب مسلمانوں کے مقابلے میں ایرانیوں کی نہ صرف حکومت تاخت وتاراج ہوئی بلکہ ان کی صدیوں پرانی تہذیب اور ہزارہا سالہ تمدن صفحۂ ہستی سے حرف غلط کی طرح مٹ گیا۔ ان کے بادشاہ کی ساری دولت مال غنیمت کے طور پر اور اس کی بیٹیاں کنیز بن کر دربار فاروقی میں آئیں۔ اس شکست فاش اور اپنے اس تمدن اور تہذیب کی پامالی کا ایرانیوں کو بڑا صدمہ تھا، لہٰذا انھوں نے اللہ کی معیت کو مسلمانوں سے ہٹانا چاہا۔ اس کے لیے بڑی چابک دستی سے سازشیں کی گئیں۔

ان سازشوں کو بروئے کار لانے کے لیے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے وجود کو درمیان سے ہٹانا ضروری تھا۔ لہٰذا ایک خاص سازش کے تحت ان کو درمیان سے ہٹایا گیا۔ ابولؤلو فیروز مجوسی ایرانی جنگ نہاوند میں گرفتار ہو کر آیا۔ یہ سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی تحویل میں تھا۔ تاریخ کے اوراق صرف اتنا بتاتے ہیں کہ ایک دفعہ ابولؤلو مجوسی سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنے آقا سیدنا مغیرہ رضی اللہ عنہ بن شعبہ کی شکایت کی کہ وہ مجھ سے زیادہ خراج (محصول) وصول کرتے ہیں۔ آپ اس میں تخفیف کرائیں۔ آپ نے پوچھا مغیرہ رضی اللہ عنہ کیا محصول لیتے ہیں؟ ابولؤلو نے کہا دو درہم روزانہ۔ آپ نے پوچھا تم کیا کام کرتے ہو؟ اس نے کہا بڑھئی، لوہار اور نقاش کا اور چکیاں بھی بناتا ہوں۔ آپ نے فرمایا: ''میرے خیال میں یہ محصول کوئی زیادہ نہیں اس کام کے لحاظ سے جو کچھ کہ تو کرتا ہے۔'' سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے یہ بھی کہا کہ میں نے سنا ہے کہ تو کہتا ہے کہ میں اگر چاہوں تو ایک ایسی چکی بھی بنا سکتا ہوں جو ہوا سے چلے، اگر یہ درست ہے تو مجھے بھی ایک ایسی چکی بنا دے۔ اس نے جواب دیا: ''اگر میں زندہ رہا تو

Marfat.com

میں آپ کے لیے ایک ایسی چکی بناؤں گا جس کے بارے میں مشرق ومغرب کے لوگ باتیں کریں گے۔''

وہ یہ دھمکی دے کر چلا گیا اور چند روز کے بعد جب ایک دن سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نماز فجر کے لیے مسجد تشریف لائے تو ابولولو فیروز بھی ایک دو دھاری خنجر لے کر مسجد میں پہلی صف میں جا بیٹھا۔ جونہی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے تکبیر تحریمہ کہہ کر قرأت شروع کی، اس بدبخت نے اچانک صف سے نکل کر اس دو دھاری خنجر سے امیر المومنین پر چھے وار کیے جن میں سے ایک سب سے کاری تھا جو ناف کے نیچے لگا تھا۔ امیر المومنین نے سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ بن عوف کو امامت کے مصلے پر کھڑا کر دیا اور خود زخموں کی تاب نہ لا کر زمین پر گر پڑے۔ سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ بن عوف نے دو چھوٹی چھوٹی سورتیں پڑھ کر نماز مکمل کی اور فرش پر دیکھا کہ امیر المومنین رضی اللہ عنہ زخمی حالت میں بے ہوش پڑے ہیں۔ (طبری:۳/۲۶۴)

امیر المومنین رضی اللہ عنہ کو گھر لایا گیا۔ آپ کو جب ہوش آیا تو لوگوں نے کہا کہ آپ نے ابھی نماز نہیں پڑھی۔ یہ سن کر امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''اسلام میں اس شخص کا کوئی حصہ نہیں جو نماز نہیں پڑھتا۔'' چنانچہ آپ نے اسی حالت میں نماز فجر ادا کی۔ نماز سے فراغت کے بعد سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''ذرا باہر نکل کر دیکھنا میرا قاتل کون ہے؟'' انھوں نے کہا: ''آپ کا قاتل مغیرہ رضی اللہ عنہ بن شعبہ کا غلام ابولولو فیروز ہے۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا: ''اللہ کا شکر ہے کہ اس نے مجھے کسی ایسے آدمی کے ہاتھ سے موت نہیں دی جو اسلام کا مدعی ہو۔''
(بخاری:۱/۵۲۳)

زخم چونکہ کاری تھا اس لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں مایوسی ہوگئی اور آپ سے درخواست کی کہ ''آپ اپنا کوئی جانشین مقرر فرمائیں۔'' آپ نے جواب میں فرمایا:

''تمھارے لیے یہ لوگ ہیں جن کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ وہ اہل جنت میں سے ہیں اور وہ علی رضی اللہ عنہ، عثمان رضی اللہ عنہ، عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ بن عوف، سعد رضی اللہ عنہ بن ابی وقاص، زبیر رضی اللہ عنہ بن العوام اور طلحہ رضی اللہ عنہ بن عبیداللہ ہیں۔ ان میں سے ایک آدمی کو منتخب کر لو۔ جب وہ آپس میں سے کسی ایک کو خلیفہ بنا لیں تو اس کی اعانت کرو۔'' (طبری:۳/۲۹۳)

بعض لوگوں نے کہا کہ اپنے صاحبزادے عبداللہ رضی اللہ عنہ کو اپنا جانشین نامزد کر جائیں۔ آپ نے فرمایا:

''اگر خلافت کوئی بہتر شے تھی تو ہم نے اس میں سے اپنا حصہ لے لیا اور اگر یہ کوئی بری شے تھی تو اب وہ ہم سے پھر گئی۔ خطاب کی اولاد کے لیے یہی کافی ہے کہ اس کے صرف ایک ہی آدمی نے امت کو امر خلافت کے فوائد سے محروم کر رکھا ہے، پھر بھی میں اگر برابر چھوٹ جاؤں تو بہت کامیاب ہوں۔'' (طبری:۳/۲۹۲)

''آپ نے فرمایا کہ عبداللہ رضی اللہ عنہ (بن عمرو رضی اللہ عنہ) مشورہ میں شریک رہے گا، لیکن امارت سے اسے کوئی تعلق نہ ہوگا۔'' اس کے بعد آپ نے کچھ وصیتیں فرمائیں۔

یکم محرم الحرام ۲۴ھ کو اتوار کے دن آپ نے اس دنیا سے انتقال فرمایا۔ وصیت کے مطابق سیدنا صہیب

Marfat.com

رومی رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں دفن کیے گئے۔ وفات کے وقت عمر مبارک ۶۳ برس تھی اور مدت خلافت قریباً گیارہ سال۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو بخاری، رقم: ۳۷۰۰، صحیح التوثیق فی سیرۃ وحیاۃ الفاروق: ص ۳۶۹، الخلیفۃ الفاروق عمر بن الخطاب للعانی: ص ۱۶۱، البدایۃ والنہایہ: ۷/۱۴۲، اشہر مشاہیر الاسلام فی الحرب والسیاسۃ: ص ۴۶۸، ابن سعد: ۳/۳۶۴، مرویات ابی مخنف من تاریخ الطبری: ص ۱۷۶، طبقات ابن سعد: ۳/۳۴۲ وغیرہم)

ازواج واولاد:

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے مختلف اوقات میں کئی نکاح کیے جن کی تفصیل یہ ہے:

① سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ بن مظعون کی ہمشیرہ زینب سے نکاح کیا۔ ان کا انتقال اسلام کی حالت میں ہوا۔

② قریبہ بنت میتہ المخزومی سے مکہ میں نکاح ہوا لیکن مشرکہ ہونے کی وجہ سے اس کو طلاق دے دی۔

③ ملیکہ بنت جرول سے نکاح کیا لیکن مشرکہ ہونے کی وجہ سے اس کو بھی طلاق دے دی۔

④ جمیلہ، کسی وجہ سے اسے بھی طلاق دے دی۔

⑤ عاتکہ بنت زید، ان کا نکاح پہلے عبداللہ بن ابی بکر رضی اللہ عنہ سے ہوا تھا۔ پھر وہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے حبالۂ عقد میں آئیں۔

⑥ ذی قعدہ ۱۷ھ میں آپ نے سیدہ ام کلثوم بنت علی رضی اللہ عنہما سے جو سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے تھیں، نکاح کیا۔ ان سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا ایک لڑکا زید رضی اللہ عنہ اور ایک لڑکی رقیہ رضی اللہ عنہا پیدا ہوئیں۔ یہ نکاح آپ نے اس وجہ سے کیا تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے درمیان نسبتی تعلق قائم ہو جائے۔ (مستدرک حاکم: ۳/۱۲) حق مہر چالیس ہزار درہم مقرر ہوا۔

اس نکاح سے کئی لوگوں نے تعصب اور جہالت کی بنا پر انکار کیا ہے۔ چنانچہ معز الدولہ دیلمی، جس نے ماتم حسین رضی اللہ عنہ کی بنیاد ڈالی تھی، وہ بھی اس نکاح سے ناآشنا تھا۔ جب اسے اس بارے میں پتہ چلا تو وہ حیرت زدہ ہو کر کہنے لگا:

ماسمعت هذا قط

''میں نے تو یہ کبھی نہیں سنا۔''

اس رشتے کی حقیقت معلوم ہونے سے وہ رفض سے تائب ہو گیا۔ (البدایہ والنہایہ: ۱۱/۲۶۲)

اس نکاح کو اہل سنت اور شیعہ حضرات دونوں نے تسلیم کیا ہے۔ ملاحظہ ہو۔ (بخاری: ۱/۵۰۳)

(مزید تفصیل کے لیے دیکھیے کتاب المعارف: ۹۲، جمہرۃ الانساب: ۳۷، کتاب المحبر: ۵۶، نسب قریش: ۴۱، طبری: ۳/۱۶۸، ۲۳۹/۳۷۰، البدایہ والنہایہ: ۷/۸۱، ۳۳۲، فروع کافی: ۲/۳۱۱، تہذیب الاحکام: ۹/۳۶۳، ابن ابی الحدید: ۴/۵۷۵، ۱۱، مجالس المومنین: ۱/۴۵۱ وغیرہ۔)

Marfat.com

اولاد میں سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا ام المومنین سب سے زیادہ اس لحاظ سے ممتاز ہیں کہ وہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن میں سے تھیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی کینیت بھی انھیں کے نام پر تھی۔

دوسری صاحبزادی سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نواسی سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا بنت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی صاحبزادی تھیں۔

اولاد ذکور میں پانچ بیٹے تھے۔ سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ، سیدنا عاصم رضی اللہ عنہ سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ سیدنا زید رضی اللہ عنہ اور سید مجیر رضی اللہ عنہ۔ پہلے تین صاحبزادے علم و فضل میں خاص مقام رکھتے تھے۔ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ علم و فضل کے علاوہ سنت نبویؐ کے اتباع کی وجہ سے بھی نہایت مشہور تھے۔

فاروقی خدمات:

سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنے دس سالہ دور میں دنیا کی دو سپر پاورز (Super Powers) یعنی ایران اور روم کی حکومتوں کی چولیں ہلا کر رکھ دیں اور چھوٹے بڑے کئی ہزار شہر فتح کر کے ان کو اسلامی مملکت میں شامل کیا۔ ملک میں امن و امان قائم کیا، رعایا کی خوش حالی کے انتظامات کیے، عدل و انصاف کو قائم کیا، مفتوحہ علاقوں سے ظلم و جور کی بیخ کنی کی غرض کہ ہر وہ کام کیا جو ایک نیک دل، خدا ترس فرمانروا کو کرنا چاہیے۔

اسلامی نظام حکومت کا قیام:

سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے دینی بنیادوں پر ایک ایسی فلاحی مملکت قائم کی جس میں آئین حکومت اسلامی تھا، اور شورائی بنیادوں پر ایک ایسا عادلانہ نظام قائم کیا جو مسلمانوں کی ہر قسم کی ترقیوں اور سعادتوں کا ضامن تھا۔ اگرچہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں بھی اسلامی نظام حکومت قائم تھا، لیکن ان کے قلیل عرصۂ حکومت میں منظم طور پر ایک اسلامی نظام حکومت کا قیام نہ ہو سکا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ پہلے خلیفۂ اسلام ہیں جنھوں نے اسلامی اصولوں کی روشنی میں حکومت و سلطنت کا باقاعدہ نظام قائم کیا اور اس کو اس قدر وسعت دی کہ قریباً ہر شعبۂ زندگی کے بارے میں اسلامی اصول مرتب فرمائے، اور کارلائل اور دوسرے مستشرقین کو یہ کہنا پڑا کہ دنیا اتنی ترقی کرنے کے باوجود بھی اس نظام حکومت سے ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھ سکی جو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے مرتب کیا تھا، اسلام کا نظام حکومت چونکہ نہ آمرانہ ہے اور نہ جمہوری بلکہ شورائی ہے لہٰذا سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مجلس شوریٰ (Advisory council) قائم کی جس میں مہاجرین و انصار میں سے اہل الرائے شریک ہوتے تھے جو نظام حکومت کے نشیب و فراز کو سمجھتے تھے۔ جمہوری ریاستوں کی طرح ان میں وہ لوگ نہیں ہوتے تھے جو جاہل اور بے شعور ووٹوں سے منتخب ہو کر اسمبلیوں میں جاتے ہیں اور خود بھی جاہل اور بے شعور ہوتے ہیں بلکہ اس مجلس شوریٰ میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ، سیدنا علی رضی اللہ عنہ، سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ بن عوف، سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ بن جبل، سیدنا ابی رضی اللہ عنہ بن کعب،

Marfat.com

سیدنا زید رضی اللہ عنہ بن ثابت، سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ اور سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ جیسے لوگ ہوتے تھے۔ امیر المومنین رضی اللہ عنہ ان کے سامنے جب کوئی مسئلہ پیش کرتے تو ضروری بحث ومباحثہ کے بعد اتفاق رائے یا کثرت رائے اور قوت رائے سے مسئلے کا فیصلہ کیا جاتا۔ چنانچہ آپ کا اصول یہ تھا: لا خلافة الاعن مشورة مشورہ کے بغیر کوئی خلافت نہیں۔ (کنز العمال: ۳/۱۳۹)

مجلس شوریٰ کے علاوہ ایک عام مجلس بھی تھی جس میں مہاجرین وانصار کے علاوہ تمام قبائل کے سردار بھی شریک ہوتے تھے۔ یہ مجلس عموماً اہم امور کے پیش آجانے پر منعقد ہوتی تھی۔ بعض حضرات نے لکھا ہے کہ آپ کی ایک مجلس خاص بھی تھی جس میں صرف مہاجرین صحابہ شریک ہوتے تھے۔ (فتوح البلدان: ۲۷۶)

خلیفۂ وقت یعنی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی اپنی حیثیت نہ تو کسی ڈکٹیٹر کی طرح مختار کل کی تھی اور نہ آپ ایک جمہوری وزیر اعظم کی طرح بے دست وپا ہی تھے۔ ایک موقع پر اپنے ایک خطبہ میں اپنی حیثیت کو ان الفاظ میں واضح کیا، فرمایا:

''تمھارے مال میں مجھے اسی طرح کا حق ہے جس طرح ایک یتیم بچے کے ولی اور مربی کا اس کے مال میں ہوتا ہے۔ اگر میں دولت مند ہوں گا تو تمھارے اموال میں سے کچھ نہ لوں گا اور اگر میں فقیر اور قلاش ہوں گا تو بقدر حاجت کھانے کے لیے تمھارے مالوں میں سے لینا میرا حق ہے۔ لوگو! میرے ذمہ تمھارے کئی حقوق ہیں جن کا تمھیں مجھ سے مواخذہ کرنا چاہیے۔ ایک یہ کہ ملک کا خرچ، مال غنیمت اور ٹیکس بجا طور پر جمع نہ کیا جائے۔ دوسرے یہ کہ وہ خراج اور ٹیکس بے جا طور پر صرف نہ ہونے پائے۔ تیسرے یہ کہ تمھارے روزینے بڑھاؤں، چوتھے یہ کہ تمھاری سرحدوں کی حفاظت کروں اور پانچویں یہ کہ تمھیں خطرات میں نہ ڈالوں۔'' (کتاب الخراج لابی یوسف: ۶۷)

ان اصولوں پر آپ نے نہایت سختی سے عمل فرمایا۔ چنانچہ ایک دفعہ آپ بیمار پڑے۔ معالجین نے علاج میں شہد تجویز کیا۔ شہد بیت المال میں موجود تھا۔ چنانچہ آپ نے مسجد نبویؐ میں جا کر لوگوں سے پہلے اجازت لی، پھر وہ شہد استعمال کیا۔ (کنز العمال: ۶/۳۵۳)

اس بارے میں ایک اور واقعہ بھی ہمارے اس دعویٰ کی تائید کرتا ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ روم کے بادشاہ کی طرف ایلچی بھیجنے لگے۔ تو آپ کی اہلیہ محترمہ سیدنا ام کلثوم بنت علی رضی اللہ عنہ نے چند دینار کی خوشبو خرید کر دو شیشیوں میں ڈال دی اور بادشاہ روم کی بیوی کے لیے اس ایلچی کے ہاتھ تحفہ کے طور پر بھیج دی۔ جب ایلچی واپس آیا تو خوشبو کے بدلے میں وہ دونوں شیشیاں موتیوں سے بھری ہوئی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے گھر پہنچا دیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ جب گھر تشریف لائے تو دیکھا کہ سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا ان جواہرات کو جھولی میں ڈال کر بیٹھی ہیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: ''یہ کہاں سے آئے۔'' سیدہ رضی اللہ عنہا نے سارا قصہ بیان کیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے وہ سارے جواہرات اپنے قبضے میں لے لیے اور فرمایا: ''یہ تمھارے نہیں بلکہ تمام مسلمانوں کے ہیں۔'' سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا نے کہا کہ ''یہ میرے تحفے

Marfat.com

کے بدلے میں آئے ہیں۔'' امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ''اس بارے میں تیرے والد سیدنا علی رضی اللہ عنہ جو فیصلہ کریں وہ معتبر ہوگا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے پاس یہ قضیہ گیا۔ انھوں نے فرمایا: ''اے ام کلثومؓ! جس قدر تیرے دینار صرف ہوئے، جواہرات میں سے تو اتنی مقدار لے سکتی ہے باقی جواہرات تمام مسلمانوں کے لیے ہیں کیونکہ ان کو مسلمانوں کا ایلچی اٹھا کر لایا تھا۔'' (شرح السیر الکبیر:۳/۷۴، کنز العمال:۶/۳۵۶، ابن ابی الحدید:۴/۵۵۶)

جب اتنی چھوٹی چھوٹی باتوں کا انھوں نے خیال رکھا تو بڑی بڑی باتوں میں ان کی احتیاط کا کیا عالم کیا ہوگا۔

آج کے جمہوری نظام میں ایک چیز کو بڑا سراہا جاتا ہے اور وہ ہے تنقید لیکن تاریخ کے اوراق اس بات کی کھلی شہادت دیتے ہیں کہ تنقید Criticism کی جتنی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے تحسین (Appreciation) فرمائی اتنی آج تک کسی فرمانروائے حکومت نے نہیں کی۔ چنانچہ ایک مرتبہ آپ حق مہر کم مقرر کرنے کے بارے میں تقریر فرما رہے تھے کہ ایک عورت نے دوران تقریر ٹوک دیا: ''اے عمر رضی اللہ عنہ! اللہ سے ڈر۔'' سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس کی بات کو غور سے سنا اور فرمایا ''اے اللہ! تیرا شکر ہے کہ ایک عورت بھی عمر رضی اللہ عنہ سے زیادہ قرآن جانتی ہے۔'' اسی طرح ایک مرتبہ ایک شخص نے کئی بار سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے کہا: ''اے عمر رضی اللہ عنہ! اللہ سے ڈر۔'' حاضرین میں سے ایک شخص نے اسے منع کرنا چاہا تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''نہیں، اسے کہنے دو۔ اگر یہ لوگ نہ کہیں تو یہ بے مصرف ہیں اور اگر ہم نہ سنیں تو ہم بے مصرف ہیں۔'' (کتاب الخراج:۷)

اس قسم کے بے شمار واقعات سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی کتاب زندگی میں موجود ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ انھوں نے تنقید کی کس قدر حوصلہ افزائی کی۔

یہ تو تھا نظامِ حکومت کے بارے میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا موقف۔ نظام حکومت کے بارے میں آپ نے کیا کچھ کیا یہ ایک کافی طویل موضوع ہے۔ مختصر یہ ہے کہ آپ نے تمام ملک کو آٹھ ڈویژنوں (Divisions) میں تقسیم کیا۔ مکہ، مدینہ، شام، جزیرہ، بصرہ، کوفہ، مصر اور فلسطین۔ ان کے علاوہ مشرق میں تین ڈویژن اور تھے خراسان، آذربائیجان اور فارس۔ ہر ڈویژن میں حاکم اعلیٰ (گورنر) میر منشی (کاتب) صاحب الخراج (کلکٹر) صاحب احداث (انسپکٹر جنرل پولیس) صاحب بیت المال (افسر خزانہ) کاتب دیوان (ملٹری اکاؤنٹنٹ جنرل) قاضی (جج) مقرر کیے گئے۔ بعض حالات میں سپہ سالار بھی الگ ہوتا تھا۔ چنانچہ کوفہ میں سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ حاکم اعلیٰ، عثمان رضی اللہ عنہ بن حنیف کلکٹر، سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ بن مسعود افسر خزانہ، سیدنا شریح رضی اللہ عنہ قاضی اور سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ بن خزاعہ ملٹری اکاؤنٹنٹ جنرل تھے۔

ان حضرات کے انتخاب کے بارے میں بڑی احتیاط سے کام لیا جاتا۔ حق تعالیٰ نے فطری طور پر آپ میں جوہر شناسی کا مادہ رکھا ہوا تھا۔ اس کے باوجود آپ چھوٹی چھوٹی باتوں کا انتخاب منصب کے وقت خیال رکھتے۔ چنانچہ ایک مرتبہ حاضرین مجلس سے آپ نے فرمایا مجھے ایک علاقے کے لیے کسی شخص کو حاکم مقرر کرنا ہے۔

Marfat.com

اس کے بارے میں مجھے اچھے اور ایک نیک شخص کی نشان دہی کریں۔ایک شخص نے کہا: ''امیر المومنین! فلاں شخص اس عہدے کے لیے نہایت موزوں ہے۔آپ نے اس شخص سے تین سوال کیے۔فرمایا ''کیا تم نے کبھی اس کے ساتھ سفر کیا ہے؟'' اس نے کہا ''نہیں۔'' پوچھا ''کیا کبھی تمہارا لین دین کا اس کے ساتھ واسطہ پڑا ہے؟'' اس نے اس کا جواب بھی نفی میں دیا۔تیسرا سوال آپ نے یہ کیا کہ ''کیا کبھی تم اس کے پڑوسی رہے ہو؟'' اس نے کہا ''نہیں'' اس پر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

لعلك رايته خارجا من المسجد بعد الصلوٰة۔

''شاید تم نے اسے کبھی مسجد سے نماز پڑھنے کے بعد نکلتے ہوئے دیکھا۔(اور تم نے اندازہ کرلیا کہ وہ بہت نیک اور اس عہدے کے لیے موزوں ترین شخص ہے۔)''

ان تینوں سوالوں میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اچھے انسان کی شخصیت کو جانچنے کا اصول بتا دیا اور بتایا کہ نماز، روزے سے کسی کی شخصیت کا پتہ نہیں چلتا بلکہ لوگوں کے ساتھ مختلف معاملات میں کسی کی شخصیت اجاگر ہوتی ہے۔

بعض دفعہ عہدہ کے انتخاب کے لیے آپ کسی شخص کا نام مجلس شوریٰ کے سامنے پیش کرتے اور ارباب مجلس آپ کے حسن انتخاب پر اتفاق رائے کر لیتے۔چنانچہ نہاوند کی مہم پر سیدنا نعمان رضی اللہ عنہ بن مقرن کا اسی طریقے سے انتخاب ہوا۔(الاستیعاب: تذکرہ نعمان رضی اللہ عنہ بن مقرن)

احتساب:

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت کی سب سے نمایاں چیز عہدیداران کا احتساب ہے۔حکومت کے نظم ونسق کو درست رکھنے کے لیے عہدیداران کا احتساب ایک نہایت ضروری چیز ہوتی ہے۔سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اس معاملے میں کبھی نہیں چوکے۔وہ خود بھی اپنے آپ کو عوام کے سامنے احتساب کے لیے پیش کرتے تھے اور رعایا کا ہر شخص ان کا محاسبہ کرسکتا تھا، چنانچہ بڑے عہدیدار یا عامل حکومت کو تقرر کے وقت ایک پروانہ دیتے تھے جس میں اس کے اختیارات کی تصریح وتفصیل ہوتی اور اس کے لیے یہ ضروری قرار دیا گیا تھا کہ وہ مجمع عام میں اس کو پڑھ کر سنائے۔ ہر عہدے دار سے یہ عہد بھی لیا جاتا کہ وہ باریک کپڑے نہ پہنے گا، چھنا ہوا آٹا نہ کھائے گا، دروازے پر دربان نہ رکھے گا اور ضرورت مند حضرات کے لیے ہمیشہ اس کا دروازہ کھلا رہے گا، کیونکہ آپ سمجھتے تھے کہ حکومت کے عہدے دار اگر پرتکلف زندگی گزارنے لگیں اور عوام سے دور ہو جائیں گے تو وہ ان کی خدمت نہ کرسکیں گے۔پھر ہر عامل کی روانگی کے وقت اس کے کل مال ومتاع کی ایک فہرست تیار کی جاتی اور اگر اس کی واپسی کے وقت اس سے زیادہ مال ومتاع اس کے پاس ہوتا تو دربار خلافت سے اس کی پرسش کی جاتی اور بعض دفعہ آدھا مال بحق سرکار ضبط کرکے بیت المال میں داخل کر دیا جاتا۔(فتوح البلدان:۲۱۹)

احتساب کا ایک طریقہ یہ تھا کہ تمام گورنروں کو یہ حکم تھا کہ وہ حج کے موقع پر مکہ مکرمہ میں حاضر ہوں اور

Marfat.com

اعلان کیا جاتا کہ اگر کسی شخص کو کسی گورنر کے خلاف کوئی شکایت ہے تو وہ بلا جھجک پیش کرے۔ چنانچہ لوگ اپنی شکایات پیش کرتے اور آپ ان کا تدارک فرماتے۔ اگر آپ کو پتہ چل جاتا کہ کسی گورنر نے کسی پر کوئی زیادتی کی ہے تو اسے مجمع عام میں سزا دی جاتی۔ سیدنا عیاض رضی اللہ عنہ بن غنم، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر صحابی اور گورنر مصر تھے۔ بارگاہ خلافت میں شکایت پہنچی کہ وہ باریک کپڑا پہنتے ہیں اور گھر کے باہر دربان مقرر کر رکھا ہے، اطلاع کا پہنچنا تھا کہ بارگاہ خلافت سے احتساب شروع ہوا۔ فوراً محمد رضی اللہ عنہ بن مسلمہ کو تحقیقات کے لیے بھیجا اور حکم دیا کہ اگر یہ اطلاع صحیح ہو تو عیاض رضی اللہ عنہ بن غنم کو فوراً بارگاہ خلافت میں پیش کیا جائے۔ محمد رضی اللہ عنہ بن مسلمہ مصر پہنچے اور عیاض رضی اللہ عنہ بن غنم کے گھر گئے۔ دیکھا کہ واقعی دروازے پر دربان ہے اور عیاض رضی اللہ عنہ بن غنم باریک کپڑے پہنے گھر میں بیٹھے ہیں۔ محمد رضی اللہ عنہ بن مسلمہ گورنر مصر کو اسی ہیئت اور لباس میں لے کر مدینہ آئے۔ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ان کا باریک کرتہ اتروایا اور بالوں کا موٹا کرتہ پہنا کر جنگل میں بکریاں چرانے کا حکم دیا۔ عیاض رضی اللہ عنہ کو انکار کی مجال نہ تھی۔ بار بار یہی کہتے تھے کہ اس سے تو مر جانا بہتر ہے۔ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہ تو تمہارا آبائی پیشہ ہے۔ اس میں عار کیوں ہے۔ عیاض رضی اللہ عنہ نے دل سے توبہ کی اور جب تک زندہ رہے اپنے فرائض نہایت خوش اسلوبی اور احسن طریق سے انجام دیتے رہے۔ (کتاب الخراج:۶۶، طبری:۴/۲۰۷)

سیدنا خالد رضی اللہ عنہ سیف من سیوف اللہ، شجاعت و جانبازی کے لحاظ سے تاج اسلام کے درشاہوار اور بارگاہ رسالت کے گوہر تابدار اور اپنے زمانے کے نہایت بااثر اور ذی وقار بزرگ تھے جو بارگاہ فاروقی سے سپہ سالاری کے منصب جلیلہ سے صرف اس لیے معزول کر دیئے گئے کہ انھوں نے ایک قصیدہ گو شاعر کو ۱۰ ہزار کی رقم بطور انعام دی۔ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو پتہ چلا تو آپ نے سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ بن الجراح کو لکھا کہ خالد رضی اللہ عنہ نے اگر یہ انعام اپنی گرہ سے دیا ہے تو اسراف کیا ہے اور اگر بیت المال سے دیا ہے تو خیانت کی ہے، لہٰذا دونوں صورتوں میں وہ معزولی کے قابل ہیں۔ (ابن اثیر:۲/۴۱۸)

اسی طرح سیدنا سعد رضی اللہ عنہ بن ابی وقاص رشتہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ماموں (اسد الغابہ:۲/۲۹۱) اسلام میں چھٹے یا ساتویں مسلمان، غزوۂ بدر، غزوۂ احد، فتح مکہ، غزوۂ طائف، حنین، تبوک اور دیگر غزوات کے جاں باز مجاہد، عشرہ مبشرہ کے ایک فرد، فاتح ایران، اتنی صفات کے حامل، لیکن بتانے والے نے جب بتایا کہ انھوں نے کوفہ میں ایک محل تعمیر کرایا ہے جس میں ایک ڈیوڑھی بھی ہے جس کی وجہ سے لوگوں کو گورنر تک پہنچنے میں رکاوٹ کا اندیشہ ہے تو آپ نے اسی وقت محمد رضی اللہ عنہ بن مسلمہ کو بھیجا کہ تحقیق کریں۔ اگر واقع ڈیوڑھی بنی ہوئی ہے تو وہ ''قصر سعد'' نہیں بلکہ ''قصر فساد'' ہے۔ اسی وقت اس ڈیوڑھی کو آگ لگا دیں۔ چنانچہ انھوں نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے حکم کی تعمیل میں کوفہ پہنچ کر ڈیوڑھی کو آگ لگا دی اور سیدنا سعد رضی اللہ عنہ اس منظر کو خاموشی سے دیکھا کیے۔

اس قسم کے احتساب کے واقعات آپ کی کتاب زندگی میں اتنے ہیں کہ ایک پوری کتاب تیار ہو سکتی ہے۔ آپ اپنے خطبات میں اکثر یہ کہا کرتے تھے:

Marfat.com

''اے اللہ! میں ان گورنروں کے بارے میں جن کو میں نے مختلف شہروں میں مقرر کیا ہوا ہے، تجھے گواہ بناتا ہوں۔ اے اللہ! میں نے ان کو اس لیے گورنر بنا کر بھیجا ہے تا کہ یہ لوگوں کو ان کا دین سکھائیں اور ان کو نبیؐ کی سنت کی تعلیم دیں اور ان کا مال ان پر تقسیم کریں اور انصاف کے دامن کو ہاتھ سے نہ چھوڑیں اور اگر کسی معاملے میں انھیں کوئی مشکل پیش آئے تو میری طرف رجوع کریں۔'' (محاضرات تاریخ الامم الاسلامیہ:۹/۲)

ایک مرتبہ ایک اور خطبے میں ارشاد فرمایا:

''بخدا! میں نے اپنے گورنروں کو اس لیے نہیں بھیجا ہے کہ وہ تم کو ماریں پیٹیں اور نہ اس لیے کہ تمھارے مال چھینیں بلکہ میں نے ان کو اس لیے بھیجا ہے کہ تمھیں تمہارا حق دیں اور نبیؐ کی سنت سکھائیں۔ جس کے ساتھ اس کے خلاف عمل کیا گیا ہو تو وہ مجھ سے اس کی شکایت کرے۔ قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے میں اس سے ضرور بدلہ لوں گا۔''

اس پر مصر کے گورنر سیدنا عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص نے اٹھ کر کہا کہ ''اگر کوئی شخص مسلمانوں کا گورنر ہو اور تادیب کی غرض سے کسی کو پیٹے تو کیا آپ اس سے بھی بدلہ لیں گے؟'' سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''ہاں بخدا! میں اس سے بھی بدلہ لوں گا کیونکہ میں نے خود سرور کائنات ﷺ کو اپنی ذات سے بدلہ لیتے دیکھا ہے۔''

(ابن اثیر:۳/۳، مسند ابی داؤد الطیاسی حدیث:۵۵، طبری:۳/۲۷۳)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا معاملہ اپنی رعایا سے محض حاکم و محکوم کا نہ تھا۔ آپ نے محض اپنے جسم ہی کو دن رات لوگوں کی خدمت کا خوگر نہیں بنا رکھا تھا بلکہ آپ کے قلبی جذبات اور ہمدردی و محبت کا احساس ہر لمحے آپ کو رعایا کی خدمت اور بھلائی کے لیے سرگرم رکھتا تھا۔ عوام کی خوشی اور غم میں آپ برابر شرکت فرمایا کرتے تھے۔ گورنروں سے احتساب بھی اسی ہمدردی کے نتیجے میں تھا۔ کوئی حادثہ کسی فرد امت کو پیش آ جاتا تو سب سے پہلے اس سے اظہار ہمدردی کے لیے آنے والی خود آپ کی ذات ہوا کرتی تھی۔ سیدنا سعید رضی اللہ عنہ بن یربوع کی بینائی ختم ہوگئی تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ان کے ہاں تشریف لے گئے۔ اظہار ہمدردی بھی کیا اور ساتھ ہی محبت کے ساتھ نصیحت بھی فرمائی: ''نماز جمعہ اور پانچ وقت کی نماز باجماعت مسجد نبویؐ میں ادا کرنے کی کوشش کرنا۔'' انھوں نے کہا: ''امیر المومنین میری بھی یہی خواہش ہے مگر مجھے مسجد تک لے جانے والا کوئی نہیں ہے۔'' اسی وقت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ان کی خدمت کے لیے ایک غلام مقرر کر دیا۔

زرعی اصلاحات:

ملکی ترقی اس وقت تک ممکن نہیں جب تک زراعت کو ترقی دے کر ملک کو خوراک کے سلسلے میں خود کفیل نہ بنایا جائے۔ خطہ عرب تو زرعی علاقہ نہیں تھا لیکن عراق، شام اور مصر کے علاقے بڑے زرخیز و شاداب تھے۔ خصوصی طور پر مصر کو تو دریائے نیل نے چار چاند لگائے ہوئے تھے۔ لہٰذا ان علاقوں میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے زراعت

Marfat.com

کوخوب ترقی دی۔ نہریں جاری کیں، تالاب بنائے، پانی کی تقسیم کے دہانے بنائے، بند باندھے، نہروں کی شاخیں نکالیں اوران سب کاموں کے لیے ایک مستقل محکمہ بنایا گیا۔ مقریزی کا بیان ہے کہ صرف مصر میں اس قسم کے ایک لاکھ بیس ہزار مزدور حکومت کی جانب سے مختلف کاموں میں لگے رہتے تھے۔

غیر آباد زمینیں ان لوگوں کو دیں جو انھیں آباد کرنے کی صلاحیت رکھتے تھے اور قانون یہ بنایا گیا کہ جو شخص موات (غیر آباد زمین) کو آباد کرے گا وہی اس کا مالک ہوگا۔ غیر آباد زمینوں کے لیے پانی کی سخت ضرورت ہوتی ہے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے ملک کے مختلف علاقوں میں نہریں کھدوائی گئیں۔ ان میں سے چند ایک یہ ہیں:

① نہر امیر المومنین: ان نہروں میں سب سے بڑی نہر ''نہر امیر المومنین'' تھی۔ ۱۸ھ میں جب عرب میں شدید قحط پڑا اور ہر طرف ریت ہی ریت اڑتی نظر آتی تھی اس زمانے میں سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے مصر سے غلہ منگوایا تا کہ عرب کے قحط زدہ لوگوں میں اسے تقسیم کیا جائے۔ شام اور مصر کا خشکی کا راستہ دور ہونے کی وجہ سے غلہ کسی قدر دیر سے پہنچتا جس سے سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو پریشانی ہوتی۔ چنانچہ آپ نے ۹۹ میل لمبی نہر کھدوا کر دریائے نیل کو بحر قلزم سے ملا دیا، جس کی وجہ سے مصر کے جہاز براہ راست مدینہ کی بندرگاہ جار تک آنے لگے۔ اس سے ایک تو مصر کی تجارت کو خاصا فروغ حاصل ہوا، دوسرے مصر اور مدینہ طیبہ کے مابین فاصلے کی طوالت بھی کم ہوگئی اور تیسرے زراعت کو بھی کافی ترقی حاصل ہوئی۔

② نہر ابوموسیٰ: بصرہ میں پانی کی شدید قلت تھی۔ لوگ شہر سے قریباً چھ میل دور سے استعمال کے لیے پانی لایا کرتے تھے۔ لوگوں کی اس تکلیف کا احساس کرتے ہوئے گورنر بصرہ سیدنا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے دربار خلافت میں اس کے متعلق لکھا، چنانچہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے حکم سے سیدنا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے دریائے دجلہ سے نو میل لمبی نہر نکلوائی جو انہی کے نام سے مشہور ہوئی۔ اس سے ایک تو زراعت کو فروغ ہوا اور دوسرے بصرہ کے ہر گھر میں بافراط پانی ملنے لگا۔

③ نہر سعد: یہ نہر سیدنا سعد رضی اللہ عنہ بن ابی وقاص نے کھدوائی تھی۔ اہل انبار نے اس بارے میں آپ سے درخواست کی تھی لیکن ہوا یہ کہ نہر کی کھدوائی کے درمیان میں پہاڑ حائل ہو جانے کی وجہ سے یہ نہر نا تمام رہ گئی جو بعد میں حجاج بن یوسف ثقفی نے اپنے زمانے میں مکمل کروائی۔

اس کے علاوہ اور بھی کئی نہریں جیسے نہر معقل وغیرہ کھدوائی گئیں، چنانچہ ان نہروں کی وجہ سے بنجر زمینیں زرخیز اور زرخیز زمینیں زرخیز تر ہو گئیں۔

ترقیاتی کام:

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے نہ صرف زراعت کی ترقی کے لیے ملک میں نہریں کھدوائیں بلکہ تعمیرات کا کام بھی منظم اور وسیع پیمانے پر کیا۔ سرکاری ملازمین کے لیے جگہ جگہ عمارتیں بنوائیں۔ فوجیوں کے لیے قلعے، چھاؤنیاں اور

Marfat.com

ان کی رہائش کے لیے بارکیں تعمیر کروائیں۔ مسافروں کے لیے مہمان خانے بنوائے۔ خزانے کی حفاظت کے لیے بیت المال کی عمارات بنوائیں۔ اگرچہ آپ تعمیرات کے بارے میں نہایت کفایت شعار اور سادگی پسند تھے لیکن بیت المال کی عمارتیں نہایت شاندار اور مستحکم بنوائیں۔ چنانچہ کوفہ کے بیت المال کی وسیع وعریض عمارت ایک مجوسی معمار روزبہ سے بنوائی اور اس میں خسروان فارس کی عمارت کا مسالہ استعمال کیا گیا۔ (طبری)

۱۷ھ میں مدینہ طیبہ سے لے کر مکہ معظّمہ تک ہر ہر منزل پر چوکیاں، سرائیں اور چشمے تیار کروائے تاکہ مسافروں کو آمدورفت میں آسانی ہو۔ رفاہ عامہ کے لیے سڑکیں، پل اور عبادت خداوندی کے لیے مسجدیں تعمیر کروائیں۔

علاوہ ازیں اس وسیع اسلامی مملکت میں کثرت سے نو آبادیاں قائم کیں جن میں سے چند ایک حسب ذیل ہیں:

① کوفہ: سیدنا سعد رضی اللہ عنہ بن ابی وقاص نے سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے حکم سے عراق کے قدیم بادشاہ نعمان بن منذر کے پایہ تخت کوفہ کو آباد کیا۔ اس میں ۴۰ ہزار انسانوں کی آبادی کے لیے گھر تعمیر کروائے گئے۔ یاقوت حموی کے مطابق سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس شہر کی آبادی میں غیر معمولی دلچسپی لی۔ شہر کے نقشے کے بارے لکھ کر بھیجا کہ اس کی شاہراہ چالیس چالیس ہاتھ چوڑی رکھی جائیں اور چھوٹی سے چھوٹی سڑک بھی ۳۰ ہاتھ اور ۲۰ ہاتھ سے کم چوڑی نہ ہو۔ جامع مسجد کوفہ اتنی وسیع وعریض بنوائی گئی کہ اس میں ایک وقت میں ۴۰ ہزار آدمی آسانی سے نماز پڑھ سکتے تھے۔ مسجد کے سامنے دوسو ہاتھ لمبا ایک وسیع سائبان تھا جو سنگ رخام کے ستونوں پر قائم کیا گیا تھا۔ یہ شہر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت ہی میں اپنی اس عظمت کو پہنچ چکا تھا کہ اسے ''راس الاسلام'' فرمایا کرتے تھے۔ بعد کے زمانوں میں تو وہ ایک علمی گہوارہ بنا اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ جیسے جلیل القدر ائمہ وہاں پیدا ہوئے اور حدیث میں اس شہر کا اس قدر چرچا تھا کہ امام بخاری جیسا شخص یہ فرماتا ہے:

لا احصی کم دخلت الکوفة والبغداد مع المحدثین۔ (مقدمہ فتح الباری: ۲/۴۷۹)

میں گن نہیں سکتا کہ میں کتنی دفعہ محدثین کے ساتھ کوفہ اور بغداد گیا ہوں۔

اسی طرح مشہور تابعی امام محمد بن سیرین فرماتے ہیں: ''میں جب کوفہ پہنچا تو وہاں چار ہزار طالب علم حدیث رسولؐ پڑھ رہے تھے۔ (تدریب الراوی: ۲۷۵)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانے ہی میں کوفہ کا شہر ''قبۃ الاسلام'' کے نام سے مشہور تھا۔

(مستدرک حاکم: جلد ۳/۸۹)

② بصرہ: ۱۴ھ میں سیدنا عتبہ رضی اللہ عنہ بن غزوان نے سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے حکم سے اس شہر کو بسایا تھا۔ شروع شروع میں صرف آٹھ سو آدمیوں نے اس میں سکونت اختیار کی، لیکن بعد میں اس کی آبادی میں

Marfat.com

بہت جلد اضافہ ہوا یہاں تک کہ زیاد بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ جس زمانہ میں گورنر بصرہ تھا بصرہ کے صرف ان لوگوں کی تعداد جن کے نام فوجی رجسٹر میں درج تھے اسی ہزار اور ان کی آل اولاد کی تعداد ایک لاکھ بیس ہزار تھی۔ یہ شہر بھی علمی گہوارہ ہونے کی وجہ سے عرصۂ دراز تک مایہ ناز شہر رہا۔

③ فسطاط: سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بن العاص جب مصر کو فتح کرنے کے لیے تشریف لائے تو دریائے نیل اور جبل مقطم کے درمیان ایک لق ودق میدان میں پڑاؤ کیا۔ اتفاق سے ایک کبوتر نے ان کے خیمہ میں گھونسلا بنالیا۔ سیدنا عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص نے وہاں سے کوچ کے وقت قصداً اس خیمہ کو اسی حالت میں چھوڑ دیا تاکہ اس بن بلائے مہمان کو تکلیف نہ ہو۔ مصر کی فتح کے بعد انھوں نے سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے حکم سے اسی میدان میں ایک شہر آباد کیا۔ عربی میں چونکہ خیمے کو ''فسطاط'' کہتے ہیں، اس لیے اس شہر کا نام ہی فسطاط رکھا گیا۔ فسطاط نے بہت جلد ترقی کی اور تھوڑے ہی عرصہ کے بعد سارے مصر کا صدر مقام ہوگیا۔ اس شہر نے بھی علمی حیثیت سے بڑی شہرت حاصل کی۔ یہ چونکہ ساحل سمندر سے بھی قریب تھا لہٰذا ہر سال بے شمار جہاز یہاں لنگر انداز ہوتے۔

④ جیزہ: اسکندریہ کی فتح کے بعد سیدنا عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص نے لب ساحل تھوڑی سی فوج رومی حملہ کے اندیشہ سے مقرر کردی۔ ان لوگوں کو دریا کا منظر کچھ ایسا پسند آ گیا کہ وہاں سے ہٹنا پسند نہ کیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ۲۱ھ میں ان کی حفاظت کے لیے وہاں ایک قلعہ تعمیر کرایا۔ چنانچہ وہاں اس وقت تک ایک مستقل نوآبادی قائم ہوچکی تھی۔

⑤ موصل: اس شہر کی جگہ پہلے ایک چھوٹا سا گاؤں تھا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے حکم سے سیدنا ہرثمہ رضی اللہ عنہ بن عرفجہ نے یہاں ایک عظیم الشان شہر کی بنیاد رکھی اور دیگر چیزوں کے علاوہ یہاں ایک عظیم الشان مسجد بھی تیار کروائی۔ چونکہ یہ شہر مشرق ومغرب کو آپس میں ملاتا تھا لہٰذا اس کا نام ''موصل'' رکھا گیا۔

ان شہروں کے علاوہ اور بھی چھوٹی چھوٹی نوآبادیاں قائم کی گئیں جن کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں ہے۔

فوجی اصلاحات:

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے جس طرح زندگی کے دوسرے شعبوں میں اصلاحات کیں اسی طرح آپ نے فوج کے شعبہ میں بھی بہت زیادہ اصلاحات کیں خلیفہ اول سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں فوج کا کوئی باقاعدہ محکمہ نہ تھا، لیکن سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں جب اسلامی حکومت کی حدود وثغور دور دور تک چلی گئیں اور اسلام کی سلطنت رومن امپائر (Roman Empire) سے بھی زیادہ وسیع ہوگئی تو فوج کے لیے باقاعدہ چھاؤنیاں قائم کرنے کی ضرورت پیش آئی۔ چنانچہ آپ نے ایک منظم فوجی سسٹم قائم کیا۔ ولید بن ہشام کے مشورے سے آپ نے ۱۵ھ میں فوج کا الگ محکمہ قائم کیا۔ مہاجرین اور انصار کے ان لوگوں کے نام باقاعدہ رجسٹر

Marfat.com

کیے جو فوجی خدمات سرانجام دے سکتے تھے۔ پھر ان کے مدارج کے اختلاف سے ان کی باقاعدہ تنخواہیں مقرر کیں۔ بعض روایات میں ہے کہ سیدنا مخرمہ رضی اللہ عنہ بن نوفل، سیدنا جبیر رضی اللہ عنہ بن مطعم اور عقیل رضی اللہ عنہ بن ابی طالب کے سپرد یہ کام کیا گیا کہ وہ قریش و انصار کا ایک رجسٹر تیار کریں جس میں ہر شخص کا نام و نسب اور دیگر کوائف درج ہوں۔ چنانچہ جب یہ رجسٹر تیار ہو گیا تو اب ان کی تنخواہ حسب قابلیت اور حسب حیثیت مقرر ہوئی۔ ان کی بیوی بچوں کے گزارہ کے لیے الگ وظائف مقرر کیے گئے۔ جن لوگوں کی جتنی تنخواہ مقرر ہوتی تھی ان کے غلاموں کو بھی اتنی ہی تنخواہ ملتی تھی۔ مہاجرین و انصار کی بیویوں کی تنخواہ ۲۰۰ سے ۴۰۰ درہم تک اور اہل بدر کی اولاد ذکور کی تنخواہ دو دو ہزار درہم سالانہ مقرر ہوئی۔ پھر فوج میں بھی دو قسم کے لوگ تھے۔ ایک وہ جو ہر وقت جنگی مہمات میں مشغول رہتے تھے، یہ گویا باقاعدہ فوج تھی اور دوسرے وہ جو اپنے گھروں میں رہتے اور ضرورت کے وقت میں طلب کیے جاتے۔ وہ گویا ریزرو (Reserve) فوج تھی، لیکن تنخواہ دونوں کو ملتی تھی۔

سارے ممالک محروسہ میں فوجی مرکز قائم کیے گئے جنھیں ''جند'' کہتے تھے۔ چنانچہ مدینہ، کوفہ، بصرہ، موصل، فسطاط، دمشق، حمص، اردن اور فلسطین وغیرہ میں بڑے بڑے فوجی مرکز قائم کیے گئے بلکہ کوفہ، بصرہ اور فسطاط تو فوجی مقصد ہی کے لیے آباد کیے گئے تھے۔ ان شہروں کے علاوہ دوسرے قریباً تمام اضلاع میں فوجی چھاؤنیاں قائم کی گئی تھیں جہاں بارکوں میں تھوڑی بہت فوج رہتی تھی۔

اوپر ذکر کیے گئے شہروں کے فوجی مرکزوں کی چھاؤنیوں میں بڑے بڑے اصطبل تھے جن میں چار چار ہزار گھوڑے جنگی ساز و سامان کے ساتھ ہر وقت تیار رہتے تھے تاکہ ضرورت کے وقت فوری طور پر فوجی دستہ تیار ہو جائے۔ ہر اصطبل کے ساتھ چراگاہیں بھی تھیں جہاں وہ گھوڑے چرتے رہتے۔ مدینہ طیبہ کی چراگاہ کا انتظام و انصرام سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے اپنے ہاتھ میں تھا۔ پھر جنگوں کے لیے عمدہ نسل کے گھوڑوں کا بھی خاص اہتمام تھا۔ گھوڑوں کی رانوں پر داغ سے "جیش فی سبیل اللہ" نقش کیا جاتا تھا۔ فوج کی رسد کا بھی یہیں ذخیرہ ہوتا تھا جس کو بوقت ضرورت کام میں لایا جاتا۔

ممالک محروسہ میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے چھاؤنیوں کا ایک جال بچھایا ہوا تھا۔ خوزستان کے علاقہ میں جگہ جگہ چھاؤنیاں تھیں۔ عراق عجم میں پرانی حکومت کی جو چھاؤنیاں تھیں، آپ نے انھیں از سر نو تعمیر کروایا اور ان کی توسیع بھی کی۔ جو نیا علاقہ فتح ہوتا اس میں بقدر ضرورت فوج متعین کر دی جاتی جو بعد میں چھاؤنی کا مقام حاصل کر لیتی۔ ضروری مقامات پر آپ نے قلعے بھی بنوائے۔

سرحدی علاقوں اور ساحلی مقامات کی حفاظت اور سکیورٹی کا الگ انتظام کیا اور اس شعبہ کے افسر اعلیٰ سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ بن قیس تھے اور وہ اس بارے میں نہایت تجربہ کار شخص تھے۔

چھاؤنیوں کے انتخاب میں بہتر آب و ہوا کا خاص لحاظ رکھا جاتا تھا۔ چھاؤنیوں کی بارکیں بڑی کشادہ تعمیر کی جاتی تھیں اور ان کے سامنے کھلے میدان چھوڑ دیے جاتے تاکہ فوجی جوانوں کو ہر وقت تازہ ہوا ملتی رہے۔

Marfat.com

ہفتہ میں ایک روز یعنی جمعہ کا دن آرام کے لیے ملتا تھا اور ہر چار ماہ بعد ہر فوجی کو چھٹی ملتی تھی تا کہ وہ اپنے بال بچوں کو جا کر مل سکے۔

فوج کشی میں بھی فوجیوں کے لیے موسم کا خیال رکھا جاتا تھا۔ چنانچہ سرد ملکوں پر گرمیوں اور گرم ملکوں پر سردیوں میں فوج کشی کی جاتی تھی۔ اس بات سے بھی پتہ چلتا ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو فوج کی صحت وتندرستی اور آرام وآسائش کا خاص خیال تھا کہ ۱۷ھ میں مدائن کی فتح کے بعد جب وہاں کی آب وہوا کا مسلمان فوجیوں کی صحت پر خراب اثر پڑا تو آپ نے عتبہ بن غزوان کو تحریر فرمایا کہ فوجیں موسم بہار میں سرسبز وشاداب اور صحت افزا مقامات پر چلی جایا کریں تا کہ آب وہوا کی تبدیلی سے ان کی صحت پر اچھے اثرات پڑیں۔

فوجی بھرتی کو خاص وسعت دی گئی۔ قریباً دس لاکھ اسلحہ سے لیس فوج جنگ کے لیے ہر وقت تیار رہتی تھی اور اس میں ہر سال قریباً تیس ہزار افراد کا اضافہ ہوتا تھا۔ فوج کے دروازے تمام مفتوحہ اقوام کے لیے کھلے تھے۔

جیسا کہ ذکر کیا گیا ہے کہ فوجیوں کی تنخواہ کم سے کم دو ہزار سے تین ہزار سالانہ تک تھی اور افسران فوج کی سات سے دس ہزار سالانہ۔ فوجیوں کے بچوں کے لیے وظیفے الگ مقرر تھے اور ہر سپاہی کو تنخواہ کے علاوہ ہر ماہ خوراک کے لیے ایک من غلہ، بارہ سیر روغن زیتون اور بارہ سیر سرکہ ملتا تھا۔

فوجیوں کے لیے حکومت کی طرف سے چیزوں کا سیکھنا ضروری تھا: شہ سواری، تیر اندازی، تیراکی اور ننگے پاؤں دوڑنے کی مشق۔ یہ سب کچھ اس لیے تھا تا کہ فوجی جفاکشی اور تکالیف کو برداشت کرنے کی صلاحیت رکھتے ہوں۔ چنانچہ یہ بھی ضروری تھا کہ فوجی رکاب کے سہارے گھوڑے پر سوار نہ ہوں، نرم اور ملائم کپڑے نہ پہنیں، دھوپ سے نہ بچیں اور حماموں میں جا کر نہ نہائیں۔

فوج میں حسب ذیل عہدیداران ضروری تصور کیے جاتے تھے:

فوج کا اسٹاف افسر، افسر خانہ، اکاؤنٹنٹ، قاضی، ٹرانسلیٹر، ڈاکٹر، سرجن اور جاسوس۔

جاسوسی کی خدمت زیادہ تر ذمیوں سے لی جاتی کیونکہ اس کام کے لیے یہ لوگ نہایت موزوں تھے۔ چنانچہ قیساریہ کے محاصرے میں یوسف نامی ایک یہودی نے جاسوسی کی خدمت سرانجام دی۔ اسی طرح عراق عجم میں بعض وفادار ایرانی مجوسی اپنی خوشی سے یہ خدمت سرانجام دیتے تھے۔

لڑائی کے وقت انجینئرنگ یعنی سڑکیں بنانے اور پل تعمیر کرنے کا کام کرنے کے لیے بھی فوج میں ایک محکمہ تھا، لیکن زیادہ تر کام مفتوحہ اقوام سے لیا جاتا تھا۔ چنانچہ مصر کی مہم میں یہ خدمت قبطیوں نے سرانجام دی تھی۔ اسی طرح خبر رسانی کا نظام بھی نہایت کامل طور پر فوج میں موجود تھا۔ ہر لشکر میں پرچہ نویس ہوتے جو ایک ایک بات کی خبر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو پہنچاتے رہتے تھے۔ چنانچہ طبری نے لکھا ہے:

وکان عمر لایخفی علیه شئی فی علمه کتب الیه من العراق بخروج من خرج ومن الشام بجائزة من اجیزها۔ (طبری:۳)

Marfat.com

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ پر کوئی بات مخفی نہیں رہتی تھی۔ عراق میں جن لوگوں نے خروج کیا اور شام میں جن لوگوں کو انعامات دیئے گئے سب کچھ انھیں لکھا جاتا۔

اس کا نتیجہ یہ تھا کہ پوری اسلامی فوج کی باگ ڈوران کے ہاتھ میں تھی اور وہ ان افواج کے گویا سپریم کمانڈر تھے۔

فوج حسب ذیل شعبوں میں تقسیم کی گئی:

مقدمہ ۱، قلب ۲، میمنہ ۳، میسرہ ۴، ساقہ ۵، طلیعہ، ۶ سفر مینا ۷، رداء ۸، (عقبی گارڈ) شتر سوار ۹، سوار ۱۰، پیادہ ۱۱، تیرانداز ۱۲۔

فوج کو جو اسلحہ مہیا کیا جاتا اس میں تیغ وسنان کے علاوہ قلعہ شکنی کے لیے منجنیق اور دبابہ بھی تھا۔ چنانچہ دمشق اور دوسری کئی جگہوں پر منجنیق کا استعمال کیا گیا جو اس زمانہ کی توپ سمجھی جاتی تھی۔

عدلیہ:

عدلیہ کسی بھی حکومت کی شرافت وذہانت کو جانچنے اور کسی معاشرہ کی حقیقی تصویر دیکھنے کا بہترین آئینہ ہوتی ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں عدلیہ فیصلہ کن کردار ادا کرتی تھی۔ باصلاحیت اور خدا ترس لوگوں کو آپ نے قاضی مقرر کیا ہوا تھا۔ آپ دولت منداور معزز شخص کے علاوہ کسی کو قاضی مقرر نہ فرماتے تھے۔ اس کی وجہ یہ فرماتے کہ دولت مند رشوت کی طرف راغب نہ ہوگا اور معزز فیصلہ کرتے وقت کسی کے رعب سے متاثر نہ ہوگا۔

عدلیہ کے قضاۃ کے انتخاب میں بڑی احتیاط سے کام لیتے تھے۔ صرف انہی لوگوں کو قاضی مقرر کرتے جو علم وتقویٰ، ذہانت اور قوت فیصلہ میں ایک خاص مقام رکھتے۔ چنانچہ مدینہ کے قاضی سیدنا زید رضی اللہ عنہ بن ثابت تھے، کوفہ کے سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ بن مسعود اور قاضی شریح رضی اللہ عنہ جبکہ جمیل بن العمر، سلمان بن ربیعہ الباہلی، عبدالرحمٰن بن ربیعہ، عمران بن الحصین اور ابوقرہ کندی وغیرہ بزرگوں کو دوسرے کئی علاقوں کا قاضی مقرر کیا ہوا تھا کیونکہ یہ حضرات علمی جلالت کے حامل تھے۔

کبھی کبھی عدالت میں خود پیش ہوکر قضاۃ کا امتحان بھی لے لیتے تھے کہ یہ کسی شخص کی وجاہت سے متاثر ہوکر عدل وانصاف میں کوئی کوتاہی تو نہیں کرتے۔ چنانچہ ایک مرتبہ کھجوروں کے ایک باغ کی ملکیت پر ان کا اور سیدنا ابی رضی اللہ عنہ بن کعب کا تنازع ہوگیا۔ سیدنا ابی رضی اللہ عنہ کا دعویٰ یہ تھا کہ باغ ان کا ہے۔ بالآخر دونوں نے مقدمہ سیدنا زید رضی اللہ عنہ بن ثابت کی عدالت میں پیش کردیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ مدعا علیہ کی حیثیت سے عدالت میں پیش ہوئے۔ سیدنا زید رضی اللہ عنہ نے تعظیم کی۔ فرمایا یہ تمہارا پہلا ظلم ہے۔ یہ کہہ کر اپنے فریق سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے ساتھ بیٹھ گئے۔ عدالت نے مدعی سے ثبوت مانگا۔ سیدنا ابی رضی اللہ عنہ کوئی ثبوت ملکیت پیش نہ کرسکے۔ سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے قاعدہ کے مطابق سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے قسم لینا چاہی، لیکن سیدنا زید رضی اللہ عنہ بن ثابت نے آپ کے مرتبہ کا لحاظ کرتے ہوئے

Marfat.com

سیدنا ابی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ عمر رضی اللہ عنہ کو قسم سے معاف رکھو۔ آپ نے اس بات کو سخت ناپسند فرمایا اور فرمایا ''جب تک تمھارے نزدیک ایک عام آدمی اور عمر دونوں برابر نہ ہوں اس وقت تک تم منصب قضا کے قابل نہیں ہو سکتے۔'' عدالت نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے قسم اٹھانے کو کہا۔ انھوں نے قسم اٹھائی اور عدالت نے فیصلہ ان کے حق میں کر دیا۔ عدالت سے باہر نکل کر آپ نے باغ سیدنا ابی رضی اللہ عنہ بن کعب کو ہبہ کر دیا۔ پوچھا گیا کہ آپ نے عدالت میں جانے سے قبل ہی ایسا کیوں نہ کر دیا۔ فرمایا ''میں چاہتا تھا کہ لوگوں کو اپنے حقوق اور عدلیہ کی قوت کا اندازہ ہو جائے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ قضاۃ کے بے لاگ اور منصفانہ فیصلوں پر ہمیشہ ان کی تعریف فرمایا کرتے تھے اگرچہ فیصلہ خود ان کے خلاف ہی کیوں نہ دیا گیا ہو۔ چنانچہ ایک مرتبہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ایک بدو سے گھوڑے کا سودا کرنا چاہا۔ گھوڑا پسند کرنے کے لیے گھوڑے پر سوار ہوئے۔ گھوڑے نے ٹھوکر کھائی اور لنگڑا ہو گیا۔ آپ نے بدو سے کہا: ''میاں اپنا گھوڑا لے لو، میں یہ خریدنا نہیں چاہتا۔'' اس نے کہا: ''اب میں اسے نہیں لوں گا۔'' سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: ''کسی ثالث سے اس کا فیصلہ کرا لیتے ہیں۔'' چنانچہ معاملہ قاضی شریح کے سامنے پیش کیا گیا۔ شریح نے فیصلہ دیا: ''امیر المومنین! جو گھوڑا آپ نے خریدا ہے اسے لے لیں وگرنہ جس حال میں اس کے ہاتھ سے لیا اسی حالت میں اسے واپس کر دیں۔''

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے یہ فیصلہ سنا تو اش اش کر اٹھے اور فرمایا: ''عدل ہو تو ایسا ہو۔''

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے قضاۃ کو ایک فرمان لکھا تھا جس میں قضا کے اصول بیان کر کے انھیں ان کو اپنانے کی ترغیب دی تھی، چنانچہ آپ نے اس فرمان میں لکھا تھا:

''اما بعد! قضا ایک ضروری فرض ہے، لہٰذا تم لوگ لوگوں کو اپنے حضور میں، اپنی مجلس میں اور اپنے انصاف میں برابر رکھو تا کہ کمزور شخص انصاف سے مایوس نہ ہو اور معزز شخص کو رورعایت کی امید پیدا نہ ہو۔ مدعی کے ذمہ ثبوت ہے اور جو انکار کرے اس پر قسم ہے۔ صلح جائز ہے مگر وہ جس سے حرام حلال اور حلال حرام نہ ہونے پائے۔ اگر تم نے کوئی فیصلہ کیا تو غور و فکر کے بعد اگر حق اس کے خلاف نظر آئے تو اس سے رجوع کر سکتے ہو۔ جس معاملہ میں شبہ ہو اور قرآن و سنت میں اس کا ذکر نہ ہو تو اس پر بار بار غور کرو اور اس کی مثالوں اور نظیروں کو پہچان کر ان پر قیاس کرو۔ جو شخص ثبوت پیش کرنا چاہے اس کے لیے ایک میعاد مقرر کر دو۔ ان اشخاص کے سوا جنھیں سزا میں درے لگائے گئے ہوں یا جھوٹی گواہی دی ہو یا ولا اور وراثت میں مشکوک ہوں سب مسلمان ثقہ ہیں۔''

محاصل:

حکومت کا نظم و نسق چلانے کے لیے خراج و محاصل نہایت ضروری چیزیں ہیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے پہلے

Marfat.com

عرب ان چیزوں سے نا آشنا تھے، لیکن سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے صیغۂ محاصل کو اس طرح منظّم کیا کہ آپ کے بعد آنے والوں کے لیے آسانیاں پیدا ہو گئیں۔

عراق عجم کی فتح کے بعد وہاں کی آباد زرعی زمینیں اور باغات حکومت کے ہاتھ آئے تو مسئلہ یہ پیدا ہوا کہ ان زمینوں کو فوج میں تقسیم کیا جائے یا حکومت ان کی مالک ہو۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ بن عوف کی رائے یہ تھی کہ جن مجاہدین کی تلواروں نے اس سرزمین کو فتح کیا انھیں کو ان زمینوں اور باغات پر قبضہ کا بھی حق ہے۔ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ بھی سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کے اس بارے میں ہم نوا تھے بلکہ اس بات پر اس قدر مصر تھے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے تنگ آ کر فرمایا: "اللھم اکفنی بلالا"۔

ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مقابلے میں عبقریت عمر مستقبل کے پردوں میں جھانک رہی تھی۔ آپ یہ سمجھ رہے تھے کہ یہ زمینیں اور باغات افواج کی ملکیت میں دے دینا نقصان دہ ہے۔ ایک تو اس لیے کہ ان زمینوں کی پیداوار متاثر ہوگی جو کہ ملک کے لیے مفید نہیں، دوسرے اس لیے کہ امت کا اجتماعی ذریعہ آمدنی چند ہاتھوں میں محدود ہو کر رہ جائے گا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے محسوس کر لیا تھا کہ اس وقت تک حالات اتنے بدل چکے تھے کہ جہاد کے اخراجات میں اب پوری ملت اسلامیہ کا اشتراک تھا جب کہ آغاز اسلام میں مجاہدین جنگ کا سارا سامان خود تیار کرتے تھے اور مال غنیمت میں سے خمس نکال کر باقی ماندہ اشیاء ان کے درمیان تقسیم کر دی جاتی تھیں۔ اس لیے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ملت کے پاس اجتماعی آمدنی کا ذریعہ ہونا ضروری سمجھتے تھے۔ چنانچہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا موقف یہ تھا کہ ان مفتوحہ علاقوں کی زمینیں حکومت کی ملک اور باشندوں کے قبضہ میں رہنے دی جائیں۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان، سیدنا علی رضی اللہ عنہ سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ اور دوسرے کئی ایک صحابہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے ہم آہنگ تھے۔ (کتاب الخراج:۴)

عراقی فتوحات کے ساتھ ساتھ دیگر زرخیز علاقوں مثلاً شام اور مصر میں بھی اسلامی فوجیں فتوحات کے شادیانے بجاتی آگے بڑھ رہی تھیں۔ یہ سب زرعی پیداوار کے شاداب اور زرخیز علاقے تھے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے عراقی علاقے میں ابتداء میں کچھ زمینیں بعض فوجیوں میں تقسیم بھی کی تھیں مگر پھر انھوں نے اپنی نئی پالیسی کا اعلان کیا اور فرمایا کہ ان زمینوں کو مسلمانوں کی اجتماعی ملکیت کے طور پر بیت المال اور حکومت وقت کے تصرف میں رہنا چاہیے اور مقامی باشندوں کو کاشتکاری کے لیے خراج پر یہ زمینیں دے دی جائیں۔ آپ نے فرمایا آئندہ جہاد جن مراحل میں داخل ہونے والا ہے اس کا تقاضا بھی یہی ہے کہ حکومت اسلامیہ مجاہدین کی تیاری اور ان کی تنخواہ کی ذمہ داری سنبھالے۔ علاوہ ازیں آنے والی نسلوں کے لیے بھی بیت المال میں مستقل ذریعہ آمدنی ہونا چاہیے۔

بعض حضرات کا خیال ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے اس فیصلے سے امت مسلمہ کا بازوئے شمشیر زن متاثر ہوا تھا حالانکہ ان کی یہ رائے محل نظر ہے لیکن اگر بالفرض ایسا ہوا بھی ہو تو اس کے برعکس جو مصلحت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پیش نظر تھی وہ زیادہ عظیم اور دوررس اثرات کی حامل تھی۔ سیدنا جریر رضی اللہ عنہ بن عبداللہ بجلی کے قبیلہ نے جنگ قادسیہ میں سب سے زیادہ مجاہدین پیش کیے تھے، چنانچہ جنگ کے اختتام پر مفتوحہ علاقے کا ایک چوتھائی ان مجاہدین کو دے

Marfat.com

دیا گیا۔ بعد میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا جریر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ نئے حالات میں انھیں وہ زمینیں واپس کر دینی چاہئیں۔ سیدنا جریر رضی اللہ عنہ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی رائے سے اتفاق کیا اور اپنی اور اپنے قبیلے کے افراد کی زمینیں بیت المال میں واپس کر دیں۔ اس پر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا جریر رضی اللہ عنہ کو ۸۰ دینار بطور انعام دیئے تھے۔

جب یہ فیصلہ ہو گیا کہ عراق اور دوسرے ممالک مفتوحہ کی اراضی مجاہدین میں تقسیم نہیں ہوگی بلکہ حکومت کی اجتماعی ملکیت میں ہوگی تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے بڑے اہتمام کے ساتھ ان زمینوں کی پیمائش کروائی اور پھر ان کا بندوبست کروایا۔ اس بندوبست میں زمینداری اور تعلق داری کا سابق نظام بدستور قائم رکھا۔ زمینوں کو ان کے سابقہ مالکوں کے قبضے میں رہنے دیا گیا اور ان کی حیثیت اور پیداوار کی اقسام کے لحاظ سے مالگزاری کی مختلف شرح تشخیص کر دی گئی۔ قاضی ابو یوسف کی تالیف انیق ''کتاب الخراج'' اور ابو عبید قاسم کی تصنیف ''کتاب الاموال'' کے مطابق اس کی کم سے کم مقدار دو درہم اور زیادہ سے زیادہ دس درہم فی جریب سالانہ مقرر کی گئی۔ شاہی خاندان کی جاگیروں، آتش کدوں کے اوقاف، لاوارثوں کی زمینوں اور جنگلات کو حکومت کا خالصہ قرار دے کر رفاہ عامہ کے کاموں کے لیے مخصوص کر دیا گیا۔ محاصل کی وصولی کے وقت اتنی احتیاط برتی جاتی تھی کہ ثقہ افراد کی شہادت سے اس بات کا پورا پورا اطمینان کر لیا جاتا کہ اس میں ظلم و زیادتی کا کوئی حبہ تو نہیں۔

مصر کی پیداوار کا دارومدار دریائے نیل پر تھا لہٰذا اس کے پانی کے مد و جزر کی وجہ سے پیداوار میں کمی بیشی ہوتی رہتی تھی، اس وجہ سے مصر کے محاصل کی کوئی عام اور دائمی شرح معین نہ تھی۔ ہر سال کی پیداوار کا کاشتکاروں اور زمینداروں کے باہمی مشورہ سے اندازہ لگا کر ایک مجموعی رقم تشخیص کر دی جاتی۔ نقدی مال گزاری کی شرح ایک دینار اور تین اروب غلہ فی جریب سے زیادہ نہ تھی۔

مصر اور شام میں جاگیرداری سسٹم تھا۔ ملک کی زمین کا بڑا حصہ فوجی افسران اور ارکان دولت کی جاگیروں میں تقسیم تھا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے جاگیردارانہ نظام کو توڑ کر زمینیں کاشتکاروں اور ہاریوں کے قبضہ میں دے دیں اور ان کو مسلمانوں کے قبضہ سے بچانے کے لیے یہ قانون بنا دیا کہ کوئی مسلمان زمین خرید کر حاصل نہیں کر سکتا۔

زمین کی آبادی اور زراعت کی ترقی کے لیے آپ نے یہ قانون بنایا کہ جو شخص کسی غیر آباد زمین کو آباد کرے گا وہ زمین اس کی ہو جائے گی، لیکن زمین حاصل کرنے کے بعد تین سال کے اندر اندر اس کا آباد کرنا ضروری قرار دیا گیا۔ اس قانون کی وجہ سے بہت سی افتادہ اور غیر آباد زمینیں آباد ہو گئیں اور زراعت کو ملک میں بہت ترقی حاصل ہوئی۔

تجارت پر چنگی (Duty) لگائی گی۔ یہ ڈیوٹی خاص سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی ایجاد ہے۔ ہوا یوں کہ جو مسلمان غیر ممالک میں تجارت کے لیے جاتے ان کو وہاں دس فیصد کسٹم ڈیوٹی دینا پڑتی تھی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو اس بات کا پتہ چلا تو انھوں نے بھی غیر ملکی مال پر درآمدی ڈیوٹی عائد کر دی۔

Marfat.com

بیت المال کا قیام:

محاصل کو جمع کرنے کے لیے بیت المال کی بھی ضرورت تھی۔ اگرچہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں بیت المال قائم ہوگیا تھا، لیکن اس میں رقم کوئی جمع نہ تھی۔ جو کچھ آتا وہ اسی وقت ضرورت مندوں میں تقسیم کرا دیتے۔ چنانچہ ان کی وفات کے بعد سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ بن عوف، سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ساتھ لے کر بیت المال کا جائزہ لیا تو صرف ایک درہم برآمد ہوا اور بیت المال کے خازن کو بلا کر پوچھا کہ شروع سے اب تک خزانہ میں کس قدر رقم آئی ہے؟ اس نے کہا: ''دو لاکھ۔'' یہ سن کر لوگوں نے کہا: ''اللہ ابوبکر رضی اللہ عنہ پر رحم فرمائے۔'' لیکن ۱۵ھ کے قریب سیدنا عمر صلی اللہ علیہ وسلم رضی اللہ عنہ نے ملکی محاصل کو جمع کرنے کے لیے ایک مستقل خزانے (Exchequer) کی ضرورت محسوس کی۔ چنانچہ مجلس شوریٰ کی منظوری کے بعد مدینہ طیبہ میں ایک بہت بڑا بیت المال قائم کیا۔ اس کے علاوہ تمام صوبوں، اضلاع اور مرکزی مقامات پر اس کی شاخیں قائم کی گئیں۔ ان کے لیے وسیع و عریض عمارتیں بنوائیں۔ لائق اور دیانت دار افسر خزانہ مقرر کیے گئے۔ دارالخلافہ یعنی مدینہ منورہ کے افسر خزانہ سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ بن ارقم تھے، کوفہ کے سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ بن مسعود اور اصفہان کے سیدنا خالد رضی اللہ عنہ بن حرث۔ کوفہ کے بیت المال کی عمارت طبری کے بقول بہت وسیع و عریض تھی۔

بیت المال کے مداخل و مخارج کا طریقہ یہ تھا کہ ہر صوبہ کی آمدن اس صوبہ کے بیت المال میں جمع ہوتی اور اس کے بعد مصارف میں استعمال ہوتی۔ مصارف کے بعد جو رقم بچتی وہ مرکزی خزانہ یعنی مدینہ طیبہ کے بیت المال میں منتقل ہو جاتی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اس کے بارے میں صوبوں کے گورنروں کے نام مختلف ہدایات اور احکام ارسال فرماتے رہتے تھے۔ چنانچہ کتابوں میں گورنر مصر سیدنا عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص کے نام ان کا یہ فرمان ملتا ہے کہ

''خزانے میں جو آمدنی جمع ہوئی ہو اس میں سے مسلمانوں کے ضروری اخراجات اور وظائف دو اور پھر اس کے بعد جو رقم بچ جائے وہ میرے پاس مدینہ بھیج دو۔

بیت المال کے حساب و کتاب کے لیے مختلف رجسٹر تیار کیے گئے۔ اس وقت تک عرب میں مستقل سنہ کا رواج نہ تھا لہٰذا آپ نے ۱۶ھ میں سن ہجری ایجاد کر کے اس کمی کو بھی پورا فرما دیا۔

بیت المال کی آمدنی کے ذرائع حسب ذیل تھے: زکوٰۃ، عشور (تجارتی ٹیکس) جزیہ، مال غنیمت، خراج اور فَے وغیرہ۔

مرکزی بیت المال کی وسعت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ مدینہ طیبہ کے باشندوں کے وظائف اور ان کی تنخواہوں کا خرچ تین کروڑ درہم سالانہ تھا۔ اس سے حکومت کی آمدنی کا اندازہ بھی لگایا جاسکتا ہے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے نہ صرف بیت المال بنایا بلکہ بیت المال کی حفاظت کے گر اور اصول بھی سکھائے۔ آپ نے اس بیت المال کے ایک ایک حبہ کی حفاظت کی اور اس کو بے محل صرف نہ ہونے دیا۔ بیت المال کا ایک

Marfat.com

ایک اونٹ حلیہ کے ساتھ اس کے رجسٹر میں درج تھا اور اس کو قوم اور اللہ کی امانت سمجھتے ہوئے اس کی حفاظت فرمائی۔ بیت المال میں قیصر و کسریٰ کی دولت اونٹوں پر لدی آ رہی تھی لیکن آپ کا اس دولت میں حصہ صرف اتنا تھا جس سے صرف ان کا معمولی گھر چلتا تھا۔ اس مال سے ادنیٰ سا ذاتی فائدہ اٹھانا آپ اپنے لیے حرام سمجھتے تھے۔ چنانچہ طبقات ابن سعد کی روایت کے مطابق بیماری کی حالت میں بیت المال سے معمولی سا شہد لینا بھی گوارا نہ کیا جب تک کہ مسجد میں جا کر تمام مسلمانوں سے اس کی اجازت نہ لے لی۔

ایک مرتبہ سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے بیت المال کا جائزہ لیا تو اس میں صرف ایک درہم نکلا، انھوں نے وہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے ایک بچے کو دے دیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو پتہ چلا تو آپ نے وہ درہم واپس لے کر بیت المال میں جمع کروا دیا اور سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی کو بلا کر فرمایا کہ تمھیں سارے مدینہ میں آل عمر رضی اللہ عنہ کے سوا اور کوئی کمزور نظر نہ آیا۔ تم چاہتے ہو کہ روز قیامت تمام امت مسلمہ کا ہاتھ میری گردن پر ہو۔
(کنز العمال: ۶/ ۳۵)

ایک دفعہ آپ نے ایک نہایت فربہ اور موٹا اونٹ مدینہ کی منڈی میں فروخت ہوتے دیکھا۔ پوچھا یہ کس کا اونٹ ہے؟ بتایا گیا آپ کے صاحبزادے عبداللہ رضی اللہ عنہ کا۔ آپ نے عبداللہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا یہ اونٹ کہاں سے آیا اور اتنا موٹا تازہ کیوں ہے؟ انھوں نے کہا کہ میں نے اسے خرید کر سرکاری چراگاہ میں بھیج دیا تھا یہ وہاں چر کر موٹا ہو گیا ہے اس لیے فروخت کرتا ہوں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا چونکہ یہ سرکاری چراگاہ میں فربہ ہوا ہے اس لیے تم اتنی ہی قیمت کے مستحق ہو جتنے میں خریدا تھا۔ آپ نے اس کی زائد قیمت بیت المال میں داخل کر دی۔ (ایضاً)

بیت المال کی اس قدر حفاظت فرمائی کہ ایک آدمی اس کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا۔ علامہ ابن جوزی نے لکھا ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ سواری کو دوڑائے جا رہے ہیں۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے پوچھا امیر المومنین کہاں تشریف لے جا رہے ہیں؟ فرمایا ''بیت المال کا ایک اونٹ فرار ہو گیا ہے، اسے تلاش کرنے جا رہا ہوں'' یہ سن کر سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

اذللت الخلفاء بعدك۔

''آپ نے اپنے بعد والے خلفاء کو مشقت میں ڈال دیا۔''

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''ابوالحسن! یہ کوئی قابل ملامت شے نہیں ہے۔ اس ذات کی قسم جس نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رسالت و نبوت کے ساتھ بھیجا اگر بکری کا بچہ بھی فرات کے کنارے جا کر گم ہو جائے تو قیامت کے روز اس کی بھی عمر سے پرسش ہو گی۔'' (سیرۃ عمر بن الخطاب: ۱۴۰، البدایہ والنہایہ: ۷/ ۱۳۶)

اسی طرح ایک مرتبہ بیت المال کا ایک اونٹ بھاگ گیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اس کو تلاش کرنے نکلے۔ عین اس وقت احنف رضی اللہ عنہ بن قیس آپ سے ملنے کے لیے آئے۔ دیکھا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ آستین چڑھائے ادھر ادھر بھاگ

Marfat.com

رہے ہیں۔سیدنا احنف رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر فرمایا: ''آؤ تم بھی اس میں میرا ساتھ دو۔ بیت المال کا ایک اونٹ بھاگ گیا ہے اور تمھیں پتہ ہے کہ ایک اونٹ میں کتنے غریبوں کا حق ہے۔'' اتنے میں ایک شخص بولا: ''امیر المومنین! آپ کیوں تکلیف اٹھاتے ہیں، کسی غلام کو فرمایئے وہ ڈھونڈ لائے گا۔'' فرمایا: ''ای اعبد منی یعنی مجھ سے بڑھ کر کون غلام ہوسکتا ہے۔'' (کنز العمال:۳۵۴/۶)

بیت المال کی حفاظت کے سلسلے میں یہ واقعہ بھی کتابوں میں موجود ہے کہ ایک مرتبہ سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ بن عوف سے جو ایک متمول آدمی تھے قرض مانگا۔ انھوں نے کہا ''امیر المومنین! آپ بیت المال سے قرض لے سکتے ہیں۔'' فرمایا ''لے تو سکتا ہوں لیکن لوں گا نہیں، کیونکہ اگر میں ادا کرنے سے قبل مر گیا تو تم لوگ میرے وارثوں سے مطالبہ نہ کرو گے اور میں یہ بار اپنے اوپر لے کر جاؤں گا، لہٰذا ایک ایسے شخص سے قرض لینا چاہتا ہوں جو میرے متروکہ سے وصول کرنے پر مجبور ہو۔'' (ابن سعد:۹۹/۳) اس طرح کے بے شمار واقعات کتابوں میں موجود ہیں۔

دینی خدمات:

ویسے تو ایک مسلمان اپنی ساری زندگی میں جو کام بھی کرتا ہے وہ دین ہی شمار ہوتا ہے کیونکہ اس کام کے کرنے میں اس کا مقصد صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی رضا ہوتی ہے، لیکن سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اسلام کی اشاعت کے لیے بھی بہت کوشش کی۔ سختی سے نہیں بلکہ اخلاق اور محبت سے جبکہ جبر کے وہ سخت خلاف تھے، کیونکہ قرآن کا ارشاد ہے کہ دین میں جبر نہیں ہے۔ چنانچہ ایک مرتبہ انھوں نے اپنے غلام کو اسلام لانے کی تبلیغ کی، لیکن اس نے اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ آپ نے: لااکراہ فی الدین کہہ کر اسے چھوڑ دیا۔ (کنز العمال:۴۹/۵)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے دین کی اشاعت اور اسلام کی تبلیغ کے لیے مندرجہ ذیل طریقے اور صورتیں اختیار کیں:

① فوج کے ہر سپہ سالار کو تاکید کی گئی تھی کہ جنگ سے پہلے غنیم کے سامنے اسلام کی خوبیاں بیان کر کے اسے اسلام میں داخل ہونے کی دعوت دی جائے۔ چنانچہ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ ابن ابی وقاص کو جو خط آپ نے لکھا تھا اس میں واضح طور پر یہ مرقوم تھا کہ ''میں نے تم کو حکم دیا تھا کہ جنگ سے پہلے اسلام پیش کرو۔''

② دوسری صورت آپ نے یہ اختیار کی تھی کہ تمام مسلمانوں کو اپنی تربیت و تزکیے اور احتساب سے اسلامی اخلاق کا مجسم نمونہ بنا دیا تھا اور ہر مسلمان اسلام کی روشنی کا مینار نظر آتا تھا جس کو دیکھ کر لوگ راہ ہدایت اختیار کرتے تھے اور ان کے دل ان کو دیکھ کر ہی اسلام کی طرف کھنچ جاتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ رومی سفیر اسلامی لشکر میں آیا تو سالار فوج کی سادگی ہی کو دیکھ کر اسلام کی طرف مائل ہو گیا۔

مصر کی حکومت کا ایک نہایت معزز رئیس شطاء مسلمانوں کے حالات سن کر ہی دو ہزار آدمیوں کے ساتھ

Marfat.com

مسلمان ہوگیا۔ دمشق کی فتح کے بعد یہاں کا بشپ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ بن ولید کے ہاتھ پر مشرف بہ اسلام ہوگیا۔ جلولاء کی فتح کے بعد یہاں کے بڑے بڑے امراء اور رؤساء نے بغیر کسی جبر کے اسلام قبول کرلیا۔ قادسیہ کے معرکہ کے بعد ایران کا شاہی رسالہ جس کی تعداد چار ہزار تھی اور اس رسالہ کا افسر ولیم تھا، حلقہ بگوش اسلام ہوگیا۔ یزدگرد کے مقدمتہ الجیش کا افسر اعلیٰ سیاہ کئی سو بہادروں کے ساتھ دائرۂ اسلام میں داخل ہوگیا۔ ان کے مسلمان ہونے سے سیابجہ، زط اور اندغا قومیں بھی جو ایرانی فوج میں بھرتی تھیں، حلقہ بگوش اسلام ہوگئیں۔ مصر کے علاقہ بلہیب کے کل باشندے بغیر کسی جبر و اکراہ کے مسلمان ہوگئے۔ دمیاط کی فتح کے بعد بقارہ اور دارادہ سے لے کر عسقلان تک پورے علاقے میں اسلام گھر گھر پہنچ گیا۔ فسطاط کے شہر میں جو سیدنا عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے حکم سے آباد کیا تھا، کئی محلے مسلمانوں کے تھے جو وہاں کے باشندے تھے۔ مختصر یہ کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں اسلام نہایت تیزی اور کثرت سے پھیلا جس میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا بہت بڑا ہاتھ تھا۔

(فتوح البلدان: ۲۶۵/۲۸۰/۲۸۹/۳۷۴، مقریزی: ۱/۱۶۶، ۱۸۴ وغیرہ)

تبلیغ اسلام اور اشاعت دین کے علاوہ تعلیم القرآن کی طرف بھی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے خاص توجہ فرمائی۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں قرآن حکیم کی ترتیب و جمع کی جانب آپ ہی نے انھیں آمادہ کیا تھا۔ اپنے عہد خلافت میں آپ نے تمام ممالک محروسہ میں قرآن حکیم کی درس و تدریس اور تعلیم و اشاعت کے لیے مکتب قائم فرمائے اور ان میں تنخواہ دار معلم اور مدرس مقرر فرمائے۔ ان مکتبوں میں کتابت کی تعلیم بھی دی جاتی تھی۔ چنانچہ لکھا ہے:

ان عمر بن الخطاب و عثمان کانا یرزقان الموذنین والائمه والمعلمین۔

''سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ دونوں نے تنخواہیں مقرر کیں موذنوں کی، ائمہ مساجد کی اور مدارس کے معلمین کی۔''

سیدنا عبادہ رضی اللہ عنہ بن صامت، سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ بن جبل اور سیدنا ابو الدرداء رضی اللہ عنہ وغیرہ کبار صحابہ اور حفاظ قرآن کو قرآن حکیم کی تعلیم کے لیے ملک شام بھیجا اور انھوں نے حمص، فلسطین اور دمشق میں درس قرآن جاری کیا۔ بدوؤں کے لیے قرآن حکیم کی تعلیم و تدریس کو ضروری قرار دیا اور ایک معلم ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو چند حضرات کے ساتھ اس کام پر مقرر فرمایا کہ وہ قبائل میں پھر کر لوگوں کا امتحان لیں اور جس کو قرآن یاد نہ ہو اس کے ساتھ تادیبی کارروائی کریں۔

قرآن حکیم کی بعض سورتوں کا جن میں سورہ بقرہ، نساء، مائدہ، حج اور سورہ نور شامل ہیں، یاد کرنا ضروری قرار دیا گیا کیونکہ ان سورتوں میں احکام ہیں۔ (کنز العمال: ۱/۲۲۴)

قرآن حکیم کو صرف پڑھنے ہی کی تاکید نہ کی بلکہ صحیح پڑھنے کی تاکید کی، چنانچہ ایک حکم نامہ جاری کیا گیا جس کے الفاظ ہیں:

Marfat.com

تعلموا اعراب القرآن کما تعلمون حفظه (کنزالعمال:۱/۲۲۸)

قرآن کے اعراب بھی اسی طرح سیکھو جس طرح اس کو حفظ کرنا سیکھتے ہو۔

قرآن حکیم کی تعلیم کو عام کرنے کے لیے طلبہ کے وظائف مقرر کیے۔ غرض کہ ان تمام تدابیر سے نہ صرف ناظرخواں حضرات کی تعداد میں اضافہ ہوا بلکہ ملک میں ہزاروں کی تعداد میں حافظ قرآن پیدا ہو گئے۔ چنانچہ ایک مرتبہ سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے آپ کو ایک خط کے جواب میں لکھا کہ ''صرف میری فوج میں تین سو حافظ قرآن ہیں۔'' (کنزالعمال:۱/۲۱۷)

قرآن حکیم کے بعد حدیث نبوی کا درجہ ہے۔ آپ نے جس طرح قرآن حکیم کی خدمت کی اسی طرح حدیث نبویؐ کی بھی خدمت کی۔ اس بارے میں شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ازالۃ الخفاء میں بہت کچھ لکھا ہے۔ آپ نے حفاظ حدیث صحابہ کو حدیث کی تعلیم کے لیے مملکت اسلامیہ کے مختلف شہروں میں بھیجا، چنانچہ عبداللہ رضی اللہ عنہ بن مسعود کو کوفہ، سیدنا معقل رضی اللہ عنہ بن یسار، سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ بن معقل اور سیدنا عمران رضی اللہ عنہ بن حصین کو بصرہ اور سیدنا عبادہ رضی اللہ عنہ بن صامت اور سیدنا ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کو شام روانہ فرمایا۔ (ازالۃ الخفاء:۲/۶) اور گورنر شام سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ ان حضرات کے علاوہ دوسروں کی احادیث قبول نہ کی جائیں۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ روایت حدیث میں بہت محتاط تھے اور لوگوں کو کثرت روایت سے منع کیا کرتے تھے جس کی وجہ سے بعض جاہل لوگوں نے یہ نتیجہ نکال لیا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ حدیث رسول کے مخالف تھے۔ مختلف روایات میں آتا ہے کہ بعض دفعہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے بعض صحابہ سے ان کی روایت کردہ حدیث کا ثبوت مانگا۔ جب ثبوت مل گیا تو آپ نے پھر کوئی تعرض نہ فرمایا۔

حدیث کے بعد فقہ کا درجہ ہے بلکہ عملی زندگی میں ایک مسلمان کو زیادہ سابقہ فقہ ہی سے پڑتا ہے۔ اسلام کا پیغام مختلف تہذیبوں میں پہنچا، اس وجہ سے بہت سے نئے نئے مسائل پیدا ہوئے، چنانچہ اور بہت سے فقہی مسائل سامنے آئے۔ آپ نے خود اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مشورے سے ان مسائل کا حل پیش کیا۔ شاہ ولی اللہ نے لکھا ہے کہ ''سیدنا عمر رضی اللہ عنہ علی الاطلاق امت کے سب سے بڑے فقیہ ہیں'' (ازالۃ الخفاء:۳/۲۹۶)

اس سلسلے میں حضرت شاہ صاحب نے فقہ عمر رضی اللہ عنہ پر ایک رسالہ بھی لکھا ہے جو ''ازالۃ الخفاء'' میں درج ہے۔

جو شخص اسلام، قرآن وحدیث اور فقہ اسلامی کا اتنا پرچار کرنے والا اور ان کی اتنی اشاعت کرنے والا ہو، ضروری ہے کہ مساجد ومدارس کی تعمیر بھی کرے جن میں قرآن اور حدیث کی خدمت ہوتی ہے۔ چنانچہ آپ نے دین کی عملی خدمت کے لیے ملک میں بکثرت مساجد تعمیر کرائیں بلکہ بعض روایات میں ہے کہ آپ نے قریباً چار ہزار مساجد تعمیر کرائیں۔ ان میں امام اور موذن دونوں رکھے گئے جن کو فاروقی حکومت کی طرف سے تنخواہ دی جاتی تھی۔ آپ نے گورنر شام کو لکھا کہ ہر شہر میں ایک مسجد تعمیر کی جائے بلکہ آپ نے ہر قبیلے کے لیے الگ الگ مسجد تعمیر کروائی۔ اس سے بھی پتہ چلتا ہے کہ آپ کے عہد خلافت میں کثرت سے مساجد کی تعمیر ہوئی۔

Marfat.com

مسجد حرام اور مسجد نبویؐ کی توسیع:

ایک سال آپ عمرہ کے لیے مکہ معظّمہ تشریف لے گئے۔ آپ کو احساس ہوا مسجد حرام تنگ ہوگئی ہے لہٰذا آپ نے اس کی توسیع کا ارادہ فرمایا۔ چنانچہ ۱۷ھ میں اس کی عمارت کو وسیع کیا اور اس کے اردگرد دیوار کھینچ کر اس کو عام آبادی سے ممتاز کیا۔ یہ بھی حکم دیا کہ حرمین کے درمیان واقع تمام منزلوں میں سایہ گاہیں اور پناہ گاہیں بنائی جائیں اور ہر وہ کنواں جو پاٹ دیا گیا ہو اس کو کھولا جائے۔ (احکام السلطانیہ:۱۵۴، ازالۃ الخفاء:۳/۲۳۵)

غلاف کعبہ بھی جو ایک معمولی کپڑے کا چڑھایا جاتا تھا آپ نے نہایت عمدہ کپڑے کا چڑھایا جو قباطی کہلاتا تھا۔

مسجد الحرام کے علاوہ آپ نے مسجد نبویؐ کی توسیع بھی کی۔ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے حجروں کو چھوڑ کر مسجد نبویؐ کے ساتھ ساتھ سب مکانات کو خرید کر مسجد نبویؐ میں شامل کر دیا۔ مسجد نبویؐ کا طول پہلے سو گز تھا اس کو بڑھا کر ۱۲۰ گز کر دیا اور عرض میں بھی ۲۰ گز کا اضافہ کیا۔ مسجد کے ساتھ ایک گوشے میں علیحدہ چبوترہ بنوایا تا کہ بات چیت اور شعر پڑھنے والے لوگ یہاں آ کر بات چیت کریں اور نمازیوں کو تکلیف نہ ہو۔ مسجدوں کی روشنی اور فرش کا انتظام بھی آپ کے عہد خلافت ہی میں ہوا۔ (خلاصۃ الوفا:ص۱۳۲، ازالۃ الخفاء:۳/۲۳۶)

عدل فاروقی:

سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے دنیا میں عدل و انصاف کی وہ مثالیں قائم کیں جن کی نظیر ان کے بعد دنیا والوں کو مل نہیں سکی اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا وہ قول بالکل صحیح ثابت ہوا جس میں آپ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو کہا تھا کہ ''آپ نے اپنے بعد کے خلفاء کو مشقت میں ڈال دیا ہے۔'' سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں نہ صرف حکومت کا ڈھانچہ بہتر بنایا بلکہ رعایا کے ساتھ بھی ایسا عدل و مساوات کا سلوک کیا کہ وہ ان پر اپنی جان چھڑکنے لگے۔

آپ کی رعایا میں مسلمان بھی تھے اور دوسری قوموں کے ساتھ تعلق رکھنے والے لوگ بھی تھے۔ عموماً سربراہان مملکت دوسری قوموں کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کرتے لیکن آپ نے اسلامی تعلیمات کی روشنی میں ان کے ساتھ ایسا سلوک کیا کہ وہ ان کی گرویدہ ہوگئیں۔ ان کے عہد کا سب سے نمایاں وصف یہ ہے کہ شاہ و گدا، ادنیٰ و اعلیٰ، خویش و بیگانہ، شریف و رذیل اور مسلم و غیر مسلم سب برابر تھے۔

آپ نے غیر قوموں کے دینی، معاشرتی اور بنیادی حقوق کی پورے طور پر حفاظت کی۔ جہاں کہیں بھی غیر مسلموں سے معاہدہ کیا ان میں انھیں وہ تمام حقوق دیئے جو آپ نے مسلمان رعایا کو دیئے ہوئے تھے۔ چنانچہ اہل جرجان کے ساتھ ایک معاہدہ میں یہ لکھا گیا کہ ''ان کی جان، مال اور مذہب و شریعت سب کو امان ہے۔ اس میں سے کسی شے میں کوئی تبدیلی نہیں کی جائے گی۔'' یہ بات صرف الفاظ تک ہی محدود نہیں تھی بلکہ عملی طور پر بھی ان شرائط کو

Marfat.com

پورا کیا جاتا تھا۔ چنانچہ آپ امرائے سلطنت کو وقتاً فوقتاً ان معاہدات کی پابندی کرنے کی تاکید فرماتے رہتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو لکھا:

''مسلمانوں کو غیر مسلم رعایا پر ظلم کرنے، ان کو کسی قسم کا نقصان پہنچانے اور بے وجہ ان کا مال کھانے سے روکو، اور جو شرائط ان سے کی گئی ہیں ان کو پورا کرو۔'' (کتاب الخراج:۸۲)

کسی ذمی کو قتل کرنا تو بڑی بات ہے اگر کوئی شخص ان کی املاک کو نقصان پہنچاتا تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اس کا معاوضہ دلاتے۔ چنانچہ ایک مرتبہ فوج نے شام کے ایک ذمی کی زراعت تباہ کردی۔ آپ کو پتہ چلا تو سرکاری بیت المال سے دس ہزار معاوضہ دلایا۔ (کتاب الخراج:۶۸)

جزیہ جو غیر مسلموں سے لیا جاتا ہے۔ یہ دراصل ان کی حفاظت اور جنگی خدمات کا معاوضہ ہوتا ہے کیونکہ ایک اسلامی مملکت میں ذمی جنگی خدمات سے مستثنیٰ ہیں۔ چنانچہ اہل جرجان کے ساتھ جو معاہدہ ہوا تھا اس میں یہ الفاظ قابل غور ہیں:

''ہمارے ذمے تمھاری حفاظت اس شرط پر ہے کہ تم کو بقدر استطاعت سالانہ جزیہ دینا ہوگا۔
اور اگر ہم تم سے مدد لیں گے تو اس کے بدلے میں جزیہ معاف کردیا جائے گا۔'' (طبری:۳/۲۳۳)

چنانچہ جب بھی ذمیوں سے فوجی خدمت لی گئی تو ان کا جزیہ انھیں چھوڑ دیا گیا۔ یرموک کی جنگ میں جب بعض مفتوحہ علاقوں کے ذمیوں کی حفاظت سے مسلمان معذور ہوگئے تو ان کے جزیہ کی وصول شدہ رقم انھیں واپس کردی گئی۔ (فتوح البلدان:۱۳۷، کتاب الخراج:۸۱)

جزیہ کی وصولی میں ان پر کسی قسم کی کوئی سختی نہ کی جاتی۔ شام کے سفر میں ایک دفعہ کچھ لوگوں کو سختی کرتے دیکھا تو فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ ''لوگوں کو تکلیف نہ دو: جو دنیا میں لوگوں کو تکلیف دیتے ہیں خدا تعالیٰ قیامت میں انھیں عذاب دے گا۔''

اسی سلسلے میں یہ واقعہ بھی ہماری اس بات کی تائید کرتا ہے کہ ایک دفعہ آپ نے ایک عیسائی بوڑھے کو بھیک مانگتے دیکھا۔ پوچھا کیوں بھیک مانگتا ہے۔ اس نے کہا کہ مجھ کو حکومت نے جزیہ لگایا ہے اور اس کو ادا کرنے کے لیے میرے پاس رقم نہیں ہے۔ آپ اسے اپنے گھر لے گئے اور اسے کچھ رقم دے کر بیت المال کے انچارج کو کہلا بھیجا کہ ایسے لوگوں کے لیے بیت المال سے وظیفہ مقرر کیا جائے۔ ''بخدا! یہ بات انصاف کے تقاضوں کے خلاف ہے کہ ان لوگوں کی جوانی کی طاقت سے تو ہم لوگ فائدہ اٹھائیں اور بڑھاپے میں ان کو فراموش کردیں تاکہ یہ بھیک مانگتے پھریں۔''

''آپ کو غیر مسلم رعایا کا اتنا خیال تھا کہ اپنے بعد ہونے والے خلیفہ کو یہ وصیت کی کہ میں ان لوگوں کے حق میں جن کو اللہ اور اس کے رسول کا ذمہ دیا گیا ہے یہ وصیت کرتا ہوں کہ ان سے جو عہد کیا گیا ہے اسے پورا کیا جائے۔ ان کی حمایت میں لڑا جائے اور ان کی طاقت سے زیادہ ان کو تکلیف نہ دی جائے۔''

Marfat.com

یہ تو غیر مسلم رعایا کے ساتھ عدل وانصاف تھا لیکن آپ نے خود مسلمانوں میں چھوٹے بڑے کے امتیاز کو ختم کیا اور بتا دیا کہ قانون کی نگاہ میں سب برابر ہیں۔ جبلہ بن ایہم غسانی ایک رئیس تھا۔ نیا نیا مسلمان ہو کر آیا۔ طواف کعبہ میں اس کی چادر کا ایک کونہ ایک شخص کے پاؤں کے نیچے آ گیا۔ جبلہ نے غصے میں اسے تھپڑ مارا۔ جواب میں اس نے بھی تھپڑ مار دیا۔ جبلہ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے اس کی شکایت کی۔ آپ نے جواب دیا جو کچھ تو نے بویا وہی کاٹا۔ جبلہ نے کہا کہ اگر اسلام ایسا دین ہے جس میں شریف ورذیل کا امتیاز نہیں تو میں اس سے باز آتا ہوں۔ چنانچہ وہ مرتد ہو کر قسطنطنیہ بھاگ گیا، لیکن سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کوئی پروانہ کی۔

بے جا امتیازات آپ کی طبع نازک پر گراں گزرتے تھے۔ چنانچہ سیدنا عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص کے صاحبزادے نے ایک مرتبہ ایک شخص کو بے وجہ مارا۔ بارگاہ خلافت میں جب اس کی شکایت ہوئی تو آپ نے اس مضروب سے اس کو کوڑے لگوائے اور یہ کوڑے سیدنا عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص کی موجودگی میں لگے لیکن وہ کچھ نہ بول سکے۔

آپ غلاموں کو اپنے ساتھ بٹھا کر کھلاتے تھے اور حاضرین کو سنا کر فرماتے تھے: ''خدا ان لوگوں پر لعنت کرے جنھیں غلاموں کے ساتھ بیٹھ کر کھانے میں شرم آتی ہے۔''

اس قسم کے بے شمار واقعات آپ کی کتاب زندگی میں موجود ہیں۔

رعایا کی خبر گیری:

رعایا کی خبر گیری کا بہت اہتمام فرماتے اور ان کی چھوٹی چھوٹی باتوں کا خیال رکھتے۔ آپ کی بارگاہ خلافت میں کوئی حاجب ودربان نہ تھا۔ روزانہ ہر نماز کے بعد صحن مسجد میں بیٹھ جاتے اور لوگ آزادی کے ساتھ اپنی باتیں ان سے کہتے۔ اپنے گورنروں کو بھی دربان رکھنے سے منع کیا ہوا تھا تاکہ لوگوں کو گورنر تک پہنچنے میں کوئی دشواری نہ ہو۔ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ بن ابی وقاص کے بارے میں پتہ چلا کہ انھوں نے اپنے مکان کے آگے ایک ڈیوڑھی بنالی ہے تو تحقیق حال کے لیے سیدنا محمد رضی اللہ عنہ بن مسلمہ کو کوفہ بھیجا اور کہہ بھیجا کہ اگر ڈیوڑھی ہو تو اسے آگ لگا دیں، کیونکہ اس صورت میں اگر رعایا کو گورنر تک پہنچنے میں دشواری ہے تو وہ ''قصر سعد'' نہیں بلکہ ''قصر فساد'' ہے۔ چنانچہ محمد رضی اللہ عنہ بن مسلمہ نے اس ڈیوڑھی کو آگ لگا دی۔

ایک مرتبہ ایک قافلہ مدینہ طیبہ کے باہر اترا۔ گشت کرتے کرتے وہاں تشریف لے گئے۔ ایک بچے کے رونے کی آواز سنی۔ اس کی ماں کے پاس جا کر کہا کہ اسے بہلائے۔ تھوڑی دیر کے بعد پھر گزرے تو پھر بچے کو روتے ہوئے پایا۔ ماں کو ڈانٹا کہ ''تو بڑی ظالم اور بے رحم ہے۔'' اس نے کہا: ''اصل بات یہ ہے کہ عمر کا حکم ہے کہ جب تک بچے دودھ نہ چھوڑیں اس وقت تک بیت المال سے ان کا وظیفہ مقرر نہ کیا جائے، اس لیے میں اس کا دودھ چھڑا رہی ہوں اور اس پر وہ رو رہا ہے۔'' یہ سن کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ رو پڑے اور فرمایا: ''عمر! تو نے کتنے بچوں کا خون کیا

Marfat.com

ہوگا۔'' اسی روز سے اعلان کر دیا کہ بچے کے پیدا ہوتے ہی اس کا وظیفہ مقرر کر دیا جائے۔

شام کے سفر سے واپسی پر ایک جگہ ایک خیمہ نظر آیا۔ جس میں ایک بڑھیا بیٹھی ہوئی تھی۔ اس بڑھیا سے پوچھا ''عمر کا کچھ حال معلوم ہے؟'' اس نے کہا: ''ہاں شام سے روانہ ہو چکا ہے، مجھ کو اس کے ہاں سے ایک پھوٹی کوڑی بھی نہیں ملی'' فرمایا ''اتنی دور کا حال عمر کو کیسے معلوم ہو سکتا ہے؟'' بڑھیا نے جواب دیا: ''حال معلوم نہیں تو خلافت کیوں کرتا ہے۔'' یہ سن کر آپ رو پڑے۔

۱۸ھ میں عرب میں قحط پڑا۔ اس زمانے میں تاریخ کے رپورٹروں کے مطابق آپ کی حالت دیدنی تھی۔ آپ نے اپنی ذات پر تمام لذائذ ترک کر دیئے۔ راتوں کی تاریکی میں اللہ کے حضور رو رو کر دعائیں مانگتے کہ ''اے اللہ! میری شامت اعمال کے بدلہ میں امت محمدیہ کو تباہ نہ کرنا۔''

قحط کے اثرات کو دور کرنے کے لیے دن رات دوڑ دھوپ کرتے۔ بیت المال میں جو کچھ تھا سب رعایا میں بانٹ دیا۔ تمام صوبوں سے غلہ منگوایا۔ سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے شام سے ایک ہزار اونٹ اور سیدنا عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص نے مصر سے بیس جہاز غلہ بھیجا۔ ایک ایک جہاز میں تین تین ہزار اروب غلہ تھا۔ آپ اس غلے کو جہازوں سے اتروانے کے لیے خود جار کی بندرگاہ تشریف لے گئے۔ سیدنا زید رضی اللہ عنہ بن ثابت کو قحط زدہ لوگوں کے نام معہ مقدار غلہ رجسٹرڈ کرنے کا حکم دیا۔ ہر شخص کو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی دستخط شدہ چٹ کے ذریعے غلہ ملتا تھا۔

(یعقوبی: ۲/۱۷۷)

علم وادب میں فضل وکمال:

جو علوم اس زمانہ میں لازمۂ شرافت سمجھے جاتے تھے، اللہ تعالیٰ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو ان میں حظ وافر عطا فرمایا ہوا تھا۔ جاہلی اور اسلامی علوم میں آپ کو یکساں کمال حاصل تھا۔ فصاحت وبلاغت، انشاء وخطابت، شاعری، سپہ گری وغیرہ تمام اوصاف وکمالات میں آپ مہارت تامہ رکھتے تھے۔

بعثت نبویؐ کے وقت قریش میں صرف سترہ اشخاص لکھنا جانتے تھے ان میں ایک سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ قریش میں سفارت کا عہدہ چونکہ اس خاندان کے پاس تھا لہٰذا اس خاندان کے لوگ تقریر اور تحریر دونوں میں نہایت فصیح وبلیغ تھے۔ چنانچہ سوق عکاظ کی تقریروں سے پتہ چلتا ہے کہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ بھی تقریر کے سمندر کے حقیقی شناور تھے۔ روزمرہ کی گفتگو میں بھی نہایت فصیح وبلیغ فقرات آپ رضی اللہ عنہ کے منہ سے نکلتے۔ طاعون عمواس کے واقعہ میں سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ بن الجراح نے ان پر اعتراض کیا کہ آپ قضائے الٰہی سے بھاگتے ہیں۔ آپ نے نہایت بلیغ الفاظ میں جواب دیا کہ ''ہاں قضائے الٰہی کی طرف بھاگتا ہوں۔'' مختلف اوقات میں آپ نے جو خطبات دیئے ان کی عبارت پڑھیے ایک ایک لفظ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خطبات کسی معمولی خطیب کے نہیں ہیں۔

شاعری میں بھی آپ کا مذاق نہایت بلند اور پاکیزہ تھا۔ خود شعر بہت کم کہتے تھے لیکن عرب کے مشہور

Marfat.com

شعراء کا کلام کثرت سے یاد تھا اور تمام شعراء کے کلام پر ان کی خاص خاص رائیں تھیں۔ چنانچہ جاحظ نے لکھا ہے کہ ''سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اپنے زمانے میں سب سے زیادہ شعر شناس اور سخن سنج تھے۔'' (کتاب البیان والتبیین: ۱/۹۷) اور ابن رشیق نے لکھا ہے کہ: ''سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اپنے زمانے کے سب سے بڑھ کر شعر کے نقاد اور ادا شناس تھے۔''

(کتاب العمدہ: ۱۳)

آپ کو عرب کے بڑے بڑے شاعروں کا کلام ازبر تھا اور ان کے بارے میں ناقدانہ رائے رکھتے تھے۔ امراء القیس، نابغہ اور زہیر کو زیادہ پسند کرتے تھے۔ ان سب میں زہیر کا کلام آپ کو زیادہ پسند تھا۔ چنانچہ اس کو اشعر الشعراء کہتے تھے۔ ان شعراء کے اچھے شعر سنتے تو انھیں بار بار مزے لے لے کر پڑھتے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے شاعری کی اصلاح بھی فرمائی اور اس کے بہت سے عیوب کو مٹا دیا۔ عربی شعراء اپنے اشعار میں علانیہ شریف عورتوں کا نام لے کر اپنی عشق و محبت کی داستانیں بیان کرتے تھے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس رسم کو ختم کیا اور اعلان فرمایا کہ جو شخص ایسا کرے گا اس کو سخت سزا دی جائے گی۔ اسی طرح ہجو گوئی جو ایک معمولی بات سمجھی جاتی تھی آپ نے اس کو بھی نہایت سختی سے روکا اور حیطہ نامی شاعر کو جو مشہور ہجو گو تھا اس جرم میں قید کر دیا۔

علم الانساب اس زمانے کا ایک مشہور علم تھا جس کے ذریعے مختلف قبائل کا نام و نسب یاد رکھا جاتا تھا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو اس علم میں حظ وافر حاصل تھا، کیونکہ یہ علم آپ کے خاندان میں کئی پشتوں سے چلا آ رہا تھا۔ آپ کے والد خطاب قریش کے مشہور نساب تھے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے یہ فن قریباً انہی سے سیکھا تھا اور اس فن کی معلومات میں آپ اکثر ان کا حوالہ دیا کرتے تھے۔ (کتاب البیان والتبیین: ۱/۱۱۷)

مدینے میں آپ نے عبرانی زبان بھی سیکھ لی تھی۔ چنانچہ مسند دارمی ص ۶۲ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک مرتبہ آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے تورات کو پڑھا روایت میں ہے کہ آپ تورات کو پڑھتے جاتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا رنگ متغیر ہوتا جاتا تھا۔ ایک روایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہودیوں کے ہاں جس روز تورات کا درس ہوا کرتا تھا، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اس میں اکثر شریک ہوتے تھے۔ (کنز العمال: ۱/۲۳۳)

ذہانت و طباعی میں بھی اللہ تعالیٰ نے انھیں حظ وافر عطا فرمایا تھا۔ اس کا واضح ثبوت یہ ہے کہ آپ کی بہت سی رائیں دینی احکام بن گئیں اور متعدد امور میں اللہ تعالیٰ کی وحی نے آپ کی رائے کی تائید کی۔ اس نوع کے اکثر واقعات بخاری کے مختلف ابواب میں مرقوم ہیں۔ آپ کی اس ذہانت اور طباعی کا ہی نتیجہ تھا کہ آپ نے علم اسرار دین کی بنیاد رکھی کیونکہ آپ کی نگاہ احکام شریعت کے ایسے باریک نکتوں تک پہنچتی تھی جن پر عام صحابہ کی نگاہ بمشکل پہنچ سکتی تھی۔ اسی وجہ سے سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی مجلس میں اکثر علمی مسائل پر گفتگو ہوا کرتی تھی۔ چنانچہ ایک مرتبہ آپ کی مجلس میں اصحاب بدر موجود تھے۔ آپ نے انھیں پوچھا کہ اذا جاء نصر الله والفتح سے کیا مراد ہے۔ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم تو خاموش رہے، بعض نے کہا کہ اس میں ہمیں کہا گیا ہے کہ جب فتح حاصل ہو تو ہم خدا کا شکر بجا لائیں۔ آپ نے سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی طرف دیکھا۔ انھوں نے کہا کہ اس میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی

Marfat.com

وفات کی طرف اشارہ ہے۔سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا میرا بھی یہی خیال ہے۔(بخاری:۲/۶۵۱)

فقہ میں آپ کا مقام نہایت بلند تھا بلکہ اگر یوں کہا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا کہ فقہ کا فن آپ ہی کا ساختہ پرداختہ تھا۔چنانچہ فقہ کے تمام سلسلوں کے مرجع سیدنا عمر رضی اللہ عنہ تھے۔فقہ کے جس قدر مسائل سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے صحیح روایات کے ذریعے منقول ہیں ان کی تعداد کئی ہزار تک پہنچتی ہے۔حضرت شاہ ولی اللہ نے اپنی کتاب ازالۃ الخفاء میں ایک رسالہ ''فقہ عمر رضی اللہ عنہ'' کے نام سے درج کیا ہے جس سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی فقاہت کا پتہ چلتا ہے۔سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے قریباً ایک ہزار مسائل ایسے ہیں جن میں ائمہ اربعہ نے ان کی تقلید کی ہے۔(ازالۃ الخفاء ۲/۸۴)

اصول فقہ کا فن آپ ہی کی ایجاد ہے۔آپ نے تنہا جزئیات کی تدوین نہیں کی بلکہ تفریع واستنباط مسائل کے اصول وضوابط بنا کر آئندہ آنے والوں کے لیے اجتہاد فکر کی ایک وسیع شاہراہ قائم کر دی۔

اخلاق وعادات:

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو صاحب خلق عظیم کے سرچشمۂ اخلاق سے سیراب ہونے کا موقع ملا تھا۔لہٰذا آپ کی عادات واخلاق بھی اسی طرح کی تھیں۔تقویٰ، پرہیز گاری، خلوص، لذائذ دنیا سے اجتناب، راست گوئی، تواضع اور سادگی وغیرہ میں سنت نبوی ﷺ کا مکمل اتباع پیش نظر رہتا تھا۔

خشیت الٰہی:

تمام محاسن اخلاق کا سرچشمہ خشیت الٰہی ہے اور جو قلب خوف خداوندی اور خشیت الٰہی سے خالی ہو وہ ایک گوشت کے لوتھڑے سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا۔یہ خشیت الٰہی ہی ہے جو انسان کو عمل صالح کے لیے ہر وقت بے چین رکھتی ہے۔فرمایا کرتے تھے کہ اگر آسمان سے آواز آئے کہ ایک شخص کے سوا تمام انسان جنتی ہیں تب بھی میں یہ سمجھوں گا کہ وہ ایک بدقسمت شخص میں ہی ہوں۔(کنز العمال:۶/۳۴۵)

ایک مرتبہ سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ کیا تمھیں یہ پسند ہے کہ ہم لوگ اسلام، ہجرت، جہاد اور دوسرے نیک اعمال اور رسول اللہ ﷺ کی رفاقت کے طفیل میں برابر برابر چھوٹ جائیں یعنی اس کے بدلے میں دوزخ سے بچ جائیں اور عذاب وثواب برابر ہو جائے۔سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: بخدا! میں تو اس پر راضی نہیں ہوں۔ہم نے آپ ﷺ کے بعد بھی روزے رکھے، نمازیں پڑھیں اور بہت سے نیک کام کیے اور ہمارے ہاتھ پر بہت سے لوگ اسلام لائے، ہمیں ان اعمال سے بڑی بڑی توقعات ہیں۔سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے کہ میں تو صرف اسی قدر چاہتا ہوں کہ بے مواخذہ برابر برابر چھوٹ جاؤں۔(بخاری باب ایام الجاہلیہ)

نمازوں میں عموماً ایسی سورتیں پڑھتے جن میں عظمت اور جلال خداوندی اور قیامت کی ہولناکی کا ذکر

Marfat.com

ہوتا۔ بعض آیات پر خوب روتے یہاں تک کہ ہچکی بندھ جاتی۔ چنانچہ ایک مرتبہ یہ آیت ﴿اِنَّمَآ اَشْكُوْا بَثِّیْ وَ حُزْنِیْٓ اِلَی اللّٰهِ﴾ (یوسف ۱۲:۸۶) پڑھ کر اتنا روئے کہ سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ بن شداد کا بیان ہے کہ میں باوجود یہ کہ پچھلی صف میں رہتا تھا لیکن میں آپ کے رونے کی آواز سنتا تھا۔ (بخاری)

حب رسولؐ:

رسول اللہ ﷺ کی محبت جسم وروح کے رگ وریشہ میں رچی بسی تھی، اور آپ کی محبت میں سب کچھ کر گزرنے کے لیے تیار رہتے تھے، چنانچہ واقعہ ایلا میں ہم نے گزشتہ صفحات میں ذکر کیا ہے کہ جب کاشانۂ نبویؐ سے اذن طلب کرنے پر بھی باریابی کی اجازت نہ ملی تو اونچی آواز سے کہا یارسول اللہ ﷺ! بخدا! میں حفصہ رضی اللہ عنہا کی سفارش کے لیے نہیں آیا ہوں۔ اگر آپ حکم دیں تو اس کا سر قلم کردوں۔ (فتح الباری: ۹/ ۲۵)

یہ بھی محبت رسولؐ ہی کا اثر تھا کہ وصال نبویؐ کے وقت وارفتگی کے عالم میں قسمیں کھا کھا کر اعلان کرتے تھے کہ جو یہ کہے گا کہ رسول اللہ ﷺ کا انتقال ہوگیا میں اس کا سر اڑادوں گا۔

محبت کا تقاضا اتباع ہے لہٰذا والہانہ محبت کی بنا پر آپ کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنت سے بھی والہانہ محبت تھی بلکہ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ آپ کی کتاب زندگی کا سب سے زریں باب اتباع سنت تھا۔ خورد ونوش، نشست و برخاست، لباس ووضع غرض کہ زندگی کے سب شعبوں میں رسول اللہ ﷺ کا اسوۂ حسنہ آپ کے پیش نظر تھا۔ ایک دفعہ سیدنا یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کے ساتھ کھانا تناول فرمایا۔ معمولی کھانوں کے بعد جب عمدہ کھانے لائے گئے تو آپ نے ہاتھ کھینچ لیا اور فرمایا ''بخدا! اگر تم رسول اللہ ﷺ کی روش سے ہٹ جاؤ گے تو حق تعالیٰ تمھیں صراط مستقیم سے ہٹا دے گا۔'' (کنز العمال: ۶/ ۳۴۵)

ایک دفعہ آپ کی صاحبزادی ام المومنین سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ ''ابا جان! اب اللہ تعالیٰ نے خوش حالی عطا فرمائی ہے۔ اس وجہ سے اب آپ کو اچھی غذا اور نرم ونفیس کھانے سے پرہیز نہیں کرنا چاہیے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدہ رضی اللہ عنہا کے منہ سے یہ بات سن کر فرمایا: ''بیٹی! تم رسول اللہ ﷺ کی تنگی اور عسرت کی زندگی کو بھول گئیں۔ بخدا! میں جناب رسول اللہ ﷺ کے نقش قدم پر چلوں گا تا کہ آخرت کی خوشحالی نصیب ہو۔ پھر کافی دیر تک رسول اللہ ﷺ کی عسرت کا تذکرہ فرماتے رہے یہاں تک کہ سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا رونے لگیں۔ (کنز العمال: ۶/ ۳۶۵)

ایک مرتبہ سرکار دو عالم ﷺ نے ذوالحلیفہ میں دو رکعت نماز پڑھی تھی۔ اب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا معمول ہوگیا کہ جب بھی اس طرف سے گزرتے تو اتباع سنت کی خاطر اس جگہ دو رکعت نماز ادا کرتے۔ ایک شخص نے اس نماز کے بارے میں پوچھا تو فرمایا: میں نے یہاں رسول اللہ ﷺ کو نماز پڑھتے دیکھا تھا۔ (مسلم باب الصلوٰۃ ذی الحلیفہ)

آپ کی خواہش تھی کہ ہر شخص سنت نبویؐ کا اتباع کرے کیونکہ ایک مسلمان کا یہی سرمایۂ حیات ہے۔ چنانچہ ایک مرتبہ خطبہ جمعہ میں دیکھا کہ ایک شخص مسجد میں داخل ہو رہا ہے۔ آپ نے عین خطبہ کی حالت میں اس کی

Marfat.com

طرف دیکھ کر فرمایا: ''یہ آنے کا کیا وقت ہے؟'' اس نے کہا ''بازار سے آ رہا تھا، اذان سنی اور فوراً وضو کر کے مسجد میں آیا ہوں۔'' آپ نے فرمایا صرف وضو کیوں؟ رسول اللہ ﷺ نے تو جمعہ کو غسل کا حکم دیا کرتے تھے۔

(بخاری باب فضل غسل یوم الجمعہ)

اس قسم کے بے شمار واقعات ہیں جن سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے اتباع سنت کے جذبہ کا پتہ چلتا ہے۔

متعلقین رسالت مآب ﷺ کا احترام:

حب رسول کا تقاضا یہ بھی تھا کہ ان تمام لوگوں کے ساتھ محبت و احترام سے پیش آیا جائے جن کا رسالت مآبؐ سے تعلق ہو۔ چنانچہ تاریخ کے اوراق اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے متعلقین رسالت کا بہت لحاظ رکھا۔ اس کا اندازہ اس بات سے بھی ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے غلام سیدنا زید رضی اللہ عنہ بن حارثہ کے صاحبزادے سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کا وظیفہ اپنے صاحبزادے سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ سے جو بدری صحابی تھے، زیادہ مقرر کیا اور سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ کے استفسار پر فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ اسامہ رضی اللہ عنہ کو تجھ سے اور اسامہ رضی اللہ عنہ کے باپ کو تیرے باپ سے زیادہ محبوب رکھتے تھے۔ (کتاب الخراج:۲۴)

سیدنا عباس رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے عم محترم تھے۔ اس وجہ سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ان کی حد درجہ تعظیم و تکریم کرتے تھے۔ چنانچہ لکھا ہے کہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ دونوں حضرات کا معمول یہ تھا کہ اگر سواری پر جا رہے ہوں اور سامنے سے سیدنا عباس رضی اللہ عنہ تشریف لائیں تو یہ حضرات سواری سے اتر جاتے اور کہتے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عم محترم تشریف لا رہے ہیں۔ (استیعاب:۳/۹۸، سیر اعلام النبلاء:۲/۶۸)

سیدنا عباس رضی اللہ عنہ ہی کے بارے میں ایک اور واقعہ منقول ہے کہ ایک مرتبہ جمعہ کے روز سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ مسجد نبویؐ میں خطبہ کے لیے تشریف لے جا رہے تھے۔ جس راستے سے آپ مسجد جا رہے تھے اس راستے پر سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کے مکان کا پرنالہ لگا ہوا تھا۔ مکان کی چھت پر دو چوزے ذبح کیے گئے اور پانی اور خون ٹپک کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے کپڑوں پر اس پرنالے کے ذریعے گرا جس سے آپ کے کپڑے خراب ہو گئے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ پرنالے کو یہاں سے اکھاڑ دیا جائے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے واپس تشریف لا کر لباس تبدیل کیا اور مسجد میں جا کر لوگوں کو نماز پڑھائی۔

نماز کے بعد سیدنا عباس رضی اللہ عنہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لائے اور فرمایا بخدا! یہ پرنالہ تو خود رسول اللہ ﷺ نے یہاں نصب کروایا تھا اور آپ نے اسے اکھڑوا دیا۔ یہ سننا تھا کہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے سیدنا عباس رضی اللہ عنہ سے کہا کہ میں آپ کو اللہ کی قسم دے کر کہتا ہوں کہ آپ میری پشت پر سوار ہو کر اس پرنالے کو وہیں لگا دیں جہاں رسول اللہ ﷺ نے اسے نصب فرمایا تھا۔ چنانچہ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے ایسا ہی کیا۔

(مسند احمد:۱/۲۱۰، سیر اعلام النبلاء:۲/۷۰)

Marfat.com

اس ضمن میں وہ واقعہ بھی ہے جس کو امام بخاری نے سیدنا انس رضی اللہ عنہ بن مالک سے روایت کیا ہے کہ جب لوگوں میں قحط پڑ جاتا تو سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کے ساتھ توسل کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے بارش طلب کرتے اور حق تعالیٰ کے حضور دست بدعا ہوتے کہ اے اللہ! ہم تیری طرف تیرے نبیؐ کے ذریعے توسل پکڑتے تھے اور تو ہم پر بارش نازل فرما دیتا تھا، اب ہم تیرے نبیؐ کے چچا سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کے ذریعے تیری بارگاہ میں توسل کرتے ہیں لہٰذا تو ہم پر باران رحمت نازل فرما۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس طرح کرنے سے بارش برستی تھی اور لوگوں کو پانی مل جاتا تھا۔ (بخاری: ۱۳۷، تاریخ خلیفہ بن خیاط: ۱۰۹)

مستدرک حاکم میں یہ اضافہ بھی ہے کہ اس موقع پر سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ایک خطبہ دیا جس میں ارشاد فرمایا: ''اے لوگو! سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چچا عباس رضی اللہ عنہ کی بڑی تعظیم و تکریم فرمایا کرتے تھے جس طرح ایک بیٹا اپنے باپ کے حقوق کی رعایت کرتا ہے اسی طرح آپ بھی کرتے اور ان کی قسم کو پورا کرتے تھے۔ پس اے لوگو! اپنے نبیؐ کے عم محترم رضی اللہ عنہ کے حق میں اپنے نبیؐ کی اقتداء کرو اور پیش آمدہ مصائب میں اللہ کی طرف ان کو وسیلہ بناؤ۔ (مستدرک حاکم: ۳/۳۳۴، کنز العمال: ۷/۶۵)

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی سے بھی آپ کو بے حد محبت تھی۔ چنانچہ آپ ایک مرتبہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے اور فرمایا کہ ''آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ محبوب تھیں اور بخدا! مجھے بھی آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے زیادہ محبوب ہیں۔'' (مستدرک حاکم: ۳/۱۵۵)

اس روایت سے اس شبہ کا بھی ازالہ ہو گیا جو بعض مورخین نے اپنی کتابوں میں لکھا ہے کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت کے موقع پر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر گئے اور بقول بعض رواۃ آگ بھی ساتھ لے گئے۔ سیدہ رضی اللہ عنہا کو آپ نے ڈرایا، دھمکایا اور سخت کلامی کی اور کہا کہ اگر تم لوگ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت نہ کرو گے تو میں تمہارا گھر جلا دوں گا۔ اس دھمکی پر سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ نے خوف زدہ ہو کر سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ تو سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو سب سے زیادہ محبوب سمجھتے تھے پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ انھیں ان کا گھر جلانے کی دھمکی دیں۔ اسی وجہ سے علماء نے اس قصے کو غلط اور فرضی قرار دیا ہے۔ چنانچہ شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے صاف لکھا ہے: ایں قصہ سراسر واہی و بہتان وافترا است (تحفہ اثناء عشریہ، باب مطاعن فاروقی)

یہ قصہ بالکل بکواس، بہتان اور افترا ہے۔

اسی طرح اور علماء نے بھی لکھا ہے یہاں تک کہ شیعہ مورخ ابن ابی الحدید نے بھی اس واقعہ کو غلط قرار دیا ہے۔ (ملاحظہ ہو ابن ابی الحدید: ۴/۶۳۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلق ہی کی بنا پر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اپنے عہد خلافت میں مدینہ طیبہ سے باہر تشریف لے گئے تو اپنی غیر حاضری میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو مدینہ طیبہ میں اپنا قائم مقام مقرر فرمایا۔ چنانچہ ۱۴ھ، ۱۵ھ اور ۱۷ھ وغیرہ

Marfat.com

میں آپ نے معرکہ عراق، فتح بیت المقدس اور خروج ایلہ میں اپنی غیر حاضری میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو مدینہ طیبہ میں اپنا نائب مقرر فرمایا۔ (ملاحظہ ہو طبری: ۴/۸۳۔۲۰۳، البدایہ والنہایہ جلد ۷/۵۵)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلقین کی محبت ہی کی وجہ سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی ام کلثوم رضی اللہ عنہا سے جو سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے تھیں ذوالقعدہ ۱۷ھ میں ۴۰ ہزار درہم حق مہر کے بدلے میں نکاح کیا۔ چنانچہ آپ نے خود نکاح کا سبب یہ بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''ہر نسب اور تعلق قیامت کے روز منقطع ہو جائے گا سوائے میرے نسب اور تعلق کے، لہٰذا میں نے چاہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور میرے درمیان نسبی تعلق قائم ہو جائے۔'' (مستدرک حاکم: ۳/۱۴۲، کنز العمال: ۷/۹۸)

۲۳ھ میں آپ نے وظائف کے اجرا کا حکم فرمایا اور قبائل قریش کے انساب کے ماہرین سیدنا عقیل رضی اللہ عنہ بن ابی طالب، سیدنا مخرمہ رضی اللہ عنہ بن نوفل اور سیدنا جبیر رضی اللہ عنہ بن مطعم کو حکم دیا کہ وہ قریش کے قبائل کے تفصیل وار نام حسب مراتب رجسٹر میں درج کریں اور فرمایا کہ سب سے پہلے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریبی رشتہ داروں کے نام درج کیے جائیں اور الاقرب فالاقرب کے قانون پر عمل کریں اور عمر رضی اللہ عنہ بن الخطاب اور اس کے خاندان کو وہاں جگہ دیں جہاں اس کو اللہ تعالیٰ نے جگہ دے رکھی ہے۔ (طبقات ابن سعد: ۳/۲۱۲، طبری: ۵/۲۲، کتاب الاموال: ۲۲۴، کنز العمال: ۲/۳۱۶)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے بدری صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے پانچ پانچ ہزار درہم سالانہ وظیفہ مقرر فرمایا اور بدری صحابہ رضی اللہ عنہم کے صاحبزادوں کے لیے دو دو ہزار درہم سالانہ مقرر فرمائے، لیکن سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے لیے ان کے والد علی رضی اللہ عنہ کے وظیفہ کے مطابق پانچ پانچ ہزار درہم سالانہ مقرر فرمائے، صرف اس لیے کہ یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عزیز اور رشتہ دار تھے۔ اسی طرح سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کا وظیفہ بھی پانچ ہزار درہم سالانہ مقرر فرمایا، اس لیے کہ وہ حضور علیہ الصلوٰۃ السلام کے عم محترم تھے۔

مہاجر عورتوں کے لیے وظیفہ مقرر فرمایا تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا بنت عبدالمطلب کے لیے چھ ہزار درہم سالانہ وظیفہ مقرر کیا اور سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا بنت عمیس زوجہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے لیے ایک ہزار درہم مقرر کیا۔ (طبقات: ۳/۲۱۳، کتاب الخراج ۴۳، فتوح البلدان: ۴۵۴)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے وظائف بارہ بارہ ہزار درہم سالانہ مقرر کیے۔ (کتاب الخراج: ۲۴) ۲۳ھ میں امیر الحج بن کر تشریف لے گئے تو ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو نہایت ادب و احترام کے ساتھ لے کر گئے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ بن عوف کو ان کی سواریوں کے ساتھ کر دیا گیا۔ یہ حضرات ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کی سواریوں کے آگے پیچھے چلتے اور کسی کو ان کے قریب نہ آنے دیتے۔ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن منزل پر سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے ساتھ قیام فرماتی تھیں۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کسی کو ان کی قیام گاہ کے قریب نہیں آنے دیتے تھے۔ (طبقات ابن سعد: ۳/۱۳۴)

ایک مرتبہ باہر سے کچھ کپڑا آیا تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بچوں کو ان میں سے کپڑے

Marfat.com

بنا کر دیئے۔ان میں سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے مناسب کوئی کپڑا نہ تھا۔سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ان کے لیے یمن آدمی بھیجا اور ان کے لیے مناسب حلال کپڑا منگوایا اور انھیں پہنایا۔پھر فرمایا:

الآن طابت نفسی۔

''اب میرا دل خوش ہوا ہے۔'' (سیر اعلام النبلاء:۳/۱۹۱)

ایک مرتبہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ کسی وقت ہمارے ہاں تشریف لائیں۔ چنانچہ ایک مرتبہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے ملنے کے لیے پہنچ گئے۔سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے ملے۔انھوں نے کہا ابا اس وقت مصروف ہیں اس لیے مجھے بھی اندر جانے کی اجازت نہیں ملی۔سیدنا حسین رضی اللہ عنہ واپس تشریف لے آئے۔ چند روز کے بعد سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ سے ملے اور فرمایا ''حسین رضی اللہ عنہ! تم آئے نہیں۔'' سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے کہا: ''میں آیا تھا، لیکن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اس وقت آپ سے ملنے کی اجازت نہیں دی تھی۔لہٰذا میں واپس آ گیا۔'' آپ نے فرمایا: ''کیا آپ عبداللہ کے درجہ میں ہیں؟ یعنی اس کا مقام اور ہے اور آپ کا اور۔یہ جو کچھ ہمیں عزت و تکریم ملی ہوئی ہے یہ سب آپ لوگوں کی وجہ سے ہے۔''

(سیرت عمر ابن الخطاب:۱۶۴، ابن ابی الحدید:۳/۱۶۱)

سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خاندان سے عقیدت ان الفاظ سے بھی عیاں ہوتی ہے جو آپ نے تقسیم اموال کے وقت فرمائے تھے۔چنانچہ فرمایا:

واللہ! ما ادرکنا الفضل فی الدنیا وما نرجوا من الآخرة من ثواب الله علی ما علمنا الابمحمد صلی الله علیه وسلم فهو شرفنا و قومه اشرف العرب ثم الاقرب فالاقرب۔

''بخدا! ہمیں جو کچھ بھی فضیلت دنیا میں حاصل ہوئی اور آخرت میں اپنے اعمال کے ثواب کی ہمیں جس قدر بھی امید ہے یہ سب کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے سے نصیب ہوا۔آپ ہمارے لیے سراپا شرافت و عزت ہیں اور آپ کی قوم بھی تمام قبائل عرب سے اشرف ہے۔''

(طبقات ابن سعد:۳/۲۱۲، طبری:۳/۳۷۸)

زُہد و قناعت:

آپ کی کتاب زندگی میں زہد و قناعت کا باب بھی نہایت روشن ہے۔سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ قدامت اسلام اور ہجرت کے لحاظ سے بہت سے لوگوں کو سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ پر فوقیت حاصل ہے لیکن زہد و قناعت میں وہ سب سے بڑھے ہوئے ہیں۔اندازہ فرمائیں کہ قیصر و کسریٰ کی فوجیں ہر محاذ پر شکست کھا رہی ہیں۔ مختلف محاذوں پر جرنیلوں کو خطوط لکھے جا رہے ہیں۔پوری دنیا کے بادشاہوں پر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی ایک ہیبت طاری

Marfat.com

ہے، لیکن اپنی حالت یہ ہے پیوند لگا کپڑا زیب تن ہے۔ عمامہ پھٹا ہوا، چپل بوسیدہ، بیوہ عورتوں کے گھروں میں پانی بھرنے کے لیے مشک کاندھے پر۔ سونے کے لیے خاک کا بستر، چشم فلک نے ایسا سربراہ مملکت کم ہی دیکھا ہوگا۔ ایک مرتبہ ایک شخص کو اپنا موٹا کرتہ پیوند لگانے کے لیے دیا۔ اس نے بجائے اس پرانے کرتہ کے ایک نرم کپڑے کا کرتہ پیش کیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو واپس کر دیا اور اپنا وہی پرانا کرتہ لے کر کہا: ''یہی اچھا ہے کیونکہ اس میں پسینہ خوب جذب ہوتا ہے۔'' (کنز العمال: ۶/۳۵۰)

غذا نہایت سادہ اور معمولی تھی، عموماً روٹی اور روغن زیتون دسترخوان پر ہوتا تھا۔ روٹی بغیر چھنے آٹے کی ہوتی۔ مہمانوں اور سفراء کو کھانے کی تکلیف ہوتی، کیونکہ وہ ایسی معمولی اور سادہ غذا کھانے کے عادی نہیں ہوتے تھے۔ ایک دفعہ فرمایا: ''قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے اگر قیامت کا خوف نہ ہوتا تو میں بھی تم لوگوں کی طرح دنیوی عیش وعشرت کا دلدادہ ہوتا۔'' (کنز العمال: ۶/۳۴۶)

ایک مرتبہ عتبہ رضی اللہ عنہ بن فرقد شریک طعام تھے۔ دسترخوان پر سوکھی روٹی اور ابلا ہوا گوشت تھا۔ عتبہ رضی اللہ عنہ زبردستی حلق سے سوکھی روٹی کے ٹکڑے نیچے کر رہے تھے۔ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے دیکھا اور کہا: ''اگر تم سے نہیں کھایا جاتا تو نہ کھاؤ۔ عتبہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ''امیر المومنین! اگر آپ اپنے کھانے پینے میں کچھ خرچ کریں گے تو مسلمانوں کا مال اس سے کم نہیں ہو جائے گا۔'' فرمایا: ''افسوس! تم مجھے دنیوی عیش وعشرت کی ترغیب دیتے ہو۔ (کنز العمال: ۶/۳۴۸) سیدنا حسن بن ابی طالی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے۔ میں نے شمار کیا تو ان کے تہبند پر بارہ پیوند لگے ہوئے تھے (کنز العمال: ۶/۳۴۷) بعض کپڑوں پر چمڑے کے پیوند بھی ہوتے۔

ایک مرتبہ اپنے عہد خلافت میں سر پر چادر ڈال کر باہر نکلے۔ ایک غلام کو دیکھا کہ گدھے پر سوار جا رہا ہے۔ تھکے ہوئے تھے، لہٰذا اس سے کہا کہ مجھے بھی اپنے ساتھ بٹھا لے۔ اس نے آپ کی درخواست کے جواب میں فوراً گدھے سے اتر کر وہ گدھا سواری کے لیے آپ کو پیش کر دیا۔ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''میں اپنے آرام کے لیے تمھیں تکلیف نہیں دے سکتا۔ تم جس طرح سوار تھے اسی طرح سوار رہو۔ میں تمھارے پیچھے بیٹھ جاؤں گا۔'' چنانچہ آپ اس گدھے پر اس غلام کے پیچھے سوار ہو کر مدینہ طیبہ کی گلیوں میں داخل ہوئے اور ایک غلام کے پیچھے امیر المومنین کو بیٹھا دیکھ کر لوگوں کو بہت تعجب ہوا۔ (کنز العمال: ۶/۳۵۳)

ایک مرتبہ خطبہ میں فرمایا: ''لوگو! ایک زمانے میں میں اس قدر نادار اور قلاش تھا کہ لوگوں کو پانی بھر کر لا دیا کرتا تھا اور وہ اس کے بدلے میں مجھے کچھ چھوہارے دے دیتے تھے۔ انہی چھوہاروں پر میری گزر بسر تھی۔'' یہ بیان کر کے منبر سے اتر آئے۔ لوگوں کو آپ کی اس بات سے تعجب ہوا کہ یہ منبر پر کہنے کی کون سے بات تھی۔ فرمایا میری طبیعت میں ذرا سا عجب اور غرور آ گیا تھا۔ یہ اس کی دوا تھی۔

Marfat.com

۲۳ھ میں سفر حج پر تشریف لے گئے۔ جب مقام ابطح میں پہنچے تو سنگریزے سمیٹ کر اس پر کپڑا ڈال دیا اور اسی کو تکیہ بنا کر فرش خاک پر لیٹ گئے۔ پھر آسمان کی طرف ہاتھ اٹھائے اور کہا:

''اے اللہ! میری عمر اب زیادہ ہوگئی ہے، قویٰ کمزور ہو گئے ہیں لہٰذا اب مجھ کو اس دنیا سے اٹھا لے۔''

تشدد و ترحم:

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ میں اگر ایک طرف سختی تھی تو دوسری طرف ان میں رحم دلی اور نرمی بھی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی، لیکن مزاج کی یہ سختی اور نرمی دونوں حق تعالیٰ کے لیے تھیں۔ چنانچہ جہاں آپ کی زندگی میں تشدد اور سختی کے واقعات ملتے ہیں وہاں نرمی اور رحم دلی کے واقعات کی بھی کثرت پائی جاتی ہے۔

سیدنا حاطب رضی اللہ عنہ بن ابی بلتعہ ایک نہایت جلیل القدر صحابیٔ رسولؐ اور اصحاب بدر میں سے ہیں۔ جب ۸ ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کا ارادہ فرمایا تو آپؐ اس مہم کو خفیہ رکھنا چاہتے تھے، لیکن سیدنا حاطب رضی اللہ عنہ نے مکہ والوں کو اپنے اہل و عیال کی حفاظت کے خیال سے اس مہم کی اطلاع کے لیے ایک خط لکھا جو اہل مکہ تک پہنچنے سے پہلے ہی پکڑا گیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو جب سیدنا حاطب رضی اللہ عنہ کی اس حرکت کا پتہ چلا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کے قتل کی اجازت طلب کی، لیکن آپؐ نے وہ اجازت نہ دی۔ (بخاری، کتاب المغازی)

اسی طرح اور بھی کئی مواقع پر آپ کی طبیعت کی سختی کا اظہار ہوا۔ ایام خلافت میں سیدنا خالد رضی اللہ عنہ بن ولید کی معزولی بھی آپ کی سختی کا ایک زندہ ثبوت ہے۔ ہوا یوں کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو پتہ چلا کہ اشعث بن قیس کو سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے انعام دیا ہے تو آپ نے کہلوا بھیجا کہ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کو بلا کر اس کے عمامے سے اس کی مشکیں کسو اور اس کی ٹوپی اتار کر پوچھو کہ اشعث بن قیس کو انعام اس نے اپنے پاس سے دیا ہے یا جہاد کی غنیمت سے؟ اگر جہاد کی غنیمت سے دیا ہے تو خیانت کے مرتکب ہوئے ہیں اور اگر اپنے پاس سے دیا ہے تو اسراف اور فضول خرچی ہے، لہٰذا دونوں صورتوں میں سزا کے مستحق ہیں۔ سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو جب یہ خط ملا تو وہ حیران رہ گئے۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کو بلایا گیا۔ سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ منبر پر بیٹھ گئے اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا بھیجا ہوا قاصد کھڑا ہوا اور اس نے سیدنا خالد رضی اللہ عنہ سے پوچھا: ''تم نے دس ہزار درہم اپنے پاس سے دیئے تھے یا جہاد کی غنیمت میں سے۔'' سیدنا خالد رضی اللہ عنہ یہ سن کر مبہوت ہوگئے اور کوئی جواب نہ دیا۔ قاصد نے اپنا سوال پھر دہرایا۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ پھر خاموش رہے۔ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ اٹھے اور فرمایا: ''خالد رضی اللہ عنہ! امیر المومنین کا حکم ہے کہ تمھارے عمامے سے تمھاری مشکیں کسی جائیں اور تمھارے سر سے ٹوپی اتار لی جائے یہاں تک کہ تم اس بات کا جواب دو جو اس وقت تم سے پوچھی جا رہی ہے۔'' یہ سن کر سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کی حیرت اور بڑھ گئی لیکن قفل سکوت نہ ٹوٹا۔ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے ان کی ٹوپی اتار لی اور ان کے ہاتھ ان کی پیٹھ کی طرف لے جا کر عمامے سے باندھ دیئے اور پھر اسی سوال کو دہرایا۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:

Marfat.com

''اپنے پاس سے۔''

لیکن دوسری طرف آپ اتنے نرم دل تھے کہ ۱۸ھ میں جب عرب میں قحط پڑا تو دیکھنے والوں کا بیان ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی بے قراری دیدنی تھی۔ قحط کو دور کرنے کی ہر ممکن کوشش کی اور خود تمام مرغوب غذائیں ترک کر دیں اور ہر قسم کے عیش ولطف سے اجتناب رکھا۔ (کنز العمال:۶/۳۴۳)

عراق عجم کے معرکہ میں سیدنا نعمان رضی اللہ عنہ بن مقرن اور دوسرے بہت سے مسلمان شہید ہو گئے۔ ان حضرات کی شہادت کا سیدنا عمر رضی اللہ عنہ پر اس قدر اثر ہوا کہ زار و قطار روتے تھے۔ اس قسم کے کئی واقعات آپ کی زندگی میں ملتے ہیں۔

رفاہ عام:

جس شخص میں تواضع اور انکسار پیدا ہو جائے وہ پھر رفاہ عام کے کام بہت کرتا ہے۔ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی طبیعت میں تواضع اور انکسار کا ایک خاص جذبہ تھا، اس وجہ سے اتنا صاحب اقتدار ہونے کے باوجود خدمت خلق کا جذبہ بھی آپ میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ اتنی بڑی ریاست کا فرمانروا ہونے کے باوجود آپ کا معمول تھا کہ مجاہدین کے گھروں پر جاتے اور گھر کی عورتوں سے پوچھ کر انھیں بازار سے سودا سلف لا دیتے۔ محاذ جنگ سے جو قاصد آتا اس کے ذریعے مجاہدین کے جو خطوط آیا کرتے وہ خود ان کے گھروں میں جا کر پہنچاتے۔ جس گھر میں کوئی پڑھا لکھا نہ ہوتا تو تاریخ کے رپورٹر بتاتے ہیں کہ آپ خود ہی چوکھٹ پر بیٹھ جاتے اور اس خط کا جواب گھر والے جو کچھ لکھاتے وہ لکھ دیتے۔ راتوں کو عموماً گشت کرتے تا کہ رعایا کے ہر فرد کا حال معلوم ہو اور غریب و ناتواں لوگوں کی امداد کی جا سکے۔ چنانچہ ایک رات گشت کر رہے تھے کہ مدینہ کے باہر ایک خیمے سے رونے کی آواز آئی۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ صاحب خیمہ کی عورت دردزہ میں مبتلا ہے اور دوسری کوئی عورت اس وقت موجود نہیں جو اس کی دیکھ بھال کر سکے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اسی وقت گھر آئے اور اپنی اہلیہ محترمہ سیدہ ام کلثوم بنت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو ساتھ لے کر اس بدو کے خیمہ میں گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد بچہ پیدا ہوا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اس بدو کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا نے آواز دی ''امیر المومنین! اپنے دوست کو مبارک باد دیجیے۔'' بدو ''امیر المومنین'' کا لفظ سن کر چونک پڑا۔ آپ نے اسے تسلی دی اور فرمایا: ''کچھ خیال نہ کرو کل میرے پاس آنا، میں بچے کا وظیفہ مقرر کر دوں گا۔'' (کنز العمال:۷/۳۴۳)

اسی طرح ایک مرتبہ ایک قافلہ شہر سے باہر اترا۔ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ بن عوف کو ساتھ لیا اور فرمایا کہ مجھ کو ان کے بارے میں مدینہ کے چوروں کا ڈر لگا ہوا ہے۔ چنانچہ دونوں حضرات پوری رات اس قافلہ کا پہرہ دیتے رہے۔

مدینہ طیبہ کے ہر نابینا اور ضعیف شخص کی خدمت گزاری بھی آپ اپنے فرائض میں سے سمجھتے تھے۔

Marfat.com

چنانچہ آپ ان کے گھروں میں جا کران کی خدمت کیا کرتے تھے اوران لوگوں کو پتہ ہی نہیں ہوتا تھا کہ یہ شخص کون ہے جو ہماری خدمت کررہا ہے۔

یہ خدمت ان لوگوں کی تھی جو معذور تھے، لیکن آپ اس بات کے بھی سخت خلاف تھے کہ کوئی شخص دریوزہ گر اور منگتا بن جائے۔ چنانچہ فرمایا کرتے تھے:

مکسبة فیها دناء ة خیر من مسئالة الناس ''ذلیل پیشہ'' بھی لوگوں سے سوال کرنے کی بہ نسبت اچھا ہے۔

علماء کو اکثر فرمایا کرتے تھے:

لاتکونوا عیالا علی المسلمی۔

''مسلمانوں پر اپنا بار نہ ڈالو۔'' (سیرۃ النمرین لابن جوزی)

ابن جوزی ہی نے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ ایک سائل سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ اس کی جھولی آٹے سے بھری ہوئی ہے اور وہ پھر بھی مانگ رہا ہے۔ آپ نے اس کا آٹا چھین کر اونٹوں کے آگے ڈال دیا اور فرمایا کہ ''اب جو مانگنا ہے مانگ۔'' گویا بتایا یہ کہ پاس ہونے کے باوجود مانگنا یا کمانے کے قابل ہونے کے باوجود مانگنا نہایت برا کام ہے۔ اس سے بچنا چاہیے اور محتسب کا فرض ہے کہ ایسے لوگوں کی تنبیہ و تادیب کرے تا کہ معاشرے میں کاہل، سست اور سائل قسم کے لوگ پیدا نہ ہوں۔

غیرت:

سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی طبیعت میں غیرت کا مادہ بہت تھا، گویا کہ آپ بالطبع غیور تھے۔ آپ کی زندگی کے مختلف واقعات سے آپ کے اس طبعی رجحان کا پتہ چلتا ہے۔ آیت حجاب نازل ہونے سے قبل مسلمان عورتیں پردہ نہیں کرتی تھیں۔ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی غیرت اس بے حجابی کو پسند نہیں کرتی تھی۔ چنانچہ آپ نے بارگاہ نبوتؐ میں بار بار عرضداشت پیش کی کہ مسلمان عورتوں کو بالخصوص ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو پردے کا حکم دیا جائے۔ چنانچہ آیت حجاب آپ کی خواہش کے بعد ہی نازل ہوئی۔

آپ کی اس غیرت کا لحاظ بلکہ اقرار خود لسان نبوت نے بھی فرمایا۔ صحاح کی قریباً سب کتابوں میں باختلاف الفاظ یہ روایت منقول ہے کہ شب معراج میں حق تعالیٰ شانہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جہاں اور آیات دکھائیں وہاں جنت کا مشاہدہ بھی کروایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''عمر! جنت میں، میں نے ایک نہایت عالی شان طلائی محل دیکھا جو تمھارے لیے مخصوص تھا۔ میں نے اس کے اندر جانا چاہا، لیکن مجھے تمھاری غیرت یاد آ گئی اور میں واپس چلا آیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے لسان نبوت سے جب یہ سنا تو رو کر عرض کیا:

أعلیك اغار یارسول الله۔ (بخاری:۱/۵۲۰)

Marfat.com

''اے اللہ کے رسولؐ! کیا میں آپؐ کے مقابلے میں غیرت کروں گا۔''

اپنے عہد خلافت میں ایک مرتبہ آپ کو پتہ چلا کہ بعض علاقوں میں مسلمان عورتیں عیسائی عورتوں کے ساتھ حماموں میں بے پردہ نہاتی ہیں۔ آپ کو یہ معلوم کر کے سخت غیرت آئی، لہٰذا آپ نے ایک گشتی مراسلہ بھیجا کہ ''مسلمان عورت کا غیر مسلم عورت کے سامنے بے پردہ ہونا جائز نہیں ہے۔''

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو محض الصواب: ۱/۱۳۲، فرائد الکلام للخلفاء الکرام: ص ۱۵۵، الفاروق للشرقاوی: ص ۲۲۲، مناقب عمر: ص ۱۶۰، التاریخ الاسلامی: ۱۹/۳۷، اصحاب الرسولؐ: ۱/۱۵۷، صفۃ الصفوۃ: ۱/۲۸۵)

خانگی زندگی:

آپ کو اپنی اولاد اور ازواج سے بہت محبت تھی، لیکن اس محبت کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت کے درمیان حائل نہیں ہونے دیتے تھے۔ البتہ اپنے حقیقی بھائی سیدنا زید رضی اللہ عنہ بن خطاب سے بہت زیادہ محبت تھی۔ سیدنا زید رضی اللہ عنہ جنگ یمامہ میں شہید ہوئے تو بہت روئے اور سخت قلق ہوا۔ فرمایا کرتے تھے کہ جب یمامہ کی طرف سے ہوا چلتی ہے تو مجھے زید رضی اللہ عنہ کی خوشبو آتی ہے۔ ایک مرتبہ عرب کا مشہور مرثیہ گو متمم بن نویرہ ان کی خدمت میں آیا تو فرمائش کی کہ زید رضی اللہ عنہ کا مرثیہ کہو۔ فرمایا ''اگر مجھ کو تمھارے جیسا کہنا آتا تو میں خود کہتا۔'' سیدنا زید رضی اللہ عنہ کی ایک لڑکی اسماء تھی، اس سے بہت پیار کرتے تھے۔ (مستدرک حاکم: ۳)

مکہ مکرمہ سے ہجرت کے بعد عوالی میں مقیم ہوئے جو مدینہ طیبہ سے دو تین میل کے فاصلے پر ہے لیکن خلافت کے بعد وہاں کی سکونت چھوڑ کر شہر میں آ رہے۔ چونکہ انتقال کے وقت وصیت فرمائی کہ مکان کو فروخت کر کے میرا قرض ادا کیا جائے، چنانچہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس مکان کو خریدا اور آپ کا قرض ادا کیا گیا۔ یہ مکان مدت تک دار القضاء کے نام سے مشہور رہا۔ (خلاصۃ الوفاء فی اخبار المصطفیٰ: ۱۲۹)

ذریعہ معاش تجارت تھا لیکن قاضی ابو یوسف نے کتاب الخراج میں لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مدینہ منورہ پہنچ کر آپ کو اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو جاگیریں عطا فرمائیں۔ خیبر میں بھی ایک جاگیر تھی جس کا نام ''ثمغ'' تھا لیکن آپ نے یہ دونوں زمینیں بعد میں وقف کر دیں۔ بخاری میں ہے کہ مدینہ طیبہ میں آپ نے کچھ عرصہ زراعت بھی کی۔

خلافت کی ذمہ داریاں سنبھالنے کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان کی اس قدر تنخواہ مقرر فرما دی جو معمولی خوراک اور لباس کے لیے کافی ہو۔ ۱۵ھ میں جب تمام لوگوں کے روزینے مقرر ہوئے تو اور اکابر صحابہ کے ساتھ آپ کا بھی پانچ ہزار درہم سالانہ وظیفہ مقرر ہوا لیکن خلافت کی وجہ سے نہیں بدری صحابی ہونے کی وجہ سے۔

غذا نہایت سادہ تھی۔ معمولی روٹی اور روغن زیتون۔ روٹی اکثر گیہوں کی ہوتی لیکن اَن چھنے آٹے کی۔ قحط کے زمانے میں جَو کا التزام کر لیا تھا۔ آپ کی سادہ غذا کی وجہ سے بعض دفعہ مہمانوں اور سفراء کو کھانے میں سخت

Marfat.com

تکلیف ہوتی۔

غذا کی طرح لباس بھی نہایت سادہ اور معمولی ہوتا تھا۔ اکثر صرف قمیص پہنتے تھے، سر پر کبھی کبھی برنس (ایک قسم کی ٹوپی) پہنتے تھے، لیکن اکثر عمامہ پہنتے۔ جوتی بھی عربی وضع کی ہوتی تھی۔ کپڑوں میں اکثر پیوند لگے ہوئے ہوتے تھے۔

رنگ گندمی، سر چندلا، رخساروں پر گوشت کم، داڑھی گھنی، قد نہایت طویل یہاں تک کہ سیکڑوں آدمیوں میں بھی لمبے معلوم ہوتے تھے۔ سر کے بال سامنے سے قدرے اڑے ہوئے تھے۔

Marfat.com

خلافت سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ

نام ونسب:

نام عثمان، کنیت ابوعبداللہ (التمہید والبیان: ص ۱۹) اور ابوعمرو، لقب ذوالنورین (دونوروں والا) (عمدۃ القاری: ۱۶/۲۰۱) والد کا نام عفان اور والدہ کا نام اروٰی۔ (الخلافۃ الراشدہ والدولۃ الاموبہ، یحییٰ الیحییٰ: ص ۳۸۸)

والد کی طرف سے آپ کا نسب نامہ اس طرح ہے:

اروٰی بنت کریز بن ربیعہ بن حبیب بن عبد شمس بن عبد مناف۔

ماں کی طرف سے بھی آپ کا سلسلۂ نسب پانچویں پشت میں رسول اللہ ﷺ کے جدامجد عبد مناف سے جاملتا ہے۔ (''انساب الاشراف'': ۵/۱، تاریخ الخلفاء'' ۱۴۹)

آپ کی نانی (والدہ کی والدہ) ام حکیم البیضاء جناب رسول اللہ ﷺ کے دادا خواجہ عبدالمطلب کی صاحبزادی اور آپ ﷺ کے والد ماجد سیدنا عبداللہ کی سگی بہن تھیں۔ بعض مورخین نے ام حکیم کو حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی جڑواں بہن لکھا ہے۔ اس لحاظ سے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کی سگی پھوپھی کے نواسے تھے اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے بھی ان کا یہی رشتہ تھا۔ (''تاریخ خلیفہ بن خیاط'' ۱/۱۲۱، ''اسد الغابہ: ۵/۱۹۱)

والد عفان حالت کفر میں انتقال کر گئے، لیکن والدہ اروٰی بنت کریز اسلام لائیں۔ رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی اور مدینہ منورہ میں ہمیشہ کے لیے قیام پذیر ہوگئیں۔ یہاں تک کہ اپنے صاحبزادے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں مدینہ ہی میں انتقال فرمایا۔ (طبقات ابن سعد: ۸/۶۶، ''انساب الاشراف'': ۵/۱)

لقب:

سرکار دوعالم علیہ السلام نے اپنی دو صاحبزادیاں سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا اور سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا آپ کے حبالۂ عقد میں یکے بعد دیگرے دی تھیں۔ اسی وجہ سے آپ کا لقب ''ذوالنورین'' ہوگیا۔

(''الاصابہ'': ۲/۴۵۵، ''عنوان النجابہ'' ۳۳)

آپ کا یہ لقب اہل زمین ہی میں مشہور نہ تھا بلکہ ملاء اعلیٰ میں بھی آپ کو اسی لقب سے یاد کیا جاتا تھا۔ (''الاصابہ'': ۲/۴۵۵، ''کنز العمال'': ۶/۳۷۹)

Marfat.com

خاندان:

آپ واقعۂ فیل کے چھ سال بعد پیدا ہوئے۔ آپ کا خاندان عہد جاہلیت میں بھی غیر معمولی اقتدار کا حامل تھا۔ آپ کے جداعلیٰ امیہ بن عبد شمس (جن کی وجہ سے آپ کو اموی کہتے تھے) قریش کے رؤساء میں سے تھے۔ ''عقاب'' جو قریش کا قومی علم تھا، وہ بھی اسی خاندان کے پاس تھا۔ حرب بن امیہ، عقبہ بن معیط اور ابوسفیان وغیرہ سب اسی اموی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ غرض کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا خاندان شرافت ونجابت اور عزت و اقتدار کے لحاظ سے عرب میں ایک نہایت ممتاز خاندان تھا۔ قریش کی سپہ سالاری کا منصب جو پہلے بنومخزوم میں تھا عبد شمس کے زمانہ میں یہ منصب بنوامیہ میں منتقل ہوگیا۔ اسی وجہ سے جاہلیت کی سب لڑائیوں میں سپہ سالاری کے فرائض حرب بن امیہ نے سرانجام دیئے اور اسلام کے خلاف قریش نے جتنی بھی جنگیں لڑیں ان میں قریش کی قیادت ابوسفیان نے کی۔ سوائے جنگ بدر کے اس میں ان کے سسر عتبہ بن ربیعہ نے سپہ سالاری کے فرائض سرانجام دیئے، کیونکہ ابوسفیان اس وقت مکہ میں موجود نہیں تھے۔

بنوامیہ نہ صرف قریش کے قائد اور سپہ سالار ہی تھے بلکہ یہ قریش کے دوسرے خاندانوں کی طرح صاحب مال اور تجارت پیشہ بھی تھے بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ یہ خاندان تجارت میں بھی سارے قریش کا لیڈر اور قائد تھا۔ جنگ بدر کے موقع پر قریش کا جو قافلہ شام گیا ہوا تھا، اس کی قیادت بھی ابوسفیان کے ہاتھ میں تھی اور ہرقل شاہ روم کے نام سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت اسلام کا جب خط بھیجا تھا، اس زمانے میں بھی ابوسفیان تجارتی قافلہ کو وہاں لے کر گئے ہوئے تھے۔ آپ اس سارے قافلے کے قائد اور سربراہ تھے۔ مکہ کے مالداروں میں اکثریت بھی اسی خاندان کی تھی۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے والد عفان ایک نہایت آسودہ حال تاجر تھے اور تجارتی قافلے لے کر اکثر شام جا کرتے تھے۔ ایک سفر کے دوران وہ شام کے ایک مشہور ساحلی شہر میں بیمار پڑے اور وہیں ان کا انتقال ہوگیا۔ (''کتاب المعارف'':۸۲)

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نہایت باشعور اور مستعد آدمی تھے۔ لہٰذا انھوں نے اپنے باپ کی وفات کے بعد تجارت کو خوب فروغ دیا۔ تجارت میں نئے نئے طریقے اور نئے نئے ڈھنگ نکالے۔

مضاربت کے اصول پر تجارت کرتے، غلاموں سے تجارت کرتے اور زر مخلصی لے کر ان کو آزاد کردیتے۔ سستے داموں جائیدادیں خریدتے اور پھر انھیں مہنگے داموں بیچتے۔ درآمدی اور برآمدی دونوں قسم کی تجارت کرتے۔ غرضیکہ کئی طریقوں سے انھوں نے اپنی تجارت کو فروغ دیا اور کافی روپیہ کمایا، یہاں تک کہ مکہ کے امیر ترین لوگوں میں شمار ہونے لگے۔

بنوامیہ مخالفت اور موافقت کے روپ میں:

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلان نبوت کے بعد بنوہاشم کی طرح بنوامیہ بھی حلقہ بگوش اسلام ہوئے، لیکن

Marfat.com

ہاشم نے قومی اور قبائلی عصبیت کی بناء پر آپ ﷺ کی زیادہ حمایت کی تھی۔ چنانچہ آپ کے قتل کی سازش میں کوئی ہاشمی شریک محفل نہیں تھا۔ بنوامیہ چونکہ قریش کی قیادت عظمیٰ کے عہدہ پر فائز تھے، لہٰذا انھوں نے اس عہدے کے عظیم فرائض منصبی کا احساس کرتے ہوئے اہل اسلام کا آخری دم تک مقابلہ کیا اور ان کا یہ مقابلہ اہل اسلام سے خاندانی چشمک کی وجہ سے نہیں تھا بلکہ مسلمانوں کے علاوہ کسی اور جماعت سے بھی اگر ان کا مقابلہ ہوتا تو اس کے ساتھ بنوامیہ یہی سرگرمی دکھاتے۔ اس دشمنی کو خاندانی چشمک کا نتیجہ بتانا تاریخ سے جہالت اور بنوامیہ کے اصل حالات سے ناواقفیت کی دلیل ہے۔ تاہم بنوامیہ کے ایسے افراد آپ کو بکثرت ملیں گے جنھوں نے اسلام کی خاطر اپنا سب کچھ قربان کر دیا، یہاں تک کہ حبشہ کی ہجرت اولیٰ میں زیادہ بنوامیہ ہی کے لوگ تھے۔ بنو ہاشم میں صرف سیدنا جعفر رضی اللہ عنہ بن ابی طالب تھے۔ (ابن ہشام ۱/ ۳۴۶، عیون الاثر لابن سید الناس: ۱/ ۱۱۵، فتح الباری: ۷/ ۱۴۸)

بنوامیہ کی اسلام دشمنی جو کچھ تھی، اس کو زیادہ بڑھا چڑھا کر بیان کیا جاتا ہے۔ یہ درست ہے کہ حالت کفر میں ان لوگوں نے اسلام اور اہل اسلام کی سرتوڑ مخالفت کی، لیکن جب یہ لوگ حلقہ بگوش اسلام ہوئے تو اسلام کی محبت اور دوستی میں بھی انھوں نے وہ وہ کارہائے نمایاں سرانجام دیئے کہ اسلام کی تاریخ میں وہ واقعات سنہری حروف میں لکھے جانے کے قابل ہیں۔ اسی لیے سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''لوگوں کی مثال سونے اور چاندی کی کانوں کی طرح ہے، جو لوگ زمانۂ جاہلیت میں بہتر تھے، اسلام لانے کے بعد بھی وہی بہتر ہیں اگر انھیں دین کی سمجھ حاصل ہو جائے۔'' (بخاری: ۲/ ۹۴۶)

اسلامی اسٹیٹ اور بنوامیہ:

بنوامیہ جوں جوں حلقہ بگوش اسلام ہوتے رہے، نبی اکرم ﷺ انھیں اپنی خاص نوازشات سے نوازتے رہے، کیونکہ آپؐ ان کے اندرونی مخفی جوہر سے آشنا تھے۔ چنانچہ آپؐ نے اپنی چار میں سے تین صاحبزادیاں سیدہ زینب، سیدہ رقیہ اور سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہن بنوامیہ کے افراد کے نکاح میں دیں اور صرف ایک صاحبزادی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اپنے خاندان بنو ہاشم میں بیاہی۔ (سیرت ابن ہشام ۲/ ۲۷۶)

دوسری طرف بنوامیہ کے سردار سیدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی سیدہ ام حبیبہ سلام اللہ علیہا سے خود نکاح کر کے بنوامیہ سے اپنی نہایت قریبی رشتہ داری کے تعلقات قائم کیے۔

(زرقانی: ۳/ ۲۴۲، اصابہ: ۴/ ۳۰۵، صفوۃ الصفوۃ: ۲/ ۲۲)

جمادی الاولیٰ ۴ھ میں غزوۂ ذات الرقاع پیش آیا۔ اس مہم میں آپ نے مدینہ طیبہ میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان کو اپنا قائم مقام بنایا تھا جو کہ ایک بہت بڑا اعزاز تھا۔ پھر ۶ھ میں انہی سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی جانب سے آپؐ نے بیعت لی، اور اپنے دستِ اقدس کو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہم کا ہاتھ قرار دیا۔ اس بیعت کا ذکر کر کے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ کا بایاں ہاتھ میرے دائیں ہاتھ سے کہیں بہتر تھا۔ (زرقانی: ۲/ ۲۰۶)

Marfat.com

اسی طرح اسٹیٹ کے نظام میں بھی بنوامیہ کو خاص اہمیت دی۔ چنانچہ مختلف صوبوں کے گورنر بنوامیہ سے مقرر فرمائے اور اسلامی اسٹیٹ کی انتظامی مشینری ان کے ہاتھ میں دی۔ فتح مکہ کے بعد وہاں کا گورنر سیدنا ابو سفیان رضی اللہ عنہ کے چچا کے پوتے عتاب رضی اللہ عنہ بن اسید کو مقرر فرمایا۔ پھر ۸ھ میں حج کی امارت کا شرف بھی آپ ہی کو حاصل ہوا۔ (تہذیب التہذیب: ۷/۸۹، اسد الغابہ: ۳/۲۵۸)

اس لحاظ سے سیدنا عتاب رضی اللہ عنہ تاریخ اسلام میں سب سے پہلے امیر الحج ہیں۔ سیدنا ابو سفیان رضی اللہ عنہ کو آپ نے نجران کا گورنر مقرر فرمایا۔ (زرقانی: ۳/۳۶۳، زاد المعاد/۳۱)

سیدنا عثمان بن سعید رضی اللہ عنہ کو آپ نے بحرین کی گورنری عطا فرمائی۔ (استیعاب ۱/۳۵)

اور سیدنا ابو سفیان رضی اللہ عنہ کے بڑے صاحبزادے یزید رضی اللہ عنہ کو تیماء کا گورنر مقرر فرمایا۔ (اصابہ: ۶/۳۴۱)

چنانچہ شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ نے لکھا ہے:

''نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گورنروں میں دوسرے خاندانوں کی نسبت بنوامیہ کے لوگ اکثر و بیشتر تھے۔ چنانچہ فتح مکہ کے بعد آپ نے عتاب رضی اللہ عنہ بن اسید بن ابی العاص کو وہاں کا گورنر مقرر فرمایا اور خالد رضی اللہ عنہ بن سعید بن ابی العاص اور ان کے دونوں بھائیوں ابان رضی اللہ عنہ اور سعید رضی اللہ عنہ کو دوسرے علاقوں کا گورنر بنایا۔ ابو سفیان رضی اللہ عنہ اور ان کے صاحبزادے یزید رضی اللہ عنہ کو بھی (نجران اور تیماء کا) گورنر بنا کر بھیجا، حتیٰ کہ آپ کی وفات تک وہ اس منصب جلیلہ پر فائز رہے۔ علاوہ ازیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تین صاحبزادیوں (سیدہ زینب رضی اللہ عنہا، سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا اور سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا) کو بھی بنوامیہ ہی میں بیاہا۔'' (منہاج السنہ: ۲/۱۴۵)

اس کے برعکس نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حین حیات میں کسی ہاشمی کو نہ تو مستقل طور پر کسی صوبے کی حکومت عطا فرمائی اور نہ کسی بڑی فوج کا مختار سپہ سالار ہی بنایا۔ اپنی اس دنیوی زندگی کے آخری ایام میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو چند روز کے لیے یمن کا کلکٹر مقرر فرمایا، لیکن اقتدار اعلیٰ اور افسری سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ بن جبل کو عطا فرمائی۔ (حلیۃ الاولیاء: ۱/۳۵۴، زرقانی: ۳/۹۹)

عہد نبویؐ میں آپ کو ایک گورنر بھی ایسا نہیں ملے گا جس کا نسبی تعلق بنو ہاشم سے ہو، حالانکہ آپ کے چچا سیدنا عباس رضی اللہ عنہ اور آپؐ کے چچا کے بیٹے سیدنا عقیل رضی اللہ عنہ اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور دیگر تمام عصبات موجود تھے۔ سرکاری عہدہ تو ایک طرف رہا، آپ نے غزوات کے سلسلے میں قریباً ۲۸ مرتبہ مدینہ طیبہ کو چھوڑا، لیکن کسی مرتبہ بھی انتظامی امور کی انجام دہی کے لیے آپ نے بنو ہاشم میں سے اپنے نائبین کا تقرر نہیں فرمایا بلکہ کبھی کسی اموی کو اپنا نائب مقرر فرمایا اور کبھی کسی انصاری کو، کبھی کسی مخزومی کو تو کبھی کسی غفاری کو۔ جنگ تبوک کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو مدینہ میں چھوڑا لیکن اپنا قائم مقام اور مدینہ طیبہ کا والی مقرر فرما کر نہیں بلکہ صرف اہل و عیال کی حفاظت و نگرانی کے لیے اور اپنا قائم مقام اور مدینہ کا والی سیدنا محمد بن مسلمہ انصاری رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا۔

(طبقات ابن سعد: ۵/۱۱۹، بخاری: ۲/۲۳۳)

Marfat.com

ان سب واقعات سے بنوامیہ کے مدینہ کے اسلامی اسٹیٹ میں مقام کا پتہ چلتا ہے اور یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ جو مقام اس اسٹیٹ میں بنوامیہ کا تھا، شاید ہی وہ کسی اور خاندان کا ہو۔

قبول اسلام:

نبی اکرم ﷺ کی دعوت پر سب سے پہلے لبیک کہنے والے شخص سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تھے۔

(البدایہ والنہایہ:۳/۲۶، طبری:۲/۵۵، تاریخ الخلفاء:۳۳)

خود دعوت اسلام پر لبیک کہنے کے بعد آپ نے اب اس کی اشاعت کا بیڑا اٹھایا اور جو شخص بھی آپ سے ملتا یا جس پر آپ کا کچھ اثر تھا، آپ نے اس کو اس دین کی دعوت دی۔ بعثت نبویؐ کے وقت سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی عمر ۳۴ سال تھی۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ عہد جاہلیت ہی سے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے دوست تھے۔ آپ نے دوست ہونے کی حیثیت سے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو بھی دین کی دعوت دی۔ آپ کی دعوت سے متاثر ہو کر آپ بارگاہ نبوت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کرنے پر آمادہ ہو گئے، لیکن اسی اثنا میں خود جناب رسول اللہ ﷺ تشریف لے آئے۔ آپ ﷺ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر ارشاد فرمایا:

''عثمان! خدا کی جنت کو قبول کر، میں تمھاری اور تمام مخلوق کی ہدایت و رہنمائی کے لیے مبعوث ہوا ہوں۔''

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ کے یہ سادہ اور پر اثر جملے میرے قلب کی اتھاہ گہرائیوں میں داخل ہو گئے اور میں بے اختیار کلمۂ شہادت پڑھنے لگا اور آپ ﷺ کے دست مبارک پر حلقہ بگوش اسلام ہو گیا۔

(اصابہ:۴/۳۲۱)

قبول اسلام لحاظ سے آپ کا نمبر چوتھا ہے۔

(موسوعۃ التاریخ الاسلامی:۱/۶۱۸، السیرۃ النبویہ لابن ہشام:۱/۲۸۷، طبقات ابن سعد:۳/۵۵، جولۃ التاریخ فی عصر الخلفاء الراشدین:ص۳۰۲)

دامادیٔ رسولؐ کا اعزاز:

اسلام قبول کرنے کے بعد سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو وہ شرف و فضیلت حاصل ہوئی جو ان کی کتاب زندگی کا ایک درخشاں باب ہے یعنی دامادیٔ رسولؐ۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنی منجھلی صاحبزادی سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کا نکاح آپ سے کر دیا۔ پھر ان کی وفات کے بعد آپ ﷺ نے اپنی دوسری صاحبزادی سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا آپ کے حبالۂ عقد میں دے دیں۔ رسول اللہ ﷺ کی یکے بعد دیگرے دو صاحبزادیوں کا آپ کے نکاح میں آنا، یہ وہ شرف ہے جو پوری انسانی تاریخ میں کسی اور شخص کو حاصل نہیں ہوا۔ گویا کہ خلقت آدم سے لے کر قیامت تک سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے سوا اور کسی شخص کے نکاح میں کسی نبی کی دو بیٹیاں نہیں آئیں۔ اس لیے انھیں ''ذوالنورین'' بھی کہتے ہیں۔

(تاریخ الخلفاء:۱۴۹)

Marfat.com

دامادیٔ رسول ﷺ کے منکرین:

بعض جاہل اور متعصب لوگ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے دامادِ رسول ہونے سے انکار کرتے ہیں اور صرف سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ کا داماد اور صرف سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو رسول اللہ ﷺ کی بیٹی سمجھتے ہیں اور دوسری تین صاحبزادیوں کو رسول اللہ ﷺ کی بیٹیاں ہی نہیں سمجھتے۔ حالانکہ قرآن حکیم اور احادیث نبویہ میں ان کا بیٹیاں ہونا صراحت کے ساتھ مذکور ہے۔ چنانچہ شیعہ محدثین نے بھی رسول اللہ ﷺ کی چار بیٹیاں ہونا ہی تسلیم کیا ہے۔

''اصول کافی'' میں جو شیعہ حضرات کی سب سے معتبر کتاب ہے، صاف الفاظ میں مرقوم ہے:

''اور جناب رسول اللہ ﷺ نے سیدہ خدیجہ سلام اللہ علیہا سے بیس اور کچھ اوپر سال کی عمر میں شادی کی اور ان کے بطن سے اعلان نبوت سے قبل قاسم رضی اللہ عنہ، رقیہ رضی اللہ عنہا، زینب رضی اللہ عنہا اور ام کلثوم رضی اللہ عنہا پیدا ہوئیں اور اعلان نبوت کے بعد طیب رضی اللہ عنہ، طاہر رضی اللہ عنہ اور فاطمہ رضی اللہ عنہا پیدا ہوئیں۔'' (اصول کافی: ۱/۴۳۹، تہران)

اسی ملا باقر مجلسی نے ابن شہر آشوب کے حوالے سے لکھا ہے:

''سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے رسول اللہ ﷺ کی یہ اولاد ہوئی: قاسم رضی اللہ عنہ، عبداللہ رضی اللہ عنہ، انہی کو طاہر اور طیب کہتے ہیں اور چار صاحبزادیاں زینب رضی اللہ عنہا، رقیہ رضی اللہ عنہا، ام کلثوم رضی اللہ عنہا جن کو آمنہ بھی کہتے ہیں اور فاطمہ رضی اللہ عنہا۔'' (مراۃ العقول: ۱/۳۵۲، حیات القلوب: ۵۸۸۲)

ملا باقر مجلسی نے اپنی کتاب ''حیات القلوب'' میں اس بارے میں بڑی مفصل اور مدلل بحث کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی چار صاحبزادیاں تھیں اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے علاوہ سیدنا ابوالعاص رضی اللہ عنہ اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ بھی آپ کے داماد تھے۔ (ملاحظہ ہو حیات القلوب: ۲/۵۸۸، ۵۸۹، منتہی الآمال عباس قمی: ۱/۱۲۵، تہران)

خود سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے بھی سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو دامادِ رسول تسلیم کیا ہے۔

(نہج البلاغہ: ۱/۳۰۳، البدایہ والنہایہ: ۷/۱۶۸)

پہلی ہجرت:

دعوت اسلام پر لبیک کہنے والوں کو کفار مکہ نے اپنے ظلم و ستم کا نشانہ بنایا۔ ان ستم زدہ مسلمانوں کو رسول اللہ ﷺ نے حبشہ کی طرف ہجرت کی اجازت مرحمت فرما دی۔ چنانچہ حق و صداقت کی محبت میں وطن اور اہل وطن کو چھوڑ کر جلا وطن ہونے والا یہ پہلا قافلہ ماہ رجب ۵ نبویؐ کو حبشہ کی جانب روانہ ہوا، اس میں گیارہ مرد اور پانچ عورتیں تھیں۔ یہ حضرات جدہ کی بندرگاہ سے بذریعہ کشتی حبشہ روانہ ہوئے۔

(''عیون الاثر لابن سید الناس: ۱/۱۱۵، فتح الباری: ۷/۴۳)

مہاجرین کے اس قافلے میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور ان کی زوجہ محترمہ سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا بنت رسول اللہ ﷺ

Marfat.com

بھی تھیں۔ چنانچہ سیدہ اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا:

''اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، سیدنا ابراہیم اور سیدنا لوط علیہما السلام کے بعد عثمان رضی اللہ عنہ پہلے آدمی ہیں جنھوں نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنی زوجہ محترمہ کے ساتھ ہجرت کی۔'' (اصابہ:۴/۲۹۸، تاریخ الخلفاء:)

علامہ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ کے مطابق آپ نہ صرف ''اول المہاجرین'' تھے بلکہ ''امام المہاجرین'' بھی تھے، کیونکہ تمام مہاجرین نے آپ کی متابعت میں ہجرت کی۔ (الاستیعاب:۳/۷۰)

دوسری ہجرت:

مہاجرین حبشہ رجب سے شوال تک حبشہ میں مقیم رہے۔ شوال میں بعض لوگوں نے یہ مشہور کر دیا کہ تمام اہل مکہ حلقہ بگوش اسلام ہو گئے ہیں۔ اس خبر سے مسلمانوں کو بہت خوشی ہوئی، اسی خوشی میں وہ حبشہ سے واپس مکہ آ گئے۔ لیکن مکہ کے قریب پہنچ کر انھیں اس خبر کے غلط ہونے کا پتہ چلا، یہ لوگ سخت پریشان ہوئے، چنانچہ چھپ چھپا کر یا کسی کی پناہ میں یہ لوگ مکہ میں داخل ہوئے۔ اب مشرکین نے انھیں پہلے سے بھی زیادہ اذیتیں دینا شروع کر دیں۔ کچھ لوگ تو جلدی ہی دوبارہ حبشہ واپس چلے گئے لیکن سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ دو اڑھائی سال مکہ میں رہ کر دوبارہ اپنی اہلیہ محترمہ سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ حبشہ ہجرت فرما گئے اور وہاں کئی سال تک غریب الوطنی کی زندگی بسر کرتے رہے۔ آخر میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ سے مدینہ طیبہ ہجرت فرمائی تو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی اپنی اہلیہ محترمہ کے ساتھ حبشہ سے مدینہ طیبہ ہجرت فرمائی۔ حالانکہ ان کے دوسرے کئی ساتھی سیدنا جعفر رضی اللہ عنہ بن ابی طالب وغیرہ غزوۂ خیبر تک حبشہ ہی میں رہے۔ اس لحاظ سے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو یہ خاص شرف حاصل ہے کہ آپ نے اپنی اہلیہ محترمہ سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ حبشہ کی دونوں ہجرتوں میں شرکت فرمائی۔ (بخاری:۱/۵۲۲)

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو التمہید والبیان: ص۲۲، السیرۃ النبویہ لابن ہشام:۱/۴۱۳، طبقات ابن سعد:۱/۲۰۴، السیرۃ النبویہ للدکتور مصطفےٰ السباعی: ص۵۷)

مدینہ میں قیام:

پہلی دو ہجرتیں تو آپ نے مکہ سے حبشہ کی طرف فرمائیں، لیکن تیسری ہجرت آپ نے حبشہ سے مدینہ طیبہ کی جانب فرمائی۔ قیام مدینہ کے دوران رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین و انصار کے درمیان جو رشتۂ مواخات قائم کیا، اس میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا رابطۂ اخوت سیدنا حسان رضی اللہ عنہ بن ثابت کے بڑے بھائی اوس رضی اللہ عنہ بن ثابت سے قائم کیا۔ (ابن سعد:۳/۳۸)

Marfat.com

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کئی سال تک سیدنا اوس رضی اللہ عنہ ہی کے مکان میں مقیم رہے۔اس مواخات کے بعد دونوں خاندانوں میں اس قدر محبت ویگانگت پیدا ہوگئی کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت پر سیدنا حسان رضی اللہ عنہ بن ثابت ساری عمر سوگوار اور غم زدہ رہے اور ان کا ایک نہایت پر درد مرثیہ بھی لکھا۔

بئر رومہ کا وقف:

مدینہ طیبہ آ کر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنا کاروبار شروع کر دیا اور جیسا مکہ میں آپ کا کاروبار چمکا ہوا تھا، اب مدینہ میں بھی مال و دولت پھر ان کے قدم چومنے لگی۔آپ اپنے کاروبار سے جو کچھ کماتے، وہ اپنے لیے کم اور اسلام اور اہل اسلام کے لیے زیادہ ہوتا۔آڑے وقت میں جو چند لوگ اسلام کے لیے اپنا سب کچھ قربان کر دیتے تھے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ ان میں سے ایک تھے۔

مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے جب بلا کشان محبت مدینہ طیبہ آئے تو انھیں وہاں کا پانی پسند نہ آیا، کیونکہ وہ کھاری تھا اور سارے شہر میں میٹھے پانی کا صرف ایک کنواں ''بئر رومہ'' نامی تھا، جو ایک یہودی کی ملکیت تھا اور اس نے اپنی یہودیانہ ذہنیت کے تحت اسے اپنا ذریعہ معاش بنا رکھا تھا، وہ اس میٹھے پانی کی منہ مانگی قیمت وصول کرتا، جس سے لوگوں کو سخت تکلیف تھی۔لوگوں کی اس تکلیف کے پیش نظر آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا:

''جو بئر رومہ کو خرید کر رفاہ عامہ کے لیے وقف کر دے، اس کے لیے جنت ہے۔''

یہ سن کر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اس یہودی کے پاس تشریف لے گئے اور بارہ ہزار درہم میں اس کا نصف حق خرید لیا اور طے پایا کہ ایک روز یہودی کی باری ہوگی اور دوسرے روز سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے لیے یہ کنواں مخصوص رہے گا۔

یہ معاملہ کچھ زیادہ دیر تک نہ چلا، کیونکہ جس روز یہودی کی باری ہوتی اس روز اس سے کوئی پانی خریدنے نہ آتا اور لوگ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی باری کے روز ہی دو دن کا پانی بھر کر لے جاتے۔لہٰذا تنگ آ کر یہودی نے باقی نصف حصہ بھی سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ فروخت کر دیا۔چنانچہ آپ نے وہ پورا کنواں خرید کر عام مسلمانوں کے نام وقف کر دیا۔

(انساب الاشراف:۱/۵۳۶، استیعاب:۲/۴۷۵، المعارف:۸۳، معجم البلدان:۲/۴، السنن الکبریٰ:۶/۱۶۸، بخاری: ۱/۳۸۹، ۵۲۳)

Marfat.com

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور غزوات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

غزوۂ بدر اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ:

اسلام میں سب سے پہلا غزوۂ بدر ہے۔ یہ غزوہ ۲ھ میں رمضان المبارک کے مہینے میں ہوا۔ اس میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے جانے کا ارادہ فرمایا، لیکن اس وقت ان کی اہلیہ محترمہ سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا سخت بیمار تھیں۔ لہٰذا ان کی بیماری کے پیش نظر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو ان کی تیمارداری کے لیے مدینہ طیبہ میں چھوڑ دیا اور فرمایا کہ تم دونوں کو شرکت جہاد کا اجر وثواب اور مال غنیمت میں سے حصہ ملے گا۔ غم گسار شوہر نے اپنی زوجہ محترمہ کی تیمارداری اور علاج معالجہ میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ رکھا، لیکن سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا اس مرض سے جانبر نہ ہوسکیں اور ہجرت نبویؐ سے ۱۷ ماہ بعد اپنے خالق حقیقی سے جاملیں۔ اس وقت ان کی عمر بیس سال تھی۔

(نساء اہل البیت، احمد خلیل جمعہ: ص ۴۹۱، دماء علیٰ قمیص عثمان بن عفان: ص ۲۰، کتاب الامامۃ والرد علی الرافضۃ للاصبہانی: ص ۳۰۲، عثمان بن عفان لصادق عرجون: ص ۴۷)

غزوۂ احد اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ:

جنگ احد، جنگ بدر کی شکست فاش کا انتقام لینے کے لیے ۳ھ میں لڑی گئی۔ قریش مکہ کے لیے یہ بات بڑی ندامت کی تھی کہ انھیں ایک ایسے لشکر سے شکست ہوئی جو ان کی فوج سے ایک تہائی تھا۔ پھر اس جنگ میں ان کے سارے سردار اور اساطین ذلت کی موت مرے، لہٰذا انھوں نے کاروان تجارت کا سارا منافع اس جنگ میں جھونک دیا۔ اس زر منافع کی مقدار پچاس ہزار دینار تھی۔ انتقام لینے کے لیے بڑے زور وشور سے تیاریاں کی گئیں، عورتوں کو غیرت دلانے کے لیے اور شعراء کو رجز پڑھنے کے لیے میدان میں لایا گیا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جبل احد کو پشت پر رکھ کر صفوں کو مرتب فرمایا اور پچاس تیر اندازوں کا دستہ سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ بن جبیر کی زیر قیادت احد پہاڑ پر بٹھا دیا تا کہ قریش عقب سے حملہ نہ کرسکیں اور انھیں سخت تاکید فرمائی کہ مسلمان خواہ فتح یاب بھی ہوجائیں پھر بھی تم نے اپنی جگہ سے نہیں ہلنا لیکن ہوا یہ کہ جب میدان احد میں مسلمان فتح یاب ہوگئے تو سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ بن جبیر اور ان کے ۱۰ ساتھیوں کے سوا باقی تمام تیر اندازوں نے پہاڑ کے درہ کو

Marfat.com

چھوڑ دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بھاگتے ہوئے دشمن نے خالد بن ولید کی زیر قیادت درہ کو خالی دیکھ کر پشت پر سے مسلمانوں پر ناگہانی حملہ کر دیا۔ حملہ اتنا ناگہانی اور زبردست تھا کہ بڑے بڑے دلیر اور بہادر لوگوں کے پاؤں اکھڑ گئے، لیکن رسول اللہ ﷺ کے پائے ثبات میں ذرہ برابر بھی لغزش پیدا نہ ہوئی۔ (زرقانی:۲/۳۴)

اس حملے سے مسلمانوں کی صف بندی انتشار کا شکار ہوگئی۔ جناب رسول اللہ ﷺ ایک مقام پر تھے اور چودہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جن میں سات مہاجر اور سات انصاری تھے، آپؐ کے ساتھ تھے۔ اس افراتفری کے عالم میں ایک بے ایمان نے یہ خبر مشہور کر دی کہ جناب رسول اللہ ﷺ شہید ہو گئے ہیں۔ بعض مسلمان بشریت کے تقاضے کے تحت یہ پریشان کن خبر سن کر کبیدہ خاطر ہو گئے اور اسی حیرانی اور پریشانی کی حالت میں کچھ دیر کے لیے ایک طرف ہٹ کر بیٹھ گئے۔ بعض روایات میں ان لوگوں میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا نام بھی لیا جاتا ہے، لیکن محققین کے نزدیک یہ روایات پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچتیں۔ لیکن اگر اس کو صحیح بھی تسلیم کر لیا جائے پھر بھی یہ کوئی ایسی بات نہیں جس کو وجہ اعتراض بنایا جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان تمام صحابہ کو معافی کا پروانہ دے دیا ہوا ہے۔ جب اللہ نے ان کو معاف کر دیا تو دوسرا کون ہوتا ہے ان پر اعتراض کرنے والا۔ چنانچہ ایک مرتبہ کسی شخص نے اس بارے میں سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے یہ اعتراض کیا تو آپ نے اسے فرمایا:

فاشهدان الله عفا عنه وغفر له۔

''میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں معاف فرما دیا اور ان کی مغفرت فرما دی۔''

(بخاری:۱/۵۲۳، الامین ذالنورین:ص۴۹)

غزوۂ ذات الرقاع اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ:

غزوۂ احد کے اگلے سال جمادی الاول ۴ ھ میں غزوۂ ذات الرقاع پیش آیا۔ اس غزوہ میں رسول اللہ ﷺ نے بہ نفس نفیس شرکت فرمائی۔ مدینہ طیبہ سے تشریف لے جاتے وقت رسول اللہ ﷺ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو مدینہ طیبہ میں اپنا قائم مقام مقرر فرمایا۔

(طبقات ابن سعد:۳/۳۹، الروض الانف:۳/۱۳۷، الامین ذوالنورین:ص۵۲)

معاہدہ حدیبیہ اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ:

ذی قعدہ ۶ ھ میں رسول اللہ ﷺ نے عمرہ کا ارادہ فرمایا، لہٰذا آپ چودہ سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم (ایک روایت کے مطابق پندرہ سو) کے ساتھ مدینہ طیبہ سے عمرہ کے ارادہ سے جانب مکہ روانہ ہوئے۔ آپ ﷺ کو اطلاع ملی کہ قریش مکہ مقابلے پر کمر بستہ ہو گئے ہیں اور خالد بن ولید کو انھوں نے دو ہزار سپاہیوں کے ساتھ مسلمانوں کا راستہ روکنے کے لیے ہراول دستہ کے طور پر بھیجا ہے۔ بہر حال آپؐ حدیبیہ کے مقام پر پہنچ گئے۔

Marfat.com

حدیبیہ سے آپؐ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو اپنا سفیر بنا کر قریش مکہ کے پاس بات چیت کے لیے بھیجا کہ وہ انھیں یقین دلائیں کہ ہم صرف عمرہ کرنے کے لیے آئے ہیں، کسی جنگ کے ارادہ سے نہیں آئے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اپنے ایک عزیز ابان بن سعید کی پناہ میں مکہ میں داخل ہوئے اور رؤسائے مکہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام پہنچایا اور کمزور مسلمانوں کو مژدۂ جانفزا سنایا۔ روایات میں آتا ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ جب سوار ہو کر مکہ پہنچے تو قریش مکہ میں سے جو انھیں دیکھتا ان پر آوازے کستا اور ان پر دریدہ دہنی کرتا۔ آپ کو اپنی جان کا خطرہ لاحق ہو گیا، لہٰذا آپ نے اپنے ایک چچازاد بھائی ابان بن سعید کو آواز دی۔ وہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی سواری کے پیچھے سوار ہو گئے اور ان کو اپنی پناہ میں لے لیا۔ جب یہ دونوں بیت اللہ کے پاس پہنچے تو ابان بن سعید نے کہا کہ بھائی! طواف بیت اللہ کر لو۔ آپ نے جواب میں فرمایا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بغیر کس طرح طواف کر سکتا ہوں۔ ہم ہر بات میں ان کی پیروی اور تابع فرمانی کرتے ہیں اور اپنی مرضی سے کوئی کام نہیں کرتے۔ بعد میں آپ کمزور اور بے سہارا مسلمانوں کے پاس فرداً فرداً گئے اور انھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام سنایا اور صبر کی تلقین کی۔

قریش مکہ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ پر سخت نگرانی قائم کر دی کہ وہ واپس نہ جانے پائیں۔ جب کئی روز گزر گئے تو اس دوران میں لشکر اسلام میں بعض حضرات یہ کہنے لگے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نہایت امن وسکون سے طواف بیت اللہ کر رہے ہوں گے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ سنا تو فرمایا:

''عثمان رضی اللہ عنہ اگر ایک لمبے عرصے تک بھی وہاں رہیں تو بھی وہ اس وقت تک طواف نہیں کریں گے جب تک میں پہلے طواف نہ کر لوں۔'' (ازالۃ الخفا)

ایک روز اچانک یہ خبر مشہور ہو گئی کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ مکہ مکرمہ میں شہید کر دیئے گئے ہیں۔ اس خبر سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تشویش لاحق ہوئی اور آپؐ نے فرمایا:

''اب مجھے ان سے لڑنا حلال ہو گیا ہے کیونکہ پہل ان کی طرف سے ہوئی ہے اور جب تک میں قتل عثمان رضی اللہ عنہ کا انتقام نہ لے لوں گا، یہاں سے واپس نہ جاؤں گا۔''

چنانچہ آپؐ نے وہیں ایک کیکر کے درخت کے نیچے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بیعت لینی شروع کر دی کہ جب تک بدن میں جان ہے، کافروں سے جنگ وقتال کریں گے۔ سب سے پہلے بیعت سیدنا ابوسنان اسدی رضی اللہ عنہ نے کی اور اس کے بعد باقی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے۔ چنانچہ جب چودہ سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بیعت کر چکے تو آخر میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بائیں ہاتھ کو دائیں پر رکھ کر فرمایا:

''یہ بیعت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے ہے۔'' (بخاری)

یہ بات سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے تاجِ فخر کا وہ طرہ فخر ومباہات ہے جو ان کے علاوہ اور کسی شخص کو نصیب نہیں ہوا۔ چنانچہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ خود اس واقعہ کا ذکر کر کے فرمایا کرتے تھے کہ:

''میری جانب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بایاں ہاتھ میرے دائیں ہاتھ سے کہیں بہتر تھا۔''

(زرقانی: ۲/۲۰۸)

Marfat.com

اس بیعت کی برکات میں سے ایک برکت یہ ہوئی کہ چودہ سو صحابہ کو اللہ تعالیٰ کی رضا کا پروانہ مل گیا اور یہ بیعت چونکہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی وجہ سے لی گئی تھی، اس وجہ سے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے ان انعامات کا سبب بنے۔ یہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی ایک بہت بڑی فضیلت اور ان کی کتاب مناقب کا ایک درخشاں باب ہے۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو غزوۃ الحدیبیہ لابی فارس: ص ۴۳، المغازی: ۲/۶۰۰، زاد المعاد لابن قیم: ۳/۲۹۰، السیرۃ النبویہ لابن ہشام: ۳/۳۴۴، بخاری، رقم: ۴۱۶۹، السیرۃ النبویہ فی ضوء المصادر الاصلیۃ: ص ۴۸۶، صحیح السیرۃ النبویہ: ص ۴۰۴، مسلم: ۳/۱۴۸۵، ذوالنورین مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم: ص ۳۶)

غزوۂ تبوک اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ:

غزوۂ تبوک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات میں سب سے آخری غزوہ ہے۔ یہ ۹ ھ میں رجب کے مہینے میں پیش آیا۔ عرب کے عیسائیوں نے ہرقل شاہ روم کو لکھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہو گیا ہے اور لوگ فاقہ مستی کی زندگی بسر کر رہے ہیں، لہٰذا اس وقت اگر عرب پر حملہ کیا جائے تو کامیابی یقینی بھی ہے اور جلدی بھی۔ چنانچہ ہرقل روم چالیس ہزار (۴۰،۰۰۰) کا لشکر جرار لے کر مقابلہ کے لیے تیار ہو گیا۔ (فتح الباری: ۸/۸۵، مجمع الزوائد: ۶/۱۹۱)

شام کے کچھ سوداگر زیتون کا تیل فروخت کرنے مدینہ طیبہ آئے۔ ان کی زبانی معلوم ہوا کہ ہرقل نے ایک بہت بڑا لشکر تیار کیا ہے اور اس کا ہراول دستہ بلقاء تک پہنچ گیا ہے اور ساری فوج کو ہرقل نے سال بھر کی تنخواہیں بھی دے دی ہیں۔ (طبقات ابن سعد: ۲/۱۱۹)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قیصر روم کی ان کارروائیوں کا جب علم ہوا تو آپؐ نے بھی مجاہدین اسلام کو تیاری کا حکم دیا۔ اس غزوہ کو ''جیش العسرۃ'' بھی کہتے ہیں کیونکہ اس وقت اہل اسلام پر سخت بے سروسامانی کا عالم تھا۔ موسم سخت گرم، قحط اور گرانی، سفر بہت لمبا اور دشمن نہایت طاقتور۔ فصل چونکہ کٹنے کے قریب تھی اس وجہ سے مدینہ طیبہ کا ہر مسلمان نہایت عسرت اور تنگی کی زندگی بسر کر رہا تھا۔ لہٰذا سب سے بڑا مسئلہ یہ تھا کہ اس لشکر جرار کا سامان سفر کہاں سے مہیا کیا جائے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چندے کی اپیل کی۔ سب سے پہلے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اپنا سارا اثاثہ بارگاہ رسالتؐ پناہ میں لے کر حاضر ہوئے۔ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنا آدھا مال دربار رسالتؐ میں پیش کیا۔ سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے دو سو اوقیہ چاندی اور اسی طرح دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنی اپنی حیثیت کے مطابق چندہ پیش کیا۔ (زرقانی: ۳/۶۴)

اب نگاہ رسالتؐ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف اٹھی۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک تہائی فوج کے جملہ اخراجات تنہا برداشت کرنے کا ذمہ لیا۔ بعض روایات میں ہے کہ آپ نے سو اونٹ، ایک سو گھوڑے اور ایک ہزار دینار نقد دیئے۔ ایک ہزار دینار جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جھولی میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے ڈالے تو راوی کا بیان ہے

Marfat.com

آپ ﷺ بہت خوش ہوئے۔آپ ﷺ ان دیناروں کو اپنے ہاتھوں میں اچھالتے اور خوشی انبساط سے فرماتے:

ماضر عثمان ما عمل بعد هذا اليوم۔

''آج کے بعد عثمان رضی اللہ عنہ کو کوئی کام نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔''

پھر فرمایا:

''اے اللہ! میں عثمان رضی اللہ عنہ سے راضی ہو گیا تو بھی اس سے راضی ہو جا۔''

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو فتح الباری: ۷/ ۶۷، خلفاء الرسولؐ: ص ۲۵، العشرۃ المبشرون بالجنۃ، محمد صالح عوض: ص ۵۳، سنن الترمذی، رقم: ۳۷۸۵، صحیح التوثیق: ص ۲۶، السیرۃ النبویہ فی ضوء المصادر الاصلیۃ: ص ۶۱۵، فتح الباری: ۷/ ۴۴، مستدرک حاکم: ۳/ ۱۰۲، زرقانی: ۳/ ۱۶۴)

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور عہد صدیقی:

رسول اللہ ﷺ کے انتقال کے بعد سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ خلافت نبویؐ کی مسند پر جلوہ نشین ہوئے ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن نے سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو اپنا سفیر اور نمائندہ بنا کر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا اور متروکات نبویؐ میں سے اپنے حصے کا مطالبہ کیا۔ (بخاری: ۲/ ۵۷۶)

لیکن سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے انھیں حدیث سنائی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

لانورث ماتركنا صدقة۔

''ہمارے مال میں سے وراثت جاری نہیں ہوتی، ہم جو چھوڑ جاتے ہیں وہ صدقہ ہوتا ہے۔''

(تفصیل کے لیے دیکھیے بخاری: ۲/ ۵۷۶، ۹۹۶، فتوح البلدان: ۳۷)

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ایام خلافت میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ ان کے ہر کام میں معاونت فرماتے اور مشورہ بھی دیتے۔ چنانچہ آپ نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں اپنی جانشینی کے بارے میں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے علاوہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے بھی مشورہ فرمایا۔ آپ نے جواب دیا:

''عمر رضی اللہ عنہ سے بہتر کوئی آدمی نہیں، ان کا باطن ان کے ظاہر سے بہت اچھا ہے۔''

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنا آخری وصیت نامہ بھی سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ ہی سے لکھوایا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے کاتب تھے۔

(الامامۃ والسیاسۃ: ۱/ ۱۹، عثمان بن عفان للعقاد: ۱۵۰، عثمان بن عفان، صادق عرجون: ص ۵۸، تاریخ دمشق لابن عساکر: ۲/ ۶۳، الخلفاء الراشدون: ص ۱۰۱، ابن اثیر: ۲/ ۷۹)

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور عہد فاروقی:

سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں بھی سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی ایک امتیازی حیثیت تھی۔ آپ ان

Marfat.com

کی مجلس شوریٰ کے ایک اہم رکن تھے اور ہر موقع پر نہایت اہم مشورے دیا کرتے تھے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے قبل مسلمانوں میں بیت المال کا وجود نہ تھا۔ جو مال آتا وہ اسی وقت اہل حاجت میں تقسیم کر دیا جاتا۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بحرین کے گورنر مقرر ہوئے، وہ وہاں سے پانچ لاکھ کی خطیر رقم لائے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اراکین شوریٰ سے اس بارے میں مشورہ کیا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ''جو مال آپ کے پاس جمع ہو، اس کو ہر سال تقسیم کر دیں اور اس میں سے کچھ بچا کر نہ رکھیں۔'' سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اس رائے سے اختلاف کرتے ہوئے کہا:

''امیر المومنین رضی اللہ عنہ! ایک بیت المال تیار کیا جانا چاہیے جس میں فالتو مال جمع ہو اور وہ حاجت مندوں میں تقسیم کیا جائے اور مختلف منصوبوں میں بھی اسے بوقت ضرورت صرف کیا جائے۔''

چنانچہ آپ کی اس رائے سے ولید بن ہشام رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ نے اتفاق کیا اور بیت المال کا باقاعدہ قیام عمل میں آیا۔ (طبری: ۳/۲۷۸)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ہر کسی کو دین کے بارے میں رائے پیش کرنے کا اختیار نہیں دیتے تھے۔ چنانچہ آپ نے چند صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو فتویٰ دینے کے لیے مقرر فرمایا۔ گویا کہ یہ حضرات خلافت فاروقی کے مفتی تھے، ان میں سے ایک سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ بھی تھے۔

کاروبار خلافت میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے ہر قسم کا تعاون فرماتے، اس بارے میں مختلف واقعات سے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے اس عمل کا پتہ چلتا ہے۔ چنانچہ ایک مرتبہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ، سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو اپنے ساتھ اس مقام پر لے گئے جہاں زکوٰۃ اور صدقات کے اونٹ باندھے جاتے تھے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کڑاکے کی دھوپ میں کھڑے ہو کر ان اونٹوں کے رنگ، دانت اور حلیے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو لکھواتے۔ راوی کا بیان ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سایہ میں بیٹھ کر لکھ رہے تھے اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ ان کے سر پر کھڑے ہو کر لکھوا رہے تھے اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ دھوپ میں کھڑے تھے۔ یہ دیکھ کر سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے کہا کہ کیا آپ نے سیدنا شعیب علیہ السلام کی صاحب زادی کا قول قرآن حکیم میں پڑھا ہے:

﴿ يٰٓاَبَتِ اسْتَاْجِرْهُ اِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْاَمِيْنُ﴾ (القصص ۲۸:۲۶)

''اے ابا جان! آپ انھیں ملازم رکھ لیجیے، کیونکہ بہتر شخص جس کو آپ ملازم رکھنا چاہیں وہ ہے جو قوی بھی ہو اور امانت دار بھی۔''

اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ کر کے سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

هذا القوى الامين۔

''یہ قوی بھی ہے اور امانت دار بھی۔'' (طبری: ۳/۲۷۱، عثمان بن عفان، الخلیفۃ الشاکر الصابر: ص ۶۳)

Marfat.com

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ ایک خلیفہ کی حیثیت سے

قریباً دس برس خلافت کرنے کے بعد سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ایک شقی ایرانی ابولولو مجوسی کے ہاتھوں شہید ہو گئے۔ خالق حقیقی کے ہاں جانے سے قبل سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے چھ حضرات کا ایک پینل مقرر فرمایا اور تاکید فرمائی کہ وہ چھ آپس میں بیٹھ کر اپنے میں سے ایک کو خلیفہ منتخب کر لیں اور جب وہ آپس میں کسی ایک شخص کو خلیفہ منتخب کر لیں تو پھر سب اس کی اعانت کریں۔ (طبری:۳/۲۹۲، عثمان بن عفان للعقاد:۱۵۱)

اپنے بیٹے کے بارے میں فرمایا کہ اسے صرف خلافت کا مشورہ لینے کے لیے مشیر تو بنا لیا جائے لیکن امیدوار نہ بنایا جائے۔ (التمہید والبیان:ص۱۳، طبری:۳/۲۹۳)

پینل کے چھ آدمی حسب ذیل تھے:

① سیدنا علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب

② سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان

③ سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ بن عوف

④ سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ بن العوام

⑤ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ بن ابی وقاص

⑥ سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ بن عبیداللہ

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد انتخاب خلیفہ کے لیے پینل کا اجلاس ہوا۔ دو روز تک بحث و تمحیص ہوتی رہی لیکن فیصلہ نہ ہو سکا۔ بالآخر چھ حضرات کا یہ پینل تین حضرات تک محدود ہو گیا کیونکہ سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی نسبت، سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی نسبت اور سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کی نسبت رائے دی۔ پھر سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے بھی اپنا نام واپس لے لیا اور ساری شوریٰ نے انھیں یہ اختیار دیا کہ وہ افضل ترین شخص کو مسلمانوں کا خلیفہ بنائیں۔

اب سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے موزوں ترین اور افضل ترین شخص کے بارے میں رائے لینی شروع کر دی۔ چنانچہ ابن کثیر رحمہ اللہ کے بیان کے مطابق انھوں نے اہل شوریٰ اور ان کے ماسوا جس کسی سے بھی سوال

Marfat.com

ممکن تھا پوچھا تو ہر ایک نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنانے کا مشورہ دیا۔ یہاں تک کہ جب سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے بھی پوچھا کہ اگر میں آپ کو خلیفہ نہ بناؤں تو آپ کس کو خلیفہ بنانے کا مشورہ دیتے ہیں تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے بھی سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا نام لیا۔ (البدایہ والنہایہ: ۷/ ۱۴۵، ۱۴۶)

بالآخر تین روز کے مشورے اور غور وفکر کے بعد سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ صبح کی نماز سے فارغ ہو کر منبر نبویؐ پر تشریف فرما ہوئے اور مدینہ طیبہ میں موجود مہاجرین وانصار کو بلا بھیجا اور ان سرداران لشکر کو بھی بلا بھیجا جنہوں نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ حج کیا تھا۔ جب یہ سب حضرات جمع ہو گئے تو سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے تشہد پڑھ کر فرمایا:

''اے علی رضی اللہ عنہ! میں نے لوگوں کے معاملے میں کافی غور وخوض کیا۔ میں نے دیکھا کہ لوگ عثمان رضی اللہ عنہ کے برابر کسی کو نہیں سمجھتے، لہٰذا تم اپنے نفس پر مخالفت یا ملامت کا کوئی راستہ نہ نکالنا۔ پھر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے کہا: ''میں سنت اللہ، سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ کی سنت پر آپ کے ہاتھ پر بیعت کرتا ہوں۔'' سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کا بیعت کرنا تھا کہ ان کے بعد دوسرے مہاجرین وانصار اور صوبے کے گورنروں (جو وہاں موجود تھے) نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی۔'' (بخاری: ۲/ ۱۰۶۹)

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے منہ سے یہ بات سن کر لوگوں کے ایک اژدہام نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو گھیر لیا اور باری باری ان کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت کرنے لگے اور

وبایعه علی ابن ابی طالب اولا۔

''اور علی رضی اللہ عنہ ابن ابی طالب نے سب سے پہلے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔''

(البدایہ والنہایہ: ۷/ ۱۴۷، التمہید والبیان: ۱۱)

بعض روایات میں ہے کہ سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے کہا:

''کیا آپ اقرار کرتے ہیں کہ خلافت ملنے کی صورت میں کتاب اللہ، سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ کے اعمال کی روشنی میں کاروبار خلافت چلائیں گے؟''

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:

''میں اپنی کوشش اور طاقت کے مطابق ایسا کروں گا۔''

اس جواب میں چونکہ تردد کی پرچھائیاں تھیں، لہٰذا انھوں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا ہاتھ چھوڑ دیا اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے سامنے یہی شرائط رکھیں، انھوں نے ان کا اقرار کیا۔ چنانچہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت خلافت کر لی گئی اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ نہ بنایا گیا۔

یہ روایات الحاقی ہیں اور بخاری کی روایت کے مقابلے میں مورخین کی ان روایات کی کوئی حیثیت نہیں

Marfat.com

اصل بات یہ ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو خلافت کی پیش کش ہی نہیں کی گئی تھی بلکہ صرف سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو پیش کش کی گئی تھی۔ چنانچہ طبری کی روایت کے مطابق سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی بیعت یہ کہہ کر لی کہ:

انی قد نظرت شاورت الناس فاذاهم لایعدلون بعثمان۔

''میں نے خود بھی غور وخوض کیا اور لوگوں سے بھی مشورہ کیا (تو معلوم ہوا) کہ لوگ عثمان رضی اللہ عنہ کے برابر کسی کو نہیں سمجھتے۔'' (طبری:۳/۳۹۵)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں کی رائے ہی سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنانے کی تھی۔ لہٰذا تاریخ کی کتابوں کی روایات الحاقی ہیں اور بخاری کی روایت کے مقابلے میں ان کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ یہی وجہ تھی کہ سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کے بیعت کرنے کے بعد سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے سب سے پہلے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی بیعت کی۔ چنانچہ بخاری میں ہے:

فبایعه، فبایع له علی ولج اهل الدارفبایعوه۔

''سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی بیعت کی، پھر سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے بیعت کی۔ پھر مدینہ طیبہ کے دوسرے لوگ اندر داخل ہوئے اور باری باری سب نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی بیعت کی۔''

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو الخلافۃ والخلفاء الراشدون للبھناوی: ص ۲۱۳، اشھر المشاہیر الاسلام فی الحرب والسیاسۃ: ص ۶۴۸، طبقات ابن سعد: ۳/۳۶۴، ۳۴۲، طبری: ۵/۲۲۶، البیان والتبین، جاحظ، ابن اثیر: ۲/۲۰۱، الخلیفۃ الفاروق عمر بن الخطاب للعانی: ص ۱۷۱، بخاری: ۱/۵۲۴ وغیرہم)

Marfat.com

فتوحات

فتوحات کے لحاظ سے عہد عثمانی تاریخ اسلام میں ایک خاص اہمیت کا حامل ہے۔ اگرچہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں اسلامی سلطنت ۲۲ لاکھ مربع میل کی پہنائیوں تک پہنچ چکی تھی، لیکن سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کی وسعتوں میں اس قدر اضافہ کیا کہ دنیا کے مورخین اس پر انگشت بدنداں ہیں۔ آپ اپنے عہد خلافت میں تین براعظموں ایشیا، افریقہ اور یورپ میں مختلف محاذوں پر نبرد آزما ہوئے اور ہر محاذ پر اپنی قابلیت اور اپنی افواج کی بھرپور صلاحیتوں کا دنیا سے لوہا منوایا۔ اس جانشین فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ممالک مفتوحہ سے مختلف بغاوتوں اور شورشوں کو فرو کیا اور اپنے حسن تدبیر، حسن عمل اور اخلاص وللّٰہیت سے وہاں کی رعایا کو ایسا رام کیا کہ انھیں پھر سر اٹھانے کا موقع نہ ملا۔ گویا کہ آپ کا وطیرہ اپنی مفتوح رعایا سے چراغ اور رگ زندگی کی طرح کا تھا۔

ایران کی فتح کا آغاز سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے عہد ہائے خلافت میں ہوا اور قادسیہ، یرموک اور مدائن وغیرہ کی جنگوں نے دشمن کی کمر توڑ کر رکھ دی، لیکن سانپ ابھی پوری طرح مرا نہیں تھا۔ شاہ ایران یزدگرد مختلف ممالک میں اعوان وانصار تلاش کرنے کے لیے مارا مارا پھر رہا تھا اور خطرہ تھا کہ راکھ کا یہ ڈھیر کہیں شعلۂ جوالہ نہ بن جائے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اس سلگتی ہوئی چنگاری کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے خاموش کر دیا۔

عہد صدیقی اور عہد فاروقی میں مسلمانوں نے صرف زمینی جنگیں لڑی تھیں، انھیں آج تک بحری جنگ کا کوئی تجربہ نہ ہوا تھا، لیکن سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے خطرات سے بے پروا ہو کر ایک عظیم الشان بحری بیڑا تیار کیا اور اس کے ذریعے قبرص (Cyprus) اور دوسرے کئی ایک جزیروں کو فتح کیا۔ آپ نے اپنے عہد خلافت میں جو فتوحات کیں ان کو حسب ذیل دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

① ان علاقوں کی فتوحات جو اگرچہ عہد فاروقی میں مسلمانوں کے ہاتھوں فتح ہو چکے تھے، لیکن پھر باغی ہو گئے۔

② وہ علاقے جو پہلے اہل کفر کے پاس تھے اور اسلامی فوجوں نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد میں انھیں از سر فتح کیا۔

Marfat.com

آذربائیجان کی فتح:

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد آذربائیجان کے لوگوں نے بغاوت کردی اور اس معاہدے کو توڑ دیا جو فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی خلافت میں اسلامی لشکر سے ان کا ہوا تھا۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے ولید رضی اللہ عنہ بن عقبہ گورنر کوفہ کو لشکر کشی کا حکم دیا۔ انھوں نے عبداللہ بن شبیل بن عوف کو چار ہزار کا لشکر دے کر بھیجا۔ چنانچہ انھوں نے موقان، بیر اور طیلسان کو فتح کیا۔ خود ولید رضی اللہ عنہ بن عقبہ نے آذربائیجان پر حملہ کیا اور اسے فتح کر کے اشعث رضی اللہ عنہ بن قیس کو وہاں کا گورنر مقرر کیا۔ پھر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے سارے دور میں انھوں نے کبھی بغاوت نہ کی۔

(عثمان بن عفان لصادق عرجون: ص ۱۹۹، طبری: ۵/۲۶۴، الخلافۃ والخلفاء الراشدون: ص ۲۲۴)

رے پر فوج کشی:

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں اہل رے نے بغاوت و سرکشی کا علم بلند کیا۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ وہ قرظ بن کعب انصاری رضی اللہ عنہ کو ایک بہت بڑے لشکر کے ساتھ ان کی سرکوبی کے لیے بھیجیں۔ چنانچہ سیدنا قرظ رضی اللہ عنہ بن کعب نے اس باران سرکشوں پر ذرا سختی کی اور سرغنوں کے قائدین کو ہمیشہ کی نیند سلا دیا جس سے بغاوت کا جذبہ ہمیشہ کے لیے ان کے دلوں اور ذہنوں سے نکل گیا۔ پھر اسی سرزمین سے ابوبکر جصاص رازی رحمہ اللہ اور امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ جیسے بزرگ مفسر قرآن پیدا ہوئے۔

اسکندریہ کی فتح:

اسکندریہ اگرچہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں فتح ہوا تھا، لیکن سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ان لوگوں نے نقض عہد کر کے بغاوت کردی۔ ان کی بغاوت میں ہرقل کا ہاتھ بھی تھا جو کہ قسطنطنیہ میں بیٹھا ہوا مختلف علاقوں کے عیسائیوں کو مسلمانوں کے خلاف برانگیختہ کرتا رہتا تھا۔ چنانچہ اسکندریہ کے عیسائیوں کی بغاوت میں ان کی مدد کے لیے ہرقل نے اپنے بااعتماد، تجربہ کار اور نامور سپہ سالار عمانویل کو تین سو جہازوں کے ساتھ بھیجا۔

رومی فوجوں کے بھرے ہوئے تین سو بحری جہاز عمانویل کی سرکردگی میں جب اسکندریہ کے ساحل پر پہنچے تو انھوں نے مسلمانوں کی چوکی پر حملہ کر کے محافظ فوجیوں کو شہید کردیا۔ کچھ سپاہیوں نے بھاگ کر یا چھپ کر اپنی جان بچائی۔ محافظ چوکی پر قبضہ کرنے کے ساتھ ہی انھوں نے شہر میں داخل ہو کر شہر پر قبضہ کرلیا۔ انھوں نے نہ صرف مسلمانوں کو اپنی تیغ ستم کا نشانہ بنایا بلکہ اسکندریہ اور اس کے مضافات کا شاید ہی کوئی باشندہ ان کی ظلم رانی سے بچا ہو۔ گورنر مصر سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ بن سعد بن ابی سرح کو جب اس واقعہ کی اطلاع ملی تو انھوں نے نہایت عجلت سے ایک بہت بڑا لشکر جمع کیا اور اسے سیدنا عمرو ابن العاص رضی اللہ عنہ کی قیادت میں روانہ فرمایا۔ سیدنا عمرو بن

Marfat.com

العاص رضی اللہ عنہ اگر چہ اس وقت گورنری سے معزول ہو چکے تھے لیکن ابھی تک مصر ہی میں تھے۔

اسکندریہ پہنچ کر انھیں معلوم ہوا کہ رومی فوج نے اسکندریہ اور اس کے مضافات میں دھما چوکڑی مچا رکھی ہے۔ سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے اسکندریہ کے مضافات میں ان کا مقابلہ کر کے انھیں شکست فاش دی۔ غنیم مضافات سے دم دبا کر بھاگا اور اسکندریہ میں آ کر قلعہ بند ہو گیا۔ سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے اسکندریہ کا محاصرہ کر لیا اور منجنیقوں سے گولہ باری کر کے شہر کی فصیل کو توڑ دیا۔ شہر کی فصیل کا ٹوٹنا تھا کہ لشکر اسلام شہر میں داخل ہو گیا اور رومیوں سے شہر کے گلی کوچوں میں دست بدست لڑائی کر کے دشمن کو عبرتناک شکست دی۔ سپہ سالار عمانویل مارا گیا اور ہزاروں سپاہی کھیت رہے اور مسلمانوں کا شہر پر دوبارہ قبضہ ہو گیا۔ قبضہ کرنے کے بعد سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے شہر کی فصیل کو مکمل طور پر منہدم کر دیا کیونکہ یہ ہر مرتبہ دشمنان اسلام کی پناہ گاہ بنتی تھی۔

(ابن خلدون:۲/۵۲۶)

افریقہ کی فتح:

افریقہ ویسے تو ایک بہت بڑا براعظم ہے جس میں کئی ممالک شامل ہیں، لیکن عربی تواریخ میں جہاں کہیں بھی افریقہ کا لفظ آیا ہے اس سے مراد وہ علاقہ ہے جس میں تیونس، الجزائر اور مراکش آباد ہیں اور بقول صاحب معجم البلدان افریقہ کا طول شرقاً غرباً برقہ سے طنجہ تک اور عرض سمندر سے کوہ ہائے سوڈان تک ہے۔ (معجم البلدان:۱/۲۲۸)

مصر اور اسکندریہ کی فتح سے رومیوں کی قوت پاش پاش ہو گئی اور اب ان میں اتنی سکت بھی نہ رہی کہ وہ کسی محاذ پر بھی مسلمانوں کا مقابلہ کر سکیں۔ چنانچہ سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے مصر اور اسکندریہ سے آگے بڑھ کر برقہ کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ برقہ اس زمانے میں ایک بہت بڑا شہر تھا۔ وہاں کے لوگ حکومت مصر کے باج گزار تھے۔ یہاں کے لوگ مرفہ الحال ہونے کی وجہ سے نہایت بزدل تھے۔ لہٰذا انھوں نے مسلمانوں سے تیرہ ہزار دینار سالانہ پر صلح کر لی۔

برقہ کی فتح کے بعد زویلہ اور پھر طرابلس الغرب کو فتح کیا۔ طرابلس الغرب کے بعد سبرہ کو فتح کیا۔ سیدنا عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص جب سبرہ پہنچے تو سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے مزید پیش قدمی کی اجازت مانگی اور لکھا کہ افریقہ یہاں سے صرف نو دن کی مسافت پر رہ گیا ہے لیکن سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے مزید پیش قدمی کی اجازت نہ دی اور لکھا کہ:

ماهی افریقة ولکنها مفرقة غادرة مغدوربها۔

''وہ افریقہ نہیں بلکہ مفرقہ (تفرقہ ڈالنے والا) ہے۔ وہ دوسروں سے بے وفائی کرتا ہے اور دوسرے اس سے بے وفائی کرتے ہیں۔'' (فتوح البلدان:۲۳۳)

سیدنا عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے حکم سے رک گئے اور مصر آ کر اقامت گزین

Marfat.com

ہو گئے۔ دو سال بعد سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت واقع ہو گئی اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے۔ انھوں نے اپنے دور خلافت میں سیدنا عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص کو گورنری سے معزول کر کے ان کی جگہ سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ بن سعد بن ابی سرح کو مصر کا گورنر مقرر فرما دیا۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے گورنر مصر سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ بن سعد کو لکھا کہ افریقہ کو فتح کیا جائے اور ساتھ ہی ایک لشکر جرار ان کی امداد کے لیے بھیجا جن میں معبد بن عباس رضی اللہ عنہ، مروان بن الحکم رضی اللہ عنہ اور ان کے بھائی حارث بن الحکم رضی اللہ عنہ، سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ، سیدنا مسور رضی اللہ عنہ بن مخرمہ، سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ بن ابی بکر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص وغیرہ حضرات شامل تھے۔ علاوہ ازیں مدینہ کے اردگرد کے عربوں کی ایک کثیر تعداد تھی۔

(فتوح البلدان: ۲۳۳، ابن خلدون: ۳/ ۱۰۰۲)

بلکہ طبری کے مطابق جہاد افریقہ میں قریش، انصار اور مہاجرین کے قریباً دس ہزار افراد شامل تھے۔

(طبری: ۳/ ۳۱۲)

اس زمانے میں افریقہ کا فرمانروا جرجیر نامی ایک شخص تھا۔ اس کی حکومت کی حدود طرابلس سے طنجہ تک تھیں، یہ رومی بادشاہ ہرقل کا باج گزار تھا۔ مسلمانوں کی جنگی تیاریوں کو دیکھتے ہوئے اس نے ہرقل سے امداد طلب کی۔ چنانچہ فوج کو جدید قسم کا اسلحہ مہیا کیا گیا۔ انھیں صلیب کی قسم دی گئی کہ وہ میدان جنگ سے بھاگیں گے نہیں۔ انھیں یہ بھی بتایا گیا کہ مسلمان نہ صرف تمہارے وطن کے دشمن ہیں بلکہ تمہارے دین کے بھی دشمن ہیں۔ لہٰذا مادر وطن کے تحفظ کے ساتھ ساتھ یسوع مسیح اور مادر مریم کی عزت و ناموس کی حفاظت بھی تمہارے ذمہ ہے۔ غرضیکہ انھیں ہر طریق سے مسلمانوں کے خلاف برانگیختہ اور مشتعل کیا گیا اور وہی سماں پیدا کیا گیا جو یرموک میں رومیوں اور قادسیہ میں ایرانیوں نے پیدا کیا تھا۔

سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ بن سعد بن ابی سرح اور جرجیر کے لشکروں کا افریقہ کے دارالحکومت سبیطلہ کے قریب آمنا سامنا ہوا۔ مسلمانوں نے اسلام کے دستور کے مطابق پہلے جرجیر کو دعوت اسلام دی، لیکن اس نے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ پھر کہا کہ تم ہماری حکومت کو جزیہ دے دو، لیکن جرجیر جس نے ہرقل کا باج گزار بننا پسند کیا ہوا تھا، اس لیے مسلمانوں کا خراج دہندہ بننا پسند نہ کیا۔ اب اہل اسلام کے نزدیک صرف تیسری صورت رہ گئی تھی اور وہ جنگ تھی۔ چنانچہ سیدنا عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ نے جرجیر سے کہا کہ جب تم پہلی دو باتیں نہیں مانتے تو پھر جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ۔ جرجیر نے کہا کہ ''میں جنگ کے لیے تیار ہوں۔'' چنانچہ دونوں طرف سے صف آرائی ہوئی اور جنگ شروع ہو گئی۔''

چالیس روز تک سخت لڑائی ہوئی لیکن کوئی فیصلہ نہ ہو سکا۔ مورخین نے لکھا ہے کہ یرموک اور قادسیہ کے بعد یہ سب سے زبردست جنگ تھی جو مسلمانوں نے خلافت راشدہ کے دور میں لڑی۔ کافر اسلام کے سامنے ہتھیار ڈالنے کے لیے تیار نہ تھے۔

Marfat.com

اس اثنا میں مدینہ طیبہ سے سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی زیر قیادت کچھ کمک آئی۔ ادھر محاذ پر فوج طویل جنگ سے کچھ تھک چکی تھی، چنانچہ اس تازہ دم لشکر کی آمد سے مسلمانوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ جرجیر کی فوج کو جب یہ پتہ چلا کہ مسلمانوں کی تازہ دم کمک آئی ہے تو وہ حوصلہ ہار بیٹھی۔

اگلے روز سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اپنی تازہ دم فوج کے ساتھ میدان جنگ میں گئے تو انھوں نے امیر لشکر سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ بن سعد کو میدان جنگ میں نہ پایا۔ غیر موجودگی کی وجہ پوچھنے پر پتہ چلا کہ جرجیر نے ان کے بارے میں یہ اعلان کر رکھا ہے کہ جو کوئی عبداللہ رضی اللہ عنہ بن سعد کا سر کاٹ کر لائے گا، اس کو ایک لاکھ دینار انعام ملے گا اور اپنی بیٹی اس کے حبالۂ عقد میں دے دوں گا۔ اس لیے وہ پیچھے رہ کر اپنی فوج کو لڑا رہے ہیں اور میدان میں نہیں آ رہے۔

سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے یہ سنا تو فوراً سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ بن سعد کے پاس آئے اور کہا کہ آپ اپنے لشکر میں یہ منادی کرا دیں کہ جو کوئی جرجیر کا سر کاٹ کر لائے اسے مال غنیمت میں سے ایک لاکھ دینار اور جرجیر کی لڑکی دی جائے گی۔ چنانچہ سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ بن سعد نے منادی کرا دی اور خود فوراً عقب لشکر سے قلب لشکر میں پہنچ کر بہادری اور شجاعت کے جوہر دکھانے شروع کر دیئے۔ جرجیر نے جب اس اعلان کی بابت سنا تو سخت گھبرایا اور اس نے لشکر کے عقب میں رہنے میں اپنی عافیت سمجھی۔ (ابن اثیر: ۳/۴۵)

معمول یہ تھا کہ دونوں فوجیں صبح سے ظہر تک لڑائی میں مشغول رہتیں۔ ظہر کی نماز کے بعد دونوں فوجیں اپنے اپنے خیموں میں جا کر آرام و استراحت کرتیں۔ سیدنا ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے امیر لشکر کو یہ مشورہ دیا کہ دشمن کی تعداد بہت زیادہ ہے یعنی ایک لاکھ بیس ہزار اور دوسری روایت کے مطابق دو لاکھ (البدایہ والنہایہ: ۷، ۱۵۲) اور ہماری تعداد نہایت قلیل یعنی صرف بیس ہزار۔ جنگ کی طوالت میں ہمارا نقصان ہے، لہٰذا آج آپ ساری فوج کو میدان کارزار میں نہ لے جائیں بلکہ تجربہ کار سپاہیوں کی ایک اچھی خاصی جمعیت کیمپوں ہی میں رہنے دیں۔ صبح سے ظہر تک دشمن کا اس شدت سے مقابلہ کریں کہ وہ تھک کر چور ہو جائے۔ جب ظہر کے وقت لڑائی بند ہو اور دشمن تھکا ماندہ اپنے کیمپوں میں واپس جانے لگے تو ہماری وہ آزمودہ کار سپاہیوں کی بٹالین اس پر شمشیر بکف ٹوٹ پڑے اور اس کا اس وقت تک ڈٹ کر مقابلہ کیا جائے جب تک وہ یا تو مطیع و منقاد ہو جائے یا میدان کارزار سے بھاگ جائے۔ سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ بن سعد کو ابن زبیر رضی اللہ عنہ کی یہ تجویز پسند آئی۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور دشمن جب واپس اپنے کیمپوں میں جانے لگا تو مسلمانوں کی تازہ دم فوج نے اس پر حملہ کر دیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسلامی فوج کے ہاتھوں دشمن کی فوج کے سر خٹل کی طرح کٹنے لگے۔ کافی لوگ کام آئے اور ہزاروں گرفتار کر لیے گئے اور مسلمان دشمن پر فتح یاب ہو گئے۔ (ابن اثیر: ۳/۴۶)

ایک طرف رومی اور بربر اسلامی لشکر کے ہاتھوں گاجر مولی کی طرح کٹنے لگے اور دوسری طرف سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی نگاہیں جرجیر کو ڈھونڈنے لگیں۔ دیکھا کہ وہ اپنی فوج کے عقب میں اپنے گھوڑے پر سوار ہے۔ سیدنا ابن زبیر رضی اللہ عنہ چند تجربہ کار شہسوار لے کر عقب لشکر میں جرجیر کو پکڑنے کے لیے گئے۔ جرجیر انہیں آتا

Marfat.com

دیکھ کر میدان کارزار سے بھاگا۔ سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے اس کا تعاقب کیا اور اس کے قریب پہنچ کر اس کے سر پر اس زور سے نیزہ مارا کہ وہ زخمی ہو کر زمین پر گرنے لگا، لیکن ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے نہایت مستعدی کے ساتھ اس کو اپنی تلوار پر لے لیا اور ایک ہی وار میں اس کا سر کاٹ کر نیزے پر چڑھا لیا۔

جرجیر کا سر نیزے پر دیکھ کر اس کی فوج بھاگ کھڑی ہوئی۔ مسلمانوں نے تعاقب کر کے ہزاروں کو تہہ تیغ اور ہزاروں ہی کو گرفتار کیا۔ چنانچہ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے لکھا ہے:

فغنموا غنائم جمة واموالا كثيرا وسبيًا عظيما۔

''مسلمانوں کے ہاتھ بہت سا مال غنیمت آیا اور بہت سی غنیمتیں اور کافی قیدی ہاتھ لگے۔''

(البدایہ والنہایہ: ۱۵۲/۷)

افریقہ کی اس مشہور جنگ کو ''حرب العبادلہ'' بھی کہتے ہیں کیونکہ اس کے قلب پر سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ بن سعد بن ابی سرح، میمنہ پر سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، میسرہ پر سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اور مقدمہ پر سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ متعین تھے۔

جنگ کے اختتام پر سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو حسب اعلان ایک لاکھ دینار بطور اعلان دیئے گئے اور جرجیر کی بیٹی جو گرفتار ہو کر آئی تھی وہ بھی انھیں دی گئی۔

سبیطلہ کی فتح:

جرجیر نے اپنے پایۂ تخت سے باہر نکل کر مسلمانوں کا مقابلہ کیا تھا اور شکست فاش کھائی تھی۔ لہٰذا اس جنگ کی کامیابی کے بعد سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ بن سعد نے پیش قدمی کر کے جرجیر کے دارالسلطنت سبیطلہ کا محاصرہ کر لیا، لیکن چند روز کے محاصرہ کے بعد ہی اہل شہر نے ہتھیار ڈال دیئے۔ اس شہر کے قریب ہی قفصہ کے شہر پر قلعہ اجم واقع ہے، یہ شہر جنگی اہمیت کا حامل تھا، لہٰذا اس کو بھی فتح کیا گیا۔

مدینہ طیبہ میں افریقہ کی ان جنگوں کے بارے میں نہایت اضطراب پایا جاتا تھا کیونکہ مہاجرین وانصار اور اہل بیت نبوت کے جگر پارے اس جنگ میں شامل تھے اور کافی دنوں سے افریقہ کی ان جنگوں کی کوئی خبر نہ آئی تھی۔ چنانچہ اس فتح کی خوشخبری اور غازیان اسلام کے عزیز واقارب کو خطوط پہنچائے گئے۔ جب انھوں نے مال غنیمت کی لاکھوں دینار کی رقم سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش کی تو نہ صرف سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ بلکہ پورے مدینہ کے لوگ خوش اور محظوظ ہوئے۔

اندلس کی فتح:

اندلس جس کو ہسپانیہ بھی کہتے ہیں اور آج کل اس کو اسپین (Spain) کہا جاتا ہے، یہ بھی سیدنا

Marfat.com

عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں فتح ہوا۔ اسپین براعظم یورپ میں واقع ہے، گویا سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان ہی کے زمانے میں اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے صرف ۱۷ سال بعد مسلمان یورپ کے براعظم تک پہنچ گئے۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ گورنر مصر کو حکم دیا کہ عبداللہ بن نافع بن حصین الفہری رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن نافع بن عبدالقیس الفہری رضی اللہ عنہ کو فوری طور پر اندلس بھیجیں اور اسے جلد از جلد فتح کریں۔ وہ دونوں حضرات سمندر کے راستے اندلس پہنچے اور مجاہدین اسلام ان کے ساتھ اندلس گئے۔ اس فوج میں افریقہ کے نومسلم بربروں کی ایک اچھی خاصی تعداد تھی۔ چنانچہ مسلمان جب اندلس کے ساحل پر اترے تو اسلامی حکومت کی مزاحمت کی گئی لیکن عیسائی فوجیں اسلامی لشکر کے سامنے ٹک نہ سکیں اور جلد ہی اندلس کا ایک ساحلی علاقہ مسلمانوں کے قبضے میں آ گیا اور انھیں سرزمین اندلس میں قدم جمانے کا ایک ٹھکانہ مل گیا۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں اندلس کا ایک چھوٹا سا حصہ فتح ہوا۔ افریقہ اور اسپین کے درمیان چونکہ سمندر واقع تھا اور اس زمانے میں مسلمانوں کے پاس سمندر پار کے علاقوں کو فتح کرنے کے لیے کوئی بحری بیڑا نہیں تھا، لیکن ۹۲ ھ میں اموی خلیفہ امیر المومنین عبدالملک بن مروان کے عہد خلافت کے مشہور جرنیل طارق بن زیاد کی زیر قیادت اسپین کا سارا علاقہ اسلامی مملکت میں شامل ہو گیا بلکہ مسلمانوں کے گھوڑے سرزمین فرانس میں بھی ہنہنانے لگے۔

اسی سال یعنی ۲۷ ھ میں امیر المومنین سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے گورنر عثمان رضی اللہ عنہ بن ابی العاص کے ہاتھوں نہایت آسانی کے ساتھ اصطخر فتح ہوا اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں قنسرین اسلامی عمل داری میں داخل ہو گیا۔
(البدایہ والنہایہ: ۷/۱۵۶)

قبرص کی فتح:

قبرص ایک جزیرہ ہے جس کو سائپرس (Cyprus) کہتے ہیں۔ یہ بحیرۂ روم میں واقع ہے۔ مسلمانوں نے ابھی تک خشکی کے راستے سے فتوحات کی تھیں، سمندر کے راستے سے ایک ملک بھی فتح نہیں کیا تھا، لیکن بحری طاقت کی اس زمانے میں وہی اہمیت تھی جو بری طاقت کی تھی بلکہ بحری طاقت کئی لحاظ سے بری طاقت سے زیادہ بہتر تھی۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے بحری بیڑا تیار کرنے کے لیے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے کہا، لیکن سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی بات سے اتفاق نہ کرتے ہوئے بحری بیڑا بنانے کی اجازت نہ دی۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ شام جیسے ساحلی علاقے کے گورنر تھے۔ وہ دیکھتے تھے کہ ہرقل کا بحری بیڑا کبھی کبھار رہزنوں کی طرح مسلمانوں کے ساحلی علاقوں پر حملہ کرتا رہتا ہے، لیکن سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو بحری بیڑا کا جو نقشہ سیدنا عمرو رضی اللہ عنہ ابن العاص نے لکھ کر بھیجا تھا، اس کی روشنی میں وہ اس کو مسلمانوں کے لیے بہتر نہیں سمجھتے تھے۔ لہٰذا انھوں نے سیدنا

Marfat.com

معاویہ رضی اللہ عنہ کو لکھا:

''ایک مسلمان مجھے رومی مچھلی سے زیادہ عزیز اور محبوب ہے، لہٰذا آئندہ اس بات کا مجھ سے کبھی مطالبہ نہ کرنا۔ میں اس سے قبل بھی تمھیں کہہ چکا ہوں کہ اس بات کا ارادہ ترک کر دو اور میں کسی حالت میں بھی تمھیں اس متلاطم سمندر پر سوار ہونے کا حکم نہیں دے سکتا۔'' (طبری:۳/۳۱۶، ابن اثیر:۳/۴۸)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے پھر کبھی ان سے اس بارے میں بات نہ کی لیکن جب سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ مسند خلافت پر متمکن ہوئے تو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے دل کی یہ دبی ہوئی چنگاری ایک بار پھر شعلہ بار ہوئی اور آپ نے بیم ورجا کی حالت میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے جزیرہ قبرص پر حملہ آور ہونے کی اجازت طلب کی۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کی کچھ شرائط کے ساتھ اجازت مرحمت فرما دی۔

حملے کی اجازت بارگاہ خلافت سے ملنے کے ساتھ ہی آپ نے اپنی پوری توجہ بحری بیڑے کی تشکیل کی جانب مرکوز کی اور جلد ہی پانچ سو جہازوں پر مشتمل ایک اسلامی بحری بیڑا تشکیل دیا اور اس کے ذریعے قبرص کو فتح کیا۔

قبرص کی فتح ایک تو دینی لحاظ سے مسلمانوں کے لیے بڑی مفید ثابت ہوئی کہ اس کے تمام شرکاء کو دخول جنت کا پروانہ مل گیا اور دوسرے دنیوی لحاظ سے نہایت فائدہ مند ہوئی کیونکہ مسلمانوں کا بحری بیڑا اور بحریہ قائم ہوگئی جس کی وجہ سے بحر روم مسلمانوں کا بازی گاہ بن گیا اور ان کے لیے آئندہ بحری مہموں کا راستہ کھل گیا۔

(فتوح البلدان:۱۶۰)

اسی زمانے میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے شام میں بحر روم کے ساحل اور انطاکیہ سے لے کر طرطوس تک فوجی نوآبادیاں قائم کیں۔ (ابن اثیر:۳/۴۴)

اس بحری بیڑے سے ایک تو مسلمانوں کی دفاعی قوت میں بہت اضافہ ہوا اور مسلمان دور دراز علاقوں تک پھیل گئے اور بحر و بر میں اسلام کا پھریرا لہرانے لگا۔

فارس کی بغاوت:

ایران کے جنوب میں جو علاقہ واقع ہے اس کو اس زمانے میں فارس کہتے تھے۔ اس علاقے میں چار بڑے شہر شیراز، اصفہان، کرمان اور یزد تھے۔ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافتوں میں پورا ایران مسلمانوں کے گھوڑوں کے پاؤں کے نیچے پامال ہوگیا اور اس کی ہزار ہا سالہ ثقافت، تہذیب وتمدن اور ٹھاٹھ باٹھ تباہ و برباد ہوگیا اور درفش کاویانی کی جگہ سبز ہلالی پرچم نے لے لی۔

اہل فارس کو اس کا بہت دکھ تھا، چنانچہ انھوں نے بغاوت کر کے گورنر فارس سیدنا عبید اللہ رضی اللہ عنہ بن معمر کو شہید کر کے ان کے لشکر کو شکست دے دی۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو اس بات کی اطلاع ملی تو انھیں بہت دکھ ہوا۔ چنانچہ انھوں نے سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ بن عامر کو حکم دیا کہ فوراً بصرہ اور عمان کی افواج کے ساتھ فارس پر حملہ کرو اور باغیوں کو

Marfat.com

عبرت آموز سبق دو۔

سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ بن عامر نے تعمیل حکم کرتے ہوئے نہایت عجلت سے اہل فارس کو بغاوت کا مزہ چکھانے کے لیے ایک لشکر ترتیب دیا جس میں میسرہ پر سیدنا معقل رضی اللہ عنہ بن یسار، میمنہ پر سیدنا ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ، اور سواروں کے قائد سیدنا عمران رضی اللہ عنہ بن حصین جیسے صحابہ رسولؐ کو رکھا اور لشکر کے مقدمہ پر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ بن ابی العاص کو مقرر فرمایا۔ اہل فارس نے اصطخر کے قریب مسلمانوں کا مقابلہ کیا۔ گھمسان کا رن پڑا، دشمن کے ہزاروں آدمی کھیت رہے، اس طرح یہ بغاوت فرو ہوئی۔ (طبری:۳/۳۲۰، ابن اثیر:۳/۵۰)

اس بغاوت کو کچلنے کے بعد اسلامی لشکر نے جور (جسے بعض نے شیراز کہا) کا رخ کیا۔ شہر کا محاصرہ کیا گیا، لیکن بعد میں ایک خفیہ راستہ سے مسلمان شہر میں داخل ہو گئے اور شہر فتح ہو گیا۔

جیسا کہ گذشتہ صفحات میں عرض کیا گیا ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ان کے گورنروں اور جرنیلوں نے اسلامی مملکت کی پہنائیوں میں اس قدر اضافہ کیا کہ دنیا انگشت بدندان ہو گئی۔ خراسان، طبرستان، جرجان، طمیسہ، بیہق، نیشاپور، طخارستان، بلخ، کرمان، سجستان، کابل، زابلستان، آرمینیہ، جرزان، شمشاط وغیرہ کے علاقے ان بہادر جرنیلوں نے آسانی کے ساتھ فتح کر لیے۔

قیصر روم کے بحری بیڑے کو شکست:

قیصر روم کی حکومت سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں سمٹ سمٹا کر صرف چند شہروں تک محدود ہو کر رہ گئی تھی۔ لہٰذا اسے اپنی سلطنت کا سفینہ ہچکولے کھاتا ہوا نظر آ رہا تھا۔ اس لیے اس کی ہر ممکن کوشش تھی کہ اپنی پوری قوت کو میدان جنگ میں جھونک کر اچانک اسلامی افواج پر ہلہ بول دے اور ان کی حربی قوت کو ہمیشہ کے لیے مضمحل کر دے۔

اسکندریہ کے محاصرہ کے دوران ہرقل مر گیا اور اس کے بعد اس کا بیٹا قسطنطین تخت نشین ہوا۔ اس کی آتش انتقام ہرقل سے بھی زیادہ شدید تھی۔ اس نے ایک پلان بنایا جس کے تحت پانچ سو یا چھ سو جنگی جہازوں اور بے شمار فوج کے ساتھ مسلمانوں سے اپنے علاقے واپس لینے کا عزم کیا۔

قسطنطین کے اس پلان بلکہ اس یلغار کا جب سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو علم ہوا تو انھوں نے اس کے مقابلے کے لیے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو منتخب فرمایا کیونکہ وہ فنون حربیہ خصوصی طور پر بحری جنگ سے بخوبی آشنا اور ماہر تھے۔ چنانچہ انھوں نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ قسطنطین کو ایسی شکست فاش دی جائے کہ اسے پھر ساری زندگی مسلمانوں سے مقابلے کی ہمت نہ پڑے۔ اس کے ساتھ ہی گورنر مصر سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ بن سعد بن ابی سرح کو لکھا کہ بسرعت تمام اپنا سارا لشکر لے کر اسکندریہ پہنچیں۔ چنانچہ دونوں طرف کی بحریہ حرکت میں آ گئی۔

آفتاب افق مغرب میں رینگ رہا تھا اور سواد شام کائنات کو اپنی سیاہ زلفوں میں چھپانے کے لیے تیار کھڑی تھی جب یہ دونوں جنگی بحری بیڑے ایک دوسرے کے بالمقابل لنگر انداز ہوئے۔ سمندر کی کوہ آسا موجوں

Marfat.com

رات کی تاریکی اور ہر طرف پانی کی موجودگی نے ایک خوفناک منظر پیدا کر دیا۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے قسطنطین قیصر روم کو کہلا بھیجا کہ رات کی تاریکی میں جنگ کرنا مناسب نہیں، لہٰذا سپیدۂ صبح نمودار ہونے تک اس کو ملتوی کر دیا جائے۔ قیصر روم پہلے ہی یہ چاہتا تھا، لہٰذا اس نے اس تجویز سے مکمل اتفاق کیا۔

ان دونوں لشکروں نے اس حالت میں رات گزاری کہ مسلمان پوری رات تلاوت قرآن پاک کرتے رہے اور نماز و دعا میں مشغول رہے اور رومی ناقوس بجاتے اور صلیبوں کی پرستش کرتے رہے۔

نماز صبح کے بعد قیصر روم نے کہا کہ جنگ کا فیصلہ سمندر ہی میں ہونا چاہئے کہ کون جیتا ہے اور کون ہارا ہے۔ چنانچہ سمندر کے اندر ہی دونوں فوجوں کی لڑائی شروع ہوگئی۔ فریقین تلواروں اور خنجروں سے ایک دوسرے پر حملہ آور ہوئے۔ غرضیکہ گھمسان کا رن پڑا اور رومی کٹ کٹ کر سمندر میں گرنے لگے۔ مسلمانوں کے بھی بہت سے لوگ شہید ہوئے۔ جنگ میں شامل ایک سپاہی کا بیان ہے کہ میں نے ساحل سمندر کی طرف دیکھا کہ وہاں ایک پہاڑ کی طرح مفتوحوں کے سروں اور جسموں کا ایک ڈھیر لگا ہوا تھا، خونریزی کا یہ عالم تھا:

ان الدم غالب علی الماء۔

''خون پانی پر غالب آ گیا تھا۔''

آتش کدۂ جنگ صبح سے شام تک بھڑکتا رہا، لیکن اہل کفر کی ہمتیں جواب دے گئیں اور انھیں نہایت ذلت آمیز شکست ہوئی۔ رومی فوج کی بہت بڑی تعداد کام آئی، زخمیوں کا تو اندازہ ہی نہیں لگایا جا سکتا تھا۔ خود قسطنطین قیصر روم زخمی ہوا اور مدت مدید تک صاحب فراش رہا۔ بحری بیڑا راتوں رات سسلی (صقلیہ) کی طرف بھاگ گیا اور رومیوں کو پھر کبھی مقابلے کی ہمت نہ ہوئی۔

قیصر روم یوں تو پناہ لینے سسلی (صقلیہ) بھاگ گیا، لیکن جب انھیں پتہ چلا کہ یہ مسلمانوں سے شرمناک شکست کھا کر بھاگا ہے اور یہاں ان کی یورش سے بچنے کے لیے پناہ لی ہے تو وہ اس کے باج گزار ہونے کے باوجود اس سے بہت ناراض ہوئے، چنانچہ موقع پا کر انھوں نے اسے حمام میں قتل کر دیا۔

قیصر روم کی اس شکست سے مسلمانوں کے لیے بحر روم کا راستہ کھل گیا اور ان کی بحریہ بلا خوف و خطر کھلے سمندر میں پھرنے لگی۔ چنانچہ اب بحر و بر میں اسلام کی قوت کے چرچے ہونے لگے۔

(طبری: ۳/۳۴۰، ابن اثیر: ۳/۵۸)

کسریٰ فارس کی ہلاکت:

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ایک حدیث میں فرمایا تھا:

هلك كسرىٰ ولا كسرىٰ بعده وهلك قيصر ولا قيصر بعده۔

''کسریٰ ہلاک ہوگیا، اب اس کے بعد کوئی کسریٰ نہیں، قیصر ہلاک ہوگیا، اب اس کے بعد کوئی قیصر

Marfat.com

نہیں۔'' (البدایہ والنہایہ: ۷/۲۰۱)

قیصر تو ہلاک ہوگیا، اب کسریٰ کے ہلاک ہونے کی باری تھی اور ان دونوں کی ہلاکت اور جناب رسول اللہ ﷺ کی پیش گوئی کی صداقت سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان کے عہد خلافت میں ظاہر ہوئی۔

جیسا کہ بتایا گیا ہے کہ ایرانی سلطنت کو فتح کرنے کا عمل سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں شروع ہوا، چنانچہ جنگ قادسیہ میں سیدنا سعد رضی اللہ عنہ بن ابی وقاص نے جو شکست یزدگرد کے وزیر جنگ رستم کو دی اس سے ایرانی بادشاہ یزدگرد کی کمر ہمت بالکل ٹوٹ گئی، کیونکہ اس نے مسلمانوں سے فیصلہ کن جنگ کے لیے اپنی پوری حربی قوت میدان جنگ میں جھونک دی تھی۔ اس شکست کے بعد اس نے خود کو اپنے دارالسلطنت مدائن میں محصور کرلیا۔ اس نے ملک کے تمام گوشوں سے مختلف قسم کی افواج جارحانہ جنگ کے لیے نہیں بلکہ اپنی اور اپنے دارالسلطنت کے دفاع کے لیے اکٹھی کرلیں لیکن چشم فلک نے یہ نظارہ بھی دیکھا کہ اس کے سارے ملک کی فوجیں بھی اس کے پایۂ تخت کا دفاع نہ کرسکیں اور سیدنا سعد رضی اللہ عنہ بن ابی وقاص اس کے پایۂ تخت (مدائن) اور اس کے قصر ابیض (وائٹ ہاؤس) پر قابض ہوگئے جو اپنی خوبصورتی اور رعنائی کی وجہ سے عجائبات عالم میں شمار ہوتا تھا۔

مسلمانوں کے مدائن پر قابض ہونے سے پہلے ہی کسریٰ ایران یزدگرد قصر ابیض سے بھاگ گیا تھا، لیکن وہ اکیلا ہی نہیں بھاگا تھا بلکہ اس کے ساتھ اس کے امرائے سلطنت کی پوری کھیپ، اس کے اہل خاندان، اس کی کنیزیں اور حرم شاہی، اس کے شہزادے اور شہزادیاں، شاہی خزانہ اور ہلکا قیمتی سامان بھی تھا۔ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے اس کے تعاقب میں فوج کا ایک دستہ بھیجا لیکن وہ اس وقت تک حلوان پہنچ چکا تھا۔

ایرانی سلطنت کے باقی ماندہ شہر ایک ایک کر کے مسلمانوں کے ہاتھوں فتح ہوتے رہے اور ایرانی شہنشاہ ایک شہر سے دوسرے شہر بھاگ کر اپنی جان بچاتا رہا۔ کبھی رے تو کبھی اصفہان، کبھی کرمان تو کبھی خراسان۔ بھگوڑا کسریٰ جہاں کہیں بھی پناہ حاصل کرنے کے لیے جاتا، لڑائی کی خبریں اس کا تعاقب کرتیں۔ چنانچہ اپنے پورے ملک میں جس کے سیاہ وسفید کا کبھی وہ مالک تھا، اسے کوئی ایسی جگہ نظر نہ آتی جہاں وہ سر چھپا سکے۔ زمین اپنی پوری وسعتوں کے باوجود اس کے لیے تنگ ہوگئی۔

امیر المومنین سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں خراسان اور دوسرے کئی ایک شہروں میں جو بغاوتیں ہوئیں، اس میں بھی یزدگرد کسریٰ ایران کا ہاتھ تھا، لہٰذا مسلمان بھی ہر شہر میں اس کا تعاقب کرتے۔ اس شہر کو فتح کرتے۔ اس وجہ سے بھی کسی شہر کا گورنر اور کسی ملک کا بادشاہ اس کو اپنے ہاں پناہ نہ دیتا۔

علامہ ابن اثیر رحمہ اللہ اور دوسرے کئی ایک مورخین نے لکھا ہے کہ کسریٰ ایران ایک شہر سے دوسرے شہر بھاگتے بھاگتے تھک گیا۔ سب سے آخر میں وہ مرو اس حالت میں پہنچا کہ اس کے سارے خزانے اور اس کی ساری دولت اس سے چھین لی گئی تھی۔ مدائن سے فرار کے بعد دراصل ساسانی خاندان کا سورج غروب ہوگیا تھا لیکن اس کے باوجود کسریٰ ایران برسوں تک اپنے آباء واجداد کے اس ملک پر دوبارہ قبضہ کرنے کے خیالی نقشے

Marfat.com

بنا تا رہا اور سمجھتا رہا کہ ایک نہ ایک روز ایران میں مسلمانوں کے خلاف ضرور بغاوت ہوگی۔ چنانچہ ان خیالی نقشوں میں حقیقت کا رنگ بھرنے کے لیے وہ مختلف شہروں کے لوگوں سے خط و کتابت بھی کرتا رہا جن کے خلوص اور وفاداری پر اسے پورا پورا اعتماد تھا لیکن اس کے خیالی نقشوں میں رنگ نہ بھرا جا سکا۔

اپنی زندگی کے آخری دنوں میں یزدگرد مرو میں تھا۔ وہاں کا فرمانروا اس وقت ماہویہ تھا جو کسی زمانے میں اس کا باج گزار تھا۔ اس نے اس کی بڑی عزت و تکریم کی۔ جب سرزمین ترکی کے نزدیک طرخان کو اس کی آمد کا علم ہوا تو وہ بھی اس کے پاس آیا اور ایک ماہ تک اس کی بڑی خاطر و مدارات کی۔ بعد میں یزدگرد کو ایک خط لکھا جس میں اس کی بیٹی سے اپنے نکاح کا پیام دیا۔ یزدگرد کو یہ بات نہایت ناگوار گزری کہ ساسانی خاندان کی بیٹی سے ایک ترک شادی کرے۔ چنانچہ اس خط کے جواب میں یزدگرد نے اسے لکھا کہ ''تم ہمارے غلاموں میں سے ایک غلام ہو، لہٰذا تمھیں کیسے جرأت اور ہمت ہوئی کہ مجھے میری بیٹی کے لیے نکاح کا پیام دو'' اور ماہویہ کو حکم دیا کہ اس سے اموال کا محاسبہ کرے۔

نیزک طرخان بھی ایک ترک تھا۔ اس کو جب یزدگرد کا یہ خط ملا تو اس نے اسے اپنی توہین سمجھا اور غصے سے لال پیلا ہو گیا۔ اس نے پختہ ارادہ کر لیا کہ یزدگرد کو اس توہین آمیز خط کا مزہ چکھائے گا۔ چنانچہ اس نے ترک فوج تیار کی اور یزدگرد اور اس کے ساتھیوں پر اچانک حملہ کر دیا۔ اس حملے میں یزدگرد خود تو بچ گیا لیکن اس کے تمام ساتھی اور اہل و عیال مارے گئے یا آوارہ دشت ادبار ہو گئے اور وہ یکا و تنہا رہ گیا۔ وہ نہایت خستہ حالت میں اپنی جان بچانے کے لیے پیادہ پا دریائے مرغاب کی طرف بھاگا۔ بھاگتے بھاگتے شام ہو گئی۔ رات کی اس تاریکی میں وہ ایک آسیابان (چکی والے) کے ہاں پناہ گزیں ہو گیا اور اس کے گھر میں کچھ کھائے پیئے بغیر تین دن تک ٹھہرا رہا۔ آخر ایک روز چکی والے نے اس سے کہا:

اخرج ایها الشقی فکل طعاما فقد جعت۔

''ارے بدبخت! باہر نکل کچھ کھا تو لے تم (تین روز) سے بھوکے ہو۔'' (ابن اثیر: ۳/۶۰، طبری: ۳/۳۴۶)

اس سلسلے میں طبری وغیرہ نے کئی روایات نقل کی ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ جب یزدگرد رات کو سو گیا تو چکی والے نے اسے قتل کر کے سارا سامان لے لیا۔ دوسری روایت میں ہے کہ رات سوتے میں ایک پتھر اٹھا کر اس کے سر پر مارا اور بعد میں اس کا سر کاٹ کر سپاہیوں کے حوالے کر دیا اور جسم نہر میں پھینک دیا۔

(طبری: ۳/۳۴۲، البدایہ والنہایہ: ۷/۱۵۸)

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ خراسان کے بعد جو سپاہی اس کا تعاقب کر رہے تھے، انھوں نے اسے قتل کر دیا۔ ابن خلدون، بلاذری اور دوسرے مورخین نے یہ روایت بھی نقل کی ہے کہ اہل مرو جو کہ یزدگرد کے حامی تھے ان کو یزدگرد کی ہلاکت کا پتہ چل گیا لیکن وہ اس کی لاش کی تلاش کرتے ہوئے آسیابان (چکی والے) کے مکان پر آئے اور اس سے یزدگرد کا پتہ پوچھنے لگے، لیکن اس نے انھیں کوئی تسلی بخش جواب نہ دیا۔ آخر انھوں نے جب اسے گرفتار کر کے تشدد کیا تو اس نے یزدگرد کے قتل کا سارا واقعہ سنا دیا اور وہ سامان، تاج اور کپڑے دکھائے جو اس نے یزدگرد، کسریٰ

Marfat.com

ایران کو قتل کرنے کے بعد اپنے قبضے میں لیے تھے۔ سپاہیوں نے آسیابان اور اس کے گھر والوں کو فنا کے گھاٹ اتار دیا اور اس کی لاش اور سامان لے کر اصطخر آئے اور اسے تاوس (دخنہ) کے مقام پر دفن کر دیا۔

(طبری:۳/۳۴۸، ابن اثیر:۳/۶۱)

طبری کی ایک اور روایت میں ہے کہ یزدگرد چودہ میل کا سفر پیدل طے کر کے ایک چکی والے کے گھر میں داخل ہوا۔ درماندگی، بھوک اور پیاس کی شدت نے اس کے تمام جسمانی قویٰ کو مضمحل کر دیا ہوا تھا۔ اس کی ظاہری ہیئت اور شکل وصورت دیکھ کر چکی والا سمجھا کہ کوئی کھاتا پیتا شخص ہے، لیکن مصائب کے تھپیڑوں نے اسے خستہ حال بنا دیا ہے۔ اس نے اس کی بڑی عزت وتکریم کی۔ فرش بچھایا، کھانا حاضر کیا۔ یزدگرد ایک رات وہاں ٹھہرا۔ جب جانے لگا تو اپنا زریں کمر بند جس میں قیمتی جواہرات لگے ہوئے تھے، حق خدمت کے طور پر آسیابان کو دیا۔ اس نے وہ کمر بند لینے سے انکار کر دیا اور کہا کہ مجھے حق خدمت کے طور پر صرف چار درہم دے دیں، وہی میرے لیے کافی ہیں، لیکن یزدگرد جس کے پاس کسی زمانے میں کھربوں دینار تھے، کہنے لگا کہ ''اس کے پاس کوئی نقدی نہیں۔''

بعض روایات میں ہے کہ جب اس چکی والے نے اپنے حق خدمت کا معاوضہ صرف چار درہم مانگا تو یزدگرد نے کہا کہ مجھے نجومیوں نے بتایا تھا کہ میں کبھی چار درہم کا محتاج ہوں گا اور میں اضطرار کی اس حالت کو پہنچ جاؤں گا کہ میری خوراک بلی کی خوراک ہوگی۔ لہٰذا میں نے اپنی اس حالت کو دیکھ لیا ہے کہ آج میرے پاس تمھیں دینے کے لیے چار درہم بھی نہیں ہیں۔ (طبری:۳/۳۴۶، ابن اثیر:۳/۶۱)

کسریٰ ایران یزدگرد کی موت سے جہاں رسول اللہ ﷺ کی پیش گوئی کی صداقت ثابت ہوتی ہے وہاں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی عظمت وجلالت کا بھی پتہ چلتا ہے کہ آپ کے مبارک عہد خلافت میں اسلام کا وہ دشمن جس نے اپنی ساری توانائیاں اسلام کی مخالفت میں صرف کر دی تھیں، ایسی ذلت کی موت مرا کہ قیامت تک کے لوگ اس سے سبق حاصل کر سکتے ہیں۔ وہ جس کے دارالسلطنت کی فتح پر دوسرے قیمتی سامان کے علاوہ اربوں درہم ملے تھے، اس مفلسی اور قلاشی میں مرا کہ اس کے پاس چار درہم بھی نہ تھے۔

﴿قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ﴾ (آل عمران۳:۲۶)

''آپ کہہ دیجیے اے اللہ! اے تمام جہان کے مالک! تو جسے چاہے بادشاہی دے اور جس سے چاہے سلطنت چھین لے اور تو جسے چاہے عزت دے اور جسے چاہے ذلت دے۔''

(طبری:۵/۲۹۵، خلافۃ عثمان رضی اللہ عنہ للسلمی: ص ۵۷، الاکتفاء، کلاعی:۴/۴۱۷)

فتنے کی لہریں:

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے قریباً ۱۲ سال خلافت راشدہ کو اسی کامیابی سے چلایا جس کامیابی سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ

Marfat.com

نے چلایا تھا۔ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ ابن ابی وقاص، سیدنا عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص، سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ، سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ بن سعد بن ابی سرح، سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ بن عامر اور دیگر اکابر صحابہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ، سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ، سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ، سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ بن عوف، سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ، سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے باہمی تعاون (Mutual Co-operation) سے زندگی کے ہر شعبہ میں ترقی ہوئی۔ سلطنت کی پنہائیوں میں معتد بہ اضافہ ہوا۔ بحریہ کے وجود میں آنے سے سمندر پار کے علاقے بھی مسلمانوں کی دسترس میں آ گئے اور افریقہ، یورپ اور برصغیر پاک و ہند کی سرحدوں پر مسلمانوں کے گھوڑے ہنہنانے لگے۔ فتوحات کی وسعت، مال غنیمت کی فراوانی، وظائف کی زیادتی، تجارت اور زراعت کی ترقی اور حکومت کے عمدہ نظم ونسق نے ملک میں فارغ البالی، تمول اور عیش وتنعم کو عام کر دیا۔ یہاں تک کہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم ایام رسالت ؐ کی سادگی کو یاد کر کے اور اس زمانے کے سامان تعیش وثروت اور تمول کو دیکھ کر حد درجہ غمگین ہوتے تھے، جیسے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ وغیرہ۔ انھوں نے زمانے کے انقلاب کا بالکل ساتھ نہیں دیا تھا اور ان کی جیسی حالت عہد رسالت ؐ میں تھی ویسی ہی آخر عمر تک رہی۔ چنانچہ سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ہر شخص کچھ نہ کچھ بدل گیا، لیکن عمر رضی اللہ عنہ اور ان کے صاحب زادے عبداللہ رضی اللہ عنہ بالکل نہیں بدلے۔'' (مستدرک حاکم: ۵۶۱/۳)

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ''ہم میں سوائے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے کوئی شخص ایسا نہ تھا جس کو زمانے کی دل فریبیوں نے اپنی طرف مائل نہ کیا ہو لیکن اس کا دامن کبھی دنیا سے آلودہ نہ ہوا۔ (تہذیب التہذیب: ۳۳۸/۵)

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے آخری چھ سال میں ایک خاص گروہ نے آپ کے خلاف شورش برپا کی۔ اس شورش میں سادہ دل اور مخلص لوگ بھی ملوث ہو گئے، لیکن ایک خاص فتنہ پرداز گروہ بھی اس میں جان بوجھ کر شامل تھا اور ان کا مقصد امیر المومنین رضی اللہ عنہ کے خلاف نہیں بلکہ اسلام کے خلاف فتنہ پیدا کرنا تھا، جس کی تفصیل آگے آ رہی ہے۔

فتنے کے اسباب:

ہمارے اردو کے مورخین نے فتنہ کے بہت سے اسباب لکھے ہیں، لیکن ہمارے نزدیک وہ بالکل سطحی قسم کے اسباب ہیں۔ اس فتنہ کا اصل سبب صرف اور صرف ایک ہے اور وہ ہے، ''مجوسی اور یہودی عناصر کا گٹھ جوڑ۔'' مدینہ کے یہودی اپنی فتنہ پردازیوں اور آئے روز کی سازشوں کی وجہ سے مدینہ طیبہ سے جلا وطن کر دیئے گئے۔ مدینہ سے جلا وطن ہونے کے بعد یہ لوگ خیبر میں آباد ہو گئے لیکن فتنہ وفساد ان کی گھٹی میں پڑا ہوا تھا، اس وجہ سے انھوں نے وہاں بھی اسلام کے خلاف خفیہ سازشوں کا جال پھیلانا شروع کر دیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب یہودیوں کی ان کارروائیوں کا علم ہوا تو آپ ؐ نے محرم ۷ھ میں چودہ سو پیادوں اور دو سو سواروں کے ساتھ خیبر پر حملہ کیا اور

Marfat.com

چندروز میں ناعم، فسطاط، قموص اور حصن قلہ وغیرہ تمام یہودی قلعوں کو فتح کرلیا۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو فتح الباری: ۷/۳۷۳، ۳۷۶، ابن اثیر: ۲/۸۳، البدایہ والنہایہ: ۴/۱۹۸، عون المعبود: ۳/۱۲۰، عیون الاثر لابن سید الناس: ۲/۱۳۴۔۱۳۵، ابن ہشام: ۲/۱۸۵، ۱۸۷، زرقانی: ۲/۲۱۷ وغیرہ)

اس غزوہ میں کچھ یہودی قتل ہوئے اور کچھ وطن چھوڑ کر ایران، شام اور دوسرے علاقوں میں بھاگ گئے۔ یہود کی اسی باطل پرستی کا نتیجہ تھا کہ قرآن حکیم نے ان پر ذلت ومسکنت کے عذاب کا اعلان کیا اور ان کی ان برائیوں کو سیدنا عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ بن رواحہ نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے:

یامعشر الیھود! انتم ابغض الخلق الی، قتلتم الانبیاء اللہ و کذبتم علی اللہ۔

''اے یہودیو! تمام مخلوق میں تم مجھے سب سے زیادہ مبغوض ہو۔ تم ہی نے اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں کو قتل کیا اور تم ہی نے اللہ رب العزت پر جھوٹ باندھا۔'' (معانی الآثار: ۱/۳۱۷)

یہود کی اسی اسلام دشمنی اور اہل اسلام کے خلاف خفیہ سازشوں کا نتیجہ تھا کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دنیا سے انتقال فرماتے وقت اپنی امت کو جہاں اور وصیتیں کیں وہاں ایک وصیت یہ بھی فرمائی:

اخرجوا الیھود من جزیرہ العرب۔

''یہودیوں کو جزیرۂ عرب سے باہر نکال دینا۔'' (بخاری: ۱/۴۴۹)

یہ وصیت ہر اس شخص کے لیے تھی جو آپ کے بعد بار خلافت کو اٹھائے۔ چنانچہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی توجہ اندرونی اور بیرونی فتنوں کی سرکوبی اور ملکی نظم ونسق کی طرف منعطف رہی۔ لہٰذا انھیں اپنی خلافت کے قلیل عرصے میں اس وصیت کو عملی جامہ پہنانے کی فرصت ہی نہ ملی اور آپ کے بعد سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس وصیت کو عملی جامہ پہنایا اور تمام یہودیوں کو جزیرۂ عرب سے نکال باہر کیا۔

جزیرۂ عرب سے نکالے ہوئے یہ یہودی خلافت اسلامیہ اور اس کے باہر مختلف علاقوں میں پھیل گئے، لیکن اسلام اور خلیفۂ اسلام کے خلاف اپنی جلاوطنی کا یہ انتقامی جذبہ ان کے دلوں میں سلگنے لگا جس کی تسکین کے لیے انھوں نے خلیفہ ثانی سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے خلاف خفیہ سازشیں کرنی شروع کردیں۔ گویا خلافت اسلامیہ کے خلاف سب سے پہلا مخالف عنصر یہودی تھے جن کو سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے جلاوطن کیا تھا۔ عبداللہ بن سباء (مسلم نما یہودی) اپنے خاندان اور اپنی قوم کا انتقام لینے کے لیے اس تحریک کی قیادت کررہا تھا۔

ایک طرف یہودی اپنی جلاوطنی کا انتقام لینا چاہتے تھے، دوسری طرف ایرانی قادسیہ اور مدائن کی شکستوں کا بدلہ لینا چاہتے تھے۔ ۱۴ھ میں جب سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے سلطنت ایران کو زیر کرنے کا منصوبہ بنایا تو سلطنت ایران کے اعیان واکابر نے خاندان ساسانی کے آخری وارث یزدگرد جس کی عمر ۲۱ سال تھی، کی قیادت میں متحد ومتفق ہوکر خلافت اسلامیہ کے مقابلے کا منصوبہ بنایا لیکن قادسیہ اور مدائن کی فیصلہ کن جنگوں نے خاندان کسریٰ کی قسمت کا آخری فیصلہ کردیا اور درفش کاویانی ہمیشہ کے لیے سرنگوں ہوگیا اور پرچم اسلام نہایت شان و

Marfat.com

شوکت کے ساتھ کسریٰ کے قصر ابیض (White House) پر لہرانے لگا۔ عربوں کے ایران و عجم پر تفوق کو ایرانی کسی صورت بھی برداشت کرنے کا حوصلہ نہیں رکھتے تھے، انھیں نہایت دکھ تھا کہ عالمی قیادت اور سیادت عربوں کے ہاتھوں میں آ گئی۔ چنانچہ انھوں نے عربوں میں انتشار اور تشتت کے بیج بونے شروع کر دیئے تا کہ ان کی اتحادی قوت پارہ پارہ ہو کر ختم ہو جائے۔

ایرانیوں کا یہ بہت پرانا اصول چلا آ رہا ہے کہ جب کسی بھی غیر ملکی شخصیت نے ایران کی سرزمین پر قبضہ کیا تو انھوں نے اس حکمران کو غاصب، جابر، ظالم اور مردود وغیرہ کے القابات دینے شروع کر دیئے اور اس کی اصلی شخصیت کو داغدار اور مجروح کر کے بلکہ مسخ کر کے دنیا کے سامنے پیش کیا۔ چنانچہ اسکندر اعظم نے جب ہنامنشی خاندان کا خاتمہ کر کے ایران پر ایک غیر ملکی حکومت قائم کی تو ایرانیوں نے اسے ''مردود اسکندر رومی'' کہنا شروع کر دیا۔ اس پر طرح طرح کے الزامات لگائے اور اس پر یہ الزام بھی لگایا گیا کہ اسکندر ملعون نے اہل ایران کے روحانی سرمایہ ''زرتشت نامہ'' کو جو بارہ ہزار بیلوں کی دباغت شدہ کھالوں پر آب زر سے لکھا ہوا تھا، جلا کر خاکستر کر دیا..... پھر اس کو جہنمی اور ناری قرار دیا گیا۔

اسی طرح سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے جب ایران کو فتح کیا اور یزدگرد کی حکومت کو ختم کر کے اسلامی حکومت قائم کی تو انھیں بھی اسی طرح مطعون کیا گیا جس طرح اسکندر رومی اور دوسرے غیر ملکی فرمانرواؤں کو کیا جاتا تھا اور بتایا گیا کہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے حکومت بھی غصب کی اور کتاب الٰہی میں بھی تحریف کی۔ گویا کہ ایک قوم پرست ایرانی اس بات کو کسی صورت بھی برداشت نہیں کر سکتا کہ ایران پر غیر ایرانیوں کو اقتدار نصیب ہو اور انھیں ایران پر کوئی سیاسی تفوق حاصل ہو۔

جلاوطن یہودی قوم پہلے ہی سے ایسے لوگوں کی تلاش میں تھی جو یہودیوں سے زیادہ نہیں تو ان جتنا بغض وکینہ مسلمانوں کے بارے میں اپنے دلوں میں رکھتے ہوں۔ چنانچہ انھوں نے ایرانیوں کی اس نفسیاتی کمزوری سے پوری طرح فائدہ اٹھایا۔ ایرانی جو پہلے ہی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے غارت گر عجم ہونے کی وجہ سے ان سے نالاں تھے، لہٰذا وہ فوری طور پر یہودیوں کے ہم نوا بن گئے اور شاہان عجم کو جبر وغصب کا مظلوم قرار دینے کے بجائے بنو ہاشم کو قرار دیا جانے لگا تا کہ اس سے ایک تو خود عربوں میں باہم تفریق پیدا ہو جائے اور دوسرے اس طریقہ سے بنو ہاشم اور دوسرے مسلمانوں کی ہمدردیاں حاصل کی جا سکیں۔ چنانچہ مشہور مستشرق ڈاکٹر براؤن نے لکھا ہے:

''خلفائے راشدین میں سے دوسرے خلیفہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے جو اہل عجم متنفر ہیں تو اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ غارت گر عجم تھے۔ اگرچہ اس نفرت کو مذہبی رنگ دے دیا گیا، لیکن اصل حقیقت اندر سے صاف نظر آتی ہے۔'' (تاریخ ادبیات ایران: ۱/ ۲۱۷)

اسی ڈاکٹر براؤن نے ایک اور مقام پر اس بارے میں لکھا ہے:

''معلوم ہوتا ہے کہ ایرانیوں کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے جو عداوت ہے، اس کا سبب یہ نہیں کہ انھوں نے

Marfat.com

حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے حقوق کو غصب کیا تھا، بلکہ یہ ہے کہ انھوں نے ایران کو فتح کر کے ساسانی خاندان کا خاتمہ کیا۔'' (تاریخ ادبیات ایران:۴/۴۷۔۴۸)

اس سلسلے میں ڈاکٹر براؤن نے ایرانی شاعر رضائے کرد کے یہ دو شعر بھی نقل کیے ہیں:

بشکست عمر پشت ہژبران اجم را
برباد فنا داد رگ و ریشہ جم را
ابن عربدہ بر غصب خلافت زعلی نیست
با آل عمر کینہ قدیم است عجم را

''سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے جنگل کے شیروں یعنی اہل ایران کی پشت توڑ کر رکھ دی اور جمشید کے خاندان کو بیخ و بن سے اکھاڑ کر رکھ دیا۔ یہ سارا جھگڑا اس وجہ سے نہیں کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کو غصب کر لیا تھا بلکہ اس وجہ سے ہے کہ اہل ایران کو آل عمر رضی اللہ عنہ سے پرانا کینہ اور دشمنی ہے۔''

(تاریخ ادبیات ایران:۴/۴۹)

بنو ہاشم کی ہمدردیاں حاصل کرنے کے لیے اہل ایران نے ایک حربہ یہ استعمال کیا کہ ساسانیوں کے طرز حکومت کی طرح اسلام میں ''بادشاہوں کا الٰہی حق'' (Divine Right of Kings) کا پروپیگنڈہ شروع کر دیا۔ یہ عقیدہ ایران میں نسلاً بعد نسلٍ چلا آ رہا تھا۔ چنانچہ براؤن نے لکھا ہے:

''ساسانیوں کے عہد میں ''بادشاہوں کے آسمانی حق'' کا عقیدہ جس تعمیم اور شدومد کے ساتھ ایران میں پالا گیا، غالباً اس کی مثال کسی دوسرے ملک میں نہیں ملتی۔'' (تاریخ ادبیات ایران:۱/۲۱۵)

اس عقیدے کے پرچار اور خاندان رسالتؐ کے ساتھ ان کی خصوصیت کی ایک وجہ یہ بھی ہوئی کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں اسلام اپنی پوری قوت اعجاز کے ساتھ ایران پر غالب آیا اور ایرانی بادشاہ یزدگرد اپنی تمام حشمت و جاہ کے باوجود اہل اسلام سے شکست کھا گیا، اس کا سارا مال و متاع دربار فاروقی میں مال غنیمت کے طور پر پیش ہوا اور اس کی لڑکیاں لونڈیاں بن کر بارگاہ خلافت میں آئیں اور مسلمانوں میں تقسیم ہوئیں۔ چنانچہ سیدنا حسین بن علی رضی اللہ عنہ کی زوجہ شہر بانو اسی یزدگرد کی بیٹی تھی۔

(ملاحظہ ہو اصول کافی مع شرح الصافی:۳/۲،۲۰۴، تاریخ ادبیات ایران:۱/۲۱۸،۴/۲۹)

لہٰذا اہل ایران نے بنو ہاشم کو اور خصوصی طور پر اولاد علی رضی اللہ عنہ کو تخت و تاج حاصل کرنے کا یہ حق دیا کیونکہ ان کا رشتہ پیغمبر عربی صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی ملتا تھا اور آل ساسانی سے بھی۔ چنانچہ براؤن لکھتا ہے:

''حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی نسبت چونکہ ان کا اعتقاد تھا کہ انھوں نے ساسانیوں کے آخری تاجدار یزدگرد سوم کی بیٹی شہر بانو سے عقد کیا تھا، اس لیے شیعوں کے دونوں فریق اثنا عشریہ اور اسماعیلیہ کے نزدیک وہ (ان کے اپنے اپنے ائمہ) نہ صرف پیغمبری بلکہ شاہی حقوق و صفات کے وارث بھی ہیں۔ پیغمبر

Marfat.com

عربی ﷺ سے بھی ان اماموں کا خون ملتا ہے اور آل ساسان سے بھی رشتہ ہوتا ہے۔اس تعلق سے ایک سیاسی عقیدہ پیدا ہوگیا۔'' (تاریخ ادبیات ایران:۱/ ۲۱۸)

ایک ایرانی مورخ حسین کاظم زادہ شہر بانو کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے:

''اسی سبب سے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا خاندان ایرانیوں کی نگاہ میں اصل نسل کے اعتبار سے ساسانی نسب رکھتا ہے اور رسول خدا ﷺ سے رشتہ کی بناء پر شرافت اور امتیاز سے بھی مخصوص تھا۔صرف اسی سبب سے یہ خاندان جائز طور پر کیانی تخت وتاج کا مالک ہوسکتا ہے۔نیز اسی وجہ سے امام حسین رضی اللہ عنہ کے فرزند زین العابدین کو جو شہر بانو کے بطن سے تھے، عرب وعجم کا فخر کہتے ہیں، کیونکہ باپ کی جانب سے ان کا نسب پیغمبر اکرم ﷺ سے ملتا ہے جو کہ عربوں میں بزرگ ترین شخصیت تھے اور ماں کی طرف سے روئے زمین کے نجیب ترین بادشاہوں پر منتہی ہوتا ہے۔'' (تجلیات روح ایران در ادوار تاریخی:۹۶)

بادشاہت کا الٰہی حق، جس طرح ساسانی بادشاہوں کو دیا گیا، اس کو اسلامی عقیدہ کے حق میں پیش کر کے سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور ان کی اولاد کو دیا جانے لگا اور خلافت کے ''منصوص من اللہ'' ہونے کا عقیدہ اسلام میں وضع کیا گیا لیکن یہ عقیدہ اسلام کے بھی خلاف تھا اور عربوں کے مزاج کے بھی۔لہٰذا عربوں میں اس عقیدے کو کوئی خاص پذیرائی حاصل نہ ہوئی لیکن ایرانیوں نے اسے اپنے مزاج کے عین مطابق سمجھتے ہوئے نہ صرف اسے اپنایا بلکہ اس کی تشہیر بھی کی۔چنانچہ ڈاکٹر براؤن نے لکھا ہے:

''شیعہ اور سنی کا جھگڑا صرف ناموں اور شخصیتوں کا جھگڑا نہیں بلکہ دو متضاد اصولوں یعنی ''جمہوریت'' اور ''بادشاہوں کے الٰہی حق'' کا جھگڑا ہے۔عرب زیادہ تر جمہوریت پسند تھے اور ہمیشہ رہے ہیں، لیکن ایرانی ہمیشہ بادشاہوں کو الٰہی یا نیم الٰہی ہستیاں سمجھتے رہے ہیں، جو طبائع اس بات کو گوارا نہیں کرسکتیں کہ انسانوں کا منتخب کردہ کوئی شخص ان کی ریاست کا حاکم ہو، وہ امام یعنی خلیفۃ الرسولؐ کے انتخاب عمومی کو کیونکر تسلیم کرسکتی ہیں۔یہی وجہ ہے کہ ایران ہمیشہ اسماعیلیہ اور امامیہ فرقوں کا مرکز بنا رہا۔'' (تاریخ ادبیات ایران:۴/ ۲۹۔۳۰)

نتیجہ یہ ہوا کہ عربوں میں قرآن وسنت کی رو سے جہاں یہ نظریہ تھا کہ اسلام کا خلافتی نظام شورائی بنیادوں پر قائم ہے، وہاں اب خفیہ تحریکوں کے ذریعے اس نظریہ کا پرچار ہونے لگا کہ:

''آنحضرت ﷺ کے وصال کے بعد ان کے برادر عم زاد اور ان کی صاحب زادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے شوہر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ان کا جانشین ہونا چاہیے تھا اور آنحضرت ﷺ نے خود بھی انھیں نامزد فرمایا تھا۔نیز یہ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بعد خلافت ان کے خاندان میں بطور حق الٰہی منتقل ہونا چاہیے تھی۔''

(تاریخ ادبیات ایران:۴/ ۲۸)

مختصر یہ کہ اس سیاسی پرخاش اور عربوں کے اس سیاسی تفوق کی وجہ سے اہل ایران نے سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے خلاف عبداللہ بن سباء اور دیگر مسلم نما یہودیوں کے ساتھ سازشوں کے زمین دوز بم (Mines)

Marfat.com

بچھانے شروع کر دیئے جو صولت فاروقی کی وجہ سے خلافت میں تو نہ پھٹ سکے، لیکن خلافت عثمانی کے آخری سالوں میں انھوں نے ایک دفعہ تو پوری ملت اسلامیہ اور مملکت اسلامیہ کی بنیادوں کو ہلا کر رکھ دیا۔

یہ درست ہے کہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں اس فتنہ کو زیادہ برگ و بار نکالنے کا موقع نہ مل سکا کیونکہ آپ کی صولت، غیرت وحمیت اور فتنہ وفساد کے بارے میں بہترین نظم ونسق کی پالیسی نے اس فتنے کے آتشیں لاوے کو باہر نہ نکلنے دیا، لیکن پھر بھی آپ کی زندگی کے آخری ایام میں اس فتنے کی کچھ تند و تیز ہواؤں نے ملت اسلامیہ کو اپنی موجودگی کا احساس دلا دیا اور انہی خفیہ سازشوں کا ایک نتیجہ تھا کہ ابولؤلو مجوسی ایرانی نے جس کا اصلی نام فیروز تھا، اور جو نہاوند کی جنگ میں قیدی ہو کر آیا تھا، سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ پر نماز فجر میں اچانک حملہ کر کے شہید کر دیا۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے قتل میں ابولؤلوا کیلا ہی شریک نہیں تھا بلکہ اس میں ہرمزان، جفینہ اور کئی دیگر لوگ بھی شریک تھے، لیکن ہرمزان اور جفینہ کے قتل اور ابولؤلو کی خودکشی نے اس سازش کو طشت از بام نہ ہونے دیا۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ جب خلیفہ ہوئے تو ان سازشی عناصر نے ملک کے مختلف گوشوں میں خفیہ طور پر پراپیگنڈے کے مراکز قائم کر کے سلطنت اسلامیہ میں تشتت وافتراق کے ڈائنامیٹ (Dynamate) لگانے شروع کر دیئے۔ مسلمانوں کی توجہ فتح وتسخیر کے ان منصوبوں کی جانب مرکوز تھی جن کو فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نامکمل چھوڑ گئے تھے، اس لیے وہ ان سازشی عناصر کی طرف خاص توجہ نہ دے سکے۔

دوسری طرف سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ فطری طور پر نہایت نرم دل اور حلیم الطبع تھے۔ مروت اور نرم خوئی آپ کی فطرت ثانیہ تھی۔ اس لیے ان کے دور خلافت میں شریروں کے حوصلے بڑھ گئے اور انھیں اپنی تحریک کو تیزی کے ساتھ چلانے اور پھیلانے کے لیے سازگار فضا مل گئی۔

عبداللہ بن سباء.....قائد تحریک:

اس تحریک جو ایرانیوں اور یہودیوں کے متحدہ محاذ نے چلائی تھی، کا قائد عبداللہ بن سباء تھا جو دراصل ایک یہودی تھا، لیکن اہل اسلام کو دھوکہ دینے کے لیے اس نے اسلام کا لبادہ اوڑھ رکھا تھا۔ عہد عثمانی میں اس نے مختلف شہروں میں دورے کرنے شروع کر دیئے اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف پراپیگنڈا مشینری کو تیزی کے ساتھ چلانے کے منصوبے تیار کرنے شروع کر دیئے۔ یہ شخص بڑا فتان اور سازشی ذہن کا مالک تھا، لہٰذا اس نے اپنی حیرت انگیز سازشانہ قوت سے مختلف الخیال مفسدوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کر دیا اور ان میں ایک جماعتی نظم و نسق پیدا کر کے نہایت ضبط اور ترتیب کے ساتھ اس تحریک کو چلانے کی شاندار پلاننگ (Planning) کی۔

خلافت عثمانی میں صرف چھ سال تک حالات معمول پر رہے لیکن آپ کی خلافت کے آخری سالوں میں عبداللہ بن سبا اور اس کے داعیوں نے مملکت اسلامیہ میں دورے کر کے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور ان کے گورنروں کے خلاف زہر اگلا اور امن وعافیت کی فضا کو اپنے نفرت انگیز لیکچروں سے مسموم بنا دیا۔ اہل بیت نبوت کی ہمدردیاں حاصل

Marfat.com

کرنے کے لیے محبت اہل بیت کا نعرہ لگایا اور ملک میں فتنہ برپا کرنے کے لیے مندرجہ ذیل طریقے اختیار کیے:

① عمال حکومت اور گورنروں کو دق کرنا اور ہر ممکن طریقے سے انھیں بدنام کرنا، خواہ اس کے لیے ان پر جھوٹے الزامات واتہامات ہی کیوں نہ لگانا پڑیں۔

② امیر المومنین رضی اللہ عنہ پر ناانصافی اور کنبہ پروری کے جھوٹے الزامات عائد کرنا اور اُن کی تشہیر۔

③ بظاہر متقی اور پرہیز گار بن کر لوگوں کو اپنا معتقد بنانا اور اپنے دام تزویر میں پھنسانا۔

ان طریقوں سے اس نے عوام میں خلافت اسلامیہ کے خلاف ایک نفرت پیدا کی اور ہر جگہ سیاسی دعاۃ اور ان کی خفیہ خط وکتابت کے ذریعے ایسا وسیع اور منظم پروپیگنڈا کیا کہ چند ہی روز میں ملک کی امن وعافیت کی ساکت وپرسکون فضا میں فتنہ وفساد کی لہریں دوڑنے لگیں اور لوگوں کے قلبی اور ذہنی سکون میں ایک ارتعاش پیدا ہوگیا۔ (طبری:۵/۹۴، البدایہ والنہایہ:۷/۱۶۸، تحقیق مواقف الصحابہ فی الفتنہ ۱/۲۸۴، عبداللہ بن سبا العقودۃ: ص ۵۲، مجموع الفتاویٰ لابن تیمیہ:۱۸/۴۸۳، لسان المیزان:۳/۲۹۰

عبداللہ ابن سباء کا حدود اربعہ:

یہ عبداللہ بن سباء کون تھا؟ اور اس نے اس فتنے میں کیا کردار ادا کیا؟ اور اس کا حدود اربعہ کیا تھا؟ یہ جاننا ضروری ہے۔ یہ نابغۂ روزگار یمن کا رہنے والا ایک یہودی تھا۔ ۲۵ھ میں اس نے ظاہری طور پر اسلام قبول کیا، لیکن اندر سے وہ اسلام اور مسلمانوں کا سخت دشمن تھا۔ اس کے اسلام لانے کی غرض وغایت ہی یہ تھی کہ دوستوں کے بھیس میں دشمنی کرے اور اسلام کے لیے مار آستین ثابت ہو اور پیغمبر اسلامؐ اور اہل اسلام سے اپنے ان یہودی بھائیوں کا بدلہ لے جن کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ سے جلاوطن کیا تھا اور بعد میں فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ان کو عرب کی سرزمین ہی سے ہمیشہ کے لیے ملک بدر کر دیا تھا، لہٰذا اس نے اندر ہی اندر ایک خفیہ تحریک چلائی اور اسلامی اصولوں اور عقائد کے سراسر منافی باتوں کی تشہیر کی۔

شیعہ مذہب کے اسماء الرجال کے مشہور امام علامہ کشی جو چوتھی صدی کے مشہور شیعہ علماء میں سے تھے، عبداللہ بن سباء کے بارے میں لکھتے ہیں:

''بعض اہل علم نے ذکر کیا ہے کہ عبداللہ بن سباء یہودی تھا۔ وہ اسلام لایا اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے محبت کا دعویٰ کرنے لگا۔ وہ اپنی یہودیت کے زمانے میں موسیٰ علیہ السلام کے وصی سیدنا یوشع بن نون کی شان میں غلو کرتا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد اپنے اسلام کے زمانہ میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں بھی اسی طرح کی مبالغہ آمیز باتیں کرتا تھا اور وہ سب سے پہلا شخص ہے جس نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی امامت کی فرضیت کے عقیدہ کو شہرت دی اور ان کے دشمنوں سے بیزاری کا اظہار کیا۔ ان کے مخالفین کو عیاں اور منکشف کیا اور ان کی تکفیر کی اور انھیں باتوں کی وجہ سے شیعہ کے مخالفین کہتے ہیں کہ تشیع اور

Marfat.com

رفض کی اصل بنیاد یہودیت ہے۔'' (رجال الکشی:۱۰۱،عراق)

شیعہ علماء میں سے المامقانی نے تنقیح المقال:۲/۱۸۴،نوبختی نے فرق الشیعہ :۴۳ اور اہل السنّت میں سے حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے البدایہ والنہایہ:۷/۱۶۷ اور دوسرے کئی ایک علماء نے بھی ایسا ہی لکھا ہے۔

مصر اس تحریک کا سب سے بڑا مرکز تھا کیونکہ عبداللہ بن سباء وہاں اکثر جایا کرتا تھا، چنانچہ مشہور شیعی مورخ صاحب ''روضۃ الصفاء'' نے تفصیل سے لکھا ہے۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو تذکرۃ الحفاظ:۴/۱۳۱۶، الانساب:۷/۲۴، رجال الکشی:۱/۳۲۴، المواعظ والاعتبار:۲/۲۵۶،عقیدۃ الشیعہ :ص۵۸،اصول الاسماعیلیہ:ص۸۶،روضۃ الصفاء:۲/۲۹۲،)

بصرہ میں فتنے کی ابتداء:

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں مملکت اسلامیہ کے مختلف صوبوں کے پانچ دارالسلطنت تھے۔ مدینہ طیبہ،کوفہ، بصرہ، دمشق اور فسطاط۔ مدینہ کے علاوہ ابن سباء بصرہ اور کوفہ بھی گیا، کیونکہ وہ سلطنت کے پانچوں صدر مقاموں پر اپنی جماعتیں قائم کرنا چاہتا تھا تاکہ مملکت اسلامیہ میں ایک مکمل اور منظّم تحریک چلائی جاسکے۔ چنانچہ اس مقصد کے لیے وہ بصرہ بھی گیا۔

ان دنوں میں بصرہ میں ایک شخص حکیم بن جبلہ رہتا تھا۔ یہ ایک لٹیرا اور ڈاکو قسم کا آدمی تھا۔ حکیم بن جبلہ ابن سباء کا ساتھی بن گیا۔ ابن سباء کی معرفت اور بھی کئی لوگوں سے ملا اور ان کو اپنے دام تزویر میں پھنسایا۔ گورنر بصرہ سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ بن عامر کو جب عبداللہ بن سباء کا پتہ چلا تو انھوں نے اسے فوراً بصرہ سے نکل جانے کو کہا (ابن اثیر:۳/۷۲) لیکن نکلنے سے قبل وہ کئی سادہ لوح اور دوسرے قماش کے لوگوں کے ذہنوں میں فتنے کا بیج بو آیا تھا۔ (الخلفاء الراشدون للخالدی:ص۱۲۲،طبری:۵/۳۴۸)

کوفہ میں داخلہ:

بصرہ سے نکلنے کے بعد ابن سباء ۳۳ھ میں کوفہ چلا گیا اور وہاں بھی بصرہ کی طرح حب اہل بیت کی آڑ میں سادہ دل مسلمانوں کے عقائد کو خراب اور حکومت کے خلاف ان کے دلوں میں بغاوت کے جراثیم پیدا کرنے لگا۔ چنانچہ کوفہ کی سرزمین اس کی تحریک کو کچھ زیادہ ہی راس آئی اور مالک الاشتر، جندب، ابن ذی الحنکہ، صعصعہ ابن الکواء، کمیل اور عمیر بن ضابی وغیرہ قسم کے شریر لوگ اس تحریک کو وہاں بطور سرپرست مل گئے۔ گورنر کوفہ سید سعید رضی اللہ عنہ بن العاص نے ان لوگوں پر کڑی نظر رکھی، اس وجہ سے یہ لوگ ان کے سخت مخالف ہو گئے۔

اس تحریک کے سرکردہ لوگ چونکہ گورنر کے مخالف ہو گئے تھے، لہٰذا انھوں نے سیدنا سعید رضی اللہ عنہ کو تنگ کرنا شروع کر دیا۔ تنگ کرنے کا ایک طریقہ یہ بھی تھا کہ وہ جگہ جگہ دو دو چار چار کی ٹکڑیوں میں کھڑے ہوتے اور سید

Marfat.com

عثمان رضی اللہ عنہ اور سیدنا سعید رضی اللہ عنہ کو برا بھلا کہتے۔اس طرح لوگ ان کے اردگرد جمع ہو جاتے۔

ان مفسدہ پردازوں کی شرارتوں سے تنگ آ کر گورنر اور اشراف کوفہ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ ان مفسدین سے سرزمین کوفہ کو نجات دلائی جائے۔سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے قیام امن کی خاطر اس تحریک کے قریباً دس آدمیوں کو جلاوطن کر کے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس شام بھیج دیا۔شام میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اگرچہ ان لوگوں کے ساتھ نہایت نرمی اور بردباری سے پیش آئے لیکن یہ بدطینت اور بدفطرت لوگ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی نرمی کو ان کی کمزوری پر محمول کرنے لگے۔چنانچہ ایک روز انھوں نے جلالی لہجہ اختیار کرتے ہوئے ان لوگوں کو فرمایا:

''یاد رکھو! یہ کوفہ نہیں ہے۔بخدا! اگر اہل شام کو تمھاری ان ذلیل حرکتوں کا علم ہو گیا تو میں گورنر ہونے کے باوجود بھی انھیں تمہارے قتل سے باز نہیں رکھ سکوں گا۔واللہ! مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ تمھاری کوئی باہمی سازش ہے۔''

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی اس فہمائش کا ان پر الٹا اثر ہوا اور انھوں نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے ایسی باتیں کرنا شروع کر دیں جن سے فتنے کی بو آتی تھی۔انھوں نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں توہین آمیز کلمات کہنے شروع کر دیئے۔چنانچہ تنگ آ کر انھوں نے امیر المومنین کو لکھا کہ ان کی اصلاح میرے بس کا روگ نہیں اور میں ان کا شام میں رہنا بھی پسند نہیں کرتا، کیونکہ خطرہ ہے کہ ان کے زہر سے یہاں کی فضا بھی مسموم ہو جائے۔لہٰذا آپ خود ہی ان کا کوئی بندوبست فرمائیں۔(ابن اثیر:۳/۷۱)

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے انھیں پھر کوفہ بھیج دینے کے لیے حکم صادر فرمایا، لیکن گورنر کوفہ نے بارگاہ خلافت میں عرض کیا کہ انھیں کوفہ نہ بھیجیں۔چنانچہ ان کو سیدنا عبدالرحمٰن بن خالد رضی اللہ عنہ بن ولید کے پاس حمص بھیج دیا گیا۔انھوں نے ان لوگوں پر سختی بھی کی اور انھیں ذلیل و رسوا بھی بہت کیا گیا۔جب گھوڑے پر سوار ہوتے تو انھیں اپنے آگے پیدل چلاتے۔اس کا اثر یہ ہوا کہ ایک روز وہ سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ سے کہنے لگے:

''ہم اپنی ان کارگزاریوں سے توبہ کرتے ہیں، لہٰذا آپ ہمیں معاف فرمائیں، حق تعالیٰ آپ کو معاف فرمائے گا۔''

سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے ان کا قصور معاف کر دیا اور مالک الاشتر کو حکم دیا کہ وہ مدینہ طیبہ حاضر ہو کر اپنی طرف سے اور ان سب کی طرف سے بالمشافہ ایک عذر نامہ (Undertaking) پیش کریں۔چنانچہ ایک عذر نامہ مدینہ طیبہ میں الاشتر نے پیش کیا اور امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے اسے قبول کر لیا۔(ابن اثیر:۳/۷۱، طبری:۳/۳۶۴)

سبائی تحریک کے اغراض و مقاصد:

اس تحریک کی اصل غرض و غایت مسلمانوں کی دینی اور حربی قوت کو تباہ و برباد کرنا تھا لیکن ہر علاقے کے مفسدین کا نقطۂ نظر الگ الگ تھا اور آئندہ خلیفہ کے بارے میں بھی ہر ایک کی نظر الگ الگ شخصیتوں پر تھی۔اہل

Marfat.com

مصر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو اہل کوفہ سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ کو اور اہل بصرہ سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ کو پسند کرتے تھے۔ عراق کی ایک جماعت قریش کے تمام افراد سے بغض وعداوت رکھتی تھی اور ایک جماعت سرے سے عربوں ہی کی دشمن تھی، لیکن عبداللہ بن سباء نے ان سب کو مخالفت عثمان رضی اللہ عنہ پر متحد و متفق کر دیا جس کی وجہ سے سب ایک ہی نعرہ لگانے لگے کہ ''ہم عثمان رضی اللہ عنہ کی معزولی چاہتے ہیں۔''

تحریک میں یہودی عنصر چاہتا تھا کہ اسلام میں ایسا تشتت وافتراق پیدا کر دیا جائے کہ مسلمان کبھی بھی سر جوڑ کر نہ بیٹھ سکیں اور ان کی قوت پاش پاش ہو کر رہ جائے اور ہمیں پھر جزیرۂ عرب میں سکونت اختیار کرنے کا موقع مل جائے۔ ایرانی یہ چاہتے تھے کہ یا تو خلافت اسلامیہ کلی طور پر تاخت وتاراج ہو جائے جس طرح مملکت کسریٰ تباہ ہوئی ہے یا کم از کم اس میں ایسا انقلاب پیدا کر دیا جائے جس میں حکومت ایسے خاندان کے ہاتھوں میں آ جائے جس سے وہ بہتر سے بہتر اور زیادہ سے زیادہ حقوق ومراعات حاصل کر سکیں اور وہ عربوں پر اپنا سیاسی تفوق قائم کرنے میں کامیاب ہو سکیں۔ چنانچہ ہر جماعت اپنے اپنے مقصد کو حاصل کرنے کے لیے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی معزولی کا مطالبہ کرنے لگی کیونکہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ ان کے مقاصد کی تکمیل کی راہ میں ایک سنگ گراں تھے جس کو ہٹانا یا توڑنا اشد ضروری تھا۔

صحابہ زادوں کی تخریبی سرگرمیاں:

دو صحابہ زادے بھی سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف اپنی تخریبی سرگرمیوں میں پیش پیش تھے۔ وہ ہمیشہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے درپے آزار رہتے۔ وہ کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتے جب وہ امیر المومنین رضی اللہ عنہ کے خلاف غلط پروپیگنڈا کرتے، ان کی مخالفت کا باعث زیادہ تر ذاتی عناد تھا۔

① محمد بن ابی بکر:

ان میں سے پہلا شخص محمد بن ابی بکر تھا، یہ ۸ھ میں پیدا ہوئے۔ پانچ برس کی عمر تھی کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے انتقال کے بعد سیدہ اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے نکاح کر لیا۔ محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ نے اپنی تعلیم وتربیت کی تکمیل سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی کفالت میں کی۔ اسی وجہ سے سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ: ''محمد میرا ربیب ہے۔'' اسی وجہ سے شیعہ حضرات نے انھیں ''شیعان علی رضی اللہ عنہ'' میں سے شمار کیا ہے۔

۲۴ھ میں جب سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ مسند خلافت پر متمکن ہوئے، اس وقت محمد بن ابی بکر کی عمر ۱۵ سال تھی۔ محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے کہا کہ ''مجھے کسی جگہ کی گورنری عنایت فرما دیں۔'' محمد ابن ابی بکر رضی اللہ عنہ کی یہ درخواست صحیح نہ تھی، لہٰذا آپ نے قبول نہ کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ محمد ابن ابی بکر رضی اللہ عنہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے سخت مخالف ہو گئے۔ (طبری: ۳/۴۲۹، ابن اثیر: ۳/)

Marfat.com

② محمد بن ابی حذیفہ رضی اللہ عنہ:

دوسرا شخص محمد بن ابی حذیفہ رضی اللہ عنہ تھا جو جلیل القدر صحابی رسول سیدنا ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ کے بیٹے تھے۔ ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں جنگ یمامہ میں شہید ہو گئے اور ان کے بیٹے محمد کی کفالت سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے ذمہ لی اور ان کی نہایت اچھے طریقے سے پرورش اور تربیت کی۔ جب سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ مسند خلافت پر متمکن ہوئے تو محمد بن ابی حذیفہ رضی اللہ عنہ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے درخواست کی کہ انھیں گورنری کے عہدے پر فائز کر دیا جائے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ ''اگر تو اس کا اہل ہوتا تو میں تمھیں ضرور گورنر بنا دیتا۔ محمد بن ابی حذیفہ رضی اللہ عنہ امیر المومنین رضی اللہ عنہ سے مصر جانے کی اجازت لے کر مصر چلے گئے اور وہاں عبادت میں مشغول ہو کر عابد مرتاض اور زاہد شب زندہ دار ہو گئے۔ ان کی عبادت کو دیکھ کر لوگ تو گرویدہ ہو گئے لیکن وہ خود سبائیوں کے ہتھے چڑھ گئے اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور ان کے گورنر سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ بن سعد بن ابی سرح کے سخت مخالف ہو گئے۔

کچھ عرصے کے بعد محمد بن ابی بکر بھی مصر چلے گئے اور یہ دونوں ساتھ مل کر مخالفت عثمانی میں دو آتشہ ہو گئے۔ گورنر مصر ان دونوں سے سخت تنگ آ گئے۔ لہٰذا انھوں نے امیر المومنین رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ میں ان کے ساتھ کیا سلوک کروں۔ آپ نے جواب میں لکھا کہ ''محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کو اپنے باپ ابوبکر رضی اللہ عنہ اور ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی وجہ سے کچھ نہ کہنا اور محمد بن ابی حذیفہ رضی اللہ عنہ میرا بیٹا ہے اور میرا بھتیجا ہے اور میں نے ہی اس کی تربیت اور پرورش کی ہوئی ہے اور وہ قریش کا ایک چوزہ ہے۔

گورنر مصر نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو بتایا کہ ''اس چوزے نے اب اپنے پُرزے نکال لیے ہیں اور وہ اب اڑنا چاہتا ہے۔'' امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے اس خیال سے کہ محمد بن ابی حذیفہ رضی اللہ عنہ کو مالی مشکلات نے آ گھیرا ہے، لہٰذا انھوں نے اپنی جیب خاص سے تین ہزار درہم اور ایک اونٹ جس پر مختلف قسم کے کپڑے لدے ہوئے تھے، اس کی امداد کے لیے بھیجے، لیکن محمد بن ابی حذیفہ رضی اللہ عنہ نے اس کو غلط رنگ دیا۔ تمام کپڑوں اور نقدی کو مسجد میں ڈھیر کر کے لوگوں سے کہا کہ امیر المومنین رضی اللہ عنہ مجھے یہ سیاسی رشوت دے کر حق گوئی اور صداقت کیشی سے روکنا چاہتے ہیں۔ محمد بن ابی حذیفہ رضی اللہ عنہ کی اس بات سے ان کے عقیدت مندوں اور سبائیوں کی امیر المومنین رضی اللہ عنہ کے بارے نفرت میں مزید اضافہ ہوا۔ (ابن اثیر: ۳/ ۱۳۵، تاریخ الاسلام السیاسی: ۱/ ۳۵۱)

سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کا نظریۂ معیشت:

سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ ایک جلیل القدر صحابیٔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ شروع ہی سے آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ ایسی محبت تھی کہ ان کی ہر نقل و حرکت کو ہر لحہ پیش نظر رکھتے تھے اور اپنی بساط اور طاقت کے مطابق ان کے احکام کی تکمیل کی ہر ممکن کوشش کرتے رہتے تھے۔

Marfat.com

سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ فطری طور پر درویش منش، تارک الدنیا، زُہد پیشہ اور عزلت پسند بزرگ تھے۔ اسی وجہ سے بعض حضرات انھیں ''مسیح الاسلام'' بھی کہتے ہیں۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے انتقال نے انھیں کچھ شکستہ خاطر کر دیا تھا۔ چنانچہ اسی زمانے میں انھوں نے مدینہ طیبہ کو خیر باد کہہ کر غربت و مسافرت کی زندگی اختیار کر لی۔ (استیعاب: ۱/۸۳)

سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ مدینہ طیبہ سے شام چلے گئے کیونکہ وہاں رومیوں اور مسلمانوں کے مابین آئے روز جھڑپیں ہوتی رہتی تھیں۔ اس وجہ سے وہاں مسلسل جہاد فی سبیل اللہ میں شرکت کا موقع ملتا رہتا تھا۔

عہد رسالتؐ اور شیخین کا زمانہ اصل سادگی اور بے تکلفی کا بہترین نمونہ تھا۔ خلافت فاروقی اور خلافت عثمانی کی فتوحات نے مال و دولت کی فراوانی پیدا کر دی۔ ہر روز کی فتوحات نے مدینہ طیبہ اور سلطنت اسلامی کے دوسرے صوبوں میں دولت کے انبار لگا دیئے، جس سے قدرتی طور پر بے تکلفی اور سادگی کی جگہ تمدن کی نقش آرائیوں اور تہذیب کے تکلفات نے لے لی۔ ان چیزوں کے اثرات خلافت فاروقی میں تو کچھ خاص ظاہر نہ ہوئے، لیکن خلافت عثمانی میں عام مسلمانوں کی زندگی پر اس کے بہت اثرات نمودار ہوئے۔ شام جیسا صوبہ جو کہ بازنطینی حکومت کی سرحد پر واقع تھا دوسرے صوبوں کے مقابلے میں یہاں کے مسلمانوں کی زندگی زیادہ شان و شوکت اور تکلفات کی حامل تھی اور یہ ایک سیاسی ضرورت بھی تھی۔

سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ کو یہاں کے لوگوں کی ایسی پُر تکلف زندگی ایک آنکھ نہ بھاتی تھی۔ وہ عہد رسالتؐ اور شیخین کے زمانے کی زندگی اور بے تکلفی چاہتے تھے۔ ان کے متوکلانہ مذہب میں کل کے لیے آج اٹھائے رکھنا کسی صورت میں بھی جائز نہ تھا۔ چنانچہ انھوں نے امراء، حکومت وقت اور عام دولت مند لوگوں پر اعتراضات کیے اور ان کی دولت و حشمت اور ساز و سامان پر نکتہ چینیاں شروع کر دیں۔

کتابوں سے پتہ چلتا ہے کہ سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ کے مزاج میں کچھ درشتی پائی جاتی تھی، چنانچہ ایک مرتبہ اسلام لانے کے بعد سیدنا بلال رضی اللہ عنہ سے الجھ پڑے اور ان کے والد کے بارے میں کچھ نا ملائم الفاظ کہہ دیئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ کے ان الفاظ کی جب اطلاع ہوئی تو فرمایا: ''ابوذر رضی اللہ عنہ! تم میں ابھی تک جاہلیت کی خصلت پائی جاتی ہے۔''

سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ کے اس نظریہ کے پرچار نے شام میں حکومت اور عوام کے لیے مشکلات پیدا کر دیں۔ عبداللہ بن سباء نہایت ہوشیار آدمی تھا۔ اسے جب پتہ چلا کہ سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ گورنر شام اور کارکنان حکومت کی معاشی پالیسیوں پر کھلم کھلا تنقید کرتے ہیں تو وہ فوراً شام پہنچا۔ چنانچہ ۳۰ھ میں وہ دمشق پہنچا اور سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ سے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں غلط سلط باتیں کیں اور انھیں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں مشتعل کیا۔ سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ اس شریر کی باتوں میں آ گئے اور انھوں نے اب زیادہ زور و شور کے ساتھ حکومت کی معاشی پالیسیوں پر تنقید کرنا شروع کر دی۔ سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ کے بعد ابن سباء سیدنا ابو الدرداء رضی اللہ عنہ صحابیٔ رسولؐ کے پاس گیا اور ان سے بھی اسی طرح کی باتیں کیں۔ انھوں نے فرمایا:

Marfat.com

من انت؟ اظنك والله يهوديا۔

''تم کون ہو؟ بخدا تو یہودی ہے۔'' (ابن اثیر:۳/۵۷)

اس کے بعد وہ سیدنا عبادہ بن صامت انصاری رضی اللہ عنہ کے پاس گیا، وہ بھی اس کی باتوں سے اس خبیث یہودی کی فطرت کو بھانپ گئے، لہٰذا وہ اسے پکڑ کر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس لے گئے اور کہا کہ:

''بخدا! یہی وہ شخص ہے جس نے ابوذر رضی اللہ عنہ کو برانگیختہ کر کے آپ کے پاس بھیجا تھا۔''

لیکن سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے سیاسی مصلحت کے تحت اس سے کوئی تعرض نہ کیا۔ ابن اثیر نے لکھا ہے کہ سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ کے اس بے باکانہ پرچار کا دائرہ عمل اب صرف ان تک ہی محدود نہ رہا بلکہ بہت سے اور لوگ بھی اس پرچار میں ان کے ساتھ شامل ہو گئے جس کی وجہ سے حکومت کی اقتصادی پالیسیوں میں رکاوٹ پیدا ہونے لگی یہاں تک کہ امیر طبقہ نے اپنے خلاف اس طعن و تشنیع کی گورنر شام کے پاس شکایت کی۔

سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ کے اس نظریہ کے پرچار کا ایک ردعمل یہ ہوا کہ عوام نے ان کے اس نظریہ کو جمہور کے نظریہ کے خلاف سمجھتے ہوئے ان پر انگشت نمائی شروع کر دی اور جہاں کہیں بھی وہ جاتے لوگ: والذين يكنزون الذهب والفضه کی آیت کو اونچی آواز سے پڑھتے جو کہ ان کے ساتھ بظاہر ایک مذاق سمجھا جانے لگا۔ مال دار طبقے پر بھی ان کے اس پرچار کا ردعمل ہوا۔ چنانچہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے لکھا کہ ابوذر رضی اللہ عنہ نے اپنے نظریۂ معیشت کے پرچار میں ہمارا ناک میں دم کر رکھا ہے اور اب نادار اور قلاش اشخاص نے کھاتے پیتے لوگوں کے خلاف زبان طعن دراز کرنی شروع کر دی ہے۔ لہٰذا آپ اس امر کا کوئی مداوا کریں۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے گورنر شام کو لکھا کہ ابوذر رضی اللہ عنہ کو نہایت عزت و احترام کے ساتھ میرے پاس بھیج دو۔ چنانچہ انھوں نے تعمیل حکم کی، لیکن مدینہ طیبہ میں بھی اب وہ سادگی نہیں رہی تھی جو اس سے پہلے تھی، لہٰذا وہاں بھی وہ اس ماحول میں بالکل اجنبی معلوم ہوتے۔ نئی نسل ابوذر رضی اللہ عنہ کی سادگی کو تعجب و حیرانی سے دیکھتی اور جہاں وہ جاتے انھیں دیکھنے کے لیے لوگوں کا ایک ہجوم لگ جاتا۔

سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ نے اپنے آپ کو اس ماحول میں اجنبی سمجھتے ہوئے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ مجھے ربذہ میں جو کہ مدینہ کے مشرق میں مکہ کے قریب ایک چھوٹا سا گاؤں ہے، بھیج دیں۔ چنانچہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے انھیں اہل و عیال سمیت ربذہ بھیج دیا۔ مدینہ طیبہ سے رخصت کرتے وقت امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے بڑی شان و شوکت اور خاطر و مدارات کے ساتھ انھیں رخصت کیا۔ دو غلام، کچھ اونٹنیاں اور بہت سا روپیہ دیا تا کہ وہ ربذہ میں بڑے آرام کے ساتھ اپنی زندگی گزار سکیں۔

سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ کے ربذہ تشریف لے جانے کو عبداللہ بن سباء اور اس کی پارٹی نے خوب اچھالا اور اسے اپنی سیاسی اغراض کے لیے ایک نعرے (Slogan) کے طور پر استعمال کیا، یوں سیدنا عثمان امیر المومنین رضی اللہ عنہ کے خلاف الزامات کی فہرست میں ایک اور الزام کا اضافہ ہو گیا۔

Marfat.com

گورنروں کی مجلس مشاورت:

مملکت اسلامیہ میں سبائیوں نے جوطوفان بدتمیزی برپا کر رکھا تھا اور ملک کے مختلف صوبوں میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اوران کے گورنروں کے خلاف فتنہ وفساد کی جوآگ بھڑکا رہے تھے، سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ ان سب باتوں سے بے خبر نہ تھے۔ شورش پسندوں کی ایک ایک حرکت کی خبر آپ کو دارالخلافہ میں بیٹھے ہوئے مل رہی تھی۔ آپ نے اس شورش کے رفع کرنے اور شکایتوں کے ازالے کے لیے دارالخلافہ میں مملکت کے تمام گورنروں کی ایک مجلس شوریٰ منعقد کی تا کہ اس معاملے کے بارے میں غور وفکر کیا جاسکے۔ اس مجلس شوریٰ میں جن حضرات نے شرکت کی، ان میں سیدنا عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص، سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ، سیدنا سعید رضی اللہ عنہ بن العاص، سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ بن سعد بن ابی سرح خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

یہ مجلس مشاورت دو تین روز تک جاری رہی۔ آپ رضی اللہ عنہ نے گورنروں کو مجلس مشاورت کے انعقاد کا مقصد بیان کرتے ہوئے فرمایا: ''ملک میں جو کچھ ہو رہا ہے تم سب حضرات اس سے آشنا ہو۔ بعض لوگ گورنروں کی معزولی کا مطالبہ کر رہے ہیں اور یہ بھی چاہتے ہیں کہ ان کی ناپسند چیزوں کو چھوڑ کر ہر کام ان کی مرضی کے موافق کروں۔ تمھاری اس بارے میں کیا رائے ہے؟'' گورنروں نے انھیں بتایا کہ یہ ایک سیاسی پراپیگنڈا ہے، حقیقت سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ آپ تحقیق حال کے لیے وفد بھیج کر پتہ کروالیں۔ یہ چند لوگوں کے مصنوعی اعتراضات ہیں اور آپ کی خلافت اور ملت اسلامیہ کے خلاف ایک خطرناک سازش ہے۔

بہر حال مختلف گورنروں نے مختلف رائیں دیں لیکن اس اجتماعی سوچ بچار کا کوئی نتیجہ نہ نکلا اور مجلس مشاورت برخاست کر دی گئی۔ (طبری:۳/۳۸۰، ابن اثیر:۳/۱۷۵)

کوفہ میں انقلاب کی لہریں:

جیسا کہ بتایا گیا ہے کہ اس سبائی تحریک کے تین مراکز تھے:

① مصر ② کوفہ ③ بصرہ

کوفہ میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے گورنر سیدنا سعید رضی اللہ عنہ بن العاص تھے۔ سبائی داعی ان کو ہر وقت تنگ کرتے اور سعید رضی اللہ عنہ اپنی رحم دلی کے باعث ان کی ان باتوں کو برداشت کرتے رہے تھے بلکہ ایک مرتبہ تو ان کی موجودگی میں کوتوال شہر عبدالرحمٰن الاسدی کو ان سبائیوں نے مالک الاشتر النخعی کے اکسانے پر شدید زدوکوب کیا۔ کوفہ میں اس تحریک کی آگ اندر ہی اندر سلگ رہی تھی۔ سبائیوں کو اصل بیر تو امیر المومنین رضی اللہ عنہ سے تھا، لیکن ان کے گورنروں کو بھی سخت ترین تنقید کا ہدف بناتے۔ سیدنا سعید رضی اللہ عنہ سے تو ان کو کچھ زیادہ ہی بغض وعناد تھا۔ بہر حال سیدنا سعید رضی اللہ عنہ جب گورنروں کی کانفرنس میں شرکت کے لیے مدینہ طیبہ تشریف لے گئے تو ان کی غیر حاضری میں کوفہ کا

Marfat.com

ایک سبائی یزید بن قیس سیدنا سعید رضی اللہ عنہ کے خلاف اٹھ کھڑا ہوا۔ ایک روز وہ مسجد میں جا کر بیٹھ گیا اور وہ سب لوگ اس کے اردگرد جا کر بیٹھ گئے جن کو ابن سبا خط لکھا کرتا تھا۔ سیدنا قعقاع رضی اللہ عنہ کو جب اس کی اس حرکت کا پتہ چلا تو وہ فوراً مسجد میں پہنچے اور اسے مسجد سے اٹھا دیا۔ وہ اپنے گھر چلا گیا اور خط لکھ کر حمص میں جلا وطن سبائیوں کو کوفہ آنے کے لیے کہا۔ حمص میں موجود لوگوں نے امیر المومنین رضی اللہ عنہ کے سامنے جو توبہ کی تھی، اس کو توڑتا تاڑ کر کوفہ روانہ ہو گئے۔ خصوصی طور پر مالک الاشتر نے تو کوفہ پہنچ کر لوگوں کو بہت بہکایا۔

جمعہ کے روز سیدنا سعید رضی اللہ عنہ کے قائم مقام عمرو بن الحریث خطبہ جمعہ کے لیے منبر پر بیٹھے ہی تھے کہ ایک سبائی نے دروازے پر کھڑے ہو کر لوگوں کو آواز دی کہ ''جو آدمی گورنر کوفہ سعید رضی اللہ عنہ بن العاص کو مدینہ واپس بھیجنے کے لیے یزید بن قیس سے ملنا چاہتا ہے، وہ مل جائے۔'' یہ آواز سن کر صرف شریف اور سنجیدہ قسم کے لوگ ہی مسجد میں ٹکے رہے۔ باقی دوران خطبہ ہی مسجد سے باہر نکل کر یزید بن قیس کے ساتھ جا ملے۔

یہ لوگ اسلحہ لے کر کوفہ سے نکلے اور نکلتے وقت قسم کھا کر کہا کہ سعید رضی اللہ عنہ ہم پر کبھی حکومت نہیں کر سکتا۔ سیدنا سعید رضی اللہ عنہ جب گورنرز کانفرنس سے فارغ ہو کر واپس آ رہے تھے تو مقام جرعہ پر سبائیوں نے ان کی مزاحمت کی اور کہا کہ ہمیں آپ کی کوئی ضرورت نہیں، لہٰذا آپ واپس چلے جائیں۔

سیدنا سعید رضی اللہ عنہ نے موقع کی نزاکت کے تحت سبائیوں کی کوئی مزاحمت نہ کی بلکہ واپس مدینہ طیبہ آ کر امیر المومنین رضی اللہ عنہ سے کہہ دیا کہ کوفہ کے لوگ میری جگہ سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو چاہتے ہیں، لہٰذا انھیں گورنر بنا کر کوفہ بھیج دیا جائے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو گورنر بنا کر کوفہ بھیج دیا اور اہل کوفہ کو لکھا کہ میں نے تمھارا مطالبہ تسلیم کر کے انھیں گورنر بنا کر بھیجا ہے۔ بخدا! میں تم سے اپنی آبرو بچاؤں گا اور تمھاری اصلاح کی پوری کوشش کروں گا۔ (ابن اثیر: ۳/۷۴)

تحقیقاتی کمیشن:

اب مدینہ طیبہ کے حالات بھی کچھ ایسے نہیں تھے۔ شورش پسند یہاں کی فضا کو بھی مسموم کرنے کی پوری پوری کوشش کر رہے تھے، لیکن تمام صحابہ امیر المومنین رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے۔ اس وجہ سے ۳۴ھ تک یہاں مفسدین کی جماعت کا کوئی خاص اثر نہیں ہوا تھا، لیکن جب ۳۴ھ میں مفسدین کا پراپیگنڈا کچھ مؤثر ہونے لگا تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے چند لوگوں کے ساتھ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی اور شورش پسندوں کے حالات اور ان کے اعتراضات سے امیر المومنین رضی اللہ عنہ کو باخبر کیا۔

سبائیوں نے اب ایک اور سازش کی۔ وہ یہ کہ کوفہ، بصرہ، مصر اور ملک کے دوسرے حصوں سے عثمانی گورنروں کے خلاف مدینہ طیبہ کے مختلف لوگوں کے نام شکایتی خطوط لکھنے شروع کر دیئے اور ان میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے گورنروں کی طرف مختلف قسم کے مظالم اور شدائد منسوب کیے۔ جب اس قسم کے خط کافی تعداد میں

Marfat.com

لوگوں کے پاس پہنچے تو چند صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آستانۂ خلافت پر حاضر ہو کر گورنروں کی ان فرضی داستانوں کے بارے میں بتایا اور کہا کہ اگر یہ خطوط صحیح ہیں تو ہمیں تعجب ہے کہ گورنر حضرات اس قسم کے ہیں۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میرے پاس تو صرف امن وسلامتی کی خبریں پہنچی ہیں۔ بہرحال فیصلہ ہوا کہ ایک تحقیقاتی کمیشن اس بارے میں مختلف صوبوں میں بھیجا جائے، وہ گورنروں کے بارے ان الزامات کی مکمل چھان بین کرے۔ چنانچہ فیصلہ کے مطابق ۳۵ھ میں سیدنا محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو کوفہ، سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو بصرہ، سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو مصر اور سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو شام اور بعض دوسرے صحابہ کو دوسرے صوبوں میں حالات کی تحقیقات کے لیے روانہ فرمایا گیا: انھوں نے پوری چھان بین کے بعد جو مفصل رپورٹ بارگاہ خلافت میں پیش کی اس میں صاف لکھا تھا کہ:

''ہم نے ان مقامات کے سربرآوردہ لوگوں اور عوام سے کوئی قابل اعتراض بات ان گورنروں میں نہیں پائی۔''

مصری وفد کے سربراہ سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ ایک روایت کے مطابق مصر کے سبائیوں کے ہتھے چڑھ گئے اور وہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف ان کے ہم نوا بن گئے۔ (طبری:۳/۳۷۸، التمہید والبیان:۸۹)

گشتی مراسلہ:

اگرچہ تحقیقاتی کمیشن کی رپورٹ نے یہ ثابت کر دیا کہ عثمانی گورنروں پر جو الزامات لگے، وہ بالکل غلط تھے اور ان کے پیچھے ایک سازش کارفرما تھی، لیکن پھر بھی سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے پوری مملکت اسلامیہ میں ایک گشتی مراسلہ بھیجا جس میں کہا گیا کہ میں ہر سال حج کے موقع پر اپنے گورنروں کے کاموں کا محاسبہ کیا کروں گا اور جس گورنر کے خلاف جو شکایت پیش کی جائے گی اس کی تحقیق کر کے اس کا پورا پورا تدارک کیا جائے گا۔ لہٰذا اگر کسی کے ساتھ کوئی زیادتی ہوتی ہے تو وہ حج کے موقع پر بیان کر کے مجھ سے اور میرے گورنروں سے اپنا حق مانگ لے یا پھر معاف کر دے۔ (طبری:۳/۳۷۹، ابن اثیر:۳/۷۸)

ہر گورنر کو حج کے موقع پر مکہ مکرمہ آنے کے لیے کہا گیا۔ چنانچہ آئندہ سال تمام گورنر حج کے موقع پر آئے۔ امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے انھیں پوچھا کہ یہ افواہیں کیسی سننے میں آ رہی ہیں؟ انھوں نے کہا کہ آپ ان شکایتوں کی تحقیقات کروا چکے ہیں۔ ان میں حقیقت کا کوئی شائبہ نہیں، یہ معاملہ ایک خفیہ سازش کا نتیجہ ہے۔

حج سے فراغت کے بعد آپ واپس مدینہ طیبہ تشریف لائے اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ، سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ، سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ اور دیگر جلیل القدر صحابہ کو بلا کر ان سے مشورہ کیا۔ ہر ایک نے اپنا اپنا خیال ظاہر کیا۔ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے امیر المومنین رضی اللہ عنہ سے کہا کہ یہ فتنہ خطرناک صورت اختیار کرتا جا رہا ہے اور یہاں کے حالات انتہائی غیر اطمینان بخش ہیں، اس لیے آپ میرے ساتھ شام تشریف لے چلیے۔ آپ نے فرمایا، ''معاویہ رضی اللہ عنہ! میں نے ساری زندگی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صحبت میں گزاری۔ اب خواہ میرا سر تن سے جدا ہو جائے لیکن پھر بھی میں اس بڑھاپے

Marfat.com

میں جوار رسولؐ کو نہیں چھوڑوں گا۔'' سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ میں آپ کی حفاظت کے لیے شام سے کچھ فوج بھیج دیتا ہوں۔ آپ نے فرمایا، ''میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پڑوس میں رہنے والوں پر مدینۂ رسولؐ کو تنگ نہیں کرنا چاہتا۔'' سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا، ''مجھے ناگہانی حادثے کا شدید خطرہ ہے۔'' آپ نے جواب دیا:

حسبی اللہ و نعم الوکیل۔

''میرے لیے اللہ کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے۔'' (البدایہ والنہایہ: ۷/۱۶۹، ابن اثیر: ۳/۷۹، طبری: ۳/۳۸۲)

مدینہ پر پہلی یورش:

فریضہ حج کی ادائیگی کے بعد تمام گورنر اپنے اپنے صوبوں کو واپس چلے گئے اور اہل کوفہ کے مطالبے کے مطابق سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے سیدنا سعید رضی اللہ عنہ کی جگہ سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو کوفہ کا گورنر مقرر کر دیا۔ اب مفسدین کے لیے شورش برپا کرنے کا کوئی راستہ باقی نہ رہا، لیکن پھر بھی انھوں نے مختلف شہروں مثلاً مصر اور بصرہ کے سبائیوں کو خطوط لکھے کہ فوراً مدینہ طیبہ پہنچیں اور مدینہ پہنچ کر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ پر اعتراضات کی بوچھاڑ کر دیں اور ان اعتراضات کو مملکت کے گوشے گوشے میں پھیلائیں۔ چنانچہ ربیع الاول ۳۵ھ میں کوفی، بصری اور مصری سبائیوں کا جتھہ عازم مدینہ ہوا۔ مصری سبائیوں میں کنانہ بن بشر، سودان بن حمران اور غافقی بن حرب بھی تھے۔ کوفہ کے سبائیوں کی قیادت زید بن صوحان، مالک الاشتر، زیاد بن نضر الحارثی اور عبداللہ بن الاصم کے ہاتھوں میں تھی اور بصرہ کے سبائیوں کی قیادت حکیم بن جبلہ، ذریح بن عباد، بشر بن شریح اور ابن المحترش کر رہے تھے اور ان کی کمان حرقوص بن زہیر السعدی کے ہاتھ میں تھی۔ یہ سب لوگ مدینہ کے قریب ایک گاؤں جحفہ میں آ کر مقیم ہو گئے۔

مدینہ طیبہ سے دو شخص امیر المومنین رضی اللہ عنہ کے کہنے پر ان لوگوں کے پاس گئے اور ان کے سامنے آنے کی غرض و غایت بیان کی۔ انھوں نے کھلے لفظوں میں اپنے آنے کا مقصد بیان کر دیا۔ انھوں نے پوچھا، مدینہ میں تمھارا کوئی حامی ہے۔ انھوں نے جواب دیا، ''تین آدمی'' لیکن ان کے نام نہ بتائے۔ ان دونوں حضرات نے یہ ساری باتیں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو آ کر بتائیں لیکن آپ نے ان کے حق میں صرف دعا کی۔ پھر سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ آپ ان لوگوں کو جا کر سمجھائیں۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے انھیں ہر ممکن طریق سے سمجھانے کی کوشش کی لیکن افہام و تفہیم سے انھیں کوئی تعلق نہیں تھا۔ انھوں نے امیر المومنین رضی اللہ عنہ پر جو اعتراضات کیے، آپ نے ان کے مدلل جوابات بھی دیئے، لیکن کوئی فائدہ نہ ہوا۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ناکام واپس لوٹنے کے بعد امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے انھیں مدینہ بلایا۔ وہ مسجد نبویؐ میں منبر کے چاروں طرف آ کر بیٹھ گئے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے مہاجرین و انصار اور ان سبائیوں کی موجودگی میں ایک نہایت موثر تقریر کی جس سے سب مسلمان زار و قطار رونے لگے۔ اس پر مہاجرین و انصار میں سے دو حضرات نے اٹھ کر کہا کہ امیر المومنین! ان ناہنجاروں کو قتل کر دیں کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے کہ ''جو شخص امام کی موجودگی میں

Marfat.com

لوگوں کو بغاوت پر اکسائے، اس پر اللہ کی لعنت ہو اور اس کو قتل کر دیا جائے۔'' لیکن امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہم انھیں معاف کرتے ہیں۔

مفسدین کو جب اس بات کا پتہ چلا کہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم امیر المومنین رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہیں اور ہمارے از حد مخالف، اور وہ ہمارے قتل کے مشورے دے رہے ہیں تو انھوں نے واپس جانے میں ہی اپنی خیریت سمجھی۔ چنانچہ وہ واپس اپنے اپنے شہروں کو چلے گئے۔

بعض مورخین نے لکھا ہے کہ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے امیر المومنین رضی اللہ عنہ کو یہ مشورہ دیا کہ فتنہ کو رفع کرنے کے لیے آپ اپنے تمام گورنروں کو معزول کر کے ان کی جگہ دوسرے گورنروں کو جن کو اہل فتنہ پسند کرتے ہیں، مقرر فرما دیں، لیکن آپ نے ان کی اس تجویز کو مسترد فرما دیا۔ جس کی کئی وجوہات تھیں:

① پہلی وجہ یہ تھی کہ وہ تمام گورنر بالکل بے قصور تھے اور تحقیقاتی کمیشن نے اپنی رپورٹ میں انھیں بے قصور ثابت کیا تھا۔

② اگر ان شر پسندوں کے کہنے پر ان گورنروں کو آپ معزول کر دیتے تو یہ انصاف اور عدل کے تقاضوں کے خلاف ہوتا بلکہ ظلم ہوتا اور عدل و انصاف ایک خلیفۂ راشد کے اولین فرائض منصبی میں سے ہے۔

③ اگر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ ان بے گناہ گورنروں کو معزول کر دیتے تو ہو سکتا ہے کہ یہ فتنہ پرداز وقتی طور پر خاموش ہو جاتے، لیکن قیامت تک کے لیے ایک دلیل شرعی اور حجت قائم ہو جاتی اور شورش پسند ہر زمانے میں اپنی ذاتی پرخاش اور بغض و عداوت کی وجہ سے بے قصور اور بے گناہ گورنروں اور حاکموں کو خلیفۂ وقت سے معزول کروا دیتے۔ اس سے ایک تو انتظام و انصرام کا سارا معاملہ چوپٹ ہو جاتا۔ دوسرے کوئی بھی حاکم مطمئن ہو کر اپنے فرائض منصبی ادا نہ کر سکتا اور قیامت تک کے لیے یہ ایک ایسی رسم بد پڑ جاتی جس کی وجہ سے کسی اسلامی حکومت کو استحکام نصیب نہ ہوتا۔

ان وجوہات کی بناء پر آپ نے بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اس مشورے کو رد فرما دیا۔

باغیوں کی دوسری یورش:

جب یہ فتنہ پرداز مدینہ طیبہ کے حالات کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے اپنے اپنے شہروں کو واپس چلے گئے تو عبداللہ بن سبا کو ان کے ناکام واپس آنے پر سخت کوفت ہوئی، لہٰذا اب دوسرا منصوبہ تیار کیا گیا اور مصر، بصرہ اور کوفہ کے شورش پسندوں کو اس سے مطلع کر دیا گیا۔ منصوبہ یہ تھا کہ ۱۲ شوال ۳۵ھ کو ہر صوبے کے شورش پسند نواح مدینہ میں اکٹھے ہوں اور مدینہ میں داخل ہو کر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی معزولی کا مطالبہ کریں اور جب تک امیر المومنین رضی اللہ عنہ معزول نہ ہو جائیں اس وقت تک واپس نہ آئیں۔

Marfat.com

طے شدہ پلان کے تحت شوال ۳۵ھ میں مصری سبائی چار امراء کی سرکردگی میں چار گروہوں میں نکلے۔ ان چار گروہوں کے سرگروہ عبدالرحمٰن بن عدیس البصری، کنانہ بن بشر اللیثی، سودان بن حمران اور قتیرہ بن خلان السکونی تھے اور چاروں کی قیادت غافقی بن حرب کر رہا تھا۔ لوگوں پر انھوں نے یہ ظاہر کیا کہ ہم حج پر جا رہے ہیں۔ ویسے تو پانچوں قائدین ہی فتنہ وفساد کے لیے کچھ کم نہ تھے لیکن اب کی دفعہ ان کے ساتھ عبداللہ بن سبا بھی تھا۔

(ابن اثیر: ۳/۷۹، البدایہ والنہایہ: ۷/۱۷۳)

اسی طرح کوفہ اور بصرہ کے سبائی بھی چار جماعتوں میں منقسم ہو کر مدینہ کی طرف روانہ ہوئے۔ اہل کوفہ کی قیادت عمرو بن اصم کر رہا تھا، جب کہ اہل بصرہ کی قیادت حرقوص بن زہیر کے ہاتھ میں تھی۔

یہ تینوں گروہ مدینہ سے تین منزل کے فاصلہ پر آ کر رک گئے۔ اہل بصرہ نے ذوخشب، اہل کوفہ نے اعوص اور اہل مصر نے ذوالمروہ کے مقام پر ڈیرے ڈالے اور دو ہوشیار آدمیوں زیاد بن نضر اور عبداللہ بن اصم کو حالات کا جائزہ لینے کے لیے مدینہ طیبہ بھیجا۔ یہ دونوں آدمی مدینہ میں داخل ہو کر سیدنا علی رضی اللہ عنہ، سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ، سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ اور امہات المومنین رضی اللہ عنہن وغیرہ سے ملے اور انھیں اپنے مقصد سے مطلع کیا اور کہا کہ امیر المومنین رضی اللہ عنہ اور ان کے گورنروں کی معزولی میں ہمارے ساتھ تعاون کریں، لیکن سب لوگوں نے ان کے مطالبے سے انکار کر دیا اور اس کام سے انھیں منع کیا۔ (البدایہ والنہایہ: ۷/۱۷۴، طبری: ۳/۳۸۵)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے طرز عمل سے یہ دونوں آدمی مایوس ہوئے کیونکہ انھیں پتہ چل گیا کہ اہل مدینہ کو امیر المومنین رضی اللہ عنہ سے کوئی شکایت نہیں۔ بعد میں ان سبائیوں کے سربرآوردہ لوگ سیدنا علی رضی اللہ عنہ، سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ اور سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ سے ملے اور انھیں خلافت اسلامیہ کی پیش کش کی لیکن ان حضرات نے انھیں اپنے پاس سے دھتکار دیا اور فرمایا کہ نیک اور صالح لوگوں کا یقین ہے کہ ذوالمروہ، ذوخشب کے لشکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق ملعون ہیں، لہٰذا تم واپس چلے جاؤ۔

ان تینوں گروہوں نے ان تینوں حضرات سے مایوس واپس جا کر باقی ماندہ اشخاص کو ان سب باتوں کی اطلاع دی جو سیدنا علی رضی اللہ عنہ، سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ اور سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ نے ان سے کیں اور یہ بھی بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تینوں لشکروں پر لعنت بھیجی ہے۔ ان لوگوں کے ذہن میں تشتت وافتراق کی تخم ریزی کا منصوبہ انگڑائیاں لے رہا تھا، لہٰذا انھوں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ان باتوں کو کوئی اہمیت نہ دی اور ڈھٹائی کے ساتھ اپنے مطالبہ پر اڑے رہے۔

تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کو سبائیوں کے اس فعل سے تشویش تھی، لیکن اس فتنہ کو فرو کرنے کے لیے کوئی تدبیر ان کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ آخر سیدنا علی رضی اللہ عنہ تیس مہاجرین وانصار کے ساتھ افہام وتفہیم کی غرض سے ان کے پاس گئے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور محمد رضی اللہ عنہ بن مسلمہ نے ان باغیوں کو بہت سمجھایا لیکن ان پر کوئی اثر نہ ہوا، اور ان حضرات کے واپس مدینہ آنے کے بعد وہ بھی مدینہ میں آ گئے۔

Marfat.com

سبائیوں کے مدینہ میں داخل ہونے سے مدینہ کے باشندے سخت پریشان ہوئے۔انھیں خطرہ تھا کہ یہ مدینہ میں تشدد اختیار کریں گے،لہٰذا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک اچھی خاصی تعداد قصر خلافت کی حفاظت کے لیے آنا شروع ہوگئی۔صحابہ رضی اللہ عنہم کے ان حفاظتی اقدامات سے سبائیوں کو تشدد کی پالیسی اختیار کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔

سبائیوں نے مدینہ کے حالات کو اپنے مقصد کی بجا آوری کے خلاف پاتے ہوئے صرف اسی بات پر اکتفا کیا کہ گورنر مصر سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ بن سعد بن ابی سرح کو معزول کر کے کسی اور کو گورنر مقرر فرما دیں۔سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے امیر المومنین رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ عبداللہ رضی اللہ عنہ بن سعد کو معزول کر کے اس کی جگہ محمد بن ابی بکر کو گورنر مقرر فرما دیں تو فتنے کی یہ آگ دب سکتی ہے۔سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے باغیوں کا یہ مطالبہ منظور کرتے ہوئے سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ کو معزول کر کے ان کی جگہ محمد بن ابی بکر کو مصر کی گورنری کا فرمان لکھ دیا۔چنانچہ باغی محمد بن ابی بکر کی گورنری کی بابت سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا فرمان لے کر اپنے اپنے شہروں کو چلے گئے اور وقتی طور پر یہ فتنہ فرو ہوگیا۔

باغیوں کی تیسری یورش:

اہل مدینہ مطمئن ہوگئے کہ وہ لوگ اپنے اپنے شہروں کو چلے گئے ہیں،لیکن یہ بھی دراصل ایک سازش تھی۔وہ سمجھ گئے تھے کہ جس مقصد کے لیے وہ مدینہ آئے تھے وہ ان حالات میں سرانجام نہیں دیا جاسکتا۔ان کا مقصد تھا کہ جب ہم کچھ روز غائب رہیں گے تو قصر خلافت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سکیورٹی گارڈ کا یہ دستہ اپنے اپنے گھروں کو واپس چلا جائے گا،اور ہم پھر اچانک مدینہ میں داخل ہو کر حالات کو تہ و بالا کر کے اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائیں گے۔

چنانچہ یہی ہوا کہ ایک روز یکا یک اہل مدینہ نے گلی کوچوں میں گھوڑوں کی ٹاپوں اور تکبیر کے نعروں کا شور سنا۔دیکھا کہ باغیوں کی ایک اچھی خاصی تعداد مدینہ کے گلی کوچوں میں دوڑ رہی ہے۔ان میں اکثر تو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر کی طرف چلے گئے اور ایک گروہ نے مدینہ طیبہ کا محاصرہ کرلیا اور اعلان کر دیا کہ جو اپنے ہاتھ کو روک لے گا اس کو امان دی جائے گی۔(البدایہ والنہایہ:۷/۱۷۴،ابن اثیر:۳/۸۰)

اہل مدینہ باغیوں کی اس اچانک یورش اور مدینہ میں ان کے اس ناگہانی داخلہ سے خوفزدہ ہوگئے۔پھر اس اعلان نے انھیں اور زیادہ پریشان کر دیا۔کچھ پتہ نہیں چلتا تھا کہ حالات کیا کروٹ لیں گے اور یہ باغی کیا گل کھلائیں گے لیکن امیر المومنین رضی اللہ عنہ باقاعدہ مسجد تشریف لاتے اور اہل مدینہ اور باغی دونوں ان کے پیچھے نماز پڑھتے۔اسی اثنا میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھ دوسرے چند صحابہ کرام رضی اللہ عنہم باغیوں کے پاس آئے اور ان کے اس طرح اچانک آنے کا سبب پوچھا۔انھوں نے کہا کہ ہم نے ایک قاصد سے ایک خط پکڑا ہے جس میں ہمارے قتل کا حکم ہے۔سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ان سے سوال کیا:

''اے اہل کوفہ اور اے اہل بصرہ! اہل مصر کو جو واقعہ پیش آیا،اس واقعہ کا تمھیں کیسے علم ہوگیا،جب کہ تم

Marfat.com

کئی منزلیں طے کر چکے تھے۔ پھر تم اکٹھے ہو کر یہاں آ گئے۔ بخدا! یہ تو مدینہ ہی میں کی گئی ایک سازش ہے۔ انھوں نے جواب دیا کہ آپ جو کچھ مرضی سمجھیں ہمیں اس شخص (سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ) کی کوئی ضرورت نہیں۔ ہم تو اس کو معزول کر کے ہی دم لیں گے۔'' (طبری:۳/۳۸۷، البدایہ والنہایہ:۷/۱۷۴)

طبری نے لکھا ہے کہ جب مصری باغی سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے سمجھانے بجھانے پر واپس چلے گئے، تو ابھی وہ لوگ راستے ہی میں تھے کہ انھیں ایک قاصد ملا۔ تلاشی لینے پر اس سے ایک خط برآمد ہوا جس پر امیر المومنین رضی اللہ عنہ کی مہر لگی ہوئی تھی اور اس میں لکھا تھا کہ ان لوگوں کو یا تو سولی پر لٹکا دیا جائے یا قتل کر دیا جائے یا ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے جائیں۔ وہ اس قاصد کو پکڑ کر مدینہ لے آئے اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر سارا واقعہ سنایا اور کہا کہ اس دشمن خدا (سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ) کا حال ملاحظہ فرمائیں کہ اس نے خط میں یہ کچھ ہمارے متعلق لکھا ہے۔ اللہ نے ہمارے لیے اس کا خون حلال کر دیا ہے۔ لہٰذا آپ ہمارے ساتھ ان کے پاس چلئے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''میں تمھارے ساتھ کبھی نہیں جاؤں گا۔'' اس پر باغیوں نے کہ، ''پھر آپ نے ہمیں خط کیوں لکھا۔'' آپ نے فرمایا، ''بخدا! میں نے کبھی بھی تمھیں کوئی خط نہیں لکھا۔'' سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے منہ سے یہ الفاظ سن کر وہ ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے اور ایک دوسرے سے کہنے لگے: ''کیا تم اسی کے لیے لڑتے ہو اور اسی کے لیے غضبناک ہوتے ہو۔'' (طبری:۳/۳۹۱)

اس روایت سے یہ پتہ چلتا ہے کہ وہ بعض اکابر صحابہ کی طرف سے امیر المومنین رضی اللہ عنہ کے خلاف جعلی خطوط لکھتے اور سادہ لوح مسلمانوں کو وہ خط دکھا دکھا کر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف اکساتے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی طرف جو خط انھوں نے منسوب کیا، وہ بھی جعلی تھا اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو اس بارے میں کوئی علم نہیں تھا۔ اور دوسرے یہ کہ قاصد کے پکڑے جانے کا افسانہ بھی بالکل بے بنیاد تھا، کیونکہ جب تمام شہروں کے سبائی واپس چلے گئے تو بقول ان کے وہ خط جو مصر کے سبائیوں نے قاصد سے پکڑا تھا، اس پر صرف مصری سبائی واپس آتے کوفہ اور بصرہ کے سبائی واپس نہ آتے کیونکہ اس خط کے بارے میں انھیں کیسے پتہ چل گیا جیسا کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ان سے سوال کیا اور انھیں کوئی جواب نہ آیا۔ (طبری:۳/۳۸۷، ابن اثیر:۳/۸۰)

باغی سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور سیدنا محمد رضی اللہ عنہ بن مسلمہ کو امیر المومنین رضی اللہ عنہ کے پاس لے گئے اور ان دونوں حضرات کی موجودگی میں انھوں نے خط کا یہ افسانہ سنایا۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

واللہ ما کتبت ولا امرت ولا شاورت و لا علمت۔

''بخدا! نہ تو میں نے یہ خط لکھا ہے، نہ لکھنے کا حکم دیا ہے، نہ میرے مشورے سے لکھا گیا ہے اور نہ ہی مجھے اس کا علم ہے۔'' (طبری:۳/۴۰۷)

ان دونوں حضرات نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی تصدیق کی۔ مصری باغیوں نے پوچھا: ''تو پھر کس نے لکھا؟'' آپ نے فرمایا، ''میں نہیں جانتا۔'' ان لوگوں نے کہا کہ اگر آپ نے یہ خط نہیں لکھا تو پھر آپ کے کاتب

Marfat.com

مروان رضی اللہ عنہ نے لکھا ہوگا۔ آپ نے اس کا ثبوت مانگا مگر وہ کوئی ثبوت پیش نہ کر سکے۔ امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے قسم کھا کر اس خط کی تردید کی تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اس خط پر جو مہر لگی ہوئی ہے، کیا وہ آپ کی مہر ہے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ کسی مہر کی نقل اتار لینا کوئی مشکل کام نہیں ہے۔

باغیوں سے جب امیر المومنین رضی اللہ عنہ کی باتوں کا کوئی جواب بن نہ آیا تو سبائیوں نے کہا: ''آپ نے کوئی خط لکھا ہے یا نہیں لیکن ہماری رائے میں آپ حکومت کے اہل نہیں، لہٰذا یا تو آپ خود مسند خلافت کو چھوڑ دیں وگرنہ ہم آپ کو قتل کر دیں گے۔'' امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''میں موت سے ہرگز نہیں ڈرتا کیونکہ وہ اپنے وقت پر ضرور آئے گی، لیکن میں آپ کو یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ میں مسند خلافت کو کبھی نہیں چھوڑوں گا۔''

کیا کوئی خط لکھا گیا تھا؟

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جس خط پر ان لوگوں نے اس سارے فتنہ وفساد کی بنیاد رکھی، وہ خط لکھا گیا بھی تھا یا نہیں؟ تاریخ کی کتابوں کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ ایسا کوئی خط نہیں لکھا گیا تھا اور اگر کوئی تھا بھی تو وہ سبائیوں کا بنایا ہوا جعلی خط تھا۔ چنانچہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے بھی ان کے اس دعویٰ کی تردید کی اور قسم اٹھا کر کہا:

والله امر ابرم بالمدينه۔

''بخدا! یہ سازش تو مدینہ طیبہ میں تیار کی گئی ہے۔''

وہ سازش کچھ اس طرح تیار کی گئی کہ سبائی جب دوسری بار یورش کر کے مدینہ طیبہ آئے تھے تو مدینہ کے پرسکون لیکن اپنے خلاف جذبات کو دیکھ کر وہ اہل مدینہ سے خوفزدہ ہو گئے اور انھوں نے یہ بھی دیکھا کہ مہاجرین و انصار اور ان کی اولاد نے امیر المومنین رضی اللہ عنہ کے قصر خلافت کا محاصرہ کر لیا ہے تاکہ انھیں کوئی گزند نہ پہنچا سکے۔ ان حالات کے پیش نظر وہ اگرچہ ظاہری طور پر مدینہ طیبہ سے واپس اپنے اپنے شہروں کو چلے گئے لیکن مالک الاشتر اور حکیم بن جبلہ مدینہ میں رہ گئے۔ یہ دونوں سبائی گروہ کے سرغنہ تھے۔ مدینہ میں رہ کر انھوں نے یہ غلط اور جعلی خط بنایا تاکہ اس بہانے وہ مصر، کوفہ اور بصرہ کے سبائیوں کو دوبارہ مدینہ طیبہ بلا سکیں۔ اس خط پر جو مہر لگائی گئی وہ بھی جعلی تھی۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور ان کے کسی شخص نے گورنر مصر کو کوئی خط نہیں لکھا تھا۔ (طبری: ۳/۴۰۸)

دوسری بات اس سلسلہ میں یہ ہے کہ گورنر مصر تو مصر میں موجود ہی نہ تھے، لہٰذا انھیں خط لکھنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ وہ تو مصر سے مدینہ طیبہ آ رہے تھے تاکہ امیر المومنین رضی اللہ عنہ کو سبائیوں کی غیر قانونی سرگرمیوں سے مطلع کیا جا سکے اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو ان کے مصر میں نہ ہونے کا علم تھا۔ (طبری: ۳/۴۱۰)

تیسری چیز یہ ہے جیسا کہ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ سبائیوں نے اس سے قبل بھی مدینہ میں مقیم صحابہ خصوصی طور پر سیدنا علی رضی اللہ عنہ، سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ کی طرف سے لوگوں کو کئی جعلی اور جھوٹے خط لکھے تھے جن میں انھیں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف جنگ وقتال کی دعوت دی تھی۔ (البدایہ والنہایہ: ۷/۱۹۵)

Marfat.com

معزولی پر اصرار:

اب باغیوں نے نہایت شدت سے اصرار کرنا شروع کر دیا کہ امیر المومنین رضی اللہ عنہ فوری طور پر خلافت سے دست بردار ہو جائیں، لیکن امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں کسی صورت بھی خلافت سے دست بردار نہیں ہوں گا۔ چنانچہ باغیوں نے قصر خلافت کا محاصرہ کر لیا۔ محاصرہ طویل ہو گیا، لیکن آپ نے اس کی کوئی پروانہ کی اور برابر مسجد میں تشریف لاتے رہے۔ آخر ایک جمعہ کو جبکہ آپ خطبہ ارشاد فرما رہے تھے، باغیوں نے پتھر برسا کر آپ کو زخمی کر دیا یہاں تک کہ آپ بے ہوش ہو کر زمین پر گر پڑے اور اسی بے ہوشی کی حالت میں آپ کو گھر لایا گیا۔

ایک جمعہ میں جہجاہ سبائی اٹھا اور اس نے آپ کے ہاتھ سے وہ عصا لے کر جس کو آپ خطبہ دینے کے لیے استعمال کرتے تھے، اپنے دائیں گھٹنے پر رکھ کر توڑ دیا۔ آخر ایک روز آپ کو مسجد نبویؐ میں جانے سے بھی روک دیا گیا۔ آپ کی غیر حاضری میں سیدنا سہل رضی اللہ عنہ بن حنیف امامت کے فرائض سرانجام دیتے رہے۔ محاصرہ کے دوران اگرچہ آپ کا پانی تک بند کر دیا گیا لیکن آپ نہایت صبر و استقلال سے یاد خداوندی میں مصروف رہے اور اپنے موقف سے ذرہ برابر بھی نہ ہٹے۔

۴۹ روز تک محاصرہ رہا اور آخر میں تو محاصرے میں شدت پیدا کر دی گئی حتیٰ کہ پانی تک بند کر دیا گیا، چنانچہ آپ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ، سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور دیگر کئی ایک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو پانی مہیا کرنے کے لیے پیغام بھجوایا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ، سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے پانی بھجوانے کی کوشش کی لیکن باغیوں نے سخت مزاحمت کی۔ چنانچہ ایک روز سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے باغیوں کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا:

''بخدا! فارس اور روم کی حکومتیں بھی یہ کچھ نہیں کرتیں جو کچھ تم سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ کر رہے ہو۔ بخدا! وہ بھی جب کسی شخص کو گرفتار کرتے ہیں تو اس کا آب و دانہ نہیں روکتے۔'' (البدایہ والنہایہ: ۷/ ۱۸۷)

حالات دن بدن زیادہ نازک صورت اختیار کرتے جا رہے تھے۔ شورش پسندوں نے آپ پر عرصۂ حیات تنگ کر دیا۔ چنانچہ مختلف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنے صاحبزادوں کو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی حفاظت کے لیے قصر خلافت پر متعین کر دیا جن میں سیدنا حسن رضی اللہ عنہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ، سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ، سیدنا مروان بن الحکم رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ (البدایہ والنہایہ: ۷/ ۱۷۶)

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے ہر اس شخص کو جو آپ کی حفاظت کے فرائض سرانجام دینا چاہتا تھا، نہایت سختی سے روکا۔ قصر خلافت میں آپ کے غلام آپ کی حفاظت کا فریضہ سرانجام دینا چاہتے تھے لیکن آپ کا ایک ہی جواب تھا کہ مجھے جنگ و جدال کی کوئی ضرورت نہیں۔ لیکن صحابہ زادگان آپ سے چوری چھپے اپنا فریضہ سرانجام دیتے رہے بلکہ کئی مرتبہ سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ، سیدنا حسن رضی اللہ عنہ، سیدنا مروان رضی اللہ عنہ اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے غلام قنبر شورش پسندوں کی سنگ باری سے شدید زخمی بھی ہو گئے۔ (البدایہ والنہایہ: ۷/ ۱۸۸، انساب الاشراف: ۵/ ۶۹، ۹۵، الاستیعاب: ۳/ ۷۸)

ہر آنے والا دن گزشتہ دن سے شدید تر اور سخت تر ہوتا جا رہا تھا، لیکن محاصرے کی شدت اور مصائب

Marfat.com

کی تیز وتند آندھی آپ کے پائے عزم واستقلال میں ذرہ برابر بھی لغزش پیدا نہ کرسکی۔ حج کے دن قریب آرہے تھے اور اپنا حج پر جانا آپ مشکل سمجھ رہے تھے۔ چنانچہ ایک روز آپ نے مکان کی چھت پر چڑھ کر سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو بلوایا جو اس وقت قصر خلافت میں سکیورٹی گارڈ کے فرائض سرانجام دے رہے تھے۔ جب سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ حاضر خدمت ہوئے تو آپ نے فرمایا کہ آپ میری طرف سے امیر الحج کے طور پر مکہ مکرمہ چلے جائیں۔ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کی: ''امیر المومنین! بخدا! ان باغیوں سے جہاد کرنا مجھے حج سے زیادہ محبوب ہے۔'' چنانچہ ۳۵ھ میں آپ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی جانب سے امیر الحج کے فرائض سرانجام دیئے۔

ایک روز دفعتاً محاصرین قصر خلافت نے تیر اندازی شروع کردی۔ صحابہ زادے جو سکیورٹی گارڈ کے فرائض سرانجام دے رہے تھے، انھوں نے مزاحمت کی لیکن سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے انھیں قسم دے کر روکا۔ پھر ایک روز ایسا ہوا کہ سبائیوں نے قصر خلافت کی ڈیوڑھی کو آگ لگا دی اور اس کا دروازہ جل کر گر پڑا۔ بلوائیوں نے قصر خلافت میں داخل ہونے کی کوشش کی، لیکن قصر خلافت میں مقیم لوگوں نے آگے بڑھ کر ان کو روک دیا۔ سبائیوں نے جب دیکھا کہ مدافعین بڑی سختی سے قصر خلافت کا دفاع کررہے ہیں تو انھوں نے تیر چلانے شروع کردیئے۔ ان سے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ، سیدنا مروان رضی اللہ عنہ، سیدنا محمد بن طلحہ رضی اللہ عنہ، سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اور دوسرے کئی حضرات زخمی ہوئے۔ قصر خلافت میں موجود دو تین حضرات شہید بھی ہوگئے۔

شہادت کی تیاری:

محاصرہ طویل ہوتا جارہا تھا اور باغیوں کے دلوں میں ایک خوف تھا، وہ یہ کہ حج بیت اللہ سے فراغت کے بعد ہزاروں حاجی مدینہ آئیں گے جس کی وجہ سے ہم اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہوسکیں گے، لہٰذا وہ اب عجلت سے کام لینا چاہتے تھے۔ ویسے تو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اکثر روزہ رکھتے بلکہ ایام محاصرہ میں شاید ہی انھوں نے روزہ میں ناغہ کیا ہو۔ امیر المومنین رضی اللہ عنہ کے گھر میں ایک کنواں تھا۔ اس کا پانی سخت کڑوا تھا۔ شہادت سے ایک روز قبل آپ نے محاصرین کو بلا کر کہا کہ میں روزے سے ہوں، لہٰذا افطاری کے لیے مجھے توڑا سا پانی منگوانے کی اجازت دیں، لیکن ان سنگدل لوگوں نے اجازت نہ دی۔ چنانچہ آپ روزہ افطار کیے بغیر رات کو سوگئے۔ کچھ کھائے پیئے بغیر آپ نے دوسرا روزہ بھی رکھ لیا اور یہ آپ کی زندگی کا آخری روزہ تھا۔ آپ کی زوجہ محترمہ سیدہ نائلہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی کہ رات آپ نے کچھ کھایا پیا نہیں، اس لیے آپ روزہ کی تکمیل کس طرح کریں گے۔ مسکرا کر فرمایا کہ رات میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا ہے۔ آپ کے ہاتھ میں ٹھنڈے اور شیریں پانی کا ڈول تھا۔ آپ نے تین دفعہ مجھے وہ پانی پلایا۔ پھر فرمایا کہ ''عثمان رضی اللہ عنہ! کل یہ لوگ تم پر یورش کریں گے اور تم روزہ ہمارے پاس آکر افطار کرنا۔'' ایک روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''عثمان رضی اللہ عنہ! اپنے آپ کو ہم سے روکے نہ رکھو بلکہ جلدی آملو، ہم تمہارا انتظار کررہے ہیں۔''

Marfat.com

اس روز آپ نے بیس غلاموں کو آزاد فرمایا اور اپنا ایک پاجامہ منگوا کر پہنا۔ حالانکہ اس سے قبل آپ نے کبھی پاجامہ نہیں پہنا تھا، آپ نے پھر قرآن حکیم منگوایا اور اس کو پڑھنا شروع کر دیا۔

قصر خلافت کے صدر دروازے پر صحابہ زادوں کی سکیورٹی گارڈ تھی، لہٰذا باغیوں نے قصر خلافت کے عقب سے دیوار پھاندی اور اندر داخل ہوئے۔ دیوار پھاندنے والوں میں پیش پیش محمد ابن ابی بکر تھے اور ان کے ساتھ کنانہ بن بشر، سودان بن حمران اور عمرو بن الحمق تھے۔ انھوں نے آپ کو گھیر لیا۔ آپ نے دیکھا کہ ان میں محمد بن ابی بکر بھی ہیں، اس نے آگے بڑھ کر امیر المومنین رضی اللہ عنہ کی داڑھی پکڑ لی اور کہا، نہ معاویہ رضی اللہ عنہ تمھارے کام آیا اور نہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اور نہ تمھارے خط ہی تمھیں ہم سے بچا سکے۔ امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے محمد ابن ابی بکر کو دیکھ کر فرمایا: ''بھتیجے! تیرا باپ تو میری داڑھی نہیں پکڑتا تھا، تجھے کیسے جرأت ہوئی۔'' یہ سن کر محمد نادم ہو کر واپس چلا گیا۔

اس کے بعد غافقی بن حرب نے آگے بڑھ کر قرآن حکیم کو پاؤں سے ٹھکرایا۔ اسی اثنا میں کنانہ بن بشر نے پیشانی پر زور سے لوہے کی لٹھ ماری جس سے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ پہلو کے بل گر پڑے اور آپ کی زبان سے بسم اللہ توکلت علی اللہ کے الفاظ نکلے۔ اس کے بعد عمرو بن الحمق نے سینے پر چڑھ کر نیزے کے نو وار کیے۔ آپ کی اہلیہ سیدہ نائلہ رضی اللہ عنہا آپ کو بچانے کے لیے دوڑیں، لیکن سودان بن حمران کی تلوار کے وار سے ان کی تین انگلیاں کٹ گئیں۔ پھر سودان بن حمران نے بڑھ کر داماد رسول، پیکر حلم وحیاء، جامع قرآن سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان کو شہید کر دیا۔ خون کا پہلا قطرہ اس آیت پر گرا: ﴿فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ﴾ (البقرۃ ۲:۱۳۷) (اللہ تعالیٰ ان سے عنقریب آپ کی کفایت کرے گا اور وہ خوب سننے اور جاننے والا ہے) اس وقت جس آیت کی آپ تلاوت فرما رہے تھے وہ یہ تھی: ﴿اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِيمَاناً وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ﴾ (آل عمران ۳:۱۷۳) (وہ لوگ کہ جب ان سے لوگوں نے کہا کہ کافروں نے تمھارے مقابلے میں لشکر جمع کر لیے ہیں تم ان سے خوف کھاؤ تو اس بات نے انھیں ایمان میں اور بڑھا دیا اور کہنے لگے ہمیں اللہ کافی ہے اور وہ بہت اچھا کارساز ہے)

(البدایہ والنہایہ: ۷/۱۸۸، طبری: ۳/)

ایک روایت میں ہے کہ عمرو بن الحمق آپ کے سینۂ مبارک پر بیٹھ کر نیزے کے نو وار کر کے جسم اطہر کو چھلنی کر رہا تھا، لیکن آپ نہایت تحمل اور صبر کے ساتھ اس کے نیزے کے واروں کو اپنے جسم پر سہتے اور ہر ضرب پر حسبی اللہ ونعم الوکیل پڑھتے۔ اس طرح سے ظالموں نے آپ کی شمع حیات ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بجھا دی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

قصر خلافت کے اس ہنگامے میں جہاں سیدہ نائلہ رضی اللہ عنہا کی تین انگلیاں کٹ گئیں، وہاں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے دو غلام بھی ان باغیوں کے ہاتھوں جام شہادت نوش کر گئے لیکن سودان بن حمران بھاگتے ہوئے آپ کے ایک غلام کے ہاتھوں مارا گیا۔ (البدایہ والنہایہ: ۷/۱۸۹)

Marfat.com

شہادت کے بعد:

۱۸ ذی الحجہ ۳۵ھ کو آپ کی شہادت ہوئی۔ دن جمعہ کا تھا اور وقت نماز عصر کے بعد، باغی چونکہ عقبی دیوار پھاند کر گئے تھے، لہٰذا قصر خلافت کے سکیورٹی گارڈ کے دستے کو اندر کے ہنگامہ کا کوئی پتہ نہ چلا۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ جب شہید ہو گئے اور باغی جس راستہ سے آئے تھے، اسی راستہ سے واپس چلے گئے تو سیدہ نائلہ رضی اللہ عنہا نے قصر خلافت کی چھت پر چڑھ کر اہل مدینہ کو آواز دی: ''لوگو! امیر المومنین رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا گیا ہے۔'' سیدنا حسن رضی اللہ عنہ، سیدنا حسین رضی اللہ عنہ، سیدنا مروان رضی اللہ عنہ اور دوسرے حضرات جو قصر خلافت کے دروازہ پر موجود تھے اندر داخل ہوئے۔ دیکھا کہ امیر المومنین شہید کر دیئے گئے۔ وہ سب ان کی لاش پر گر پڑے اور رونے لگے۔ شہادت کی یہ خبر سیدنا علی رضی اللہ عنہ، سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ کو بھی ملی۔ سب لوگ حیرانی اور پریشانی کے عالم میں اپنے گھروں سے باہر نکل آئے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو تھپڑ مارے اور محمد بن طلحہ رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو بھی سخت سست کہا اور فرمایا کہ امیر المومنین رضی اللہ عنہ کیسے قتل ہو گئے جبکہ تم قصر خلافت کے دروازے پر موجود تھے۔ اس کے بعد آپ اندر تشریف لے گئے اور امیر المومنین رضی اللہ عنہ کو خون میں لت پت مذبوح دیکھا تو آپ کی لاش پر وارفتگی کے عالم میں روتے ہوئے گر پڑے حتی کہ دیکھنے والوں کو یہ گمان ہونے لگا کہ آپ بھی کہیں انتقال نہ کر جائیں۔ (البدایہ والنہایہ: ۷/۱۹۳)

شہادت کے بعد باغیوں نے مارشل لاء کی سی کیفیت طاری کر دی تھی اور ہر طرف خوف ہراس کا عالم تھا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کو کچھ سجھائی نہیں دیتا تھا کہ کیا کیا جائے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا جسد اطہر قصر خلافت میں پڑا ہوا تھا۔ خطرہ تھا کہ شورش پسند تجہیز و تکفین میں مزاحمت نہ کریں، لہٰذا سیدنا حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ، سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ، سیدنا کعب رضی اللہ عنہ بن مالک، سیدنا علی رضی اللہ عنہ، سیدنا حسن رضی اللہ عنہ، سیدنا مروان رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کی موجودگی میں ہفتہ کے دن مغرب اور عشاء کے درمیان جنت البقیع کے مشرق میں ''حش کوکب'' میں آپ کو دفن کر دیا گیا۔ نماز جنازہ ایک روایت کے مطابق سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ نے پڑھائی۔ (البدایہ والنہایہ: ۷/۱۹۱، ابن خلدون: ۲/۱۰۵۳، التمہید والبیان: ۱۴۲)

وفات کے وقت آپ کی عمر تراسی (۸۳) سال تھی۔ آپ چونکہ شہید تھے، لہٰذا آپ کو غسل نہ دیا گیا اور انہی خون آلود کپڑوں میں دفن کر دیا گیا۔ (طبری: ۳/۴۴۱، التمہید والبیان: ۱۴۴)

آپ کی نماز جنازہ نہ صرف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پڑھی بلکہ ملائکہ نے بھی آپ کی نماز جنازہ پڑھی۔

شہادت عثمان رضی اللہ عنہ کے نقصانات:

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت سے امت مسلمہ کو بہت سے نقصانات اٹھانا پڑے جن میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

Marfat.com

① سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت سے دنیا سے خلافت راشدہ خاصہ کا قیامت تک کے لیے خاتمہ ہوگیا جو کہ نہ صرف امت مسلمہ بلکہ تمام دنیا کے لیے ایک بہت بڑا نقصان ہے۔ علماء نے خلافت راشدہ کی دو قسمیں لکھی ہیں:

① خلافت راشدہ خاصہ ② خلافت راشدہ مطلقہ

خلافت راشدہ خاصہ دوسرے لفظوں میں خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کو کہتے ہیں۔ خلافت کا یہ درجہ بقول شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان پر ختم ہوگیا۔ (ازالۃ الخفاء:۱/۳۰۲)

② آپ کی مظلومانہ شہادت سے دوسرا نقصان یہ ہوا کہ امت میں قیامت تک کے لیے جنگ وجدال اور قتل وہلاکت کا سلسلہ شروع ہوگیا اور سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ بن سلام کی وہ بات بالکل سچی ثابت ہوئی جو انھوں نے آپ کی شہادت کے موقع پر فرمائی تھی:

''کوئی نبی قتل نہیں ہوا مگر یہ کہ اس کے عوض اس کی امت میں سے ستر ہزار افراد قتل کیے گئے اور کوئی خلیفۃ الرسول قتل نہیں کیا گیا مگر یہ کہ اس کی پاداش میں ۳۵ ہزار نفوس قتل کیے گئے۔''

(طبقات ابن سعد:۳/۸۳، المطالب العالیہ لابن حجر:۴/۲۸۷)

علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ''مصنف عبدالرزاق'' کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ بن سلام نے قصر خلافت کا محاصرہ کرنے والوں سے فرمایا کہ:

''اگر تم نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا تو یاد رکھنا کہ اللہ تعالیٰ اپنی تلوار بے نیام کر دے گا اور اہل اسلام کے مابین ہمیشہ کے لیے خونریزی کا سلسلہ جاری وساری ہو جائے گا۔ یاد رکھو ایک نبی کے قتل کے بدلے میں ستر ہزار آدمی اور ایک خلیفہ کے قتل کا بدلے میں ۳۵ ہزار آدمی قتل کیے جاتے ہیں۔ اس کے بعد بھی باہمی اتحاد واتفاق بمشکل ہی پیدا ہوتا ہے۔'' (تاریخ الخلفاء:۱۶۳، مصر)

تاریخ کے صفحات اس بات کے گواہ ہیں کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے سانحہ کے فوراً بعد پہلے تو جمل وصفین کی جنگیں ہوئیں اور پھر آپس میں تشتت وافتراق اور باہمی سر پھٹول کا وہ سلسلہ شروع ہوا، جس کا آج تک مداوا نہیں ہوسکا اور کوئی شخص شمار نہیں کرسکتا کہ اس میں آج تک کتنی جانیں ضائع ہوئی ہیں۔

③ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت سے تیسرا نقصان یہ ہوا کہ خلافت اسلامیہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے مدینہ طیبہ سے چلی گئی جس کے بارے میں سیدنا سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کر کے لوگوں نے اسلام کے مضبوط اور مستحکم قلعے میں ایسا رخنہ ڈال دیا جو قیامت تک بند نہیں ہوگا۔ خلافت اہل مدینہ کا حق تھا۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کر کے انھوں نے اپنے ہاں سے خلافت کا اس طرح خاتمہ کیا کہ پھر کبھی اہل مدینہ کو خلافت نصیب نہیں ہوگی۔'' (تاریخ الخلفاء:۱۶۳)

چنانچہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں خلافت اسلامیہ کے مرکز کو مدینہ طیبہ سے کوفہ منتقل کر دیا

Marfat.com

اور پھر آج تک مدینہ طیبہ کو دارالخلافہ بننا نصیب نہیں ہوا۔ اس سے مشہور صحابی رسول سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ بن سلام کی یہ بات درست اور صحیح ثابت ہوئی جب انھوں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے گھوڑے کی لگام پکڑ کر کہا تھا اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ اس وقت مدینہ کو چھوڑ کر کوفہ کو اپنا مرکز بنانے کے لیے جا رہے تھے:

''اے امیر المومنین رضی اللہ عنہ! آپ مدینہ طیبہ سے ہرگز نہ جایئے۔ بخدا! اگر آپ نے مدینہ چھوڑ دیا تو پھر مسلمانوں کی حکومت مدینہ طیبہ میں کبھی نہیں آئے گی۔'' (البدایہ والنہایہ: ۳۳۳/۷)

④ چوتھا نقصان سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت سے یہ ہوا کہ کفار کے ساتھ جنگوں میں ملائکہ نے اہل اسلام کی مدد کرنا چھوڑ دی۔ چنانچہ محمد بن سیرین کا یہ قول ہماری اس بات کی تائید کرتا ہے کہ:

''سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد فرشتوں نے اسلامی جنگوں میں مسلمانوں کی مدد کرنا چھوڑ دی۔'' (تاریخ الخلفاء: ۱۶۳)

یہ تو چار واضح نقصانات تھے، لیکن اس کے علاوہ اور بھی بہت سے نقصانات ہوئے جن کی تلافی نہیں ہو سکی۔

شہادت عثمان رضی اللہ عنہ پر صحابہ رضی اللہ عنہم کے تاثرات:

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ان کی شہادت کا سخت صدمہ ہوا۔ سیدہ نائلہ رضی اللہ عنہا نے قصر خلافت کی چھت پر چڑھ کر اہل مدینہ کو اونچی آواز سے بتایا کہ ''امیر المومنین رضی اللہ عنہ شہید کر دیئے گئے ہیں۔'' یہ سننا تھا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنے گھروں سے دوڑ کر قصر خلافت میں آنا شروع ہو گئے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے جسد مبارک کو دیکھ کر ان کی آنکھیں پرنم ہو گئیں۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ، سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ، سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا سعد رضی اللہ عنہ بن ابی وقاص ایک عجیب پریشانی کے عالم میں اپنے گھروں سے نکل کر قصر خلافت پہنچے۔ حالت یہ تھی کہ ''ان کے ہوش وحواس جا چکے تھے،'' قد ذهبت عقولهم۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ پر تو ایک عجیب کیفیت طاری تھی۔ ابن قتیبہ رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے:

فيكون و يعولون حتى غشى علىٰ علی۔

''صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رو رہے تھے اور چیخ و پکار کر رہے تھے حتی کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ پر غشی طاری ہو گئی۔'' (الامامۃ والسیاسۃ: ۴۴/۱)

جب آپ قصر خلافت سے باہر نکلے تو ابن قتیبہ نے لکھا ہے کہ آپ کے ہوش وحواس گم تھے۔ (وقد سلب عقله) غرضیکہ صحابہ کرام کو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کا سخت صدمہ ہوا۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے شہادت عثمان رضی اللہ عنہ کا سن کر فرمایا:

''اے اللہ! میں تیرے حضور خون عثمان رضی اللہ عنہ سے اپنے آپ کو بری قرار دیتا ہوں۔'' (البدایہ والنہایہ: ۱۹۳/۷)

سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ''عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل سے اسلام میں وہ رخنہ پڑ گیا جو اب قیامت تک بند

Marfat.com

ہوگا۔'' سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''اگر لوگوں نے خون عثمان رضی اللہ عنہ کے قصاص کا مطالبہ نہ کیا تو آسمان سے ان پر پتھروں کی بارش ہوگی۔'' سیدنا سعد رضی اللہ عنہ بن ابی وقاص نے فرمایا: ''قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ ایمان کی سعادت سے محروم ہیں، اللہ تعالیٰ انھیں خائب و خاسر فرمائے۔'' سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ ہلاک ہوں۔'' سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ نے اس حادثۂ فاجعہ پر فرمایا: ''اللہ عثمان رضی اللہ عنہ پر رحم فرمائے اور قاتلین سے ان کا انتقام لے۔'' سیدنا سعید رضی اللہ عنہ بن زید نے فرمایا کہ ''اگر احد پہاڑ تمھاری اس بداعمالی کی وجہ سے تم پر پھٹ کر گر پڑے تو وہ بجا ہے۔'' سیدنا ابوحمید الساعدی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''میں اب موت آنے تک ہنسوں گا نہیں۔'' سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ''عثمان رضی اللہ عنہ مظلوم قتل کیے گئے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کے قاتلوں پر لعنت کرے۔'' سیدنا ثمامہ رضی اللہ عنہ بن عدی نے فرمایا: ''امت میں اب خلافت نبوت ختم ہوگئی۔''

قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ کا انجام:

امیر المومنین سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا قتل کوئی معمولی قتل نہ تھا کہ ملک کی رائے عامہ اس پر خاموش رہتی اور ان کے قاتل ''عزیز ذوانتقام'' کی گرفت سے بچ جاتے۔ آپ کی شہادت کے المیے کے بعد ملک کے گوشے گوشے سے ''قصاص، قصاص'' کی آوازیں بلند ہوئیں اور جب آپ کے بعد والے خلیفہ نے ان کے قاتلوں سے انتقام لینے میں معمولی تساہل سے کام لیا تو غیرت خداوندی نے ان قاتلوں سے خود انتقام لیا۔ وہ سارے کے سارے نہایت ذلت سے اس دنیا سے مرے اور عبرتناک انجام سے دوچار ہوئے اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ان کے لیے جو دعا کی تھی وہ حرف بحرف پوری ہوئی کہ:

''اے اللہ! قاتلان عثمان رضی اللہ عنہ پر لعنت فرما، خواہ وہ زمین پر ہوں یا سمندر میں، نشیبی زمین میں ہوں یا پہاڑ پر ہوں۔'' (منہاج السنہ: ۲/۱۸۶)

ان کا انجام کیا ہوا، علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ:

''قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ میں سے جو بھی مرا قتل ہو کر مرا۔'' (البدایہ والنہایہ: ۷/۱۸۹، طبری: ۳/۴۳۱)

گویا اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں دو سزائیں دے کر ان سے قصاص لیا۔ ایک تو وہ پاگل ہوئے، دوسرے قتل۔ آخرت میں ان کے لیے کیا ''عذاب الیم'' ہے، اس کو اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں۔ امام محمد ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ نے ایک ایسے شخص کا واقعہ نقل کیا ہے کہ:

''میں بیت اللہ کا طواف کر رہا تھا۔ دیکھا کہ ایک شخص بیت اللہ میں یہ کہتا پھر رہا ہے: ''اللھم اغفرلی وما اظن ان تغفرلی۔'' ''اے اللہ! مجھے معاف فرما دے لیکن مجھے گمان نہیں کہ تو مجھے بخش دے گا۔'' میں نے اس سے کہا یہ تو کیوں کہتا ہے، اس نے جواب دیا کہ ''میں نے حق تعالیٰ سے عہد کیا تھا کہ اگر میں عثمان رضی اللہ عنہ کے منہ پر تھپڑ مار سکا تو ضرور ماروں گا۔ چنانچہ جب وہ شہید ہوئے اور ان کا جنازہ چارپائی پر رکھا

Marfat.com

ہوا تھا، میں نے موقع پا کر آپ کے چہرے سے کپڑا ہٹایا اور زور سے ایک تھپڑ مارا جس پر میرا دایاں ہاتھ سوکھ گیا۔

امام محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے اس کا دایاں ہاتھ دیکھا۔ وہ لکڑی کی طرح سوکھا ہوا تھا۔

(البدایہ والنہایہ: ۷/۱۹۱، التاریخ الکبیر بخاری: ۳/۱۲۷)

جو لوگ اس شہادت اور ہنگامہ آرائی میں مرکزی کردار ادا کر رہے تھے، اللہ تعالیٰ کی گرفت سے وہ بھی نہ بچ سکے۔ ان چند سرغنوں کا انجام یہ ہوا:

① عبداللہ بن سباء: اس تحریک کا بانی عبداللہ بن سباء مسلم نما یہودی تھا۔ جس نے محبت اہل بیت کی آڑ میں امت مسلمہ سے اپنے یہودی آباؤ اجداد کا انتقام لینے کے لیے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف تحریک شروع کی جو بعد میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کا باعث بنی۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے زمانے میں اس نے مسلمانوں کے ایمان اور عقائد کو خراب کر کے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے خدا ہونے کا دعویٰ کیا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو جب پتہ چلا تو آپ نے اسے اس عقیدہ سے توبہ کرنے کے لیے کہا، لیکن اس نے توبہ سے انکار کر دیا، لہٰذا آپ نے اسے زندہ آگ میں جلا دیا۔ (رجال الکشی: ۷۰)

② مالک الاشتر النخعی اس تحریک کا دوسرا سرغنہ تھا۔ یہ جعلی خط بنانے میں بڑا ماہر تھا۔ گورنر مصر کے نام بھی جھوٹا خط اس کا بنایا ہوا تھا۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد یہی شخص تھا جس نے سب سے پہلے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ ان کے خلیفہ ہونے کے بعد یہ ان کی فوج کا کمانڈر انچیف بن گیا۔ بعد میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اسے گورنر بنا دیا۔ گورنری کا پروانہ لے کر جب وہ سویز کے قریب پہنچا تو شہد کا شربت پیا اور مر گیا۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور اہل شام کو جب اس کی موت کا علم ہوا تو کہا، ''اللہ کے بعض لشکر شہد میں بھی ہوتے ہیں جو اس کے دشمنوں سے انتقام لیتے ہیں۔'' (البدایہ والنہایہ: ۷/۳۱۲)

③ محمد ابن ابی بکر بھی ان لوگوں میں سے تھا جو قتل عثمان رضی اللہ عنہ میں شریک تھے۔ یہ اس گروہ میں بھی شامل تھا جو قصر خلافت کی دیوار پھاند کر امیر المومنین رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے کے لیے اندر گئے تھے۔ اس نے آگے بڑھ کر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی ریش مبارک پکڑ لی۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اسے دیکھ کر فرمایا:

لقد اخذت بلحية كان ابوك يكرمها۔

''تو نے اس داڑھی کو پکڑا ہے جس کی عزت و تکریم تیرا باپ بھی کیا کرتا تھا، اس پر وہ نادم ہوا اور اپنا منہ کپڑے میں چھپا کر چلا گیا۔'' (البدایہ والنہایہ: ۷/۱۸۵)

مصر میں معاویہ رضی اللہ عنہ بن خدیج نے اس کو قتل کیا پھر اس کی نعش کو گدھے کی کھال میں ڈال کر جلا دیا۔

(ابن اثیر: ۳/۱۷۹، مروج الذہب: ۲/۳۹، البدایہ والنہایہ: ۷/۳۱۴، طبری: ۳/۷۹)

سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہ کو جب سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں کی خبریں ملتیں تو بہت خوش ہوتے۔ جب

Marfat.com

انھیں محمد بن ابی بکر کے قتل کی خبر ملی تو فرمایا: ''فاسق بن ابی بکر'' بھی پکڑا گیا۔ راوی ابوالاشب کہتے ہیں:

وکان الحسن لایسمیه باسمه انما کان یسمیه الفاسق۔

''سیدنا حسن رضی اللہ عنہ انھیں ان کے اصلی نام محمد سے نہیں پکارا کرتے تھے بلکہ اسے فاسق کے لفظ سے پکارتے تھے یعنی ''فاسق بن ابی بکر'' کہتے تھے۔'' (طبقات ابن سعد: ۸۳/۳)

④ کنانہ بن بشر بھی قاتلان عثمان میں سے تھا۔ جن لوگوں نے مصر سے مدینہ پر یورش کی تھی یہ شخص ان کا سردار تھا۔ یہی تھا جو اپنی تلوار سے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا پیٹ پھاڑنا چاہتا تھا کہ سیدہ نائلہ رضی اللہ عنہا آڑے آئیں اور ان کی تین انگلیاں کٹ گئیں۔ اس کو سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے مصر کی ایک جنگ میں ایسا گھیر کر مارا کہ وہ بالکل تہس نہس ہو گیا۔ (طبری: ۴۲۴/۳، ابن اثیر: ۱۷۹/۳)

⑤ حکیم بن جبلہ: یہ بصرہ کا مشہور ڈاکو تھا۔ بصرہ کے دورہ میں عبداللہ بن سباء کی نگاہ انتخاب اس پر پڑی۔ چنانچہ بصرہ میں شورش پسندوں کا سرغنہ ہو گیا۔ جنگ جمل میں یہ تلوار ہاتھ میں لیے دائیں بائیں لڑ رہا تھا کہ ایک شخص نے اپنی تلوار سے اس کی ٹانگ کاٹ دی اور پھر اسے قتل کر دیا۔

یہ بدبخت صرف اکیلا ہی نہیں مارا گیا تھا بلکہ اس کے ساتھ اس کا بڑا لڑکا اور اس کا بھائی رعل بن جبلہ بھی مارا گیا۔ (ابن اثیر: ۱۱۲/۳) قتل کیسے ہوا، طبری نے اس کی کیفیت لکھی ہے کہ:

''اس کا سر اس طرح مروڑا کہ وہ ایک طرف سے چمڑے سے لٹکا رہ گیا اور اس کا منہ گدی کی طرف لگ گیا۔'' (طبری: ۴۹۰/۳)

⑥ عبدالرحمٰن بن عدیس بھی قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ میں سے تھا۔ یہ ان لوگوں کا قائد تھا جو مصر سے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف یورش کر کے آئے تھے۔ محاصرۂ قصر خلافت کے زمانے میں یہ بدبخت امیر المومنین رضی اللہ عنہ اور ان کے گھر والوں پر بہت سختی کرتا تھا۔ یہ حمص میں جلیل پہاڑ کے قریب قتل ہوا۔ ہوا یہ کہ اسے وہاں ایک بدو ملا۔ اسے جب پتہ چلا کہ یہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں میں سے ہے تو اسے فوری طور پر قتل کر دیا۔

⑦ جہجاہ الغفاری: آپ کو اذیت دینے والوں میں ایک یہ بھی تھا، اس نے مدینہ طیبہ پر باغیوں کی یورش کے دوران ایک روز جب مسجد نبویؐ میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ خطبہ جمعہ ارشاد فرما رہے تھے آپ کے ہاتھ سے آپ رضی اللہ عنہ کا عصا چھین کر توڑ دیا تھا اور امیر المومنین رضی اللہ عنہ کو منبر رسولؐ سے اتار دیا تھا۔ اس بدبخت کو یہ سزا ملی کہ جس گھٹنے پر رکھ کر اس نے عصا توڑا تھا، اس پر ایک ایسا پھوڑا نکل آیا جو گوشت کو کھاتا جاتا تھا۔ پھر اس میں کیڑے پڑ گئے اور اس طرح وہ ذلیل و خوار ہو کر مرا۔ (طبری: ۴۰۰/۳)

اسی طرح کا انجام ان سب لوگوں کا بھی ہوا جو کسی نہ کسی وجہ سے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل میں شریک ہوئے تھے۔

Marfat.com

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے گورنر اور عہد یدار:

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے بارہ سالہ دور خلافت میں جن حضرات کو مختلف صوبوں میں اپنا گورنر مقرر فرمایا، ان کی اجمالی فہرست درج ذیل ہے:

① مکہ المکرّمہ میں مختلف مواقع پر تین حضرات گورنر رہے:
- ① خالد رضی اللہ عنہ بن العاص بن ہشام المخزومی۔
- ② علی رضی اللہ عنہ بن عدی بن ربیعہ
- ③ عبداللہ رضی اللہ عنہ بن حارث بن نوفل الہاشمی۔

(تجرید اسمائے صحابہ: ۱/۱۵۶، تاریخ یعقوبی: ۳/۱۸۶، الاستیعاب: ترجمہ خالد رضی اللہ عنہ بن العاص)

② طائف: قاسم رضی اللہ عنہ بن ربیعہ الثقفی۔ (ابن اثیر: ۳/۱۸۶، یعقوبی: ۲/۱۷۶)

③ صنعاء (یمن): یعلیٰ رضی اللہ عنہ بن منیۃ التمیمی۔ (طبری: ۳/۴۴۵، یعقوبی: ۲/۱۷۶)

④ الجند (یمن): عبداللہ رضی اللہ عنہ بن ابی ربیعہ المخزومی (طبری: ۳/۴۴۵، ابن اثیر: ۳/۱۸۶)

⑤ صنعاء (شام): ثمامہ رضی اللہ عنہ بن عدی۔

⑥ حمص: عبدالرحمٰن بن خالد رضی اللہ عنہ بن ولید۔ (ابن اثیر: ۳/۱۸۷)

⑦ قنسرین: حبیب رضی اللہ عنہ بن مسلمہ الفہری۔ (طبری: ۳/۴۴۶)

⑧ اردن: ابوالاعور رضی اللہ عنہ بن سفیان

⑨ فلسطین: علقمہ رضی اللہ عنہ بن حکیم الکنانی

⑩ قرقیسیاء: جریر رضی اللہ عنہ بن عبداللہ۔ (ابن اثیر: ۳/۱۸۶، طبری: ۳/۴۴۵)

⑪ آذربائیجان: اشعث رضی اللہ عنہ بن قیس الکندی۔ (ابن اثیر: ۳/۱۸۶)

⑫ حلوان: عتیبہ رضی اللہ عنہ بن النہاس۔ (طبری: ۳/۴۴۶)

⑬ ماہ: مالک رضی اللہ عنہ بن حبیب۔ (ابن اثیر: ۳/۱۸۷)

⑭ ہمذان: النسیر رضی اللہ عنہ۔ (طبری: ۳/۴۴۶، ابن اثیر ۳/۱۸۷)

⑮ رے: سعید رضی اللہ عنہ بن قیس

⑯ اصفہان: سائب رضی اللہ عنہ بن الاقرع۔ (طبری: ۳/۴۴۶)

⑰ ماسبذان: جیش رضی اللہ عنہ۔ (ابن اثیر: ۳/۱۸۷)

⑱ قومس: جبلہ رضی اللہ عنہ بن حیوۃ الکنانی

⑲ موصل: حکیم رضی اللہ عنہ بن سلامہ

Marfat.com

⑳ بصرہ: عبداللہ رضی اللہ عنہ بن عامر بن کریز الاموی۔(ابن اثیر:۳/۱۸۶،مروج الذہب:۲/۳۳۴)

㉑ کوفہ:

① پہلے مغیرہ رضی اللہ عنہ بن شعبہ تھے۔

② پھر سعد رضی اللہ عنہ بن ابی وقاص گورنر بنے۔

③ پھر ولید رضی اللہ عنہ بن عقبہ مقرر ہوئے۔

④ پھر سعید بن العاص گورنر بنائے گئے۔

⑤ اور آخر میں سیدنا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ اشعری گورنر مقرر ہوئے۔(ابن اثیر:۳/۱۸۶،یعقوبی:۲/۱۷۶)

㉒ مصر:

① پہلے عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص گورنر تھے۔(طبری:۳/۴۴۶)

② پھر عبداللہ رضی اللہ عنہ بن سعد بن ابی سرح گورنر ہوئے۔(مروج الذہب:۲/۳۳۴)

㉓ شام: معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ الاموی۔(طبری:۳/۴۴۶)

علاوہ ازیں مندرجہ ذیل حضرات مختلف عہدوں پر مقرر تھے:

① رئیس البحریہ: عبداللہ رضی اللہ عنہ بن قیس الکنانی

② بیت المال: عقبہ رضی اللہ عنہ بن عامر

③ قضاء دمشق: ابوالدرداء رضی اللہ عنہ انصاری

④ خراج کوفہ: جابر رضی اللہ عنہ بن عمرو المزنی اور سماک الانصاری رضی اللہ عنہ

⑤ حرب کوفہ: قعقاع رضی اللہ عنہ بن عمرو

علاوہ ازیں آپ نے سیدنا مروان بن الحکم رضی اللہ عنہ کو اپنا کاتب اور منشی مقرر فرمایا۔ان حضرات میں سے صرف پانچ حضرات آپ کے قریبی رشتے دار تھے۔

① سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ

② سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ بن سعد بن ابی سرح

③ سیدنا ولید رضی اللہ عنہ بن عقبہ

④ سیدنا سعید رضی اللہ عنہ بن العاص

⑤ سیدنا مروان بن الحکم رضی اللہ عنہ

ان حضرات میں سے پہلے چار مختلف صوبوں کے گورنر تھے اور پانچویں سیدنا مروان آپ کے کاتب اور منشی تھے۔

Marfat.com

عثمانی دور خلافت:

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ جب خلیفہ ہوئے تو سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اس وقت ایک اسلامی حکومت کی بنیاد ڈال چکے تھے۔ انھی بنیادوں پر آپ نے اس عمارت کی تعمیر کی۔ فتوحات کے سلسلے کو بھی آپ نے اسی طرح آگے چلایا جیسے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اس کا آغاز کر چکے تھے۔ اس وقت کی دو سپر پاوروں کو آپ نے سکیڑنا (Squeez) کرنا شروع کیا یہاں تک کہ ان کے پایہ تخت بھی ان کے ہاتھوں سے نکل گئے اور کسریٰ اور قیصر دونوں ذلیل وخوار ہو کر مرے۔

آپ کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ مفتوحہ ممالک میں اسلامی حکومت کی بنیادیں مستحکم کیں اور مفتوحہ اقوام کو اپنے حسن تدبر اور حسن عمل سے اسلامی اقدار کے قریب کر دیا کہ یا تو وہ مسلمان ہو گئیں یا پھر ان کی خودسری اور سرتابی کے جراثیم بالکل ختم ہو کر رہ گئے۔ باغی ممالک کی بغاوت کو نہایت ہوشیاری اور تدبر سے ختم کیا گیا، اور آہستہ آہستہ تشدد و تلطف کی مجموعی حکمت عملی سے مفتوحہ ممالک کی عام رعایا کو اطاعت وانقیاد پر مجبور کر دیا۔

نظم مملکت:

خلافت فاروقی میں نظم حکومت شوریٰ پر مبنی تھا۔ ہر معاملہ شوریٰ سے مشورہ کے بعد طے ہوتا تھا۔ آپ نے شوریٰ کے نظم کو آگے بڑھایا۔ اس سلسلے میں مجلس شوریٰ قائم کی۔ بعض دفعہ صوبوں کے گورنروں کو بھی مشورے میں شریک کیا جاتا۔ چنانچہ آپ نے اپنی خلافت کے آخری ایام میں گورنروں کی ایک مجلس مشاورت بلائی جس میں سارے صوبوں کے گورنروں نے شمولیت اختیار کی۔

عمال سے احتساب:

اسلام نے شوریٰ کے ساتھ ساتھ خلیفہ کو پورے اختیارات بھی دیئے ہیں، وہ اگر اپنی بصیرت سے کسی بات کو صحیح سمجھتا ہے اور شوریٰ کا مشورہ اگر اس کے خلاف ہے تو وہ شوریٰ کی بات کو رد کر سکتا ہے۔ تاریخ میں اس کی بے شمار مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں۔ اسلام میں خلیفہ کے فرائض میں سے ایک فرض یہ بھی ہے کہ وہ اپنے گورنروں اور سلطنت کے دوسرے عمائدین اور کارکنان کی کڑی نگرانی کرے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے عمال کا پورا پورا محاسبہ کیا اور احتساب کے معاملہ میں کسی کی بزرگی اور منصب کا کوئی لحاظ نہ کیا۔ اس سلسلے میں گورنر کوفہ سیدنا ولید رضی اللہ عنہ بن عقبہ کا واقعہ آپ کے احتساب کی ایک اہم مثال ہے کہ گورنر کوفہ ہونے کے باوجود بھی جب گواہوں نے ان کے خلاف شراب نوشی کی گواہی دے دی تو آپ نے نہ صرف انھیں کوفہ کی گورنری سے معزول کر دیا بلکہ حکومت کے مہتمم تعزیرات سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ انھیں اسی کوڑے ماریں۔ (بخاری: ۱/۵۲۲)

''بخاری'' کی دوسری روایت میں چالیس کوڑوں کا ذکر ہے۔

Marfat.com

اسی طرح آپ نے عشرہ مبشرہ کے صحابی سیدنا سعد رضی اللہ عنہ بن ابی وقاص کو بھی گورنری سے معزول فرما دیا تھا جب کوفہ کے مہتمم خزانہ سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ بن مسعود نے ان کی دربار خلافت میں شکایت کی اور آپ کو تحقیقات کے بعد پتہ چلا کہ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کا موقف غلط ہے۔ (البدایہ والنہایہ: ۷/۱۵۱)

آپ کی خلافت کے آخری ایام میں جب سبائیوں نے آپ کے گورنروں پر مختلف قسم کے الزامات عائد کیے تو اگرچہ آپ سمجھتے تھے کہ یہ الزامات سراسر غلط ہیں لیکن آپ نے عدل وانصاف کے تقاضوں کو پورا کرنے کی خاطر مختلف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے وفود کو تحقیق حال کے لیے بھیجا۔ ان وفود نے آ کر جو رپورٹ پیش کی وہ یہ تھی:

''ہم نے اور ان مقامات کے سربرآوردہ لوگوں اور عوام نے کوئی قابل اعتراض بات ان گورنروں میں نہیں پائی۔ مسلمانوں کا معاملہ بالکل ٹھیک چل رہا ہے اور حکام انصاف وعدل کرتے ہیں اور صحیح طریقے سے اپنی ذمہ داریاں ادا کرتے ہیں۔'' (طبری: ۳/۳۷۹، ابن اثیر: ۳/۷۸، ابن خلدون: ۲/۱۰۲۷)

گورنروں کا محاسبہ کرنے کے لیے آپ نے پورے ملک میں ایک فرمان جاری فرمایا:

''تمام گورنر ہر سال حج کے موقع پر آیا کریں اور جن لوگوں کو ان کے خلاف کوئی شکایت ہو وہ بھی آئیں۔'' (طبری: ۳/۴۲۷، ۴۳۸۰)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے موافقت:

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ اسلامی سلطنت کے موسس اول سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ تھے اور انھوں نے اپنے دس سالہ دور خلافت میں امور سلطنت میں وہ ساری اصلاحات کر دیں جو ضروری تھیں، اور آنے والوں کے لیے بہت کم کام چھوڑا۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانے میں حکومت کی اسی تشکیل اور تقسیم کو برقرار رکھا جو سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانے میں کی تھی، البتہ اس میں کچھ ردوبدل بھی کیا۔ چنانچہ آپ نے دمشق، اردن، حمص اور فلسطین کے علاقوں کو ملا کر شام کے صوبہ میں مدغم کر دیا۔ اس کے علاوہ آپ نے قبرص، آرمینیہ، طبرستان اور طرابلس کو الگ الگ صوبے کی حیثیت دی جس سے حکومت کے انتظام وانصرام میں کافی سہولت پیدا ہو گئی، لیکن ہر صوبے کا گورنر بارگاہ خلافت میں جوابدہ تھا۔

جوہر قابل کا انتخاب:

جس طرح سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی نگاہ جوہر شناس تھی اور آپ نے سلطنت کے ہر شعبہ میں اس کے لیے موزوں آدمیوں کا انتخاب کیا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ان لوگوں سے بڑھ کر اس کام کے لیے اور کوئی موزوں

Marfat.com

آدمی نہ تھا اسی طرح سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے پیش رَو کی پالیسی پر عمل کیا اور سیدنا ولید رضی اللہ عنہ بن عقبہ، سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ بن عامر، سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ بن سعد بن ابی سرح اور سیدنا سعید رضی اللہ عنہ بن العاص وغیرہ ابھرتے ہوئے لوگوں سے وہ کام لیا جو بعض عمر رسیدہ اور تجربہ کار لوگ بھی سرانجام نہ دے سکتے تھے۔ یہ سارے حضرات نہ صرف جہاں بانی اور ملک گیری کے اصولوں سے واقف وآشنا تھے بلکہ تقویٰ و پرہیز گاری اور اخلاص ونیک نیتی میں بھی اپنی مثال آپ تھے۔

اصلاحات:

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا زمانہ اسلامی تاریخ کا ایک سنہری زمانہ ہے کیونکہ اس زمانے میں کثرت فتوحات کی وجہ سے اسلامی مملکت کی پہنائیوں میں اس قدر اضافہ ہوا جو اس سے قبل کی دونوں خلافتوں میں نہیں ہوا تھا اور اسلام افریقہ اور یورپ کے براعظموں تک پہنچ گیا۔ آپ کے بارہ سالہ دور خلافت میں مسلمانوں کی سطوت ایک طرف بلاد نوبہ تک اور دوسری طرف ہندوستان کی حدود تک پھیل گئی، یہاں تک کہ ان کا دمامۂ دولت ہرات تک بجنے لگا۔ فتوحات کی اس کثرت سے مدینۃ الرسولؐ میں سیم وزر کا سیلاب آ گیا۔ امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے دل کھول کر وہ مال وزر تقسیم کیا، لہٰذا پوری سلطنت اسلامیہ میں ایک متنفس بھی ایسا نہ تھا جسے مال ودولت کی خواہش ہو۔ مال ودولت کی فراوانی اس قدر ہوئی کہ مدینۃ الرسولؐ میں ایک گھوڑا ایک لاکھ درہم میں فروخت ہونے لگا۔ (الاستیعاب: ۷۳/۳)

مال کی بہتات اور فراوانی کی وجہ سے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے رفاہ عامہ کے بہت سے کام کیے جن کی وجہ سے مدینہ منورہ کی ریاست ایک مثالی فلاحی ریاست بن گئی اور اسلام کا وہ نظام مملکت جو کتاب وسنت میں بتایا گیا ہے، عملی طور پر لوگوں کے سامنے آ گیا۔

رفاہ عام کے کام:

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ شروع ہی سے داد دہش میں اپنی مثال آپ تھے۔ سریر خلافت پر متمکن ہونے کے بعد بھی اپنی طرف سے اور حکومت کی طرف سے آپ نے جود وسخا کے وطیرہ کو برابر جاری وساری رکھا۔ چنانچہ امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے:

''اس بات کے باوجود کہ بعض لوگ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی عیب جوئی کیا کرتے تھے، لیکن میں نے دیکھا کہ لوگوں پر ہر روز سیم وزر اور رزق ومال تقسیم ہوتا رہتا تھا۔'' (البدایہ والنہایہ: ۲۱۳/۷)

سب سے بڑی اصلاح آپ نے یہ کی کہ ایک ایسا معاشرہ قائم کیا جس میں ایمانی اور انسانی اقدار کو فروغ ملا۔ باہم الفت ومحبت کے رشتے استوار ہوئے اور ساری مملکت کے مسلمان بلکہ انسان آپس میں

Marfat.com

بھائی چارے کے ماحول میں اطمینان وسکون کی زندگی بسر کرنے لگے، کیونکہ اگر ملک میں ہر قسم کی خوشحالی ہونے کے باوجود امن وامان اور دلی یگانگت کا فقدان ہوتو رفاہ عامہ کے یہ سارے کام بیکار محض ہوکر رہ جاتے ہیں۔لیکن انسانی اور ایمانی اقدار معاشرے میں قائم کرنے کے باوجود رفاہ عامہ کے بھی سارے کام کیے۔اس کے علاوہ آپ نے مفلس اور قلاش لوگوں کو اتنا مال دیا کہ ہر آدمی کی ایک ہزار تھیلی اور ہر تھیلی میں چار ہزار اوقیہ تھا۔

روزینوں میں اضافہ:

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں جو روزینے مقرر فرمائے تھے، سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے ان میں فی کس سو درہم کا اضافہ کیا۔(طبری:۳/۳۰۷)

مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں عبادت گزاروں، اعتکاف کرنے والوں، مسافروں اور مساکین وغیرہ کے لیے عام دسترخوان بھی بچھا دیا۔(البدایہ والنہایہ:۷/۱۴۸)

کنویں:

ملک کے مختلف حصوں میں کنویں اور پانی کے چشمے بنوائے جس سے پینے کا پانی مہیا ہونے کے ساتھ ساتھ زراعت میں بھی اضافہ ہوا۔نجد کے راستے میں عام لوگوں کی سہولت کے لیے ایک کنواں کھدوایا جس کا نام بیئر السائب تھا۔مدینہ طیبہ میں مسلمانوں کے پانی پینے کے لیے ایک اور کنواں کھدوایا۔(طبری:۳/۳۳۵)

مدینہ منورہ اور دوسرے کئی ایک مقامات کو سیلاب سے روکنے کے لیے آپ نے بند بھی بنوائے۔چنانچہ مدینہ سے سیلاب کا رخ موڑنے کے لیے بیئر مدری کے قریب ایک بند بنوایا۔اس بند کو ''بند مہروز'' کہتے ہیں۔

(وفاء الوفاء:۲/۲۱۷)

سرائیں:

مسافروں کو راستے میں سفر کے دوران کئی کئی جگہوں پر ٹھہرنا پڑتا۔ان کی آسائش کے لیے مدینہ کی طرف آنے والے راستوں پر مختلف قسم کی سرائیں اور چوکیاں بنوائیں جہاں لوگ رات کو آرام کرتے اور کھانے پینے اور آرام وآسائش کی ہر شے انھیں وہاں میسر آتی۔مدینہ سے ۲۴ میل دور نجد کے راستے پر آپ نے ایک نہایت شاندار اور آرام دہ سرائے تعمیر کروائی۔اس کے ساتھ ایک چھوٹا سا بازار بھی تھا جہاں ضروریات زندگی کی ہر شے ملتی تھی۔وہاں بیئر السائب کے نام سے میٹھے پانی کا ایک کنواں بھی بنوایا۔(وفاء الوفاء:۲/۲۱۷)

کوفہ میں کوئی مہمان خانہ نہیں تھا، چنانچہ ابوسمال الاسدی اپنے گھر کو ان لوگوں کے لیے مہمان خانے کے

Marfat.com

طور پر استعمال کرتے جن کا کوفے میں قیام کے لیے کوئی ٹھکانہ نہ ہوتا۔کوفہ کے چیف جسٹس سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ بن مسعود کا مکان مہمان خانہ کے طور پر استعمال ہوتا۔(طبری:۳/۲۲۶)

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے لوگوں کی اس تکلیف کو اپنے عہد خلافت میں رفع کیا اور عقیل اور ابن ہبار کے مکانات خرید کر مہمان خانے کے لیے وقف کر دیئے بلکہ طبری کی روایت کے مطابق آپ نے کئی مہمان خانے بنوائے۔(طبری:۳/۲۲۷)

بصرہ میں بھی وہاں کے گورنر سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ بن عامر نے مسافروں کے ٹھہرنے کے لیے امیر المومنین رضی اللہ عنہ کے حکم سے دو مہمان خانے تعمیر کروائے جو ایک دوسرے کے آمنے سامنے تھے۔ان میں سے ایک کا نام ''قصر عثمان رضی اللہ عنہ'' اور دوسرے کا نام ''قصر رملہ'' تھا۔(معجم البلدان:۷/۹۸)

جنت البقیع کی توسیع:

''حش کوکب'' ایک باغ تھا جو جنت البقیع کے مشرقی جانب واقع تھا۔آپ نے حش کوکب کو خرید کر اس کو جنت البقیع کے قبرستان کے ساتھ شامل کر دیا۔بعد میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں گورنر مدینہ سیدنا مروان بن الحکم رضی اللہ عنہ نے درمیانی دیوار گرا کر اس کو جنت البقیع میں داخل کر دیا۔(وفاء الوفا:۳/۹۱۳) آپ بھی اسی حش کوکب میں مدفون ہوئے۔

مسجد الحرام کی توسیع:

۲۶ھ میں آپ نے مسجد الحرام کی توسیع فرمائی اور اردگرد کے مکانات خرید کر انھیں مسجد میں شامل کیا۔ خرید شدہ مکانات کی قیمتیں ان کے مالکوں کو مارکیٹ کی قیمت کے حساب سے دی گئیں۔اس کے لیے ایک کمیٹی بنائی گئی جو مکانات کی قیمتوں کا تعین کرتی تھی۔

مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی توسیع:

آپ نے اپنے ۱۲ سالہ دور خلافت میں ملک کے مختلف گوشوں میں بہت سی مساجد تعمیر کروائیں، لیکن مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی دوبارہ تعمیر اور توسیع کا داعیہ مدت سے آپ کے دل میں تھا۔۲۴ھ میں جب آپ سریر آرائے خلافت ہوئے تو آپ نے دیکھا کہ مسجد کی تنگ دامانی شکوہ سنج تھی۔چنانچہ آپ نے مسجد کے اردگرد کے مکانات کو خریدا۔ عثمان بن ابی العاص ثقفی رضی اللہ عنہ اپنا مکان کسی بھی صورت دینے کے لیے راضی نہیں ہو رہے تھے۔آپ نے انھیں اس مکان کے بدلے میں بصرہ میں نہر کے کنارے وہ مکان دے کر راضی کر لیا جو ''شط عثمان'' کے نام سے مشہور تھا۔ اس کے علاوہ امہات المومنین رضی اللہ عنہن کے مکانات بھی آپ نے مسجد کی توسیع کی غرض سے خرید لیے۔

مسجد اور مکانات کو منہدم کر کے اب اسے اس طریقے سے پختہ بنوانا شروع کیا جس میں تزئین و آرائش

Marfat.com

کا پہلو بھی نمایاں ہو۔ چونا بطن نخلہ سے منگوایا جاتا جو مدینہ سے چند میل دور تھا۔ دیواروں کے لیے منقش پتھر اور چھت کے لیے ساگوان کا انتظام کیا گیا۔ مسجد کے ستون پتھر کے بنوائے جن میں سیسہ بھرا گیا۔ (ابن اثیر ۳/۵۱)

مسجد کی تعمیر دس ماہ میں مکمل ہوئی۔ آپ نے اس کام کی خود نگرانی فرمائی اور کئی کئی گھنٹے وہاں کھڑے رہ کر کام کو دیکھتے بلکہ بعض اوقات مسجد ہی میں سو جاتے۔ چنانچہ ربیع الاول ۲۹ھ سے محرم الحرام ۳۰ھ تک برابر کام کی نگرانی فرماتے رہے۔ اب مسجد کا طول ایک سو ساٹھ ہاتھ اور عرض ایک سو پچاس ہاتھ ہو گیا جبکہ اس کی پہلی لمبائی ۱۴۰ ہاتھ اور چوڑائی ایک سو بیس ہاتھ تھی۔

اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کو مدینہ سے باہر آباد ہونے کی اجازت:

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کو باہر آباد ہونے کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ آپ نے دینی اور سیاسی مصالح کے تحت سیدنا عمر صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض معاملات اور پالیسیوں میں تبدیلی کی کیونکہ حالات وظروف کا یہی تقاضا تھا۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں تمام اکابر کو مدینہ طیبہ سے باہر سکونت اختیار کرنے کی اجازت دے دی۔ چنانچہ کئی حضرات باہر دوسرے ملکوں میں جا کر آباد ہو گئے۔ (طبری: ۳/۴۲۶)

محکمہ افتاء وقضاء:

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے قضاء اور افتاء کے محکموں کو بھی کافی ترقی دی جس سے لوگوں کو حصول انصاف میں بہت آسانی ہو گئی۔ آپ کے عہد خلافت میں چیف جسٹس سیدنا زید رضی اللہ عنہ بن ثابت تھے اور شام کی صوبائی عدالت کے جج سیدنا ابوالدرداء رضی اللہ عنہ صحابیٔ رسولؐ تھے۔ (طبری: ۳/۴۴۶) افتاء کے محکمہ کے صدر مفتی امام ذہبی کے مطابق سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ تھے۔

فوجی اصلاحات:

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے نہ صرف اندرون ملک ہی رفاہی اور فلاحی امور کی طرف توجہ دی بلکہ مملکت اسلامیہ کے استحکام کے لیے ایک بہترین عسکری نظام قائم فرما کر ملکی دفاع کو اتنا مضبوط اور مستحکم بنا دیا کہ پھر دشمن کو کبھی بھی مملکت اسلامیہ کی طرف آنکھ اٹھانے کی جرأت نہ ہوئی۔

فوجی مراکز:

بری فوج کا انتظام سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے زمانے ہی سے بڑا مستحکم تھا۔ مفتوحہ علاقوں کو زیر اثر رکھنے، انھیں بغاوت سے روکنے اور مختلف محاذوں پر کمک بہم پہنچانے کے لیے آپ نے جگہ جگہ چھاؤنیاں قائم کی ہوئی

Marfat.com

تھیں۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں ان سب فوجی مراکز کو قائم رکھا بلکہ ان کے علاوہ طرابلس، قبرص، طبرستان، آرمینیہ اور دوسرے کئی ایک شہروں میں جو آپ کے عہد خلافت میں فتح ہوئے تھے، فوجی مراکز اور چھاؤنیاں قائم کیں تاکہ کوئی شخص کسی کے اکسانے پر علم بغاوت بلند نہ کر سکے۔ تمام صدر مقامات میں فوج کے شعبہ کو انتظامیہ سے الگ کر کے مستقل فوجی افسروں کے تحت کر دیا گیا۔ ایسا کرنے سے فوج میں ایک خاص قسم کا استحکام پیدا ہوا۔

تنخواہوں میں اضافہ:

دولت کی ریل پیل اور مال غنیمت کی فراوانی نے بیت المال بھر دیا تھا، لہٰذا جہاں آپ نے عوام الناس کو مالا مال کیا، وہاں فوجیوں کو بھی اس دولت سے ایک خاص حصہ دیا۔ عہد فاروقی کی مقرر کردہ تنخواہ پر ہر سپاہی کی تنخواہ میں سو درہم کا اضافہ کیا گیا۔ علاوہ ازیں ان کی تحسین اور حوصلہ افزائی کے لیے مختلف مواقع پر انھیں گراں قدر انعامات سے بھی نوازا گیا۔ چنانچہ ایک مرتبہ سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ بن عامر نے قطن بن عوف الہلالی کو کرمان کی مہم پر فوج دے کر بھیجا۔ وہ چار ہزار کی فوج کا ایک دستہ لے کر گئے۔ راستہ میں ایک وادی سے گزرنا دشوار تر ہو گیا۔ آپ نے اعلان فرمایا کہ جو شخص اس وادی کو عبور کرے گا اس کو ایک ہزار درہم انعام دیا جائے گا۔ انعام کی خواہش پر اہل لشکر نے اس وادی کو عبور کر لیا۔ اب کل فوج کا انعام چالیس لاکھ درہم بنا۔ گورنر مصر نے اتنی بڑی رقم منظور کرنے سے انکار کر دیا۔ چنانچہ معاملہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس گیا، آپ نے لکھا: ''یہ رقم انھیں دے دو کیونکہ انھوں نے جہاد فی سبیل اللہ میں مسلمانوں کی مدد کی ہے۔'' (البدایہ والنہایہ: ۷/۲۱۵)

فوجی چراگاہیں:

موجودہ زمانے میں جس طرح فوجی گاڑیاں اور جیپیں (Jeeps) ضروری ہیں، اسی طرح اس زمانے میں جہاد فی سبیل اللہ کے لیے گھوڑوں اور اونٹوں کا ہونا نہایت ضروری تھا، لہٰذا ان کی پرورش کے لیے چراگاہوں کی اشد ضرورت تھی۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے ساری مملکت اسلامیہ میں گھوڑوں اور اونٹوں کی پرورش اور پرداخت کے لیے نہایت وسیع چراگاہیں بنوائیں۔ خود دارالخلافہ مدینہ کے اطراف ونواح میں متعدد چراگاہیں تھیں، سب سے بڑی چراگاہ ربذہ میں تھی۔ یہ چراگاہ دس میل لمبی اور دس میل چوڑی تھی۔ ایک اور چراگاہ مقام ضربہ میں تھی، ۳۶ مربع میل میں پھیلی ہوئی تھی۔ ایک اور چراگاہ مدینہ سے بیس میل دور مقام نقیع میں تھی۔ آپ نے چراگاہوں کے قریب ان کی سرسبزی اور شادابی کے لیے چشمے اور تالاب بنوائے۔ چراگاہوں میں جو لوگ کام کرتے تھے، ان کی رہائش کے لیے کوارٹرز بھی تعمیر کروائے۔ چراگاہوں کی اس وسعت سے اونٹوں کی کثرت اور فوج کی تعداد کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ صرف ضربہ کی چراگاہ میں چالیس ہزار اونٹ اور گھوڑے پرورش پاتے تھے۔

Marfat.com

بحری بیڑا:

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے بری فوج کو اسی ترتیب سے ترقی دی جو ترتیب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے مرتب کی تھی، لیکن سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا سب سے بڑا کارنامہ بحریہ اور بحری بیڑے کا قیام ہے جو انھوں نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی تحریک پر قائم کیا تھا۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں بھی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے بحری بیڑے کی تحریک کی تھی لیکن سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے بعض مصالح کی بناء پر اجازت نہ دی، جبکہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے دل میں وہ دبی ہوئی چنگاری ایک بار پھر شعلہ بار ہوئی۔ چنانچہ آپ نے بیم ورجا کی حالت میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے قبرص پر بحری بیڑے کی اجازت طلب کی۔ آپ نے کچھ شرائط کے ساتھ اجازت مرحمت فرما دی۔ اس طرح پانچ سو جہازوں پر مشتمل جلد ہی ایک بحری بیڑا تشکیل دیا گیا اور جزیرۂ قبرص کو فتح کیا گیا۔

گویا اسلامی بحریہ کی تشکیل سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا ایک ناقابل فراموش کارنامہ ہے۔ آپ نے سیدنا عبدالرحمٰن بن قیس الحارثی رضی اللہ عنہ کو اس کا امیر البحر مقرر فرمایا جنہوں نے پچاس بحری لڑائیاں لڑیں۔ (طبری: ۳/ ۳۱۷)

اسی بحری بیڑے کی وجہ سے جزیرہ قبرص، جزیرہ رودا اور روڈس وغیرہ کو مسلمانوں نے فتح کیا۔ ۲۳ھ میں اسی بیڑے کی وجہ سے جزیرہ صقلی بھی مسلمانوں کے زیر نگین ہو گیا۔ صقلیہ کے حملہ میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے تین سو جنگی جہازوں کا بیڑا استعمال کیا جس میں اس زمانے کا ہر قسم کا اسلحہ موجود تھا۔ (ہسٹری آف دی عربز: ۱۶۷، ہٹی) اسی بحری بیڑے کی وجہ ہی سے بازنطینی سلطنت کے بحری مراکز پر مکمل قبضہ ہوا اور وہ سلطنت ہمیشہ کے لیے ختم ہو گئی۔ (طبری: ۵/ ۲۵۸، الادارۃ العسکریہ فی الدولۃ الاسلامیۃ: ۶/ ۵۳۸)

دینی خدمات:

جمہوری ممالک کی طرح اسلام میں خلیفہ کا کام صرف یہی نہیں ہے کہ وہ لوگوں کے روٹی، کپڑا اور مکان کا بندوبست کرے بلکہ اس کے اولین فرائض میں سے پہلا اور اہم فریضہ یہ ہے کہ وہ لوگوں کی دینی تعلیم، دین اسلام کی اشاعت، زندگی کے ہر شعبہ میں اس پر عمل، صفائی قلب، توجہ الی اللہ اور دینی فکر کی طرف پوری پوری توجہ دے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے جہاں اسلام کو براعظم افریقہ اور براعظم یورپ تک پہنچایا، وہاں ان کے مخلص گورنروں، بہادر جرنیلوں، صاحب تقویٰ مبلغوں اور صاحب ہمت سپاہیوں نے اپنی شبانہ روز جدوجہد سے لاکھوں انسانوں کو حلقہ بگوش اسلام کیا اور ان کی زندگیوں میں دین اسلام کو رچا دیا۔ چنانچہ جس روز آپ اس دنیا سے رخصت ہوئے، اس روز اس ربع مسکون کے نصف سے زائد ملکوں میں اسلام کی ہیبت وسطوت کا دمامہ بجتا تھا اور اللہ کی توحید کا غلغلہ بلند ہو رہا تھا۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے پیش رو سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی قریباً قریباً تمام اصلاحات کو بعینہٖ رہنے دیا

Marfat.com

کیونکہ ان تمام اصلاحات میں آپ کا بھی مشورہ شامل تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ آپ نے سرحدی کمانڈروں کے نام ایک خط میں لکھا تھا:

''عمر رضی اللہ عنہ نے آپ حضرات کے لیے جو ضابطۂ عمل مقرر فرمایا تھا، وہ ہم سے مخفی نہیں بلکہ ہمارے ہی مشورہ سے مقرر ہوا تھا، لہٰذا بہتر یہ ہے کہ آپ حضرات کی طرف سے اس میں کوئی تبدیلی اور تغیر نہ ہو۔ اگر آپ لوگوں نے اس میں کوئی تبدیلی کی تو اللہ تعالیٰ تمھاری دلی کیفیت میں تبدیلی پیدا فرمادے گا، اور تمھاری جگہ تم سے بہتر لوگ لے آئے گا۔'' (طبری:۳/۳۰۶)

قرآنی تعلیم کا انتظام:

قرآن حکیم کی تعلیم اور تدریس کی طرف آپ نے خصوصی توجہ فرمائی اور تمام ممالک مفتوحہ میں ہر جگہ اس کی تعلیم کو عام کرنے کے لیے باتنخواہ معلم اور قاری مقرر فرمائے۔ چنانچہ علامہ ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے موذنوں، اماموں اور استادوں کا وظیفہ مقرر کر رکھا تھا۔ (سیرۃ العمرین:۱۶۶) تنخواہ اتنی ہوتی تھی جس سے ان کی ضروریات زندگی آسانی کے ساتھ پوری ہو جاتی تھیں۔

جمع القرآن:

آپ کے عہد خلافت کا سب سے بڑا کارنامہ ''جمع القرآن'' ہے۔ اسی وجہ سے تاریخ میں آپ کو ''جامع القرآن'' کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ آپ نے قرآن حکیم کو کس طرح جمع کیا، یہ معاملہ تفصیل طلب ہے۔

قرآن حکیم دراصل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں آپ ہی کی زیر نگرانی جمع ہو گیا تھا۔ آپ نے اس مقصد کے لیے ۴۲ کاتبان وحی رکھے ہوئے تھے۔ (التراتیب الاداریہ:۱/۱۱۶،۱۲۴) بقول صُبحی صالح ۴۰ (علوم القرآن:۴۰) بقول ابن سید الناس ان کی تعداد ۳۸ (عیون الاثر:۲/۲۱۵) اور بعض حضرات کے بقول ۲۰ تھی۔ (السیرۃ الحلبیہ:۳۶۶) ابن قیم نے ۲۸ نام گنوائے ہیں۔ (زاد المعاد:۳۰) بلکہ بعض حضرات تو پابندی کے ساتھ اس مقصد کے لیے بارگاہ نبوت میں رہتے تھے۔ چنانچہ سیدنا زید رضی اللہ عنہ بن ثابت اور سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کے بارے میں تو یہ لکھا ہے کہ وہ وحی کی کتابت کے لیے ہر وقت دربار رسالتؐ میں موجود رہتے اور ان کا اس کے علاوہ اور کوئی کام نہیں تھا۔ (تاریخ التشریع الاسلامی:۱۲) ان کاتبان وحی نے قرآن حکیم کو جو آپ پر نازل ہوا تھا ''صحف'' میں لکھ رکھا تھا۔ چنانچہ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پاس لکھی ہوئی پانچ دس سورتیں تھیں۔ کسی کے پاس بیس پچیس اور ان کے ساتھ کچھ تفسیری جملے بھی تھے۔ چنانچہ امام حاکم نے لکھا ہے کہ:

''اس روایت میں اس بات کی واضح دلیل ہے کہ قرآن حکیم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک ہی میں جمع ہو چکا تھا۔'' (مستدرک حاکم:۲/۶۱۱)

Marfat.com

رسول اللہ ﷺ کے جمع شدہ قرآن کو ''صحف'' کی شکل سے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں ''مصحف'' کی شکل میں تبدیل کر دیا۔ یہ صدیقی جمع القرآن تھا۔ چنانچہ امام محاسبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''قرآن حکیم کی کتابت کوئی نئی چیز نہیں ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے حکم سے اسے کتابت کروایا تھا لیکن یہ مختلف ٹکڑوں، پارچوں اور ہڈیوں پر منتشر تھا۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ان سب مختلف ٹکڑوں سے جہاں قرآن حکیم منتشر اوراق میں لکھا ہوا تھا، ایک جگہ جمع فرما دیا اور اس کو ایک لڑی میں پرو دیا حتیٰ کہ کوئی حرف اس میں سے ضائع نہ ہوا۔'' (البرہان فی علوم القرآن: ۲۳۸، صفوۃ الصفوۃ: ۲/۲۰۷)

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ''صحف'' سے ''مصحف'' میں قرآن حکیم کو تبدیل کرنے کے کام کے انچارج سیدنا زید رضی اللہ عنہ بن ثابت تھے جنہوں نے بڑی محنت اور تحقیق سے اس کام کو سرانجام دیا۔ قرآن حکیم کا یہ مرتب شدہ نسخہ ساتوں حروف پر مشتمل تھا۔ یہ نسخہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پاس رہا۔ ان کے انتقال کے بعد سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے پاس رہا اور ان کی شہادت کے بعد سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس منتقل ہو گیا۔ اس نسخہ کا نام ''ربعہ'' تھا۔ (اتقان: ۱/۸۴)

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں جب مملکت اسلامیہ کی پہنائیوں میں اضافہ ہوا اور اسلام کا دائرہ بہت وسیع ہو گیا تو جن مسلمانوں نے قرآن حکیم کی آیات کو جن اساتذہ سے جس طرز تلفظ اور قرأت سے سیکھا تھا ان سے دوسرے مسلمانوں میں جن کو دوسری قرأت کی تعلیم دی گئی تھی، اختلاف پیدا ہونے لگا۔ اس وقت مختلف علاقوں کے مسلمانوں کے لیے قرآن سیکھنے کا ذریعہ وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے جو مدینہ طیبہ سے نکل کر ممالک اسلامیہ میں ہر طرف پھیل گئے تھے۔ مثلاً اہل شام سیدنا ابی رضی اللہ عنہ بن کعب سے قرآن سیکھتے تھے۔ اہل کوفہ سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ بن مسعود سے اور اہل عراق سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے۔ تاہم اختلاف لہجہ اور اختلاف کتابت کی وجہ سے دوبارہ لوگوں میں قرآن کے بارے میں اختلافات ہونے لگے، حتیٰ کہ ایک دوسرے کو کافر کہنے لگے۔ (تبیان، الجزائری)

ابن ابی داؤد نے کتاب المصاحف میں یزید بن معاویہ نخعی سے نقل کیا ہے کہ ولید رضی اللہ عنہ بن عقبہ کی گورنری کے زمانے میں ایک بار وہ کوفہ کی مسجد میں تھے۔ سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ بن الیمان بھی اس وقت مسجد میں موجود تھے۔ مسجد میں ایک حلقہ قرآن کے ذکر میں مشغول تھا۔ ایک شخص نے کوئی آیت پڑھی اور کہا: ''قرأۃ عبداللہ بن مسعود''۔ دوسرے نے اسی آیت کو کسی اور ڈھنگ سے پڑھا اور کہا، ''قرأۃ ابی موسیٰ الاشعری۔'' سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ یہ سن کر غضبناک ہو گئے۔ انھوں نے کھڑے ہو کر ایک مختصر تقریر کی اور فرمایا: ''تم سے پہلے جو لوگ تھے انھوں نے اسی طرح اختلاف کیا۔ بخدا! میں سوار ہو کر امیر المومنین رضی اللہ عنہ کے پاس جاؤں گا۔'' سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ واپس آئے۔ وہ ایک فوجی افسر تھے۔ اس وقت آرمینیہ میں اہل شام سے اور آذربائیجان میں اہل عراق سے جنگ کر کے لوٹے تھے۔ لہٰذا اس دوران انھیں قرأتِ قرآن کے بارے کافی تجربات ہوئے۔ چنانچہ جب وہ مدینہ منورہ پہنچے تو اپنے گھر جانے کے بجائے وہ سیدھے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس آئے، کہا امیر المومنین رضی اللہ عنہ!

Marfat.com

ادرك هذه الامة قبل ان تختلفوا اختلاف اليهود والنصاریٰ۔

''اس امت کو سنبھالیے قبل اس کے کہ ان کے مابین یہود و نصاریٰ کی طرح کتاب اللہ کے بارے میں اختلاف پڑ جائیں۔'' (بخاری:۲/۷۴۶، البدایہ والنہایہ:۷/۲۱۶)

اختلاف قرأت کی بات یہاں تک بڑھی کہ خود مدینہ منورہ کے معلموں اور متعلموں کے مابین بھی فتنہ پیدا ہونے کا اندیشہ لاحق ہو گیا۔ چنانچہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے ایک خطبے میں ان الفاظ میں اس بات کی نشان دہی کی۔ فرمایا:

''جب تم میرے پاس ہوتے ہوئے یہ اختلاف رکھتے ہو تو جو لوگ دور دراز رہتے ہیں، ان میں تو زیادہ اختلاف کا اندیشہ ہے۔'' (فتح الباری:۹/۱۴۔۱۵، مناہل العرفان:۱/۲۴۹)

تاریخ کی ورق گردانی سے اس بات کا بھی پتہ چلتا ہے کہ مختلف قبائل میں صرف قرأت اور لغت کا اختلاف ہی نہیں تھا بلکہ لب و لہجہ اور تلفظ کا اختلاف بھی تھا، کیونکہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ایسی آبادیاں اسلام میں داخل ہو گئیں جن کی مادری زبان عربی نہ تھی۔ عربی الفاظ و حروف کے صحیح تلفظ کی قدرت ظاہر ہے، ان میں نہیں ہو سکتی تھی۔ خود عرب کے مختلف قبائل کے لہجے الگ الگ تھے۔ اس سے قرأت قرآن میں اختلاف پیدا ہوا۔ نتیجتاً نقل و تحریر میں بھی اختلاف شروع ہو گیا۔ ابن قتیبہ نے لکھا ہے کہ قبیلہ بنی ہذیل ''حتیٰ'' کو ''عتی'' پڑھتا تھا۔ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اسی قبیلہ سے تعلق رکھنے کی وجہ سے ''حتی حین'' کو ''عتی عین'' پڑھتے تھے۔ قبیلہ بنو اسد ''تَعلمون'' کی ت کو زیر کے ساتھ ''تِعلمون'' پڑھتا تھا۔ مدینہ کے لوگ ''تابوت'' کا تلفظ ''تابوہ'' کرتے تھے۔ قبیلہ قیس ک تانیث کا تلفظ ش سے کرتے تھے اور قرآنی آیت کو ''قد جعل ربش تحتش سریا'' پڑھتے۔ اسی طرح قبیلہ تمیم ان کے لفظ کو عن کی شکل میں ادا کرے تھے اور ''عسی اللہ عن یاتی بالفتح'' پڑھتے تھے۔ ایک قبیلہ 'س' کو 'ت' کی شکل میں ادا کرتا تھا۔

ان حالات میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے جلیل القدر صحابہ رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا:

''امیر المومنین رضی اللہ عنہ آپ کی اس بارے میں کیا رائے ہے؟'' آپ نے فرمایا: ''میری رائے تو یہ ہے کہ ہم تمام لوگوں کو ایک مصحف پر جمع کر دیں تا کہ مستقبل میں اختلاف کا کوئی خطرہ باقی نہ رہے۔'' تمام صحابہ رضی اللہ عنہم نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی اس رائے کو پسند فرمایا۔''

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا سے وہ صدیقی نسخہ منگوایا اور اس کی نقلیں تیار کروائیں اور تمام شہروں میں اس کا ایک ایک نسخہ بھیج دیا۔ یہ کام دوبارہ سیدنا زید رضی اللہ عنہ بن ثابت کی سرکردگی میں کرایا گیا اور ان کی مدد کے لیے گیارہ افراد مقرر کیے گئے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے حکم کے مطابق اس کمیٹی نے قرآن کو قریش کے لہجہ میں تحریر کیا جو کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا لہجہ تھا۔ اس کے بعد آپ نے حکم دیا کہ دوسرے تمام نسخے جو لوگوں نے بطور خود لکھ رکھے ہیں وہ ان نسخوں کو حکومت کے حوالے کر دیں۔ چنانچہ ان کو جمع کر کے ضائع کر دیا گیا۔ اس طرح قرآن کو

Marfat.com

لکھاوٹ یعنی نوشت وکتابت کی حدتک ایک بنادیا گیا۔(بخاری:۲/۷۴۶،اتقان:۱/۱۰۲)

علامہ ابوعمروالدانی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے ان صحابہ رضی اللہ عنہم سے قرآن حکیم کے چار نسخے تیار کروائے۔ان میں سے ایک نسخہ کوفہ بھیجا اور ایک ایک بصرہ اور شام میں اور ایک نسخہ اپنے پاس رکھا لیکن بعض حضرات کا قول ہے کہ سات نقلیں کروائیں اور ان صوبوں کے علاوہ ایک ایک نقل مکہ،یمن اور بحرین بھیجی لیکن پہلی بات زیادہ صحیح ہے۔(البرہان:۱/۲۴۰،اتقان:۱/۶۰،فتح الباری:۹،۱۷)

اس سے یہ پتہ بھی چل گیا کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے جمع القرآن میں کیا فرق ہے۔سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عہد نبویؐ کے مختلف صحیفوں کو ایک مصحف کی شکل میں یکجا کردیا۔(فتح الباری:۹/۱۰) آپ نے اس سلسلے میں اختلاف قرآن سے کوئی تعرض نہیں کیا،لیکن اس کے برعکس سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اسی مصحف ابی بکر رضی اللہ عنہ کو بنیاد بنا کر قرأتیں متعین کردیں جو ''سبعہ قرأت'' کے نام سے مشہور ہیں۔ان کے علاوہ باقی قرأتوں کو غیر مستند قرار دے دیا اور قرآن کی کتابت قرأۃ قریش میں کروادی۔(اتقان:۱/۱۰۳)

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا جمع قرآن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ایک سال بعد انجام پایا تھا جبکہ عثمانی رضی اللہ عنہ مصحف کی ترتیب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے پندرہ سال بعد ہوئی۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو بخاری،رقم:۴۹۸۷،عثمان بن عفان،صادق عرجون:ص ۱۷۱،المدینۃ النبویہ فجر الاسلام والعصر الراشدی:۲/۲۴۴،فتح الباری:۹/۱۸،فتنہ مقتل عثمان بن عفان:۱/۷۸،اضواء القرآن فی تاریخ القرآن:ص ۷۷)

فضائل ومناقب:

قریباً ساری امت مسلمہ کا اس بات پر اجماع ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ساری امت میں افضل ترین شخصیت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی ہے اور ان کے بعد سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی۔چنانچہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے سید محمد بن الحنفیہ فرماتے ہیں،ایک مرتبہ میں نے اپنے ابا سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تمام امت میں افضل ترین شخص کون تھا؟ فرمایا: ''ابوبکر رضی اللہ عنہ'' پوچھا اس کے بعد کون؟ فرمایا: ''عمر رضی اللہ عنہ'' پھر مجھے اندیشہ ہوا کہ بعد میں آپ عثمان رضی اللہ عنہ کا نام لیں گے،لہٰذا میں نے پوچھا،پھر آپ؟'' فرمایا:''میں تو مسلمانوں میں سے ایک مسلمان ہوں۔''(بخاری:۱/۵۱۸،ابوداؤد:۲/۲۸۸)

ایک اور روایت میں ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ ہی نے ایک مرتبہ فرمایا تھا:

خیر هذه الامة بعد نبیها ابوبکر وعمر۔

''اس امت میں رسول اللہؐ کے بعد سب سے بہترین ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ تھے۔''(مسند احمد:۱/۱۱۵)

ان دونوں حضرات کے بعد افضلیت میں تیسرا نمبر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا ہے۔چنانچہ ایک روایت میں ہے:

خیره هذه الامة بعد نبیها ابوبکر ثم عمر ثم عثمان۔

Marfat.com

''رسول اللہ ﷺ کے بعد امت میں سب سے بہتر ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے، پھر عمر رضی اللہ عنہ اور پھر عثمان رضی اللہ عنہ۔''

(فضائل ابی بکر لابی طالب العشاری:۱۰)

''بخاری'' میں بھی روایات موجود ہیں جن میں تصریح ہے کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ کے بعد امت میں سب سے بڑا مقام سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا ہے۔ (بخاری:۱/۵۱۶۔۵۲۳)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد خلیفہ مقرر کرنے کے لیے چھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر مشتمل جو پینل بیٹھا، اس میں سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ بن عوف نے خلیفہ کے تقرر کے اختیارات لیے اور انھوں نے اس پینل کے دوسرے حضرات کے ساتھ وعدہ کیا کہ:

''بخدا! میں افضل شخص کے انتخاب میں کوئی کوتاہی نہیں کروں گا۔'' (بخاری:۱/۵۲۴)

چنانچہ اپنے وعدہ کے مطابق مسلسل تین دن رات مدینہ کے ہر چھوٹے بڑے اور ہر آنے جانے والے سے پوچھا، سب نے متفقہ طور پر کہا کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے برابر اور کوئی نہیں ہے۔ چنانچہ سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے خلافت کے دوسرے امیدوار سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے فرمایا:

یا علی! انی قد نظرت فی امر الناس فلم ارھم یعدلون بعثمان۔

''اے علی رضی اللہ عنہ! میں نے لوگوں کے امر میں کافی غور وخوض کیا۔ میں نے دیکھا کہ لوگ عثمان رضی اللہ عنہ کے برابر اور کسی کو نہیں سمجھتے۔'' (بخاری:۲/۱۰۹۶، طبری:۳/۲۹۶)

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے تو یہاں تک لکھا ہے:

فلم یجد اثنین یختلفین فی تقدم عثمان بن عفان۔

''آپ کو دو شخص بھی ایسے نہ ملے جو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے مقدم اور افضل ہونے میں اختلاف کرتے ہوں۔'' (البدایہ والنہایہ:۷/۱۴۵)

چنانچہ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے اس بارے میں اجماع نقل کیا ہے۔ (فتح الباری:۷/۱۳)

اور حکیم الامت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے:

وافضلیت خلفائے اربعہ ثابت است بترتیب خلافت بادلۃ یسار۔

''خلفائے اربعہ کی افضلیت خلافت کی ترتیب کے لحاظ سے بہت سی دلیلوں سے ثابت ہے۔''

(ازالۃ الخفاء:۱/۶۶)

آپ کی کتاب فضائل ومناقب بہت ضخیم ہے، لیکن ان میں سے چند ایک حسب ذیل ہیں:

① امیر المومنین رضی اللہ عنہ ہونا اور ان مومنوں کے امیر جن میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ، سیدنا سعد رضی اللہ عنہ بن ابی وقاص، سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ بن عوف، سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابہ رضی اللہ عنہم شامل تھے۔

② ذوالنورین ہونا، آپ کی کتاب فضائل کا یہ ایک بہترین باب ہے اور آدم علیہ السلام سے لے کر قیامت تک کسی اور کو یہ فضیلت حاصل نہ ہوگی کہ رسول اللہ ﷺ کی دو صاحبزادیاں یکے بعد دیگرے آپ کے

Marfat.com

نکاح میں آئیں اور قریش کی عورتیں ان میاں بیوی کی محبت کے بارے میں یہ شعر پڑھا کرتی تھیں:

احسن زوج راہ انسان رقیہ و زوجہا عثمان

''رقیہ رضی اللہ عنہا اور ان کے خاوند عثمان رضی اللہ عنہ سے بہتر جوڑا کسی انسان نے کبھی نہیں دیکھا۔''

(البدایہ والنہایہ: ۷/ ۱۹۹، تفسیر قرطبی: ۴/ ۲۴۲)

خود رسول اللہ ﷺ نے بھی ایک مرتبہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے سامنے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے حسن سلوک کی تعریف فرمائی جو وہ رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادیوں کے ساتھ کرتے تھے۔ (بخاری: ۱/ ۴۳۸، ۵۲۸)

اسی حسن سلوک کی وجہ سے ہی فرمایا کہ اگر میری دس بیٹیاں (اور ایک روایت میں چالیس ہے) بھی ہوتیں تو میں سب کی یکے بعد دیگرے عثمان رضی اللہ عنہ سے شادی کر دیتا۔ (العقد الفرید: ۱/ ۷۸)

اسی کی وجہ سے آپ کا لقب ''ذوالنورین'' ہوگیا۔ (اصابہ: ۲/ ۴۵۵) اور یہ لقب آپ کا نہ صرف زمین پر تھا بلکہ ملاء اعلیٰ میں بھی آپ اسی لقب سے پکارے جاتے تھے۔ (اسد الغابہ: ۳/ ۳۷۹، فتح الباری: ۷/ ۴۳)

③ آپ صاحب ہجرتین بھی ہیں اور سیدنا لوط علیہ السلام کے بعد یہ دونوں میاں بیوی پہلے مہاجر الی اللہ ہیں۔ (طبقات ابن سعد: ۳/ ۵۵)

④ آپ کے فضائل میں سے یہ فضیلت بھی بہت اہمیت رکھتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے حکم کی تعمیل میں جنگ بدر میں شرکت نہ فرمانے کے باوجود آپ کو اجر و ثواب اور مال غنیمت میں دوسرے مجاہدین کے ساتھ برابر کا حصہ دیا گیا۔

⑤ آپ کا شمار ان حضرات میں ہوتا ہے جن کو اسی دنیا میں جنت کی بشارت دی گئی تھی یعنی آپ ان دس صحابہ میں سے تھے جن کو عشرہ مبشرہ کہتے ہیں اور رسول اللہ ﷺ دنیا سے رخصت ہوتے وقت ان سے راضی تھے۔ (اسد الغابہ: ۳/ ۳۷۷، ۳۸۱، طبقات ابن سعد: ۳/ ۶۱)

بئر رومہ خریدنے پر بھی رسول اللہ ﷺ نے انھیں جنت کی خوشخبری دی۔ (بخاری مع فتح الباری: ۷/ ۴۳) جیش عسرت کو سامان مہیا کرنے پر بھی انھیں جنت کی خوشخبری دی گئی۔ (بخاری مع فتح الباری: ۷/ ۴۳) پھر ۷ھ میں مسجد کے پڑوس کا ایک مکان خریدنے پر بھی جنت کی خوشخبری دی گئی۔ چنانچہ آپ نے ۲۵ ہزار درہم میں یہ مکان خرید کر مسجد نبویؐ کے نام وقف کر دیا اور مسجد وسیع ہوگئی۔

(البدایہ والنہایہ: ۷/ ۱۷۸، اسد الغابہ: ۳/ ۳۷۶، البدایہ والنہایہ: ۷/ ۲۰۱، بخاری مع فتح الباری: ۷/ ۴۳)

⑥ بیعت رضوان میں رسول اللہ ﷺ نے اپنے ہاتھ کو ان کا ہاتھ قرار دیا۔ (بخاری: ۱/ ۵۲۳) یہ بھی آپ کی کتاب فضائل کا ایک اہم باب ہے، اور یہ وہ فضیلت عظمیٰ تھی جو رسول اللہ ﷺ کے سب صحابہ میں صرف آپ کے حصے میں آئی۔ چنانچہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ بڑے فخر سے فرمایا کرتے تھے۔

''میری طرف سے رسول اللہؐ کا بایاں ہاتھ میرے دائیں ہاتھ سے کہیں بہتر تھا۔'' (زرقانی: ۲/ ۲۰۸)

ان فضائل و مناقب کے علاوہ آپ کے اور بے شمار فضائل حدیث کی کتابوں میں موجود ہیں۔

Marfat.com

فضل وکمال

کتابت وحی:

اسلام کے ابتدائی سالوں میں گنتی کے چندلوگ تھے جولکھنا پڑھنا جانتے تھے۔سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ تحریر و کتابت میں خاص مہارت رکھتے تھے،اس وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کووحی کی کتابت پر مامورفرمایا۔آپ کے علاوہ اگرچہ اور بھی کئی کاتبان وحی تھے لیکن سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا ایک اپنا مقام تھا۔روایات میں آتا ہے کہ قرآن حکیم کی کتابت سب سے پہلے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے کی۔چنانچہ حکیم الامت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''متعدد طریقوں سے مروی ہے کہ مصر والے باغی جب گھر میں داخل ہوکر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ پر حملہ آور ہوئے تو قرآن حکیم آپ کے سامنے پڑا ہوا تھا۔انھوں نے آپ کے ہاتھوں پر تلوار ماری تو اس آیت پر خون جاری ہوا۔﴿فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللّٰهُ﴾ (البقرۃ۲:۱۳۷) تو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا، بخدا! یہ سب سے پہلا ہاتھ ہے جس نے قرآن حکیم کی کتابت کی تھی۔'' (ازالۃ الخفاء:۲/۱۴)

آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ ہی میں اپنی کتابت سے قرآن حکیم کو جمع فرمایا تھا۔چنانچہ ابن حجر مکی نے حافظ ابن عساکر کی ایک روایت نقل کی ہے کہ آپ نے محاصرین کو مخاطب کر کے فرمایا تھا:

ولقد جمعت القرآن على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم۔

''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں قرآن حکیم کو جمع کیا تھا۔'' (الصواعق المحرقہ:۱۱۰)

کثرت تلاوت:

کتابت قرآن کے ساتھ ساتھ آپ کو قرأت قرآن میں بھی خاص شغف حاصل تھا۔آپ قرآن حکیم کے حافظ تو تھے ہی،لیکن کثرت تلاوت کی وجہ سے اپنے خطبات اور خط وکتابت میں اکثر قرآن حکیم کی آیات کا حوالہ دیتے۔ایک مرتبہ فرمایا کہ ''مجھے یہ ناپسند ہے کہ مجھ پر ایک دن ایسا بھی گزرے جس میں، میں نے قرآن کو نہ دیکھا ہو۔'' کثرت تلاوت کا یہ عالم تھا کہ آپ کی زوجہ محترمہ فرماتی ہیں:

Marfat.com

''بخدا! آپ پوری رات میں ایک رکعت میں پورا قرآن پڑھتے تھے۔'' (البدایہ والنہایہ: ۷/۲۱۵)

شہادت بھی اسی حالت میں ہوئی کہ قرآن حکیم آپ کے سامنے کھلا ہوا تھا اور آپ اس کی تلاوت فرما رہے تھے۔

روایت حدیث:

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو جس طرح قرآن حکیم سے ایک خاص شغف تھا، اسی طرح حدیث رسول کا شوق بھی آپ کے رگ وریشہ میں پیوست تھا۔ حدیث کی کتابوں میں ان کی روایت کردہ احادیث کی تعداد ۱۴۶ ہے جن میں تین روایات ''بخاری'' اور ''مسلم'' دونوں میں ہیں، آٹھ صرف ''بخاری'' میں اور پانچ صرف ''مسلم'' میں موجود ہیں۔ اس طرح صحیحین میں آپ کی کل ۱۶ احادیث ہیں۔ حدیث روایت کرنے میں آپ بہت محتاط تھے، اس وجہ سے آپ نے بہت کم احادیث روایت کی ہیں۔ چنانچہ لکھا ہے کہ حدیث روایت کرتے وقت آپ ترساں ولرزاں رہتے تھے۔ (طبقات ابن سعد: ۳/۵۷)

اجتہاد:

قرآن وحدیث کے عالم ہونے کے ساتھ ساتھ آپ مجتہدانہ شان کے بھی حامل تھے۔ اور نہ صرف عوام بلکہ خواص بھی ان کے قول وعمل سے استفادہ کرتے تھے۔ (بخاری: ۱/۴۳، مسند احمد: ۱/۶۰۔۷۰) مسند خلافت پر متمکن ہوتے ہی سب سے پہلا مقدمہ آپ کے پاس سیدنا عبید اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا آیا۔ اس کا آپ نے جو فیصلہ فرمایا، وہ آپ کے مجتہد ہونے کی ایک بین دلیل ہے۔ آپ نے اس مقدمہ کا یہ فیصلہ فرمایا کہ اگر کسی مقتول کا کوئی وارث نہ ہو تو خلیفۂ وقت اس کا وارث ہوتا ہے اور خلیفہ کو یہ اختیار ہے کہ چاہے، قاتل کو قتل کر دے یا دیت لے لے۔ چونکہ مقتولین کا کوئی وارث نہیں تھا، لہٰذا سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے بحیثیت امیر المومنین رضی اللہ عنہ ولیٔ مقتول ہو کر قصاص کی بجائے دیت قبول کر لی اور وہ رقم اپنے مال سے ادا کر کے بیت المال میں جمع کر دی۔

اس کے علاوہ آپ کے اجتہاد کی اور بے شمار مثالیں کتابوں میں مرقوم ہیں۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ مجتہد ہونے کے ساتھ ساتھ مفتی بھی تھے۔ چنانچہ علامہ ابن القیم نے لکھا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں ۱۳۰ کے لگ بھگ حضرات اہل فتویٰ تھے جن میں سب سے زیادہ فتاویٰ سات صحابہ رضی اللہ عنہم کے تھے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ، سیدنا علی رضی اللہ عنہ، سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ بن مسعود، سیدہ عائشہ صدیقہ ام المومنین رضی اللہ عنہا، سیدنا زید رضی اللہ عنہ بن ثابت، سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اور سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ۔ ان سے دوسرے نمبر پر جن کو ابن القیم نے ''المتوسطون'' کہا ہے، ۱۳ صحابہ تھے جن میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ، سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ، سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ، سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اور سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ بن جبل خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ (اعلام الموقعین: ۱/۱۲)

آپ عہد رسالتؐ میں بھی اصحاب فتویٰ میں شمار ہوتے تھے۔ (تلقیح فہوم اہل الاثر: ۵۲)

Marfat.com

علم الفرائض والمناسک:

علم الفرائض ایک نہایت مشکل علم ہے، کیونکہ اس میں علم حساب کو بڑا دخل حاصل ہے۔اس فن کی تدوین کا سہرا سیدنا زید رضی اللہ عنہ بن ثابت اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے سر ہے۔(کنز العمال:۶/۳۷۲) اسی طرح علم المناسک یعنی حج کے مسائل اور طریقوں کا علم، اس میں بھی سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو ید طولیٰ حاصل تھا اور تمام صحابہ رضی اللہ عنہم میں ان کا کوئی ثانی نہ تھا۔ان کے بعد سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا مقام تھا۔(اعلام الموقعین:۱/۱۸)

شعروشاعری:

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان فصاحت وبلاغت میں ایک نہایت اونچا مقام رکھتے تھے، چنانچہ کتابوں میں آپ کے فرامین اور مکتوبات اس بات کی بین شہادت ہیں۔اپنے ایک خطبہ میں نہایت فصیح اور موثر الفاظ میں دنیا کی بے ثباتی کو ان الفاظ میں بیان فرمایا:

ایھا الناس! ان بعض الطمع فقر وان بعض الیاس غنی و انکم تجمعون مالا تاکلون و تاملون مالا تدرکون وانتم موجلون فی دارغرور۔

''اے لوگو! بعض طمع اور حرص فقر واحتیاط ہے اور بعض نا امیدی اور یاس تونگری ہے اور بے شک تمھاری حالت یہ ہے کہ تم ایسی اشیاء کو جمع کرنے کے پیچھے لگے ہوئے ہو جن کو تم کھا نہیں سکتے اور نہ ان سے فائدہ ہی اٹھا سکتے ہو اور ایسی امیدیں باندھتے ہو جو پوری نہیں ہو سکتیں۔حالت یہ ہے کہ تم ایک خاص وقت کے لیے دھوکے کے اس گھر میں چھوڑے گئے ہو۔''(طبری:۳/۳۸۰)

آپ کو شعروشاعری سے بھی ایک خاص لگاؤ تھا۔مسعودی شیعی کا بیان ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اس کثرت سے شعر پڑھتے جتنا اور کوئی نہ پڑھتا اور آپ خود بھی شاعر تھے۔چنانچہ ایک مرتبہ آپ نے فرمایا:

تفنی اللذاذہ ممن نال صفوتھا
من الحرام و یبقی الاثم والعار
یلقی عواقب سوء من مغیبتھا
لاخیر فی من بعدھا النار

''جو شخص حرام چیزوں سے لذت اور لطف حاصل کرتا ہے، اس کو یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیے کہ ان اشیاء کی لذت تو فنا ہو جاتی ہے لیکن ان کا گناہ اور ننگ وعار باقی رہ جاتی ہے۔
حرام کی لذت غائب ہو جانے کے بعد اس کے برے نتائج وعواقب فنا نہیں ہوتے تو پھر اس لذت کا کیا فائدہ جس کا انجام جہنم کی آگ ہو۔''(مروج الذہب:۲/۳۵۶)

Marfat.com

اخلاق وعادات:

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ نے ہمہ صفت موصوف بنایا تھا۔ زمانۂ جاہلیت میں بھی آپ میں وہ سب اوصاف موجود تھے جو کسی شخص میں طغرائے امتیاز وشرافت سمجھے جاتے تھے اور کوئی قوم یا قبیلہ اس پر ناز کرسکتا تھا۔ ماں کے پیٹ ہی سے چاندی کا چمچہ لے کر پیدا ہوئے تھے۔ اسلام لانے کے بعد ان سب اوصاف میں ایک خاص جلاء پیدا ہوئی بلکہ اس کے ساتھ ساتھ خوف خدا، اطاعت وانقیاد، زہد واتقاء، جود وسخا، صبر وشکر اور شرم وحیاء کا مزید اضافہ ہوا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اور شرف دامادی نے ان میں اور زیادہ پختگی اور چمک پیدا کی۔ ایک مرتبہ سرور کائنات نے فرمایا تھا:

عثمان من اشبه اصحابی بی خلقا۔

''اخلاق کے لحاظ سے عثمان رضی اللہ عنہ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم میں مجھ سے زیادہ مشابہ ہیں۔'' (تاریخ الخلفاء:۱۵۳)

خوف خدا:

انسان کی زندگی میں اس کی طبیعت اور جذبات کو جو چیز سب سے زیادہ کنٹرول کرتی ہے اور اس کو عقل و شعور بلکہ شریعت کے صراط مستقیم پر چلاتی ہے، وہ خوف خدا ہے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ پر ہر وقت اللہ تعالیٰ کا خوف طاری رہتا تھا اور وہ ہر وقت اپنے نفس کو خواہشات سے بچائے رکھتے تھے۔ آپ نے پوری زندگی اپنے نفس کی تسکین کے لیے کبھی حدود اللہ کو نہیں توڑا۔

روایات میں مرقوم ہے کہ آپ خوف خداوندی کے باعث اکثر آبدیدہ رہتے تھے اور قبر اور آخرت کا خیال اکثر آپ کے ذہن وقلب میں خلش پیدا کر کے آنکھوں کو نمناک کر دیتا۔ کبھی کبھی موسلا دھار بارش کی طرح آپ کی آنکھوں سے آنسو گرنے لگتے۔ آپ کے غلام ہانی بیان کرتے ہیں کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ جب کسی قبر کے پاس جا کر کھڑے ہوتے تو اتنا روتے کہ داڑھی تر ہو جاتی۔ پوچھا گیا کہ آپ جنت اور دوزخ کے ذکر سے تو نہیں روتے اور قبر کو دیکھ کر رونے لگتے ہیں؟ فرمایا:

''قبر آخرت کی منزلوں میں سے پہلی منزل ہے۔ اگر آدمی اس سے بخیر وخوبی نہ گزر سکا تو اس کے بعد کی منزلیں اس سے بھی زیادہ دشوار ہو جائیں گی۔''

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''میں نے جتنے مناظر دیکھے ہیں ان میں سب سے زیادہ ہولناک چیز عذاب قبر ہے۔''

(کتاب الخراج لابی یوسف:۱۵/مسند احمد:۱/۶۳)

Marfat.com

محبت رسول ﷺ:

اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کے خوف کا لازمی نتیجہ رسول اللہ ﷺ کی محبت ہے کیونکہ ذات واجب سے روشناس کرانے والی ذات صرف ذات پیغمبرؐ ہے، لہٰذا کوئی شخص اللہ کے قرب، اس کی محبت اور اس کے خوف کا دعویٰ نہیں کرسکتا جب تک کہ اس کے قلب میں رسول اللہ ﷺ کی محبت نہ ہو۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر جب رسول اللہ ﷺ کے سفیر بن کر مکہ مکرمہ گئے تو اہل مکہ نے کہا، ''اگر آپ چاہیں تو طواف کرسکتے ہیں'' لیکن آپ نے اس پیش کش کا جو جواب دیا، وہ یہ تھا:

''میں اس وقت تک طواف نہیں کروں گا جب تک سرور کائنات ﷺ طواف نہ فرمائیں۔''

یہ بھی محبت رسولؐ ہی تھی کہ شورش کے زمانے میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ آپ میرے ساتھ شام چلے چلیں۔ اہل شام بہت وفادار ہیں، وہ آپ کی حفاظت کریں گے۔ آپ نے فرمایا:

''معاویہ رضی اللہ عنہ! میں رسول اللہ ﷺ کے پڑوس میں رہنے والوں پر (مدینہ میں لشکر رکھ کر) کمی رزق نہیں کرنا چاہتا اور نہ ہی دارالہجرت والنصرت میں رہنے والوں پر لشکر رکھ کر تنگی کرنا چاہتا ہوں۔''

(طبری:۳/۳۸۲)

آلِ نبوتؐ کا احترام:

جناب رسول اللہ ﷺ سے غیر معمولی محبت کا نتیجہ یہ تھا کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو آل نبوتؐ سے بھی بہت محبت تھی۔ چنانچہ آپ ہر اس شخصیت کا احترام کرتے تھے جس کا رسول اللہ ﷺ عزت واحترام فرماتے تھے۔ علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کا احترام فرمانے کی وجہ سے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ بھی سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کا نہایت احترام کرتے تھے۔ جب کبھی سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کے پاس سے آپ سوار ہوکر گزرتے تو احترام کی وجہ سے سواری سے اتر جاتے۔ (البدایہ والنہایہ:۷/۱۶۲، تہذیب التہذیب:۵/۱۲۳)

آل اور اہل بیت نبوتؐ کے اسی احترام ہی کا نتیجہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ کی صاحب زادی سیدہ زینب سلام اللہ علیہا کی صاحب زادی سیدہ امامہ بنت ابی العاص رضی اللہ عنہ کے شوہر مغیرہ بن نوفل بن الحارث الہاشمی کو آپ نے قاضی مقرر فرمایا۔ یہ بڑے زیرک اور مدبر تھے۔ (الاستیعاب:۳/۳۶۶، اسد الغابہ:۴/۴۰۸)

اتباع سنت:

اتباع سنت کا جذبہ بھی آپ میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے اس بارے میں کئی روایات نقل کی ہیں۔ ایک مرتبہ حج کے موقع پر آپ ایک صحابی کے ساتھ طواف کعبہ فرما رہے تھے۔ اس صحابی نے طواف کرتے وقت رکن یمانی کو بوسہ دیا، لیکن سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے ایسا نہ کیا۔ اس صحابی نے آپ کا ہاتھ پکڑ کر آپ

Marfat.com

سے استلام کرانا چاہا۔آپ نے اس سے پوچھا، کیا تم نے رسول اللہ ﷺ کو رکن یمانی کا بوسہ لیتے دیکھا ہے۔ انھوں نے جواب دیا نہیں۔سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا، کیا رسول اللہ ﷺ کی پیروی اور اتباع سب سے بہتر نہیں ہے؟انھوں نے کہا، بے شک۔(مسند احمد:۱/۵۸)

آپ ایک دفعہ وضو سے فارغ ہو کر مسکرائے۔جب مسکرانے کا سبب پوچھا گیا تو فرمایا، میں نے ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ کو ایسا کرتے دیکھا تھا۔(مسند احمد:۱/۵۸)

غرضیکہ ہر معاملے میں آپ سنت نبویؐ کی اتباع کو حرز جان بنانے کی کوشش کرتے۔

حیا:

حیا انسان کا ایک فطری جذبہ اور وصف ہے جس سے اس کی بہت سی اخلاقی خوبیوں کی پرورش ہوتی ہے۔عفت و پاکبازی کا دامن اسی کی وجہ سے ہر داغ سے پاک رہتا ہے۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ''حیا ایمان کا جزو ہے۔''(بخاری:۲/۹۰۳)

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ نے حیا کا وصف خاص طور پر ودیعت فرمایا تھا، اور اس وصف کی بدولت آپ کو دیگر تمام صحابہ رضی اللہ عنہم پر فضیلت حاصل تھی۔چنانچہ ایک حدیث میں جناب سرورِ کائنات ﷺ نے ارشاد فرمایا، عثمان رضی اللہ عنہ باحیا ہے، اس سے ملائکہ بھی حیا کرتے ہیں۔''(البدایہ والنہایہ:۷/۲۰۳)

جناب رسول اللہ ﷺ نے مختلف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اوصاف خصوصی بیان فرماتے ہوئے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا، ''ان میں سب سے زیادہ باحیا عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان ہے۔''(اشدھا حیاء عثمان)(البدایہ والنہایہ:۷/۲۰۳)

تمام زندگی تہبند باندھا لیکن شہادت کے روز پاجامہ پہن لیا، اس وجہ سے کہ شہید ہونے کے بعد کہیں شرم گاہ نہ کھل جائے۔علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ ''آپ شرم وحیاء کے مجسمہ تھے اور جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ آسمان کے فرشتے بھی آپ سے حیاء کرتے تھے۔''(البدایہ والنہایہ:۷/۱۸۳)

تواضع:

تواضع میں آپ کا ایک منفرد مقام تھا۔حالانکہ ماں کے پیٹ سے چاندی کا چمچہ لے کر پیدا ہوئے تھے لیکن خود کو عام انسانوں سے کبھی بالاتر نہ سمجھا۔حاکم وقت ہوتے ہوئے ایک مرتبہ سیدنا مغیرہ رضی اللہ عنہ بن شعبہ کے غلام کی دعوت قبول فرمالی۔رات کو تہجد کے لیے اٹھتے تو کسی خادم وغیرہ کو نہ جگاتے۔جب کبھی آپ سے یہ کہا گیا کہ آپ کسی خادم کو جگا لیا کریں تو جواب یہ ہوتا کہ ''بالکل نہیں، رات ان کے آرام کے لیے ہے۔''

(البدایہ والنہایہ:۷/۳۱۴، طبقات:۳/۶۰)

Marfat.com

ایثار:

ایثار فیاضی کا سب سے آخری درجہ ہے۔اس کا مطلب ہے دوسروں کی ضرورت کو اپنی ضرورت پر ترجیح دینا۔سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ مجسمۂ ایثار اور فیاضی کے پیکر تھے۔آپ نے پوری زندگی اسلام اور اہل اسلام کی ضرورتوں کو اپنی ذاتی ضرورت پر ترجیح دی اور جب بھی وقت آیا، اپنا مال و دولت بے دریغ اہل اسلام کی ضرورتوں کے لیے صرف کیا۔اس سے زیادہ ایثار اور کیا ہوسکتا ہے کہ آپ نے ۱۲ سالہ دور خلافت میں مسلمانوں کے بیت المال سے ایک پائی بھی تنخواہ کے طور پر نہیں لی بلکہ جب بھی ضرورت پڑی، اپنے ذاتی مال سے اسٹیٹ اور اسٹیٹ کے کارکنان کی خدمت کی۔

امانت و دیانت:

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنی پوری زندگی خلافت سے قبل بھی اور خلافت کے بعد بھی نہایت دیانت و امانت سے گزاری۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے رشتۂ مصاہرت کو نہایت دیانت و امانت کے ساتھ نبھایا، یہاں تک کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ان دامادوں کی تعریف بھی فرمائی جو بنوامیہ سے تعلق رکھتے تھے۔(بخاری:۱/۴۳۸، ۵۲۸) قومی بیت المال اور حکومت کی ذمہ داریوں کو بھی آپ نے نہایت دیانتداری سے پورا کیا۔

صبر و تحمل:

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ صبر و تحمل کے بھی کوہ گراں تھے۔تمام مصائب و نوازل کو نہایت خندہ پیشانی سے قبول کیا، اور کوئی حرف شکایت زبان پر نہ لائے۔شہادت سے قبل ۴۰ یا ۴۹ دن تک قصر خلافت کا محاصرہ کیا گیا اور اس طویل مدت میں آب و دانہ تک بند کر دیا گیا۔قصر خلافت کے دروازہ پر تیروں کی بارش کی گئی، لیکن آپ نے ان تمام مصائب کو نہایت ضبط و تحمل اور بردباری کے ساتھ برداشت کیا۔پھر سیکڑوں معاون و انصار اور وفا شعار غلام موجود ہیں جو آپ کے ایک اشارہ ابرو پر جانیں نثار کرنے کے لیے تیار ہیں، لیکن آپ انھیں بھی صبر و تحمل کی تلقین فرماتے ہیں۔مدینہ طیبہ کے لوگوں نے اجازت طلب کی کہ ہمیں باغیوں سے نبٹنے دیں لیکن صبر و تحمل کے اس پیکر مجسم نے ان کو قسم دے کر واپس بھیج دیا۔(ابن اثیر:۳/۸۶) قصر خلافت میں موجود غلاموں نے باغیوں سے مقابلے کی اجازت مانگی۔آپ نے فرمایا: ''اپنے اپنے گھروں میں چلے جاؤ اور باغیوں سے کوئی تعرض نہ کرو، سن تم میں سے جو کوئی ہتھیار اتار دے گا وہ آزاد ہے۔'' (طبقات ابن سعد:۳/۷۰، طبری:۳/۳۲۱)

زہد و اتقاء:

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ متمول اور صاحب دولت و ثروت ہونے کے باوجود زمانۂ اسلام اور زمانۂ جاہلیت

Marfat.com

دونوں ادوار میں نہایت پاکیزہ زندگی گزارتے تھے۔ان کی کتاب زندگی میں فحش ومنکرات اور حرص وآز کا کوئی شائبہ نظر نہیں آتا۔ وہ دولت مند ضرور تھے، لیکن دولت پرست نہ تھے۔خود دار تھے، خودغرض نہ تھے۔آپ نے زمانۂ جاہلیت میں بھی کبھی شراب کے جام کو ہاتھ نہیں لگایا تھا۔ (تاریخ الخلفاء:۳۲) شراب تو بڑی چیز ہے، خود فرماتے ہیں کہ میں نے پوری زندگی نہ تو کبھی گانا سنا اور نہ ہی کسی قسم کے لہو ولعب کی کبھی خواہش کی۔ (البدایہ والنہایہ:۷/۱۸۱) مال ودولت کافی تھی، لیکن اتنا مال ہونے کے باوجود اس کو اپنی ذات پر بہت کم صرف کیا۔ بلکہ وسیع وعریض سلطنت کا فرمانروا پانچ درہم قیمت کا ایک موٹا تہہ بند پہنے ہوئے خطبہ جمعہ دیتا تھا۔زندگی زہد واتقاء کا مرقع اور تکلفات سے بالکل خالی تھی۔

جودوسخا:

بیئر رومہ کی خریداری اور مسلمانوں کے لیے اس کا وقف، جیش العسرۃ میں قریباً ایک تہائی فوج کے سامان کی فراہمی اور اس قسم کے دوسرے کئی واقعات سے آپ کے جودوسخا کا پتہ چلتا ہے۔ مسجد نبوی کی توسیع کے لیے پچیس ہزار درہم میں مکان خرید کر مسجد کے نام وقف کر دینا یہ جودوسخا ہی کا تو ایک نمونہ ہے۔ایک مرتبہ سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ کو پچاس ہزار درہم قرض دیئے، کچھ عرصہ بعد سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ مسجد تشریف لے جارہے تھے کہ راستہ میں سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوگئی۔ انھوں نے کہا، عثمان رضی اللہ عنہ! آپ کی رقم کا انتظام ہوگیا، آپ چل کر لے لیں، لیکن سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے وہ رقم لینے سے انکار کر دیا اور فرمایا، ''یہ تمھاری مروت کا صلہ ہے۔'' (طبری:۳/۲۳۳)

عباس بن ربیعہ رضی اللہ عنہ کے والد سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے شریک تجارت ہوا کرتے تھے۔ربیعہ ۲۳ھ میں انتقال کر گئے۔ بعد میں ان کے بیٹے کی مالی حالت کچھ اچھی نہ رہی۔سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اسے ایک لاکھ درہم اور ایک نہایت عمدہ مکان دے کر مرفہ حال کر دیا۔ (طبری:۳/۴۳۳)

صلہ رحمی:

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے پوری زندگی اپنے عزیز واقارب کے ساتھ اچھا سلوک کیا۔آپ نے اپنے چچا حکم رضی اللہ عنہ بن ابی العاص کو ایک لاکھ درہم ان کے مفلوک الحال ہونے کی وجہ سے عطا فرمائے۔اس کے علاوہ آپ نے اپنے تین دامادوں سیدنا مروان بن الحکم رضی اللہ عنہ، سیدنا حارث بن الحکم رضی اللہ عنہ اور سیدنا سعد رضی اللہ عنہ بن العاص کو پچاس پچاس ہزار اپنی جیب خاص سے دیئے۔ (تاریخ الخمیس:۲/۲۶۸)

ایک مرتبہ آپ کے چچازاد بھائی عبداللہ رضی اللہ عنہ بن اسید بن ابی العاص مکہ مکرمہ آئے تو آپ نے اسے تین لاکھ درہم عطا فرمائے۔ (تحفہ اثنا عشریہ:۴۹۴)

صلہ رحمی کے سلسلے میں ایک مرتبہ فرمایا:

Marfat.com

''اگر میرے ہاتھ میں جنت کی کنجیاں ہوں تو میں وہ بنو امیہ کے حوالے کردوں تا کہ وہ اس کے دروازے کھول کر بہشت میں داخل ہوجائیں اوران میں سے کوئی شخص اس سے باہر نہ رہے۔''

(مسند احمد:۱/۶۲)

اسی وجہ سے سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا:

کان عثمان اوصلنا للرحم۔

''عثمان رضی اللہ عنہ ہم سب سے زیادہ صلہ رحمی کرنے والے تھے۔'' (اصابہ:۲/۴۵۵)

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو فضائل الصحابۃ:۱/۵۹۷، البدایہ والنہایہ:۷/۱۵۳، الکفاءۃ الاداریہ فی السیاسۃ الشرعیہ للقادری: ص ۹۳، الخلافۃ الراشدہ، یحییٰ الیحییٰ: ص ۴۲۰، مسند احمد، رقم: ۴۱۵، ۴۴۷، ۴۶۴، ۵۰۷، ۵۱۳، التاریخ الاسلامی: ۱۷، ۱۸/۲۲، عثمان بن عفان، صادق عرجون: ص ۴۸، صحیح التوثیق: ص ۴۳، الصواعق المحرقۃ:۱/۳۲۷، الامین ذوالنورین: ص ۱۹۴، جولۃ التاریخیہ فی عصر الخلفاء الراشدین، محمد الوکیل: ص ۳۰۴، تحقیق مواقف الصحابہ من الفتنہ:۱/۴۷۲، اخبار المدینہ:۳/۲۳۶، الطبقات الکبریٰ:۳/۷۱، تاریخ الاسلام عہد الخلفاء، ذہبی: ص ۴۷۶، صفۃ الصفوۃ:۱/۳۰۲، نظام الحکم فی عہد الخلفاء الراشدین: ص ۲۰۵، فضائل الصحابۃ، رقم: ۷۷۳، ۸۱۲)

Marfat.com

ذاتی حالات

شکل وصورت:

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان اپنی شکل وصورت کے لحاظ سے نہایت حسین وجمیل انسان تھے۔اللہ تعالیٰ نے خدوخال ایسے عطا فرمائے تھے کہ جوایک نظر دیکھ لیتا، متاثر ہوئے بغیر نہ رہتا۔اوراگر کوئی شخص کہتا کہ میں نے آج ایک حسین وجمیل شخص دیکھا تو سننے والافوراً کہہ دیتا کہ وہ عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان تھے۔چنانچہ کتابوں میں لکھا ہے کہ ''عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان سب لوگوں سے زیادہ حسین وجمیل تھے۔'' (تاریخ الخلفاء) علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے عبداللہ بن حزم سے نقل کیا ہے کہ:

مارایت قط ذکراو لاانثیٰ احسن وجھامنہ۔

''میں نے ان سے زیادہ حسین وجمیل نہ کسی مرد کو دیکھا اور نہ عورت کو۔'' (تاریخ الخلفاء:۱۵۰)

کتابوں میں آپ کا جو حلیہ بتایا گیا ہے،اس سے بھی آپ کے اعضاء کے تناسب اور خوبصورتی کا پتہ چلتا ہے۔آپ نہ تو زیادہ پست قد تھے اور نہ زیادہ لمبے،چاند جیسا کتابی چہرہ،نرم جلد،چہرے پر چیچک کے ہلکے ہلکے داغ،گندمی رنگ،ستواں اور خم دار ناک، رخسار بھرے ہوئے، چوڑا اور کشادہ سینہ، گھنے بال،سفید ریش،طویل اور گھنی زلفیں جو بازوؤں تک پہنچتی تھیں،پنڈلیوں پر گوشت،داڑھی کو زرد خضاب لگاتے،لیکن بعض روایات میں سفید داڑھی کا ذکر بھی ہے اور بعض میں حناء سے خضاب لگانے کا ذکر بھی آیا ہے۔

(طبقات ابن سعد:۳/۵۸، البدایہ والنہایہ:۷/۲۱۳،طبری:۳/۴۴۳، التمہید والبیان:۱۵۱،عثمان بن عفان صادق عرجون:ص۴۵،صفۃ الصفوۃ:۱/۲۹۵)

لباس:

طبیعت میں نفاست تھی،لہٰذا لباس بھی نفیس اور اجلا زیب تن فرماتے تھے۔لباس اگرچہ بعض مرتبہ قیمتی بھی پہنا،لیکن ایسا نہیں جس سے طبیعت میں رعونت اور خود بینی پیدا ہو۔کبھی کبھی دو دو درہم کا حلہ اور یمنی چادر بھی

Marfat.com

اوڑھی۔(طبقات ابن سعد:۳/۵۸) لیکن اکثر کم قیمت لباس پہنتے تھے۔چنانچہ عبداللہ بن شداد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو جمعہ کا خطبہ دیتے وقت نہایت سادہ لباس میں دیکھا۔آپ نے ایک موٹا تہہ بند باندھا ہوا تھا جس کی قیمت پانچ درہم سے زیادہ نہ تھی۔

مکان:

مکہ مکرمہ میں آپ کا کیسا مکان تھا؟ اس کے بارے میں کچھ پتہ نہیں۔چونکہ امیر آدمی تھے،لہٰذا قیاس یہ ہے کہ رہائش کا مکان بھی اچھا ہی ہوگا۔ہجرت کے بعد کچھ عرصہ اوس رضی اللہ عنہ بن ثابت کے ہاں مقیم رہے جنہیں آپ کا بھائی بنایا گیا تھا۔۲۸ھ میں مسجد نبویؐ کے قریب ''زوراء'' نام کا ایک نہایت عالی شان مکان تعمیر کرایا۔یہ مکان عالی شان بھی تھا اور وسیع وعریض بھی اور آپ کے عہد خلافت میں اسی مکان کو گورنمنٹ ہاؤس کا درجہ حاصل تھا۔یہیں آپ کی شہادت بھی ہوئی۔اسی کی چھت پر چڑھ کر موذن جمعہ کی اذان اول دیا کرتا تھا۔

ذرائع معاش:

آپ کا ذریعہ آمدنی زیادہ تر تجارت تھا۔آپ کے والد عفان کا بہت وسیع کاروبار تھا اور ان کے قافلے زیادہ تر شام جایا کرتے تھے، جہاں بنوامیہ کے دوسرے تاجروں کے قافلے بھی جاتے تھے۔سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے والد کپڑے کی تجارت کیا کرتے تھے۔(عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان:۶۱) سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ بھی تجارت پیشہ تھے۔آپ کی تجارت بڑی وسیع تھی۔لوگوں سے مضاربت کے اصول پر بھی تجارت کرتے۔(طبقات ابن سعد:۳/۶۰) مدینہ طیبہ میں زمینداری بھی کی اور مزارعین کو بٹائی پر زمین دیتے تھے۔دو تہائی مزارع کا ہوتا اور ایک تہائی آپ کا۔(کتاب الخراج:۹۰) آپ کی زمین کتنی تھی؟ اس کا صحیح اندازہ مشکل ہے لیکن اتنا پتہ چلتا ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں آپ سے زیادہ کوئی امیر نہ تھا۔نقد روپیہ ایک کروڑ ساٹھ لاکھ تھا۔ایک مرتبہ سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ سے ایک زمین سات لاکھ میں خریدی۔(طبری:۳/۴۳۳) مدینہ طیبہ میں ایک نہایت وسیع قطعہ اراضی تھا جس کا کچھ حصہ ''حش کوکب'' تھا جو بعد میں جنت البقیع کے قبرستان سے ملحق کر دیا گیا۔

بعض روایات سے پتہ چلتا ہے کہ یہ سارا مال و دولت اور ساری اراضی آپ نے اللہ کے راستے میں دے دی تھی۔چنانچہ ایک موقع پر فرمایا کہ:

''جب میں خلیفہ ہوا تو سارے عرب میں میرے پاس سب سے زیادہ اونٹ اور بکریاں تھیں،لیکن حالت یہ ہے کہ آج میرے پاس نہ کوئی بکری ہے اور نہ اونٹ،سوائے ان دو اونٹوں کے جو حج بیت اللہ کے لیے میں نے رکھے ہوئے ہیں۔'' (طبری:۳/۳۸۴)

Marfat.com

عبادت:

اسلام لانے کے بعد عبادت الٰہی اور قرآن حکیم کی تلاوت میں اکثر مشغول رہتے۔ فرائض و واجبات کے علاوہ سنن ونوافل اور مندوبات کا بھی خاص اہتمام فرماتے۔ آپ کی ایک جاریہ کا بیان ہے کہ آپ صائم الدہر اور قائم اللیل تھے۔ (کنز العمال: ۳/۲۹، البدایہ والنہایہ: ۷/۲۱۴، طبقات ابن سعد: ۳/۱۷۵)

نماز میں خشوع وخضوع بہت ہوتا تھا، یہاں تک کہ گرد وپیش کی کوئی خبر نہ ہوتی۔ محاصرہ کے دوران جب قصر خلافت کے دروازے کو آگ لگادی گئی تو آپ اس وقت نماز میں مشغول تھے اور سورہ طٰہٰ شروع کی ہوئی تھی۔ آپ نے نہایت اطمینان کے ساتھ نماز ختم کی اور پھر تلاوت قرآن میں مشغول ہوگئے۔ (طبری: ۳/۴۱۹)

سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے آپ کے مرثیہ میں آپ کی عبادت کا ذکر اس طرح کیا ہے:

ضحوا باشمط عنوان سجود به

یقطع اللیل تسبیحا وقرآن

''ظالموں نے ایک ایسی بزرگ ہستی کو ذبح کردیا جس پر سجدوں کے نشان تھے او جو پوری رات تسبیح اور قرآن خوانی میں کاٹ دیتا تھا۔'' (البدایہ والنہایہ: ۷/۲۱۵)

روزہ نہایت کثرت سے رکھتے تھے، چنانچہ جس روز شہید ہوئے اس روز بھی روزے سے تھے۔

(طبقات ابن سعد: ۳/۷۷، الاصابہ: ۲/۴۵۵)

Marfat.com

ازواج واولاد

ازواج:

① سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم:

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے عربوں کی روایات کے مطابق کئی شادیاں کیں۔ان میں پہلی شادی سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوئی۔یہ نکاح مکہ معظّمہ میں ہوااور رخصتی بھی ساتھ ہی ہوگئی۔(کنزالعمال:۶/۳۷۵)سیدہ رقیہ سلام اللہ علیہا نہایت حسین وجمیل تھیں۔

② سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم:

سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ ہر وقت اسی غم میں ڈوبے رہتے تھے کہ سرور کشور رسالت صلی اللہ علیہ وسلم سے میرا رشتہ مصاہرت منقطع ہوگیا ہے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ عرصہ کے بعد اپنی دوسری صاحب زادی سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا ان کے رشتۂ ازدواج میں دے دی ساتھ ہی یہ فرمایا:

''قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے،اگر میری سولڑکیاں بھی ہوتیں تو میں یکے بعد دیگرے تم سے بیاہ دیتا۔''(عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان:۱۰۳)

سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا سے آپ کی شادی ربیع الاول ۳ھ میں ہوئی اور رخصتی جمادی الآخر ۳ھ میں ہوئی۔ (اسدالغابہ:۵/۶۱۲،طبقات ابن سعد:۸/۲۵) شعبان ۹ھ میں سیدنا ام کلثوم رضی اللہ عنہا بھی سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو داغ مفارقت دے گئیں۔نماز جنازہ خود سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھائی اور جنت البقیع میں دفن کیا گیا۔(طبقات ابن سعد:۸/۲۶)

③ فاختہ رضی اللہ عنہا بنت غزوان:

سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے سیدہ فاختہ رضی اللہ عنہا بنت غزوان سے نکاح کیا۔ان سے ایک لڑکا عبداللہ الاصغر پیدا ہوا،لیکن بچپن ہی میں یہ بچہ انتقال کر گیا۔

Marfat.com

④ ام عمرو بنت جندب دوسیہ:

آپ نے ایک نکاح ام عمرو بنت جندب دوسیہ سے بھی کیا، جس سے آپ کی پانچ اولادیں ہوئیں:
① عمرو بن عثمان رضی اللہ عنہ ② خالد بن عثمان رضی اللہ عنہ، ③ ابان بن عثمان رضی اللہ عنہ، ④ عمر بن عثمان رضی اللہ عنہ اور مریم بنت عثمان رضی اللہ عنہ۔

⑤ فاطمہ بنت ولید المخزومیہ:

یہ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ بن ولید کی ہمشیرہ تھیں۔ فاطمہ رضی اللہ عنہا پہلے حارث بن ہشام کی بیوی تھیں، ان کے مرنے کے بعد انھوں نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بن الخطاب سے شادی کی پھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان کے حبالۂ عقد میں آئیں۔ ان سے دو لڑکے ولید اور سعید اور ایک لڑکی ام سعید پیدا ہوئی۔

⑥ ام البنین بنت عیینہ فزاریہ:

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے ام البنین کو بھی اپنی زوجیت کا شرف عطا فرمایا اور ان سے ایک لڑکا عبدالملک پیدا ہوا جو بچپن ہی میں فوت ہو گیا۔

⑦ رملہ بنت شیبہ بن ربیعہ:

ایک شادی آپ نے شیبہ بن ربیعہ کی بیٹی رملہ سے بھی کی۔ رملہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی والدہ ہند بنت عتبہ کی سگی چچا زاد بہن تھیں۔ شیبہ جنگ بدر میں مارا گیا، لیکن اللہ کی شان کہ کفار کے اس سردار کی بیٹی خلیفۂ راشد کی بیوی بنی۔

⑧ نائلہ بنت فراضہ کلبیہ:

ان کا تعلق بنو کلب سے تھا۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے وقت یہ موجود تھیں اور ایک شقی کی تلوار کے وار سے ان کی تین انگلیاں کٹ گئی تھیں۔ ان کے بطن سے ایک لڑکی سیدہ مریم بنت عثمان رضی اللہ عنہ پیدا ہوئی۔

Marfat.com

اولاد

① عبداللہ بن عثمان رضی اللہ عنہ:

سیدہ رقیہ بنت رسول اللہ ﷺ کے بطن سے ایک صاحب زادے عبداللہ پیدا ہوئے جو بعد میں ''عبداللہ الاکبر'' کے نام سے مشہور ہوئے اور انھی کی نسبت سے آپ کی کنیت ابوعبداللہ تھی۔

سبائی حضرات نے یہ ثابت کرنے کے لیے کہ سوائے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے آپ ﷺ کا اور کوئی نواسہ زندہ نہیں تھا، سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ کو بچپن ہی میں فوت کر دیا گیا اور بتایا یہ کہ چھ برس کی عمر میں ایک مرغ نے انھیں ٹھونگ ماری جس سے آنکھ میں زخم ہو گیا۔ بعد میں چہرہ متورم ہو گیا اور اسی وجہ سے ان کا انتقال ہو گیا۔ یہ روایت سراسر غلط ہے۔ شیعہ مورخ مسعودی نے لکھا ہے کہ ۶۷ سال کی عمر میں ان کی آنکھ میں مرغ نے ٹھونگ ماری جو ان کی موت کا سبب بنی۔ (مروج الذہب: ۲/ ۳۴۱) بہرحال یہ بات بالکل غلط ہے۔ مرغ کے ٹھونگ والی روایت زہری نے بنائی ہے۔

② ابان بن عثمان رضی اللہ عنہ:

آپ کے صاحب زادوں میں سیدنا ابان رضی اللہ عنہ ایک نامور شخصیت کے مالک ہیں۔ آپ نہایت بہادر اور شجاع تھے۔ جنگ جمل میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے لشکر میں تھے۔ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی سگی بھانجی سیدہ ام کلثوم بنت زینب بنت علی رضی اللہ عنہ آپ کے حبالۂ عقد میں تھی۔ (کتاب المعارف: ۸۶) یہ فقہائے مدینہ میں شمار ہوتے تھے، چنانچہ عمرو بن شعیب فرماتے ہیں کہ میں نے ابان بن عثمان رضی اللہ عنہ سے زیادہ حدیث اور فقہ کا کوئی عالم نہیں دیکھا۔ یہ عبدالملک بن مروان رضی اللہ عنہ کی طرف سے سات سال تک مدینہ کے گورنر رہے۔

③ عمرو بن عثمان رضی اللہ عنہ:

یہ سیدنا عبداللہ بن عثمان رضی اللہ عنہ کے علاوہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے سب سے بڑے بیٹے تھے۔ علمی لحاظ سے نہایت جلیل القدر تھے۔ ابن سعد نے انھیں طبقۂ اولیٰ میں شمار کیا ہے۔ رملہ بنت معاویہ رضی اللہ عنہ ان کی زوجیت میں تھیں، اس لحاظ سے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے داماد بھی تھے۔ ان کی ایک اور بیوی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی پوتی حفصہ تھیں۔
(کتاب المعارف: ۸۵)

Marfat.com

④ عمر بن عثمان رضی اللہ عنہ:

ان کی والدہ ام عمرو بنت جندب دوسیہ تھیں، اس لحاظ سے یہ ابان بن عثمان رضی اللہ عنہ اور عمرو بن عثمان کے سگے بھائی تھے۔ نہایت نیک انسان تھے۔ سیدنا اسامہ رضی اللہ عنہ بن زید کے شاگرد تھے۔ ان کی ایک بیٹی ام ایوب امیر المومنین عبدالملک بن مروان کی اہلیہ تھیں اور ان کے صاحب زادے زید کے حبالۂ عقد میں سیدنا حسین بن علی رضی اللہ عنہ کی صاحب زادی سکینہ بنت الحسین رضی اللہ عنہ تھیں۔ (کتاب المعارف: ۸۷)

⑤ سعید بن عثمان رضی اللہ عنہ:

یہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت ولید المخزومیہ کے بطن سے تھے۔ اس لحاظ سے سیدنا خالد رضی اللہ عنہ بن ولید کے سگے بھانجے تھے۔ فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت ولید کی ماں ابوجہل کی بیٹی تھی۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو طبری: ۵/۴۴۱، التمہید والبیان فی مقتل الشہید عثمان: ص ۱۹، الامین ذوالنورین، محمود شاکر: ص ۳۶۴، سیر اعلام النبلاء: ۴/۲۵۳)

Marfat.com

خلافت سیدنا علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب

نام ونسب:

نام علی رضی اللہ عنہ، کنیت ابوالحسن اور ابوتراب، لقب حیدر، والد کا نام ابوطالب (عبدمناف) اور والدہ کا نام فاطمہ۔ پورا سلسلۂ نسب یہ ہے: علی ابن ابی طالب بن عبدالمطلب (شیبہ) بن ہاشم (عمرو) بن عبدمناف (مغیرہ) بن قصی (زید) بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب.....

(الطبقات الکبریٰ:۳/۱۹، صفۃ الصفوۃ:۱/۳۰۸، البدایہ والنہایہ:۷/۳۳۳)

ابوطالب کی شادی اپنی چچازاد بہن فاطمہ سے ہوئی تھی، لہٰذا ان کا شجرہ نسب بھی یہی ہے جو ابوطالب کا ہے۔ اس لحاظ سے سیدنا علی رضی اللہ عنہ نجیب الطرفین ہاشمی ہیں۔ آپ کے خاندان بنو ہاشم کو قریش میں ایک خاص مقام حاصل تھا۔ بیت اللہ کی خدمت اور اس کا اہتمام بنو ہاشم کا ایک خاص امتیاز تھا، اس کی وجہ سے اسے عرب میں قیادت وسیادت کا مقام حاصل تھا۔

خاندان:

آپ کا خاندان نہایت معزز تھا کیونکہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا خاندان تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خاندان کے بارے میں فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے اولاد اسماعیل میں سے کنانہ کو اور کنانہ سے قریش کو اور قریش سے بنو ہاشم کو چن لیا اور بنو ہاشم میں سے مجھ کو برگزیدہ کیا۔'' (البدایہ والنہایہ:۲/۳۵۶)

پھر آپ کے خاندان میں قصی، عبدمناف، ہاشم، مطلب اور شیبہ الحمد (عبدالمطلب) اپنے اپنے زمانے کے نہایت اہم اور برگزیدہ لوگ تھے اور ان کی وجہ سے خاندان بنو ہاشم کو تمام مکہ میں ایک امتیازی حیثیت حاصل تھی۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے دادا عبدالمطلب کی اہلیہ فاطمہ بنت عمرو بن عائذ جو بنو مخزوم سے تھیں، کے بطن سے تین بیٹے اور چار بیٹیاں پیدا ہوئیں۔ بیٹوں کے نام زبیر، عبدمناف (ابوطالب) اور جناب عبداللہ (والد ماجد

Marfat.com

جناب رسول اللہ ﷺ) تھے اور بیٹیوں کے نام عاتکہ، برہ، امیمہ، اورام الحکیم البیضاء تھے۔ سیدہ ام الحکیم البیضاء جناب عبداللہ کی جڑواں بہن تھیں اور یہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی سگی نانی تھیں۔ بھائیوں میں زبیر سب سے بڑے تھے، عبدمناف (ابوطالب) منجھلے اور جناب عبداللہ سب سے چھوٹے تھے۔ (انساب الاشراف:۱/۵۸)

چنانچہ زبیر قریش کے باوجاہت سرداروں میں تھے۔ (یعقوبی:۱/) انہی زبیر بن عبدالمطلب کی تحریک پر بنوہاشم، بنومطلب، بنواسد، بنوزہرہ، بنوتیم اور بنوحارث وغیرہ کے نمائندگان نے وہ تاریخی معاہدہ کیا جو کتب تواریخ میں ''حلف الفضول'' کے نام سے موسوم ہے۔

(ابن ابی الحدید:۳/۴۵۵، کتاب المحبر :۱۶۱، سیرہ الحلبیہ ،۳/۱۲۲، البدایہ والنہایہ:۲/۱۹۲، سیرہ النبی:۱/۱۸۳)

بعض روایات کے مطابق خواجہ عبدالمطلب نے اپنی وفات کے بعد اپنے اس بیٹے زبیر ہی کو اپنے پوتے جناب رسول اللہ ﷺ کا کفیل مقرر فرمایا تھا۔ (انساب الاشراف:۱/۵۸)

ابوطالب:

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے والد ابوطالب تھے جو عبدالمطلب کے فاطمہ بنت عمرو سے منجھلے بیٹے تھے۔ ان کا اصل نام ''عبدمناف'' تھا۔ کنیت اپنے بڑے بیٹے کے نام پر ''ابوطالب تھی۔'' تاریخ میں نام سے زیادہ کنیت مشہور ہوئی جیسا کہ آپ کے سوتیلے بھائی ابولہب کا اصل نام ''عبدالعزیٰ'' تھا، لیکن ابولہب مشہور ہوا۔

(کتاب نسب قریش:۱۷، کتاب المعارف:۱۵)

چونکہ زبیر بن عبدالمطلب کے انتقال کے بعد خاندان میں وہ سب سے عمر رسیدہ تھے۔ لہٰذا جسمانی کمزوری، معذوری اور ناداری کے باوجود وہ اپنے خاندان کے سربراہ ہوئے۔

اہل خاندان کا ذریعۂ معاش تجارت تھا اور تجارت کی وجہ سے ان کی معاشی حالت بہت بہتر تھی۔ ابوطالب کے پاؤں میں چونکہ لنگ تھا، لہٰذا اپنی اس معذوری کی وجہ سے وہ دور دراز کے تجارتی سفروں سے معذور تھے۔ یہی ان کی مالی کمزوری کا سبب تھا۔ سیرت کی کتابوں میں رسول اللہ ﷺ کی معیت میں آپ کے سفر شام کا جو ذکر ملتا ہے اس کی حیثیت ایک افسانے سے زیادہ نہیں۔ ٹانگوں کے اس نقص کی وجہ سے وہ عطر فروشی اور بعض اوقات غلہ کی خرید و فروخت کر لیتے تھے۔ (کتاب المعارف:۲۴۹)

اس معمولی تجارت کی وجہ سے ابوطالب کی آمدنی کوئی زیادہ نہ تھی۔ دوسرے کثرت عیال کی وجہ سے اس آمدنی سے ابوطالب کا گزارہ مشکل تھا۔ چنانچہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

میرے والد ابوطالب جب سردار ہوئے تو فقیر تھے اور ان سے پہلے کوئی فقیر سردار نہیں ہوا۔''

(تاریخ یعقوبی:۱/۱۷)

ابوطالب نے اسی بیاسی سال کی عمر میں وفات پائی۔ رسول اللہ ﷺ کے اعلان نبوتؐ کے بعد قریباً دس سال تک زندہ رہے لیکن قبول اسلام کی سعادت نصیب نہ ہوئی۔ (السیرۃ الحلبیہ :۱/۳۸۱)

Marfat.com

ابوطالب کی اولاد:

ابو طالب کے چار لڑکے تھے۔ طالب، عقیل رضی اللہ عنہ، جعفر رضی اللہ عنہ اور علی رضی اللہ عنہ اور دو لڑکیاں تھیں ام ہانی اور جمانہ۔ ام ہانی کا نام فاختہ تھا۔ لڑکوں میں طالب سب سے بڑا تھا۔ اسی لڑکے کے نام پر آپ نے اپنی کنیت ''ابو طالب'' رکھی تھی۔ یہ غزوۂ بدر کے بعد حالت شرک میں مر گیا۔ (طبری:۲/۱۴۴)

طالب کے بعد عقیل تھے۔ یہ بعض روایات کے مطابق فتح مکہ کے روز ایمان لائے۔ غزوۂ بدر میں مشرکین کے ساتھ تھے اور مسلمانوں کے ہاتھوں گرفتار ہوئے۔ آپ کے چچا عباس رضی اللہ عنہ نے چار ہزار درہم فدیہ ادا کر کے رہا کروایا۔ (کتاب المعارف:۸۸)

ابو طالب کو اپنے بیٹوں میں سب سے زیادہ محبت عقیل سے تھی۔ اس کا ثبوت اس روایت سے بھی ملتا ہے جس میں ابو طالب کے کثیر الاولاد اور قلیل المال ہونے کی وجہ سے سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے سیدنا جعفر رضی اللہ عنہ کو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو اپنی کفالت میں لے لیا جب کہ عقیل رضی اللہ عنہ ابو طالب کے پاس ہی رہے، کیونکہ ابو طالب انھیں اپنے پاس رکھنا چاہتے تھے۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی خلافت میں سیدنا عقیل رضی اللہ عنہ نے اپنے بھائی کا ساتھ نہ دیا بلکہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا ساتھ دیا۔ (کتاب المعارف:۸۸) ۹۶ سال کی عمر میں بعض روایات کے مطابق سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں اور بعض روایات کے مطابق یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں انتقال فرمایا۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو ۱۲ بیٹے عطا فرمائے تھے۔ ان میں سے ۹ بیٹے میدان کربلا میں سیدنا حسین بن علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ شہید ہوئے۔ ان میں مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ سب سے زیادہ مشہور ہیں۔ (کتاب المعارف:۸۸)

ابو طالب کے تیسرے صاحب زادے جعفر رضی اللہ عنہ تھے۔ یہ سیدنا عقیل رضی اللہ عنہ سے ۱۰ سال چھوٹے اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے ۱۰ سال بڑے تھے۔ ان کا شمار سابقین اولین میں ہوتا ہے۔ ان کے مسلمان ہونے سے قبل ۳۱ یا ۳۲ آدمی دائرہ اسلام میں داخل ہو چکے تھے۔

آپ نے دو ہجرتیں کیں۔ ایک ہجرت حبشہ اور دوسری ہجرت مدینہ۔ ہجرت حبشہ میں آپ نے قریش کے الزامات کے جوابات میں مہاجرین حبشہ کی نمائندگی کرتے ہوئے نجاشی کے بھرے دربار میں اتنی زبردست اور بااثر تقریر کی کہ خود شاہ حبشہ نجاشی بھی اس سے بہت متاثر ہوا اور اس نے مسلمانوں کو قریش کے اس وفد کے ساتھ واپس بھیجنے سے انکار کر دیا۔ (مسند احمد:۱/۲۰۱)

دوسری ہجرت آپ نے ۷ھ میں حبشہ سے مدینہ طیبہ کی طرف فرمائی۔ یہ وہ زمانہ تھا جب مسلمانوں کے ہاتھوں خیبر فتح ہوا تھا اور مسلمان اس کی خوشی منا رہے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا جعفر رضی اللہ عنہ کو دیکھا تو خوشی سے گلے لگا لیا اور آپ کی پیشانی چوم کر فرمایا کہ:

Marfat.com

''میں نہیں جانتا کہ مجھے جعفر رضی اللہ عنہ کے آنے کی زیادہ خوشی ہوئی ہے یا خیبر کے فتح ہونے کی۔''

(طبقات ابن سعد ۴/۳۴، کتاب المعارف ۸۹)

۸ھ میں غزوۂ موتہ پیش آیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فوج کا سپہ سالار سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا اور ساتھ ہی یہ فرمایا کہ اگر زید رضی اللہ عنہ شہید ہو جائیں تو جعفر رضی اللہ عنہ اور اگر جعفر رضی اللہ عنہ شہید ہو جائیں تو عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ اس فوج کے امیر ہوں گے۔ (بخاری، غزوۂ موتہ)

چنانچہ سیدنا زید رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تو سیدنا جعفر رضی اللہ عنہ نے علم سنبھالا۔ وہ شہید ہوئے تو سیدنا عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے فوج کی کمان سنبھالی اور جب وہ شہید ہو گئے تو خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سیف اللہ نے علم ہاتھ میں لیا اور مجاہدین اسلام کو بچا لیا۔

سیدنا جعفر رضی اللہ عنہ جنگ موتہ میں شہید ہوئے۔ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے بیان کے مطابق آپ کی لاش کے سامنے کے حصے پر ۵۰ زخم تھے۔ پورے جسم پر نوے سے بھی زیادہ زخم تھے۔ کوئی زخم پشت پر نہ تھا۔ چونکہ اس جنگ میں دونوں بازو قلم ہو گئے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے ان کو دو پر عطا فرما دیئے جن سے وہ جنت میں اڑ رہے ہیں۔ اسی وجہ سے ان کا لقب ''ذوالجناحین'' اور ''طیار'' پڑ گیا۔ (کتاب المعارف: ۸۹)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق زمین پر چلنے والوں اور گھوڑے پر سوار ہونے والوں میں بہترین شخص جعفر رضی اللہ عنہ تھے۔'' (کتاب المعارف: ۸۹)

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو البدایہ والنہایہ: ۷/۲۳، الاصابہ فی تمییز الصحابۃ: ۲/۴۹۴)

Marfat.com

سیدنا علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب

ابو طالب کے سب سے چھوٹے صاحب زادے سیدنا علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب بعثت نبویؐ سے دس سال قبل پیدا ہوئے۔ آپ کی پیدائش رجب عام الفیل کے سن ۳۰ میں مکہ مکرمہ میں ہوئی۔ ایک روایت میں بعثت نبویؐ سے دس سال قبل ہوئی۔ (الاصابہ:۲/۵۰۱) شیعہ حضرات کے نزدیک ان کی پیدائش بیت اللہ کے اندر ہوئی، لیکن تاریخی لحاظ سے یہ بات بالکل غلط ہے۔ جبکہ کعبہ میں پیدا ہونے والا بچہ حکیم بن حزام بن خویلد ہے۔ (ابن ابی الحدید:۱/۱۴)

چنانچہ ابن عبدالبر نے لکھا ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ مکہ میں شعیب بنی ہاشم میں پیدا ہوئے۔

(العقد الفرید:۳/۹۶)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کفالت:

ابو طالب ایک کثیر العیال شخص تھے۔ معاشی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ سخت تنگ حالی اور ناداری میں اپنی زندگی کے دن گزار رہے تھے۔ چار لڑکے اور دو لڑکیاں تھیں جن کی پرورش ان کے لیے نہایت مشکل تھی۔ چنانچہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چچا عباس رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور انھیں ابو طالب کی کثیر العیالی اور تنگدستی کے بارے میں بتایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک تجویز پیش کی کہ ابو طالب کے بچوں کی کفالت ہم اپنے ذمے لے لیں۔ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے اس تجویز سے اتفاق کیا۔ چنانچہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی کفالت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ذمے لے لی اور سیدنا جعفر رضی اللہ عنہ کی کفالت سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے اپنے ذمے لے لی۔ اس طرح سیدنا علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیر کفالت پرورش پانے لگے۔ (ابن ابی الحدید:۱/۱۵، السیرۃ النبویہ لابن ہشام:۱/۲۴۶)

اسلام:

علامہ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ ایک روز سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدہ خدیجہ سلام اللہ علیہا نماز پڑھتے دیکھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں سوال کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”یہ اللہ کا دین ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے پسند فرمایا اور اسی کے لیے رسولوں کو بھیجا۔“ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے اس

Marfat.com

بات اس سے پہلے کبھی نہیں سنی، لیکن میں اس وقت تک اس بارے میں کوئی فیصلہ نہیں کرسکتا جب تک کہ میں اپنے والد ابوطالب سے مشورہ نہ کرلوں۔ رسول اللہ ﷺ نے اس جواب کو پسند نہ فرمایا کہ دین کی اعلانیہ دعوت سے قبل اس بات کو فاش کیا جائے۔ لہٰذا آپؐ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اگر تم اس دعوت اور اس دین کو قبول نہیں کرتے تو اسے ابھی پوشیدہ رکھو۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ اس رات خاموش رہے اور اس معاملے پر غور وفکر کرتے رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں اسلام ڈال دیا۔ چنانچہ دوسرے روز وہ ایمان لے آئے۔ اسلام لانے کے بعد انھوں نے ابوطالب (جو کہ خود مسلمان نہیں تھے) کے خوف سے اپنے اسلام کو چھپائے رکھا۔ (البدایہ والنہایہ: ۳/۲۴)

سب سے پہلا مسلمان:

اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ اعلان نبوتؐ کے بعد سیدہ خدیجہ سلام اللہ علیہا سب سے پہلے آپ پر ایمان لائیں لیکن مردوں میں سب سے پہلے کون آپ پر ایمان لایا؟ یہ مسئلہ بعض حضرات کے نزدیک اختلافی اور نزاعی ہے۔ ابن کثیر نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا ایک قول نقل کیا ہے کہ سب سے پہلے میں اسلام لایا انا اول من اسلملی کن ابن کثیر کا بیان ہے کہ یہ بات صحیح نہیں ہے۔ (البدایہ والنہایہ: ۷/۳۳۴)

جمہور کی رائے یہ ہے کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سب سے پہلے ایمان لائے تھے۔

(البدایہ والنہایہ: ۳/۲۶، طبری: ۲/۵۵)

خود سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا اپنا قول ہے: ''مردوں میں سب سے پہلے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ایمان لائے۔''

(البدایہ والنہایہ: ۳/۲۷، ۷/۲۳۴، تاریخ الخلفاء ۳۳)

شیعہ مفسر طبرسی نے بھی لکھا ہے کہ ''سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بعد سب سے پہلے اسلام لانے والے ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے۔'' (مجمع البیان: ۳/۶۵)

سیدنا حسان رضی اللہ عنہ بن ثابت نے بھی سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو سب سے پہلا اسلام لانے والا کہا ہے۔

(طبری: ۲/۵۹، البدایہ والنہایہ: ۳/۲۸)

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے مختلف روایات میں اس طرح تطبیق دی ہے کہ:

''آزاد مردوں میں سب سے پہلے ابوبکر رضی اللہ عنہ ایمان لائے، عورتوں میں سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا، غلاموں میں زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ اور بچوں میں علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب ایمان لائے تھے۔''

(البدایہ والنہایہ: ۳/۲۹، طبری: ۲/۶۰)

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی جہاں اور خصوصیات ہیں وہاں اسلام لانے میں آپ کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ جونہی رسول اللہ ﷺ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''میں اللہ کا رسولؐ ہوں اور تجھے اللہ کے دین کی طرف دعوت دیتا ہوں۔'' رسول اللہ ﷺ کی بات ختم ہوتے ہی سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اسلام لے آئے۔ (البدایہ والنہایہ: ۳/۲۹)

Marfat.com

اسلام کی معاونت کا اعلان:

اعلان نبوتؐ کے بعد رسول اللہ ﷺ نے قریباً تین سال تک اسلام کی دعوت کی علانیہ تبلیغ نہیں کی بلکہ مخفی طور پر خاص خاص لوگوں کو اسلام کی دعوت دیتے رہے، چوتھے سال آپؐ کو یہ حکم ملا:

﴿وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ﴾ (الشعراء۲۶:۲۱۴)

''اپنے قریبی رشتہ داروں کو عذاب الٰہی سے ڈراؤ۔''

اس حکم کی تعمیل میں جناب رسول اللہ ﷺ نے کوہ صفا پر چڑھ کر اپنے خاندان کے لوگوں کو بلایا، لیکن آپ کو اس کا کوئی خاطر خواہ جواب نہ ملا بلکہ آپؐ کا چچا ابولہب تو سخت برہم ہوا۔ (بخاری:۲/۷۰۲)

چند روز کے بعد آپؐ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ ''دعوت کا سامان کرو۔'' چنانچہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے دعوت کا سامان کیا اور تمام خاندان عبدالمطلب کو مدعو کیا گیا۔ حمزہ رضی اللہ عنہ، ابو طالب اور عباس سب شریک دعوت ہوئے بلکہ ایک روایت میں ابولہب بھی شریک ضیافت تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے کھانے کے بعد کھڑے ہو کر فرمایا: ''میں وہ چیز لے کر آیا ہوں جو دین و دنیا دونوں کی کفیل ہے، اس بارگراں کو اٹھانے میں کون میرا ساتھ دے گا؟'' ہر چہرہ خاموش تھا اور ساری مجلس پر سناٹا تھا لیکن مجلس کے بزرگوں نے دیکھا کہ چھ سات سال کا لڑکا جس کا نام علی رضی اللہ عنہ تھا اس نے اٹھ کر کہا:

''اگرچہ میں عمر کے لحاظ سے بچہ ہوں اور گو مجھے آشوب چشم ہے۔ میرا پیٹ بڑھا ہوا ہے اور میری ٹانگیں پتلی ہیں تاہم میں آپ کا ساتھ دوں گا۔'' (طبری:۲/۶۲، البدایہ والنہایہ:۳/۴۰)

اس روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ پر اس مجلس میں ایمان لائے تھے تبھی تو آپ نے اٹھ کر رسول اللہ ﷺ کا ساتھ دینے کا وعدہ فرمایا۔ حاضرین مجلس میں سے سوائے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے اور کوئی ایمان نہ لایا۔

طبری نے ایک روایت میں یہ الفاظ نقل کیے ہیں کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے یہ الفاظ کہے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''یہ تم میں میرا بھائی، وصی اور خلیفہ ہے۔ پس تم اس کی بات سنو اور اس کی اطاعت کرو۔''

لیکن اس روایت میں عبدالغفار بن قاسم اور منہال بن عمرو راوی ہیں۔ ان میں پہلا شیعہ اور دوسرا بدمذہب ہے۔ (میزان الاعتدال:۲/۶۴۰، ۴/۱۹۲، سیرۃ النبی:۱/۱۲۰ تعلیقہ)

دعوت اسلامی کا پھیلاؤ:

اس واقعہ کے بعد نبی اکرم ﷺ نے اعلانیہ اسلام کی تبلیغ شروع فرما دی اور سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے بھی اس تبلیغ میں رسول اللہ ﷺ کا ساتھ دیا۔ جس کی وجہ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک اچھی خاصی تعداد حلقہ بگوش

Marfat.com

اسلام ہوئی، جن میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ، سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ، سیدنا زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ اور سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ وغیرہ سرفہرست ہیں۔ اس عرصے میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی اسلام کے بارے میں کوئی کارکردگی تاریخ کے اوراق میں نظر نہیں آتی۔ ابھی چالیس مسلمان ہی دامن اسلام سے وابستہ ہوئے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔

سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے کے چند ہی روز بعد سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلاموں میں اپنا نام لکھوالیا اور اہل ایمان کی جماعت حقہ میں داخل ہو گئے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے سے مسلمان اپنی صفوں میں ایک قوت اور مضبوطی محسوس کرنے لگے۔ (ابن ہشام: ۱/۹۵)

دعوت اسلامی کے اس پھیلاؤ کو دیکھ کر قریش مکہ نے اس کے روکنے کے لیے بہت تدابیر کیں لیکن سب ناکام ہوئیں۔ آخر یہ تدبیر سوچی کہ آپ کے خاندان کو محصور کر کے تباہ کر دیا جائے۔ چنانچہ منصور بن عکرمہ نے ایک معاہدہ لکھا جو در کعبہ پر آویزاں کر دیا گیا۔

ابو طالب مجبور ہو کر تمام خاندان کے ساتھ شعب بنو ہاشم میں محصور ہو گئے۔ بنو ہاشم تین سال تک اس گھاٹی میں رہے اور بہت تکالیف برداشت کیں۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ بھی بنو ہاشم کے ساتھ اس گھاٹی میں محصور رہے، لیکن ان کی کوئی نمایاں کارکردگی کتابوں کے اوراق میں نہیں ملتی۔ وجہ اس کی یہ تھی کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ اس وقت چھوٹے تھے اور بڑوں کے ہوتے ہوئے چھوٹوں کو آگے نہیں لایا جاتا۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور ہجرت:

قریش مکہ جب ہر طرف سے مایوس ہو گئے اور انھوں نے دیکھا کہ ان کی ہر قسم کی مزاحمت دین اسلام کے پھیلاؤ کو نہیں روک سکی اور مسلمانوں کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے تو انھوں نے دارالندوہ میں میٹنگ کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا۔ اس منصوبہ کو عملی شکل دینے کے لیے تمام قبائل کے لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آستانۂ عالیہ کا محاصرہ کر لیا۔

جبرئیل امین نے اس بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی۔ آپ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو بلایا اور مکہ کے لوگوں کی ساری امانتیں ان کے سپرد کیں اور فرمایا کہ مجھے ہجرت کا حکم ہو چکا ہے، لہٰذا میں آج مدینہ طیبہ روانہ ہو جاؤں گا۔ تم میرے پلنگ پر میری یہ حضرمی سبز چادر اوڑھ کر سو رہو تم کو کوئی بھی گزند نہیں پہنچائے گا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے منہ سے یہ الفاظ سن کر آپ رضی اللہ عنہ بے خوف و خطر بستر رسولؐ پر سو رہے۔

کفار مکہ نے ساری رات کاشانۂ رسالتؐ کا محاصرہ کیے رکھا، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو دوپہر کے وقت ہجرت فرما چکے تھے۔ کسی نے انھیں نہیں بتایا کہ رسول تو جا چکے ہیں وہ یہ سمجھتے رہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بستر پر لیٹے ہوئے ہیں، لیکن صبح کے وقت بستر رسول سے سیدنا علی رضی اللہ عنہ اٹھے۔ کفار مکہ نے ان سے پوچھا کہ رسول

Marfat.com

اللہ ﷺ کہاں گئے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''مجھے کوئی علم نہیں۔'' (ابن سعد:۱/۲۲۸)

سیدنا علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی ہدایت کے مطابق آپ کی عطا کردہ امانتیں ان کے مالکوں کے سپرد کر کے تین روز بعد عازم مدینہ ہو گئے۔ خود فرماتے ہیں:

''میں تین روز مکہ میں رہا۔ میں لوگوں کے سامنے آتا جاتا۔ میں ایک روز بھی لوگوں سے غائب نہیں رہا پھر تین روز کے بعد جب مکہ سے نکلا اور اس راستہ پر چلتا گیا جس راستے پر رسول اللہ ﷺ گئے تھے یہاں تک کہ میں بنی عمرو بن عوف کے محلے میں پہنچا۔ میں کلثوم بن الہدم کے مکان پر گیا جہاں رسول اللہ ﷺ نے قیام فرمایا تھا۔'' (طبقات ابن سعد:۱/۲۳۳، طبری:۳/۱۰۶)

بخاری میں ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہجرت کے بارے میں جو روایت مروی ہے اس میں صاف اور واضح الفاظ میں ہے کہ ہجرت کا سفر دوپہر کے وقت سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گھر سے شروع ہوا نہ کہ رات کو ہجرت کا سفر ہوا۔ (بخاری:۱/۵۵۲)

ان دونوں روایات کے مابین مطابقت و تطبیق یہ ہے کہ ہجرت سے ایک رات قبل رسول اللہ ﷺ نے اپنی ساری امانتیں جو لوگوں کی آپؐ کے پاس تھیں یہ کہہ کر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو دیں کہ وہ ان کو ان کے مالکان کو واپس لوٹا کر مدینہ طیبہ چلے آئیں۔ دوپہر کو بخاری کی روایت کے مطابق آپؐ نے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے گھر سے اپنی ہجرت کا سفر شروع کیا، جس کی اطلاع شاید سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو نہ تھی۔ آپؐ فرمان نبویؐ کے مطابق رات کو بستر نبویؐ پر سو گئے اور کفار مکہ نے بھی یہ سمجھا کہ رسول اللہ ﷺ اپنے کاشانہ ہی میں تشریف فرما ہیں۔ لہٰذا وہ ساری رات اس کا محاصرہ کیے رہے۔ چنانچہ صبح کو پتہ چلا کہ بستر رسالتؐ پر سیدنا علی رضی اللہ عنہ سو رہے تھے۔ کفار نے اُن سے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ کہاں ہیں؟ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

لا علم لی به۔

''مجھے آپؐ کے بارے میں کوئی علم نہیں۔'' (طبقات ابن سعد:۱/۲۲۸)

اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو واقعی علم نہیں تھا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کل دوپہر کو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان کے مکان سے ہجرت فرما چکے ہیں۔ اگر روایات کی یہ تطبیق کوئی ذہن قبول نہیں کرتا تو بخاری کی روایات کے مقابلے میں دوسری ہر کتاب کی روایت کوئی حیثیت نہیں رکھتی اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا رسول اللہ ﷺ کے بستر پر سونا اور رسول اللہ ﷺ کا رات کی تاریکی میں مکہ سے ہجرت فرمانا ایک افسانے سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔

جیسا کہ عرض کیا گیا ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے ہجرت فرمانے کے تین روز بعد مکہ مکرمہ سے نکلے اور کلثوم بن الہدم کے مکان پر پہنچے جہاں رسول اللہ ﷺ قیام پذیر تھے۔

ہجرت کا یہ سفر نہایت مشکل تھا، لیکن سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی ایمانی قوت و طاقت راہ وفا کے ان سنگلاخ راستوں پر پروں کا کام دیتی تھی اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ دن کو چھپے رہتے اور رات کو ریگزاروں میں چلتے، یہاں تک کہ:

Marfat.com

رسول اللہ ﷺ کو آپ کی آمد کے بارے میں پتہ چلا تو فرمایا ''علی رضی اللہ عنہ کو بلاؤ۔' خدمت گرامی میں عرض کیا گیا''! وہ چلنے سے معذور ہیں۔'' رسول اللہ ﷺ نے جب یہ سنا تو خود تشریف لے گئے، گلے لگایا، سر منہ چوما، پاؤں کے ورم کو دیکھا تو نبوتؐ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ آپ نے پاؤں پر ہاتھ پھیرا، لعاب دہن لگایا، نبوتؐ کے اس لعاب دہن لگانے سے پھر ساری زندگی سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے پاؤں کو کبھی کوئی تکلیف نہیں ہوئی۔

(ابن اثیر:۲/۱۰۶)

مسجد نبویؐ کی تعمیر میں حصہ:

مدینہ طیبہ میں رسول اللہ ﷺ نے اپنی رہائش تو سیدنا ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے ہاں ہی رکھی لیکن حق تعالیٰ کی عبادت کے لیے ایک مسجد کی ضرورت محسوس کی جہاں بندگان خدا اللہ تعالیٰ کے حضور سر نیاز جھکا سکیں۔ چنانچہ ہجرت کے چھٹے یا ساتویں مہینے رسول اللہ ﷺ نے مسجد نبویؐ کی بنیاد رکھی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ اس کی تعمیر میں بھرپور حصہ لیا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ ''مسجد کی تعمیر میں اینٹ اور گارا اٹھاتے ہوئے یہ رجز پڑھتے:

لا یستوی من یعمر المساجدا

بداب فیه قائما وقاعدا

ومن یری عن الغبار جائدا

''جو شخص مسجد کی تعمیر کرتا ہے اور مشقت برداشت کرتا ہے کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر اور اس کے مقابلہ میں جو گرد و غبار کی وجہ سے اس کام سے جی چراتا ہے وہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے۔''

(زرقانی:۱/۴۲۶، ابن ہشام:۲/۴۹۷)

ہجرت مدینہ کے بعد:

رسول اللہ ﷺ نے جب اعلان نبوتؐ فرمایا اس وقت سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی عمر ۵ یا ۶ سال کی تھی کیونکہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ بن علی کے بیان کے مطابق شہادت کے وقت آپ کی عمر ۵۸ سال تھی۔ (طبری:۲/۱۱۶) ابن کثیر نے سیدنا جعفر الصادق رحمۃ اللہ علیہ کا جو قول نقل کیا ہے اس میں بھی آپ کی عمر ۵۸ سال ہے۔ (البدایہ والنہایہ:۷/۳۳۰)

اس لحاظ سے ہجرت کے وقت آپ کی عمر ۱۸ یا ۱۹ سال بنتی ہے۔ اس وجہ سے اسلام کے لیے کام کرنے کا وقت سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے لیے ہجرت کے بعد شروع ہوا۔ چنانچہ آپ نے ہجرت مدینہ کے بعد اسلام کے لیے وہ کام کیا جو علی رضی اللہ عنہ جیسا نوجوان ہی کر سکتا تھا۔ غزوۂ بدر، غزوۂ خیبر، غزوۂ احد اور غزوۂ احزاب وغیرہ سب جنگوں میں تاریخ کے اوراق میں ہمیں آپ کا نام ملتا ہے۔

Marfat.com

مواخات:

مہاجرین مکہ مکرمہ سے بالکل خالی ہاتھ آئے تھے۔ جو کچھ ان کے پاس تھا وہ یا تو کفار مکہ نے چھین لیا یا وہ وہاں چھوڑ آئے۔ بے سروسامان مہاجرین کی مالی امداد کے لیے رسول اللہ ﷺ نے انصار اور مہاجرین کے مابین مواخات اور بھائی چارے کا رشتہ قائم فرمایا۔

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے گھر پر لوگوں کو جمع کیا گیا۔ مہاجرین کی تعداد ۴۵ تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے انصار کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا: ''یہ تمھارے بھائی ہیں۔'' پھر مہاجرین و انصار میں سے دو اشخاص کو بلا کر آپ فرماتے گئے کہ ''یہ اور تم بھائی بھائی ہو۔'' (طبقات ابن سعد: ۱/ ۲۳۸)

آپ نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو خارجہ بن زید کا بھائی بنایا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو سیدنا عتبان بن مالک کا بھائی بنایا۔ سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ کو مسلمہ رضی اللہ عنہ بن سلامہ اور سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ کو سیدنا کعب رضی اللہ عنہ بن مالک کا بھائی بنایا۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان کو سیدنا اوس بن ثابت رضی اللہ عنہ کا بھائی بنایا۔ اسی طرح آپ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو سیدنا سہیل رضی اللہ عنہ بن حنیف کا بھائی بنایا۔ (طبقات ابن سعد: ۲/ ۲۳)

بعض روایات میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو اپنا بھائی بنایا۔ (ابن ہشام: ۱/ ۱۵۸) یہ روایت کئی لحاظ سے غلط ہے:

① آپ نے یہ بھائی چارہ انصار و مہاجرین کے درمیان قائم کیا تھا۔ آپ ﷺ بھی مہاجر اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ بھی مہاجر۔ مہاجر مہاجر کا آپس میں بھائی چارہ قائم کرنے کا کوئی مقصد نظر نہیں آتا۔

② مہاجر تو پہلے ہی آپس میں کئی قسم کے رشتہ اخوت میں منسلک تھے۔ آپ نے انصار و مہاجرین کے درمیان یہ اخوت پیدا کی تھی تاکہ ایک تو مہاجرین کی دل جوئی ہو سکے اور دوسرے مہاجرین کی بے سروسامانی کا مداوا ہو سکے۔ چنانچہ انصار نے مہاجر بھائیوں کو اپنی ملکیت میں سے ہر شے آدھی بانٹ کر دی۔ (بخاری: ۱/ ۵۳۳)

علامہ ابن کثیر نے اس بارے میں نہایت عمدہ بحث فرمائی ہے۔ اہل علم وہاں ملاحظہ فرمالیں۔
(نیز تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو احقر کی کتاب ''سیرۃ خاتم النبیین'' جلد: ۲، البدایہ والنہایہ: ۳/ ۲۲۷)

غزوۂ بدر اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ:

ہجرت کے بعد قریش مکہ اور مسلمانوں کے درمیان سب سے پہلی جنگ بدر کے مقام پر ہوئی جس نے نہ صرف اسلامی تاریخ بلکہ تاریخ عالم کا دھارا بدل دیا۔ اس وجہ سے قرآن نے اس غزوہ کو ''الفرقان'' کے نام سے موسوم کیا ہے۔

غزوۂ بدر میں جب دونوں فوجیں آمنے سامنے تھیں تو سب سے پہلے عتبہ اور اس کا بھائی شیبہ پسران

Marfat.com

ربیعہ اور عتبہ کا بیٹا ولید دعوت مبارزت دیتے ہوئے میدان میں نکلے۔ یہ تینوں بنو امیہ سے تعلق رکھتے تھے۔ نبی اکرم ﷺ نے ان کے مقابلے میں تین انصاری نوجوانوں عوف رضی اللہ عنہ بن حارث، مسعود رضی اللہ عنہ بن حارث اور عبداللہ رضی اللہ عنہ بن رواحہ کو میدان جنگ میں بھیجا۔ عتبہ نے ان تینوں سے پوچھا تم کون ہو؟ انھوں نے جواب دیا کہ ہم انصاری ہیں۔ عتبہ نے آواز دی: ''اے محمدؐ! ہماری اپنی قوم کے لوگوں کو ہمارے مقابل لائیے جو ہمارے برابر ہیں۔'' (طبری:۲/۱۴۸، ابن اثیر:۲/۱۲۵)

اس پر رسول اللہ ﷺ نے بنو ہاشم کو مخاطب کر کے فرمایا:

''اے بنو ہاشم! اٹھو اور اپنے اس حق کے لیے لڑو جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے تمھارے نبیؐ کو بھیجا جب کہ کفار اپنے باطل کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے نور کو بجھانے کے لیے آئے ہیں۔'' (ابن سعد:۲/۱۷، مسند احمد:۱/۱۱۷)

آپ کی اس آواز پر سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ، سیدنا علی رضی اللہ عنہ، سیدنا عبیدہ رضی اللہ عنہ بن الحارث بن عبدالمطلب میدان جنگ میں آئے۔ عتبہ نے سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ سے کہا، کہ اپنا تعارف کرواؤ۔ سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''میں حمزہ رضی اللہ عنہ بن عبدالمطلب ہوں، اللہ اور اس کے رسول کا شیر، اور میرے ساتھ علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور عبیدہ بن الحارث رضی اللہ عنہ بن عبدالمطلب ہیں۔'' غرض کفر کے ان تین ستونوں کی اساطین اسلام کے ساتھ مڈبھیڑ ہوئی۔ سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے تو اپنے مقابل عتبہ اور ولید کو ایک ہی وار میں واصل جہنم کیا، لیکن سیدنا عبیدہ بن الحارث رضی اللہ عنہ سن رسیدہ ہونے کی وجہ سے زخمی ہو گئے۔ ان کا زخمی ہونا تھا کہ سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے دوڑ کر شیبہ کو بھی جہنم واصل کر دیا البتہ سیدنا عبیدہ رضی اللہ عنہ بھی اس زخم سے جانبر نہ ہو سکے اور شہید ہو گئے۔ (ابن سعد:۲/۱۷)

بعض روایات میں ہے کہ سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کا مقابلہ بجائے عتبہ کے شیبہ سے ہوا اور سیدنا عبیدہ رضی اللہ عنہ بن الحارث کا مقابلہ شیبہ کے بجائے عتبہ سے ہوا۔ (ابن ہشام:۲/۲۶۵، طبری:۲/۱۴۸، ابن اثیر:۲/۱۲۵، البدایہ والنہایہ:۳/۲۷۳)

حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں اس روز جھنڈا تھا، جس کا نام ''عقاب'' تھا اور انصار کا جھنڈا سیدنا سعد رضی اللہ عنہ بن معاذ کے ہاتھ میں تھا۔ (البدایہ والنہایہ:۳/۲۶۰، طبقات ابن سعد، ۳/۲۲)

ذوالفقار علی رضی اللہ عنہ:

جنگ بدر میں قتل ہونے والے مشرکین میں ایک شخص منبہ بن حجاج نامی بھی تھا۔ ابن ہشام کے مطابق سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے اسے قتل کیا۔ ذوالفقار نام کی تلوار اس مشرک کی تھی جو اسی موقع پر مال غنیمت میں حاصل ہوئی۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے اس تلوار کو ابوجہل کی تلوار بتایا ہے۔ (منہاج السنۃ:۳/۱۷)

طبقات ابن سعد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے وہ تلوار بدر کے دن اپنے حصہ میں لی۔

(ابن سعد:۱/۳۲۸، ۳۶۰، ۲/۲۷۲)

اس تلوار کا نام پہلے ہی ذوالفقار تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کا نام برقرار رکھا۔ عربی زبان میں ''فقار''

Marfat.com

ریڑھ کی ہڈی میں جڑے ہوئے مہروں کے اتار چڑھاؤ کو کہتے ہیں۔ چونکہ اس تلوار میں آرائش وزیبائش کے لیے اوپر کی جانب کنگورے بنائے گئے تھے۔ اس لیے اسے ''ذوالفقار'' یعنی کنگورے دار تلوار کہا جاتا تھا۔ یہ تلوار غزوۂ بدر کے بعد مستقل طور پر نبی اکرم ﷺ کی ملکیت میں رہی اور آپ ﷺ کے انتقال کے بعد آپؐ کے متروکات میں اس کا شمار ہوتا ہے۔

یہ تھی ذوالفقار کی تاریخی حیثیت، لیکن ایک خاص گروہ نے اس بارے میں مختلف قسم کی روایات گھڑیں۔ چنانچہ ملا محمد بن یعقوب کلینی نے لکھا ہے کہ:

''راوی کہتا ہے کہ میں نے امام رضا علیہ السلام سے پوچھا کہ ذوالفقار شمشیر کہاں سے آئی تھی۔ فرمایا جبرئیل علیہ السلام آسمان سے لائے تھے اور اس کا قبضہ چاندی کا تھا۔'' (الشافی ترجمہ اصول کافی: ۱/۲۶۷)

اس تلوار کا آسمان سے اترنے کا افسانہ یا رلوگوں نے صرف سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی شان بڑھانے کے لیے گھڑا ہے وگرنہ حقیقت سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ پھر ہمارے شعراء اور افسانہ نگاروں نے ہر جنگ میں ذوالفقار حیدری کے جوہر بیان کر کے اسے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے مختص کرنے کی سعی نامشکور فرمائی ہے۔ حالانکہ ''یہ ذوالفقار حیدری'' نہیں تھی بلکہ ''ذوالفقار نبویؐ'' تھی۔

دامادیٔ رسولؐ:

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی عمر جب ۲۱ سال تھی تو رسول اللہ ﷺ نے انھیں اپنی دامادی کا شرف بخشا اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو آپ کے حبالۂ عقد میں دے دیا۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی عمر اس وقت ساڑھے پندرہ سال تھی۔

(البدایہ والنہایہ: ۶/۳۳۲، تفسیر قرطبی: ۴/۱۵۱)

شیعہ علماء نے اس شادی کی تاریخ ۲۱ رماہ محرم ۳ھ بیان کی ہے جب کہ ہماری تحقیق کے مطابق یہ شادی ۴ھ میں ہوئی، لیکن اگر یہ نکاح ۳ھ ہی میں تسلیم کر لیا جائے گا تب بھی روایات کے مطابق سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی باقاعدہ رخصتی نکاح کے قریباً دس گیارہ ماہ بعد ہوئی۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ پہلے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اسی مکان میں رہتے تھے، لیکن رخصتی کے وقت آپ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ ایک مکان کرایہ پر لے لو، چنانچہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے حارثہ رضی اللہ عنہ بن نعمان کا مکان کرایہ پر لے لیا اور آپ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ اس مکان میں اپنی متاہل زندگی کے دن گزارنے لگے۔ (الاصابہ: ۸/۱۵۸) زرقانی میں بھی ایک روایت ہے کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح اگرچہ ۳ھ میں ہوا لیکن رخصتی ۴ ہجری میں ہوئی تھی۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے زرہ کی رقم سے جو کچھ باقی بچا تھا اس سے اپنی دعوت ولیمہ کی جس میں کھجور، جو کی روٹی، پنیر اور ایک خاص قسم کا شوربہ کھلایا گیا۔ دعوت ولیمہ اس زمانہ کے لحاظ سے نہایت پرتکلف اور شاندار تھی۔ چنانچہ سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا فرمایا کرتی تھیں کہ اس زمانہ میں اس سے بہتر کوئی ولیمہ نہیں ہوا۔

(زرقانی: ۲/۸، کشف الغمہ: ۱/۳۶۶)

Marfat.com

غزوۂ احد اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ:

غزوۂ بدر میں قریش مکہ کے ستر آدمی مارے گئے اور وہ سارے کے سارے بڑے بڑے لوگ تھے لہٰذا، مکہ کے ہر گلی کوچے سے انتقام انتقام کی صدائیں آتی تھیں۔ چنانچہ شوال ۳ ھ کو جنگ احد ہوئی۔ ابن اثیر کے مطابق مسلمان کم ہونے کے باوجود خوب لڑے۔ سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ، سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابو دجانہ رضی اللہ عنہ نے وہ کارنامے سرانجام دیئے کہ قریش مکہ سٹپٹا اٹھے۔ ان تینوں بہادروں نے کشتوں کے پشتے لگا دیئے، یہاں تک کہ مشرکین مکہ سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔

بھاگتے ہوئے قریش نے جب یہ دیکھا کہ مسلمانوں نے مال غنیمت لوٹنا شروع کر دیا ہے اور جبل احد کا درہ قریباً خالی ہو گیا ہے تو انھوں نے مسلمانوں کے عقب سے ان پر حملہ کر دیا جس سے مسلمانوں میں بھگدڑ مچ گئی۔ لشکر اسلام کے علم بردار سیدنا مصعب رضی اللہ عنہ بن عمیر شہید ہو گئے تو یہ مشہور ہو گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو گئے ہیں۔ اس خبر نے مسلمانوں کے اور بھی اوسان خطا کر دیئے اور کئی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میدان جنگ سے ایک طرف ہو کر بیٹھ گئے کہ اب لڑنے کا کیا فائدہ؟ اس موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چند صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رہ گئے، جن میں ایک سیدنا علی رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ (کشف الغمہ: ۱/۱۸۸)

سیدنا مصعب رضی اللہ عنہ کے شہید ہونے کے بعد اسلامی علم سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے سنبھالا اور اپنی جان کو خطرے میں ڈال کر اس علم کی حفاظت کی۔ اتنے میں مشرکین کے علم بردار طلحہ بن عثمان نے مسلمانوں کو للکارا کہ ''اے مسلمانو! تمہارا خیال ہے کہ تمھاری تلواریں ہمیں جہنم بھیجتی ہیں اور ہماری تلواریں تمھیں جنت میں پہنچاتی ہیں۔ اگر معاملہ ایسا ہی ہے تو کوئی تم میں ایسا ہے جس کو میری تلوار جنت میں پہنچاوے اور اس کی تلوار مجھے جہنم رسید کر دے۔'' یہ سن کر سیدنا علی رضی اللہ عنہ اس کی طرف بڑھے اور تلوار کا ایک ایسا وار کیا کہ اس کا پاؤں کٹ گیا اور وہ خود نیچے گر گیا۔ نیچے گرتے ہی وہ ننگا ہو گیا اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے رحم کی بھیک مانگنے لگا۔ آپ نے اسے چھوڑ دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے اس بہادری کے کارنامے کی تحسین فرمائی اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ تم نے اس کافر کو کیوں چھوڑ دیا؟ آپ نے عرض کیا کہ وہ ننگا ہو گیا تھا اور اس نے مجھے رحم کے لیے پکارا تھا۔ میں نے ترس کھاتے ہوئے اسے چھوڑ دیا۔ (ابن اثیر: ۲/۱۵۲، طبری: ۲/۱۹۴)

جنگ احد میں کفار نے یہ مشہور کر دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہید کر دیئے گئے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت کی یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح ہر سُو پھیل گئی۔ مدینہ طیبہ سے وفا شعار ان پیغمبرؐ بڑی بے تابی سے دوڑتے ہوئے آئے۔ سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا بھی آئیں۔ اپنے ابا جان کو زخمی دیکھ کر تڑپ گئیں۔ چہرۂ انور سے خون جاری تھا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ ڈھال میں پانی بھر بھر کر لاتے اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا چہرہ مبارک سے خون کو دھوتیں، لیکن خون تھا کہ تھمتا نہیں تھا۔ آخر چٹائی کا ایک ٹکڑا جلایا اور زخم پر ڈالا جس سے فوری طور پر خون تھم گیا۔ (بخاری: ۲/۵۸۴، البدایہ والنہایہ: ۷/۲۲۴)

جنگ احد کے بارے میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے متعلق بعض حضرات نے عجیب و غریب قسم کی روایات گھڑی

Marfat.com

ہوئی ہیں۔ایک روایت سیدنا ابورافع رضی اللہ عنہ سے ہے کہ جنگ احد میں لشکر اسلامی کا علم سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے پاس تھا اور مشرکین مکہ کا طلحہ بن ابی طلحہ کے پاس۔سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے مشرکین کے علم بردار کو قتل کر دیا، یہاں تک کہ بالترتیب نو افراد نے اس جھنڈے کو سنبھالا اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ ہر علم بردار کو قتل کرتے رہے اور مشرکین کے سرداروں کی ایک جماعت کو بھی جہنم رسید کیا۔حضرت جبرائیل علیہ السلام نے نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کہا: ''آپؐ یہ مواسات کا عمل دیکھ رہے ہیں؟'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''میں اس سے ہوں اور یہ مجھ سے ہے۔'' جبرئیل نے کہا کہ ''میں تم دونوں میں سے ہوں۔'' پھر ہمیں آسمان سے ایک چیخ سنائی دی۔آواز دینے والا کہہ رہا تھا:

لافتی الاعلی لاسیف الا ذوالفقار۔

''علی کے سوا کوئی بہادر نہیں اور ذوالفقار کے سوا کوئی تلوار نہیں۔'' (طبری:۲/۱۹۷، ابن اثیر:۲/۱۵۴)

اسی طرح کی ایک اور روایت سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی منسوب ہے۔یہ روایات بالکل غلط اور وضعی ہیں۔ابورافع رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام تھے۔اس سے پہلے یہ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کے غلام تھے، جنگ احد کے زمانے میں یہ مکہ میں تھے اور جنگ مدینہ میں ہو رہی تھی۔انھوں نے مکہ میں بیٹھ کر میدان اُحد کی آواز کیسے سن لی۔اسی طرح سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ جنگ احد کے موقع پر ۵ یا ۶ سال کے تھے اور مکہ مکرمہ میں رہائش پذیر تھے۔ انھوں نے یہ آواز وہاں کیسے سن لی۔اصل میں یہ خودساختہ روایات ہیں اور ان کے راوی یحییٰ بن سلمہ بن کہیل اور عیسیٰ بن مہران جیسے رافضی ہیں۔(ملاحظہ ہو الموضوعات:۱/۳۸۲، میزان الاعتدال:۳/۳۲۴، کتاب الضعفاء والمتروکین:۱۳۷)

غزوۂ خندق اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ:

ہجرت کے پانچویں سال غزوۂ خندق پیش آیا۔اس غزوہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے مشورہ سے مدینہ طیبہ کے اردگرد خندق کھودی۔خندق کھودنے میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ساتھ شامل تھے۔

اس خندق پر کئی روز تک حملے کیے گئے تاکہ اس کو عبور کر کے مسلمانوں پر زبردست حملہ کیا جائے، لیکن کافر اسے عبور نہ کر سکے۔ایک روز ایک جگہ سے جہاں سے یہ خندق زیادہ چوڑی نہ تھی، حملہ کرنے کی منصوبہ بندی کی گئی۔چنانچہ عرب کا مشہور بہادر عمرو بن عبدود جس کو ایک ہزار نوجوانوں کے برابر سمجھا جاتا تھا خندق میں گھوڑے کو مہمیز لگا کر آ گیا اور مسلمانوں کو دعوت مبارزت دی۔عمرو بن عبدود جنگ بدر میں زخمی ہو کر واپس چلا گیا تھا اور قسم کھائی تھی کہ جب تک مسلمانوں سے انتقام نہ لوں گا بالوں میں تیل نہ ڈالوں گا۔اس وقت اس کی عمر ۹۰ سال تھی۔

عمرو بن عبدود نے جب مسلمانوں کو دعوت مبارزت دی تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اٹھ کر اس کو قبول کرنے کا اعلان فرمایا، لیکن جناب ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم نے روکا کہ یہ عمرو بن عبدود ہے۔سیدنا علی رضی اللہ عنہ بیٹھ گئے۔اس نے پھر مقابلہ کے لیے پکارا، سیدنا علی رضی اللہ عنہ پھر اٹھے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر فرمایا، کہ یہ عمرو بن عبدود ہے۔سیدنا علی رضی اللہ عنہ

Marfat.com

نے عرض کیا: ''ہاں میں جانتا ہوں۔'' سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا ذوق وشوق دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت مرحمت فرما دی۔ خود دست مبارک سے تلوار عنایت فرمائی اور سر پر عمامہ باندھا اور دعا بھی فرمائی۔

عمرو بن عبدود کہا کرتا تھا کہ اگر کوئی شخص مجھے تین باتوں کی درخواست کرے تو میں ایک ضرور قبول کروں گا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے عمرو سے پوچھا: ''کیا تو واقعی ایسا کہتا ہے؟'' اس نے کہا ''ہاں''۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''میں درخواست کرتا ہوں کہ تو اسلام لے آ''۔ عمرو نے کہا یہ نہیں ہوسکتا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''جنگ سے واپس چلا جا۔'' اس نے جواب دیا: ''میں قریش کا طعنہ نہیں سن سکتا۔'' سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ''اگر تمھیں یہ دونوں باتیں منظور نہیں تو پھر مجھ سے معرکہ آرا ہو۔''

عمرو نے مسکراتے ہوئے کہا: ''کہ میرے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا کہ اس آسمان کے نیچے کوئی شخص مجھ سے یہ بھی کہے گا، لہٰذا مجھے یہ تیسری بات منظور ہے۔'' سیدنا علی رضی اللہ عنہ پیادہ پا تھے۔ عمرو ایک بہادر آدمی تھا۔ اس کی غیرت نے یہ گوارا نہ کیا کہ اس کا حریف پیادہ ہو اور وہ اس سے سوار ہو کر لڑے، لہٰذا وہ گھوڑے سے نیچے اتر آیا اور پہلی تلوار گھوڑے کے پاؤں پر ماری اور اس کی کونچیں کاٹ دیں۔ پھر پوچھا کہ ''تم کون ہو؟'' سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اپنا نام بتایا۔ عمرو نے کہا: ''میں تم سے لڑنا نہیں چاہتا۔'' آپ نے جواب میں فرمایا ''لیکن میں تم سے لڑنا چاہتا ہوں۔'' یہ سن کر عمرو غصے سے سٹپٹا اٹھا۔ اس نے پر تلے سے تلوار نکالی اور آگے بڑھ کر سیدنا علی رضی اللہ عنہ پر وار کیا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اس کے وار کو ڈھال پر روکا لیکن تلوار سپر میں ڈوب کر نکل آئی اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی پیشانی پر لگی۔ زخم اگرچہ کاری نہ تھا لیکن زخم کا نشان آپ رضی اللہ عنہ کی پیشانی پر ہمیشہ کے لیے رہ گیا۔ عمرو کے وار کے بعد سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اس پر وار کیا۔ آپ کی تلوار دشمن کا شانہ کاٹ کر نیچے اتر گئی۔ وار کرنے کے ساتھ ہی سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ''اللہ اکبر'' کا نعرہ لگایا۔ (ابن ہشام: ۲۲۴/۳، ۲۲۵، البدایہ والنہایہ: ۱۰۶/۴)

عمرو بن عبدود کے بعد ضرار اور جبیر نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ پر حملہ کر دیا۔ یہ دونوں بھی ملتِ کفر کے سردار تھے۔ ان دونوں کو بھی سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی تلوار کے سامنے پسپا ہونا پڑا۔ نوفل بھاگتے ہوئے خندق میں گرا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اسے تیر مارنے شروع کر دیئے۔ اس نے آواز دی کہ میں شریفانہ موت مرنا چاہتا ہوں۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اس کی عرضداشت منظور فرمائی اور خندق میں اتر کر اس کو شریفانہ موت سے مارا۔ غرض کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اس جنگ میں نمایاں حصہ لیا۔ قریش مکہ نے انتہائی کوشش کی کہ اہل اسلام کو شکست سے دوچار کیا جائے، لیکن موسم کی سختی، محاصرے کا امتداد، آندھی کے زور، رسد کی قلت اور یہود کی علیحدگی نے انھیں مجبور کر دیا کہ وہ محاصرہ اٹھا کر واپس چلے جائیں۔ چنانچہ ابوسفیان نے طبل رحیل بجانے کا حکم دیا اور مدینہ طیبہ کا افق بیس بائیس روز غبار آلودرہ کر بالکل صاف ہوگیا۔

غزوۂ بنوقریظہ اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ:

یہودیوں کے قبیلے بنوقریظہ نے چونکہ اس غزوہ میں نقض عہد کیا تھا اور خندق کی جنگ میں علانیہ شرکت

Marfat.com

نہیں کی تھی لہٰذا رسول اللہ ﷺ کو جنگ خندق سے فارغ ہونے کے بعد حکم دیا گیا کہ ابھی ہتھیار نہ کھولیں اور بنو قریظہ کی طرف بڑھیں، طبری نے لکھا ہے کہ

''رسول اللہ ﷺ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب کو اپنے علم کے ساتھ بنو قریظہ کی طرف بھیجا۔''

(بخاری، رقم:۱۴۲۱، طبری:۲/۳۴۵، ابن ہشام:۳/۲۳۴)

قریباً ایک ماہ تک بنو قریظہ کا محاصرہ کیا گیا۔ آخر انھوں نے یہ درخواست پیش کی کہ سیدنا سعد بن معاذ جو فیصلہ ہمارے متعلق کریں وہ ہمیں منظور ہوگا۔

سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے یہ فیصلہ کیا کہ لڑنے والے مرد قتل کیے جائیں، عورتیں اور بچے قیدی ہوں اور مال و اسباب غنیمت قرار دیا جائے۔ ان کا یہ فیصلہ تورات کے حکم کے مطابق تھا۔ غرض یہ کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کے عہد کے مطابق قلعے پر قبضہ کرلیا اور اس کے صحن میں نماز عصر ادا کی۔ (زرقانی:۲/۱۸۰)

اسی طرح شعبان ۶ ھ میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ایک سو افراد کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے حکم سے قبیلہ بنو سعد کی سرکوبی کی اور پانچ سو اونٹ اور دو ہزار بکریاں مال غنیمت میں لائے۔ (زرقانی:۲/۱۸۷)

صلح حدیبیہ:

چھ ہجری ذی القعدہ کے مہینہ میں نبی اکرم ﷺ اور قریش مکہ کے مابین حدیبیہ کے مقام پر ایک معاہدہ ہوا جو تاریخ اسلام میں ''صلح حدیبیہ'' کے نام سے مشہور ہے۔ قریش کے سفیر سہیل بن عمرو کے ساتھ اس معاہدہ کی جو شرائط طے ہوئیں، رسول اللہ ﷺ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو بلا کر حکم دیا کہ ان شرائط کو قلم بند کریں۔ چنانچہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اس معاہدے کے عنوان پر ''بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم'' لکھا۔

عرب کا پرانا طریقہ یہ تھا کہ وہ خطوط اور معاہدوں کی ابتداء میں ''باسمك اللهم'' لك هتے تھے۔ ''بسم اللہ'' سے وہ بالکل نا آشنا تھے۔ سہیل بن عمرو نے اس پر اعتراض کیا کہ وہی پرانے الفاظ ''باسمك اللهم'' لك هے جائیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کی اس بات کو منظور فرمالیا۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اب اس معاہدے کی عبارت شروع کرتے ہوئے لکھا هذا ما قاضى عليه محمد رسول الله یعنی یہ وہ معاہدہ ہے جو محمد رسول اللہ ﷺ نے منظور فرمایا، سہیل نے کہا کہ ہم تو آپ کو پیغمبر ہی تسلیم نہیں کرتے۔ اگر آپ کو پیغمبر تسلیم کرتے تو آپ سے جھگڑا کیا تھا۔ آپ صرف اپنا اور اپنے باپ کا نام لکھوائیں۔ (یعنی محمد بن عبداللہ)۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''اگرچہ تم لوگ میری تکذیب کرتے ہو لیکن اللہ کی قسم میں خدا کا رسول ہوں۔'' یہ فرما کر آپ ﷺ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا ''یہ الفاظ کاٹ دیں۔''

سیدنا علی رضی اللہ عنہ تو رسول اللہ ﷺ کے جانثار اور فرماں بردار تھے لیکن عالم عشق و محبت میں کچھ مقام ایسے بھی آتے ہیں جہاں فرمانبرداری سے بعض دفعہ انکار بھی کرنا پڑتا ہے۔ چنانچہ آپ نے بارگاہ رسالت میں عرض کی

Marfat.com

''یارسولؐ اللہ! میں آپؐ کے نام کے ساتھ لکھا ہوا رسول اللہ ہرگز نہیں مٹاؤں گا۔'' آپؐ نے فرمایا: ''اچھا مجھے دکھاؤ کہ میرا نام کہاں ہے؟'' سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کی انگشت مبارک اس جگہ پر رکھ دی۔ آپؐ نے خود اپنے ہاتھ سے: ''رسول اللہ ﷺ'' کا لفظ کاٹ دیا۔ (حیات القلوب:۲/۷۵۳، ارشاد شیخ، مفید:۶۳)

اس کے بعد صلح کا وہ معاہدہ لکھا گیا اور دونوں طرف سے دستخط ہوئے اور رسول اللہ ﷺ زیارت کعبہ کا ارادہ ملتوی کر کے واپس مدینہ طیبہ تشریف لے گئے۔ (بخاری:۱/۳۷۲، ۴۵۲، مسلم:۲/۱۰۴، زرقانی ۲/۱۱۰)

غزوۂ خیبر اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ:

سات ہجری اور بعض روایات کے مطابق چھ ہجری کے آخر میں غزوۂ خیبر پیش آیا۔ خیبر عبرانی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ہیں ''قلعہ''۔ یہ جگہ مدینہ طیبہ سے آٹھ منزل پر واقع ہے۔ یہاں کی زمین نہایت زرخیز ہے۔ یہ عرب کی یہودی قوت کا سب سے بڑا مرکز تھا۔ مدینہ طیبہ سے جو یہودی جلاوطن کیے گئے وہ بھی یہیں آ کر آباد ہوئے تھے۔ یہاں نو قلعے تھے جن میں بقول یعقوبی ۲۰ ہزار سپاہی رہتے تھے۔ ان سب قلعوں میں قموص کا قلعہ سب سے زیادہ محفوظ اور مضبوط تھا۔ مرحب جو کہ نہایت مشہور پہلوان اور بہادر تھا اسی قلعہ کا رئیس تھا۔

خیبر کے ان قلعوں میں سب سے پہلے ناعم کا قلعہ فتح ہوا۔ اس کی فتح کا سہرا سیدنا محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کے سر ہے۔ قموص کا قلعہ جس کا رئیس مرحب تھا سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں فتح ہوا۔ رسول اللہ ﷺ جو پوری فوج کے سپہ سالار تھے، اپنی ہدایات کے مطابق مختلف جرنیلوں کے ذریعے اپنی فوج کو لڑوا رہے تھے۔ چنانچہ آپؐ نے ایک روز شام کو ارشاد فرمایا کہ کل اس شخص کو علم دوں گا جس کے ہاتھ سے اللہ تعالیٰ اس قلعہ کو فتح فرما دے گا اور جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کو چاہتا ہے اور اللہ اور اس کے رسولؐ بھی اس کو چاہتے ہیں۔'' (بخاری)

بعض روایات میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے یہ رات نہایت بے قراری اور اضطراب میں گزاری۔ ہر صحابی کی یہ خواہش تھی کہ علم فتح اسے مرحمت ہو۔ صبح ہوئی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سنا کہ رسول اللہ ﷺ نے پوچھا ''علی رضی اللہ عنہ کہاں ہیں؟'' سیدنا علی رضی اللہ عنہ اس وقت آشوب چشم کے مرض میں مبتلا تھے اور جنگ کرنے کے قابل نہ تھے، لیکن جناب سرور کائنات ﷺ نے انھیں اپنے پاس بلایا اور ان کی آنکھوں کو اپنا لعاب دہن لگایا اور دعا فرمائی۔ جب سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا گیا تو انھوں نے عرض کیا: ''یہود کو لڑ کر مسلمان بنا لیں؟'' آپؐ نے ارشاد فرمایا: ''نرمی کے ساتھ ان پر اسلام پیش کرو، اگر ایک شخص بھی تمھاری ہدایت سے حلقہ بگوش اسلام ہو گیا تو یہ بات تمھارے لیے سرخ اونٹوں سے بہتر ہے۔'' (بخاری:۱/۵۲۵، ۲/۶۰۵، مسلم:۲/۲۷۹)

یہ قلعہ بیس روز کے بعد فتح ہوا۔

قلعہ قموس کا رئیس مرحب تھا جس کے قتل ہونے کے بعد یہ قلعہ فتح ہو گیا۔ بعض مورخین نے لکھا ہے کہ مرحب کو سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے قتل کیا تھا، لیکن قدیم مورخین نے اس بات کا انکار کیا ہے۔ چنانچہ ابن ہشام نے لکھا ہے

Marfat.com

کہ ''مرحب کو محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے قتل کیا تھا۔ چنانچہ جب مرحب رجز پڑھتا ہوا اپنے قلعہ سے باہر نکلا اور مسلمانوں کو دعوت مبارزت دی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کون اس کے مقابلہ میں جائے گا؟'' سیدنا محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ''یارسولؐ اللہ! میں اس کے مقابلے میں جاؤں گا۔'' کیونکہ اس نے کل میرے بھائی کو مارا تھا۔ جناب سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ''اٹھو جاؤ۔'' اور ساتھ ہی فرمایا: ''اے اللہ! اس کی مدد فرمانا۔'' اللھم اعنه علیه۔ محمد رضی اللہ عنہ بن مسلمہ نے میدان میں جا کر مرحب کو ایسی ضرب لگائی کہ وہ قتل ہو گیا۔

وضربه محمد بن مسلمه حتی قتله۔ (ابن ہشام: ۲/۴۷)

طبری نے شیعہ ہونے کے باوجود یہ لکھا ہے کہ محمد رضی اللہ عنہ بن مسلمہ نے مرحب کو قتل کیا تھا۔ (طبری: ۲/۲۹۹)

حافظ ابن کثیر نے بھی واقدی، زہری اور محمد بن اسحاق سے مختلف سندوں کے ساتھ نقل کیا ہے کہ سیدنا محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے مرحب کو قتل کیا تھا۔ (البدایہ والنہایہ: ۲/۱۸۸، ابن اثیر: ۲/۲۱۹)

علامہ شبلی نے لکھا ہے:

''ابن اسحاق، موسیٰ بن عقبہ اور واقدی کا بیان ہے کہ مرحب کو محمد رضی اللہ عنہ بن مسلمہ نے مارا تھا۔ مسند احمد بن حنبل اور نووی شرح صحیح مسلم میں بھی ایک روایت ہے لیکن صحیح مسلم اور حاکم: ۲/۳۹ میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ ہی کو مرحب کا قاتل اور فاتح خیبر لکھا اور یہی اصح الروایات ہے۔'' (سیرۃ النبی: ۲/۲۱۹)

علامہ ابن اثیر نے بھی لکھا ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے قاتل مرحب ہونے کی روایت مشہور بھی ہے اور صحیح بھی۔ (ابن اثیر: ۲/۲۱۹)

یہ روایت مشہور ضرور ہے کیونکہ ایک خاص گروہ نے ایک خاص مقصد کے تحت اس کو مشہور کر دیا ہے لیکن جہاں تک اصح ہونے کا تعلق ہے وہ صحیح نہیں ہے۔ معلوم نہیں علامہ شبلی نے اسے اصح الروایات کیسے لکھ دیا۔ اسی غزوۂ خیبر کے بارے میں اس خاص گروہ نے ایسی ایسی روایات گھڑی ہوئی ہیں جن کو پڑھ کر ہنسی بھی آتی ہے اور ان کی ذہنیت پر رونا بھی۔ ان روایات میں سے ایک روایت علامہ شبلی نے بھی نقل کی ہے۔ فرماتے ہیں:

''معالم التنزیل میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جب تلوار ماری تو مرحب نے سپر پر یہ وار روکا لیکن ذوالفقار خود اور سر کو کاٹتی ہوئی دانتوں تک اتر آئی۔ مرحب کے مارے جانے پر یہود نے جب عام حملہ کیا تو اتفاق سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے سپر چھوٹ کر گر پڑی۔ آپ نے قلعہ کا در جو سرتاپا پارۂ سنگ تھا، اکھاڑ کر اس سے سپر کا کام لیا۔ اس واقعہ کے بعد ابورافع نے سات آدمیوں کے ساتھ مل کر اس کو اٹھانا چاہا تو اپنی جگہ سے نہ ہل سکا۔''

یہ روایتیں ابن اسحاق اور حاکم نے روایت کی ہیں، لیکن بازاری قصے ہیں۔ علامہ سخاوی نے مقاصد حسنہ میں تصریح کی ہے کہ کلها واهية سب لغو اور واہی روایتیں ہیں۔ علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال میں علی بن احمد فروخ کے حال میں اس روایت کو نقل کر کے لکھا ہے کہ یہ روایت منکر ہے۔ ابن ہشام نے جن سلسلوں سے

Marfat.com

یہ روایتیں نقل کی ہیں ان میں سے ایک روایت میں تو بیچ کے راوی کا نام سرے سے چھوڑ دیا ہے اور دوسرے میں اس مشترک نقص کے ساتھ بریدہ بن سفیان بھی ایک راوی ہے جن کو امام بخاری اور ابوداؤد اور دار قطنی قابل اعتبار نہیں سمجھتے۔ (میزان الاعتدال: ترجمہ بریدہ بن سفیان، سیرہ النبی: ۱/۲۷۶)

اس قسم کے اور بہت سے قصے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں گھڑے گئے ہیں اور ان کو کتابوں میں نقل کر کے مشہور کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

فتح مکہ اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ:

آٹھ ہجری رمضان المبارک کے مہینے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دس ہزار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ مکہ مکرمہ پر حملہ فرمایا۔ کیونکہ قریش مکہ نے معاہدہ حدیبیہ کو توڑ دیا تھا۔ اس معاہدہ کو توڑنے کے بعد قریش کو سخت ندامت ہوئی اور انھوں نے ابوسفیان کو اس معاہدہ کی تجدید کے لیے مدینہ منورہ بھیجا۔ ابوسفیان نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کو درمیان میں ڈال کر معاہدہ کی تجدید کرانا چاہی، لیکن مزاج نبوتؐ کو سمجھتے ہوئے کسی نے حامی نہ بھری۔ آخر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ایما پر مسجد نبویؐ میں جا کر اعلان کر دیا کہ:

''میں نے معاہدۂ حدیبیہ کی تجدید کر دی۔'' (زرقانی: ۲/۳۳۷)

لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاہدہ کی تجدید نہ فرمائی اور آپؐ نے جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں اور اس بارے میں یہ احتیاط کی گئی کہ قریش کو مسلمانوں کی ان جنگی تیاریوں کی کوئی خبر نہ ہونے پائے۔

مختصر یہ کہ ۱۰ ہزار قدوسیوں کی فوج فاتحانہ طور پر شہر میں داخل ہوئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حرم محترم میں داخل ہوئے اور اللہ کے اس گھر میں جس کو خلیل اللہ علیہ السلام نے اپنے ہاتھوں سے بنایا تھا، ۳۶۰ بت دیواروں پر لگے ہوئے تھے۔ خلیل بت شکن کے تعمیر کردہ اللہ رب العزت کے مقدس و محترم گھر کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لکڑی کی نوک سے ایک ایک بت کو گرا کر پاک وصاف کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی بت کو لکڑی کی نوک کے ٹھوکے سے گراتے تو زبان مبارک سے فرماتے:

جاء الحق وزهق الباطل ومايبدى الباطل ومايعيد۔

''حق آ گیا باطل مٹ گیا اور اب باطل پھر نہ آئے گا۔'' (بخاری: ۲/۲۱۴)

اس موقع پر علامہ شبلی نے لکھا ہے کہ:

''عین کعبہ کے اندر بہت سے بت تھے جن کو قریش خدا مانتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ میں داخل ہونے سے پہلے حکم دیا کہ سب نکلوا دیے جائیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اندر جا کر جس قدر تصویریں تھیں وہ مٹا دیں۔'' (سیرہ النبیؐ: ۱/۵۱۷)

حافظ ابن کثیر نے بھی لکھا ہے کہ بیت اللہ میں بہت سی تصاویر تھیں جن کو مٹانے کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا۔ ان کو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بن خطاب نے مٹا دیا۔ (البدایہ والنہایہ: ۴/۳۰۱)

Marfat.com

اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ جو بعض حضرات نے لکھ دیا کہ فتح مکہ کے روز رسول اللہ ﷺ نے جب لکڑی کی نوک سے تمام بتوں کو گرا دیا تو تانبے کا ایک بہت بڑا بت باقی رہ گیا۔ یہ لوہے کی سلاخ میں پیوست کیا ہوا تھا اور بہت بلندی پر تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے کندھوں پر چڑھ کر اس کو گرانے کی کوشش کی لیکن وہ بار نبوی کو نہ سنبھال سکے۔ اس وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو شانۂ اقدس پر چڑھا کر اس کو گرانے کا حکم دیا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اس کی سلاخ اکھاڑ کر اس بت کو نیچے گرا دیا جس سے کعبہ کی کامل تطہیر ہو گئی۔

یہ روایت صحیح نہیں بلکہ بنائی گئی ہے۔ چنانچہ قدیم مورخین اور محدثین میں سے کسی نے اس کو نقل نہیں کیا بلکہ سب نے یہی لکھا ہے کہ ان سارے بتوں کو رسول اللہ ﷺ نے خود چھڑی سے گرایا اور ان کے گرانے میں کسی اور سے مدد نہیں لی۔ چنانچہ ابن ہشام نے لکھا ہے کہ خانہ کعبہ کے اندر تصاویر تھیں جن کو مٹانے کا آپؐ نے حکم دیا چنانچہ وہ مٹا دی گئیں۔ کس نے مٹائیں؟ تواریخ بتاتی ہیں کہ وہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے مٹائیں اور کعبہ کے اردگرد بت تھے جو سکہ سے بندھے ہوئے تھے۔ جناب سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہاتھ میں ایک چھڑی تھی۔ آپ اس سے بت کی طرف اشارہ فرماتے اور پڑھتے جاتے: "جاء الحق و زھق الباطل ان الباطل کان زھوقا" اس اشارے سے وہ بت اوندھے منہ زمین پر گر پڑتا یہاں تک کہ کوئی بت باقی نہ رہ گیا جو گرا نہ ہو۔ (سیرت ابن ہشام: ۸۳/۲)

یمن کو روانگی:

فتح مکہ کے بعد رسول اللہ ﷺ نے سیدنا خالد رضی اللہ عنہ بن ولید کو بنو خزیمہ میں تبلیغ اسلام کے لیے روانہ فرمایا۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے وہاں اسلام کی دعوت دی۔ ارکان قبیلہ نے اسے قبول کر لیا لیکن دین اسلام کی دعوت کی قبولیت کو صبانا کے لفظ سے روایت کیا جس کے معنی ہیں "ہم بے دین ہو گئے۔" اس کا مطلب یہ تھا کہ جو دین ہم نے پہلے اختیار کیا تھا اس کو چھوڑ کر اسلام کو قبول کر لیا ہے۔ اگر وہ اس لفظ کی بجائے اسلمنا یعنی ہم نے اسلام قبول کر لیا کہہ دیتے تو بات صاف ہو جاتی۔ صبانا کہنے سے سیدنا خالد رضی اللہ عنہ یہ سمجھے کہ یہ لوگ واقعی بے دین ہو گئے ہیں۔

لہٰذا آپ نے ان کا صحیح منشا نہ سمجھتے ہوئے انھیں قید کر لیا اور کافی لوگوں کو قتل بھی کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ کو جب اس بات کی اطلاع ملی تو آپ ﷺ نے سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کی اس غلطی کی تلافی کے لیے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو یمن بھیج دیا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے یمن پہنچ کر تمام قیدیوں کو رہا کر دیا اور جتنے لوگوں کو قتل کیا گیا تھا ان کا خون بہا ادا کیا۔
(فتح الباری: ۴۶/۸)

غزوۂ حنین اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ:

فتح مکہ کے بعد شوال آٹھ ہجری میں غزوۂ حنین پیش آیا۔ حنین مکہ اور طائف کے درمیان ایک وادی کا نام ہے۔ رسول اللہ ﷺ بارہ ہزار کی فوج کے ساتھ حنین کی طرف بڑھے۔ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زبان سے بے اختیار یہ الفاظ نکل گئے کہ "آج ہم پر کون غالب آ سکتا ہے؟" لیکن حق تعالیٰ کو یہ بات پسند نہ آئی، چنانچہ جنگ

Marfat.com

احد کی طرح ثقیف اور ہوازن کے قبائل نے مسلمانوں پر تیروں کی ایسی بارش برسائی جس سے ان کی صفوں میں انتشار اور پراگندگی پیدا ہوگئی۔ چنانچہ غزوۂ حنین کے ایک شریک صحابی سیدنا براء رضی اللہ عنہ بن عازب فرماتے ہیں:

''جب ہم نے ان پر حملہ کیا تو وہ پسپا ہوگئے اور شکست کھا گئے۔ پس ہم مال غنیمت پر ٹوٹ پڑے تو انھوں نے ہمیں تیروں پر دھرلیا۔'' (بخاری:۲/۶۱۷) ''سب صحابہ رضی اللہ عنہم نہیں بھاگے تھے بلکہ مکہ کے وہ لوگ جو ابھی نئے نئے ایمان لائے تھے اور ابھی ایمان ان کے دلوں میں راسخ نہیں ہوا تھا، بھاگے تھے۔'' (نووی:۲/۱۰۰)

علامہ عینی نے بھی عمدۃ القاری میں جلد ۸ صفحہ ۳۵۹ پر بڑی مفصل بحث کی ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ مجاہدین اسلام بھاگے نہیں تھے۔ بھاگنے کا مطلب یہ ہے کہ میدان چھوڑ کر نہیں بھاگے تھے بلکہ میدان جنگ میں ہی اِدھر اُدھر ہوگئے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اردگرد ایک روایت کے مطابق ۱۰۰ اور دوسری روایت کے مطابق ۸۰ آدمی رہ گئے تھے۔ (فتح الباری:۸/۲۳، البدایہ والنہایہ:۴/۳۳۲، مسند احمد:۱/۴۵۳)

اس مشکل وقت میں جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس موجود تھے ان میں ایک سیدنا علی رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ، سیدنا عباس رضی اللہ عنہ، سیدنا ابوسفیان بن حارث اور سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ بھی ان لوگوں میں سے تھے۔ (طبری:۲/۳۴۸)

غزوۂ تبوک اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ:

غزوۂ تبوک رجب نو ہجری میں پیش آیا۔ تبوک ایک مشہور مقام ہے جو مدینہ طیبہ اور دمشق کے درمیان نصف راہ پر واقع ہے اور مدینہ طیبہ سے چودہ منزل پر ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو عتبان بن مالک اور شام کے نبطی سوداگروں کی معرفت پتہ چلا کہ رومیوں نے شام میں ایک بہت بڑا لشکر جمع کیا ہے اور اس کو سال بھر کی تنخواہیں تقسیم کردی ہیں اور اس فوج کا ہراول دستہ بلقاء تک آ گیا ہے اور اس فوج کی تعداد چالیس ہزار بتائی گئی تھی۔

(زرقانی:۳/۷۲)

اگرچہ مدینہ طیبہ میں وہ زمانہ ایک قسم کے قحط کا تھا اور گرمی بھی اپنے پورے شباب پر تھی، پھر بھی آپؐ نے تبوک جانے کے لیے ایک لشکر جرار تیار کیا اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ، سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ، سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے دل کھول کر اس لشکر کی تیاری میں چندہ دیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معمول تھا کہ جب مدینہ طیبہ سے باہر تشریف لے جاتے تو مدینہ میں کسی کو اپنا قائم مقام متعین فرما کر جاتے۔ اس مرتبہ آپؐ نے اپنا قائم مقام سیدنا شجاع بن عرفطہ رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا۔ ابن ہشام کے مطابق محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ انصاری کو مقرر فرمایا۔ (ملاحظہ ہو البدایہ والنہایہ:۵/۷) اور اپنے اہل وعیال اور مدینہ طیبہ کی مستورات اور بچوں کی دیکھ بھال کے لیے سیدنا علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب کو مقرر فرمایا۔

(طبری:۲/۳۶۸، ابن اثیر:۲، ۲۷۸، ابن ہشام:۲/۱۲۴، بخاری:۲/۶۳۳)

Marfat.com

منافقین نے عورتوں اور بچوں کی دیکھ بھال اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے آپ کو مدینہ منورہ میں چھوڑ جانے پر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو طعنے دیئے جس سے آپ نہایت کبیدہ خاطر ہوئے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ اپنا اسلحہ لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے چل پڑے اور مقام جرف پر جو مدینہ طیبہ سے تین میل کے فاصلے پر ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچ گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے آنے کی وجہ پوچھی۔ انھوں نے عرض کیا: ''یارسولؐ اللہ! منافق کہتے ہیں کہ آپ مجھے بوجھ سمجھتے ہوئے پیچھے چھوڑ گئے ہیں۔'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''وہ جھوٹ بولتے ہیں بلکہ میں نے تجھے اپنے پیچھے اس لیے چھوڑا ہے تاکہ تو اپنے اور میرے اہل وعیال کی حفاظت کرے۔'' آپ نے مزید فرمایا:

الاترضی ان تکون منی بمنزلة هارون من موسی الا انه لیس نبی من بعدی۔

''کیا تو اس بات پر راضی نہیں ہے کہ تم میرے لیے بمنزلہ ہارون علیہ السلام کے ہو مگر یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔'' (بخاری:۱/۵۲۶، ۲/۶۳۳، مسلم:۲/۲۷۸، طبری:۲/۳۶۸/ابن ہشام:۲/۱۲۴)

یہ حدیث کئی لحاظ سے بڑی معرکتہ الآراء حدیث ہے۔ یہ شیعہ اور سنی دونوں کے نزدیک صحیح ہے، لیکن اس کے وہ معنی نہیں ہیں جو شیعہ حضرات بیان کرتے ہیں۔ شیعہ کہتے ہیں کہ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے خلیفہ ہونے کی طرف اشارہ ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس حدیث میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی مشابہت دراصل سیدنا ہارون علیہ السلام کی اس وقتی خلافت کے ساتھ دی جارہی ہے جو سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے کوہ طور پر جانے سے قبل ان کو قوم میں دی تھی اور وہ قطعی ناکام ثابت ہوئی۔ قوم زبردست اختلاف کا شکار ہوئی۔ قوم کی جمعیت اور وحدت میں تشتت و انتفراق کی دراڑیں پیدا ہوگئیں۔ چنانچہ قرآن حکیم نے کئی سورتوں میں اس حقیقت کو بیان فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام کے جانے کے بعد سامری نے بچھڑا بنایا، لیکن تورات کے مطابق نام سیدنا ہارون علیہ السلام کا لگ گیا کہ انھوں نے گئوسالہ بنایا ہے۔ بنی اسرائیل اس گئوسالہ کی پوجا کرنے لگے، ہارون علیہ السلام نے روکنے کی کوشش کی لیکن قوم الٹا ان کے قتل کے درپے ہوگئی۔

بالکل یہی واقعات سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ پیش آئے۔ جب آپ خلیفہ ہوئے تو ایک بہت بڑے گروہ نے آپ کی بیعت نہ کی اور جن لوگوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی وہ بھی بالآخر آپ کے سخت مخالف ہوگئے۔ یہاں تک کہ صفین اور جمل کی جنگوں میں مسلمان مسلمانوں کے ہاتھوں شہید ہوئے۔ علاوہ ازیں شہادت عثمان رضی اللہ عنہ میں آپ کو متہم گردانا جانے لگا، حالانکہ آپ اس سے بالکل بری الذمہ تھے۔

مختصر یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک چھوٹے سے اور مختصر جملے میں آئندہ کی صورت حال بیان فرمادی۔

یہ تو ایک جملۂ معترضہ تھا۔ غرض یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تین ہزار فوج کے ساتھ مدینہ طیبہ سے جانب تبوک روانہ ہوئے جس میں دس گھوڑے تھے۔ تبوک پہنچ کر پتہ چلا کہ وہ خبر صحیح نہیں تھی، لیکن اصلیت سے بالکل خالی بھی نہ تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں بیس روز قیام فرمایا اور واپس تشریف لے آئے۔

Marfat.com

سورہ برأت کی آیات کا اعلان:

۹ ہجری میں غزوۂ تبوک کے بعد حج بیت اللہ فرض ہوا۔ رسول اللہ ﷺ نے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو پہلا امیر الحج مقرر فرمایا۔ تین سو مسلمانوں کا ایک کارواں حج کے لیے آپؓ کے ساتھ روانہ کیا گیا۔ اس کارواں کے ساتھ بیس اونٹ بھیجے گئے اور سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنے پانچ اونٹ الگ قربانی کے لیے ساتھ لیے۔

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ابھی مقام عرج پر پہنچے تھے کہ انھیں پیچھے سے رسول اللہ ﷺ کی ناقہ جدعاء اور دوسری روایت کے مطابق غضباء کے بلبلانے کی آواز آئی۔ آپ نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ اس ناقہ پر سوار چلے آ رہے تھے۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو خیال آیا کہ مدینہ طیبہ سے روانگی کے بعد شاید کوئی وحی آئی ہو اور آپ نے امام حج کے بارے میں اپنا فیصلہ اس وحی کی روشنی میں تبدیل فرما لیا ہو۔ لہٰذا آپ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا: ''آپ امیر بن کر آئے ہیں یا مامور بن کر۔'' سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے کہا: ''مامور بن کر۔'' رسول اللہ ﷺ نے مجھے سورہ برأت کی چالیس آیات دے کر بھیجا ہے تاکہ حج کے موقع پر ان کا آپ کی طرف سے اعلان کروں۔

(طبری:۲/۳۸۳، البدایہ والنہایہ:۵/۳۷)

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا کاروانِ حج اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی سب حضرات روانہ ہوئے۔ موسم حج میں سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے یوم ترویہ، یوم عرفہ اور یوم نحر تینوں روز امیر الحج کی حیثیت سے خطبہ پڑھا اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے سورۂ برأت کی آیات کا اعلان فرمایا۔

(بخاری:۲/۶۲۶، سنن نسائی:۲/۴۳، سیرۃ ابن ہشام، جلد۲/۳۴۲، البدایہ والنہایہ:۵/۳۷)

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی یمن روانگی:

رمضان المبارک ۱۰ھ میں آپؐ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے یمن جانے کے لیے فرمایا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے عرض کی۔ ''یارسولؐ اللہ! آپؐ مجھے ایسی جگہ بھیج رہے ہیں جن میں مجھ سے زیادہ معمر اور تجربہ کار لوگ موجود ہیں۔ ان کے درمیان مختلف امور کا فیصلہ کرنا میرے لیے نہایت مشکل ہوگا۔ سرکار دو عالم ﷺ نے ان کے سینے پر دست مبارک رکھ کر دعا فرمائی کہ ''اے اللہ! اس کی زبان کو راست گو بنا اور اس کے دل کو ہدایت کے نور سے منور فرما۔''

پھر آپؐ نے اپنے دست مبارک سے ان کے سر پر عمامہ باندھا اور علم عطا کر کے یمن روانہ فرمایا۔ (زرقانی:۳/۱۰۳)

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو پتہ چلا کہ رسول اللہ ﷺ حج بیت اللہ کے لیے تشریف لے گئے ہیں، لہٰذا وہ یمن میں اپنا قائم مقام مقرر فرما کر اپنے ساتھیوں کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حجۃ الوداع میں شریک ہو گئے۔

حجۃ الوداع اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ:

ذی القعدہ دس ہجری میں رسول اللہ ﷺ نے خود حج کا ارادہ فرمایا اور اعلان فرمایا کہ اس سال چونکہ میں

Marfat.com

خود حج کے لیے جانے والا ہوں لہٰذا زیادہ لوگ حج پر جائیں اور سنت کے مطابق حج کرنے کا طریقہ سیکھیں۔ چنانچہ آپ ۲۵ ذی قعدہ ۱۰ ہجری کو ظہر اور عصر کے درمیان مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے اور ۴ ذی الحجہ پیر کے روز مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے۔ (زرقانی: ۳/۱۰۵)

آپ ؐ کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن آپ ؐ کی صاحب زادی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اور دوسرے خواص بھی آپ ؐ کے ہمرکاب تھے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ بھی یمن سے آپ ؐ کو آ ملے۔

۱۰ ذی الحجہ کو آپ ؐ عرفات سے منیٰ تشریف لائے اور ۶۳ اونٹ اپنے دست مبارک سے قربان کیے جو آپ ؐ کی عمر کی طرف بھی ایک اشارہ تھا۔ باقی ۳۷ اونٹ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے آپ ؐ کی جانب سے ذبح کیے۔

(ملاحظہ ہو ابن ہشام: ۲/۱۷۱، البدایہ والنہایہ: ۵/۱۰۹، ۲۰۸، زرقانی: ۳/۱۰۵)

غدیر خم:

رسول اللہ ﷺ جب حجۃ الوداع سے فراغت کے بعد واپس تشریف لا رہے تھے تو راستے میں سیدنا بریدہ اسلمی رضی اللہ عنہ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی شکایت کی۔ (بخاری: ۲/۶۲۳)

یہ شکایت صرف بریدہ اسلمی رضی اللہ عنہ ہی نے نہیں کی تھی بلکہ اور بھی بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یہ شکایت کرنے میں شامل تھے، جیسا کہ ترمذی کی روایت سے ظاہر ہوتا ہے۔ (ترمذی: ۲/۲۱۲)

بات صرف اتنی تھی کہ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی بشری کمزوری اور انسانی غلطی کے پیش نظر سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے اپنی ناراضگی کا اظہار کیا اور رسول اللہ ﷺ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے فضائل و مناقب بیان فرماتے ہوئے معاملہ کو سلجھانے کی کوشش فرمائی، لیکن شیعہ ذہن نے اس بات کو اس کے حقیقی تناظر میں نہ لیا اور اس موقع پر ولایت علی رضی اللہ عنہ اور خلافت علی رضی اللہ عنہ کے بے سروپا افسانے گھڑے اور ان کی اتنی تشہیر کی کہ اہل سنت بھی ان افسانوں کو صحیح ماننے لگے۔ ان لوگوں نے اس روایت میں ایسے معانی داخل کیے جس سے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت ثابت ہو اور اصل حقیقت پر پردہ پڑ جائے۔

اس میں جو سب سے زیادہ مشہور حدیث بیان کی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے غدیر خم کے خطبہ میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا تھا:

من کنت مولاہ فعلی مولاہ۔

''جس کا میں مولا ہوں علی رضی اللہ عنہ بھی اس کا مولا ہے۔'' (ترمذی: ۲/۲۱۳)

یہ حدیث محدثین کے نزدیک مضطرب ہے اور مضطرب حدیث شدید قسم کی ضعیف اور ناقابل قبول ہوتی ہے خواہ اس کی سند کتنی ہی اعلیٰ کیوں نہ ہو۔ دوسرے اس حدیث کا راوی میمون ابوعبداللہ ہے۔ امام احمد فرماتے ہیں کہ اس کی روایات منکر ہوتی ہیں۔ یحییٰ بن معین کا قول ہے کہ یہ شخص لاشئے ہے۔ خود شیعہ کا دعویٰ ہے کہ یہ ایک رذیل انسان ہے۔

Marfat.com

اسی طرح کی ایک روایت ابن ماجہ نے سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا: ''کیا میں تمام مسلمانوں کا ان کی جانوں سے زیادہ حقدار نہیں؟'' صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: ''کیوں نہیں۔'' آپؐ نے فرمایا: ''پھر یہ علی رضی اللہ عنہ بھی حقدار ہے۔ میں جس کا مولیٰ ہوں علی رضی اللہ عنہ بھی اس کا مولیٰ ہے۔ اے اللہ! جو علی رضی اللہ عنہ کو دوست رکھے تو بھی اسے دوست رکھ اور جو علی رضی اللہ عنہ سے عداوت رکھے تو بھی اس سے عداوت رکھ۔'' (ابن ماجہ:۱۲)

اس حدیث کے راوی بھی شیعہ ہیں اور انھوں نے یہ حدیث گھڑی ہے۔

اگر اس حدیث کو کسی طور پر صحیح بھی مان لیا جائے پھر بھی اس حدیث کے وہ معنی نہیں جو بیان کیے جاتے ہیں کہ اس میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی خلافت اور امامت کے بارے میں کہا گیا ہے۔ لغت عرب میں ''مولیٰ'' کے ۲۲ معنی لکھے ہیں۔ (المنجد) مگر اس کے معنی ''حاکم'' اور ''خلیفہ'' کے نہیں ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ سیدنا زید رضی اللہ عنہ بن حارثہ کے بارے میں فرمایا تھا: انت اخونا و مولانا۔ (مشکوہ:۲۹۳)

تو کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ سیدنا زید رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ''حاکم'' تھے۔ ایسا ہی یہ لفظ قرآن حکیم میں بھی کئی جگہ استعمال ہوا ہے۔ وہاں بھی اس کے معنی ''حاکم'' کے نہیں ہیں۔ اس حدیث میں یہ لفظ عداوت کے مقابلے میں استعمال کیا گیا ہے جس کا مطلب ہے: اولی بالمحبة، اس سلسلے میں صاحب لسان العرب نے بھی بڑی اچھی بحث کی ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ ''مولیٰ'' کے معنی محبت اور دوستی کے ہیں۔ تاج العروس باب الولی میں ہے کہ

''اگر ولی بمعنی اسم فاعل ہو تو بمعنی مطیع و فرمانبردار ہوگا اور اگر بمعنی اسم مفعول ہو تو بمعنی محسن و منعم ہوگا یعنی جس پر احسان یا انعام کیا گیا ہو۔''

علما نے لکھا ہے کہ لغت عرب میں ولایت بکسرہ واؤ یا بفتحہ واؤ بمعنی حکومت اور سلطنت کے نہیں آتا اور ولایت بالفتحہ تو ہمیشہ بمعنی نصرت آتا ہے۔ نیز لفظ مولیٰ مطلق بغیر اضافت بمعنی حاکم نہیں آتا ہاں کسی جزوی امر کی طرف اس کی اضافت ہو تو اس وقت اس کا معنی متولی ثابت ہوگا۔ جیسے ولی المسجد یا ولی البیت مگر لغت عرب میں مولی بمعنی اولی نہیں آتا چہ جائے کہ بالتصرف کے معنی لیے جائیں۔ چنانچہ امام رازی نے اس بارے میں بڑی نفیس بحث کی ہے۔ (تفسیر کبیر:۸/۱۹۳)

اس حدیث سے کسی صورت سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی خلافت ثابت نہیں ہوتی۔ چنانچہ مشہور شیعہ عالم شریف مرتضیٰ علم الہدیٰ نے لکھا ہے کہ ''اس میں کوئی شک نہیں کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے کبھی دعویٰ امامت کا اظہار نہیں کیا سوائے اس زمانہ کے جب ان کی بیعت ہوئی۔'' (شافی:۱۱۵)

یہی وجہ ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور اہل بیت کے اور کسی فرد نے اس حدیث کو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے استحقاق خلافت کے لیے پیش نہیں کیا۔ سند کے لحاظ سے بھی یہ حدیث صحیح نہیں ہے اور معتبر طریقہ سے ثابت بھی نہیں۔

(ملاحظہ ہو نصب الرایہ:۱/۳۶۰، منہاج السنہ:۴/۸۶)

Marfat.com

سانحۂ جانکاہ:

سرور کائنات ﷺ حجۃ الوداع سے فارغ ہوکر اخیر ذی الحجہ مدینہ منورہ پہنچے، ماہ صفر کے اخیر میں دفعتاً آپ کی طبیعت ناساز ہوگئی اور طبیعت کی یہی ناسازی آپؐ کے انتقال کا باعث ہوئی۔ وفات سے پانچ روز قبل جب مرض میں شدت ہوئی تو جو لوگ کاشانۂ نبوتؐ میں حاضر تھے، آپؐ نے ان سے فرمایا کہ کاغذ اور قلم دوات لے کر آؤ تاکہ میں تمھارے لیے ایک وصیت نامہ لکھوا دوں، اس کے بعد تم گمراہ نہ ہوگے۔ یہ سن کر اہل مجلس اختلاف کرنے لگے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ آپؐ چونکہ بیمار ہیں اور مرض کی شدت ہے لہٰذا ایسی حالت میں آپؐ کو تکلیف دینا مناسب نہیں ہوگا۔ اللہ کی کتاب ہمارے لیے کافی ہے۔ بعض حضرات نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی تائید کی اور بعض نے کہا کہ قلم ودوات لاکر لکھوالینا چاہیے۔ آپؐ سے پوچھ لو کہ کیا آپؐ جدائی اور فراق اختیار کر رہے ہیں۔

(بخاری:۲/۶۳۸/۱،۸۴۶/۴۲۹،۴۴۹، مسند احمد:۱/۲۲۲)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا "قد غلب علیه الوجع" کہنا ان کے کمال عشق ومحبت کی دلیل ہے اور آپؐ کے درد کا احساس ہے اور "عندکم القرآن" کہنا دراصل: الیوم اکملت لکم دینکم کی طرف اشارہ تھا۔ گویا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا یہ ایک محبت بھرا مشورہ تھا۔

آپؐ کیا لکھوانا چاہتے تھے؟ روایات سے پتہ چلتا ہے کہ آپؐ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت لکھوانا چاہتے تھے، جیسا کہ بخاری:۲/۱۰۷۲ کی روایت سے ثابت ہے کیونکہ آپؐ کی دلی خواہش تھی کہ آپؐ کے بعد ابوبکر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوں، لیکن آپؐ نے یہ معاملہ قضا وقدر اور اجماع پر چھوڑ دیا اور اس کو لکھوایا نہیں کیونکہ جب سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے کہا کہ "ہمارے لیے اللہ کی کتاب کافی ہے تو ہوسکتا ہے کہ نبوتؐ نے سمجھ لیا کہ جب یہ کتاب کو کافی سمجھ رہے ہیں تو کتاب اللہ میں نبی کے بعد صدیق ہی کا درجہ ہے لہٰذا نبیؐ کا جانشین اور خلیفہ صدیق ہی ہوگا۔"

آخر دوشنبہ کے روز رسول اللہ ﷺ نے اس عدم ہستی نما سے ہستی عدم نما کو انتقال فرمایا۔ تاریخ وفات ۱۲ ربیع الاول ۱۱ھ ہے۔ (فتح الباری:۸/۹۸، زرقانی:۳/۱۱۰)

سیدنا علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے خاندان میں سے آپؐ کے قریب ترین عزیز تھے لہٰذا تجہیز وتکفین کے تمام افعال انہی کے ہاتھوں انجام پائے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ غسل دے رہے تھے اور سیدنا عباس رضی اللہ عنہ اور ان کے دونوں صاحب زادے فضل رضی اللہ عنہ اور قثم رضی اللہ عنہ کروٹیں بدلتے تھے اور سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ اور سیدنا شقران رضی اللہ عنہ پانی ڈال رہے تھے۔ (مستدرک:۳/۱۱۱، البدایہ والنہایہ:۵/۲۶۰، طبری:۲/۴۵۱)

Marfat.com

سیدنا علی رضی اللہ عنہ وفات نبویؐ کے بعد

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی زندگی کا ایک دور بعثت نبویؐ سے شروع ہوا اور وفات نبویؐ پر ختم ہوگیا۔ اس ۲۳ سالہ دور میں کچھ عرصہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی بلوغت سے پہلے کا تھا، لیکن ہجرت نبویؐ کے بعد مختلف جنگوں میں آپ نے کارہائے نمایاں دکھائے اور دامادیٔ رسولؐ کی وجہ سے صحیح معنوں میں ان کا ایک مقام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں پیدا ہوا۔ وفات نبویؐ کے بعد سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی زندگی کا ایک نیا دور شروع ہوا جس میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی شخصیت ابھر کر سامنے آئی اور ان کی علمی، عقلی، اور فکری خصوصیات مملکت اسلامیہ اور ملت اسلامیہ کے کام آئیں۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ عہد صدیق رضی اللہ عنہ میں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد سب سے پہلے آپؐ کی جانشینی کا مسئلہ پیش آیا۔ آپؐ کے انتقال فرما جانے کے واقعۂ جانکاہ اور حادثۂ جانگداز کے تھوڑی دیر بعد انصار مدینہ سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانشینی کا مسئلہ زیر بحث لایا گیا۔ مہاجرین کو جب اس بات کی اطلاع ملی تو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور مہاجرین کی ایک جماعت ان کے ساتھ سقیفہ بنی ساعدہ میں گئی۔ وہاں جانشینیٔ رسولؐ کا مسئلہ زیر بحث تھا، بعض انصار سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت خلافت کے خواہاں تھے اور بعض انصار کا خیال تھا کہ ایک امیر ہم میں سے ہو اور ایک مہاجرین میں سے ہو۔ بہرحال وہاں مسئلہ خلافت پر بحث وتکرار ہو رہی تھی۔

اس بحث کے دوران سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے بولنا چاہا لیکن، سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انھیں روک دیا اور خود اٹھ کر پہلے تو انصار کے فضائل ومناقب بیان فرمائے، پھر مہاجرین کے متعلق فرمایا کہ یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اولیا اور قرابت دار ہیں اور آپ کے بعد امر خلافت کے سب سے زیادہ حقدار ہیں۔ پس ہم امیر ہوں گے اور تم ہمارے وزیر ہوگے اور تمھارے مشورے کے بغیر امور انجام نہیں دیئے جائیں گے۔ اپنی تقریر کے اختتام پر آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''میری رائے یہ ہے کہ خلافت وامامت کے لیے یہ دو آدمی پسندیدہ اور اہلیت والے ہیں، عمر رضی اللہ عنہ اور ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ، ان میں سے جس کے ہاتھ پر بھی بیعت کرلو گے وہ تمہارا قابل وثوق اور قابل اطمینان امیر ثابت ہوگا۔''

لیکن سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کرلی۔ نتیجہ

Marfat.com

یہ ہوا کہ عام لوگوں بلکہ تمام لوگوں نے آپ کی بیعت کر لی۔ (البدایہ والنہایہ: ۵/ ۲۴۸)

یہ بیعت ۱۳ ربیع الاول ۱۱ھ کو بوقت شام ہوئی لیکن اس بات میں نہ تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ شامل تھے اور نہ ہی بنو ہاشم کے بزرگ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ چنانچہ دوسرے روز مسجد نبویؐ میں بیعت عامہ ہوئی۔ اس میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور تمام افراد بنو ہاشم موجود تھے اور ان سب نے بلا توقف سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی۔

(البدایہ والنہایہ: ۵/ ۲۴۹، ۶/ ۳۰۴، السنن الکبریٰ بیہقی: ۸/ ۱۴۳، طبری: ۲/ ۴۴۷، انساب الاشراف: ۱/ ۵۸۵)

شیعہ مصنف ابن ابی الحدید نے بھی سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کا اعتراف کیا ہے۔ (ابن ابی الحدید: ۲/ ۵۰)

ابن شہاب زہری کی روایات میں ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے چھ ماہ تک سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت نہیں کی تھی۔ اس عرصے میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے خلاف سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں مشورے ہونے لگے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو جب اس بات کا پتہ چلا تو آپ نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو دھمکی دی کہ: ''اے فاطمہ رضی اللہ عنہا! اگر تیرے گھر میں اس قسم کے مشورے ہوتے رہے تو میں تمھارے گھر کو جلا دوں گا۔'' جہاں تک سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا چھ ماہ کے بعد سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت کرنے کا تعلق ہے تو یہ ابن شہاب زہری کی روایت میں ادراج ہے اور ویسے بھی زہری کے بارے میں کتابوں میں لکھا ہے کہ وہ شیعہ تھا اور جہاں تک سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر جلانے کی روایت کا تعلق ہے تو وہ شیعی فکر کے مورخین کی گھڑی ہوئی ہے۔

کتابوں سے پتہ چلتا ہے کہ خلافت کے بارے میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے درمیان کوئی اختلاف نہ تھا اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پورے دور خلافت میں ان سے پورا پورا تعاون کرتے رہے اور پوری زندگی ان کی تحسین و تعریف فرماتے رہے۔

(ملاحظہ ہو اسد الغابہ: ۴/ ۶۸، ابن سعد: ۳/ ۱۴۹، مسند احمد: ۱/ ۱۸۴، کتاب الشافی سید شریف مرتضیٰ: ۲۰۹، فرق الشیعہ ۴۲، نہج البلاغہ: ۱/ ۸۹، مجمع الزوائد: ۵/ ۱۸۳، سنن کبریٰ بیہقی: ۸/ ۱۴۳، البدایہ والنہایہ: ۵/ ۲۳۸، تاریخ الاسلام، عہد الخلافۃ الراشدہ: ص ۳۸۹)

میراث نبویؐ اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ:

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے جب عنان خلافت سنبھالی تو ایک طرف ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان کو اپنے سفیر کی حیثیت سے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا اور متروکات نبویؐ میں سے اپنے حصے کا مطالبہ کیا۔ دوسری طرف سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا نے اپنی میراث کا مطالبہ کیا۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے جواب میں فرمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیش کیا کہ:

لانورث ماترکنا صدقة۔ (بخاری، رقم: ۶۷۳۰، مسلم، رقم: ۱۷۵۸)

''ہم انبیاء کی وراثت مالی جاری نہیں ہوتی، ہم جو کچھ چھوڑ کر جاتے ہیں وہ اللہ کی راہ میں وقف اور صدقہ ہوتا ہے۔''

Marfat.com

پھر فرمایا کہ ''آل محمد ﷺ اس مال میں سے کھا سکتی ہے اور جس طرح نبی اکرم ﷺ اس مال میں سے خرچ کرتے تھے میں بھی اسی طرح اس پر عمل کروں گا اور اس میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں کروں گا۔''

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اور میراث نبویؐ کے بارے میں سب سے زیادہ ''فدک'' کو زیر بحث لایا جاتا ہے کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فدک سے محروم کر دیا، حالانکہ معاملہ ایسا نہیں ہے کیونکہ نہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا فدک کی مالکہ تھیں اور نہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انھیں اس سے محروم ہی فرمایا۔ یہ صرف اور صرف ایک گروہ کا پروپیگنڈا ہے جس کو زیب داستان کے لیے ہوا دی گئی ہے۔ علامہ شبلی نے لکھا ہے:

''خیبر (فدک) کی آمدنی آپ تین حصوں میں تقسیم فرماتے۔ دو حصے عام مسلمانوں کے لیے اور ایک حصہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے سالانہ مصارف کے لیے ملتا تھا۔ اس میں سے جو بچ جاتا وہ غریب مہاجرین کی اعانت میں کام آتا۔'' (سیرۃ النبیؐ: ۲/۱۸۷)

اس سلسلے میں سب سے پہلی بات یہ ہے کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کوئی ذاتی ملکیت تھی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ رسول کی کوئی ذاتی ملکیت نہیں ہوتی بلکہ جو کچھ ہوتا ہے وہ رسول ہونے کی حیثیت سے ہوتا ہے۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ اگر رسول کی کوئی ذاتی ملکیت ہو بھی تو کیا اس میں وراثت جاری ہو سکتی ہے؟ اس کا جواب شیعہ و سنی دونوں کی کتابوں میں یہی موجود ہے کہ اس میں وراثت جاری نہیں ہوتی۔

(ملاحظہ ہو اصول کافی: ۱/۳۲، ۳۴، قرب الاسناد: ۴۴، من لایحضرہ الفقیہ: ۲/۲۴۶، بخاری: ۱/۵۲۶، شرح معانی الآثار: ۱/۲۹۸)

بتایا یہ جاتا ہے کہ فدک رسول اللہ ﷺ نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو ہبہ فرما دیا تھا۔ (اصول کافی: ۱/۱۵۰) یہ روایات عطیہ العوفی جیسے راویوں سے مروی ہیں جو کہ محمد بن سائب الکلبی کا دوسرا نام ہے اور یہ دونوں باپ بیٹا کذاب اور سبائی ہیں۔ دوسرے اگر رسول اللہ ﷺ نے فدک سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو ہبہ کر دیا ہوتا تو وہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے مانگنے نہ آتیں۔ تیسرے جس آیت کی رُو سے یہ بتایا جاتا ہے کہ حضور ﷺ نے فدک سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو ہبہ کیا تھا وہ سورہ بنی اسرائیل کی ''وآت ذاالقربی حقه ہے اور سورہ بنی اسرائیل مکی ہے جب کہ فدک آپؐ کو مدینہ طیبہ میں جنگ خیبر کے موقع پر حاصل ہوا۔ (اصول کافی: ۱/۱۵۰)

لہٰذا یہ باغ فدک کا معاملہ اس طرح نہیں جیسے بیان کیا جاتا ہے بلکہ اس کی حاشیہ آرائی کر کے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بدنام کرنے کے لیے اس کی تشہیر کی گئی۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ عہد فاروقی میں:

رسول اللہ ﷺ کے انتقال کے دو برس، تین ماہ، گیارہ روز بعد سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ آپ کی وفات ۲۲ جمادی الآخر ۱۳ھ بروز دوشنبہ مغرب اور عشاء کے درمیان ہوئی۔ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ

Marfat.com

نے نماز جنازہ پڑھائی اور مرقد انور کے پہلو میں دفن کیا گیا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرح سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو خلیفۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کا سخت صدمہ ہوا۔ چنانچہ آپ نے نہایت افسوس سے فرمایا:

الیوم انقطعت خلافة النبوة۔ (التبصرہ لابن الجوزی:۱/۴۷۷، تاریخ الاسلام ذہبی:۱۲۰)

''آج خلافت نبوت منقطع ہوگئی۔''

پھر آپ نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مکان کے دروازے پر کھڑے ہو کر ایک نہایت فصیح و بلیغ خطبہ ارشاد فرمایا، جس میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے فضائل و مناقب اور اسلام کے لیے ان کی خدمات کا تذکرہ فرمایا۔

(الریاض النضرہ فی مناقب العشرہ المبشرہ:۱/۱۸۳، منتخب کنز العمال:۴/۳۶۶)

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بیماری کی شدت کے دوران سیدنا عمر الخطاب رضی اللہ عنہ کو جانشین نامزد فرما دیا۔ روایات میں آتا ہے کہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بالا خانے پر تشریف لائے اور لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا: ''اے لوگو! خلافت کے بارے میں، میں نے ایک عہد کیا ہے، کیا تم اس پر رضا مند ہو؟'' سب لوگوں نے جواب دیا: ''اے خلیفۂ رسولؐ! ہم اس بات پر راضی ہیں'' لیکن سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے کہا: ''عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے سوا ہم کسی دوسرے شخص پر راضی نہیں ہوں گے؟ (اسد الغابہ:۴/۷۰، تاریخ الخلفاء:۸۲، الصواعق المحرقہ:۵۴)

ابن سعد نے کہا ہے کہ سب لوگوں نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی جن میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔ (ابن سعد:۳/۱۴۲)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے ایک خاص قسم کی دلی محبت تھی اور وہ ان کے نزدیک نجیب امت، القوی الامین، خلیل و صدیق، امام ہدایت، راشد و مرشد غرض کہ کئی قسم کی عظمتوں کے مستحق تھے۔ (مسند احمد:۱/۱۴۲، عمر بن الخطاب ابن جوزی:۲۶، طبقات ابن سعد:۳/۱۴۹، تاریخ کبیر:۳/۱۴۵)

روایات میں ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی بیعت مجبور ہو کر اور جبر و اکراہ سے نہیں کی تھی بلکہ رضامندی سے کی تھی۔ (فضائل ابی بکر لابی طالب العشاری:۵)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے دوران سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اپنی صاحب زادی سیدہ ام کلثوم بنت فاطمہ رضی اللہ عنہا سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے نکاح میں دے کر ان کو اپنے حلقۂ دامادی میں لے لیا اور اس پورے دور خلافت میں ان کے ساتھ ہر قسم کا تعاون فرماتے رہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بھی جتنی دفعہ مدینہ طیبہ کو چھوڑ کر باہر تشریف لے گئے تو اپنی غیر حاضری میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو مدینہ میں اپنا قائم مقام بنا کر گئے۔

(ملاحظہ ہو البدایہ والنہایہ:۷/۳۵، ۵۵، ابن خلدون:۲/۱۰۶، طبری:۴/۲۰۳)

یکم محرم الحرام ۲۴ھ کو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ابولؤلو مجوسی کے ہاتھوں زخمی ہو کر اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو ان کی شہادت کا بہت صدمہ تھا۔ ایک تو اس وجہ سے کہ آپ کی صاحب زادی سیدہ ام کلثوم بنت فاطمہ رضی اللہ عنہا بیوہ ہو گئیں، دوسرے اس وجہ سے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت اسلام کے لیے ایک عظیم حادثہ تھی۔ چنانچہ

Marfat.com

لکھا ہے:

''سیدنا علی رضی اللہ عنہ، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت پر رو رہے تھے۔ ان سے پوچھا گیا کہ رونے کی کیا وجہ ہے؟ فرمایا، عمر رضی اللہ عنہ کی موت پر رو رہا ہوں۔ عمر رضی اللہ عنہ کی موت اسلام میں ایک ایسا شگاف ہے جو قیامت تک بھی پر نہیں ہو سکے گا۔'' (الفتوحات الاسلامیہ: ۲/۴۲۹)

مسند احمد میں ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے جنازے پر کھڑے ہو کر فرمایا:

''اے ابو حفص رضی اللہ عنہ! اللہ تعالیٰ آپ پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے۔ بخدا! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ کے سوا اور کوئی ایسا نہیں ہے جس کے نامۂ اعمال کے ساتھ میں اللہ تعالیٰ سے ملنا پسند کروں۔''

(مسند احمد: ۱/۱۰۹)

سیدنا علی رضی اللہ عنہ عہد عثمانی میں:

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی شہادت سے قبل ایک چھ رکنی کمیٹی ترتیب دی جس نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے جانشین کا انتخاب کرنا تھا۔ اس کمیٹی کے ایک رکن سیدنا علی رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ چنانچہ شہادت عمر رضی اللہ عنہ کے بعد مجلس مشاورت کے یہ اراکین خلافت کی گتھی سلجھانے کے لیے جمع ہوئے۔ کمیٹی کے سارے ارکان نہایت مخلص اور عشرہ مبشرہ کے صحابی تھے۔ طبری نے لکھا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس کمیشن کے ارکان کے بارے میں فرمایا:

''میرا گمان ہے کہ تم علی رضی اللہ عنہ یا عثمان رضی اللہ عنہ میں سے کسی ایک کو والی بناؤ گے۔ پس اگر عثمان رضی اللہ عنہ کو خلیفہ مقرر کرو گے تو وہ ایک نرم دل انسان ہیں۔ اگر علی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ مقرر کرو گے تو اس میں مزاح اور مذاق کی عادت ہے، لیکن اس لائق ہیں کہ لوگوں کو حق وصداقت کی راہ پر چلائیں اور اگر سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو خلیفہ مقرر کرو گے تو وہ اس کے اہل ہیں اور اگر وہ خلیفہ مقرر نہ ہوں تو جو شخص خلیفہ مقرر ہوا مور مملکت میں ضرور ان سے مدد لے اور میں نے انھیں (کوفہ کی گورنری سے) جو معزول کیا تھا وہ کسی خیانت یا کمزوری کی وجہ سے نہیں کیا تھا اور دوسرے عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ تم میں نہایت صائب الرائے اور صاحب تدبیر شخص ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے لیے حافظ (حفاظت کرنے والا) ہے، لہٰذا (انتخاب خلیفہ کے بارے میں) ان کی رائے پر عمل کرنا۔ (طبری: ۳/۲۹۴)

مجلس شوریٰ کی میٹنگ میں سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے اہل مجلس کے سامنے یہ تحریک پیش کی کہ چھ میں سے تین دوسرے تین حضرات کے حق میں دستبردار ہو جائیں تاکہ اس معاملہ کو جلدی نمٹایا جا سکے۔ چنانچہ سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے حق میں، سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے حق میں اور سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے حق میں دستبردار ہو گئے۔ بعد میں سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ دونوں کے حق میں دست بردار ہوتا ہوں۔ سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے ان دونوں

Marfat.com

سے عہد لیا کہ ''اگر اسے خلیفہ بنایا گیا تو وہ عدل کرے گا اور اگر دوسرے کو اس پر خلیفہ بنایا گیا تو وہ اس کی اطاعت و فرمانبرداری کرے گا۔'' دونوں حضرات نے اس کا اقرار کیا۔ بعد میں سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے ان دونوں کو رخصت کر دیا۔ (البدایہ والنہایہ: ۷/ ۱۴۵)

اب سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے یہ جاننے کے لیے کہ ان دونوں میں کون افضل ہے، اس بارے میں رائے عامہ معلوم کرنے کی کوشش کی۔ چنانچہ وہ مختلف لوگوں کے پاس گئے، عورتوں سے بھی ان کے گھروں میں پردہ کی اوٹ میں پوچھا۔ بچوں کے پاس ان کے مدارس میں گئے، یہاں تک کہ باہر سے جو مسافر مدینہ طیبہ آئے ہوئے تھے، ان سے بھی ان دونوں حضرات کے متعلق رائے لی۔ تین دن شب و روز آپ نے اس معاملہ میں زندگی کے مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والے لوگوں سے ان دونوں حضرات کے بارے میں پوچھا۔ سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کو دو آدمی بھی ایسے نہ ملے جو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو دوسروں پر فضیلت اور ترجیح دینے میں مختلف ہوں۔

(البدایہ والنہایہ: ۷/ ۱۴۶)

چوتھے روز نماز فجر سے فارغ ہونے کے بعد آپ نے مدینہ طیبہ میں موجود مہاجرین و انصار میں سے افضل و اسبق لوگوں کو مسجد نبویؐ میں جمع کیا یہاں تک کہ مسجد بھر گئی اور سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی بیعت یہ کہہ کر نہیں کی کہ ''میں نے خود بھی غور و خوض کیا اور لوگوں سے مشورہ کیا تو معلوم ہوا کہ لوگ عثمان رضی اللہ عنہ کے برابر کسی کو نہیں سمجھتے۔ (طبری: ۳/ ۲۹۵)

پھر فرمایا ''بارالٰہی! اس بات کا گواہ رہنا (تین دفعہ فرمایا) کہ جو کچھ میری گردن میں تھا میں نے اتار کر عثمان رضی اللہ عنہ کی گردن پر ڈال دیا۔'' (البدایہ والنہایہ: ۷/ ۱۴۷، طبری: ۳/ ۳۰۱)

بعض روایات میں ہے کہ سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ کر کہا ''کیا آپ اقرار کرتے ہیں کہ خلافت ملنے کی صورت میں آپ کتاب اللہ، سنت رسول اور ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ کے اعمال کی روشنی میں کاروبار خلافت چلائیں گے؟'' سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے جواب میں کہا ''میں اپنی کوشش اور طاقت کے مطابق ایسا کروں گا۔'' یہ جواب چونکہ حتمی نہیں تھا اور اس میں تردد کی پرچھائیاں تھیں، لہٰذا سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے ان کا ہاتھ چھوڑ دیا اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ کر ان کے سامنے بھی وہی شرط پیش کی جو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش کی تھی۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا، کہ میں امور مملکت کتاب و سنت اور ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ کے اعمال کی روشنی میں سرانجام دوں گا۔'' اس پر سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے ان کی بیعت کی۔

جن روایات میں یہ شرط مرقوم ہے وہ وضع شدہ روایات ہیں کیونکہ اس سارے واقعہ کو بخاری نے بھی نقل کیا ہے اور اس نے اس شرط کا کوئی تذکرہ نہیں کیا بلکہ بخاری میں یہ ہے کہ جب سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی تو بیعت کرتے ہوئے فرمایا کہ: ''میں سنت اللہ، سنت رسولؐ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی سنت پر آپ کے ہاتھ پر بیعت کرتا ہوں۔'' یہ کہیں نہیں ہے کہ پہلے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو خلافت کی پیش کش

Marfat.com

کی گئی اور بعد میں حادثۃً سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو خلافت مل گئی۔ (ملاحظہ ہو بخاری: ۱/۵۲۴، ۲/۱۰۶۹)

سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ بن عوف نے جب سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت فرمائی تو بخاری میں ہے کہ ان کے بعد دوسرے نمبر پر سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ان کی بیعت کی اور پھر دوسرے تمام حضرات نے باری باری ان کی بیعت کی۔ (بخاری: ۱/۵۲۵، السنن الکبریٰ: ۸/۱۵۱)

حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے سب سے پہلے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ (البدایہ والنہایہ: ۷/۱۴۷، طبقات ابن سعد: ۳/۴۲)

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی بیعت جبر و اکراہ سے نہیں کی تھی بلکہ خوشی و مسرت سے کی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ آپ ان کے زمانۂ خلافت میں ان سے عملی تعاون کرتے رہے اور ایام شورش میں ان کی حفاظت اور باغیوں کی مخالفت میں ان کا پورا پورا ساتھ دیا۔ چنانچہ ایک مرتبہ آپ نے فرمایا تھا:

''عثمان رضی اللہ عنہ ہم سب سے بہتر تھے، سب سے زیادہ صلہ رحمی کرنے والے تھے، سب سے زیادہ باحیاء تھے اور سب سے زیادہ پاکیزہ تھے اور اللہ تعالیٰ سے سب سے زیادہ ڈرنے والے تھے۔''

(البدایہ والنہایہ: ۷/۱۹۴)

نہ صرف سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے تعاون کیا بلکہ آپ کے صاحب زادگان سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ بھی آپ کے زمانۂ خلافت میں مختلف محاذوں میں شریک جہاد رہے۔ چنانچہ سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ گورنر کوفہ کی زیر قیادت جو اسلامی لشکر جرجان، خراسان اور طبرستان وغیرہ کی طرف روانہ ہوا اس میں دوسرے جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے علاوہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ بھی اس میں شریک لشکر تھے۔

(البدایہ والنہایہ: ۷/۱۵۴، ابن کثیر: ۳/۵۴، طبری: ۳/)

شیعہ حضرات نے لکھا ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں یزدجرد شاہ ایران کی دو لڑکیاں مال غنیمت میں آئیں۔ آپ نے ان میں سے ایک لڑکی سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اور دوسری سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو مرحمت فرما دی۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ ابن الحسین رضی اللہ عنہ (زین العابدین) اسی لڑکی کے بطن سے تھے۔ (تنقیح المقال للمامقانی: ۳/۸۰)

تاریخ کے رپورٹر بتاتے ہیں کہ شورش کے زمانے میں بھی سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ پورا پورا تعاون کیا اور جب باغیوں نے آپ کا پانی بند کر دیا اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں سے پانی کے بارے میں امداد طلب کی تو حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ بہ نفس نفیس پانی کی مشکیں ایک جانور پر رکھ کر قصر خلافت کی طرف سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو پانی پہنچانے کے لیے آئے۔ باغیوں نے اس سواری کو جس پر پانی لدا ہوا تھا، بھگانے کی بہت کوشش کی لیکن آپ امیر المومنین تک پانی پہنچانے میں کامیاب ہو گئے۔ پھر آپ نے ان شقی القلب لوگوں کو ڈانٹتے ہوئے فرمایا:

''بخدا! فارس اور روم کی حکومتیں بھی یہ کچھ نہیں کرتیں جو کچھ تم لوگ امیر المومنین کے ساتھ کر رہے ہو۔ وہ

Marfat.com

بھی جب کسی شخص کو گرفتار کرتے ہیں تو اسے بھی کھلاتے پلاتے ہیں یعنی اس کا آب و دانہ نہیں روکتے۔"

لیکن سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی اب پند وموعظت کا ان پر کوئی اثر نہ ہوا۔ (البدایہ والنہایہ: ۷/ ۱۸۷)

پھر ایک وقت وہ بھی آیا جب آپ نے قصر خلافت کی حفاظت کے لیے اپنے دونوں صاحب زادگان سیدنا حسین رضی اللہ عنہ اور سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو دوسرے صحابہ زادوں کے ساتھ متعین فرمایا۔

(ابن اثیر: ۳/ ۸۷، البدایہ والنہایہ: ۷/ ۱۷۶، ۱۸۱، تاریخ خلیفہ بن خیاط: ۱۵۱، انساب الاشراف: ۵/ ۶۸)

اور یہ دونوں صاحب زادگان امیر المومنین کی حفاظت میں زخمی بھی ہو گئے۔

(البدایہ والنہایہ: ۷/ ۱۸۸، انساب الاشراف: ۵/ ۶۹، ۹۵)

جب باغیوں نے قصر خلافت کی دیوار پھاند کر امیر المومنین رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا تو آپ کی زوجہ محترمہ سیدہ نائلہ رضی اللہ عنہا نے قصر خلافت کی چھت پر چڑھ کر آواز دی کہ "لوگو! امیر المومنین رضی اللہ عنہ شہید کر دیئے گئے ہیں۔" سیدنا علی رضی اللہ عنہ فوری طور پر قصر خلافت پہنچے اور اپنے دونوں صاحب زادوں کو کہا، کہ جب تم دونوں قصر خلافت کے دروازے پر موجود تھے تو امیر المومنین کیسے شہید ہو گئے۔ تاریخ میں ہے کہ آپ نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو فرائض سے غفلت کی وجہ سے تھپڑ مارا اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے سینے پر دو ہتڑ مارے۔ (الانساب الاشراف: ۵/ ۷۰، تاریخ الخلفاء: ۲۴۵، ۲۶۴)

اور خود سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو امیر المومنین کی شہادت کا اس قدر صدمہ ہوا کہ آپ روتے ہوئے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی لاش پر گر گئے۔ دیکھنے والے ان کی وارفتگی کی اس حالت سے یہ گمان کرنے لگے کہ ان کا دم نکل جائے گا اور یہ بھی سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے جا ملیں گے یعنی انتقال فرما جائیں گے۔ (البدایہ والنہایہ: ۷/ ۱۹۳)

یہ سارے واقعات اس بات کا بین ثبوت ہیں کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے برضا و رغبت سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی بیعت کی تھی اور آپ نے کبھی بھی ان کی خلافت سے اظہار ناراضگی نہیں کیا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا یہ کردار دشمنان صحابہ کی ان تمام روایات کی تکذیب کرتا ہے جن میں یہ بتانے کی کوشش کی گئی ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ، سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت سے خوش نہیں تھے۔

Marfat.com

سیدنا علی رضی اللہ عنہ خلیفۃ المسلمین کی حیثیت سے

معتبر روایت کے مطابق سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت ۱۸ ذی الحجہ ۳۵ھ بروز جمعہ نماز عصر کے وقت ہوئی اور ہفتہ کی رات یعنی ۱۹ ذی الحجہ کو مغرب اور عشاء کے درمیان جنت البقیع میں حش کوکب کے مقام پر آپ کو دفن کر دیا گیا۔ آپ کی شہادت کے بعد تین روز تک اور بعض روایات کے مطابق ۵ روز تک مسند خلافت خالی رہی اور مدینہ طیبہ پر سبائیوں کے سرغنہ غافقی بن حرب کی حکومت رہی۔ انھیں پورا پورا احساس تھا کہ وہ بار خلافت کو نہیں اٹھا سکتے، لہٰذا تین روز کے بعد انھوں نے امیر کی تلاش شروع کر دی۔ اہل مصر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو امیر بنانا چاہتے تھے کیونکہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ربیب محمد ابن ابی بکر ان کے ساتھ تھے۔ کوفی سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ کو اور اہل بصرہ سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ کو مسند خلافت پر بٹھانا چاہتے تھے، لیکن تینوں میں سے کوئی بھی اس بار کو اٹھانے کے لیے تیار نہ تھا۔ ان تینوں حضرات کے انکار پر سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اور سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ پر اس منصب کو قبول کرنے کے لیے دباؤ ڈالا گیا لیکن ان دونوں حضرات نے بھی انکار کر دیا۔ (البدایہ والنہایہ: ۷/ ۲۲۷، طبری: ۳/ ۴۵۴)

ایک اور روایت میں ہے کہ شہادت عثمان رضی اللہ عنہ کے تیسرے روز باغی سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے پاس آئے، آپ اس وقت مدینہ طیبہ کے ایک بازار میں تھے۔ باغیوں نے آپ سے کہا: ''ہاتھ بڑھایئے، ہم آپ کی بیعت کرتے ہیں۔'' سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''جلدی نہ کرو،'' سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بڑے مبارک آدمی تھے۔ انھوں نے شوریٰ کی وصیت فرمائی تھی۔ لہٰذا تم بھی لوگوں کو مہلت دو وہ مشورہ کریں کہ کس کو خلیفہ بنایا جائے۔ یہ سن کر وہ واپس چلے گئے، لیکن وہ سمجھتے تھے کہ اگر اس معاملے کو سلجھائے بغیر واپس چلے گئے تو ہم محفوظ نہیں رہیں گے۔ چنانچہ وہ پھر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے پاس آئے۔ اس دفعہ مالک الاشتر بھی ان کے ساتھ تھا۔ اس نے آتے ہی آپ کا ہاتھ پکڑا اور آپ کی بیعت کر لی۔ اس کے بعد اس کے سارے ساتھیوں نے آپ کی بیعت کر لی۔ بعد میں اہل کوفہ اور دوسرے سبائی فخر سے یہ کہا کرتے تھے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی بیعت سب سے پہلے مالک الاشتر نے کی تھی۔ (طبری: ۳/ ۴۵۵، البدایہ والنہایہ: ۷/ ۲۲۷)

غرض کہ ۲۵ ذی الحجہ ۳۵ھ کو سیدنا علی رضی اللہ عنہ مسند خلافت پر متمکن ہوئے اور ان ہی لوگوں نے سب سے پہلے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی جو قتل عثمان رضی اللہ عنہ میں پیش پیش تھے۔ بعض لوگوں نے یہ بھی کہا کہ آپ کا انتخاب آزادانہ نہیں ہوا کیونکہ مدینہ طیبہ میں دہشت اور انارکی کا دور دورہ تھا۔ سبائی ہر طرف دندنا رہے تھے۔ گویا کہ ایک

Marfat.com

مارشل لاء کی سی کیفیت طاری تھی، اس وجہ سے آزادانہ انتخاب کا امکان بھی نہ تھا۔ یہ بھی درست ہے۔ آپ خلیفہ بننا ہرگز پسند نہیں فرماتے تھے اور بار بار یہی فرماتے تھے ''مجھ کو چھوڑ کر کسی اور کو تلاش کرو'' (دعونی التمسوا غیری) (ملاحظہ ہو ابن اثیر: ۳/، طبری: ۳/۴۵۶)

چونکہ باغی آپ کی بیعت میں پیش پیش تھے، لہٰذا کئی جلیل القدر صحابہ رضی اللہ عنہم نے جن میں کئی عشرہ مبشرہ کے حضرات بھی شامل تھے آپ کی بیعت سے گریز کیا۔ (خطط الشام: ۱/۱۳۶)

جن میں سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ، سیدنا ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ، سیدنا قدامہ بن مظعون رضی اللہ عنہ، سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ، سیدنا محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ، سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ، سیدنا کعب بن مالک رضی اللہ عنہ، سیدنا مسلمہ بن مخلد رضی اللہ عنہ، سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ، سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، سیدنا رافع بن خدیج اور سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ وغیرہ شامل تھے۔ اسی وجہ سے شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے فرمایا ہے:

''مسلمانوں کی اچھی خاصی تعداد نصف یا زیادہ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی بیعت نہیں کی تھی اور سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اور سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اور کئی دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی آپ کی بیعت نہیں کی تھی۔'' (منہاج السنۃ: ۲/۲۳۷)

مدینہ طیبہ سے بہت سے حضرات سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی بیعت سے بچنے کے لیے شام چلے گئے۔ کچھ حضرات مکہ بھاگ گئے۔ شام تو کلیتاً سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی بیعت سے الگ رہا۔ کوفہ، بصرہ اور مصر کے صوبوں میں بھی ایک اچھا خاصا گروہ ان کی بیعت سے کنارہ کشی کر رہا تھا۔ طبری نے مصر کے ایک شہر ''خربتا'' کے افراد کی تعداد دس ہزار بتائی ہے جنھوں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی تھی۔ (طبری: ۳/۵۵۳)

اس سلسلے میں علامہ ابن خلدون نے بھی اپنے مقدمہ فصل ولایت عہد: ۳۷۸۔۳۷۹ پر کافی اچھی بحث کی ہے۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا پہلا خطبہ:

مسند خلافت پر تشریف فرما ہونے کے بعد جمعہ کا دن آیا۔ آپ نے بحیثیت خلیفہ کے اپنا سب سے پہلا خطبہ ارشاد فرمایا جس میں آپ نے توحید، اخلاص اور مسلمانوں کے حقوق کے بارے میں مفصل بیان فرمایا۔ آپ نے میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو۔ اس کی نافرمانی سے بچو اور جب تم خیر کا کام دیکھو تو اسے فوراً اختیار کرو اور اور مصیبت کا کام دیکھو تو اس سے فوراً کنارہ کش ہو جاؤ۔ (البدایہ والنہایہ: ۶/۲۲۷، طبری: ۳/۴۵۷)

مدینہ طیبہ کی حالت:

سیدنا علی رضی اللہ عنہ خلیفہ تو بن گئے لیکن سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے سفاکانہ قتل پر سارا مدینہ مضطرب اور عجیب بحر

Marfat.com

کیفیت میں تھا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے خلیفۃ المسلمین ہونے پر اہل مدینہ نے جب دیکھا کہ وہی مالک الاشتر، وہی عبداللہ بن سباء، وہی محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ وہی کنانہ بن بشر اور وہی غافقی بن حرب جو کل تک قاتلان عثمان رضی اللہ عنہ میں سے تھے آج سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے گرد و پیش پھر رہے ہیں اور آپ کے کاروبار خلافت کے ہر مشورہ میں شریک ہیں، تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ایک وفد نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ ''ہم نے اسلامی حدود کے تحفظ اور نفاذ کی شرط پر آپ سے بیعت کی تھی، لیکن آپ قاتلان عثمان رضی اللہ عنہ کو پناہ دے رہے ہیں، حالانکہ یہ لوگ عنداللہ اور عندالناس قابل مواخذہ ہیں، لہٰذا انھیں سزا دی جائے اور ان سے قتل عثمان رضی اللہ عنہ کا قصاص اور انتقام لیا جائے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے انھیں فرمایا: ''جس شے کو تم جانتے ہو میں بھی اس سے ناواقف نہیں ہوں، لیکن میں اس قوم سے کیسے نمٹ سکتا ہوں جس کو ہم پر قابو ہے اور ہمیں ان پر قابو نہیں۔'' البتہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے باغیوں کی یہ بے راہ روی دیکھی نہیں جاتی تھی۔ مدینہ کی سیاست پر ان کا پورا پورا کنٹرول تھا۔ اور کچھ پتہ نہیں تھا کہ حالات کیا کروٹ بدلنے والے ہیں۔ سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ، سیدنا ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ، سیدنا سعید بن العاص رضی اللہ عنہ اور بنو امیہ کی ایک بہت بڑی تعداد مکہ مکرمہ چلی گئی تھی۔

سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ اور سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ نے مدینہ طیبہ کی موجودہ حالت کو دیکھ کر فیصلہ فرمایا کہ مدینہ سے باہر نکل کر قومی محاذ قائم کیا جائے اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کا قصاص لیا جائے۔ چنانچہ یہ دونوں حضرات چند صحابہ کی معیت میں مکہ مکرمہ چل دیئے۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک اچھی خاصی تعداد حج بیت اللہ کے سلسلے میں پہلے ہی مکہ مکرمہ میں مقیم تھی۔ سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ نے مکہ پہنچ کر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو مدینہ کے حالات سے آگاہ کیا اور مدینہ طیبہ سے بھاگ کر آنے کی وجہ بتائی۔ چنانچہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کے قصاص کی تحریک شروع کی گئی جس کو رائے عامہ نے لبیک کہا۔ ہزاروں مسلمان جان تک دینے کے لیے تیار ہو گئے۔ مکہ کے ایک رئیس یعلی بن امیہ نے چھ سو اونٹ اور چھ لاکھ درہم بطور چندہ پیش کیے۔ سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ گورنر مکہ نے اعلان کیا کہ جو شخص اس لشکر میں شریک ہونا چاہے اور اس کے پاس سواری اور زاد راہ نہ ہو تو اس کی سب ذمہ داری برداشت کی جائے گی۔ اس طریقہ سے تین ہزار آدمی اس تحریک میں شریک ہو گئے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی مظلومانہ شہادت کی وجہ سے مملکت اسلامیہ کے ہر صوبے سے بیک وقت یہ آواز اٹھی کہ قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ کو کیفر کردار تک پہنچایا جائے۔ مصر کے دس ہزار باشندوں نے گورنر مصر سیدنا قیس بن سعد رضی اللہ عنہ کو یہ یادداشت پیش کی کہ اگر قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ کیفر کردار تک پہنچا دیئے جائیں تو ہم آپ کے ساتھ ہیں وگرنہ ہم سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی بیعت نہیں کریں گے۔

(طبری: ۴۶۳/۳، البدایہ والنہایہ: ۲۲۹/۷، ۲۵۱، ۳۱۳، ابن اثیر: ۲۰۱/۳)

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے گورنر کوفہ سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ ''کوفہ سے میری حمایت کے لیے فوجی امداد روانہ کرو۔'' سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے قاصدین کو کہہ دیا کہ میری اور تمھارے خلیفہ دونوں کی گردن میں

Marfat.com

عثمان رضی اللہ عنہ کی بیعت موجود ہے اگر کسی سے جنگ ناگزیر ہے تو وہ قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ ہیں۔ جب تک ان سے نمٹ نہ لیں ہم کسی کے خلاف فوجی کارروائی کرنے کو تیار نہیں۔ (طبری:۳/۴۹۲، ابن اثیر:۲۲۷)

غرضیکہ بغیر کسی مشاورت کے ایک قومی محاذ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں سے قصاص لینے کے لیے تیار ہوگیا۔ ایک موقع پر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے لوگوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا، ''مختلف شہروں اور دیہاتوں کے فسادی لوگوں نے عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا ہے۔ انھوں نے عثمان رضی اللہ عنہ کے نوعمروں اور نوجوانوں کو گورنر بنانے پر اعتراض کیا حالانکہ ان جیسے لوگوں کو اس سے قبل بھی حکومت کے عہدوں پر فائز کیا جاتا رہا۔ چراگاہوں پر اعتراض کیا حالانکہ اس میں کوئی معقولیت نہ تھی۔ ان کے لیے جب کوئی عذر نہ رہا تو انھوں نے اخلاق و شریعت کی تمام حدود کو توڑ کر ایک حرام خون کیا نیز بلد حرام، شہر حرام اور مال حرام کو بھی اپنے لیے حلال کر لیا۔ بخدا! عثمان رضی اللہ عنہ کی ایک انگلی روئے زمین کے ان جیسے تمام لوگوں سے بہتر ہے۔ پس ان لوگوں کے خلاف جمع ہو جاؤ تاکہ انھیں ایسی عبرتناک سزا دی جائے کہ دوسروں کو اس سے عبرت ہو اور آئندہ کسی کو اس طرح کی دیدہ دلیری اور جرأت نہ ہو۔'' (طبری:۳/۴۶۸، ابن اثیر:۳/۲۰۷)

بصرہ کی روانگی:

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی رائے سیدھا مدینہ طیبہ جانے کی تھی۔ کچھ لوگوں کا خیال تھا کہ پہلے شام چلا جائے وہاں سے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر پھر مدینے آیا جائے۔ کچھ حضرات کا خیال تھا کہ پہلے بصرہ جایا جائے اور وہاں سے کچھ گھوڑے اور سپاہی حاصل کیے جائیں۔ چنانچہ طے یہ ہوا کہ پہلے بصرہ جایا جائے۔ مدینہ جانے میں تو امہات المومنین رضی اللہ عنہن شریک سفر ہونے کو تیار تھیں، لیکن جب فیصلہ بصرہ جانے کا ہوا تو امہات المومنین رضی اللہ عنہا کٹ گئیں سوائے سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے، لیکن سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے بھائی سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کو روک لیا اور صرف عائشہ رضی اللہ عنہ ایک ہزار گھوڑ سواروں کے ساتھ جانب بصرہ روانہ ہوئیں اور بصرہ تک پہنچتے پہنچتے لشکر کی تعداد تین ہزار ہوگئی۔ ام المومنین رضی اللہ عنہا سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو اونٹ پر رکھے ہوئے ایک ہودج میں بٹھایا گیا جس کا نام ''عسکر'' تھا۔ امہات المومنین رضی اللہ عنہن بھی لشکر کے ساتھ ''ذات عرق'' تک گئیں اور وہاں سے وہ مدینہ طیبہ تشریف لے گئیں۔ اس لشکر کو الوداع کہتے ہوئے امہات المومنین رضی اللہ عنہن رو پڑیں۔ ان کو روتا دیکھ کر دوسرے لوگ بھی بہت روئے۔ چنانچہ وہ دن ''یوم النحیب'' کے نام سے مشہور ہوگیا۔

(البدایہ والنہایہ:۷/۲۳۱، ابن اثیر:۳/۱۰۷)

گورنر بصرہ سے بات چیت:

بصرہ کے قریب پہنچ کر ان سب حضرات نے اہل بصرہ اور وہاں کے گورنر کے نام خطوط لکھ کر ان کو اپنے

Marfat.com

مقصد سے آگاہ کیا۔ گورنر بصرہ عثمان بن حنیف نے بھی جو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے وہاں کے گورنر تھے۔ ان کی طرف قاصد بھیج کر ان کے آنے کا مقصد دریافت کیا اور صورت حال کی وضاحت چاہی۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے قاصدین کے سامنے اپنے آنے کا مقصد بیان فرمایا۔ قاصدین نے گورنر بصرہ سے ام المومنین رضی اللہ عنہا کی باتیں من و عن بیان کر دیں اور ساتھ ہی اپنی طرف سے گورنر بصرہ کو یہ مشورہ دیا کہ آپ اس بارے میں خاموش اور غیر جانبدار رہیں، لیکن گورنر بصرہ نے اس مشورے کو تسلیم نہ کیا۔ (طبری:۳/۴۸۱، البدایہ والنہایہ:۷/۲۳۱)

ادھر بصرہ میں یہ کچھ ہو رہا تھا۔ ادھر مدینہ میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ قاتلان عثمان رضی اللہ عنہ سے قصاص لینے اور مدینہ کے لوگوں کو ان کے غلبہ و تسلط سے نجات دلانے کے بجائے اہل شام (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ) کے خلاف جنگ و حرب کی تیاریوں میں مصروف تھے۔ ان کے ساتھیوں میں اہل الرائے حضرات نے انھیں یہ مشورہ دیا کہ آپ ان کارروائیوں سے رک جائیں۔ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے بھی سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو ان جنگی تیاریوں سے روکا، لیکن آپ نے ان کے مشورے کو بھی قبول نہ فرمایا۔ اسی اثنا میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو اطلاع ملی کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا، سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ اس مقصد کے لیے بصرہ پہنچ گئے ہیں۔ یہ اطلاع ملتے ہی آپ نے شام کی بجائے بصرہ کی طرف جانے کا مصمم ارادہ فرما لیا اور اس سلسلے میں اہل مدینہ کو اپنے ساتھ تعاون کے لیے کہا۔ طبری نے لکھا ہے کہ انصار میں سے صرف دو بزرگوں نے تعاون کا یقین دلایا اور صرف چھ بدری اصحاب نے تعاون کا اظہار کیا۔ حافظ ابن کثیر نے کبار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے صرف چار حضرات کا نام ذکر کیا ہے۔ یہ بھی لکھا ہے کہ اکثر اہل مدینہ پر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا یہ حکم گراں گزرا۔ (طبری:۳/۴۶۶، ابن اثیر:۳/۱۹۸)

ربیع الاول ۳۶ ہجری میں جب سیدنا علی رضی اللہ عنہ اپنے لشکر کے ساتھ مدینہ طیبہ سے جانب بصرہ روانہ ہوئے تو آپ کے صاحب زادے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے راستے میں جا کر آپ سے عرض کیا، ''ابا جان! میں نے پہلے بھی آپ کو کئی مشورے دیئے، لیکن آپ نے انھیں درخور اعتنا نہ سمجھا۔ پھر میں نے آپ سے کہا تھا کہ آپ اس وقت تک لوگوں سے بیعت نہ لیں جب تک کل شہروں کے ارباب حل و عقد آپ سے بیعت لینے کی استدعا نہ کریں، لیکن آپ نے میری وہ بات بھی نہ مانی۔ پھر میں نے آپ سے یہ بھی کہا کہ جب سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا، سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ خون عثمان رضی اللہ عنہ کے قصاص کے مطالبہ کے لیے نکلے ہیں تو آپ گھر میں بیٹھے رہیں یہاں تک کہ آپس میں مصالحت ہو جائے، لیکن آپ میرا وہ مشورہ بھی قبول نہیں فرما رہے۔''

(البدایہ والنہایہ:۷/۳۳۴، طبری:۳/۴۷۴، اخبار الطوال:۱۴۳)

بہر حال سیدنا علی رضی اللہ عنہ اپنے ایک بڑے لشکر کے ساتھ بصرہ کی جانب روانہ ہوئے۔ راستے میں ایک مقام پر پڑاؤ ڈالا۔ فریقین کا مقصد نیک تھا۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ صلح کی جو بات چیت مدینہ طیبہ میں بیٹھ کر ہونی چاہیے تھی اس کی سلسلہ جنبانی کا آغاز میدان کارزار میں ہوا۔

Marfat.com

جنگ جمل:

دونوں فوجیں آمنے سامنے بیٹھی ہوئیں تھیں اور خطرہ تھا کہ میدان کارزار گرم نہ ہو جائے۔ اس لیے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی خواہش یہ تھی کہ گفت وشنید کے ذریعے صلح کی کوئی صورت پیدا ہو جائے۔ چنانچہ اس غرض کے لیے سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے کوفہ کے ایک بزرگ صحابی سیدنا قعقاع بن عمرو رضی اللہ عنہ کو اہل جمل کے پاس سفیر بنا کر بھیجا اور ہدایت فرمائی کہ پتہ چلائیں کہ یہ لوگ کیا چاہتے ہیں۔ سیدنا قعقاع رضی اللہ عنہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بصرہ تشریف لانے کا مقصد دریافت کیا۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ ہمارا مقصد ''اصلاح بین المسلمین'' ہے۔ سیدنا قعقاع رضی اللہ عنہ نے کہا ''کیا ہی اچھا ہو اگر آپ زبیر رضی اللہ عنہ اور طلحہ رضی اللہ عنہ کو بھی بلا لیں تا کہ اس بارے میں ان سے بھی بات ہو جائے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان دونوں کو بلا لیا۔ سیدنا قعقاع رضی اللہ عنہ نے ان دونوں سے بھی بصرہ آنے کا مقصد پوچھا، انھوں نے بھی سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے جواب کی تائید کی۔ سیدنا قعقاع رضی اللہ عنہ نے کہا ''فرمایئے، وہ اصلاح کیا ہے جو آپ حضرات چاہتے ہیں؟'' ان حضرات نے جواب دیا: ''سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ مظلوم شہید کیے گئے ہیں جب تک ان کے قاتلوں کو سزا نہیں دی جائے گی ملک میں نہ تو امن ہو سکتا ہے اور نہ ہی معاملات درست ہو سکتے ہیں۔

سیدنا قعقاع رضی اللہ عنہ نے کہا کہ آپ حضرات کا مطالبہ بالکل درست ہے، لیکن اس کے لیے سکون اور اطمینان کی ضرورت ہے۔ جب فضا سازگار ہو جائے گی اور اشتعال و ہیجان کی کیفیت میں نظم وسکون ہو جائے گا تو پھر آپ کا مطالبہ پورا کر دیا جائے گا۔ میری رائے میں ان حالات میں ''اصلاح بین المسلمین'' ممکن نہیں۔

اہل جمل نے موقع کی نزاکت کے پیش نظر قعقاع رضی اللہ عنہ کی اس تجویز کو پسند کیا بلکہ قبول کر لیا۔ ان کا مقصد جدال وقتال ہرگز نہیں تھا، لہٰذا انھوں نے فوری قصاص پر اصرار نہ کیا۔ سیدنا قعقاع رضی اللہ عنہ کو ان حضرات نے کہا، کہ ہم آپ کی تجویز قبول کرتے ہیں۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ بھی اگر ان سے متفق ہوں تو ٹھیک ہے۔ سیدنا قعقاع رضی اللہ عنہ نے واپس آ کر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو ان تمام باتوں سے آگاہ کیا اور بتایا کہ وہ حضرات اس تجویز سے متفق ہو گئے ہیں۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ یہ سن کر بہت خوش ہوئے۔ گویا کہ دونوں گروہ اتفاق واتحاد کی اس صورت سے بہت خوش ہوئے۔

سبائیوں کے سرغنوں مالک الاشتر، خالد بن ملجم، عبداللہ بن سباء، شریح بن ابی اوفیٰ وغیرہ نے جب یہ سنا کہ دونوں پارٹیاں صلح پر متفق ہو گئی ہیں تو انھوں نے آپس میں مشورہ کر کے کہا ''ہمارے بارے میں ان کی رائے ایک ہے۔ ان کی اگر آپس میں صلح ہو گی تو ہمارے خون پر ہو گی۔'' لہٰذا اس بارے میں سوچ وبچار شروع ہو گیا۔ عبداللہ بن سباء کی تجویز یہ تھی کہ قبل اس کے دونوں پارٹیاں مزید غور وفکر کریں تم لوگ جنگ چھیڑ دو اور جب جنگ کا شعلہ بھڑک اٹھے گا تو پھر دونوں پارٹیاں اپنے اپنے دفاع کے لیے جنگ پر مجبور ہو جائیں گی۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ اپنا لشکر لے کر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے لشکر کے قریب چلے گئے۔ باغی پہلے ہی سے آپ کے

Marfat.com

لشکر میں موجود تھے۔ دونوں طرف سے نمائندے سر جوڑ کر بیٹھے۔ فضا پوری طرح صلح کے لیے ہموار تھی۔ کسی دل میں صلح کے بارے میں ذرا برابر شک نہیں تھا۔ (وھم لا شکون فی الصلح)۔

''سب حضرات صلح پر تیار ہو گئے اور رات کو ایسے چین اور اطمینان کی نیند سوئے کہ اس سے قبل کبھی ایسے اطمینان کی نیند نہ سوئے تھے، لیکن وہ لوگ جنھوں نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف ہنگامہ آرائی کی تھی اور ان کو شہید کیا تھا انھوں نے اس سے زیادہ بدتر رات کبھی نہیں گزاری تھی۔''

ساری رات وہ بے اطمینانی اور بے آرامی میں کیا کرتے رہے۔ وہ ساری رات مشورہ کرتے رہے۔ وجعلوا یتشاورون لیلھم کلھا اور ان لوگوں نے پلان بنایا کہ صبح اندھیرے منہ جنگ چھیڑ دی جائے اور اس پلان کو پورے طور پر صیغہ راز میں رکھنے کے لیے کہا گیا۔ تاریخ کے رپورٹر بتاتے ہیں کہ ظلمت شب نے ابھی اپنے کاکل سیاہ سمیٹے نہیں تھے اور رات کی تاریکی ابھی چھٹنے نہ پائی تھی کہ ان فتنہ پردازوں اور شورش پسندوں نے اپنے خفیہ پلان کے مطابق اہل جمل پر اچانک حملہ کر دیا۔ اس اچانک حملے سے اہل جمل نے یہ سمجھا کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے لشکر نے شرائط سے اتفاق کرنے کے باوجود دھوکے سے ہم پر حملہ کر دیا ہے۔ یہی خیال سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے لشکر کے لوگ اصحاب جمل کے متعلق کرنے لگے۔ اصلی صورت حال کیا ہوئی دونوں گروہ اس سے بے خبر تھے۔

(تفسیر قرطبی: ۱۲، ۲۱۸، البدایہ والنہایہ: ۷/ ۲۳۷)

حاکم نے مستدرک میں ایک روایت نقل کی ہے کہ جنگ کے دوران سیدنا علی رضی اللہ عنہ اپنے گھوڑے پر میدان کارزار میں تشریف لائے اور سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ کو بلا کر کہا ''ابو عبداللہ! تمھیں وہ دن یاد ہے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تم سے پوچھا تھا کہ کیا تم علی رضی اللہ عنہ کو دوست رکھتے ہو؟'' تم نے جواب دیا تھا: ''ہاں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم!'' یاد کرو اس دن تم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ ایک دن تم اس سے ناحق لڑو گے۔'' سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ''ہاں! اب مجھے یاد آیا۔'' (مستدرک حاکم: ۳/ ۳۶۶)

شاید اسی روایت کے سہارے کئی ایک مورخین نے بھی اس واقعہ کو اپنی کتابوں میں درج کیا ہے اور لکھا ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے یاد دلانے پر سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ میدان جنگ سے چلے گئے۔ سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ بھی آگے کی صفوں سے ہٹ کر پیچھے کی صفوں میں جا کھڑے ہوئے۔ یہ روایت بالکل وضعی ہے اور شاید حاکم نے اپنا شیعہ ہونے کے ناطے اس کو نقل کیا ہے۔

اس روایت کے وضعی ہونے کی اور بھی کئی وجوہات ہیں لیکن، یہ جو روایت میں ہے کہ سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے یہ بات سن کر میدان جنگ سے پیچھے ہٹ گئے، یہ بات بالکل غلط ہے بلکہ طبری کی روایت سے صاف عیاں ہے کہ سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ اور سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ آخر تک میدان ہی میں موجود رہے۔

(ملاحظہ ہو طبری: ۴/ ۵۲۹، ۵۱۴/۴)

Marfat.com

ام المومنین کے وفادار بیٹے:

میدان جنگ میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ایک مقام پر زرہ پوش ہودج میں تشریف فرما تھیں۔ نامرتبہ شناس اور دین دشمن سبائی آپ کے ساتھ گستاخانہ رویہ اختیار کیے ہوئے تھے اور آپ کو محبوس کرنا چاہتے تھے لیکن بنوضبہ کے بہادر نوجوان اس اونٹ کی حفاظت میں اپنی لاشوں پر لاشیں گرا رہے تھے۔ بک بن وائل، ازد اور بنوضبہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے اونٹ کے گرد ہالہ بنے ہوئے تھے اور اس وارفتگی اور ثبات کے ساتھ کٹ رہے تھے کہ خود سیدنا علی رضی اللہ عنہ بھی ان کی بہادری سے حیرت و استعجاب میں تھے۔ سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ کے صاحب زادے سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ نے سیدہ رضی اللہ عنہا کے اونٹ کی نکیل پکڑ لی۔ وہ زخمی ہو کر گرے تو فوراً دوسرے شخص نے بڑھ کر اونٹ کی نکیل پکڑ لی۔ وہ گرا تو تیسرے نے اس کی جگہ لے لی۔ تاریخ کے رپورٹر بتاتے ہیں کہ یکے بعد دیگرے ستر (۷۰) آدمیوں نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے اونٹ کی حفاظت میں اپنی جان جان آفریں کے سپرد کی۔ (طبری:۴/۵۰۹)

اونٹ کے سامنے بنوضبہ حیرت انگیز شجاعت کے ساتھ سد سکندری بنے دشمنوں کو روکے کھڑے تھے اور جب تک ایک شخص بھی زندہ رہا کسی نے پشت نہیں پھیری۔ جب سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے کسی شخص کا ہاتھ اونٹ کی نکیل تک پہنچتا وہ قتل کر دیا جاتا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ جب تک اونٹ بٹھایا نہ جائے گا یہ خونریزی رک نہیں سکتی، لہٰذا سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ ''اونٹ کو ذبح کر دو اس کی بقا میں مسلمانوں کی فنا ہے۔'' چنانچہ ایک شخص نے پیچھے سے جا کر اونٹ کے پاؤں پر تلوار ماری۔ اونٹ بلبلا کر بیٹھ گیا۔ اونٹ کے بیٹھتے ہی سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے لشکر کی ہمت ٹوٹ گئی۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے بھائی محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کو جو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے حکم فرمایا کہ ام المومنین رضی اللہ عنہا کی خبر گیری کریں۔ جنگ کے اختتام پر آپ نے سیدہ رضی اللہ عنہا کو محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ نہایت عزت و احترام سے مدینہ طیبہ بھیج دیا۔ بصرہ کی ہزاروں معزز خواتین کو سیدہ کو پہنچانے کے لیے ساتھ کیا اور رخصت کرنے کے لیے چند میل تک ساتھ گئے اور ایک منزل تک اپنے صاحب زادے کو مشایعت کے لیے بھیجا۔

سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ اور سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ کی شہادت:

اسی جنگ جمل میں اسلام کے دو نامور سپوت اور عشرہ مبشرہ کے صحابی سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ اور سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ نے جام شہادت نوش فرمایا۔ سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ کو روایات کے مطابق عمرو بن جرموز نے نماز میں شہید کیا۔ ابن جرموز حواریٔ رسولؐ کو شہید کرنے کے بعد ان کی تلوار اور زرہ لے کر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور نہایت فخر کے ساتھ اپنا یہ کارنامہ بیان کیا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ کی تلوار پر حسرت کی نظر ڈالتے ہوئے فرمایا: ''اس نے بار بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سے مصائب کے بادل ہٹائے ہیں۔'' پھر فرمایا: ''اے ابن صفیہ کے قاتل! تجھے خوشخبری ہو کہ جہنم تیری منتظر ہے۔'' (مسند احمد:۱/۸۹)

Marfat.com

اسی طرح سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ کو عین معرکہ جنگ میں ایک نامعلوم تیرانداز کا تیر آ کر لگا۔ وہ ان کے لیے تیر قضا ثابت ہوا۔ لوگوں نے اس تیر کو نکالنے کی کوشش کی تو فرمایا، ''چھوڑ دو، یہ تیر نہیں پیام خداوندی ہے۔'' چنانچہ وہ اس تیر سے جاں بحق ہو گئے۔ (طبری:۳/۵۲۷)

جنگ جمل نے سبائی منصوبے میں اور زیادہ رنگ بھر دیا اور مسلمانوں میں تشتت وافتراق کی وہ خلیج پیدا ہوئی جس کو آج تک پاٹا نہیں جا سکا۔ جنگ جمل کے نتیجہ کے طور پر تاریخ کے رپورٹر بتاتے ہیں کہ ۱۰ ہزار آدمی تک کام آئے جن میں پانچ ہزار اصحاب جمل میں سے اور باقی پانچ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے لشکر میں سے تھے۔ مقتولین میں سبائیوں کی اچھی خاصی تعداد تھی۔ (طبری:۳/۵۴۳)

جنگ جمل کے مقاصد:

نہ تو سیدنا عائشہ رضی اللہ عنہا اور ان کے لشکر کو اور نہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو ہی اس خونریزی کی توقع تھی جو نہ چاہتے ہوئے ہو گئی۔ ان دونوں کا مقصد جنگ نہیں تھا، یہی وجہ تھی کہ ان دونوں کے درمیان جلد ہی صلح ہو گئی لیکن سبائی یہ صلح نہیں چاہتے تھے۔ لہٰذا یہ ان کی اندرونی سازش کا نتیجہ تھا کہ مطالبہ قصاص نے ایک خونریز جنگ کی شکل اختیار کر لی۔ اور امت سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ اور سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ جیسے اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم سے محروم ہو گئی۔ اصحاب جمل سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے خلاف نہ تھے۔ ان کا مقصد صرف اور صرف قصاص تھا چنانچہ شیخ الاسلام ابن حجر عسقلانی نے مشہور محدث مہلب کا قول نقل فرمایا ہے کہ:

''کسی محدث نے بھی یہ نقل نہیں کیا کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور ان کے ساتھیوں نے خلافت کے معاملے میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے کوئی جھگڑا یا تنازع کیا ہو اور نہ ہی انھوں نے یہ دعویٰ کیا کہ ان میں سے کسی کو خلافت کی مسند پر بٹھایا جائے۔ ان کا تمام تر اختلاف سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے یہ تھا کہ وہ قصاص عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں آڑے آ رہے ہیں اور خود بھی قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ سے قصاص نہیں لے رہے۔'' (فتح الباری:۶/۵۴۸)

تاریخ کے اوراق سے جنگ جمل کا جو مقصد سامنے آتا ہے، وہ یہ ہے کہ:

① اگر اصحاب جمل قصاص کی آواز بلند نہ کرتے تو خلافت اسلامیہ قیامت تک کے لیے بازیچۂ اطفال بن کر رہ جاتی اور جب بھی چند مفسد چاہتے، خلیفہ وقت کو شہید کر کے اسلامی ریاست اور اسلامی سیاست پر قابض ہو جاتے۔ اس لحاظ سے امت مسلمہ قیامت تک کے لیے ان کی ممنون ہے۔

② طلب قصاص سے اصحاب جمل کا دوسرا مقصد آئین اسلامی اور شریعت اسلامیہ کا تحفظ تھا۔ وہ اس طرح کہ دستور اسلامی میں خلیفۂ اسلام ارباب حل وعقد کے مشورے اور ان کی کثرت رائے یا قوت رائے سے بنتا ہے اور اگر اسے معزول کرنا ہو اور حکومت میں انقلاب لانا ہو تو دستور اسلامی میں اس کو معزول کرنے کا حق بھی ارباب حل وعقد ہی کو ہے۔ دستور اسلامی میں کسی ایسی جماعت کو جو مسلمانوں کے

Marfat.com

نمائندگان پر مشتمل نہ ہو اور تعداد کے لحاظ سے بھی اقل قلیل ہو، کوئی اختیار نہیں کہ وہ خلیفہ کو معزول یا قتل کر دے اور نہ صرف دستور اسلامی میں اس بات کی کوئی گنجائش نہیں بلکہ دنیا کے کسی دستور میں بھی اس کی اجازت نہیں۔ اگر ان شورش پسندوں کو جنھوں نے غیر اسلامی اور غیر آئینی طریقہ انقلاب اختیار کیا تھا، کوئی سزا نہ دی جاتی اور ان کے اس ناجائز فعل کو نہ صرف قولاً بلکہ عملاً واضح نہ کیا جاتا تو اسلام کے دستور میں ایک نئی دفعہ کا اضافہ ہو جاتا، کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا سکوت اور ان کی خاموشی اس کے جواز کی دلیل اور حجت بن جاتی اور قیامت تک آنے والے لوگ اس بات کو آئین اسلام کی ایک شق سمجھنا شروع کر دیتے اور پھر ہر خلیفہ کو معزول کرنے کے لیے آئینی طریقہ اختیار کرنے کے بجائے یہ غیر آئینی طریقہ ہی اختیار کیا جاتا اور کوئی انھیں روکنے والا نہ ہوتا۔

جنگ جمل کے نتائج:

اس جنگ میں اگرچہ ۱۰ ہزار افراد کام آئے، جن میں سبائیوں کی ایک اچھی خاصی تعداد قتل ہوئی، لیکن سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ جیسے اکابر صحابہ بھی شہید ہو گئے۔ اختتام جنگ پر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے بعض ساتھیوں بلکہ سبائیوں نے سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں کے اموال کو اپنے میں تقسیم کرنے کو کہا، لیکن سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔ سبائیوں نے اس پر طعن و تشنیع کی اور کہا کہ جب ان کے خون ہمارے لیے حلال تھے تو ان کے اموال ہمارے لیے کیوں حلال نہیں؟ آپ نے یہ سن کر فرمایا کہ تم میں سے کون پسند کرتا ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا مال غنیمت میں اس کے حصہ میں آئیں۔ یہ سن کر سب نے چپ سادھ لی۔

اس جنگ میں سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ کی طرف سے جو حضرات شہید ہوئے، سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ان کے بارے میں کلمۂ خیر کہا اور اپنے ساتھیوں کو منع فرمایا کہ وہ انھیں مومن کے سوا کسی اور نام سے یاد نہ کریں۔ آپ نے زیادہ سے زیادہ انھیں ''باغی'' کے لفظ سے یاد فرمایا۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو السنن الکبریٰ: ۸/۱۷۳، تفسیر قرطبی: ۱۶/۳۲۴، ابن عساکر: ۱/۳۲۹، المنتقی ذہبی: ۳۲۵)

سیدنا علی رضی اللہ عنہ جنگ کی اس خونریزی سے اس قدر متاثر ہوئے کہ بڑی حسرت سے اپنے صاحب زادے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ سے فرمایا، ''بیٹا! کاش تیرا باپ بیس سال قبل اس دنیا سے رخصت ہو گیا ہوتا۔' یہ سن کر سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ''ابا جان! کیا میں نے آپ کو روکا نہیں تھا!'' آپ نے فرمایا، ''بیٹا! مجھے توقع نہیں تھی کہ معاملہ اس حد تک پہنچ جائے گا۔'' (تاریخ الاسلام ذہبی: ۲/۱۵۱)

اس جنگ کے نتیجے میں سبائیوں کا نفاق اور تقیہ طشت از بام ہو گیا اور امت مسلمہ ان کی ریشہ دوانیوں سے کافی حد تک محفوظ ہو گئی اور اسلام کو مٹانے کا جو خاکہ یہودی ذہن نے تیار کیا تھا وہ خاک میں مل گیا۔

Marfat.com

جنگ صفین

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کے بعد اکابر صحابہ کی نگاہیں اس بات پر تھیں کہ آپ کب قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ کو کیفر کردار تک پہنچاتے ہیں اور جن لوگوں نے دن دیہاڑے مدینہ طیبہ میں امیر المومنین رضی اللہ عنہ کو انتہائی مظلومانہ حالت میں شہید کیا ہے، ان کو ان کے کیے کا بدلہ کب دیتے ہیں لیکن لوگوں کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی جب انھوں نے دیکھا کہ قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ نہ صرف آپ کے حاشیہ نشین ہیں بلکہ ان کو کاروبار حکومت کی ہر اہم اور کلیدی آسامی پر متعین فرما رہے ہیں۔ کچھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ذاتی طور پر سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے اس کے خلاف احتجاج بھی کیا،، لیکن بارگاہ مرتضوی میں شنوائی نہ ہوئی۔ نتیجہ اس کا ایک خونریز جنگ پر منتج ہوا۔ (محاضرات الخضری:۳/۳۰۲، ابن اثیر:۳/۱۰۰)

اسی اثنا میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اپنی قوت فکر اور سبائیوں کے مشورے سے یہ طے کیا کہ مدینہ طیبہ کے بجائے کوفہ کو اپنا مرکز خلافت بنایا جائے کیونکہ وہاں ان کو اپنے لیے فضا زیادہ سازگار معلوم ہوئی۔ چنانچہ آپ ۱۲ رجب ۳۶ھ کو مدینہ طیبہ کو ہمیشہ کے لیے خیر باد کہہ کر کوفہ تشریف لے آئے اور سیدنا عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کی وہ بات بالکل درست ثابت ہوئی کہ ''اے علی رضی اللہ عنہ! مدینہ سے باہر مت نکلیو۔ بخدا! اگر ایک دفعہ آپ مدینہ طیبہ سے نکل گئے تو پھر مسلمانوں کی خلافت مدینہ میں کبھی بھی واپس نہیں لوٹے گی۔ (البدایہ والنہایہ:۷/۲۳۳)

عراق میں آپ کے حامیوں کی تعداد زیادہ تھی کیونکہ ابن سباء کی تحریک کا مرکز عراق اور مصر دو ہی تو صوبے تھے اور انہی دو صوبوں سے ساری مملکت میں انتشار پھیلا تھا جو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت پر منتج ہوا۔ دارالخلافت کی اس تبدیلی سے ایک تو آپ مدینہ طیبہ کے بابرکت اور مسلمانوں کے حقیقی مرکز سے دور ہو گئے۔ دوسرے آپ بالکل سبائیوں کے نرغے میں پھنس گئے اور آپ کی پوری سیاست سبائی سرغنوں کے ہاتھوں میں چلی گئی۔

ملکی انتظامیہ میں تبدیلی:

مسند خلافت پر متمکن ہونے کے ساتھ آپ نے ملکی انتظامیہ میں تبدیلی کر دی۔ چنانچہ آپ نے قریباً تمام عثمانی گورنروں کو معزول کر کے ان کی جگہ کچھ اپنے خاندان میں سے اور کچھ سبائیوں میں سے گورنر متعین فرمائے۔ (البدایہ والنہایہ:۷/۲۲۷، ابن اثیر:۳/۱۰۳) ممکن ہے کہ آپ کی قوت فکر نے ملکی انتظامیہ میں تبدیلی کو اپنے

Marfat.com

مقاصد میں کامیابی کی دلیل تصور کیا ہو، لیکن حالات کے دھارے نے بتا دیا کہ جس شے کو آپ اپنی کامیابی سمجھتے تھے وہی شے آپ کی ناکامی کا سبب بنی، کیونکہ آپ نے بغیر کسی چارج شیٹ اور بغیر کسی وجہ اور عذر کے انھیں معزول فرمایا۔ اس سے بعض لوگوں کے دلوں میں آپ کے بارے میں مختلف شکوک وشبہات پیدا ہو گئے۔ دوسری طرف آپ کے اپنے لشکر میں مختلف قسم کی چہ میگوئیاں شروع ہو گئیں۔ چنانچہ مالک الاشتر نے غضبناک ہو کر سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے کہا، ''پھر ہم نے اس بڑے میاں (سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ) کو کیوں قتل کیا، اگر آپ نے بھی وہی کچھ کرنا تھا۔'' (طبری:۳) کیونکہ سبائی کسی صورت بھی خلافت اسلامیہ کو مستحکم دیکھنا نہیں چاہتے تھے۔

آپ نے جن گورنروں کو گورنری کا چارج لینے کے لیے باہر بھیجا، ان کی وہاں کوئی پذیرائی نہ ہوئی۔ اور وہاں کے لوگوں اور عثمانی گورنروں نے ان کو شہر میں داخل ہی نہ ہونے دیا۔ چنانچہ سہیل بن حنیف جن کو سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی جگہ شام کا گورنر بنا کر بھیجا تھا، جب تبوک کے مقام پر پہنچے تو آپ کو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے چند گھوڑ سوار ملے۔ انھوں نے پوچھا، تم کون ہو؟ سیدنا سہیل رضی اللہ عنہ نے جواب دیا، ''میں امیر ہوں۔'' پوچھا، ''کس شے پر امیر ہو؟'' کہا، ''صوبہ شام کا امیر ہوں۔'' ان گھوڑ سواروں نے کہا، ''اگر آپ کو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے بھیجا ہے تو اہلاً وسہلاً ومرحبا اور اگر کسی اور نے بھیجا ہے تو پھر واپس تشریف لے جایئے۔'' چنانچہ وہ واپس سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے پاس چلے آئے اور انھیں شام کے تمام حالات سے مطلع کیا۔ کچھ اس طرح کا معاملہ آپ کے مقرر کردہ گورنر سیدنا قیس بن سعد رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہوا ہو جو سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ بن سعد بن ابی سرح کی جگہ مصر تشریف لے گئے۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی مظلومانہ شہادت کے بعد سیدنا نعمان رضی اللہ عنہ بن بشیر صحابی رسول سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی خون میں لتھڑی ہوئی قمیص اور آپ کی زوجۂ محترمہ سیدہ نائلہ رضی اللہ عنہا کی کٹی ہوئی انگلیاں لے کر شام میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لے گئے اور مدینہ میں باغیوں کی بربریت، دہشت گردی اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی مظلومانہ شہادت کا حال انھیں جا کر بیان کیا اور آپ کا خون آلود کرتا اور سیدہ نائلہ رضی اللہ عنہا کی کٹی ہوئی انگلیاں ثبوت کے طور پر دکھائیں۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے وہ کرتا دیکھا اور وہ امیر المومنین رضی اللہ عنہ کی اس مظلومانہ شہادت کا تصور کر کے زاروقطار روئے بلکہ بعض روایات کے مطابق ایک سال تک روتے رہے۔ چنانچہ جب مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ سے قصاص کی تحریک شروع ہوئی تو شام میں بھی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ، سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ، سیدنا ابوامامہ رضی اللہ عنہ، سیدنا ابومسلم الخولانی رضی اللہ عنہ اور کئی دوسرے بزرگ حضرات نے بھی اس مطالبہ کی حمایت کی۔ ان حضرات کی وجہ سے پورا شام قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ سے قصاص کے لیے اٹھ کھڑا ہوا۔

(البدایہ والنہایہ:۷/۲۲۷)

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی معزولی اور اس کا ردعمل:

ادھر شام میں یہ کارروائیاں ہو رہی تھیں ادھر مدینہ طیبہ میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی معزولی کی تدبیر کی

Marfat.com

جارہی تھی۔ کئی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس بارے میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی مخالفت کرتے ہوئے عثمانی گورنروں کو اتنی جلدی معزول کرنے سے روکا۔ سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے بھی اس بارے میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو سمجھایا لیکن سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ان کی بات نہ مانی۔ (اخبار الطوال:۱۴۲، تاریخ الاسلام ذہبی:۱/۱۶۶) سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو قاتلین عثمان کے مشورہ سے معزول کیا گیا کیونکہ انھیں ان سے سخت خطرہ تھا۔ چنانچہ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے:

''سیدنا علی رضی اللہ عنہ جب خلیفہ ہوئے تو قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ نے انھیں مشورہ دیا کہ معاویہ رضی اللہ عنہ کو شام کی گورنری سے معزول کر دیا جائے اور ان کی جگہ سہل رضی اللہ عنہ بن حنیف کو گورنر مقرر کر دیا جائے۔ پس آپ نے انھیں معزول کر دیا۔'' (البدایہ والنہایہ:۸/۲۱)

تاریخ کے رپورٹر بتاتے ہیں کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے مسند خلافت پر متمکن ہوتے ہی قریباً تمام عثمانی گورنروں کو یک قلم معزول فرما دیا اور اپنے خاندان کے لوگوں کو مملکت اسلامیہ کے قریباً تمام صوبوں پر گورنر مقرر فرما دیا۔ چنانچہ عبیداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو یمن پر، معبد بن عباس رضی اللہ عنہ کو مکہ پر، قثم بن عباس رضی اللہ عنہ کو مدینہ منورہ پر، عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو عراق پر، اپنے بھانجے اور داماد جعد بن ہبیرہ کو خراسان پر، اپنے سوتیلے بیٹے اور ربیب محمد ابن ابی بکر کو مصر پر گورنر مقرر فرمایا۔ محمد ابن الحنیفہ رضی اللہ عنہ یعنی اپنے حقیقی بیٹے کو فوج کا سپریم کمانڈر مقرر فرمایا۔ یہ سب حضرات نوجوان تھے اور ناتجربہ کار بھی۔ یہ کسی لحاظ سے بھی عمال عثمانی رضی اللہ عنہ سے بہتر، زیادہ تجربہ کار اور کاروبار حکومت سے زیادہ واقف کار نہ تھے۔

صفر ۳۶ھ میں یعنی سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت سے قریباً تین ماہ بعد سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو ایک قاصد کی معرفت پتہ چلا کہ شام قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ سے قصاص لینے پر تلا ہوا ہے۔ قاصد نے کسی ایک کو یہ بھی بتایا کہ شام میں ساٹھ ہزار شیوخ کو اس حال میں چھوڑا ہے کہ عثمان رضی اللہ عنہ کی خون آلود قمیص پر ان کی داڑھیاں آنسوؤں سے تر ہیں اور انھوں نے اس بات کا عزم کر لیا ہے کہ جب تک وہ اس خون ناحق کا قصاص نہیں لے لیں گے، اس وقت تک ان کی تلواریں بے نیام رہیں گی۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو البدایہ والنہایہ:۷/۲۲۹، ابن اثیر:۳/۱۰۴، اخبار الطوال:۱۴۱)

یہ بات سن کر سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں۔ آپ کے ساتھیوں نے آپ کو روکا، لیکن بارگاہ خلافت میں ان کی کوئی شنوائی نہ ہوئی، آپ کے صاحب زادے نے بھی آپ کو روکا، لیکن ان کی بات بھی نہ مانی گئی۔ چنانچہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے:

''اس مشورے کو انھوں نے قبول نہ فرمایا بلکہ جنگ کا مصمم ارادہ فرما لیا اور اس کے لیے لشکر بھی مرتب فرما لیا'' (ھل صمم علی القتال ورتب الجیش) (البدایہ والنہایہ:۷/۲۲۹)

آپ نے سیدنا محمد ابن الحنیفہ رضی اللہ عنہ کو علم بردار لشکر، سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو میمنہ پر، سیدنا عمرو بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ کو میسرہ پر اور سیدنا ابوعبیدہ ابن الجراح رضی اللہ عنہ کے بھتیجے ابو یعلیٰ کو مقدمۃ الجیش پر امیر مقرر فرمایا۔ غرضیکہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے جنگ کرنے کے لیے پوری پوری تیاریاں کر لیں اور آپ شام کا قصد کرنے ہی والے تھے کہ درمیان میں جنگ جمل کا حادثہ پیش آ گیا۔

Marfat.com

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے مصالحت کی کوشش:

جنگ جمل کی خونریزی نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو بہت زیادہ متاثر کیا۔ لہٰذا آپ نے پہلے مصالحت کے لیے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو ایک خط لکھا اور سیدنا جریر بن عبداللہ البجلی رضی اللہ عنہ کو دے کر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا۔ خط میں لکھا تھا: ''چونکہ مہاجرین وانصار نے میری بیعت کر لی ہے، لہٰذا تم بھی میری بیعت کرو۔'' خط پہنچنے پر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے رؤسائے شام اور سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو مشورے کے لیے بلایا۔ ان سب نے یک زبان ہو کر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی بیعت سے انکار کر دیا۔

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے سیدنا جریر رضی اللہ عنہ کو لوگوں کے جذبات سے آگاہ کرنے کے لیے انھیں چند روز وہاں روکے رکھا۔ انھوں نے دیکھا کہ لوگ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی خون میں لتھڑی ہوئی قمیص اور سیدہ نائلہ رضی اللہ عنہا کی کٹی ہوئی انگلیاں دیکھ دیکھ کر روتے ہیں اور انھوں نے قسمیں کھائی ہیں کہ جب تک وہ قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ سے قصاص نہیں لے لیں گے، اس وقت تک نہ تو وہ اپنی بیویوں کے پاس جائیں گے اور نہ ہی وہ بستر پر سوئیں گے۔

سیدنا جریر رضی اللہ عنہ نے شام میں جو کچھ دیکھا تھا، اس کی پوری رپورٹ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو دے دی اور بتایا کہ لوگ قاتلان عثمان رضی اللہ عنہ سے قصاص کے بارے میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہیں۔ یہ سن کر مالک الاشتر لال پیلا ہو گیا اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے کہنے لگا کہ اگر آپ مجھے قاصد بنا کر بھیجتے تو میں اس سے بہتر بات چیت کر کے آتا لیکن سیدنا جریر رضی اللہ عنہ نے کہا: ''بڑے میاں! اگر آپ وہاں چلے جاتے تو وہ لوگ آپ کو زندہ واپس نہ آنے دیتے کیونکہ وہ تمھیں بھی قاتلان عثمان رضی اللہ عنہ میں سے سمجھتے ہیں۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے مصالحت کی کوشش کو رائیگاں سمجھتے ہوئے جنگ کی تیاریاں بڑے زور شور سے کرنا شروع کر دیں اور ۸۰ ہزار کے قریب لشکر اکٹھا کر لیا۔

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی جوابی کارروائی:

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو جب پتہ چلا کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ جنگی تیاریوں میں مصروف ہیں تو آپ نے بھی جوابی کارروائی کے طور پر انتظامات شروع کر دیئے۔ چنانچہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ''سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے صفین کی جنگ کی ابتداء نہیں کی تھی بلکہ آپ تو اس بات کے سب سے زیادہ خواہش مند تھے کہ لڑائی نہ ہو۔''

(منہاج السنہ: ۲/۲۱۹)

دونوں طرف سے جنگ کی تیاریوں کو دیکھ کر مخلص اور بہی خواہان امت کو پھر پریشانی لاحق ہونے لگی کیونکہ ابھی تک جنگ جمل کے شہداء کا خون خشک نہیں ہوا تھا کہ یہ دوسرا خونریز مرحلہ امت کے سامنے پیش آ گیا۔ یہ جنگ بھی چونکہ مسلمانوں کے مابین تھی، لہٰذا اکثر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس آگ سے اپنے دامن کو بچانے کی پوری پوری کوشش کی اور اکثر اس میں کامیاب بھی ہو گئے۔

Marfat.com

مصالحت کی ایک اور کوشش:

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی جنگی تیاریوں کو دیکھ کر شام کے مسلمانوں میں سے کچھ لوگوں کی رائے یہ تھی کہ معاملہ کو خط و کتابت اور زبانی بات چیت کے ذریعے طے کیا جائے اور کوئی ایسا قدم نہ اٹھایا جائے جس سے خون مسلم کی ارزانی ہو۔ چنانچہ وہاں کے ایک عابد، شب زندہ دار اور دردمند دل رکھنے والے بزرگ سیدنا ابو مسلم الخولانی رضی اللہ عنہ چند مسلمانوں کے ساتھ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور کہا: ''آپ علی رضی اللہ عنہ سے برسر پیکار ہونا چاہتے ہیں، کیا آپ اپنے کو ان کے ہم پایہ اور برابر سمجھتے ہیں؟ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ ''میں اپنے کو علی رضی اللہ عنہ کے برابر ہرگز نہیں سمجھتا بلکہ علی رضی اللہ عنہ مجھ سے افضل ہیں اور امر خلافت میں بھی مجھ سے زیادہ حق دار ہیں، لیکن کیا تم نہیں جانتے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ مظلوم شہید ہوئے ہیں اور میں ان کا چچازاد بھائی ہوں اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کے قصاص کا طلب گار ہوں، لہٰذا تم علی رضی اللہ عنہ سے جا کر کہو کہ اگر وہ قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ سے قصاص لینے کی طاقت نہیں رکھتے تو انھیں ہمارے حوالے کر دیں، ہم خود ان سے قصاص لے لیں گے۔ پھر دیکھیں کہ میں ان کی کیسے اطاعت کرتا ہوں اور ان کی خلافت کو کیسے تسلیم کرتا ہوں۔ (تاریخ الاسلام ذہبی: ۲/ ۱۶۸، البدایہ والنہایہ: ۸/ ۱۶۹)

سیدنا ابو مسلم الخولانی رضی اللہ عنہ نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ یہ سب باتیں مجھے لکھ دیں۔ چنانچہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان مطالبات کو الفاظ کا جامہ پہنایا اور ایک خط کی شکل میں ابو مسلم خولانی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔ آپ نے وہ خط سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش کیا اور زبانی بھی سارے حالات بیان کر دیئے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ابو مسلم خولانی رضی اللہ عنہ کی یہ سب باتیں غور سے سنیں۔ آپ نے اس روز تو ابو مسلم رضی اللہ عنہ کو کوئی جواب نہ دیا، لیکن دوسرے روز ابو مسلم خولانی رضی اللہ عنہ جامع مسجد کوفہ میں جب سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے ملنے گئے تو دیکھا کہ وہاں دس ہزار مسلح افراد نعرہ لگا رہے ہیں کہ ''ہم سب قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ ہیں۔''

یہ دیکھ کر ابو مسلم خولانی رضی اللہ عنہ نے کہا: ''معلوم ہوتا ہے کہ ان کو میرے آنے کی وجہ معلوم ہوگئی ہے اور انھوں نے اپنے تحفظ کے لیے یہ تدبیر سوچی ہے۔'' بعد ازاں سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو حسب ذیل تحریری جواب دیا:

''معاویہ رضی اللہ عنہ! قتل عثمان رضی اللہ عنہ سے میرا کوئی تعلق نہیں۔ میں اس سے بالکل بری ہوں۔ نہ میں نے کسی کو ان کے خلاف بھڑکایا اور نہ ہی کسی کی معاونت کی ہے۔ ہاں جب ہنگامے نے زیادہ خطرناک صورت اختیار کر لی تو میں خانہ نشین ہوگیا۔ میرے خیال میں قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ سے قصاص کے مطالبہ کو آپ اپنے مقصد کے حصول کا ذریعہ بنانا چاہتے ہیں۔ اگر آپ اس فتنہ انگیزی سے باز نہ آئے تو جو سلوک باغیوں سے کیا جاتا ہے، وہی آپ سے کیا جائے گا۔'' (اخبار الطوال: ۱۷۳، ملخصاً)

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے خط نے حالات کی جبین سے وہ شکنیں دور نہ کیں جو جنگ پر منتج ہو رہی تھیں۔ چنانچہ اب سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک گشتی مراسلے کی شکل میں تمام عالم اسلامی کو وہ اسباب اور وجوہات لکھ بھیجیں جنھوں

Marfat.com

نے انھیں اس بات پر مجبور کیا تھا۔ یہ گشتی مراسلہ انھوں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے گورنروں کے نام بھی روانہ کیا۔ آپ نے اس میں لکھا کہ ''تم لوگ اطاعت و جماعت کی طرف دعوت دیتے ہو، وہ ہمارے ساتھ بھی ہے۔ رہی تمھارے دوست کی اطاعت سو وہ ہم پر فرض نہیں کیونکہ تمھارے دوست (سیدنا علی رضی اللہ عنہ) نے ہمارے خلیفہ کو قتل کرایا۔ ہماری جماعت میں انتشار پیدا کیا۔ ہمارے خلیفہ کے قاتلوں کو پناہ دی اور ان کو اپنے ہاں بڑے بڑے عہدوں سے نوازا۔ تمہارا رفیق کہتا ہے کہ میں قتل عثمان رضی اللہ عنہ سے بری ہوں، ہم اس کی تردید نہیں کرتے، لیکن کیا تم لوگوں نے عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں کو دیکھا ہے۔ کیا وہ علی رضی اللہ عنہ کے دوست نہیں ہیں اور کیا وہ ان کو اپنے دامن میں پناہ نہیں دے رہے ہیں؟ تمھارے امام کا فرض ہے کہ وہ ان قاتلوں سے قصاص لے اور اگر خود قصاص لینے پر قدرت نہیں رکھتے تو ان قاتلوں کو ہمارے حوالے کر دیں تا کہ ہم خلیفۃ المسلمین کے قتل کا قصاص لیں اور پھر جماعت اور اطاعت کی طرف لبیک کہیں۔''

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے اس گشتی مراسلے نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے لیے ایک بہت بڑی مشکل پیدا کر دی، کیونکہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے لیے قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ سے قصاص لینا یا انھیں مطالبۂ قصاص کرنے والوں کے حوالے کرنا آسان نہیں تھا جب کہ وہی لوگ آپ کے دست و بازو اور اعوان و انصار تھے۔ چنانچہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اس گشتی مراسلے کا جو جواب دیا، لوگوں کے دل اس سے مطمئن نہ ہوئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ آپ کے اعوان و انصار کی ایک بہت بڑی تعداد آپ سے الگ ہو گئی۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی شام روانگی:

مصالحت کی سب تدبیریں الٹی ہو گئیں اور نتیجتاً وہ ہنگامہ پیش آ گیا جس سے بچنے کے لیے یہ سب کچھ کیا جا رہا تھا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے جب دیکھا کہ معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے مطالبہ سے باز نہیں آ رہے تو انھوں نے سیدنا ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ کو کوفہ میں اپنا قائم مقام مقرر فرما کر ذی الحجہ ۳۶ھ میں ۸۰ ہزار فوج کے ساتھ کوفہ سے شام کی طرف کوچ فرمایا۔ یعقوبی شیعی نے لکھا ہے کہ اس لشکر میں ۷۰ بدری صحابہ، سات سو بیعت رضوان کے شرکاء اور چار سو عام مہاجرین و انصار تھے۔ (یعقوبی: ۲/۲۱۸) لیکن یہ روایت صحیح نہیں ہے۔ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے امام محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ کا اس بارے میں ایک قول نقل کیا ہے کہ ''فتنہ اٹھا اور اصحاب رسولؐ اس وقت ۱۰ ہزار تھے، لیکن ان میں سے سو بھی اس میں شامل نہ تھے، بلکہ ۳۰ بھی نہیں تھے۔'' (البدایہ والنہایہ: ۷/۲۵۲) اور امام شعبہ رحمۃ اللہ علیہ سے جب یہ کہا گیا کہ ابو شیبہ رحمۃ اللہ علیہ یہ کہتے ہیں کہ صفین میں ۷۰ بدری صحابہ نے شرکت کی تو امام شعبہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ''ابو شیبہ سے غلطی ہو گئی ہے۔'' شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے لکھا ہے کہ ''اصحاب بدر شہادت عثمان کے بعد خانہ نشین ہو گئے اور وہ اپنی قبروں کے سوا اور کہیں نہ نکلے۔'' (البدایہ والنہایہ: ۷/۲۵۳) اس روایت کے غلط ہونے کے بارے میں اور بھی کئی شہادتیں ہیں۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے لشکر کی روانگی کا سن کر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ بھی شام سے نکل پڑے۔ ان کا مقدمۃ الجیش

Marfat.com

ابوالاعور سلمی رضی اللہ عنہ کی قیادت میں جارہا تھا۔ اس کی راستہ میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ہراول دستہ سے مڈھ بھیڑ ہوگئی۔ ابوالاعور نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے مقدمۃ الجیش کو آگے بڑھنے سے روکا جس سے دونوں جانب سے لڑائی شروع ہوگئی۔ ابوالاعور رضی اللہ عنہ نے حالات کی نزاکت کے تحت رات کی تاریکی میں اپنی فوج کو پیچھے ہٹالیا اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی فوج کی آمد کی اطلاع دی۔ انھوں نے صفین کے میدان کو مدافعت کے لیے منتخب کیا اور وہاں اپنے ڈیرے جمادیئے۔

میدان جنگ میں مصالحت کی کوشش:

اگرچہ دونوں فوجیں میدان صفین میں آمنے سامنے ڈیرے ڈالے ہوئے تھیں لیکن یہ کسی کے ذہن میں بھی نہیں تھا کہ اس دریا میں پانی کی بجائے کسی روز خون بہے گا۔ سبائی اس کوشش میں تھے کہ دونوں پارٹیاں برسرپیکار ہوجائیں لیکن خیرخواہانِ امت اس بات کی کوشش میں مصروف تھے کہ فریقین میں کسی صورت مصالحت ہوجائے۔ چنانچہ دونوں طرف سے مصالحتی مشن کام کرنے لگے۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے بشیر بن عمرو انصاری، سعید بن قیس الہمدانی اور شبیث بن ربعی نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس جاکر کہا، ''اے معاویہ رضی اللہ عنہ! یہ دنیا فانی ہے اور آخرکار آپ کو آخرت کی طرف لوٹنا ہے اور اللہ تعالیٰ آپ کے اعمال کا محاسبہ فرمائیں گے۔ ہم آپ کو باہمی خونریزی اور تفرقے سے ڈراتے ہیں۔'' سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان تینوں حضرات سے کہا کہ ''آپ چاہتے کیا ہیں؟'' بشیر بن عمرو نے کہا کہ ''آپ اپنے چچازاد بھائی کی دعوت حق کو قبول کرلیں۔ اسی میں آپ کے لیے دین ودنیا کی بھلائی ہے۔'' سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے جواب میں فرمایا: ''اچھا آپ کا مطلب ہے کہ ہم خون عثمان رضی اللہ عنہ کا مطالبہ چھوڑ دیں۔ بخدا! ایسا کبھی نہیں ہوگا۔'' چنانچہ یہ بات چیت نتیجہ خیز ثابت نہ ہوئی۔ (طبری:۴/۵۷۳) اس کے بعد سیدنا عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ، یزید بن قیس، شبیث بن ربعی اور زیاد بن حفص ایک وفد کی شکل میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس مصالحت کی گفتگو کے لیے آئے لیکن یہ گفتگو بھی کسی طرح نتیجہ خیز ثابت نہ ہوئی۔

اس کے بعد سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے حبیب بن مسلمہ الفہری رضی اللہ عنہ، شرجیل بن السمط اور معن بن یزید کو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا۔ انھوں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ سے قصاص کے بارے میں کہا، لیکن سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے جواب سے ان کو اطمینان نہ ہوا اور وہ واپس سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس چلے آئے۔

(البدایہ والنہایہ:۷/۲۵۸، ابن اثیر:۳/۱۴۸)

تین ماہ تک صلح کی یہ کوششیں جاری رہیں، لیکن کوئی خاطر خواہ نتیجہ برآمد نہ ہوا۔ اسی اثنا میں دونوں طرف سے حملے کا ارادہ کیا گیا لیکن ہمدردانِ ملت نے بیچ بچاؤ کرادیا۔ ان تین ماہ کے دوران خط وکتابت اور بات چیت بالکل بے اثر ثابت ہوئی اور معاملہ جنگ تک پہنچ ہی گیا۔ (البدایہ والنہایہ:۷/۲۵۹)

Marfat.com

جمادی الاولیٰ ۳۶ھ کے اواخر سے جنگ باقاعدہ شروع ہوگئی۔ ابتداء میں لڑائی کا طریقہ یہ تھا کہ صبح و شام ایک جماعت ادھر سے نکلتی اور ایک جماعت ادھر سے اور وہ آپس میں لڑتیں۔ پورا لشکر دوسرے لشکر سے نہیں بھڑا۔ یہ سلسلہ جمادی الآخر تک جاری رہا، لیکن جوں ہی رجب کا چاند نظر آیا تو شہر حرم کی عظمت کے خیال سے دونوں طرف سے جنگ کا سلسلہ منقطع ہوگیا اور پھر ہمدردان امت کی طرف سے مصالحت کی کوششیں شروع ہوگئیں۔ (اخبار الطّوال:۱۷۰) چنانچہ دو جلیل القدر صحابی سیدنا ابوالدرداء رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابو امامہ الباہلی رضی اللہ عنہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور کہا:

''معاویہ رضی اللہ عنہ! آپ علی رضی اللہ عنہ سے کیوں لڑتے ہیں؟ بخدا! وہ آپ سے اور آپ کے والد سے اسلام لانے کے لحاظ سے مقدم ہیں اور قرابت رسولؐ کے لحاظ سے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زیادہ قریب اور خلافت کے لیے بھی آپ سے زیادہ مستحق ہیں۔''

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان تمام باتوں کو تسلیم کرتے ہوئے جواب دیا:

''میں تو صرف عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کے قصاص کے لیے لڑتا ہوں کیونکہ انھوں نے قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ کو اپنے ہاں پناہ دے رکھی ہے۔ آپ دونوں حضرات سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے پاس جائیں اور ان سے کہیں کہ آپ قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ سے قصاص لیں۔ اس کے بعد اہل شام میں سے سب سے پہلے میں ان کی بیعت کروں گا۔'' (انا اول من بایعه من اهل الشام)

(اخبار الطّوال:۱۷۰، البدایہ والنہایہ:۷/۲۵۹، ابن اثیر:۳/۲۹۰)

یہ بات ان دونوں حضرات کی سمجھ میں آ گئی، لہٰذا وہ دونوں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی پوری گفتگو سے انھیں مطلع کیا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''وہ یہی لوگ ہیں جن کو آپ دیکھ رہے ہیں۔'' اتنے بہت سے لوگ جن کی تعداد بیس ہزار کے لگ بھگ تھی، بیک آواز بول اٹھے:

نحن جميعا قتلنا عثمان۔

''ہم سب نے عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کیا ہے۔''

علوی فوج کا یہ حال دیکھ کر دونوں بزرگ سمجھ گئے کہ یہ معاملہ سلجھنے والا نہیں، چنانچہ وہ دونوں لشکروں کو چھوڑ کر ساحلی علاقے کی طرف نکل گئے اور اس جنگ سے اپنا دامن بچا گئے۔

جنگ کا دوبارہ آغاز:

رجب ۳۶ھ سے محرم ۳۷ھ تک دونوں طرف بالکل سکوت رہا۔ چنانچہ صفر ۳۷ھ میں دوبارہ جنگ کا آغاز ہوگیا۔ شروع شروع میں اب بھی معمولی جھڑپیں ہوئیں لیکن اب کی جھڑپیں پہلے کی نسبت سخت تھیں۔ جب معاملے نے طول کھینچا تو ایک روز سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی ساری فوج نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی ساری فوج پر حملہ کر دیا۔

Marfat.com

نہایت شدت کا رن پڑا جس میں کافی لوگ شہید ہوئے۔ تاریخ کے رپورٹر بتاتے ہیں کہ ۲۴ گھنٹوں تک اس زور کا رن پڑا کہ نعروں کی گرج، تلواروں کی جھنکار اور گھوڑوں کی ٹاپوں اور نیزوں کے شور سے کرۂ ارضی تھرّا رہا تھا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ قلب لشکر میں کھڑے اپنے لشکر کے قبائل کو ابھارتے اور انھیں پیش قدمی اور صبر و ثبات کا حکم دے رہے تھے۔ (البدایہ والنہایہ: ۷/۲۷۱) یہ رات تاریخ میں ''لیلۃ الہریر'' کے نام سے مشہور ہے۔ ''ہریر'' عربی میں شور و غوغا اور گھن گرج کو کہتے ہیں۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: اخبار الطوال: ۱۹۵، طبری: ۶/۲۶، مروج الذہب: ۲/۲۷، البدایہ والنہایہ: ۷/۲۷۱۔۲۷۲)

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ ہرگز جنگ کو پسند نہیں فرماتے تھے، لہٰذا انھوں نے سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے مشورہ سے جنگ کو بند کرانے کے لیے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی جنگ جمل والی تدبیر اختیار کی یعنی قرآن حکیم کو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا اور کہا: ''ہمارے اور تمھارے درمیان یہ قرآن حکم ہے'' (ھذا حکم بیننا وبینکم)۔ بعض صحابہ دشمن لوگوں نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی اس بات کو جنگی چال کا نام دیا، حالانکہ امت مسلمہ کو خونریز جنگ سے بچانے کے لیے یہ تدبیر اختیار کی گئی تھی۔

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی اس تدبیر سے جنگ رک گئی اور اکثریت نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ قرآن کو حکم بنا کر اس کے مطابق فیصلہ کیا جائے بلکہ بعض لوگوں نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ اگر قرآن کو حکم نہ مانا گیا تو ہم آپ کو بھی عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا دیں گے۔ (ابن اثیر: ۳/۱۶۱، البدایہ والنہایہ: ۷/۲۷۳)

''طبری'' اور ''مسعودی'' وغیرہ میں مرقوم ہے کہ پانچ سو قرآن نیزوں پر اٹھائے گئے اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے اس فعل کو مکاری اور عیاری پر محمول کیا اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ، سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ، سیدنا حبیب بن مسلمہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا ضحاک بن قیس رضی اللہ عنہ وغیرہ کا نام لے کر فرمایا کہ ''ان کو نہ دین سے کوئی سروکار ہے اور نہ قرآن سے کوئی تعلق۔ میں ان کو اس وقت سے جانتا ہوں جب وہ بے شعور بچے تھے۔ میری آنکھوں کے سامنے یہ جوان ہوئے۔ یہ جب بچے تھے تب بھی بدتر تھے اور اب جبکہ یہ جوان مرد ہو چکے ہیں، بدترین مرد ہیں۔ اب جو انھوں نے قرآن کو نیزوں پر اٹھایا، یہ محض دھوکہ، مکاری اور عیاری ہے۔'' (طبری: ۵/۲۱۶، مروج الذہب: ۲/۲۸، ابن اثیر: ۳/۱۶۱، ابن ابی الحدید: ۲/۲۱۶) روایت کا لب و لہجہ صاف بتا رہا ہے کہ یہ بالکل من گھڑت ہے۔ بھلا سیدنا علی رضی اللہ عنہ جیسا شخص ان جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں ایسے الفاظ کیسے استعمال کر سکتا ہے۔

اسنادی حیثیت سے یہ روایت پایۂ اعتبار سے گری ہوئی ہے، کیونکہ اس کا راوی ابو مخنف لوط بن یحییٰ جیسا کذاب اور پکا شیعہ ہے۔ (اس کذاب راوی کا حدود اربعہ جاننے کے لیے ملاحظہ ہو: ''میزان الاعتدال'': ۲/۳۶۰، تذکرۃ الموضوعات: ۲۸۶، البدایہ والنہایہ: ۸/۲۰۲، لسان المیزان: ۴/۴۹۲ وغیرہ) ایسا ناقابل اعتبار شخص جس کو بڑے بڑے محدثین اور اصحاب الجرح والتعدیل نے کذاب، متروک، ضعیف، غیر ثقہ اور جلا بھنا شیعہ کہا ہو، اس کی روایات پر اعتماد کر کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جیسی قابل اعتماد اور لائق اعتبار شخصیات کی عظمت و تقدس کو مجروح نہیں کیا جا سکتا۔

Marfat.com

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے لشکر میں انتشار:

بہر حال جنگ رک گئی، لیکن جنگ رکنے کے ساتھ ہی سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے لشکر میں پھوٹ پڑ گئی۔ مالک الاشتر اور اس کے سبائی گروہ کو چونکہ جنگ میں فائدہ تھا، لہٰذا انھوں نے اس تدبیر کو دوسرے فریق کی مکاری ظاہر کر کے دوسروں کو بھی اپنے ساتھ ملانا چاہا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے لشکر کے وہ حضرات جو سبائی نہیں تھے، انھوں نے سبائیوں کے علی الرغم لڑائی بند کر دی۔ کچھ لوگوں نے کہا کہ ہمیں قرآن کی اس دعوت کو رد نہیں کرنا چاہیے اور دھمکی دی کہ قرآن کے درمیان میں آنے کے بعد بھی اگر جنگ بند نہ ہوئی تو وہ نہ صرف فوج سے الگ ہو جائیں گے بلکہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا مقابلہ بھی کریں گے۔ (طبری: ۶/ ۲۷، مروج الذہب: ۲/ ۲۸، ابن اثیر: ۳/ ۱۶۱)

اس معرکے میں کس قدر خونریزی ہوئی، اس کا اندازہ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کے اس بیان سے لگا لیں۔ فرماتے ہیں:

''اہل شام کی تعداد ۶۰ ہزار تھی جن میں سے ۲۰ ہزار قتل ہو گئے جبکہ اہل عراق کی تعداد ایک لاکھ ۲۰ ہزار تھی جن میں سے ۴۰ ہزار مقتول ہوئے۔'' (البدایہ والنہایہ: ۷/ ۲۷۵)

اتنی بڑی خونریزی کو روکنے کے لیے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے کتاب اللہ کو حکم بنایا تھا اور اس طریقے سے جنگ رکوائی تھی۔ کتاب اللہ کو حکم مانتے ہی دونوں طرف پھر الفت و محبت کی لہر دوڑ گئی اور بغض و عناد کا جذبہ جو جنگ کی تلخیوں کی وجہ سے وقتی طور پر پیدا ہو گیا تھا، یک قلم ختم ہو گیا تھا۔ (اخبار الطوال: ۱۹۰۔۱۹۱) لیکن سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے لشکر کی ایک جماعت نے جس کی تعداد بارہ ہزار کے قریب تھی، اس تحکیم کو کفر اور گناہ عظیم قرار دیا۔ (ابن اثیر: ۳/ ۱۶۹)

اس جماعت کے دو سرداروں زرعہ بن برج الطائی اور برقوص بن سعید السعدی نے اپنی بات پر اصرار کیا اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو تحکیم کے گناہ عظیم سے توبہ کرنے کے لیے کہا، لیکن آپ ان کی بات ماننے کے لیے تیار نہ ہوئے۔ یہ جماعت خوارج کے نام سے مشہور ہوئی اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے خونریز جنگوں کے بعد اسے ختم کیا۔ اس جماعت کا تعلق بھی دراصل قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ ہی سے تھا۔ انھوں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ پر زور دیا کہ تحکیم کو جلد از جلد توڑ دیا جائے لیکن سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں عہد شکنی کر کے قبل از وقت جنگ شروع کر دوں، بخدا! یہ نہیں ہو سکتا۔ ان لوگوں کو سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے اس قدر دشمنی اور کدورت پیدا ہو گئی کہ انھوں نے کوفہ میں رہنا بھی پسند نہ کیا اور ''حروراء'' نامی ایک بستی میں جا کر قیام پذیر ہو گئے۔ اس وجہ سے انھیں ''حروریہ'' بھی کہا جاتا ہے۔
(ابن اثیر: ۳/ ۱۶۵۔۱۶۹، البدایہ والنہایہ: ۷/ ۲۷۷)

سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کا قتل:

کہا جاتا ہے کہ جنگ کے دوران ایک ایسا واقعہ پیش آ گیا جس سے ظاہر ہو گیا کہ اس جنگ میں حق پر

Marfat.com

کون ہے اور باطل پر کون۔ وہ واقعہ یہ تھا کہ سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ جو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی فوج میں شامل تھے، سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی فوج سے لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔ سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد تھا:

تقتلك الفيئة الباغية۔

''اے عمار رضی اللہ عنہ! تجھے ایک باغی گروہ قتل کرے گا۔'' (بخاری، مسلم)

اگر یہ حدیث صحیح ہے تو بھی اس حدیث سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ سیدنا عمار رضی اللہ عنہ کو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے گروہ نے شہید کیا تھا۔ صرف دعویٰ کر دینے سے کوئی بات ثابت نہیں ہوتی جب تک کہ اس کی کوئی دلیل نہ ہو۔ بعض حضرات نے اور خصوصی طور پر اردو کے مورخین نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے حق پر ہونے کی اسے ''نص صریح'' قرار دیا ہے۔ حالانکہ ''نص صریح'' ثبوت حکم کے اعتبار سے قطعی الدلالہ ہوتی ہے مگر اپنے مصداق پر قطعی الدلالہ صرف اس وقت ہوتی ہے جب مصداق کا مصداق ہونا قطعی اور یقینی طور پر ثابت ہو۔ جب تک یہ بات یقینی نہ ہو کہ اس کا مصداق فلاں ہے اس وقت تک اس فلاں کے لیے حکم نص ثابت نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ اس حدیث سے یہ بات ہرگز ثابت نہیں ہوتی کہ سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی فوج نے ہی شہید کیا تھا۔ اگر سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے لشکر نے شہید کیا ہوتا تو اس حدیث کی رو سے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ واقعی باغی قرار دیئے جا سکتے تھے اور اس نص صریح سے اگر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کا لشکر باغی تھا تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے تحکیم کو کیوں قبول کیا؟

دوسری بات یہ کہ جو حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اب تک غیر جانبدار تھے انھیں بھی شہادت سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے باعث فوری طور پر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی حمایت میں کھڑے ہو جانا چاہیے تھا، لیکن تاریخ کے اوراق بتاتے ہیں کہ خود سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے اپنے ساتھیوں پر بھی راہ حق مشتبہ اور غیر واضح تھی۔ انھیں بالکل معلوم نہیں تھا کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے لشکر کا ایک شخص جس کے ہاتھ میں ایک قبیلے کا علم بھی تھا یہ کہتا ہوا پایا گیا کہ ''اے اللہ! تو نے ہمیں جہالت اور ضلالت سے نکال کر ہدایت کی صراط مستقیم نصیب فرمائی، لیکن آج ہم پھر ابتلا اور آزمائش میں ڈال دیئے گئے ہیں اور ہمیں پتہ نہیں چلتا کہ حق کیا ہے۔ ہم ریب اور شک میں مبتلا ہیں۔'' (ابن اثیر: ۳/۲۴۶)

معلوم ہوا کہ خود سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے لشکریوں پر حق ظاہر نہیں تھا۔ اگر یہ حدیث صحیح ہوتی تو سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کی شہادت تو بہت بڑی بات ہے، سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے لشکر میں ان کی موجودگی دیکھ کر ہی تمام صحابہ رضی اللہ عنہم سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تعاون کرتے، یہاں تک کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ یکہ و تنہا رہ جاتے لیکن ایسا نہیں ہوا بلکہ جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم غیر جانبدار رہے۔

تیسری بات اس بارے میں یہ ہے کہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کا سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں خلافت سے دستبردار ہو جانا ہمارے دعویٰ کی مزید تائید کرتا ہے، کیونکہ اگر سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کی شہادت نے حق و باطل کو

Marfat.com

واضح کر دیا تھا تو صاف ظاہر تھا کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے موقف کے لحاظ سے باطل پر تھے اور سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کا باطل کے حق میں دست بردار ہونا خود باطل ہے۔

بلکہ اس کے برعکس حدیث صحیح میں تو یہ ہے کہ دونوں حضرات حق پر تھے۔ چنانچہ ''بخاری'' ہی کی حدیث ہے:

لاتقوم الساعة حتی تقتل فیئتان عظیمتان یقتل بینهم مقتلة عظیمة ودعواهما واحدة۔

''قیامت قائم نہ ہوگی جب تک دو بڑی جماعتوں میں لڑائی نہ ہو۔ ان کے مابین سخت جنگ وقتال ہوگا اور ان دونوں جماعتوں کا دعویٰ ایک ہوگا۔'' (بخاری: ۲/ ۱۰۲۵، ۱۰۵۴)

حق و باطل کا مدار ''دعویٰ'' اور ''دعوت'' پر ہوتا ہے۔ اگر ان دونوں جماعتوں کا دعویٰ ایک تھا تو پھر ہمارا ذہن یہ بات سمجھنے سے قاصر ہے کہ ان میں ایک جماعت حق پر ہو اور دوسری صریحاً باطل پر۔

اس حدیث کی مزید تائید سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے اس مکتوب سے بھی ہوتی ہے جو ''نہج البلاغہ'' کے صفحہ ۵۴۳ پر درج ہے۔ اس میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے صاف فرمایا کہ ''ہماری اور ان کی دعوت اسلام بھی ایک ہے۔ نہ ہم ایمان باللہ اور تصدیق بالرسالتؐ میں ان سے زیادہ ہیں اور نہ وہ ہم سے زیادہ ہیں۔'' اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ دونوں حضرات کی دعوت فی الاسلام ایک ہی تھی، لہٰذا وہ دونوں حق پر تھے۔

جنگ صفین کے مقتولین:

جنگ صفین میں دونوں طرف سے جو لوگ قتل ہوئے ان کے بارے میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا تو آپ نے جواب میں فرمایا:

قتلانا وقتلاهم فی الجنة۔

''ہمارے اور معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقتولین دونوں جنت میں ہیں۔'' (کنز العمال: ۶/ ۸۶، سیر اعلام النبلاء: ۳/ ۹۵)

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں نے ایک روز آپ سے پوچھا کہ معاویہ رضی اللہ عنہ کے جو ساتھی معرکۂ صفین میں مارے گئے تھے ان کا شرعی حکم کیا ہے؟ کیا وہ مومن تھے؟ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا، ''وہ سب مومن تھے۔'' (ابن عساکر: ۱/ ۳۳، منہاج السنہ: ۳/ ۶۱) یہی وجہ تھی کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ان کے حق میں خود بھی کلمۂ خیر کہا اور اپنے ساتھیوں کو ان کے بارے میں نازیبا الفاظ کہنے سے سختی سے روکا، بلکہ فرمایا:

فانهم زعموا انا بغینا علیهم وزعمنا انهم بغوا علینا۔

''انھوں نے یہ سمجھا کہ ہم نے ان کے خلاف بغاوت کی ہے اور ہم نے یہ سمجھا کہ انھوں نے ہمارے خلاف بغاوت کی ہے۔'' (ابن عساکر: ۱/ ۳۲۹)

چنانچہ جنگ کے اختتام پر سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقتولین کی تجہیز و تکفین کی اور خود ان کی نماز جنازہ پڑھائی۔

Marfat.com

تحکیم

جنگ بند ہونے کے بعد باہمی مشورے سے یہ طے پایا کہ دونوں جانب سے ایک ایک حکم مقرر کیا جائے اور وہ متنازعہ فیہ مسئلہ کا کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کریں اور وہ فیصلہ فریقین کے لیے واجب التسلیم ہو۔ جو فریق اس فیصلے کو نہ مانے اس کے خلاف دوسرے فریق کی امداد کی جائے۔

اس قرارداد کے پاس ہو جانے کے بعد اہل شام نے متفقہ طور پر سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا نام بطور حکم (ثالث) پیش کیا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اہل عراق کی طرف سے سیدنا عبداللہ بن قیس رضی اللہ عنہ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو ثالث مقرر کرنا چاہا لیکن آپ کے لشکر کے لوگوں نے اس بات کی سخت مخالفت کی۔ (البدایہ والنہایہ: ۷/۲۷۶) لیکن آدمی بھیج کر سیدنا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کو ''عرض'' سے بلوایا گیا جہاں وہ عزلت کی زندگی بسر کر رہے تھے۔

اب دونوں ثالثوں نے باہمی گفت وشنید کے بعد ایک معاہدہ مرتب کیا جو حسب ذیل ہے:

''یہ ہے وہ معاہدہ جو علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب اور معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کے مابین ہوا۔ علی رضی اللہ عنہ نے یہ معاہدہ تمام اہل کوفہ اور اپنے سب ساتھیوں، مسلمانوں اور مومنین کی طرف سے اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ معاہدہ تمام اہل شام اور سب ساتھیوں، مسلمانوں اور مومنین کی طرف سے کیا۔

ہم اللہ رب العزت اور اس کی کتاب قرآن حکیم کے سامنے سر تسلیم خم کرتے ہیں اور اس کے علاوہ اور کسی شے میں متحد نہیں ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ ابتداء سے اختتام تک ہم میں حاضر و ناظر ہیں۔ پس یہ دونوں ثالث جو کچھ کتاب اللہ میں پائیں گے اس کے مطابق عمل کریں گے اور اگر کتاب اللہ میں اس بارے میں کچھ نہ پائیں گے تو پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت عادلہ جامعہ، غیر متفرقہ پر عمل کریں گے۔

پھر فریقین کے سربراہوں میں سے ہر ایک نے الگ الگ عہد کیا کہ ''اس ثالثی نامہ میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے، میں اس پر عمل کرنے کا عہد کرتا ہوں اور مومنین پر اس فیصلے کی پابندی ضروری قرار دیتا ہوں۔ نیز عہد کرتا ہوں کہ جہاں کہیں بھی یہ جائیں تو یہ خود، ان کے اہل وعیال، ان کے اموال، ان کے شاہد وغائب سب امن وعافیت میں رہیں گے اور ان کے خلاف کسی قسم کا کوئی ہتھیار استعمال نہ کیا جائے گا۔ عبداللہ بن قیس رضی اللہ عنہ (ابوموسیٰ اشعری) اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ ذمہ داری

Marfat.com

عائد ہوتی ہے کہ وہ اس امت میں ثالثی کا فریضہ ادا کریں اور اس کو جنگ کی آگ میں نہ دھکیلیں اور نہ ہی اس میں تفریق کی صورت پیدا کر کے گناہ گار بنیں۔ فیصلے کا اعلان رمضان المبارک تک کریں اور اگر اس مدت میں اور تاخیر مقصود ہو تو باہمی رضامندی سے اس میں توسیع بھی کی جا سکتی ہے۔

اگر ثالثوں میں سے کوئی (قضائے الٰہی سے) فوت ہو جائے تو ہر گروہ کا سربراہ اس کے بجائے دوسرے ثالث کا تقرر کر سکتا ہے، لیکن وہ نیا ثالث عدل وانصاف کی صفات سے مزین ہو۔ ان ثالثیوں کے فیصلہ کی جگہ اہل کوفہ اور اہل شام کے درمیان ہو اور دونوں کی مرضی کے خلاف کوئی ان کے پاس نہ جائے، ہاں جسے وہ بلائیں وہ ان کے پاس جا سکتا ہے۔ پھر اس معاہدہ کی رو سے وہ اپنا فیصلہ قلم بند کریں گے اور جو شخص اس ثالثی نامہ کو نہ مانے اور اس میں کسی قسم کے ہیر پھیر اور ظلم کا مرتکب ہو تو تمام اہل اسلام اس کے خلاف دوسرے فریق کی مدد کریں گے۔" (طبری:۶/۲۹، اخبار الطوال:۱۹۵، اتمام الوفاء:۲۳۲، ابن ابی الحدید ۲/۲۳۳)

اس معاہدے پر دونوں جانب سے دستخط ہو گئے اور بہت سے گواہوں نے اپنی گواہیاں ثبت کر دیں۔ اس کے بعد دونوں لشکر اپنے اپنے علاقوں میں چلے گئے اور اپنی فوجوں کو منتشر کر دیا۔ اب یہ دونوں ثالث اکٹھے ہو کر ملت اسلامیہ کی بہتری کے لیے غور وفکر کرنے لگے۔ تاریخی رپورٹروں نے پہلے ثالث سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو انتہائی مکار، عیار اور فریب کار کہا ہے اور دوسرے ثالث سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو انتہائی سادہ، بیوقوف، ابلہ صفت اور مغفل ثابت کرنے کی انتہائی قبیح حرکت کی ہے اور دونوں کے متعلق ایسی ایسی روایات وضع کی ہیں جن کو نہ عقل قبول کرتی ہے اور نہ ہی نقلی طور پر ان میں صداقت کا شائبہ معلوم ہوتا ہے۔

فیصلۂ تحکیم:

الغرض متعدد مجلسوں میں ثالثوں نے اپنا فیصلہ مرتب کر لیا اور اس فیصلے کو تحریری طور پر مرتب کیا کیونکہ معاہدہ تحکیم ہی میں ایک شرط یہ تھی کہ دونوں ثالث مل کر جو فیصلہ کریں وہ زبانی نہ ہو بلکہ تحریری ہو۔ (طبری:۶/۲۹، محاضرات تاریخ الامم الاسلامیہ:۲/۲۹) چنانچہ معاہدۂ تحکیم ۱۳ صفر ۳۷ھ کو لکھا گیا تھا اور شعبان ۳۷ھ یعنی چھ ماہ بعد ثالثوں کا مقام اذرح پر اجتماع ہوا، گویا چھ ماہ تک ثالثوں نے تحقیقات کیں۔ مختلف لوگوں کی شہادتیں قلم بند کیں، پھر ان کی چھان پھٹک کر کے اس فیصلے کو لکھا گیا اور اس کے بعد سنایا گیا۔

دونوں فریقوں کے چار چار سو نمائندے رمضان المبارک ۳۷ھ اور بعض روایات کے مطابق شعبان میں اذرح کے مقام پر ثالثوں کا فیصلہ سننے کے لیے تشریف لائے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے چار سو مندوبین کی قیادت سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کر رہے تھے، جبکہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے چار سو مندوبین بھی فیصلہ سننے کے لیے آئے، لیکن خود یہ دونوں حضرات معاہدۂ تحکیم کے مطابق اس کانفرنس میں شریک نہ ہوئے۔ (محاضرات تاریخ الامم الاسلامیہ ۲/۷۱)

امت کی بدقسمتی اور دشمنان اسلام کی سازشوں سے وہ اصل تحریری فیصلہ آج ہمارے پاس موجود نہیں،

Marfat.com

لیکن مسعودی وغیرہ مورخین کواس بات کا اقرار ہے کہ:

انهمالم تخطبا وانما كتبا صحيفة۔

''ان دونوں حضرات نے زبانی خطاب نہیں فرمایا تھا بلکہ تحریری فیصلہ کیا تھا۔''

(مسعودی:۱/۲۷،عمروابن العاص۴۲)

اور فیصلہ موجود نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وہ روایات جن سے بنوامیہ کی ذرہ برابر بھی حمایت ہوتی ہے، مسلم نما سبائیوں نے تاریخ کے اوراق ہی سے محوکردی ہیں،لیکن اگر تاریخ کی موجودروایات کی ذراچھان پھٹک کی جائے اوران میں ذراتنقیدی نگاہ سے ٹوہ لگائی جائے تواصل حقیقت کی کچھ پرچھائیاں نظرآنے لگتی ہیں جن سے اس کانفرنس کانتیجہ سامنے آجاتا ہے جوحسب ذیل ہے:

① دونوں ثالث اس بات پر متفق تھے کہ حق دونوں جانب ہے اور یہ دونوں حضرات اپنے اپنے موقف میں مخلص ہیں۔ معاویہ رضی اللہ عنہ طلب قصاص میں اور علی رضی اللہ عنہ طلب بیعت میں، اور ان کے درمیان جو اختلاف ہے وہ صرف اجتہادی ہے۔لہٰذادونوں حضرات کواپنے اپنے موقف سے معزول کیا جائے یعنی معاویہ رضی اللہ عنہ قصاص کا مطالبہ اپنے ہاتھ میں نہ لیں اورسیدنا علی رضی اللہ عنہ تلوارروکیں۔موقف کی معزولی ہی کو مورخین نے خلافت سے معزولی پرمحمول کیا ہے حالانکہ خلافت کے دعویدارصرف سیدنا علی رضی اللہ عنہ تھے نہ کہ دونوں حضرات،لہٰذادونوں کی معزولی کا سوال ہی پیدانہیں ہوتا۔

② اس امرخلافت کا فیصلہ ایسے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اجتماع میں ہوجن سے اللہ کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا سے رخصت ہوتے وقت راضی تھا، کیونکہ اتنے بڑے قضیے کا فیصلہ ہمارے بس کا روگ نہیں۔اس فیصلے کے لیے سب سے پہلے رائے عامہ ہموارکرنا ضروری ہےاوراگرہم ابھی فیصلہ کربھی دیں توایسے فیصلے کا کوئی فائدہ نہیں جس کومنوانے کے لیے پشت پرکوئی مؤثر طاقت موجود نہ ہو۔اکابرصحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت جب اس کا فیصلہ کرے گی تووہ فیصلہ بہت جلدنافذ ہوگا۔

③ جب تک ارباب حل وعقد کے باہمی مشورے سے ازسرنوانتخاب عمل میں نہیں آجاتا،اس وقت تک دونوں اپنے اپنے زیراقتدارعلاقوں کانظم ونسق چلاتے رہیں اورآپس میں امن وسلامتی سے زندگی گزاریں۔

یہ تھا وہ فیصلہ جس کا مقام اذرح پر دونوں ثالثوں نے فریقین کے سامنے اعلان کیا،لیکن ہمارے مورخین نے خودساختہ روایات کے تیشے سے نخل اسلام کوکاٹنے کی کوشش کی ہے جس میں سیدنا عمروبن العاص رضی اللہ عنہ کے بارے میں وہ کچھ کہا گیا جوایک عام آدمی کے بارے میں بھی نہیں کہا جاسکتا۔پھرصحابہ رضی اللہ عنہم کا آپس میں گالی گلوچ کرنا بھی لکھا گیا۔

Marfat.com

خوارج اور جنگ نہروان:

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے نہایت خوش دلی اور رضا ورغبت کے ساتھ تحکیم کے فیصلہ کو قبول کیا تھا، جس سے ان کے اپنے لشکر میں موجود سبائیوں کی ساری امیدوں پر پانی پھر گیا، کیونکہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فیصلۂ تحکیم کو تسلیم کر کے اپنے آپ کو شوریٰ کے سپرد کر دیا تھا، اس وجہ سے ان کی فوج میں افتراق وخلفشار پیدا ہو گیا۔

گذشتہ صفحات میں بتایا جا چکا ہے کہ تحکیم کے معاملے پر بارہ ہزار کے قریب افراد آپ کے لشکر سے الگ ہو گئے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو انھیں سمجھانے کے لیے بھیجا لیکن انھیں ناکامی ہوئی۔ چنانچہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ خود ان کے پاس تشریف لے گئے اور بحث ومناظرہ کے بعد ان کی اچھی خاصی تعداد کو اپنے ساتھ کوفہ لے آئے لیکن پھر بھی ان لوگوں کے کافی تعداد وہاں رہ گئی۔ رفتہ رفتہ اس جماعت نے ایک مستقل فرقہ کی شکل اختیار کر لی اور وہ خوارج کہلائے۔

ان لوگوں کا اپنے مخالفین کے بارے میں نظریہ بہت تنگ تھا، لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ انتہا درجہ کے بہادر اور اپنے اقوال وافعال میں نہایت صاف گو اور کھرے تھے۔ اپنے عقیدے کے لیے جان دینا ان کے لیے بہت آسان تھا۔ معمولی معمولی باتوں میں بھی احکام دینیہ کا لحاظ رکھتے، لیکن دوسری طرف مسلمانوں کا خون بہانے میں انھیں ذرا بھی باک نہ تھا۔ چنانچہ اسی فرقہ کا ایک فرد عبدالرحمٰن بن ملجم سیدنا علی رضی اللہ عنہ جیسے بزرگ صحابی رسول کا خون بھی بہاتا ہے اور قرآن بھی پڑھتا رہتا ہے۔ ان لوگوں نے معمولی معمولی معاملات میں مسلمانوں کا خون بہانا شروع کر دیا۔ چنانچہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ان کے مرکز نہروان کا قصد فرمایا تا کہ ان کے ظلم وستم سے امت مسلمہ کو نجات دلائی جا سکے۔

نہروان پہنچ کر پہلے تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ اور سیدنا قیس بن سعد رضی اللہ عنہ بن عبادہ کی معرفت انھیں سمجھانے کی کوشش کی لیکن جب یہ نہ سمجھے تو آپ نے مجبور ہو کر ان پر فوج کشی کا حکم صادر فرمایا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے حملے سے قبل قریباً پانچ ہزار خارجیوں نے اپنے لشکر سے علیحدگی اختیار کر لی اور ایک بہت بڑا گروہ کوفہ چلا گیا جبکہ ایک ہزار مزید آدمیوں نے اپنے عقائد سے توبہ کر کے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے جھنڈے تلے پناہ لی۔ اب صرف چار ہزار خارجی رہ گئے جنھوں نے عبداللہ بن وہب الراسبی کی قیادت میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے لشکر کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ لڑائی میں ان لوگوں کی حالت یہ تھی کہ ان کے اعضاء کٹ کٹ کر جسم سے الگ ہو جاتے تھے لیکن پھر بھی وہ لڑتے رہتے تھے۔ (اخبار الطوال: ۲۱۰، ابن اثیر: ۲/ ۱۷۵، البدایہ والنہایہ: ۷/ ۲۸۸)

اس جنگ میں تمام خارجی ایک ایک کر کے کٹ کر مقتول ہو گئے۔

مصر پر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا قبضہ:

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت سے چند روز قبل جب مصر کے سبائی عبداللہ بن سباء، محمد ابن ابی بکر اور دوسرے سرغنوں کی قیادت میں حج بیت اللہ کے بہانے سے مدینہ طیبہ کی جانب روانہ ہوئے تو سیدنا عبداللہ بن

Marfat.com

سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ نے اس واقعہ سے کچھ روز بعد بعض انتظامی امور کے سلسلے میں مدینہ طیبہ آنے کا ارادہ فرمایا، لیکن آپ ابھی راستہ ہی میں تھے کہ آپ کو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر مل گئی، لہٰذا آپ راستہ میں رک گئے۔

گورنر مصر کی عدم موجودگی میں محمد ابن ابی حذیفہ نے جو سبائیوں کا سرغنہ تھا، مصر پر زبردستی قبضہ کرلیا۔ چند دنوں بعد سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے سیدنا قیس بن سعد رضی اللہ عنہ کو وہاں کا گورنر بنا کر بھیجا۔ سیدنا قیس رضی اللہ عنہ نہایت مدبر اور مصلحت شناس آدمی تھے، انھوں نے بڑی حکمت عملی سے اہل مصر سے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کی بیعت لی، لیکن مصر کے ایک علاقہ ''خربتا'' کے لوگوں نے بیعت سے صاف انکار کردیا۔ سیدنا قیس صلی اللہ علیہ وسلم نے موقع کی نزاکت کے تحت اہل خربتا کو چھیڑنا مناسب نہ سمجھا۔ ان لوگوں کی تعداد ۵ ہزار کے قریب تھی۔ (طبری: ۵/۲۲۶)

سبائیوں کو اہل خربتا کے ساتھ سیدنا قیس رضی اللہ عنہ کی یہ حکمت عملی پسند نہ آئی، لہٰذا محمد بن ابی بکر اور دوسرے کئی ایک حضرات نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ پر زور دے کر سیدنا قیس رضی اللہ عنہ کو معزول کروادیا اور ان کی جگہ محمد ابن ابی بکر رضی اللہ عنہ کو مصر کی گورنری کا پروانہ دلوادیا۔ محمد ابن ابی بکر رضی اللہ عنہ بالکل نوجوان، ناتجربہ کار تھا۔ مزید برآں کنانہ بن بشر جیسا فتنہ پرداز اور قاتل عثمان سبائی اس کو بطور مشیر مل گیا۔

محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ نے اپنی ناعاقبت اندیشانہ پالیسی کے تحت اہل خربتا پر حملہ کردیا لیکن اسے شکست کا منہ دیکھنا پڑا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اس کی امداد کے لیے مالک الاشتر کو بھیجا لیکن وہ وہاں تک نہ پہنچ سکا اور راستے ہی میں مرگیا۔ اسی اثنا میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے محمد ابن ابی بکر رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ وہ اپنی ان حرکتوں سے باز آجائے لیکن وہ باز نہ آیا۔ تنگ آکر آپ نے فوراً چھ ہزار کا لشکر سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی قیادت میں مصر روانہ کردیا۔ مصر پہنچنے پر دونوں فوجوں میں مقابلہ ہوا۔ محمد ابن ابی بکر رضی اللہ عنہ کے مقدمۃ الجیش کی کمان کنانہ بن بشر سبائی سرغنہ کے ہاتھ میں تھی، جس کو جلد ہی سیدنا معاویہ بن خدیج رضی اللہ عنہ نے اگلی دنیا میں پہنچا دیا۔ محمد ابن ابی بکر رضی اللہ عنہ نے بھاگ کر ویرانے میں پناہ لی۔ سیدنا معاویہ بن خدیج رضی اللہ عنہ نے اسے ڈھونڈ کر قتل کردیا۔ بعض مورخین نے لکھا ہے کہ محمد ابن ابی بکر رضی اللہ عنہ کی نعش کو گدھے کی کھال میں ڈال کر جلا دیا گیا، لیکن یہ روایت غلط ہے اور درست بات یہ ہے کہ اسے دفن کیا گیا۔
(الاعلام للزرکلی: ۷/۷۹)

بغاوتوں کی سرکوبی:

فیصلۂ تحکیم کے بعد سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے مقبوضات میں مختلف جگہوں پر بغاوتیں ہوئیں اور آپ نے باغیوں کی ریشہ دوانیوں کی بڑی سختی کے ساتھ سرکوبی کی۔ چنانچہ کرمان اور فارس کے عجمیوں نے بغاوت کرکے خراج ادا کرنے سے انکار کردیا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے زیاد بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کو اس مہم کے لیے مامور کیا۔ انھوں نے حسب توقع کرمان، فارس اور ایران کے دوسرے علاقوں سے بغاوت کی آگ کو فرو کیا۔

جنگ نہروان میں اگرچہ خارجیوں کا زور کافی حد تک ٹوٹ چکا تھا، تاہم ان کی چھوٹی چھوٹی ٹولیوں نے

Marfat.com

ملک کے مختلف علاقوں میں اپنی ریشہ دوانیوں سے ایک فتنہ برپا کیا ہوا تھا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ان کی سرکوبی کے لیے زیاد بن حفصہ کو جبکہ ایک اور روایت کے مطابق معقل بن قیس کو مامور کیا۔ انھوں نے شورش پسندوں کا قلع قمع کیا۔
(البدایہ والنہایہ: ۷/ ۳۱۷۔۳۱۸)

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا استعفیٰ:

۴۰ھ میں ابوالاسود الدوئلی نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے پاس گورنر بصرہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی شکایت کی کہ انھوں نے بیت المال سے کچھ روپیہ خرد برد کیا ہے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اس بارے میں سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ کو لکھا۔ انھوں نے خط کے جواب میں کہا ''میرے متعلق جو کچھ لکھا گیا ہے وہ سب غلط ہے اور میرے پاس بیت المال کا جتنا روپیہ ہے اس کی بہت اچھے طریقے سے حفاظت کر رہا ہوں۔ آپ ان جھوٹی باتوں پر ہرگز کان نہ دھریئے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ کے جواب میں ان سے بیت المال کے حساب کی تفصیل طلب فرمائی۔ اس پر سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو غصہ آ گیا اور انھوں نے گورنری کے عہدے سے استعفیٰ دے دیا۔ (ابن اثیر: ۳/ ۱۹۴)

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح:

سیدنا علی رضی اللہ عنہ اپنے شیعوں سے تنگ آ چکے تھے اور آپ پر یہ عقدہ کھل چکا تھا کہ جمل اور صفین کا قتل و خون ان لوگوں کی وجہ سے ہوا تھا جنھوں نے میری بیعت کی تھی، لہٰذا سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ۴۰ھ میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کر لی۔ اس صلح نامے کی رو سے حجاز، عراق اور مشرق کا پورا علاقہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے پاس رہا اور مصر، شام اور مغرب کا پورا علاقہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے حصے میں آیا، اور شرط یہ قرار پائی کہ دونوں میں سے کوئی ایک دوسرے کے علاقے میں دست اندازی نہیں کرے گا۔ اس صلح نامے کو دونوں حضرات نے تسلیم کیا۔
(ابن اثیر: ۳/ ۱۹۳، البدایہ والنہایہ: ۷/ ۳۲۳)

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی شہادت:

خوارج یہ سمجھتے تھے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ، سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے ملت اسلامیہ کے امن کو پارہ پارہ کر رکھا ہے، لہٰذا ملت اسلامیہ کی خیر خواہی اسی میں ہے کہ ان تینوں اشخاص کے بوجھ سے زمین کو ہلکا کر دیا جائے۔ چنانچہ چند خارجیوں نے حج کے موقع پر اکٹھے ہو کر اتفاق رائے سے یہ فیصلہ کیا کہ ان تینوں حضرات کو ختم کر دیا جائے تاکہ ملت کو خانہ جنگی سے نجات مل سکے۔ تجویز یہ پاس ہوئی کہ ان کے قتل کے ''نیک کام'' کو رمضان المبارک کے بابرکت مہینے میں نماز کی حالت میں انجام دیا جائے۔ چنانچہ خوارج میں سے تین آدمیوں نے اس ''نیک کام'' کے لیے اپنی خدمات پیش کیں۔ عبدالرحمٰن بن ملجم نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو، برک بن عبداللہ نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو اور عمرو بن بکر نے سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو شہید کرنے کا بیڑہ اٹھایا۔ ان تینوں نے آپس

Marfat.com

میں عہد و پیماں کیا اور ایک دوسرے سے قسم لی کہ ان تینوں میں سے کوئی بھی اس پیمان کو نہیں توڑے گا یہاں تک کہ جس کے قتل کی ذمہ داری لی ہے یا تو اس کو قتل کر دے یا خود ہلاک ہو جائے۔ ان تینوں نے اپنی اپنی تلواروں کو زہر میں بجھایا اور فیصلہ کیا کہ ۱۷ رمضان المبارک کو ہر شخص رات اس شہر میں گزارے جہاں اس نے یہ "بابرکت" کام سرانجام دینا ہے۔

فیصلہ یہ ہوا کہ تینوں حضرات کو ایک ہی روز نماز فجر کے وقت شہید کیا جائے تا کہ اس سازش کا انکشاف نہ ہو۔ چنانچہ ۱۷ رمضان المبارک ۴۰ھ کو فجر کی نماز میں تینوں حضرات پر زہر آلود خنجروں سے حملہ کیا گیا۔ اتفاق سے زیادہ سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی طبیعت اس روز سخت خراب تھی اس لیے انھوں نے اس روز اپنی جگہ خارجہ بن حذیفہ کو نماز فجر پڑھانے کے لیے مسجد میں بھیج دیا۔ چنانچہ سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی جگہ سیدنا خارجہ بن حذیفہ رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو شہید کرنے پر جو شخص متعین تھا اس کا وار اوچھا پڑا، اس وجہ سے زخم خفیف آیا۔ انھوں نے چند روز دوا پی اور شفایاب ہو گئے۔

عبدالرحمٰن بن ملجم اور ایک روایت کے مطابق اس کے ساتھ شبیب بن بجرہ اشجعی بھی تھا، یہ دونوں ۱۷ر رمضان المبارک شب جمعہ کو اس دروازے کے چھجے کے نیچے آ کر بیٹھ گئے جس سے سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نماز فجر کے لیے نکلا کرتے تھے۔ جیسے ہی آپ نماز فجر کے لیے مسجد کی طرف تشریف لائے ابن ملجم نے آپ پر حملہ کر دیا۔ حملہ کرتے وقت اس نے نعرہ بھی لگایا:

لاحکم الا لله لیس لك ولا صحابك یاعلی۔

"حکم صرف اللہ کا ہے، علی! تمھارے یا تمھارے ساتھیوں کا نہیں۔"

زہر آلود خنجر آپ کی مبارک پیشانی پر لگا اور ایک کاری زخم آیا۔ (طبری:۶/۸۴، مروج الذہب:۲/۴۱)

مسجد قریب تھی۔ آپ نے آواز دی۔ لوگ دوڑتے ہوئے آئے۔ عبدالرحمٰن بن ملجم پکڑا گیا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو زخمی حالت میں مسجد میں لایا گیا۔ نماز فجر کی امامت کے فرائض آپ کے بھانجے جعدہ بن ہبیرہ نے ادا کیے اور آپ نے اس کی اقتداء میں نماز فجر ادا کی۔ نماز کے بعد ابن ملجم کو آپ کے سامنے پیش کیا گیا۔ آپ نے اس سے چند سوال کیے، پھر فرمایا، اس کو آرام سے رکھا جائے اور کسی قسم کی تکلیف نہ دی جائے۔

اس کے بعد آپ نے لوگوں کو وصیت فرمائی کہ اگر میں اس زخم کی وجہ سے انتقال کر جاؤں تو اللہ کے حکم کے مطابق قاتل کو قصاص میں قتل کر دینا، لیکن اگر میں صحت یاب ہو گیا تو پھر اس معاملے پر میں خود غور کروں گا۔ اس کے بعد سیدنا حسن رضی اللہ عنہ سے فرمایا "قاتل سے قصاص لیتے وقت ایک ضرب لگانا کیونکہ اس نے مجھے ایک ہی ضرب لگائی ہے، اور اس کا مُثلہ نہ کرنا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے۔"

(طبری:۶/۵۲، ابن اثیر:۲/۱۹۶، ابن خلدون:۲/۱۱۳۳)

زخم کاری تھا اور خنجر بھی زہر آلود تھا کیونکہ اس کو ایک ماہ تک زہر میں بجھایا گیا تھا۔ لہٰذا جانبر ہونے کی امید کم تھی۔ جندب بن عبداللہ اور دوسرے کئی ایک حضرات نے کہا کہ اپنے بعد کسی کو خلیفہ مقرر فرما جایئے بلکہ بعض

Marfat.com

حضرات نے تو سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کا نام لے کر کہا کہ کیا ہم ان کے ہاتھ پر آپ کے بعد بیعت کر لیں۔ فرمایا ''نہ میں تم کو اس کا حکم دیتا ہوں اور نہ ہی روکتا ہوں، تم اس بارے میں بہتر سمجھتے ہو۔'' (طبری:۶/۸۵، ابن اثیر:۳/۱۹۶)

حافظ ابن کثیر وغیرہ نے نقل کیا ہے کہ آپ نے فرمایا ''نہیں بلکہ میں تم لوگوں کو اس طرح چھوڑے جا رہا ہوں جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمھیں چھوڑ کر گئے تھے۔ اگر اللہ کو تمھاری بھلائی منظور ہوئی تو تمھیں ایک بہترین آدمی پر جمع کر دے گا، جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تمھیں ایک بہترین شخص (سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ) پر جمع کر دیا تھا۔'' (البدایہ والنہایہ:۸/۱۳، ۱۴، ۷/۳۲۳، السنن الکبریٰ:۷/۱۴۹، مروج الذہب:۲/۴۳)

آپ اپنی بصیرت سے عالم اسلامی میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے اثر و رسوخ کو دیکھ رہے تھے۔ اپنے شیعوں کی بے وفائی اور غداری اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے اعوان و انصار کی وفا کیشی اور اطاعت شعاری بھی آپ کے سامنے تھی۔ لہٰذا سیدنا حسن رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''بیٹا! میری وفات کے بعد معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کر لینا اور ان کے امیر المومنین ہونے سے کراہت نہ کرنا کیونکہ اگر تم نے ان کو بھی کھو دیا تو پھر امت میں ایسا اختلاف واقع ہوگا جس کے تلخ ترین نتائج تمھیں بھی بھگتنے پڑیں گے۔'' (ابن اثیر:۳/۳۶، ازالۃ الخفا:۲/۲۸۳)

اس سے قبل صفین سے واپسی پر آپ نے لوگوں سے فرمایا: ''اے لوگو! معاویہ رضی اللہ عنہ کی امارت کو ناپسند نہ کرنا کیونکہ اگر تم نے اسے کھو دیا تو تم دیکھو گے کہ سر حنظل کی طرح کٹ کٹ کر گریں گے۔''

(البدایہ والنہایہ:۸/۱۳۱، تاریخ الخلفا، ۱۹۴)

زہر لحہ لحہ اپنے اثرات دکھا رہا تھا۔ چنانچہ ۱۷ رمضان المبارک کو آپ پر حملہ ہوا، تین روز موت و حیات کی کشمکش کے بعد ۲۰ رمضان المبارک کو آپ اس فانی دنیا سے انتقال فرما گئے، (انا للہ وانا الیہ راجعون)۔ انتقال کے وقت آپ کی عمر ۵۸ سال تھی اور مدت خلافت ۵ سال ۹ ماہ۔ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ، سیدنا حسین رضی اللہ عنہ، سیدنا محمد بن الحنیفہ رضی اللہ عنہ اور آپ کے داماد اور بھتیجے سیدنا عبداللہ بن جعفر طیار رضی اللہ عنہ نے غسل دیا۔ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی اور چار تکبیریں پڑھیں۔ (ابن کثیر، ابن اثیر وغیرہ نے بھی چار تکبیریں ہی نقل کی ہیں) پھر آپ کو دارالامارت میں سپرد خاک کر دیا گیا۔ (طبری:۴/۱۶۶، البدایہ والنہایہ:۷/۳۳۰، ۸/۴۴)

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کوفہ میں ہوئی، کیونکہ سبائیوں کے کہنے پر آپ نے مدینہ منورہ کی مبارک سر زمین کو چھوڑ کر کوفہ کو اپنا دارالخلافہ بنایا تھا، لیکن پورے کوفہ میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے جنازے میں ایک شیعہ بھی شریک نہ تھا۔ کون کون شریک تھا؟ اصول کافی میں ہے کہ ''سیدنا حسن رضی اللہ عنہ، سیدنا حسین رضی اللہ عنہ اور دو شخص جنازہ لے کر نکلے، یعنی جنازہ لے کر نکلے، یعنی جنازے میں صرف چار آدمی تھے۔'' (اصول کافی:۱/۴۵۸)

جنازے میں شریک ہونا تو بڑی بات ہے سوا تین سو برس تک کسی کو ان کی قبر کا پتہ نہ چلا۔ بنی بویہ کے عہد میں آپ کی قبر کا پتہ چلا، لیکن تاریخ کے رپورٹر بتاتے ہیں کہ وہ قبر جس کو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی قبر سمجھا جاتا ہے وہ دراصل سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی قبر ہے۔

Marfat.com

اصلاحات

جب ملکی حالات ایسے ہوں جیسا کہ گزشتہ صفحات میں بیان کیا گیا ہے تو ان حالات میں اندرون ملک کیا اصلاحات ہوسکتی ہیں؟ کیونکہ اصلاحات کے لیے امن وسکون کی فضا درکار ہونا ضروری ہے، لیکن جہاں امن مفقود ہو وہاں نہ تو کوئی ترقیاتی پروگرام ہوتا ہے اور نہ ہی کوئی ملکی اصلاحات بروئے کار لائی جاتی ہیں۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ آپ کے عہد خلافت میں نہ تو رفاہ عامہ کے کاموں میں کوئی اضافہ ہوا، نہ زراعت اور اس کے وسائل میں کوئی ترقی ہوئی، نہ کسی نئے شہر کی تعمیر ہوئی اور نہ ہی نقل وحمل کے انتظامات کے ضمن میں کوئی ترقیاتی پروگرام بنایا گیا۔

نظم مملکت:

تاریخ کے رپورٹر بتاتے ہیں کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی سیرت ایک دوسرے سے مشابہ تھی، لہٰذا سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی خواہش تھی کہ کاروبار خلافت اسی نہج پر چلایا جائے جس نہج پر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانۂ خلافت میں چلایا تھا، چنانچہ لکھا ہے:

كان على يشبه بعمر يعنى فى السيرة۔

''سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی سیرت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی سیرت سے مشابہ تھی۔'' (کتاب الخراج، یحییٰ ابن آدم، ۲۴)

اس بات کا ثبوت اس واقعہ سے ہوتا ہے کہ ۱۲ رجب ۳۶ھ کو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کوفہ تشریف لائے تو لوگوں نے انھیں قصر شاہی میں قیام کرنے کے لیے عرض کیا۔ جواب میں آپ نے ارشاد فرمایا: ''مجھے قصر شاہی میں ٹھہرنے کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ قصر شاہی میں قیام کو ناپسند فرماتے تھے۔'' (اخبار الطوال: ۱۵۶)

''تاریخ میں اس طرح کے اور بھی کئی واقعات موجود ہیں۔''

محاصل میں اصلاحات:

اسلامی حکومت میں صیغہ محاصل ایک خاص شعبہ ہے۔ خلفائے ثلاثہ نے اس مد میں خاص خاص اصلاحات کیں۔ عہد نبویؐ میں گھوڑوں پر زکوٰۃ نہیں تھی، لیکن سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں جب گھوڑوں کی عام

Marfat.com

تجارت ہونے لگی تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے گھوڑوں پر بھی زکوٰۃ مقرر کردی۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں گھوڑوں پر زکوٰۃ مفقود کردی کیونکہ آپ کے پیش نظر گھوڑوں کی افزائش نسل میں سہولت تھی تاکہ اس سے جنگی اور تمدنی فوائد حاصل ہوں۔ آپ نے اپنے عہد خلافت میں جنگلات پر ٹیکس لگایا، اس سے حکومت کے خزانہ میں اچھا خاصا اضافہ ہوا۔ (کتاب الخراج:۵۰) حکومت کے محاصل اور ٹیکسز میں آپ نے رعایا کے معذور طبقہ کی فلاح و بہبود کا خاص خیال رکھا۔ چنانچہ آپ کے عہد خلافت میں قلاش اور نادار لوگوں کے ساتھ ٹیکس کی وصولی میں کسی قسم کی کوئی سختی نہیں کی جاتی تھی۔ (کتاب الخراج:۶۹)

رعایا سے حسن سلوک:

رعایا سے حسن سلوک اور شفقت اسلامی حکومت کا طرۂ امتیاز ہے۔ اسلامی حکومت کا وجود رعایا کے لیے ایک آیۂ رحمت ہوتا ہے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد ہائے خلافت میں اس کی بہت سی مثالیں ملتیں ہیں۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانۂ خلافت میں بیت المال کی رقوم لوگوں میں نہایت فیاضی سے تقسیم کیں۔ چنانچہ جنگ جمل میں شریک ہونے والوں پر بیت المال میں موجود چھ لاکھ روپے سے زائد رقم پانچ سو فی کس کے حساب سے تقسیم کردی اور ساتھ ہی مزید رقم کا وعدہ بھی فرمایا۔

(طبری:۴/۵۴۱، البدایہ والنہایہ:۷/۲۴۴، ابن اثیر:۳/۳۵۹، ابن خلدون:۲/۱۰۸۸)

ذمیوں کے ساتھ بھی آپ کا برتاؤ نہایت شفقت آمیز تھا یہاں تک کہ ایرانی لوگ آپ کے لطف و ترحم کی وجہ سے یہ کہنے لگے: بخدا! اس عربی نے نوشیرواں کی یاد تازہ کردی۔

عمالِ حکومت کا احتساب:

اسلامی حکومت کے سربراہ کے فرائض میں سے یہ بھی ہے کہ وہ عمال حکومت کا احتساب اور ان کی نگرانی احسن انداز سے کرے۔ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اس بارے میں نہایت سخت تھے۔ ان کے احتساب سے نہ تو سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ بچے اور نہ ہی سیدنا سعد ابن وقاص رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی۔ عمال حکومت اکثر مالیات کے بارے میں اسراف اور تبذیر کے مرتکب ہوتے ہیں اور ان کے ذہن میں یہ ہوتا ہے کہ ان سے کوئی باز پرس کرنے والا نہیں۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ اپنے دور خلافت میں اپنے عمال سے باز پرس فرماتے تھے۔ چنانچہ اس بارے میں آپ نے اپنے چچازاد بھائی سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو بھی معاف نہ فرمایا جب انھیں اس بارے میں کسی شخص نے شکایت کی کہ انھوں نے بیت المال سے کچھ روپیہ خورد برد کیا ہے۔ شکایت ملنے پر آپ نے سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے باز پرس کی۔ سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اس باز پرس کا برا منایا یہاں تک کہ انھوں نے گورنری سے استعفیٰ دے دیا، لیکن سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے کوئی پروانہ کی۔ (ابن اثیر:۳/۱۹۴ البدایہ والنہایہ:۷/۳۲۲)

Marfat.com

عسکری انتظامات:

سیدنا علی رضی اللہ عنہ ذاتی طور پر ایک فوجی آدمی تھے اور جنگ آزمائی میں آپ کو ایک خاص تجربہ تھا۔ چنانچہ غزوہ تبوک کے علاوہ قریباً ہر غزوہ میں آپ نے شرکت فرمائی۔ آپ نے عسکری امور کے بارے میں نہایت اچھے انتظامات کیے۔ شام کی سرحد پر بکثرت چوکیاں قائم کیں جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب ۴۰ ہجری میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے فوجیوں نے عراق پر یورش کی تو ان سرحدی چوکیوں نے ان کا دفاع کیا۔ اس طرح آپ نے ایران میں مسلسل شورش اور بغاوت کی وجہ سے بیت المال اور عورتوں اور بچوں کی حفاظت کے لیے نہایت مضبوط اور مستحکم قلعے تعمیر کیے۔

دینی خدمات:

ایک اسلامی حکومت کے قیام کا مقصد صرف اور صرف دین کی خدمت ہوتا ہے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے زمام خلافت ہاتھ میں لیتے ہی اپنے پیش روؤں کی طرح اشاعت و تبلیغ دین اور دینی تعلیم و تلقین کے لیے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ رکھا۔ مسند خلافت پر قدم رکھنے کے ساتھ ہی آپ کو خانہ جنگیوں نے فرصت نہ دی اور آپ اپنے عہد خلافت میں مملکت اسلامی میں ایک شہر کا بھی اضافہ نہ فرما سکے لیکن تاریخ کے رپورٹر بتاتے ہیں کہ ایران اور آرمینیہ میں جب کچھ نومسلم عیسائی مرتد ہو گئے تو آپ نے نہایت سختی سے ان کی سرکوبی کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ان میں سے اکثر تائب ہو کر دوبارہ حلقۂ اسلام میں داخل ہو گئے۔

اسی طرح دین کی سربلندی اور اعلائے کلمۃ الحق کے لیے آپ حکومت کے تمام ذرائع کو بروئے کار لائے۔ اسلامی حدود کا اجرا فرمایا اور ہر ممکن طریقے سے دینی خدمات کے علم کو سربلند رکھا۔

علم و فضل:

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے بچپن ہی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیر کفالت پرورش پائی تھی اور شب و روز نبوتؐ کے اعمال کو دیکھا تھا، نبوتؐ کی باتیں سنی تھیں اور سرکار رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس سے ایک خاص تقرب حاصل کیا تھا۔ چنانچہ خود فرماتے ہیں کہ: ''میں ہر روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا۔'' (مسند احمد: ۱/۷۷) سفر و حضر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں موجود رہتے کیونکہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ آپ کے زیر تربیت اور زیر پرورش تھے اس وجہ سے علم و فضل میں ایک خاص مقام کے حامل تھے۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا شمار ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں ہوتا تھا جنہیں اہل علم اور صاحب فتویٰ سمجھا جاتا تھا۔ چنانچہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اگر اہل الرائے اور اہل فقہ حضرات کے مشورہ کی ضرورت پیش آتی تو وہ مہاجرین و انصار میں

Marfat.com

سے سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو بلاتے تھے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بھی انہی حضرات کو بلا کر مشورہ لیا کرتے تھے۔

(طبقات ابن سعد:۲/۳۵۰، یعقوبی:۲/۱۳۸)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے علم و فضل کو ان الفاظ میں بھی خراج تحسین پیش کیا ہے:

علی اقضانا وابی اقرانا

''علی رضی اللہ عنہ ہمارے بہترین قاضی اور ابی بن کعب ہمارے بہترین قاری ہیں۔''

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے علم و فضل کی وجہ سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں مدینہ منورہ کا قاضی مقرر فرما دیا تھا۔

(البدایہ والنہایہ:۷/۱۰۲)

مدینہ کا قاضی ہونا کوئی معمولی اعزاز نہ تھا اور نہ یہ اعزاز کسی کم علم شخص کو ہی مل سکتا ہے۔

آپ کے علم و فضل میں اس بات کو بھی خاص دخل حاصل ہے کہ آپ بچپن ہی سے لکھنا پڑھنا جانتے تھے اور آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض تحریری کام سرانجام دیتے تھے۔ چنانچہ حدیبیہ کا معاہدہ آپ نے ہی تحریر فرمایا تھا۔ (بخاری:۱/۳۷۲، ۴۵۲، مسلم:۲/۱۰۴)

اور کاتبان وحی میں بھی آپ کا شمار ہوتا ہے۔

علم القرآن:

دینی علوم میں سب سے پہلا مقام قرآن حکیم کا ہے کیونکہ اسلامی علوم و معارف کا سرچشمہ یہی کتاب برحق ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تقرب کی وجہ سے خود لسان نبوت نے آپ کو اس کی تعلیم دی۔ (مسند احمد:۱/۸۳) یہی وجہ تھی بعض مواقع پر آپ نے قرآن حکیم کی آیات کی تفسیر بھی لوگوں کے سامنے بیان فرمائی۔ (مسند احمد:۱/۸۵)

آپ ان صحابہ میں سے تھے جنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک زندگی ہی میں پورا قرآن حکیم زبانی یاد فرما لیا تھا اور اس کی ایک ایک آیت کے معانی، تفسیر اور شان نزول سے بھی واقف و آشنا تھے۔ (طبقات ابن سعد:۲/۳۳۷) چنانچہ قریباً تمام مفسرین نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے اقوال قرآن حکیم کی تشریح و تفسیر کے بارے میں اپنی کتابوں میں نقل کیے ہیں جو اس بات کی دلیل ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو قرآنی علوم میں ید طولیٰ حاصل تھا اور قرآن حکیم کی تفسیر، استشہاد اور استنباط اور اجتہاد وغیرہ میں انھیں ایک خاص مہارت حاصل تھی۔

علم الحدیث:

قرآن حکیم کے بعد قانون اسلامی کا دوسرا ماخذ حدیث نبویؐ ہے۔ حدیث کو اسلام میں ہمیشہ بنیادی حیثیت حاصل رہی ہے۔ قرآن حکیم کی تفسیر و تشریح اور تفہیم و تفصیل میں بھی حدیث نبویؐ ہی کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔

Marfat.com

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو حدیث میں بھی ایک خاص مقام حاصل تھا۔ آپ کے عہد خلافت میں کوفہ حدیث وفقہ کی مسند تھی۔ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے انتقال سے کوفہ میں جو علمی خلاء پیدا ہو گیا تھا آپ کے کوفہ تشریف لے جانے سے وہ کسی حد تک پر ہو گیا۔ حدیث کا بہت بڑا ذخیرہ آپ کے کوزۂ ذہن میں محفوظ تھا، لیکن روایت حدیث میں آپ نہایت متشدد تھے۔ اس وجہ سے آپ سے زیادہ روایات مروی نہیں ہیں۔ آپ سے صرف ۵۸۶ احادیث مروی ہیں جب کہ ان کے مقابلے میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ۵۳۷۴، سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے ۲۶۳۰، سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے ۲۲۶۶، سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے ۱۶۶۰، سیدنا جابر بن عبداللہ سے ۱۵۴۰، سیدنا ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ سے ۱۱۷۰، سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ۸۴۸ اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے ۲۲۱۰ روایات مروی ہیں۔ مسلم اور بخاری میں آپ کی کل ۱۳۹ احادیث مروی ہیں جن میں ۲۰ بخاری اور مسلم دونوں میں ہیں اور صرف ۹ بخاری میں اور صرف ۱۰ مسلم میں ہیں۔ اکابر صحابہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ قریباً ۳۰ سال تک مسند ارشاد پر جلوہ فگن رہے، اس وجہ سے خلفاء ثلاثہ کے مقابلے میں آپ کو سب سے زیادہ روایت حدیث کا موقع ملا ہے۔

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے بعد وہ چھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو علم میں لوگوں کا مرجع تھے ان میں ایک سیدنا علی رضی اللہ عنہ بھی ہیں۔ (تاریخ ابی زرعہ: ۱/ ۶۴۷، طبقات ابن سعد: ۲/ ۳۵۱)

حدیث کے بارے میں آپ نے کچھ تحریرات بھی لکھی ہوئی تھیں۔ ان کا نام آپ نے صحیفہ رکھا ہوا تھا۔ (ملاحظہ ہو بخاری کتاب العلم، کتاب الحج وغیرہ)

اس صحیفہ میں زیادہ تر مالیات کے مسائل تھے اور زکوٰۃ، دیت اور قصاص وغیرہ کی روایات بھی تھیں۔

چنانچہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ خود فرماتے ہیں:

''جس شخص نے یہ سمجھا کہ ہمارے پاس پڑھنے کے لیے قرآن حکیم اور اس صحیفہ کے علاوہ بھی کوئی اور چیز ہے تو اس نے جھوٹ بولا۔'' (بخاری: ۱/ ۳۸، مسلم: ۱/ ۴۴۲، ۴۹۵، المصنف عبدالرزاق: ۹/ ۲۶۳)

بعض روایات کے مطابق سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اس صحیفہ کے بعض اجزاء کی نقلیں بھی کروائی ہوئی تھیں اور انھیں بعض لوگوں میں صرف کاغذ کی قیمت ایک درہم لے کر فروخت بھی کیا۔ (طبقات ابن سعد: ۵/ ۲۶۹)

علم الفقہ:

قرآن حکیم اور حدیث نبویؐ کے ساتھ اگر سرعت فہم، دقیقہ سنجی اور انتقال ذہنی حاصل ہو جائے تو ایسا شخص فقہ واجتہاد کا ماہر کہلاتا ہے۔ اور اس کی نگاہ دین ودنیا کے پیچیدہ سے پیچیدہ مسائل تک بآسانی پہنچ جاتی ہے۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ میں اللہ تعالیٰ نے یہ سب خوبیاں رکھی ہوئی تھیں۔ آپ میں اللہ تعالیٰ نے ایک مستحضرانہ قوت رکھی ہوئی تھی، جس کی وجہ سے بڑے بڑے مشکل مسائل آپ فوراً حل فرما دیا کرتے تھے۔ آپ نہایت ذہین اور طباع تھے اور ذہانت اور طباعی کی وجہ سے آپ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے بہترین

Marfat.com

مشیروں میں سے تھے۔سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے ویسے بھی آپ کی طبعی محبت تھی کیونکہ آپ کی صاحب زادی سیدہ ام کلثوم بنت فاطمہ رضی اللہ عنہا آپ کے نکاح میں تھی۔

سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے ایک شخص ابن دبرہ کو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بھیجا۔جب وہ وہاں پہنچا تو اس وقت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ، سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ، سیدنا علی رضی اللہ عنہ، سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ موجود تھے۔ابن دبرہ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ مجھے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے آپ کے پاس بھیجا ہے۔وہ کہتے ہیں کہ لوگ شراب خوری میں منہمک ہو رہے ہیں اور موجودہ سزا کو معمولی سمجھنے لگے ہیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ حضرات تمھارے سامنے موجود ہیں۔ان سے پوچھا جائے کہ کس طرح کرنا چاہیے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اپنی رائے دیتے ہوئے فرمایا کہ انسان جس وقت شراب پی کر بدمست ہوتا ہے تو واہی تباہی بکتا ہے۔پھر لوگوں پر بہتان تراشی کرتا ہے اور بہتان تراشی کی سزا ۸۰ درے ہیں، لہٰذا شراب خوری کی سزا بھی ۸۰ درے مقرر کرنی چاہیے۔چنانچہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے شراب خوری کی سزا ۸۰ درے مقرر فرما دی۔

(دار قطنی:۷/۳۵۴/موطا مالک:۳۵۷،مستدرک حاکم:۴/۳۷۵،مصنف عبدالرزاق:۷/۳۷۸)

علماء کرام نے لکھا ہے کہ صدیقی، فاروقی اور عثمانی خلافتوں میں بھی سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا شمار ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں ہوتا تھا جن سے لوگ دین کے مسائل میں رجوع کرتے تھے۔چنانچہ ابن سعد نے لکھا ہے کہ ''سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو جب اہل الرائے اور اہل الفقہ کے مشورے کی ضرورت پیش آتی تو وہ مہاجرین اور انصار اور خصوصی طور پر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ، سیدنا علی رضی اللہ عنہ، سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ، سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ، سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ اور سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو بلاتے اور یہ حضرات سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں اصحاب فتویٰ تھے۔(وکل ھولاء فتی فی خلافة ابی بکر)فتویٰ حاصل کرنے کے لیے لوگ ان حضرات کی طرف رجوع کرتے۔سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں یہ طریقہ جاری رکھا۔پھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بھی اپنے عہد خلافت میں ان حضرات ہی کو مشورے کے لیے بلاتے تھے۔(طبقات:۲/۱۰۹)

ایک مرتبہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک زانیہ عورت کو پیش کیا گیا۔سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس پر حد جاری کرنے کا ارادہ فرمایا۔سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے کہا ''امیر المومنین! آپ ایسا نہیں کر سکتے، کیونکہ مجنون حدود شرعیہ سے مستثنیٰ ہے۔سیدنا عمر رضی اللہ عنہ آپ کی اس بات کو سن کر اپنے ارادے سے باز آ گئے۔(مسند احمد:۱/۱۴۰)

ایک مرتبہ سیدہ عائشہ سلام اللہ علیہا سے کسی شخص نے یہ مسئلہ پوچھا کہ ایک دفعہ پاؤں دھونے کے بعد کتنے دن تک موزوں پر مسح کر سکتے ہیں؟ سیدہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: کہ علی رضی اللہ عنہ سے جا کر دریافت کرو ان کو اس بارے میں معلومات ہوں گی کیونکہ وہ سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہا کرتے تھے۔اس شخص نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے پاس آ کر یہ مسئلہ پوچھا۔انھوں نے جواب دیا: ''مسافر کے لیے تین دن تین رات اور مقیم کے لیے ایک دن ایک رات۔''(مسند احمد:۱/۹۶)

Marfat.com

رسول اللہ ﷺ کو بھی قضاء وفقہ کے بارے میں آپ کی اس استعداد اور قابلیت کا اندازہ تھا، لہٰذا آپؐ ضرورت کے وقت قضاء کی خدمت آپ کے سپرد فرماتے تھے۔ چنانچہ آپؐ نے یمن میں انھیں قاضی مقرر فرمایا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ جب وہاں تشریف لے جارہے تھے تو آپ نے بارگاہِ رسالتؐ میں عرض کیا کہ، وہاں نئے نئے مقدمات پیش ہوں گے اور مجھے قضاء کا کوئی خاص تجربہ نہیں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ''اللہ تعالیٰ تمھاری زبان کو راست اور تمھارے دل کو ثبات بخشے۔'' سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کے اس ارشاد کے بعد مجھے پھر کبھی بھی مقدمات کے فیصلہ میں تذبذب نہ ہوا۔ (مسند احمد: ۱/۸۳، مستدرک حاکم: ۳/۱۳۵)

رسول اللہ ﷺ نے آپ کو فصل مقدمات کے بعض اصول بھی تعلیم فرمائے۔ چنانچہ فرمایا: ''جب دو آدمی جھگڑا چکانے کے لیے تمھارے پاس آئیں تو اس وقت تک کوئی فیصلہ نہ کرو جب تک دوسرے فریق سے بھی تم وہ بات نہ سن لو جو تم نے پہلے فریق سے سنی ہے۔'' (مسند احمد: ۱/۱۴۳)

رسول اللہ ﷺ نے فقہ اور قضاء کے بارے میں آپ کی جو تربیت فرمائی تھی اور فصل مقدمات کے سلسلہ میں آپ کو جو اصول بتائے تھے ان اصولوں کی روشنی میں آپ نے عظیم الشان اور عجیب وغریب مقدمات کے فیصلے فرمائے جن کی تفصیل کا یہ موقع نہیں۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے زندگی کا ایک کثیر حصہ مدینہ طیبہ میں گزارا۔ خلافت کے تھوڑا عرصہ بعد آپ کوفہ تشریف لے گئے۔ اس زمانے میں آپ کو کافی مقدمات کے فیصلوں کا موقع ملا۔ لہٰذا آپ کے فیصلوں اور اجتہادات کی زیادہ تر اشاعت کوفہ وعراق میں ہوئی۔ بدیں وجہ فقہ حنفی کی بنیاد سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے بعد سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے فیصلوں، ارشادات اور اجتہادات پر ہے۔ اسی وجہ سے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو فقیہ عراق کہا جاتا ہے۔

تقریر وشاعری:

حق تعالیٰ شانہ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو تقریر وخطابت میں بھی ایک خاص ملکہ عطا فرمایا ہوا تھا۔ مختلف مواقع پر آپ نے اپنی خطابت سے لوگوں کے پژمردہ بلکہ مردہ دلوں میں زندگی کی لہر دوڑا دی اور قوائے عمل کے اضمحلال کو یکسر دور کر دیا۔ الفاظ کی بندش اور موقع ومحل پر ان کا استعمال آپ کی خاص خصوصیت تھی۔ عربی کی مشہور کتاب نہج البلاغہ میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے خطبات، خطوط اور حکیمانہ اقوال کو جمع کیا گیا ہے۔ مشہور یہ ہے کہ اس کتاب کے مولف شریف رضی ہیں لیکن اس کتاب کا بڑا حصہ جعلی ہے اور شیعہ علماء نے اسے بنا کر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کر دیا ہے۔ چنانچہ ابن خلکان وغیرہ نے اس بارے میں کافی وضاحت سے لکھا ہے۔ (وفیات الاعیان: ۱/۴۷۸)

علامہ ذہبی اور حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہما اللہ اس ضمن میں رقم طراز ہیں:

''اس پر (شریف مرتضیٰ) نہج البلاغہ کے بنانے کی تہمت لگائی جاتی ہے۔ اس کو مختلف علوم میں مہارت تامہ اور قویہ حاصل تھی اور جس نے اس کی کتاب نہج البلاغہ کا مطالعہ کیا ہے اسے یقین ہے کہ وہ امیر

Marfat.com

المومنین کے نام پر بنائی گئی ہے کیونکہ اس میں کھلی کھلی گالیاں ہیں اور دوسرداروں ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ کی توہین ہے اور اس میں ایسا تناقض، رکیک باتیں اور عبارتیں ہیں جسے قریشی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا طریقہ کتابت اور گفتگو معلوم ہے اور وہ ان کے بعد کے لوگوں کے اسلوب کو پہچانتا ہے وہ یقین کرے گا کہ اس کا بڑا حصہ باطل ہے۔'' (میزان الاعتدال:۲/۲۰۱، لسان المیزان:۴/۲۲۳)

بہر حال یہ ایک مسلمہ امر ہے کہ نہج البلاغہ کا اکثر حصہ جعلی ہے اور مولف کتاب نے وہ خود تصنیف کر کے شامل کتاب کر دیا ہے، لیکن اس بات میں کوئی شک نہیں کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نہایت فصیح اللسان شخص تھے اور خطابت میں نہایت زبان آور اور قادر الکلام تھے۔ ان کے کلام سے حکمت کے سوتے پھوٹتے تھے اور بلاغت کا دریا ان کی زبان سے رواں تھا۔ واعظ ایسے تھے کہ قلب ونگاہ پر چھا جاتے تھے۔ کلام وبیان پر اس درجہ قدرت تھی کہ جس بات کو چاہتے اور جس طرح چاہتے ادا کرتے۔ چنانچہ تاریخ کی کتابوں میں ان کی وہ تقاریر جو مختلف مواقع پر آپ نے اپنے فوجیوں کو خطاب کیں ان کی تشبیہات اور ندرت کلام ہمارے دعویٰ کی تائید کرتی ہیں، لیکن جس طرح نثر میں ایک کتاب نہج البلاغہ کے نام سے تالیف کر کے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کر دی گئی، اسی طرح شعر میں بھی ایک پورا دیوان ''دیوان علی رضی اللہ عنہ'' کے نام سے لکھ کر آپ کی طرف منسوب کر دیا گیا۔ حالانکہ ان اشعار کی زبان ہی اس بات کی شہادت دے رہی ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ جیسا فصیح وبلیغ انسان ایسے بودے شعر نہیں کہہ سکتا۔

Marfat.com

اخلاق وعادات

اعتراف حق:

سیدنا علی رضی اللہ عنہ اعتراف حق سے کبھی نہیں متذبذب نہیں تھے۔ جب بھی کبھی اپنے سے بڑے یا اپنے سے چھوٹے کی خوبیوں کا اعتراف کرنا پڑا آپ نے کبھی اس میں بخل سے کام نہیں کیا۔ چنانچہ ایک مرتبہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے جبکہ ان پر قاتلانہ حملہ ہوا۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ کو خوشخبری ہو ''بخدا! آپ کا اسلام لانا اہل اسلام کے لیے باعث عزت ہوا۔ آپ کا ہجرت فرمانا وجہ کشائش ہوا۔ آپ کی خلافت سراپا عدل تھی۔ آپ نے رسول اللہ ﷺ کی صحبت وہم نشینی فرمائی تھی اور جب آپ ﷺ نے انتقال فرمایا تو وہ آپ سے راضی تھے۔ پھر ان کے بعد آپ کو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی ہم نشینی کا موقع ملا۔ چنانچہ جب انھوں نے اس دنیا سے انتقال فرمایا تو وہ بھی آپ سے راضی تھے اور اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ آپ کی خلافت پر دو آدمیوں نے بھی اختلاف نہیں کیا۔''

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے جب یہ سنا تو فرمایا: ''ابن عباس رضی اللہ عنہ! کیا تو اس بات کی گواہی دیتا ہے؟'' سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ ذرا ہچکچائے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ جو اس وقت وہاں موجود تھے، فوراً بول اٹھے، ہاں! ہم اس بات کی گواہی دیتے ہیں۔'' نعم نشهد بذالك (کتاب الآثار: ۲۰۷، ابن ابی الحدید: ۳/۲۱۵)

اسی طرح خلافت فاروقی کے دوران سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ سوار ہو کر کہیں جا رہے ہیں۔ پوچھا: ''امیر المومنین! کہاں تشریف لے جا رہے ہیں؟'' فرمایا: ''بیت المال کے اونٹوں میں سے صدقہ کا ایک اونٹ فرار ہو گیا ہے اس کو ڈھونڈنے جا رہا ہوں۔'' یہ سن کر سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

لقد اذ للت الخلفاء بعدك۔

''آپ نے اپنے بعد والے خلفاء کو مشقت میں ڈال دیا ہے۔''

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''ابوالحسن رضی اللہ عنہ! یہ کوئی قابل ملامت شے نہیں ہے۔'' پھر فرمایا: ''قسم ہے اس ذات کی جس نے محمد ﷺ کو نبوت عطا کر کے بھیجا، اگر بکری کا ایک بچہ بھی فرات کے کنارے گم ہو جائے گا تو روز

Marfat.com

قیامت عمر رضی اللہ عنہ سے اس کے بارے میں باز پرس ہوگئی۔ (سیرۃ عمر لابن الجوزی: ۱۴۰، البدایہ والنہایہ: ۷/۱۳۶)

ایک مرتبہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نہایت خوشگوار موڈ میں تھے۔ نزال بن سبرہ الہلالی نے عرض کیا ''امیر المومنین اصحاب رسولؐ کے بارے میں ہمیں کچھ بتایئے؟'' فرمایا: ''اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم میرے ساتھی اور رفیق کار تھے۔'' ہم نے کہا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بارے میں کچھ بتایئے؟'' فرمایا:

''ابوبکر رضی اللہ عنہ وہ شخص ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جبرئیل علیہ السلام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانوں سے ان کا نام ''صدیق'' رکھا ہے اور وہ نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ مقرر ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ہمارے دین کے لیے پسند فرمایا، پس ہم نے اپنے دنیوی معاملات کے لیے انھیں پسند کرلیا۔'' (اسد الغابہ: ۳/۲۱۶)

مختصر یہ کہ اعتراف حق کی یہ خوبی ہر شخص میں نہیں ہوتی۔ اس خوبی کے لیے بہت بڑے ظرف کی ضرورت ہوتی ہے اور جس میں یہ خوبی ہو وہ واقعتاً بہت بڑا آدمی ہوتا ہے اور اس لحاظ سے سیدنا علی رضی اللہ عنہ ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ ایک بہت بڑے انسان تھے۔

دیانت وامانت:

انسان کے فضائل اخلاق میں دیانت وامانت ایک بہت بڑی خوبی ہے۔ اس وجہ سے حق تعالیٰ شانہ نے سید الملائکہ جبرئیل علیہ السلام کو بھی امانت سے متصف کیا اور اکثر انبیاء کی صفت میں یہ لفظ قرآن حکیم میں استعمال ہوا: انی لکم رسول امین۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ بھی اس صفت سے متصف تھے۔ ایک تو کاتب وحی ہونے کے ناطے اور دوسرے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت فرمائی تو آپ نے لوگوں کی اپنے پاس رکھی ہوئیں امانتیں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے سپرد فرمائیں تاکہ وہ ان کے مالکان کے سپرد کردیں۔ یہ نبوت کا ان کے امین ہونے کی وجہ سے ان پر اعتماد تھا۔

اپنے زمانۂ خلافت میں جب اقتدار کی زمام آپ کے ہاتھ میں تھی تو آپ نے پبلک کے روپے کو نہایت اچھے طریقے سے صرف کیا۔ مال غنیمت کے نہایت احتیاط سے برابر حصے کرتے۔ چنانچہ ایک مرتبہ اصفہان سے مال آیا۔ اس میں ایک روٹی بھی تھی۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اس روٹی کے بھی سات ٹکڑے کیے اور قرعہ ڈال کر تقسیم کیا۔ (ازالۃ الخفاء: ۲/۲۶۶)

زُہد اور سادگی:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور قرون اولیٰ کے مسلمانوں کی زندگی کا طرہ امتیاز سادگی زہد اور تواضع تھا۔ آج دنیا میں رشوت اور کرپشن زندگی کے ہر شعبہ میں جاری وساری ہے۔ اس کا بنیادی عنصر غیر سادہ اور غیر زاہدانہ زندگی ہے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی زندگی بھی اپنے پیش روؤں کی طرح نہایت سادہ تھی۔ کتابوں میں لکھا ہے کہ بعض لوگ آپ سے مسائل پوچھنے آتے تو آپ اس وقت کبھی زمین کھودتے ہوئے پائے گئے، کبھی اپنی قمیص کے پیوند لگاتے اور کبھی

Marfat.com

کوئی اور کام کرتے ہوئے۔

یہ بھی آپ کی سادگی اور بے تکلفی ہی تھی کہ آپ گاہے گاہے فرش خاک پر بھی سو جاتے۔ چنانچہ اسی وجہ سے آپ کو ''ابوتراب'' کہا جانے لگا۔ آپ کی طبیعت کی سادگی، تواضع اور بے تکلفی سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کو تکلف اور عیش وعشرت سے سخت نفرت تھی۔ آپ کے طعام، رہائش، لباس اور روزمرہ کی زندگی میں سادگی کا چلن تھا۔ اس سادگی سے آپ کے زہد واتقاء کا بھی پتہ چلتا ہے۔ روایات سے پتہ چلتا ہے کہ ''آپ کی زندگی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی زندگی سے مشابہ تھی۔'' (کتاب الخراج، یحییٰ بن آدم:۲۴) اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے کاشانۂ فقر میں دنیوی شان وشکوہ کا بالکل گزر نہ تھا۔ اسی وجہ سے آپ نے اپنے کوفہ کے قیام کے دوران قصر خلافت کے بجائے ایک عام مکان میں اپنی رہائش رکھی۔ لوگوں کے اصرار پر آپ نے فرمایا: ''مجھے قصر خلافت میں ٹھہرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ عمر بن الخطاب قصر شاہی کو ناپسند فرماتے تھے۔'' (اخبار الطوال:۱۵۶)

آپ کی طبیعت کی سادگی اور زہد واتقاء پر ضرار اسدی کا وہ بیان بھی دلالت کرتا ہے جو انھوں نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے سامنے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے اوصاف بیان کرتے ہوئے دیا تھا۔ ضرار اسدی نے لکھا تھا:

''ان کے لباس کی سادگی دیدنی تھی۔ کھانا تکلفات سے یکسر خالی، سادہ اور موٹا جھوٹا، وہ ہم ہی کی طرح رہتے تھے، کچھ امتیاز نہیں تھا۔ (روضۃ النظرہ:۲/۲۱۲)

جس زمانے میں آپ کی معیشت بہتر ہوئی اور آپ کی زکوٰۃ چالیس ہزار درہم نکلتی تھی (مسند احمد:۴/۲۴) اس زمانے میں آپ اپنی آمدنی کا بہت بڑا حصہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں صرف فرما دیتے۔ ایک مرتبہ آپ نے دو قمیصیں خریدیں۔ اپنے غلام سے فرمایا کہ ایک قمیص تم لے لو۔ چنانچہ ایک قمیص اس نے لے لی، دوسری قمیص سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے جب زیب تن کی تو اس کی آستین لمبی تھی۔ آپ نے زائد مقدار کاٹ دی اور کاٹنے کے بعد بغیر سلائی کے اسے استعمال فرمایا۔ (اسد الغابہ:۴/۲۴)

انفاق فی سبیل اللہ:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کا ایک اثر یہ بھی تھا کہ آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے قلوب سے دنیا اور خصوصی طور پر مال کی محبت بالکلیہ نکال دی تھی۔ چنانچہ جنگ تبوک کے موقع پر سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنا سارا مال، سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے نصف اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک تہائی فوج کا ایک ایک تسمہ تک دیا۔

(زرقانی:۳/۶۴، عیون الاثر:۲/۲۱۶)

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے بھی اپنی استطاعت سے بڑھ کر اپنے مال کو اللہ کے راستے میں خرچ کیا۔ مسند احمد کی روایت کے مطابق ایک وقت آپ پر ایسا بھی آیا جب ۴۰ ہزار درہم آپ کی زکوٰۃ نکلتی تھی۔ اس زمانے میں بھی آپ نے اپنے مال کا بیشتر حصہ اللہ کے راستے میں تقسیم فرما دیا۔

Marfat.com

عبادت:

قرآن حکیم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اوصاف میں یہ دو وصف بھی بیان کیے ہیں کہ وہ رکوع کرنے والے اور سجدہ کرنے والے ہیں۔ یہ بھی بتایا گیا کہ ان کے چہرے پر ان کے سجدوں کے اثرات آپ کو نظر آئیں گے، اس سے پتہ چلتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بہت زیادہ عبادت گزار تھے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ بھی صحابی ہونے کے ناطے اور نبوتؐ کے زیر کفالت تربیت حاصل کرنے کی وجہ سے بہت زیادہ عبادت گزار تھے۔

عبادت میں ایک چیز التزام ہے۔ ایک روایت سے پتہ چلتا ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ عبادت میں بہت زیادہ التزام فرماتے تھے۔ چنانچہ امام احمد نے اپنی مسند میں ایک روایت نقل فرمائی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی لخت جگر سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ تم دونوں میاں بیوی ہر نماز کے بعد ۱۰ بار سبحان اللہ، ۱۰ بار الحمد للہ، ۱۰ بار اللہ اکبر پڑھ لیا کرو اور سوتے وقت ۳۳ بار سبحان اللہ، ۳۳ بار الحمد للہ اور ۳۴ بار اللہ اکبر پڑھ لیا کرو۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب سے سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مجھے اس ذکر کی تلقین فرمائی، میں نے ایک روز بھی اس کو ترک نہیں کیا۔ (مسند احمد: ۱/۱۰۶)

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے نبوتؐ کی عبادت کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا، لہٰذا عام صحابہ کے مقابلے میں آپ کی عبادت میں ایک خاص خصوصیت تھی۔ یہ تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ تھے۔ آپ کے پوتے سیدنا علی بن الحسین رضی اللہ عنہ کا تو لقب ہی ''زین العابدین'' (عبادت گزاروں کی زینت) تھا اور ان کے بارے میں زبیر بن سعید قریشی فرماتے ہیں کہ:

''میں نے کسی ہاشمی کو ان سے زیادہ عبادت گزار نہیں دیکھا۔'' (مستدرک حاکم، ۳/۱۰۸)

شجاعت و بسالت:

شجاعت و بسالت سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا مخصوص وصف تھا۔ چنانچہ آپ نے عہد نبویؐ میں غزوۂ بدر سے لے کر قریباً تمام غزوات میں شرکت فرمائی اور بہادری کے جوہر دکھائے۔ غزوۂ بدر میں آپ عنفوان شباب میں تھے۔ جنگ میں آپ نے قریشی فوج کے سپہ سالار عتبہ کے بیٹے ولید کو قتل کیا۔ غزوۂ احد میں قریش کے علم بردار طلحہ بن ابی طلحہ کو قتل کیا۔ غزوۂ احزاب میں آپ نے عرب کے مشہور پہلوان عمرو بن عبدود کو قتل کیا۔ غزوۂ خیبر میں بھی اپنی بہادری کے جوہر دکھائے اور بعض روایات کے مطابق مرحب کو آپ نے قتل کیا، لیکن ہمارے نزدیک صحیح روایات کی روشنی میں مرحب کو محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے قتل کیا تھا۔

مختصر یہ کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ ایک شجاع، بہادر اور فراخ حوصلہ شخص تھے اور شجاعت و بہادری آپ کا ایک خاص وصف تھا۔

Marfat.com

خانگی زندگی:

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی خانگی زندگی دو حصوں میں منقسم تھی۔ ایک شادی سے قبل اور دوسری شادی کے بعد۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے شادی سے پہلے آپ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہی رہتے تھے، لیکن سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شادی کے بعد آپ رسول اللہ ﷺ سے علیحدہ مکان میں سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ رہنے لگے۔ چنانچہ اب آپ کو اپنی گھریلو زندگی چلانے کے لیے کسب معاش کے لیے جدوجہد کرنا پڑی۔ آپ کسی ہنر وفن سے واقف نہ تھے۔ لہٰذا تاریخ کے اوراق کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ کبھی تو اونٹ پر گھاس لاد کر روزی کمائی، لیکن جب ایک دن سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ نے ان کے اونٹ کو ذبح کر کے لوگوں کو کھلایا تو پھر آپ کا یہ معاشی ذریعہ بھی ختم ہو گیا۔ یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ آپ نے کچھ عرصہ کنوؤں سے پانی نکال کر باغوں کی سقائی اور سیرابی کا پیشہ بھی اختیار کیے رکھا۔ مدینہ طیبہ کی زندگی میں مختلف غزوات کے مال غنیمت میں سے بھی آپ کو حصہ ملتا رہا۔ جنگ خیبر کے بعد اموال فے میں سے بھی گھر کی گزر اوقات کے لیے رسول اللہ ﷺ امداد فرماتے تھے۔ ایک زمانہ ایسا بھی آیا جب مال غنیمت وافر مقدار میں آیا۔ امیر المومنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو کہلا بھیجا کہ آپ اس مال کو بنو ہاشم میں تقسیم کر دیں۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ''امیر المومنین! ہم لوگ اب اس مال سے مستغنی ہیں کیونکہ اب ہماری معاشی حالت بہتر ہو گئی ہے اور دوسرے مسلمان اس مال کے ہم سے زیادہ ضرورت مند ہیں۔ چنانچہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے وہ مال دوسرے حاجت مندوں اور ضرورت مند مسلمانوں کے لیے بیت المال میں واپس کر دیا۔

(ابوداؤد: ۲/ ۶۱، مسند احمد ۱/ ۸۴، کتاب الخراج لابی یوسف: ۲۰)

ایک مرتبہ فرمایا: ''ایک وہ زمانہ تھا کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بھوک کی شدت کی وجہ سے پیٹ پر پتھر باندھا کرتا تھا اور آج میرا یہ حال ہے کہ میری سالانہ زکوٰۃ کی رقم ۴۰ ہزار درہم ہوتی ہے۔'' (مسند احمد ۱/ ۱۵۹)

مالی طور پر تو آپ کی خانگی زندگی کا یہ حال تھا، لیکن میاں بیوی کے آپس کے تعلقات بھی بہت اچھے تھے۔ کبھی کبھی ہر گھر کی طرح سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے کچھ رنجش ہو جاتی لیکن رسول اللہ ﷺ صلح صفائی کرا دیتے۔ چنانچہ ایک مرتبہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے غصے کی حالت میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا:

''اے ابو طالب کے بیٹے! تو اس طرح چادر میں چھپ گیا جس طرح بچہ رحم مادر میں چھپا ہوا ہوتا ہے اور تو لوگوں سے اس طرح پوشیدہ ہو کر بیٹھ گیا جیسے ایک تہمت ناک شخص پوشیدہ ہو کر بیٹھ جاتا ہے۔''

(الامالی طوسی: ۲/ ۲۹۵، احتجاج طبری: ۵۹، بحار الانوار: ۱۰، ۴۳، حق الیقین فارسی: ۱۲۵)

اسی طرح کے کئی اور واقعات سیدہ رضی اللہ عنہا کی ناراضگی کے مختلف کتابوں میں مرقوم ہیں جیسے، جب سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ابو جہل کی بیٹی سے نکاح کرنے کا ارادہ فرمایا تو سیدہ رضی اللہ عنہا ناراض ہو گئیں۔

(ملاحظہ ہو بخاری: ۱/ ۵۲۸، ۲/ ۷۸۷، جلاء العیون، ۱/ ۲۲۷)

Marfat.com

ازواج واولاد:

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اپنی زندگی کے مختلف اوقات میں کئی شادیاں کیں جن سے چودہ لڑکے اور سترہ لڑکیاں پیدا ہوئیں۔ آپ کی اپنی نسل بقول واقدی صرف پانچ لڑکوں سے چلی جن کے نام حسب ذیل ہیں:

① سیدنا حسن رضی اللہ عنہ ② سیدنا حسین رضی اللہ عنہ ③ سیدنا محمد بن الحنیفہ ④ سیدنا عباس اور سیدنا عمر۔

آپ نے سب سے پہلی شادی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کی۔ چار سو درہم مہر مقرر ہوا۔ یہ شادی سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی ترغیب پر ہوئی۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی مالی حالت اس زمانہ میں نہایت کمزور تھی۔ چنانچہ شادی کے مصارف کے لیے آپ نے اپنی زرہ چار سو درہم میں اور بقول زرقانی ۴۸۰ درہم میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ فروخت کی۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے زرہ خرید کر رقم اور زرہ دونوں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو واپس کر دیں۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے رقم اور زرہ دونوں بارگاہ نبویؐ میں جا کر پیش کر دیں۔ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو بہت دعائیں دیں (فدعا لعثمان بدعوات)۔ سیدہ کا جہیز سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے خریدا۔ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے نہایت احسن طریقے سے اپنی بیٹی کو رخصت کیا اور خوشی اور محبت سے فرمایا: ''ہم نے فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شادی سے بہتر کوئی اور شادی نہیں دیکھی۔''

یہ شادی ۲۱ محرم ۴ھ میں ہوئی۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ہاں دو لڑکے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ اور دو صاحب زادیاں سیدہ زینب کبریٰ رضی اللہ عنہا اور سیدہ ام کلثوم کبریٰ رضی اللہ عنہا پیدا ہوئیں۔

سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی پیدائش پر سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ان کا نام حمزہ اور ایک روایت کے مطابق حرب رکھا تھا۔ اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کا نام جعفر رکھا تھا، لیکن سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حسن رضی اللہ عنہ اور حسین رضی اللہ عنہ رکھا۔ عام خیال یہ ہے کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اولاد میں سیدنا حسن رضی اللہ عنہ سب سے بڑے تھے، لیکن ملا باقر مجلسی کی روایت کے مطابق سیدہ ام کلثوم کبریٰ رضی اللہ عنہا سب سے بڑی تھیں۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی زندگی میں کوئی دوسری شادی نہیں کی۔ ایک دفعہ آپ کو ابوجہل کی بیٹی سے شادی کرنے کا خیال آیا۔ جب اس بات کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ہوئی تو آپؐ نے فرمایا کہ ''رسولؐ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی اور عدو اللہ (اللہ کے دشمن) کی بیٹی ایک نکاح میں جمع نہیں ہو سکتیں۔'' (طبقات: ۸/۲،۴۳۸/۷۸۷)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے قریباً چھ ماہ بعد سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہو گیا۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی اور چار تکبیریں پڑھیں۔ (طبقات: ۱۹، کنز العمال: ۶/۳۱۸)

نماز جناہ کے بعد آپ کو جنت البقیع میں دفن کیا گیا اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ، سیدنا عباس رضی اللہ عنہ اور سیدنا فضل بن عباس رضی اللہ عنہ نے بصد حسرت و یاس سیدہ رضی اللہ عنہا کو دفن کیا۔

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے انتقال کے بعد سیدہ رضی اللہ عنہا کی وصیت کے مطابق سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی

Marfat.com

حقیقی بڑی بہن سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی صاحب زادی سیدہ امامہ بنت ابی العاص رضی اللہ عنہ سے شادی کی۔

(اسد الغابہ:۴،۴۰۰، مروج الذہب:۲/۲۹۸)

بعض روایات کے مطابق ان سے ایک لڑکا محمد الاوسط پیدا ہوا لیکن صحیح یہ ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی ان سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ جب کوفہ میں شہید ہوئے اس وقت سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی ازواج میں سے سیدہ امامہ رضی اللہ عنہا زندہ تھیں۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد ان کا نکاح سیدنا مغیرہ بن نوفل بن حارث بن عبدالمطلب سے ہوا اور انہی کے نکاح میں ان کا انتقال ہوا۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی ایک شادی سیدہ ام البنین بنت حزام سے ہوئی۔ ان کا تعلق بنو کلاب سے تھا۔ اس اہلیہ سے سیدنا عباس، سیدنا جعفر، سیدنا عثمان اور سیدنا عبداللہ پیدا ہوئے۔ یہ چاروں حضرات سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ میدان کربلا میں شہید ہوئے۔

لیلیٰ بنت مسعود سے بھی آپ نے شادی فرمائی اور ان سے دو لڑکے عبیداللہ اور ابوبکر پیدا ہوئے۔ یہ دونوں بھی سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ میدان کربلا میں شہید ہوئے۔

ایک اور شادی سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیوہ سیدہ اسما بنت عمیس رضی اللہ عنہا سے کی۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ان کے ہاں محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ پیدا ہوا جو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا ربیب تھا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے ان کے ہاں ایک لڑکا یحییٰ پیدا ہوا۔ جو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی زندگی میں ہی انتقال کر گیا۔

عروہ رضی اللہ عنہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی صاحب زادی سیدہ ام السعید بنت عروہ الثقفی بھی سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے حبالۂ عقد میں آئیں اور ان سے ام الحسن اور رملۃ الکبریٰ پیدا ہوئیں۔

محیاۃ بنت امراء القیس الکلبیہ سے بھی سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے نکاح فرمایا اور اس سے ایک صاحب زادی پیدا ہوئی جو بچپن ہی میں انتقال کر گئی تھی۔

ام حبیبہ بنت ربیعہ سے بھی سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے نکاح فرمایا۔ یہ ام الولد تھی۔ ان سے عمر اور رقیہ پیدا ہوئیں۔ یہ دونوں حضرات جڑواں تھے۔ جناب عمر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے سب سے چھوٹے صاحب زادے تھے۔ ۸۵ سال کی عمر میں سب سے آخر میں ان کا انتقال ہوا۔ ان کی صاحب زادی سیدہ رقیہ سے سیدنا مسلم بن عقیل نے نکاح کیا تھا اور ان سے عبداللہ بن مسلم ہوئے تھے۔

خولہ بنت جعفر بن قیس یہ حنفیہ کے نام سے مشہور تھیں۔ یہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں گرفتار ہو کر آئیں۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اسے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے حبالۂ عقد میں دے دیا۔ ان کے بطن سے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے صاحب زادے محمد پیدا ہوئے۔ علماء نے لکھا ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی نرینہ اولاد میں سے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے بعد یہ سب سے زیادہ عالم تھے۔ چنانچہ علامہ خیر الدین الزرکلی نے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ سیدنا محمد ابن الحنفیہ نے فرمایا:

Marfat.com

''حسن رضی اللہ عنہ اور حسین رضی اللہ عنہ مجھ سے افضل ضرور ہیں لیکن میں علم میں ان سے زیادہ ہوں۔''

(الاعلام للزرکلی: ۱۸۲/۷)

ایسا ہی عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب: ص ۳۴۷ میں لکھا ہے۔

علمائے تاریخ نے لکھا ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی زندگی میں سوائے چار بیویوں کے باقی سب کا انتقال ہو گیا تھا۔ان چار کے نام یہ ہیں:

① سیدہ امامہ رضی اللہ عنہا ② سیدہ ام البنین رضی اللہ عنہا

③ سیدہ لیلیٰ رضی اللہ عنہا ④ سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا

ان ازواج کے علاوہ آپ کی متعدد لونڈیاں بھی تھیں۔جن سے آپ کی متعدد اولادیں پیدا ہوئیں۔

Marfat.com

سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہ

آپ کا نام حسن، کنیت ابومحمد، لقب ریحانۃ النبیؐ اور شبیہ بالرسولؐ، سلسلہ نسب کچھ یوں: حسن بن علی بن ابی طالب بن عبدالمطلب بن ہاشم بن مناف۔

آپ رسول اللہ ﷺ کی سب سے چھوٹی صاحب زادی سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کے بطن سے تھے۔ عام مؤرخین کی روایت کے مطابق آپ رمضان المبارک سنہ ۳ ھ میں پیدا ہوئے لیکن قرائن وشواہد سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ آپ کی ولادت سنہ ۷ ھ میں غزوۂ خیبر کے بعد ہوئی اور غزوۂ خیبر بعض کے نزدیک ۶ ھ میں اور ثقہ روایت کے مطابق سنہ ۷ ھ میں ہوا۔

مشکوٰۃ میں ایک روایت ہے کہ سیدہ ام الفضل زوجہ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے سرکار دوعالم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوکر اپنا ایک خواب بیان کیا کہ رات کو اپنے جسم کا ایک ٹکڑا کاٹ کر میری گود میں ڈالا گیا، یہ سن کر نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ تمھارا یہ خواب بہت اچھا ہے اور اس کی تعبیر یہ ہے کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لڑکا ہوگا اور اللہ نے چاہا تو وہ تیری گود میں رہے گا۔ چنانچہ جب سیدنا حسن رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے تو آپ کی تعبیر کے مطابق وہ میری گود میں رہے۔ (مشکوٰۃ، طبقات ابن سعد: ۳۵۶/۸)

سیدہ ام الفضل اپنے شوہر سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کے ساتھ فتح مکہ کے موقع پر مدینہ طیبہ تشریف لائیں اور اس کے بعد آپ نے یہ خواب حضور ﷺ سے بیان کیا کیونکہ اس سے پہلے یہ مکہ مکرمہ میں تھیں۔

شیعہ حضرات کی روایات کے مطابق سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی ولادت غزوۂ خیبر کے بعد ہوئی ہے۔

(ملاحظہ ہو؛ جلاء العیون: ۳۰۷/۱)

ہمارے نزدیک راجح قول یہی ہے کہ آپ کی ولادت رمضان المبارک سنہ ۳ ھ میں مدینہ طیبہ میں ہوئی۔

رسول اللہ ﷺ کو جب آپ کی ولادت کا علم ہوا تو امام ذہبی رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر خود تشریف لائے اور ان کے کان میں اذان کہی۔ (سیر اعلام النبلاء: ۱۶۶/۳)

پھر اذان ہی نہیں کہی بلکہ روایات میں ہے کہ آپ نے اپنے لعاب دہن سے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو گھٹی بھی دی۔ (سیر اعلام النبلاء: ۶۶۴/۳، البدایہ والنہایہ: ۳۳/۸)

Marfat.com

بچے کی پیدائش کے وقت اس کو گھٹی دینا بھی اسلام میں مستحب ہے۔ سرکار دو عالم ﷺ نے مختلف اوقات میں مختلف بچوں کو گھٹی دی۔ چنانچہ سیدنا ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ کے ہاں بیٹا پیدا ہوا تو آپؐ نے کھجور اپنے منہ میں چبا کر اس کو گھٹی دی اور اس کا نام عبداللہ رکھا۔ اسی طرح سیدہ اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا کے ہاں عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے تو وہ گھٹی دینے کی غرض سے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچیں اور آپؐ نے کچھ کھجوریں لے کر ان کو چبایا اور پھر بچے کے منہ میں اپنا لعاب دہن ڈال دیا۔ چنانچہ جو چیز سب سے پہلے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے پیٹ میں گئی وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا لعاب دہن تھا۔ (ملاحظہ ہو مسلم نمبر: ۵۴۹۸، ۵۵۰۱)

نام رکھنا:

گھر والوں نے آپ کا نام ''حرب'' تجویز کیا، لیکن سرکار دو عالم ﷺ کو جب علم ہوا تو آپ ﷺ نے اسے تبدیل کر کے ''حسن'' نام رکھا۔ چنانچہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب حسن متولد ہوئے تو میں نے ان کا نام ''حرب'' تجویز کیا۔ جب رسول اللہ ﷺ تشریف لائے تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''مجھے میرا فرزند دکھاؤ۔'' آپ ﷺ نے جب سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو دیکھا تو پیار کرنے کے بعد پوچھا: ''تم لوگوں نے اس کا نام کیا رکھا ہے؟'' میں نے عرض کی کہ ''حرب''، آپ ﷺ نے فرمایا یہ ''حرب'' نہیں بلکہ ''حسن'' ہے۔''

پھر جب حسین رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے تو میں نے اس کا نام بھی ''حرب'' رکھا لیکن آپ ﷺ نے اس کو بھی تبدیل کر کے فرمایا کہ یہ حسین رضی اللہ عنہ ہے اور پھر جب تیسرا بیٹا پیدا ہوا تو میں نے پھر اس کا نام حرب رکھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کا نام بھی تبدیل کر کے فرمایا کہ اس کا نام ''محسن'' ہے۔

پھر ارشاد فرمایا: ''ہارون علیہ السلام کے بچوں کے نام شبر، شبیر اور مبشر تھے۔''

(سیر اعلام النبلاء: ۳/ ۱۶۵، الاصابہ: ۴۵۰، اسد الغابہ: ۲/ ۱۰، فضائل الصحابہ امام احمد بن حنبل: ۷۷۲)

عقیقہ:

ولادت کے ساتویں دن سر منڈانا اور عقیقہ کرنا مسنون ہے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ دونوں کی پیدائش پر ان کے سر بھی منڈائے اور ان کا عقیقہ بھی کیا۔ روایات میں ہے کہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی ولادت پر سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا نے سرکار دو عالم ﷺ کے حکم کے مطابق ان دونوں کے ساتویں روز سر کے بال اتروائے اور پھر ان بالوں کے وزن کے برابر چاندی خیرات کی۔

(سیر اعلام النبلاء: ۳/ ۱۶۶، الاستیعاب: ۱/ ۳۶۸)

ایک اور روایت میں ہے کہ سیدنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ سرکار دو عالم ﷺ نے دو بکریاں سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی طرف سے اور دو بکریاں سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی طرف سے ان کی ولادت کے ساتویں دن عقیقہ کے لیے

Marfat.com

ذبح کیں اور آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ان کے سروں سے بال اتروائے جائیں اور سروں پر خوشبو لگائی جائے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اس موقع پر رسول اللہ ﷺ نے ہدایت فرمائی کہ اللہ کے نام پر ان جانوروں کو ذبح کریں اور ذبح کرتے ہوئے کہیں:

اللهم لك واليك هذه عقيقة فلان۔

راوی کا بیان ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں لوگ جب کسی بچہ کی پیدائش پر کوئی جانور ذبح کرتے تو عقیقہ کے جانور کا خون روئی کے ساتھ لگا کر نومولود کے سر پر لگاتے لیکن سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی ولادت کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے ایسا نہیں کیا بلکہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ خون کے بجائے مرکب خوشبو لے کر ان بچوں کے سروں پر لگائیں۔ (المصنف عبدالرزاق: ۴/۳۳۰)

یہاں یہ بات ذہن میں رہے کہ بعض روایات میں عقیقہ میں ایک بکری ذبح کرنے کا بھی ذکر آیا ہے۔ ان دونوں روایات میں علماء نے اس طرح تطبیق کی ہے کہ عقیقہ میں دو بکریاں ذبح کرنا افضل اور اولیٰ ہے اور ایک بکری ذبح کرنے سے بھی سنت ادا ہو جاتی ہے۔

آلِ نبوتؐ پر صدقہ جائز نہیں:

اسلام میں یہ مسئلہ اپنی جگہ پر مسلمہ ہے کہ آل نبوتؐ کے لیے زکوٰۃ لینا جائز نہیں اور ان کے لیے فرضی صدقہ بھی ممنوع ہے۔ چنانچہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہ نے صدقہ کی ایک کھجور اپنے منہ میں ڈال لی۔ رسول اللہ ﷺ نے جب یہ دیکھا تو سیدنا حسن رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اسے تھوک ڈالو اور فرمایا:

اماشعرت انا لاناكل الصدقة۔

''تو نہیں جانتا کہ ہم صدقہ نہیں کھاتے اور یہ ہمارے لیے حلال نہیں۔''

(بخاری: ۱/ المصنف لابن ابی شیبہ: ۱۲/۲)

ایسے ہی ایک اور موقع پر سرکار دو عالم ﷺ نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے منہ میں انگلی ڈال کر صدقہ کی کھجور باہر اگلوا دی اور فرمایا:

انا آل محمد لاناكل الصدقة۔

''ہم آل محمد ﷺ صدقہ نہیں کھایا کرتے۔'' (طبقات ابن سعد ۶/۲۹، مسند احمد بن حنبل: ۱/۲۲۰)

سیدنا حسن رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ ﷺ کی محبت وشفقت:

رسول اللہ ﷺ ویسے تو دونوں بھائیوں سے پیار فرماتے تھے لیکن خصوصی طور پر سیدنا حسن رضی اللہ عنہ سے آپ ﷺ کچھ زیادہ شفقت ومحبت فرماتے تھے۔ اس کی شاید ایک وجہ یہ بھی تھی کہ آپ ﷺ کے اس نواسے کی

Marfat.com

آپ ﷺ سے جسمانی مشابہت تھی۔ چنانچہ روایات میں ہے کہ سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو پیار کرتے ہوئے اچھالتی تھیں اور فرماتی تھیں:

بابی شبه النبی لیس شبیها بعلی۔

یعنی حسن رضی اللہ عنہ کی مشابہت اپنے باپ علی رضی اللہ عنہ سے نہیں بلکہ نبی اکرم ﷺ سے ہے۔

(مسند احمد بن حنبل:۶/۲۸۳، الاصابہ:۳/۶۰۶، مسند الحمیدی:۲/۳۹۳)

اسی محبت وشفقت کی وجہ سے سرکار دو عالم ﷺ ان دونوں نواسوں کو اپنی سواری پر سوار کر لیتے۔ چنانچہ سیدنا عبداللہ بن جعفر طیار رضی اللہ عنہ اپنے بچپن کا ایک واقعہ یوں ذکر فرماتے ہیں کہ جب نبی اکرم ﷺ کی سفر سے واپسی ہوتی تو ہم یعنی سیدنا عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ، سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہ اور سیدنا حسین بن علی رضی اللہ عنہ پیش قدمی کے طور پر آگے چل کر آپ ؐ کی خدمت گرامی میں حاضر ہوتے۔ رسول اللہ ﷺ نہایت شفقت ومحبت کی وجہ سے ہمیں اپنی سواری پر سوار کر لیتے اور اسی حالت میں آپ مدینہ طیبہ میں داخل ہوتے یعنی ہم آپ ؐ کے ساتھ آپ ؐ کی سواری پر سوار ہوتے۔ (المصنف لابن ابی شیبہ:۹/۳۵)

اس قسم کی اور بھی کئی روایات کتابوں میں منقول ہیں۔ چنانچہ ایک صحابی فرماتے ہیں کہ میں ایک سفر سے سرکار دو عالم ﷺ کو واپس لایا۔ اس وقت آپ ؐ کے یہ دونوں نواسے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ آپ کے ساتھ اس خچر پر سوار تھے۔ ایک نواسے کو آپ ؐ نے آگے بٹھایا ہوا تھا اور دوسرے کو پیچھے حتی کہ میں نے ان کو نبی اکرم ﷺ کے حجرۂ مبارک میں داخل کیا۔ (مسلم حدیث نمبر:۶۱۳۸)

اسی محبت اور شفقت کا ہی نتیجہ تھا کہ یہ دونوں بھائی (سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ) حضور ﷺ سے بچپن میں اپنی طفلانہ حرکات سے پیش آتے۔ چنانچہ عمرو بن دینار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ جب اپنی نماز میں سجدہ ریز ہوتے تو بعض دفعہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کی پشت مبارک پر سوار ہو جاتے اور جب رسول اللہ ﷺ اپنا سر مبارک اٹھاتے تو انھیں ہٹا دیتے۔ (المصنف عبدالرزاق:۲/۳۴)

سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے بارے میں بھی حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی طرح کی ایک روایت نقل کی ہے کہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ بھی آپ ﷺ کے پاس آتے۔ آپ اس وقت سجدے میں ہوتے تو سیدنا حسن رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کی پیٹھ پر سوار ہو جاتے۔ اور اگر آپ رکوع میں ہوتے تو وہ آپ ؐ کے پاؤں میں سے ایک طرف سے دوسری طرف نکل جاتے۔ (سیر اعلام النبلاء:۳/۲۴۹)

بہر حال یہ سرکار دو عالم ﷺ کی شفقت کا نتیجہ تھا۔ روایات میں یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ کبھی کبھی محبت سے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو اپنے دوش مبارک پر اٹھا لیا کرتے تھے اور پھر فرماتے:

اللهم انی احبه فاحبه۔ (متفق علیہ، البدایہ والنہایہ:۸/۳۴)

''اے اللہ میں اس سے محبت کرتا ہوں تو بھی اس سے محبت کر۔''

Marfat.com

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سیدنا حسن رضی اللہ عنہ سے محبت:

جب سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم ان سے محبت فرماتے تھے تو یہ کیسے ہوسکتا تھا کہ آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان سے محبت نہ کریں۔ چنانچہ روایات میں آتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی ان سے غایت درجہ محبت کرتے تھے۔ ایک روایت میں عمیر بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ میں سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا کہ اتفاقاً ہماری ملاقات سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہوگئی۔ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ میں آپ کے جسم کے اس مقام پر بوسہ دینا چاہتا ہوں جہاں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بوسہ دیا کرتے تھے۔ چنانچہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے اپنے پیٹ پر سے قمیص اٹھائی اور سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے آپ کی ناف کو بوسہ دیا۔

(تقبیل سرتہ، الفتح الربانی شرح وترتیب مسند احمد بن حنبل: ۳/۱۶۷، مجمع الزوائد: ۹/۱۷۷، مستدرک: ۳/۱۶۸)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان دونوں نواسوں سے کچھ اس لیے بھی زیادہ محبت فرماتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی والدہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے بڑی محبت فرماتے تھے جس کی دو وجوہات تھیں:

① ایک یہ کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی زندگی ہی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری صاحب زادیاں اور صاحب زادے انتقال فرما گئے تھے اس لیے آپ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے بڑی محبت فرماتے تھے۔

② دوسری وجہ یہ بھی تھی اور انسانی نفسیات بھی اس کا تقاضا کرتی ہے کہ چونکہ آپ کی تین صاحب زادیاں بنو امیہ کے جن حضرات کے ساتھ بیاہی ہوئی تھیں وہ حضرات متمول تھے۔ ان کے مقابلے میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ جو سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے شوہر نامدار تھے، کمزور مالی حیثیت کے حامل تھے اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اپنی پوری زندگی قلاشی اور مفلسی میں گزاری۔ چکی پیستے پیستے آپ رضی اللہ عنہا کے ہاتھوں میں گٹے پڑ گئے تھے اور گھر میں کئی کئی روز فاقہ رہتا تھا۔ چنانچہ ملا باقر مجلسی نے لکھا ہے کہ:

''بسند معتبر جناب امیر سے روایت ہے کہ جناب فاطمہ رضی اللہ عنہا حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوب ترین مردم تھیں اور اس قدر مشکیزے پانی کے اٹھائے کہ سینہ مبارک سے اثر ایذا کا ظاہر ہوا اور اس قدر چکی پیسی کہ ہاتھ مجروح ہوگئے اور اس قدر گھر میں جھاڑو دی کہ کپڑے گرد آلود ہوگئے اور اس قدر کھانے پکائے اور آگ سلگائی کہ کپڑے سیاہ ہوگئے۔'' (جلاء العیون جلد ۱/۱۶۳)

اس کے مقابلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے بڑی صاحب زادی سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے شوہر ابو العاص رضی اللہ عنہ بھی کھاتے پیتے اور تاجر پیشہ آدمی تھے اور آپ کے دوسرے داماد سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ تو مکہ کے متمول ترین لوگوں میں سے تھے۔ اس وجہ سے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی اس صاحب زادی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے بہت محبت اور الفت تھی کیونکہ یہ اپنی زندگی نہایت عسرت اور تنگی سے گزار رہی تھیں اور نفسیاتی طور پر ایک باپ کو ایسی بیٹی سے زیادہ پیار ہوتا ہے۔

علاوہ ازیں بعض روایات سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ تعلقات

Marfat.com

کشیدہ رہتے تھے۔ چنانچہ اسی بنا پر ایک مرتبہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ابوجہل کی بیٹی جویریہ سے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ہوتے ہوئے نکاح کرنا چاہا۔ جب رسول اللہ ﷺ کے کانوں تک یہ خبر پہنچی تو آپ ﷺ نے ایک خطبہ ارشاد فرمایا جس میں بنو امیہ میں سے اپنے دامادوں (سیدنا ابوالعاص رضی اللہ عنہ اور سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ) کی تعریف فرمائی۔ گویا کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو یہ سمجھایا کہ ان دامادوں نے میری بیٹیوں کے ساتھ کیسا اچھا سلوک کیا حالانکہ ان کا تعلق دوسرے قبیلوں سے تھا اور اے علی رضی اللہ عنہ! تم تو میرے اپنے ہو۔ تم سے تو یہ توقع نہ تھی کہ تم میری بیٹی پر سوکن لانے کا ارادہ کرتے۔ آپ ﷺ نے پھر فرمایا:

''سنو! میں کسی حلال کو حرام اور حرام کو حلال نہیں کرتا، لیکن یہ یاد رکھو کہ رسول اللہ (ﷺ) کی بیٹی اور عدواللہ (اللہ کے دشمن) کی بیٹی ایک نکاح میں جمع نہیں ہو سکتیں۔''

راوئ حدیث سیدنا مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے منہ سے ناراضگی کے یہ الفاظ سن کر سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ابوجہل کی بیٹی جویریہ سے نکاح کرنے کا ارادہ ترک کر دیا۔ (بخاری: ۱/ ۴۳۸، ۲/ ۷۸۷)

بخاری کے علاوہ یہ واقعہ اور بھی کئی کتابوں میں منقول ہے خود شیعہ حضرات کی کتابوں میں بھی یہ واقعہ مرقوم ہے۔ (ملاحظہ ہو شرح مواہب اللدنیہ زرقانی: ۳/ ۲۰۵)۔

بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا:

''فاطمہ رضی اللہ عنہا میرے جسم کا ایک ٹکڑا ہے جو شے اس کو ایذا دیتی ہے وہ مجھے بھی ایذا دیتی ہے۔''
(فتح الباری: ۷/ ۶۹)

ملا باقر مجلسی نے بھی اس روایت کو بدیں الفاظ نقل کیا ہے۔ چنانچہ لکھا ہے:

''سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ابوجہل کی لڑکی جویریہ کو شادی کا پیغام دیا تو رسول خدا ﷺ نے جناب فاطمہ رضی اللہ عنہا کو محزون و ملول پایا۔ آپ ﷺ نے غسل فرمایا۔ لباس تبدیل کر کے مجلس میں تشریف لائے اور نمازیں پڑھنی شروع کیں۔ مشغول رکوع و سجود ہوئے اور بعد دو رکعت کے دعا مانگتے تھے:

''خداوندا! فاطمہ رضی اللہ عنہا کے حزن و ملال کو زائل فرما کیونکہ جس وقت گھر سے باہر آئے تھے تو فاطمہ رضی اللہ عنہا کو دیکھ کر آئے تھے کہ آپ کروٹیں بدلتی اور ٹھنڈی سانسیں بھرتی ہیں۔ پھر گھر میں تشریف لے گئے دیکھا کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو نیند نہیں آتی اور بے قرار ہے۔''

''فرمایا! اے دختر گرامی! اے فاطمہ رضی اللہ عنہا! اٹھو، جناب فاطمہ رضی اللہ عنہا اٹھیں تو جناب رسول اللہ نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو اور فاطمہ رضی اللہ عنہا نے حسین رضی اللہ عنہ کو اٹھایا اور ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا ہاتھ پکڑ کر مسجد میں تشریف لائے، یہاں تک کہ قریب جناب امیر رضی اللہ عنہ کے پہنچے، اس وقت جناب امیر رضی اللہ عنہ آرام فرما رہے تھے۔

''اس وقت جناب رسول اللہ ﷺ نے اپنا پاؤں جناب امیر رضی اللہ عنہ کے پاؤں پر رکھا اور فرمایا: اے ابو تراب رضی اللہ عنہ! گھر والوں کو تم نے اپنی جگہ سے جدا کیا ہے، جاؤ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ اور طلحہ رضی اللہ عنہ کو

Marfat.com

بلالاؤ۔ پس جناب امیر رضی اللہ عنہ گئے اور ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ کو بلا لائے۔ جب قریب جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حاضر ہوئے تو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے علی رضی اللہ عنہ! کیا تم نہیں جانتے کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا میرے جسم کا ایک ٹکڑا ہے اور میں فاطمہ رضی اللہ عنہا سے ہوں۔ جس نے اسے آزار دیا جس نے اسے میری وفات کے بعد آزار دیا گویا ایسا ہے کہ اس نے میری حیات میں اسے آزار دیا۔'' جناب امیر رضی اللہ عنہ نے کہا: ''ہاں، یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اسی طرح ہے۔'' اس وقت جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم کو کیا باعث ہوا جو تم نے ایسا کام کیا۔'' (جلاء العیون:۱/۲۱۷۔۱۱۹)

سیدنا علی رضی اللہ عنہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے نکاح سے قبل بھی عسرت وفلاکت کی زندگی گزارتے تھے۔ ان کا زیادہ تر کام یہی ہوتا تھا کہ باغوں کے لیے آب کشی کرتے اور اس سے جو کچھ مزدوری مل جاتی اس پر ان کا گزارہ تھا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے والد ابوطالب بھی اسی طرح کی زندگی گزارتے تھے حالانکہ ان کے دوسرے بھائی نہایت متمول تھے۔ چنانچہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا اپنا بیان ہے:

ابی سادفقیراً، وما سادفقیر قبله۔ (یعقوبی:۱/۱۸)

''میرے والد ابوطالب سردار ہوئے تو فقیر تھے اور ان سے پہلے کوئی فقیر سردار نہیں ہوا۔''

ملا باقر مجلسی نے لکھا ہے کہ ایک روز سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور سیدنا سعد رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اٹھو، سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے پاس چلیں اور ان کو سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی خواستگاری کے لیے تیار کریں۔ اگر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی تنگ دستی مانع ہو تو اس کی امداد کریں۔ سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی اس تجویز کو سراہا۔ چنانچہ یہ سب حضرات اٹھ کر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے گھر چلے گئے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ گھر پر موجود نہ تھے بلکہ اپنا اونٹ لے کر ایک انصاری کے باغ میں آب کشی کے لیے گئے ہوئے تھے۔ یہ تینوں حضرات اس باغ میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچ گئے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے پوچھا: ''کیسے آنا ہوا؟'' سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: ''آپ نیک خصائل ہیں، دوسرے لوگوں سے گوئے سبقت لیے ہوئے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبی رشتہ میں بھی آپ دوسروں سے قریب ترین ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں بھی ہمیشہ سے ہیں، لہٰذا آپ کو سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی خواستگاری میں کون سا امر مانع ہے؟ میرا خیال ہے کہ خدا اور رسولؐ نے یہ رشتہ آپ کے لیے رکھا ہوا ہے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی یہ بات سن کر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے۔ فرمانے لگے: ''اے ابوبکر رضی اللہ عنہ! تم نے میرے غم کو تازہ کر دیا اور میرے سینے کی پوشیدہ آرزو کو برانگیختہ کر دیا۔'' سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''باشد کہ فاطمہ را نخواہد؟ ولیکن من باعتبار تنگ دستی شرم می کنم از آں کم ایں معنی را اظہار نمایم۔''

کون شخص ہے جو فاطمہ رضی اللہ عنہا کی خواستگاری کا خواہاں نہ ہو؟ لیکن میں تنگ دستی اور فقر وفاقہ کی وجہ سے اس خواستگاری کے اظہار میں شرم محسوس کرتا ہوں۔''

ان تینوں حضرات نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو اس بات پر راضی کر لیا کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو

Marfat.com

کر سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی خواستگاری کریں۔ چنانچہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اپنا اونٹ کھولا۔ باغ سے واپس گھر تشریف لائے اور اونٹ باندھ کر اور جوتا پہن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر چلے گئے۔

(جلاء العیون:۱۲۱، باب تزویج فاطمہ باامیر المومنین رضی اللہ عنہ)۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ان تینوں حضرات کے کہنے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جا کر سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی خواستگاری کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شرف قبولیت بخشا، لیکن حالت یہ تھی سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے پاس اخراجات کے لیے سوائے ایک زرہ کے اور کچھ نہ تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا کہ اے علی رضی اللہ عنہ! اٹھو اور شادی کے مصارف کے لیے اپنی زرہ فروخت کر ڈالو۔ چنانچہ انھوں نے سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ چار سو درہم میں اپنی وہ زرہ فروخت کر دی۔ (جلاء العیون:۱۲۶، کشف الغمہ فی معرفۃ الائمہ:۱/۳۵۹) سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے وہ زرہ خرید کر قیمت ادا کر دی اور پھر وہ زرہ بھی سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو واپس ہبہ کر دی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی اس فیاضی کا پتہ چلا تو ان کے لیے بہت دعائیں کیں۔ (زرقانی علی المواہب:۲/۳، کشف الغمہ:۱/۳۵۹)

اس روایت سے مقصود یہ تھا کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی وفات تک نہایت عسرت وفلاکت کی زندگی بسر کرتے تھے اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اس زندگی کو دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے بارے میں متفکر ہی رہتے تھے۔ اس وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اور ان کی اولاد سے حد درجہ محبت تھی اور ان کی ساری اولاد میں سے خصوصی طور پر سیدنا حسن رضی اللہ عنہ سے آپؐ کو خاص طور پر انس اور محبت تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی بڑی ناز برداری فرماتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ جب کہ آپؐ خطبہ ارشاد فرما رہے تھے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ مسجد میں تشریف لائے تو آپؐ نے انھیں اٹھا لیا اور سر منہ چوم کر فرمایا:

ان ابنی هذا سید، ولعل اللّٰه ان یصلح به بین فئتین من المسلمین۔

''میرا یہ بیٹا سردار ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے مسلمانوں کے دو بڑے گروہوں کے مابین مصالحت کرائے گا۔''

(بخاری:۱/۳۷۳، ۲/۵۳۰، ۱۰۵۶، ترمذی:۲/۲۴۱، مستدرک حاکم:۳/۱۷۵، البدایہ والنہایہ: ۸/۱۷، ۳۶، ابن عساکر:۴/۲۱۱، نسائی:۳/۱۰۷، ابوداؤد حدیث نمبر ۴۶۶۲، طبرانی حدیث نمبر:۲۵۸۸، ۲۵۹۲، ۲۵۹۳، ۲۵۹۳، مسند احمد بن حنبل: ۵/۳۸، ۴۴، ۴۹/۵۱ وغیرہ)

آیت تطہیر اور سیدنا حسن رضی اللہ عنہ:

بعض روایات میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ، سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو اپنی چادر مبارک میں داخل فرمایا اور ان کے حق میں ارشاد فرمایا:

﴿اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ وَیُطَهِّرَكُمْ تَطْهِیْرًا﴾

(الاحزاب ۳۳:۳۳)

Marfat.com

''اللہ یہی چاہتا ہے کہ دور کرے تم سے گندی باتیں اے گھر والو! اور ستھرا کرے تم کو ستھرائی سے۔''

اور بعض روایات میں یہ کلمات بھی آئے ہیں:

اللھم ھولاء اھل بیتی ، فاذھب عنھم الرجس وطھرھم تطھیراً۔

''اے اللہ! یہ (چاروں) میرے اہل بیت ہیں پس تو ان سے گندگی اور ناپاکی کو دور کردے اور انھیں خوب پاک کردے۔''

بعض حضرات کہتے ہیں کہ یہ آیت ان چاروں حضرات کے بارے میں نازل ہوئی، لہٰذا یہ چاروں حضرات اہل بیت میں سے ہیں اور معصوم بھی ہیں۔

یہ آیت تطہیر سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں نازل ہوئی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ، سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا، سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو اپنا کالا کمبل اوڑھایا اور فرمایا:

اے اللہ میں اور میرے اہل بیت تیری پناہ میں ہیں اور انھیں جہنم سے محفوظ و مصئون فرما۔ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کی: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں بھی (اس دعا میں شریک ہوں) فرمایا: ''ہاں تُو بھی۔'' (مسند احمد بن حنبل: ۶/۲۹۶، ۳۰۴، ۳۰۵، المعجم الکبیر طبرانی: ۲۳، ۳۳۰، ۳۹۳، مجمع الزوائد: ۹/۱۶۶)

عمرو بن شعیب فرماتے ہیں کہ میں زینب بنت ابی سلمہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا، انھوں نے مجھ سے بیان کیا کہ سرکار دو عالم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے گھر پر تشریف فرما تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو ایک ران پر اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو دوسری ران پر اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو اپنی آغوش میں بٹھایا اور فرمایا:

﴿رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ اِنَّهٗ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ﴾ (ہود ۱۱:۷۳)

''اے گھر والو! تم پر اللہ کی خاص رحمت اور برکتیں نازل ہوتی رہتی ہیں۔ بے شک اللہ تعالیٰ لائق تعریف اور بڑی شان والا ہے۔''

میں اور میری والدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیٹھی ہوئی تھیں، سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا رو پڑیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: ''تُو کس وجہ سے روئی؟'' انھوں نے عرض کیا: ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ نے انھیں مخصوص کر دیا اور مجھے اور میری بیٹی کو چھوڑ دیا۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تو اور تیری بیٹی دنوں اہل بیت میں سے ہو۔''

(المعجم الکبیر: ۲۴، ۲۸۱۔۲۸۲، مجمع الزوائد: ۹/۱۷۱، تاریخ دمشق لابن عساکر: ۱/۱۷۲، السمط الثمین: ۱۰۶)

بعض حضرات آیت تطہیر اور اس حدیث کے بارے میں بہت سے شبہات پیش کرتے ہیں۔ اہل سنت کے نزدیک یہ آیت باجماع صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے بارے میں نازل ہوئی اور اس آیت میں اہل بیت نبی سے آپ کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن مراد ہیں اور تطہیر سے تزکیۂ نفس، تہذیب باطن اور تصفیہ قلب مراد ہے جو تزکیہ باطن کا وہ اعلیٰ ترین مقام ہے جو کامل اولیاء اللہ کو حاصل ہوتا ہے جس کے حصول کے بعد وہ گناہوں سے محفوظ ہو جاتے ہیں مگر انبیاء کرام علیہم السلام کی طرح معصوم نہیں ہوتے۔

لیکن اس کے برعکس دوسرے حضرات یہ کہتے ہیں کہ یہ آیت سیدنا علی رضی اللہ عنہ، سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا، سیدنا

Marfat.com

حسن رضی اللہ عنہ اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی اور اہل بیت سے یہی لوگ مراد ہیں۔ اس لفظ سے سوائے ان کے اور کوئی مراد ہو ہی نہیں سکتا اور دلیل اس کی یہ ہے کہ سنن کی صحیح احادیث میں یہ آیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ، سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا، سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو بلایا اور اپنی کملی ان چاروں پر ڈال دی اور فرمایا! ''اے اللہ! یہ چاروں میرے اہل بیت ہیں، پس تو ان سے گندگی اور ناپاکی کو دور کر دے اور انھیں خوب پاک کر دے۔''

اس آیت میں لفظ ''منکم'' اور ''یطھر کم'' میں جو ضمیریں مذکر کی موجود ہیں وہ صاف بتلا رہی ہیں کہ اس آیت میں خطاب ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں ہوا کیونکہ وہ سب مؤنث ہیں۔ دوسری بات وہ حضرات یہ کہتے ہیں کہ اس آیت میں ''اذھاب رجس'' اور تطہیر سے گناہوں سے پاک کر دینا یعنی معصوم بنا دینا مراد ہے جس سے ان چاروں حضرات کی عصمت ثابت ہوتی ہے۔ چنانچہ وہ اہل بیت کی عصمت ثابت کرنے کے لیے اس آیت تطہیر کو استدلال میں پیش کرتے ہیں۔

پہلی بات کا جواب یہ ہے کہ لفظ اہل بیت اور لفظ آل عربی زبان میں دونوں ہم معنی ہیں۔ لغت عرب میں اہل بیت کے معنی ''اہل خانہ'' کے ہیں جو مستقل طور پر گھر میں رہتے ہیں جن میں ازواج اصالتاً داخل ہیں اور اولاد اور ذریت تبعاً داخل ہیں۔ خدمت گاروں اور لونڈی اور غلاموں پر اس کا اطلاق نہیں ہوتا۔ عرف اور محاورہ میں جب لفظ اہل خانہ بولا جاتا ہے تو ہر کس و ناکس اس کا یہی مطلب سمجھتا ہے کہ جو لوگ گھر میں رہتے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ اس وصف میں اصل بیویاں ہیں جو ہمیشہ گھر میں رہتی ہیں۔ بیٹوں اور بیٹیوں کا ہمیشہ گھر میں رہنا خلاف عادت ہے، خاص کر سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے حجروں اور گھروں میں تو سوائے آپ کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے اور کوئی نہیں رہتا تھا۔

پھر قرآن حکیم کا محاورہ بھی یہی ہے کہ اہل بیت کے مفہوم میں زوجہ اصالتاً داخل ہے۔ حق تعالیٰ شانہ نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے واقعہ میں جب ملائکہ نے ان کو تولد فرزند کی بشارت دی اور انھیں پیرانہ سالی میں اس بشارت پر تعجب ہوا، تو فرشتوں نے کہا:

﴿اَتَعْجَبِیْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَیْكُمْ اَهْلَ الْبَیْتِ اِنَّهٗ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ﴾ (ہود ۱۱:۷۳)

''کیا تم خدا کی قدرت سے تعجب کرتی ہو؟ اے اہل بیت تم پر خدا کی رحمت اور اس کی برکتیں ہیں وہ سزاوارِ تعریف اور بزرگوار ہے۔''

اور ظاہر ہے کہ اس آیت میں اہل بیت کے خطاب میں سیدہ سارہ رضی اللہ عنہا ہی کو اہل البیت سے خطاب کر کے ان کو خدا کی رحمتوں اور برکتوں کی دعائیں دی ہیں۔

دوسری بات کا جواب یہ ہے کہ خود اس آیت میں بھی سیدہ سارہ رضی اللہ عنہا کے لیے مذکر کی ضمیر استعمال ہوئی

Marfat.com

ہے۔ ہوسکتا ہے کہ یہ حضرات اللہ تعالیٰ اور فرشتوں پر کوئی تنقید اور تبصرہ کریں کہ تم نے نبی کی زوجہ (سیدہ سارہ رضی اللہ عنہا) پر لفظ ''اہل بیت'' کا اطلاق کیسے کر دیا اور پھر تم نے مؤنث کے لیے مذکر کی ضمیر کیسے استعمال کی اور نبیؐ کی زوجۂ مطہرہ کو تم نے رحمتہ اللہ و برکاتہ علیکم ضمیر مذکر کے ساتھ کیوں خطاب کیا، تم کو چاہیے تھا کہ ''علیکم'' کے بجائے ''علیکن'' کہتے۔

معلوم ہوا کہ اہل بیت میں ازواج النبیؐ ہی داخل ہیں اور ''تعجبین'' کا اصل خطاب سیدہ سارہ رضی اللہ عنہا کو ہے جو صیغہ مؤنث ہے اور اس کے بعد رحمة الله وبركاته اهل بيت میں ''اهل بيت'' کو بلفظ مذکر ''عليكم'' خطاب کیا۔ کلام عرب میں اس کی بے شمار مثالیں موجود ہیں جیسا کہ علامہ جار اللہ زمخشری نے لکھا ہے۔ خود قرآن حکیم میں سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں ہے: قَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْا ۔ (القصص ۲۸:۲۹) انھوں نے اپنی بیوی سے کہا: ''ذرا ٹھہرو۔'' ظاہر کے مطابق یہاں ''امكثي'' یا ''امكثن'' ہونا چاہیے تھا۔ اس قسم کے مواقع میں صیغۂ مذکر اور خطاب مذکر لفظ اہل کی رعایت سے لایا گیا ہے کہ وہ اصل میں مذکر ہے۔

اس آیت کے سیاق وسباق میں از اول تا آخر صراحتاً ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن ہی کو خطاب ہو رہا ہے اور ایسا صریح ہے کہ جس میں ذرہ برابر تاویل کی گنجائش نظر نہیں آتی کیونکہ يَا نِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ (الاحزاب ۳۳:۳۲) سے لے کر آخر تک خطاب ازواج رسولؐ ہی کو ہے، لیکن درمیان میں کچھ صیغے مؤنث کے استعمال ہوئے جیسے ''اطعن الله، لستن اور في بيوتكن وغیرہ۔

اب یہ بتایا جائے کہ کلام عرب میں اظہار محبت و عظمت کے لیے مؤنث کے لیے تو مذکر کا صیغہ استعمال ہوسکتا ہے مگر مذکر کے لیے مؤنث کا صیغہ اور مؤنث کی ضمیر کا استعمال کہیں سننے اور دیکھنے میں نہیں آیا۔

باقی رہا معاملہ حدیث کا کہ اس میں رسول اللہ ﷺ نے ان چاروں حضرات کو اپنی کملی میں لے کر فرمایا:

اللهم هولاء اهل بيتى۔

''اے اللہ یہ میرے اہل بیت ہیں۔''

اس سے بعض بزرجمہروں نے یہ سمجھا کہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن اہل بیت ہونے میں داخل نہیں۔ گویا کہ: حالانکہ حدیث نبویؐ کا مطلب یہ ہے کہ اے اللہ! یہ بھی میرے اہل بیت ہیں۔ ان کو بھی آیت تطہیر کی فضیلت میں داخل فرما اور ان کو بھی اس کرامت میں شامل فرما۔ آپ ﷺ کا مقصود حصر نہ تھا کہ بس یہی اہل بیت ہیں اور ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن اہل بیت نہیں۔ اور اس حدیث کے بعض طرق میں آیا ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ نے جب ان چاروں حضرات کو عبا میں داخل فرمایا تو ام المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی: ''یا رسول اللہ ﷺ! مجھے بھی ان کے ساتھ شامل فرما لیجیے۔'' تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''تم اپنی جگہ ہو۔'' اس کا مطلب یہ تھا کہ تمھیں اس عبا میں داخل کرنے کی ضرورت نہیں، تم تو پہلے ہی اہل بیت میں داخل ہو۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ نے فرمایا ہے کہ بعض لوگوں کو ایک حدیث سے

Marfat.com

شبہ ہوگیا ہے، وہ یہ کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ایک دفعہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ، سیدنا فاطمہ رضی اللہ عنہا، سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو اپنی عبا میں داخل کر کے فرمایا:

اللھم ھولاء اھل بیتی۔

''اے اللہ! یہ میرے اہل بیت ہیں۔''

اس سے بعض حضرات نے یہ سمجھا ہے کہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن اہل بیت میں داخل نہیں حالانکہ حدیث کا مطلب یہ نہیں ہے جو انھوں نے سمجھا بلکہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اے اللہ! یہ بھی میرے اہل بیت میں ہیں، ان کو بھی آیت تطہیر کی فضیلت میں داخل فرمالے اور ان کو بھی اس کرامت اور بزرگی میں شامل فرمالے۔

سرکار دو عالم ﷺ کا مقصود حصر نہ تھا کہ بس یہی اہل بیت ہیں اور ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن جنھیں قرآن حکیم نے نام لے کر مخاطب فرمایا ہے، اہل بیت نہیں ہیں۔

امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے:

''نزول آیت تطہیر کے بعد ان چاروں حضرات کے حق میں رسول اللہ ﷺ کی طرف سے یہ دعا ہے اور آپ اس بات کو پسند فرما رہے ہیں کہ آیت کریمہ میں ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو جو فضیلت اور شرف بخشا گیا ہے اس میں ان چاروں حضرات کو بھی شامل فرمائیں۔

(تفسیر قرطبی:۴/۱۸۳، زیر آیت و اذکرن ما یتلی فی بیوتکن)

علماء نے لکھا ہے کہ لفظ اہل بیت کے ظاہری عموم میں اپنے ان خاص عزیزوں کو بھی داخل فرمانا مقصود تھا۔ اس وجہ سے آپؐ نے ان چاروں حضرات کو اور بعض روایات کے مطابق سیدنا عباس رضی اللہ عنہ اور ان کی اولاد کو بھی عبا میں لے کر اہل بیت میں داخل کرنے کی دعا فرمائی۔

تیسری بات اس سلسلے میں یہ ہے کہ حضور ﷺ نے صراحت کے ساتھ بھی سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو اہل بیت نبوتؐ میں شمار کیا۔ چنانچہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

انك من اھل البیت۔

''تو اہل بیت میں سے ہے۔''

اور ایک اور روایت میں ''ابنتك'' (اور تیری بیٹی بھی) کے الفاظ ہیں۔

(المعجم الکبیر طبرانی:۴/۲۸۱، تاریخ دمشق لابن عساکر:۱/۱۷۲)

چوتھی بات اس سلسلے میں یہ ہے کہ بعض روایات میں سیدنا عباس رضی اللہ عنہ اور ان کی اولاد کے بارے میں بھی آیا ہے کہ انھیں بھی آپ ﷺ نے عبا میں داخل کر کے دعا فرمائی۔

اب اگر یہ آیت سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور ان کے گھر کے دوسرے افراد کے بارے میں نازل ہوئی ہوتی تو پھر انھیں عبا میں داخل کر کے دعا کی کیا ضرورت تھی؟ اور آپؐ تحصیل حاصل کی کیوں دعا فرماتے؟ اسی لیے آپ نے

Marfat.com

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو اس دعا میں شریک نہ فرمایا اور اس دعا کو ان کے حق میں تحصیل حاصل جانا کیونکہ آیت کا نزول آپؐ کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے بارے میں ہوا۔

پانچویں بات یہ ہے کہ بعض روایات میں ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور ان کے اہل خانہ کی دعا سے فارغ ہونے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو بلایا اور اپنی عبا میں داخل کر کے ان کے لیے بھی دعا فرمائی۔

(ملاحظہ ہو روح المعانی: ۱۲/۱۴، صواعق محرقہ لابن حجر مکی ۸۶)

یہ وہ مختصر جوابات تھے اور ایک اجمالی تذکرہ تھا حدیث عبا کا۔

یہ سارے جوابات اس صورت میں ہیں جب ان روایات کو صحیح تسلیم کیا جائے لیکن ہمارا اور دوسرے کئی حضرات کا خیال یہ ہے کہ یہ روایات درایتاً اور روایتاً صحیح نہیں ہیں کیونکہ یہ آیت سن ۵ ھ میں نازل ہوئیں۔ سنہ ۲ ھ سے سنہ ۷ ھ تک سیدہ زینب بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دونوں بچوں علی رضی اللہ عنہ اور امامہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رہیں۔ اب یہ کون سی منطق ہے کہ سن ۵ ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ایک بیٹی، داماد اور اس کے صرف دو بچوں کو اپنی عبا میں لے کر ان کے لیے دعائے خیر کریں اور دوسری بیٹی جو گھر میں موجود ہو اس کو اور اس کی اولاد کو اپنی تمام رحمتوں سے دور کر دیں جب کہ وہ ''رحمۃ للعالمین'' بھی ہوں۔ اس وجہ سے یہ روایت درست اور صحیح نہیں ہے۔ بعض حضرات نے لکھا ہے کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے سوا اس وقت آپؐ کی دوسری کوئی بیٹی زندہ نہ تھی کیونکہ سیدہ سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا، سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور سیدہ ام ایمن رضی اللہ عنہا نے شرکت فرمائی۔ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے خاوند ابوالعاص رضی اللہ عنہ اسیران بدر میں سے تھے۔ جمادی الاولیٰ سنہ ۶ ھ میں ان کے قافلے کو مسلمانوں نے پکڑ لیا۔ یہ قافلہ والوں سے گریز کرتے اور آنکھ بچاتے ہوئے مقابلے سے قبل مدینہ منورہ پہنچ گئے اور اپنی اہلیہ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے ہاں پناہ لی۔ سیدنا ابوالعاص رضی اللہ عنہ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی سفارش پر مع مال و متاع رہا کر دیئے گئے۔ چنانچہ رہا ہونے کے بعد وہ مکہ چلے گئے اور لوگوں کو ان کا مال واپس کر کے سن ۷ ھ کے آخر میں یا سنہ ۸ ھ کے اوائل میں مدینہ طیبہ چلے آئے اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کو پہلے نکاح ہی پر ابوالعاص رضی اللہ عنہ کو واپس کر دیا۔

(ملاحظہ ہو البدایہ والنہایہ: ۳/۳۳۲، طبقات ابن سعد: ۸/۲۱۔۲۲، الاصابہ: ۴/۳۰۶، الفتح الربانی ترتیب مسند امام احمد بن حنبل: ۲۲/۹۸ وغیرہ)

اس روایت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا اس وقت آپؐ کے گھر میں مقیم تھیں اور آپؐ کے دونوں بچے علی الزینبی اور سیدہ امامہ بنت ابی العاص رضی اللہ عنہ اپنے نانا کی زیر تربیت تھے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تینوں کو جو بیت نبوتؐ میں مقیم تھے ان کو اپنی عبا میں نہ لے کر اپنے اہل بیت سے خارج کر دیا اور دوسرے گھر کے چار افراد کو بلا کر اپنی اہل بیت میں شمار کر لیا۔ یہ منطق ہماری سمجھ سے بالاتر ہے۔

پھر سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کوئی معمولی بیٹی نہ تھیں بلکہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے راہ خدا میں ان کے برداشت کیے گئے مصائب کو دیکھ کر فرمایا تھا:

هی خیر بناتی اصیبت فی ، هی افضل بناتی اصیبت فی

Marfat.com

یعنی میری بیٹیوں میں سیدہ زینب رضی اللہ عنہا سب سے خیر (بہتر) ہے اور دوسری روایت میں افضل کا لفظ آیا ہے، جس نے میری وجہ سے گوناگوں مصائب برداشت کیے۔ (مجمع الزوائد:۹/۲۱۳، دلائل النبوۃ بیہقی:۲/۴۲۶)

اب اندازہ فرمائیں کہ ایک ایسی بیٹی کو جو گھر میں رہتی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو چھوڑ دیں اور اس کے بجائے دوسری بیٹی کو جو دوسرے گھر میں اپنے خاوند کے ساتھ زندگی کے ایام بسر کر رہی ہے اسے اپنے اہل بیت میں شمار کریں۔

اسی وجہ سے محقق علماء اسلام نے اس روایت عبا کو غیر صحیح قرار دیا ہے اور ایک خاص گروہ کی سازش کہا ہے۔ اگرچہ اس مضمون کی روایات مسلم، ترمذی اور مسند احمد وغیرہ میں منقول ہیں لیکن کیا مسلم اور ترمذی کی روایات تنقید سے بالاتر ہیں؟ ان کتابوں کی کئی ایسی روایات ہیں جن پر علماء نے تنقید کی ہے۔

چنانچہ امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "الاستدراکات" اور "التتبع" میں بخاری اور مسلم کی کئی روایات پر کلام کیا ہے۔ حافظ عراقی نے الفیہ کی شرح:۱/۱۷ پر بخاری اور مسلم کی دو روایات پر جرح اور تنقید کی ہے۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو قواعد الحدیث ۱۶۹، ۱۷۰، مولانا ظفر احمد عثمانی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ)

بعض علماء نے ان تمام روایات کے راویوں پر بھی جرح کر کے ان کو ضعیف ثابت کیا ہے جن سے اس واقعہ کے بارے میں احادیث مروی ہیں۔ چنانچہ ان روایات کے راوی محمد بن السائب کلبی، عطیہ العوفی، فضیل بن رزاق، محمد بن مثنیٰ، شہر بن حوشب، خالد بن مخلد، محمد بن سلیمان، اصبہانی اور عبداللہ بن عبدالقدوس وغیرہ ہیں۔ ان کے حالات اسماء الرجال کی کتابوں میں ملاحظہ فرمالیں۔

خلاصہ یہ کہ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں جس قدر روایات یا حدیث عبا کی جتنی روایات ہیں وہ سب نہ روایتاً صحیح ہیں اور نہ درایتاً درست ہیں بلکہ یہ ایک خاص گروہ نے ایک خاص مقصد کے لیے وضع کر کے کتابوں میں شامل کر دی ہیں اور ہمارے علمائے کرام بغیر تحقیق کے ان کو اپنی کتابوں میں درج کرتے چلے آ رہے ہیں جیسا کہ علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل کو حدیث بنا کر کتابوں میں درج کر دیا جب کہ یہ کوئی حدیث نہیں ہے اور علماء نے اس کو "حدیث السوق" یعنی بازاری گپ کہا ہے۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو تمیز الطیب من الخبیث فیما یدور علی السنۃ الناس من الحدیث:۱۰۷، تذکرۃ الموضوعات:۲۰، المقاصد الحسنہ:۳۸۶ وغیرہ)

خلاصہ یہ کہ اہل بیت نبوتؐ سے اصلی مراد تو ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن ہیں۔ ان کے علاوہ اگر کوئی صحیح روایت کی رو سے اہل بیت میں شمار ہوتا ہے تو وہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے طفیل ہے بالذات نہیں تبعاً ہے اصالتاً نہیں کیوں کہ قرآن حکیم نے ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو اہل بیت کہا ہے اور قرآن حکیم کے مقابلے میں اگر صحیح حدیث بھی ہوگی تو اس کی تاویل کی جائے گی چہ جائے کہ ضعیف اور موضوع احادیث پر انحصار کر کے ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو اہل بیت نبوتؐ سے نکال دیا جائے۔ کسی نے بالکل درست کہا:

Marfat.com

دعوت مباہلہ میں سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی شرکت:

سنہ۹ھ میں نجران کے عیسائیوں کا ایک وفد رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا جس میں ساٹھ آدمی تھے۔ ان میں چودہ آدمی ان کے اشراف اور سربرآوردہ لوگوں میں سے تھے۔ رئیس الوفد عبدالمسیح عاقب تھا۔ یہ وفد بڑی آن بان کے ساتھ مدینہ منورہ پہنچا۔ سرکار دوعالم ﷺ نے انھیں مسجد نبویؐ میں اتارا۔ عصر کی نماز ہو چکی تھی۔ کچھ دیر بعد جب ان کی نماز کا وقت ہوا تو انھوں نے نماز پڑھنی چاہی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے روکا لیکن سرکار دوعالم ﷺ نے فرمایا: پڑھنے دو۔ چنانچہ مشرق کی طرف منہ کر کے ان لوگوں نے نماز پڑھی۔ دوران قیام مختلف مسائل پر گفتگو ہوئی۔ (ملاحظہ ہو فتح الباری: ۸/۷۳، زرقانی شرح المواہب: ۴/۴۱)

وفد نجران کا مفصل واقعہ حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے ''الجواب الصحیح'': ۱/۵۵۔۶۶ میں ذکر کیا ہے۔ اس موقع پر سورہ آل عمران کی آیات نازل ہوئیں۔ ان میں یہ آیت بھی ہے:

﴿فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَ نَا وَاَبْنَآءَ كُمْ وَنِسَآءَ نَا وَنِسَآءَ كُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ﴾ (آل عمران ۳:۶۱)

''پس آپ ﷺ ان سے کہہ دیں کہ آؤ ہم اپنے بیٹوں کو بلائیں، تم اپنے بیٹوں کو بلاؤ، ہم اپنی عورتوں کو بلائیں اور تم اپنی عورتوں کو بلاؤ اور ہم اپنے نفسوں کو بلائیں اور تم اپنے نفسوں کو بلاؤ، پھر ہم گڑگڑا کر (اللہ تعالیٰ سے) دعا مانگیں، اور جھوٹ بولنے والوں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت کریں۔''

اس آیت سے بعض حضرات نے ایک تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی خلافت بلافصل ثابت کرنے کی کوشش کی ہے اور یہ کہا ہے کہ اس آیت کے نزول کے بعد رسول اللہ ﷺ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ، سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا، سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو مباہلہ میں شریک کرنے کے لیے اپنے ساتھ لیا اور کسی دوسرے کو اپنے ساتھ نہ لیا جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جو تعلق آپ ﷺ کا ان چار حضرات سے تھا وہ کسی اور سے نہ تھا۔ پھر بعض مفسرین نے ''انفسنا'' سے مراد سیدنا علی رضی اللہ عنہ لیے ہیں جس سے معلوم ہوا کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نفس رسول تھے۔

آیت کا یہ معنی لینے میں بہت سی خرابیاں ہیں:

① اگر روایت کے ذریعے اس آیت میں تخصیص پیدا کی جائے تو اس صورت میں اس مسئلے کا تعلق آیت کے ساتھ نہ ہوگا بلکہ اس روایت کے ساتھ ہوگا اور اس بارے میں روایات مختلف نوع کی پائی جاتی ہیں یہی وجہ ہے کہ معتبر تفاسیر میں ''انفسنا'' سے مراد سیدنا علی رضی اللہ عنہ نہیں لیے گئے بلکہ اس کو عموم پر رکھا گیا ہے۔ چنانچہ علامہ زمخشری نے لکھا: ''ندع ابناء ناوابناء کم کا مطلب یہ ہے کہ ہر شخص ہم میں سے اور تم میں سے اپنے بیٹوں کو اور عورتوں کو اور اپنے نفس کو مباہلہ کی طرف بلائے۔

② اہل نجران اگر دعوت مباہلہ قبول کر لیتے تو اس وقت دیکھا جاتا کہ جناب رسول اللہ ﷺ کن کن لوگوں

Marfat.com

کو اپنے ساتھ لے جاتے۔ پھر سوچنا پڑتا کہ کیا یہ حضرات ان الفاظ کے مصداق ہیں یا نہیں؟ علماء نے لکھا ہے کہ اگر مباہلے کی نوبت آ جاتی تو آپ اپنی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو ضرور اپنے ساتھ لے جاتے ہیں کیونکہ "نساء نا" سے کوئی اور مراد ہو ہی نہیں سکتا۔ ابن حیان نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ "اگر نجران کے عیسائی مباہلہ کا ارادہ کرتے اور اس کے لیے آتے تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ضرور مسلمانوں کو حکم دیتے کہ اپنے اپنے اہل وعیال کو لے کر مباہلہ کے لیے آئیں۔" (البحر المحیط: ۱/۴۷۹)

③ تیسری بات اس سلسلے میں یہ ہے کہ "انفسنا" سے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا مراد ہونا اور "نساء نا" سے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اور "ابناء نا" سے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کا مراد ہونا لغت عرب اور محاورۂ قرآنی کے سراسر خلاف ہے۔

لفظ انفس جمع نفس کی ہے۔ نفس ہر شخص کا اس کی ذات کو کہتے ہیں نہ کہ کسی دوسرے کو۔ پھر لفظ جمع سے شخص واحد کو مراد لینا بھی جائز نہیں۔ الامجازا۔ محاورۂ قرآنی میں قرآن حکیم میں کئی مقامات پر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل مکہ اور تمام مسلمانوں کو "انفس" فرمایا، لہٰذا سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو لفظ "انفس" سے مراد لینا اور سب کو خارج کر دینا قرآنی آیات کے خلاف ہوگا۔

لفظ "ابناء نا" جمع ابن کی ہے۔ لغت عرب میں ابن بیٹے کو کہتے ہیں۔ بیٹی کے بیٹے کو ابن البنت کہتے ہیں۔ قرآن حکیم میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت فرمایا کہ آپ کسی مرد کے باپ نہیں ہیں، ﴿ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ ﴾ (الاحزاب ۳۳:۴۰) لہٰذا کسی مرد کو آپ کا بیٹا کہنا اس آیت کے خلاف ہوگا۔ حدیث میں بے شک آیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو بیٹا فرمایا ہے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا مجاز کے طور پر ہے اور محض اظہار محبت کے لیے تھا جیسا کہ ظاہر ہے۔ اسی طرح لفظ "نساء نا" بھی جمع ہے اور اس کے معنی ہماری عورتوں کے ہیں۔ جب یہ لفظ کسی شخص کی طرف مضاف ہوتا ہے تو اس سے اس شخص کی بیوی مراد ہوتی ہے۔ قرآن حکیم میں کئی مقامات پر یہ لفظ استعمال ہوا ہے اور وہاں بالاتفاق اس سے زوجہ اور بیوی مراد ہے۔ سورۃ الاحزاب میں "یا نساء النبی" سے بلا اختلاف آپ کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن مراد ہیں، لہٰذا اس لفظ سے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو مراد لینا کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتا۔ کسی زبان میں بھی کسی کی بیٹی کو اس کی عورت کہنا درست نہیں ہے۔

④ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ایک فریق سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے متبعین کو بنایا ہے اور دوسرا فریق نجران کے عیسائیوں کو اور یہ الفاظ ابناء، نساء اور انفس دونوں فریقوں کے لیے علیحدہ علیحدہ استعمال فرمائے ہیں۔ بعض حضرات نے اپنی ساری ذہانت ان الفاظ کے معانی صرف ایک فریق کے لیے متعین کرنے میں صرف کی ہے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ابناء سے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نساء سے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اور آپ کے انفس سے سیدنا

Marfat.com

علی رضی اللہ عنہ مراد ہیں لیکن دوسرے فریق کے لیے ان لوگوں نے کوئی معنی بیان نہیں کیے۔ اگر از روئے لغت یہ معنی صحیح ہیں تو دوسرے فریق کے لیے بھی پھر یہی معنی ہونے چاہئیں۔ کیا کوئی بتا سکتا ہے کہ عیسائیوں کے ابناء، نساء اور انفس سے اسی طرح انہی خاص تعلقات کے لوگ مراد ہیں۔ ہرگز نہیں، یقیناً عیسائیوں کے لیے یہ الفاظ اپنے عموم پر قائم رکھے گئے ہیں اور لغوی معنی میں مستعمل ہیں۔ پھر کیا وجہ ہے کہ دوسرے فریق کے لیے ان الفاظ کے معنی میں اس قدر تکلف سے کام لیا گیا۔

⑤ بعض روایات میں جو آتا ہے کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ان حضرات (سیدنا علی رضی اللہ عنہ، سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ) کو بلایا اور ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو نہ بلایا، اس کی حکمت یہ ہے کہ جو حضرات الفاظ آیت سے مراد نہ ہو سکتے تھے، ان کو آپؐ نے قبل از وقت اس لیے بلا لیا کہ ان کے دل میں یہ خیال نہ آئے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ان کو اپنے ہمراہ نہ لے جائیں گے اور ان کی دل شکنی نہ ہو اور جو حضرات الفاظ آیت سے مراد تھے ان کے بلانے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عجلت نہ فرمائی بلکہ انتظار فرمایا کہ نصاریٰ کی منظوری معلوم ہو جائے تو ان کو بلایا جائے۔ یہ بالکل ویسا ہی ہے جیسا کہ آیت تطہیر کے نازل ہونے کے بعد جو لوگ لفظ اہل بیت سے مراد نہ ہو سکتے تھے، ان کو اپنی عبا میں لے کر آپ نے دعا فرمائی، اور جو لوگ لفظ اہل بیت سے مراد تھے ان کو اس دعا میں شامل نہ کیا۔ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے شامل ہونا چاہا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یہ کہہ کر روک دیا کہ "انك على خير" یعنی تم بہتر حالت میں ہو۔ مطلب یہ کہ تم تو پہلے ہی قرآنی حکم کے مطابق اہل بیت میں شامل ہو۔

⑥ یہ کسی روایت میں نہیں کہ ابناء نا سے مراد سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ اور نساء نا سے مراد سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اور انفسنا سے مراد سیدنا علی رضی اللہ عنہ ہیں۔ یہ تعیین قیاسی ہے جو کسی قولی یا فعلی حدیث سے ثابت نہیں۔

⑦ اس مباہلے کے بارے میں کچھ روایات بھی کتابوں میں موجود ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا ابوبکر اور ان کی اولاد، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور ان کی اولاد سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور ان کی اولاد، اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور ان کی اولاد کو بھی مباہلے میں شامل کرنے کے لیے اپنے ساتھ لائے تھے۔
(الدر المنثور: ۲/۴۰، تفسیر شوکانی، فتح القدیر: ۳/۲۸)

⑧ تمام روایات پر نگاہ ڈالنے سے پتہ چلتا ہے کہ اگر مباہلے کی نوبت آتی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو ضرور شامل کرتے جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان چاروں حضرات کو شامل کرنا منظور فرمایا تھا۔ اور اسی طرح تینوں خلفاء (سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ) اور ان کی اولادوں کو بھی شامل فرماتے۔

لیکن اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ اگر اس میں شامل تھے تو یہ ان کے لیے ایک بہت بڑی فضیلت کی بات ہے۔

Marfat.com

خلافت صدیقی اور سیدنا حسن رضی اللہ عنہ

سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی زندگی کے دو دور ہیں۔ ایک خلافت سے قبل کا دور اور دوسرا خلافت کے حصول کے بعد کا دور۔ چھوٹی عمر ہی میں والدہ کی آغوش عاطفت سے محروم ہو چکے تھے۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی وصیت کے مطابق سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے سیدہ امامہ رضی اللہ عنہا بنت ابی العاص رضی اللہ عنہ سے نکاح فرمایا۔ یہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی پہلے تو خالہ زاد بہن تھیں لیکن اب سوتیلی والدہ ہو گئیں کیونکہ یہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی سب سے بڑی بہن سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی صاحب زادی تھیں۔ (مروج الذہب: ۲/ ۲۹۸، کتاب سلیم بن قیس: ۲۲۶)

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو سیدہ امامہ رضی اللہ عنہا سے شادی کرنے کی وصیت شاید اس لیے فرمائی تھی کہ وہ سمجھتی تھیں کہ میری اولاد کی تربیت جس شفقت و محبت سے سیدہ امامہ رضی اللہ عنہا کریں گی اس طرح کوئی دوسری عورت نہیں کرے گی۔ لہٰذا آپ رضی اللہ عنہ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو وصیت فرمائی تھی کہ میرے انتقال کے بعد میری بڑی بہن کی صاحب زادی امامہ رضی اللہ عنہا سے شادی کر لینا۔ واقعات کے نشیب و فراز بتاتے ہیں کہ سیدہ امامہ رضی اللہ عنہا نے ان دونوں بھائیوں کی نہایت اچھے طریقے سے تربیت کی۔

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنے عہد خلافت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان دونوں نواسوں کی بہت قدر دانی کرتے تھے۔ چنانچہ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی عزت و تکریم کرتے اور ان کے ساتھ محبت کرتے اور ان پر فدا ہوتے تھے اور ایسا ہونا بھی چاہیے تھا کیونکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے تھے اور جس شخص یا جس شے کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبت ہو جاتی سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اس پر فدا ہو جاتے۔ مختلف کتابوں میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے اسی اظہار محبت کے سلسلے میں ایک روایت مذکور ہے کہ ایک صحابی عقبہ بن الحارث رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ہمیں عصر کی نماز پڑھائی اور مسجد نبویؐ سے باہر تشریف لائے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ بھی اس وقت آپ کے ساتھ تھے۔ یہ دونوں حضرات سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرے جو اس وقت بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے،، سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو پکڑ کر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے کندھے پر اٹھا لیا اور فرمانے لگے:

بابی شبیه بالنبی ولیس شبیه بعلی۔

''یہ صاحب زادہ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہم شکل ہے، اپنے باپ علی رضی اللہ عنہ کے مشابہ نہیں ہے۔''

Marfat.com

سیدنا علی رضی اللہ عنہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے منہ سے یہ الفاظ سن کر مسکرا رہے تھے۔

(بخاری:۱/۵۳۰، الفتح الربانی:۲۳/۱۶۸، البدایہ والنہایہ:۸/۳۳، سیر اعلام النبلاء:۳/۲۴۹، طبرانی حدیث نمبر:۲۵۲۷، مستدرک حاکم:۳/۱۶۸، یعقوبی:۲/۱۱۷)

اس قسم کی روایات سے معلوم ہوا کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور ان کی اولاد سے بہت محبت تھی اور ان کی آپس کی پرخاش کے بارے میں دشمنان صحابہ نے جو روایت نقل کی ہیں وہ درست اور صحیح نہیں ہیں کیونکہ قرآن وحدیث کے دلائل سے پتہ چلتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپس میں محبت سے پیش آتے تھے۔ اسی وجہ سے قرآن حکیم نے ان کی ایک صفت یہ بیان کی ہے: "رحماء بینھم" یعنی وہ آپس میں بڑے رحیم اور پیار کرنے والے تھے۔

Marfat.com

خلافت فاروقی اور سیدنا حسن رضی اللہ عنہ

جس طرح سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان دونوں نواسوں سے محبت والفت تھی اسی طرح سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ بھی ان دونوں سے بڑی شفقت ومحبت سے پیش آتے۔ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی بہن سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا بھی چونکہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں۔ اس وجہ سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے حبالۂ عقد میں آنے کا اگرچہ بعض حضرات نے انکار کیا ہے لیکن ان کا یہ انکار ہٹ دھرمی اور تعصب پر مبنی ہے۔

اس نکاح کے بارے میں ملاحظہ ہو بخاری جلد:۱/۴۰۳، مستدرک:۳/۱۴۳، کتاب المعارف لابن قتیبہ:۹۲، جمہرۃ الانساب:۷/۳۳۲، کامل بن اثیر:۳/ ۱۶۸، ۲۳۹/۲۴۰/۳۷۰، البدایہ والنہایہ: ۷/۳۳۲، کامل بن اثیر:۳/۵۴، فروغ کافی: ۲/۳۱۱، الاستبصار، کتاب الطلاق باب المتوفی عنہا زوجہا، تہذیب الاحکام:۹/۳۶۳، ابن ابی الحدید:۴/۵۷۵ وغیرہ)

اس رشتے کی بنا پر ان کی حریم خلافت فاروقی میں آمدورفت ہوگئی اور سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے زیرسایہ بھی کچھ تربیت ہوئی۔ سیدنا حسن ۱۶، ۱۷ سال کے تھے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنی صاحب زادی سیدہ عائشہ آپ کے حبالۂ عقد میں دے دی۔ سیدنا حسن مثنیٰ انھی سیدہ عائشہ کے بطن سے تھے۔

ایک مرتبہ مال غنیمت میں باہر سے کچھ کپڑا آیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اولاد کو ان میں سے پوشاکیں اور کپڑے دیئے لیکن اس کپڑے کو آپ نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے لائق اور شایان شان نہ پایا، لہٰذا سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے یمن کی طرف ایک آدمی بھیجا جو ان کے شایان شان کپڑے لایا۔ جب یہ کپڑے ان دونوں صاحب زادوں نے پہنے تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اب میرا دل خوش ہوا۔ (الآن طابت نفسی)

(سیرۃ عمر بن الخطاب لابن جوزی:۹۷، البدایہ والنہایہ:۸/ ۲۰۷، سیر اعلام النبلاء:۳/۲۸۵، کنز العمال:۷/۱۰۶)

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے خلافت فاروقی میں اسلامی جہاد میں بھی شرکت کی۔

Marfat.com

خلافت عثمانی اور سیدنا حسن رضی اللہ عنہ

افریقہ اور طرابلس کی جنگ:

خلافت عثمانی میں سیدنا حسن رضی اللہ عنہ عنفوانِ شباب میں تھے۔ چنانچہ اس دور میں آپ نے دینی اور ملی امور میں کافی حصہ لیا اور مختلف جنگوں میں بھی شرکت کی۔ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت سے فتوحات کا جو سلسلہ شروع ہوا اس نے ایک تو سلطنت کی پہنائیوں میں اضافہ کیا، دوسرے مختلف علاقوں سے ڈھیروں مال غنیمت مدینہ طیبہ پہنچا۔ وظائف کا رجسٹر تو سیدنا فاروق رضی اللہ عنہ اعظم کے عہد خلافت ہی میں بن چکا تھا۔ عہد عثمانی میں ان وظائف میں اضافہ ہی ہوا کمی نہیں ہوئی۔ چنانچہ آپ نے ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان کے مالی حقوق از قسم خمس، غنائم، ھدایا اور عطایا وغیرہ میں برابر اضافہ کیا اور ان امور کا تسلی بخش انتظام کیا۔ چنانچہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے معاشی حالات نہایت اچھے تھے اور مالی احوال کے اعتبار سے ان کو کسی قسم کی کوئی پریشانی نہ تھی۔ مالی طور پر فارغ البال ہونے کی وجہ سے آپ نے اسلام کی ترقی میں ایک نمایاں کردار ادا کیا۔ چنانچہ اس عہد میں آپ نے دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرح اسلامی جہاد اور جنگی امور میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ پورا پورا تعاون کیا۔ تاریخ کے اوراق سے پتہ چلتا ہے کہ سن ۲۶ ھ میں مسلمانوں نے طرابلس اور افریقہ پر حملہ کیا تو اس میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ دونوں نواسے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ شریک ہوئے۔ چنانچہ تاریخ میں لکھا ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے سیدنا عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ کو فتح افریقہ کا حکم دیا اور ان کی امداد و معاونت کے لیے ایک لشکر جرار بھیجا جس میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن جعفر طیار رضی اللہ عنہ، حسن بن علی رضی اللہ عنہ، حسین بن علی رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ، مروان بن الحکم رضی اللہ عنہ، اور ان کے بھائی حارث بن الحکم رضی اللہ عنہ، مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ، عبدالرحمٰن بن زید بن خطاب رضی اللہ عنہ (سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے حقیقی بھتیجے) عاصم بن عمر رضی اللہ عنہ، عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ، بسر بن ارطاۃ رضی اللہ عنہ اور ابوذویب خویلد بن خالد رضی اللہ عنہ وغیرہ بھی شامل تھے۔ علامہ بلاذری رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے:

وخرج فی هذه الغزوة ممن حول المدينة من العرب خلق كثير۔

Marfat.com

''اس جنگ میں مدینہ طیبہ کے اطراف کے عربوں کی ایک کثیر تعداد نکلی۔''

(فتوح البلدان:۲۳۴،ابن خلدون:۲/۱۰۰۳،تاریخ خلیفہ بن خیاط:۱/۱۳۴)

طبری نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے جب لوگوں کو جہاد افریقہ پر جانے کی ترغیب دی تو اس جنگ میں جانے کے لیے قریش، انصار اور مہاجرین کے دس ہزار افراد نکلے۔(طبری:۳/۳۱۴)

ابن خلدون وغیرہ نے لکھا ہے کہ جب یہ لشکر سیدنا عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ کی قیادت میں روانہ ہوا تو برقہ کے مقام پر ان کی ملاقات عقبہ بن نافع رضی اللہ عنہ سے ہوئی۔ان کے ساتھ بھی مسلمانوں کی ایک کثیر تعداد تھی۔ چنانچہ یہ دونوں لشکر مل کر طرابلس اور پھر افریقہ وغیرہ کی طرف روانہ ہوئے اور مختلف شہروں میں پھیل گئے۔(ابن خلدون:۲/۱۰۰۳)

اس زمانے میں افریقہ کا فرماں روا جریر نامی ایک شخص تھا۔ یہ مصر کے بادشاہ مقوقس کی طرح رومی شہنشاہ ہرقل کا باج گزار تھا۔ مسلمانوں نے جب مصر پر قبضہ کرلیا اور افریقہ کا کچھ حصہ بھی انھوں نے فتح کرلیا تو وہ صبح وشام یہی منصوبے سوچتا رہتا کہ کس طرح مسلمانوں کو مصر سے نکالا جاسکے۔

یہ منصوبے دراصل اس کے اپنے نہ تھے بلکہ ہرقل رومی کے تھے کیونکہ وہ خود تو ہر محاذ پر مسلمانوں سے شکست کھا چکا تھا اب وہ اپنے باج گزاروں کی معرفت مسلمانوں کو نیچا دکھانا چاہتا تھا۔ یہ کٹھ پتلی (Puppet) تھا اور پیچھے ہاتھ ہرقل کا کام کر رہا تھا۔ چنانچہ اس مقصد کے لیے اس نے ایک لاکھ بیس ہزار افراد پر مشتمل ایک لشکر جرار بھی تیار کرلیا جس میں زیادہ تعداد رومیوں اور بربروں کی تھی۔ جرجیر نے اپنی جنگی تیاریوں میں ہرقل کی امداد سے مزید اضافہ شروع کردیا۔فوج کو جدید قسم کا اسلحہ مہیا کیا گیا۔انھیں صلیب کی قسم دی گئی کہ وہ میدان جنگ سے کسی صورت میں نہیں بھاگیں گے اور اپنی مادر وطن کا ہر ممکن دفاع کریں گے۔انھیں ہر طریقہ سے یہ بتایا گیا کہ ساری دنیا میں اگر ان کا کوئی دشمن ہے تو وہ صرف اور صرف مسلمان ہیں جن کا قلع قمع کرنا ان کا اولین فرض ہے۔یہ لوگ نہ صرف تمھارے وطن کے دشمن ہیں بلکہ تمھارے دین کے بھی تباہ کنندہ ہیں۔لہٰذا اپنے خداوند یسوع مسیح اور والدہ مریم کی عزت وناموس کی حفاظت تمھارے ذمہ ہے اور اس وقت دین مسیحی کو تمھاری اشد ضرورت ہے۔ صلیب ٹوٹ رہی ہے اور تثلیث مٹ رہی ہے اور تمھارا شہنشاہ ہرقل اعظم ان کی تخریب کاریوں سے تنگ آ کر قسطنطنیہ میں دُبکا بیٹھا ہوا ہے۔غرضیکہ ہر طریقے سے انھیں مسلمانوں کے خلاف مشتعل اور برانگیختہ کیا گیا اور وہی سماں پیدا کیا گیا جو یرموک میں رومیوں نے اور قادسیہ میں ایرانیوں نے پیدا کیا تھا۔

سیدنا عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ اپنے لشکر کو لے کر افریقہ اور طرابلس کی طرف روانہ ہوئے۔ جب یہ لشکر افریقہ کے دارالحکومت سبیطہ کے قریب پہنچا تو جرجیر بھی اپنے لاؤ لشکر کے ساتھ سبیطہ سے باہر نکلا اور سبیطہ سے ایک شبانہ روز کی مسافت پر اسلامی لشکر بھی وہاں پہنچ گیا تو مسلمانوں نے اپنے دستور کے مطابق پہلے جرجیر کو اسلام کی دعوت دی لیکن جرجیر نے قبول اسلام سے یک قلم انکار کردیا۔

Marfat.com

پھر یہ کہا گیا کہ اگر تم اسلام کو قبول نہیں کرتے تو ہماری حکومت الٰہیہ کو جزیہ دو، لیکن جرجیر نے ہرقل کا باج گزار بننا پسند کیا ہوا تھا۔ مسلمانوں کا خراج دہندہ بننا پسند نہ کیا اور صاف انکار کر دیا کہ میں کسی صورت بھی تم لوگوں کو جزیہ نہیں دوں گا۔

اب اہل اسلام کے پاس صرف تیسری صورت رہ گئی اور وہ جنگ تھی۔ چنانچہ دونوں طرف سے صف آرائی ہوئی اور جنگ شروع ہوگئی۔

چالیس روز تک دونوں طرف سے زور کا رن پڑا لیکن کوئی فیصلہ نہ ہوا۔ مؤرخین نے لکھا ہے کہ یرموک اور قادسیہ کے بعد یہ سب سے زبردست جنگ تھی۔ اتنے دنوں تک کھلے میدان میں کبھی کوئی جنگ نہیں لڑی گئی تھی۔ صبح سے ظہر تک لڑائی ہوتی لیکن کوئی فیصلہ نہ ہوتا۔ کفر اسلام کے سامنے ہتھیار ڈالنے کے لیے تیار نہ تھا اور اسلام بھی باطل کے سامنے دبنے والا نہیں تھا۔

امیر المومنین سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی آنکھیں محاذ سے قاصد کے لیے چشم براہ تھیں۔ آپ کو ایک قسم کی گھبراہٹ اور پریشانی تھی کیونکہ انھیں دشمن کے لشکر کی تعداد کا بھی علم تھا اور اس کے سامان حرب وضرب سے بھی آشنا تھے، لہٰذا دل میں طرح طرح کے خیالات آتے۔ جب کافی دنوں تک لشکر کی کوئی اطلاع نہ آئی تو آپ نے ایک تیسرا لشکر سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی زیر قیادت بطور کمک روانہ فرمایا اور انھیں تاکید کی کہ نہایت عجلت اور سرعت سے محاذ جنگ پر پہنچیں۔ چنانچہ یہ لشکر بجلی کی سی تیزی کے ساتھ منزلوں پر منزلیں طے کرتا ہوا محاذ جنگ پر پہنچا۔ اس تازہ دم لشکر کی آمد سے لشکر اسلام کے سپاہیوں نے نعرہ ہائے تکبیر بلند کیے اور نہایت خوشی اور مسرت کا اظہار کیا۔ اسلامی لشکر سے جب نعرہ ہائے تکبیر کی آواز جرجیر کے کانوں میں پہنچی تو اس کی فوج کے سپاہی اپنے حوصلے کھو بیٹھے۔

اگلے روز جب جنگ شروع ہوئی تو سیدنا عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ نے اپنی فوج کے آزمودہ کار سپاہیوں کی ایک اچھی خاصی جمعیت کو میدان میں لانے کے بجائے کیمپوں میں ہی رہنے دیا۔ صبح سے ظہر تک گھمسان کی جنگ ہوئی یہاں تک کہ دونوں فوجیں تھک کر چور ہوگئیں۔ ظہر کے وقت جب دونوں فوجیں تھک کر ایک دوسرے سے علیحدہ ہوئیں اور دونوں لشکر اپنے اپنے کیمپوں میں ہتھیار اتار کر ستانے لگے تو سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے فوراً اس تازہ دم فوج کے ساتھ جو پہلے ہی کیمپوں میں اس مقصد کے لیے بیٹھی ہوئی تھی دشمن کے کیمپوں پر ہلہ بول دیا۔ دشمن کو افراتفری کے عالم میں ہتھیار اٹھانے کا موقع بھی نہ ملا اور اسلامی فوج کے ہاتھوں اس کے سپاہیوں کے سر خظل کی طرح کٹنے لگے۔ کافی لوگ مارے گئے اور کئی ہزار گرفتار کر لیے گئے اور مسلمان دشمن پر کامیاب وفتح یاب ہوگئے۔ (ابن اثیر: ۳/۴۵۔۴۶)

سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے چند سپاہیوں کے ساتھ جرجیر کو گھیرا اور اس کے قریب پہنچ کر اس کے سر پر اس زور سے نیزہ مارا کہ وہ اس کے زخم کی تاب نہ لا کر زمین پر گرنے لگا لیکن ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے نہایت مستعدی اور

Marfat.com

سرعت کے ساتھ اس کو اپنی تلوار پر لے لیا اور ایک ہی وار سے اس کا سر کاٹ کر اپنے نیزے پر چڑھا لیا۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ اس کی فوج کے وہ بر بر سپاہی جو ابھی مقابلے پر ڈٹے ہوئے تھے دل ہار بیٹھے اور ان کی ہمتیں جواب دے گئیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ میدان جنگ سے بھاگنے لگے لیکن مسلمانوں نے ان کا تعاقب کر کے ان کی کثیر تعداد کو تہہ تیغ کیا۔ علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے:

فغنموا غنائم جمة واموالاً كثيرة وسبياً عظيماً۔ (البدایہ والنہایہ: ۷/۱۵۲)

اس جنگ میں اور حضرات کے علاوہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے بھی اپنی بہادری کے جوہر دکھائے۔ افریقہ کی اس مشہور جنگ کو ''حرب العبادلہ'' بھی کہتے ہیں۔ اس لیے کہ اس کے قلب پر سیدنا عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ، میمنہ پر سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، میسرہ پر سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اور مقدمہ پر سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ متعین تھے۔

خراسان اور طبرستان وغیرہ کی جنگوں میں شرکت:

سنہ ۳۰ ھ میں سیدنا عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ اور سیدنا سعید بن العاص رضی اللہ عنہ نے دو مختلف راستوں سے خراسان اور طبرستان پر چڑھائی کی۔ سیدنا سعید بن العاص رضی اللہ عنہ کے لشکر میں اس وقت کے بڑے بڑے جلیل القدر حضرات نے شرکت کی جن میں سیدنا حسن رضی اللہ عنہ، سیدنا حسین رضی اللہ عنہ، سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ، سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ، سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اور سیدنا حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ (البدایہ والنہایہ: ۷/۱۵۴، ۳/۳۲۳، ابن اثیر: ۳/۵۴، فتوح البلدان ص ۳۴۲، ابن خلدون: ۲/۱۰۱۸)

سعید بن العاص رضی اللہ عنہ گورنر بصرہ سیدنا عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے پہلے خراسان پہنچ گئے اور عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ کے پہنچنے سے قبل ابن عاص رضی اللہ عنہ نے جرجان، خراسان اور طبرستان کو فتح کر لیا۔

(طبری: ۳/۳۲۳، ابن اثیر: ۳/۵۴)

مختصر یہ کہ عہد عثمانی میں سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ مختلف جنگوں میں شریک رہے اور اسلامی جہاد میں پوری طرح حصہ لیا اور ہر قسم کی خدمات انجام دیں اور غنائم میں بھی برابر حصہ لیتے رہے۔ انہی غنیمتوں میں سے شیعہ عالم عبداللہ مامقانی کے مطابق یزدگرد شاہ ایران کی دو لڑکیاں بھی تھیں۔ یہ دونوں لڑکیاں خراسان کی جنگ میں مسلمانوں کے ہاتھ لگیں۔ فوج کے کمانڈر سیدنا عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے یہ دونوں لڑکیاں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بھیج دیں۔ آپ نے ان میں سے ایک سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو مرحمت فرمائی اور دوسری سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو۔ علامہ مامقانی نے لکھا ہے کہ یہ دونوں لڑکیاں صاحب اولاد ہو کر فوت ہوئیں اور جو لڑکی سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی اہلیہ تھی ان سے سیدنا علی بن حسین رحمۃ اللہ علیہ یعنی سیدنا زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ پیدا ہوئے۔ (تنقیح المقال: ۳/۸۰)

دختران یزدگرد کے بارے میں بعض حضرات نے کچھ اشکالات ذکر کیے ہیں، جیسے علامہ شبلی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ۔

Marfat.com

لیکن ان اشکالات کے جوابات علماء شیعہ کے ذمے ہیں کیونکہ اکابر شیعہ علماء نے اپنی کتابوں میں دختران یزدگرد کے نکاح کو ذکر کیا ہے۔

حضرات حسنین رضی اللہ عنہما کے ہاتھوں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی حفاظت:

جس زمانے میں باغی امیر المومنین سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے خلاف مدینہ طیبہ کی گلیوں میں دندناتے پھر رہے تھے اس زمانے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے امیر المومنین رضی اللہ عنہ سے درخواست کی تھی کہ ہمیں اس معاملہ میں مداخلت کی اجازت دی جائے اور ان برائیوں سے نمٹنے کا ہمیں بھی موقع دیا جائے۔ لیکن امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے ان کی درخواست کو قبول نہ کیا اور فرمایا کہ وہ اپنے اپنے گھروں میں بیٹھے رہیں اور مجھے بذات خود برائیوں سے نمٹنے دیں۔ چنانچہ ابن اثیر نے لکھا ہے:

وامر اهل المدينة بالرجوع واقسم عليهم فرجعوا۔ (ابن اثیر:۳/۸۶)

امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے اہل مدینہ کو حکم دیا کہ وہ واپس چلے جائیں اور انھیں قسم دی، پس وہ واپس چلے گئے۔

لیکن ابن اثیر ہی کا بیان ہے کہ ''حسن بن علی رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ، محمد بن طلحہ رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اور ان جیسے اور کئی صحابہ زادے امیر المومنین کی حفاظت کے لیے ان کے پاس رہے۔ (ابن اثیر:۳/۸۷)

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ:

''بلوائیوں نے قصر خلافت میں امیر المومنین کو پناہ لینے پر مجبور کیا اور ان پر عرصۂ حیات تنگ کر دیا اور ان کا شدید محاصرہ کر لیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک کثیر تعداد خانہ نشین ہو گئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے صاحب زادوں کی ایک جماعت اپنے باپوں کے حکم سے امیر المومنین رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچی جن میں سیدنا حسن رضی اللہ عنہ، حسین رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ جو گھر میں مقیم لوگوں کے امیر تھے اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔'' (البدایہ والنہایہ:۷/۱۷۶)

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تاریخ میں ایک اور مقام پر لکھا ہے:

''اواخر ذی قعدہ سے لے کر ۱۸ ذی الحجہ بروز جمعہ سنہ ۳۵ ھ تک (قصر خلافت کا) محاصرہ برابر جاری رہا اور مہاجرین وانصار میں سے جو ان کے مکان میں حفاظت کے لیے موجود تھے ان حضرات میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ، حسن بن علی رضی اللہ عنہ، حسین بن علی رضی اللہ عنہ، مروان بن حکم رضی اللہ عنہ، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور ان کے خدام کی کثیر تعداد تھی۔ اگر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ ان لوگوں کو نہ روکتے تو وہ باغیوں کو روک سکتے تھے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں کو قسم دے کر کہا کہ جس شخص پر میرا کوئی حق ہے وہ باغیوں کے مقابلہ سے اپنے ہاتھ کو روک لے اور اپنے گھر چلا جائے حالانکہ اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ان کی اولاد کا ایک جم غفیر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاں موجود تھا۔ علاوہ ازیں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے غلاموں کو حکم دیا

Marfat.com

کہ جس نے اپنی تلوار کو نیام میں کرلیا وہ آزاد ہے۔(البدایہ والنہایہ:۷/۱۸۱)

مشہور مورخ ابن خیاط نے بھی امام محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے محاصرہ کے وقت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ بن علی رضی اللہ عنہ دوسرے صحابہ زادوں کے ساتھ قصر خلافت میں حفاظت کے لیے موجود تھے۔ چنانچہ لکھا ہے:

''محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرات حسن رضی اللہ عنہ، حسین رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن زبیر رحمۃ اللہ علیہ اور مروان رضی اللہ عنہ سب اسلحہ سے لیس ہو کر قصر خلافت پہنچے، سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے انھیں دیکھ کر فرمایا کہ میں تمھیں اللہ کی قسم دے کر کہتا ہوں کہ آپ واپس چلے جائیں اور اپنا اسلحہ رکھ دیں اور اپنے اپنے گھروں میں جا کر بیٹھ جائیں۔'' (تاریخ خلیفہ بن خیاط:۱/۱۵۱۔۱۵۲)

علامہ بلاذری نے بھی سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ قصر عثمان رضی اللہ عنہ کی مدافعت اور حفاظت پر متعین تھے۔ چنانچہ لکھا ہے کہ:

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اپنے صاحب زادوں سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اور حسین رضی اللہ عنہ کو فرمایا کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے دروازہ پر تلواریں سونت کر کھڑے ہو جاؤ تا کہ باغیوں میں سے کوئی شخص اندر نہ جا سکے۔ اسی طرح سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ نے اپنے صاحب زادے عبداللہ رضی اللہ عنہ کو اور سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ نے اپنے صاحب زادے محمد رضی اللہ عنہ کو قصر خلافت کی حفاظت کے لیے بھیجا اور متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنے صاحب زادوں کو اس غرض کے لیے بھیجا تا کہ باغیوں کو قصر خلافت میں داخل ہونے سے روکیں۔'' (انساب الاشراف:۵/۶۸۔۶۹)

ابن ابی الحدید شیعی نے بھی ''نہج البلاغہ'' کی شرح میں حضرات سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ، محمد بن طلحہ رضی اللہ عنہ اور مروان بن حکم رضی اللہ عنہ کے ساتھ سعید بن العاص رضی اللہ عنہ کا نام بھی لکھا ہے، نیز لکھا ہے:

''اور انصار کی اولاد میں سے ایک جماعت بھی ان کے ساتھ تھی۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کو ڈانٹا اور فرمایا کہ تم میری نصرت و امداد کے لیے بالکل آزاد ہو لیکن ان حضرات نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی بات ماننے سے انکار کر دیا اور واپس نہ ہوئے۔'' (ابن ابی الحدید:۱/۱۹۷)

ان تمام روایات سے یہ بات روز روشن کی طرح ثابت ہوتی ہے کہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے صاحب زادوں کے ساتھ قصر خلافت کے دروازہ پر امیر المومنین عثمان رضی اللہ عنہ کی حفاظت کے لیے موجود تھے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کو بہت سمجھایا بلکہ زجر و توبیخ بھی کی کہ وہ اپنے اپنے گھروں کو چلے جائیں۔ کبھی فرمایا:

لاحاجة لی فی الدنیا او قال فی القتال۔

''مجھے دنیا میں کوئی حاجت نہیں، یا فرمایا کہ مجھے جنگ و جدال کی کوئی ضرورت نہیں۔''

(المصنف، عبدالرزاق:۱۱/۴۴۷)

Marfat.com

لیکن وہ امیر المومنین رضی اللہ عنہ کی حفاظت اپنا فرض منصبی سمجھتے تھے، یہاں تک کہ مدافعین کی سنگ باری اور تیراندازی سے کئی بار زخمی بھی ہوئے۔ چنانچہ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے:

''اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ شدید زخمی ہوئے اور اسی طرح سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہ اور مروان بن الحکم رضی اللہ عنہ بھی شدید زخمی ہوئے۔'' (البدایہ والنہایہ: ۷/۱۸۸)

سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کا سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی مدافعت میں زخمی ہونا:

ایک روز دفعتاً ان محاصرین نے امیر المومنین سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے قصر خلافت کے دروازے پر جہاں آپ کئی روز سے محصور تھے تیراندازی شروع کر دی۔ گویا یہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کرنے کی ایک ابتدائی کارروائی تھی۔ چنانچہ جب وہ قصر خلافت کے دروازے پر تیراندازی کر رہے تھے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے صاحب زادوں سیدنا حسن رضی اللہ عنہ، سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ، سیدنا محمد بن طلحہ رضی اللہ عنہ، سیدنا مروان رضی اللہ عنہ، سیدنا سعید بن العاص رضی اللہ عنہ، وغیرہ نے جو وہاں مقیم تھے، مزاحمت کی اور باغیوں سے برسر پیکار ہونا چاہا۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو جب ان حضرات کے اس عزم کا پتہ چلا تو آپ نے انھیں قسم دے کر روکا اور تاکید کی کہ وہ اپنے اپنے گھروں کو لوٹ جائیں لیکن ان مجاہدین نے جانے سے انکار کر دیا اور قصر خلافت میں چلے گئے۔ آپ نے دروازہ بند کر دیا۔ مغیرہ بن اخنس رضی اللہ عنہ نے کہا:

''اگر ہم نے آپ کا ساتھ چھوڑ دیا تو ہم اللہ رب العزت کو کیا جواب دیں گے؟ یہ باغی آپ پر زیادتی کر رہے ہیں، لہٰذا جب تک ہمارے جسموں میں زندگی کی کوئی رمق باقی ہے ہم ان باغیوں کو زندہ نہیں چھوڑیں گے۔''

(طبری: ۳/۴۱۹، التمہید والبیان: ۱۳۱)

ان ایام میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اپنا زیادہ وقت نماز میں گزارتے۔ آپ کے پاس قرآن حکیم ہر وقت پڑا رہتا۔ جب آپ نوافل سے ذرا تھک جاتے تو قرآن حکیم کھول کر اس کی تلاوت میں مشغول ہو جاتے۔

ایک روز پھر ایسا ہوا کہ مصری سبائیوں نے جو دروازے پر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ پر آنے جانے کی پابندی لگا رہے تھے، قصر خلافت کی ڈیوڑھی کو آگ لگا دی۔ ڈیوڑھی اور دروازہ دونوں جل کر گر پڑے۔ بلوائیوں نے قصر خلافت میں داخل ہونے کی کوشش کی لیکن قصر خلافت میں مقیم لوگوں نے آگے بڑھ کر ان کو داخل ہونے سے روک دیا۔ سب سے پہلے ان باغیوں کو روکنے کے لیے جو آگے بڑھے وہ مغیرہ بن الاخنس رضی اللہ عنہ تھے۔ ان کے بعد سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہ، سیدنا محمد بن طلحہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا سعید بن العاص رضی اللہ عنہ تھے۔ جب قصر خلافت کے دروازے اور ڈیوڑھی کو آگ لگائی گئی اس وقت سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ قرآن حکیم کی تلاوت میں مشغول تھے اور سورۃ آل عمران کی یہ آیت تلاوت فرما رہے تھے۔

﴿اَلَّذِیْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِیْمَانًا وَّ قَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَكِیْلُ﴾ (آل عمران: ۱۷۳)

Marfat.com

''وہ لوگ جن کو لوگوں نے کہا کہ لوگوں نے تمھارے مقابلے کے لیے لشکر جمع کیے ہیں پس ان سے ڈرو، تو اس بات نے ان کا ایمان بڑھایا اور انھوں نے کہا کہ اللہ ہمیں کافی ہے اور کیا ہی اچھا کارساز ہے۔''

آپ نے جب اپنے پاس مقیم لوگوں کا باغیوں کے خلاف یہ جذبۂ جہاد دیکھا تو انھیں فرمایا:

''بے شک رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے ایک عہد لیا تھا میں اس پر سختی سے پابند ہوں اور ان باغیوں نے قصر خلافت کے دروازے کو جلایا ہے وہ اس سے بڑے مطالبہ کے لیے بضد ہیں۔ میں ان تمام لوگوں کو جو اس وقت میرے پاس مقیم ہیں قسم دے کر حکم دیتا ہوں کہ وہ ہرگز ان باغیوں سے جنگ وقتال نہ کریں۔'' (طبری: ۳/ ۴۱۹، التمہید والبیان: ۱۳۱، البدایہ والنہایہ: ۷/ ۱۸۸)

باغیوں کی اس پیش قدمی اور شرارت کو دیکھ کر کچھ مجاہدان کے مقابلہ کے لیے آگے بڑھے۔ ان میں سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہ، سیدنا مروان رضی اللہ عنہ، سیدنا مغیرہ بن اخنس رضی اللہ عنہ، سیدنا سعید بن العاص رضی اللہ عنہ، سیدنا محمد بن طلحہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے ان سب حضرات کو اصرار اور سختی سے کہا کہ میری محافظت کا خیال چھوڑ کر اپنے اپنے گھروں کو واپس چلے جائیں لیکن یہ حضرات جوش وجذبات میں رجزیہ اشعار پڑھتے ہوئے باغیوں کی طرف بڑھے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی زبان پر اس وقت قرآن حکیم کی یہ آیت تھی:

﴿يٰقَوْمِ مَا لِيْٓ اَدْعُوْكُمْ اِلَى النَّجٰوةِ وَتَدْعُوْنَنِيْٓ اِلَى النَّارِ﴾ (المؤمن ۴۰: ۴۱)

''اے میری قوم! عجیب معاملہ ہے کہ میں تم کو نجات کی طرف دعوت دیتا ہوں اور تم مجھے جہنم کی طرف بلاتے ہو۔''

سیدنا حسن رضی اللہ عنہ بھی ان لوگوں میں سے تھے جو باغیوں کو قصر خلافت میں آنے سے نہایت شدت سے روک رہے تھے۔ محمد بن ابی بکر اور اس کے ساتھیوں نے جب دیکھا کہ مدافعین بڑی سختی سے قصر خلافت کا دفاع کر رہے ہیں تو انھوں نے تیر چلانے شروع کر دیئے۔ ان تیروں میں سے ایک تیر سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے چہرۂ مبارک پر لگا جس سے وہ خون میں تر بتر ہو گئے۔ حضرت مروان رضی اللہ عنہ کو بھی ایک تیر لگا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے غلام قنبر رضی اللہ عنہ اور محمد بن طلحہ رضی اللہ عنہ بھی ان تیروں سے زخمی ہو گئے۔

علامہ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ:

''سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اپنے دونوں صاحب زادوں سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ آپ اپنی تلواریں لے کر قصر خلافت کے دروازہ پر کھڑے ہو کر امیر المومنین رضی اللہ عنہ کی مدافعت اور حفاظت کرو..... ان باغیوں نے دروازہ پر زبردست سنگ باری کی جس سے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے غلام قنبر رضی اللہ عنہ زخمی ہو گئے۔''

اور کون لوگ اس معرکہ میں زخمی ہوئے، علامہ ابن عبدالبر ہی فرماتے ہیں:

Marfat.com

''خون میں تر بتر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہ، سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ، محمد بن حاطب رضی اللہ عنہ اور سیدنا مروان بن حکم رضی اللہ عنہ مدافعت اور حفاظت کر رہے تھے۔'' (الاستیعاب:۳/۷۸)

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے ان حضرات کے بارے میں لکھا ہے:

''قصر خلافت میں مقیم حضرات میں سے کچھ لوگ شہید ہوئے اور ان فاجروں میں سے بھی کچھ لوگ قتل ہوئے۔ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو کافی زخم آئے۔ اسی طرح سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہ اور سیدنا مروان بن حکم رضی اللہ عنہ کو بھی زخم آئے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے جو بڑے ساتھی اس معرکہ میں کام آئے ان میں زیاد بن نعیم فہری رضی اللہ عنہ، مغیرہ بن الاخنس رضی اللہ عنہ اور نیار بن عبداللہ اسلمی رضی اللہ عنہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔''

(البدایہ والنہایہ:۷/۱۸۸، انساب الاشراف بلاذری:۵/۶۸)

جب ان ظالموں نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا اور آپ رضی اللہ عنہ کی اہلیہ سیدہ نائلہ رضی اللہ عنہا نے بالا خانے کی چھت پر سے اہل مدینہ کو آواز دی کہ ''امیر المومنین کو شہید کر دیا گیا ہے'' تو بلاذری کے الفاظ ہیں کہ یہ سننا تھا کہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ، سیدنا حسین رضی اللہ عنہ اور جو حضرات بھی ان کے ساتھ قصر خلافت کے دروازے پر موجود تھے، اندر داخل ہوئے۔ دیکھا کہ امیر المومنین رضی اللہ عنہ شہید کر دیئے گئے ہیں۔ وہ سب ان کی لاش پر گر پڑے اور رونے لگے۔ شہادت کی یہ خبر جب سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو پہنچی تو وہ بھی فوراً قصر خلافت پہنچے اور اپنے صاحب زادوں (سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ) سے فرمایا کہ امیر المومنین رضی اللہ عنہ کیسے قتل ہو گئے جب کہ تم قصر خلافت کے دروازے پر موجود تھے؟'' اسی پریشانی اور اضطراب کے عالم میں آپ نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو تھپڑ مارا اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو دو ہتڑ مارا۔

(انساب الاشراف:۵/۱۰۳، تاریخ الخلفاء:۱۱۳)

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی تدفین میں شرکت:

سیدنا عثمان ۱۸ ذی الحجہ سن ۳۵ ھ کو جمعہ کے روز بعد عصر شہید کیے گئے۔ شہادت کے بعد مدینہ طیبہ میں مارشل لاء کی سی کیفیت طاری کر دی گئی تھی۔ ہر طرف خوف و ہراس کا عالم طاری تھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اس جانکاہ واقعہ سے ہوش اڑ گئے تھے اور کچھ سجھائی نہیں دیتا تھا کہ کیا کیا جائے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا جسد اطہر قصر خلافت میں پڑا ہوا تھا۔ خدشہ تھا کہ بلوائی تجہیز و تکفین میں مزاحمت نہ کریں۔ لہٰذا سیدنا حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ اور سیدنا جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے اس بارے میں بات کی۔ چنانچہ سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ، سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ، سیدنا حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ، سیدنا مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ، سیدنا حویطب بن عبدالعزیٰ، سیدنا ابوجہم بن حذیفہ رضی اللہ عنہ، سیدنا نیار بن مکرم اسلمی رضی اللہ عنہ، سیدنا مروان بن الحکم رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم نے مغرب اور عشاء کے درمیان جنت البقیع کے مشرق میں حش کوکب میں آپ کو دفن کر دیا۔ نماز جنازہ ایک روایت کے مطابق سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ نے پڑھائی اور بعض روایات کے میں سیدنا جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ، سیدنا حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ اور سیدنا مروان بن حکم رضی اللہ عنہ کا نام بھی آیا ہے۔

(البدایہ والنہایہ:۷/۱۹۱، ابن اثیر:۳/۹۱، ابن خلدون:۲/۱۰۵۳، التمہید والبیان فی مقتل الشہید عثمان:۱۴۲)

Marfat.com

خلافت علوی اور سیدنا حسن رضی اللہ عنہ

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ ۱۸ ذی الحجہ سنہ ۳۵ ھ بروز جمعہ بعد نماز عصر شہید کیے گئے۔ ہفتہ کی رات یعنی ۱۹ ذی الحجہ کو مغرب اور عشاء کے درمیان بقیع میں حش کوکب کے مقام پر آپ کو دفن کیا گیا۔ آپ کی شہادت کے بعد تین روز تک بعض روایات کے مطابق ۵ روز تک مسند خلافت خالی رہی۔ سبائیوں کو پورا احساس تھا کہ وہ خلافت کے اس بارگراں کو نہیں اٹھا سکتے، لہٰذا تین روز کے بعد انھوں نے امیر کی تلاش شروع کر دی۔ اہل مصر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنانا چاہتے تھے کیونکہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ربیب محمد بن ابی بکر اُن کے ساتھ تھے۔ کوفی سیدنا زبیر صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل بصرہ سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ کو مسند خلافت پر بٹھانا چاہتے تھے، لیکن ان تینوں میں سے کوئی بھی اس بار کو اٹھانے کے لیے تیار نہ تھا۔ ان تینوں کے انکار پر سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اور سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ پر اس منصب کو قبول کرنے کے لیے دباؤ ڈالا گیا لیکن ان دونوں حضرات نے بھی انکار کر دیا۔ (البدایہ والنہایہ: ۷/ ۲۲۷، طبری: ۳/ ۴۵۴)

طبری نے شعبی سے ایک روایت نقل کی ہے کہ شہادت عثمان رضی اللہ عنہ کے تیسرے روز باغی سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے پاس آئے۔ آپ اس وقت مدینہ طیبہ کے ایک بازار میں تھے۔ آتے ہی کہنے لگے: ''ہاتھ بڑھایئے ہم آپ کی بیعت کرتے ہیں۔'' سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''جلدی نہ کرو۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بڑے مبارک آدمی تھے۔ انھوں نے شوریٰ کی وصیت فرمائی تھی۔ لہٰذا تم بھی لوگوں کو مہلت دو۔ وہ مشورہ کریں کہ کس کو خلیفہ بنانا ہے۔'' یہ سن کر وہ واپس چلے گئے۔ پھر ان میں سے بعض نے کہا: ''اگر ہم اس معاملہ کو سلجھائے بغیر واپس چلے گئے تو فسادات اور لوگوں کے اختلافات کی وجہ سے ہم محفوظ نہیں رہیں گے۔ چنانچہ پھر وہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے پاس واپس آئے۔ اس دفعہ مالک الاشتر بھی ان کے ساتھ تھا۔ اس نے آتے ہی آپ کا ہاتھ پکڑا اور بیعت کر لی۔ اس کے بعد اس کے سارے ساتھیوں نے آپ کی بیعت کر لی۔ (طبری: ۳/ ۴۵۵)

روایات میں یہ بھی آتا ہے کہ مالک الاشتر (جو کہ سبائیوں کا سرغنہ تھا) اور اس کے ساتھیوں نے جب سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کرنا چاہی تو ترجمان القرآن سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو بیعت لینے سے بشدت منع کیا اور کہا کہ آپ بلوائیوں کے ساتھ کوئی تعلق نہ رکھیں کیونکہ:

''بخدا! اگر آج آپ ان باغیوں کے ساتھ خلافت کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے تو کل لوگ آپ پر قتل

Marfat.com

عثمان رضی اللہ عنہ کا الزام لگا دیں گے۔''

لیکن سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کی بات نہ مانی۔ (البدایہ والنہایہ: ۷/۱۰۱، طبری: ۳/۴۶۱)

بعض روایات میں ہے کہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے بھی آپ کو بیعت لینے سے روکا لیکن آپ نے ان کی بات بھی نہ مانی۔ چنانچہ آپ ۲۵ ذی الحجہ کو مسند خلافت پر متمکن ہو گئے اور ان لوگوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی جو قتل سیدنا عثمان میں پیش پیش تھے۔ لہٰذا تاریخ کے رپورٹر اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ آپ کا انتخاب آزادانہ نہ ہوا، کیونکہ مدینہ منورہ میں دہشت گردی اور انارکی کا دور دورہ تھا۔ سبائی اور باغی ہر طرف دندناتے پھر رہے تھے۔ اس وجہ سے آزادانہ انتخاب کا امکان بھی نہیں تھا۔ اسی وجہ سے بقول علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ:

''مسلمانوں کی اچھی خاصی تعداد نصف یا اس سے کم یا زیادہ نے علی رضی اللہ عنہ کی بیعت نہیں کی تھی۔ اور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اور نہ ہی کئی ایک دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپ کی بیعت کی۔'' (منہاج السنہ: ۲/۲۳۷)

جناب سید مودودی رحمہ اللہ نے بھی ایک مقام پر لکھا ہے کہ:

''حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنانے میں وہ لوگ شریک تھے جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف شورش برپا کرنے کے لیے باہر سے آئے ہوئے تھے۔ ان میں وہ لوگ بھی شامل تھے جنہوں نے بالفعل جرم قتل کا ارتکاب کیا اور وہ بھی جو قتل کے محرک اور اس میں اعانت کے مرتکب ہوئے۔ اور ویسے مجموعی طور پر اس فساد کی ذمہ داری ان سب پر عائد ہوتی ہے۔ خلافت کے کام میں ان کی شرکت ایک بہت بڑے فتنے کی موجب بن گئی۔'' (خلافت وملوکیت: ۱۲۳)

اس اقتباس سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے انعقاد میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ہاتھ کم اور قاتلین سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور سبائیوں کا ہاتھ زیادہ تھا۔ چنانچہ اسی وجہ سے لوگ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کو متفقہ طور پر قبول نہ کر سکے۔ اس وجہ سے بعض اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی آپ کی بیعت سے الگ رہے۔

چنانچہ سید مودودی لکھتے ہیں:

''بعض اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت سے الگ رہے۔ وہ امت کے نہایت با اثر لوگ تھے۔ ان میں ہر ایک ایسا تھا جس پر ہزاروں مسلمانوں کو اعتماد تھا۔ ان کی علیحدگی نے دلوں میں شک ڈال دیئے۔'' (خلافت وملوکیت: ۱۲۳)

معلوم ہوا کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی خلافت اہل شوریٰ اور مہاجرین وانصار کے اتفاق سے نہیں ہوئی بلکہ اس کے بغیر ہی سیدنا علی رضی اللہ عنہ چن لیے گئے۔ چنانچہ طبری نے نقل کیا ہے کہ ''مالک الاشتر اور اس کے ساتھی سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کر کے سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور ان سے جا کر کہا کہ ''بیعت کیجئے۔'' انھوں نے پوچھا: ''کس کی؟'' کہنے لگے: ''سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی۔'' سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ''کیا شوریٰ نے جمع ہو کر اس کا فیصلہ کیا ہے؟'' انھوں نے

Marfat.com

اس کا کوئی جواب نہ دیا اور کہنے لگے: ''بس چل کر بیعت کیجئے۔'' انھوں نے پھر انکار کیا، لیکن وہ ان کو بالجبر وہاں لے گئے۔'' (طبری:۳/۴۷۵)

اسی وجہ سے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کی حیثیت متفقہ نہ رہی اور کئی مقامات کے لوگ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی بیعت سے کنارہ کش رہے۔ مدینہ طیبہ کے بہت سے حضرات سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی بیعت سے بچنے کے لیے شام چلے گئے۔ کچھ حضرات مکہ مکرمہ بھاگ گئے۔ شام تو کلیتہً سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی بیعت سے الگ رہا۔ کوفہ، بصرہ اور مصر کے صوبوں میں ایک اچھا خاصا گروہ ان کی بیعت سے کنارہ کش رہا۔ طبری نے مصر کے ایک شہر ''خربتا'' کے افراد کی تعداد دس ہزار بتائی ہے جنہوں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی تھی۔ (طبری:۳/۵۵۳) خود مدینہ منورہ کے کئی لوگوں نے آپ کی بیعت نہیں کی جن میں کئی جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی تھے۔ چنانچہ ابن خلدون نے لکھا ہے:

''شہادت عثمان رضی اللہ عنہ کے وقت لوگ مختلف شہروں میں پھیلے ہوئے تھے۔ سب سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کے موقع پر حاضر نہ ہو سکے اور جو حاضر تھے ان میں سے بھی سب نے بیعت نہیں کی۔ بعض حضرات نے کی اور بعض حضرات نے اس وقت تک توقف کی روش اختیار کی جب تک لوگ ایک امام پر جمع نہ ہو جائیں۔ کیونکہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی خلافت ان کے نزدیک اتفاقی اور اجماعی نہ تھی، ان حضرات میں سعد رضی اللہ عنہ، سعید رضی اللہ عنہ، ابن عمر رضی اللہ عنہ، اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ، مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ، حسان بن مخلد رضی اللہ عنہ، فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ اور ان جیسے دیگر کئی اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے۔ جو لوگ مدینہ طیبہ کے علاوہ دیگر شہروں میں رہتے تھے انھوں نے بھی بیعت کرنے سے اس وقت تک توقف کیا جب تک سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کا مطالبہ پورا نہ ہو جائے اور جب تک مجلس شوریٰ خود کسی شخص کو خلیفہ منتخب نہ کر لے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ لوگ اگرچہ یہ خیال تو نہیں رکھتے تھے کہ وہ بھی قتل عثمان رضی اللہ عنہ میں شریک ہیں تاہم قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں ان کی خاموشی کو انھوں نے ان کی کمزوری اور سستی پر محمول کیا۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ بھی اس بارے میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو جو کچھ کہتے تھے اس کی بنیاد بھی سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی یہ خاموشی تھی۔''

''سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی خلافت جس طرح بھی منعقد ہوئی لیکن منعقد ہو جانے کے بعد بھی اس کے بارے میں اتفاق کی صورت پیدا نہ ہو سکی بلکہ اختلاف ہی موجود رہا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا خیال تھا کہ ان کی خلافت منعقد ہو گئی ہے اور مدینہ منورہ جو شہر رسولؐ اور مسکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہے، وہاں کے باشندے ان پر مجتمع اور متفق ہو چکے ہیں، اس لیے بیعت سے کنارہ کش رہنے والوں کے لیے اب بیعت کرنا ضروری ہو گیا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی مطالبۂ قصاص کے متعلق ان کا کہنا تھا کہ اسے اس وقت تک ملتوی رکھا جائے جب تک ایک کلمہ پر لوگوں کا اتفاق و اجتماع نہ ہو جائے کیونکہ اس کے بغیر وہ طاقت ممکن نہیں جو

Marfat.com

اس کام کے لیے ضروری ہے۔"

"دوسرے حضرات کا خیال تھا کہ جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اہل الحل والعقد ہیں وہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کے وقت مدینہ میں موجود نہ تھے یا ان کی تعداد بہت کم تھی۔ وہ اس وقت دوسرے شہروں میں بکھرے ہوئے تھے۔ ان کے بغیر یا ان کی قلیل تعداد کے ساتھ بیعت منعقد نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا آپ کی بیعت ہی سرے سے منعقد نہیں ہوئی۔ مسلمان انتشار کے گرداب میں پھنسے ہوئے ہیں۔ اس وجہ سے ان کا کہنا یہ تھا کہ پہلے خون عثمان رضی اللہ عنہ کا مطالبہ پورا کیا جائے۔ کسی امام پر مجتمع اور متحد ہونے کا مرحلہ دوسرے نمبر پر ہے۔ ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا، سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ اور ان کے صاحب زادے عبداللہ رضی اللہ عنہ، سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ، سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ، سیدنا سعد رضی اللہ عنہ، سیدنا نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ، سیدنا معاویہ بن خدیج رضی اللہ عنہ اور ان کے علاوہ ان کے ہم رائے وہ اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم تھے جو مدینہ طیبہ میں بیعت سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے کنارہ کش ہو گئے تھے۔ جن کا ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔" (مقدمہ ابن خلدون فصل ولایت عہد: ۳۷۸، ۳۷۹)

اس بات کا احساس خود سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو بھی تھا کہ ان کی بیعت کس طرح اور کن حالات میں ہوئی ہے۔ چنانچہ سیدنا قیس بن سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے جنگ جمل کے روز سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

"اے اللہ! میں تیرے ہاں خون عثمان سے اپنی برأت ظاہر کرتا ہوں۔ قتل عثمان رضی اللہ عنہ کے روز میری عقل جاتی رہی تھی۔ اور حزن وملال کی وجہ سے مجھے اپنی زندگی بری معلوم ہونے لگی۔ لوگ میرے پاس بیعت کرنے کے لیے آئے۔ میں نے ان سے کہا "بخدا! مجھے اللہ سے حیا آتی ہے جس کے بارے میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میں اس سے حیا کرتا ہوں جس سے فرشتے حیا کرتے ہیں۔" اور بلاشک وشبہ مجھے اللہ سے حیا آتی ہے کہ لوگوں سے اس حال میں بیعت لوں کہ عثمان رضی اللہ عنہ فرش خاک پر خون سے لت پت ہیں اور ابھی تک دفن نہیں ہوئے ہیں۔ چنانچہ لوگ واپس چلے گئے۔ جب عثمان رضی اللہ عنہ دفن ہو گئے تو لوگ پھر میرے پاس آئے اور مجھے بیعت لینے کی درخواست کی۔ میں نے کہا: "اے اللہ میں اس اقدام سے ڈرتا ہوں" لوگ پھر آئے اور اصرار کیا تو میں نے بیعت لے لی لیکن جب انھوں نے مجھے امیر المومنین کہا تو میرا دل پھٹ گیا اور میں دم بخود رہ گیا۔" (البدایہ والنہایہ: ۱۹۳/۷)

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ سارے واقعات ہم نے اس لیے نقل کیے ہیں کہ ان حالات میں بیعت لینے سے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی پوزیشن بعض لوگوں کے ہاں مخدوش ہو گئی۔ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے اس بارے میں آپ کو روکا تھا کہ آپ مدینہ سے باہر چلے جائیں۔ وگرنہ شہادت سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں لوگ آپ کو قصور وار ٹھہرائیں گے لیکن سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ان کی بات نہ مانی۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے خلیفہ ہونے کے بعد جیسا کہ بتایا گیا ہے کہ کافی لوگوں نے آپ کی بیعت نہ کی۔ اب سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے یہ فیصلہ کیا کہ جن لوگوں نے ہماری بیعت نہیں کی اور خلیفہ کی اطاعت پر آمادہ نہیں ہوئے ان

Marfat.com

لوگوں سے قتال کرنا لازم اور ضروری ہے۔ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو جب سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے اس نظریے کے بارے میں علم ہوا تو آپ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ آپ بیعت نہ کرنے والوں سے قتال کو فی الحال ملتوی فرما دیجیے کیونکہ اس میں مسلمانوں کے مابین خون ریزی کا شدید خطرہ ہے اور امت تشتت وانتشار کا شکار ہو جائے گی۔ لیکن تاریخ کے رپورٹر بتاتے ہیں کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی اس تجویز کو قبول نہ کیا اور بیعت میں داخل نہ ہونے والوں کے خلاف قتال کا پختہ ارادہ اور عزم کر لیا اور ایک لشکر ترتیب دیا جس کا علم بردار اپنے بیٹے محمد بن حنفیہ رضی اللہ عنہ کو بنایا۔ (البدایہ والنہایہ: ۷/ ۲۲۹، ابن اثیر: ۳/ ۲۰۴)

مدینہ میں رہنے والے لوگوں کو جب سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے اس مشورے اور تجویز کا علم ہوا تو انھوں نے بھی اس کی تحسین کی۔ ان لوگوں نے بعد میں اپنے طور پر بھی سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے اس بارے میں رائے معلوم کی کہ ان لوگوں سے جنگ جائز ہے یا نہیں؟ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ان کو بھی جنگ ہی کا کہا۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اس لشکر کو بصرہ کی طرف سے لے جانے کا پختہ ارادہ کر لیا تا کہ ان لوگوں سے جنگ و قتال کیا جائے جو آپ کی بیعت میں شامل نہیں ہوئے۔ اس سلسلے میں آپ نے اہل مدینہ کو اپنے ساتھ تعاون کے لیے کہا لیکن مدینہ والوں کی طرف سے آپ کو خاطر خواہ جواب نہ ملا۔ طبری نے لکھا ہے کہ انصار میں سے صرف دو آدمیوں نے تعاون کا یقین دلایا (فاجابه رجلان من اعلام الانصار) اور صرف چھ بدری صحابہ رضی اللہ عنہم نے تعاون کا اظہار کیا۔ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے کبار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے صرف چار حضرات کا نام ذکر کیا ہے۔ یہ بھی لکھا ہے کہ اکثر اہل مدینہ پر آپ کا یہ حکم گراں گزرا۔ (طبری: ۳/ ۴۶۶۔ البدایہ والنہایہ: ۷/ ۲۳۴) سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو یہ کہہ کر جنگ سے روکنے کی کوشش کی کہ:

انت رجل شجاع ليست صاحب رائی فی الحرب۔

''آپ اگرچہ بہادر آدمی ہیں لیکن فن حرب سے نا آشنا ہیں۔'' (طبری: ۳/ ۴۶۷، ابن اثیر: ۳/ ۱۹۸)

مناسب یہ تھا کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ مدینہ طیبہ میں رہ کر کسی وفد کو بصرہ بھیج کر ان حضرات سے مفاہمت کی راہ تلاش کرتے یا اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کے مشورے سے کوئی ایسا قدم اٹھاتے جو مصالحت پر منتج ہوتا، خون ریزی پر منتج نہ ہوتا۔ باہمی مشورے سے اگر کوئی قدم اٹھایا جاتا تو اہل مدینہ ضرور اس میں آپ سے تعاون کرتے، لیکن سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے مشیر وہ شورش پسند سبائی تھے جنھوں نے انھیں مدینہ طیبہ سے باہر نکلنے کی ترغیب دی۔ چنانچہ آپ ربیع الاول سنہ ۳۶ھ میں اپنے لشکر کے ساتھ مدینہ سے جانب بصرہ روانہ ہوئے تو ربذہ کے مقام پر سیدنا عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کی ملاقات ہوئی۔ انھوں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے گھوڑے کی لگام پکڑ کر کہا:

لاتخرج منها، فوالله لئن خرجت منها لايعود اليها سلطان المسلمين ابداً۔

''امیر المومنین رضی اللہ عنہ! آپ مدینہ سے ہرگز باہر نہ جائیں۔ بخدا اگر آپ یہاں سے چلے گئے تو پھر مسلمانوں کا کوئی خلیفہ مدینہ میں کبھی نہ آئے گا۔''

Marfat.com

سیدنا عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کے منہ سے یہ الفاظ سن کر بعض سبائیوں نے انھیں سب وشتم کیا لیکن سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''ان کو چھوڑ دو، یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے بہت اچھے آدمی ہیں۔''

(البدایہ والنہایہ: ۷/۲۳۴، طبری: ۳/۲۷۴)

جب آپ مدینہ طیبہ سے بصرہ جا رہے تھے تو آپ کے صاحب زادے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے راستہ میں جا کر آپ سے عرض کیا: ''ابا جان! میں نے پہلے بھی آپ کو کئی مشورے دیئے لیکن آپ نے انھیں درخور اعتنا نہیں سمجھا۔'' آپ نے پوچھا وہ کون سے مشورے تھے؟ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے کہا: ''کیا میں نے آپ سے عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت سے پہلے یہ نہیں کہا تھا کہ آپ وقتی طور پر مدینہ طیبہ چھوڑ دیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ شہید کر دیئے جائیں اور آپ کے مدینہ میں موجود ہونے کی وجہ سے آپ پر کوئی الزام آئے۔ لیکن آپ نے میری بات نہ مانی۔''

پھر میں نے آپ سے کہا کہ: ''آپ اس وقت تک لوگوں سے بیعت نہ لیں جب تک کل شہروں کے ارباب حل وعقد آپ سے بیعت لینے کی استدعا نہ کریں لیکن آپ نے میری وہ بات بھی نہ مانی۔ پھر میں نے آپ سے یہ بھی کہا تھا کہ ''جب سیدہ عائشہ سلام اللہ علیہا، سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ خون قصاص کے مطالبے کے لیے نکلے ہیں تو آپ گھر میں بیٹھے رہیں یہاں تک کہ آپس میں مصالحت ہو جائے لیکن آپ نے میرا وہ مشورہ بھی قبول نہ کیا۔''

(البدایہ والنہایہ: ۷/۳۳۴۔۳۳۵، طبری: ۳/۴۷۴، اخبار الطوال: ۱۴۳)

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی ان باتوں کا جو جواب دیا تاریخ نے اس کو بھی اپنے سینے میں محفوظ رکھا ہے۔ آپ نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی ان باتوں کے جواب میں فرمایا: ''بیٹا عثمان رضی اللہ عنہ کے محاصرہ کے دوران میرا مدینہ منورہ سے باہر چلے جانا ممکن نہ تھا کیونکہ یہ لوگ اس وقت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرح میرا بھی محاصرہ کیے ہوئے تھے اور میری نقل وحرکت پر شدید پابندی تھی، لہٰذا میں مجبور تھا۔ اور جہاں تک بیعت لینے کا تعلق ہے تو تمام شہروں کے لوگوں کا اطاعت امیر پر متفق ہونے کا انتظار کرنا ضروری نہیں تھا کیونکہ خلافت کے انعقاد کے لیے حرمین میں موجود مہاجرین وانصار کا متفق ہونا کافی ہے۔ یہ لوگ جس شخص کی بیعت پر متفق اور رضامند ہو جائیں اور اس کی اطاعت قبول کر لیں تو باقی شہروں کے لوگوں پر اس خلیفہ اور امیر کی اطاعت ضروری ہو جاتی ہے۔ اب رہی تمھاری یہ رائے کہ میں اس وقت مدینہ سے باہر نہ نکلوں تو یہ بھی ممکن نہیں کیوں کہ اب ایسا کرنا امت مسلمہ کے ساتھ بدعہدی ہوگی اور اس امت میں مزید تشتت وانتشار پیدا ہونے کا خطرہ ہے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے مزید فرمایا: ''بیٹا اب ان معاملات کو نظر انداز کریں کیونکہ میں آپ سے زیادہ ان معاملات سے واقف وآشنا ہوں۔''

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی بات نہ مانتے ہوئے بصرہ کا سفر جاری رکھا حتیٰ کہ آپ ذی قار کے مقام پر پہنچے۔ یہاں سے سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اپنے صاحب زادے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمار بن

Marfat.com

یاسر رضی اللہ عنہ کو کوفہ کی طرف روانہ کیا تا کہ وہ دونوں وہاں کے لوگوں کو اپنے سفر کا مقصد بیان کریں اور انھیں اپنا معاون اور ہم نوا بنائیں۔

کوفہ میں اس وقت سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ گورنر تھے۔ وہ ذاتی طور پر مسلمانوں کی باہمی خون ریزی کے مخالف تھے۔ وہ لوگوں کو بھی اس بات سے روکتے تھے کہ وہ آپس میں جنگ وقتال کریں۔ جب یہ دونوں حضرات (سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ) کوفہ پہنچے اور انھوں نے لوگوں کو تعاون کے لیے کہا اور لوگوں کو بتایا کہ ہم کس مقصد کے لیے آپ کے پاس آئے ہیں اس میں جو خاص بات کہی وہ یہ تھی کہ:

امیر المومنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا مقصد سفر لوگوں کے درمیان اصلاح ہے۔ چنانچہ اصلاح بین الناس کی دعوت اور مقصد سفر پر کوفہ کے کئی لوگ تیار ہو کر ذی قار کے مقام پر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے لشکر کے ساتھ شامل ہو گئے۔

جنگ جمل کے اثرات اور سیدنا حسن رضی اللہ عنہ:

اس جنگ میں اصحاب جمل کی طرف سے جو حضرات شہید ہوئے، سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ان کے بارے میں کلمۂ خیر کہا اور اپنے ساتھیوں کو منع فرمایا کہ وہ انھیں مومن کے سوا کسی اور نام سے یاد کریں۔'' آپ نے زیادہ سے زیادہ انھیں باغی کے لفظ سے یاد فرمایا۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو السنن الکبریٰ بیہقی: ۸/۱۷۳، تفسیر قرطبی: ۱۶/۳۲۴، ابن عساکر: ۱/۳۲۹، المنتقی ذہبی: ۳۳۵)

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو توقع نہیں تھی کہ معاملہ یہاں تک پہنچ جائے گا اور مطالبۂ قصاص میں اس قدر جانیں تلف ہوں گی۔ چنانچہ جنگ جمل کی اس خون ریزی سے آپ اس قدر متاثر ہوئے کہ بڑی حسرت سے اپنے صاحب زادے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

''بیٹا کاش تمھارا باپ بیس سال قبل اس دنیا سے رخصت ہو گیا ہوتا۔''

سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے کہا: ''اباجان! کیا میں نے آپ کو اس سے روکا نہیں تھا؟''

آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''بیٹا مجھے توقع نہیں تھی کہ معاملہ اس حد تک پہنچ جائے گا۔'' (تاریخ اسلام ذہبی: ۲/۱۵۱)

اس جنگ کے نتائج میں زیادہ واضح چیز یہ تھی کہ آئین اسلام کا وہ حصہ تحریف سے بچ گیا جس کا تعلق کسی خلیفہ کو خلافت سے ہٹانے سے تھا۔ سبائیوں کا نفاق اور تقیہ طشت از بام ہو گیا اور امت مسلمہ ان کی ریشہ دوانیوں سے کافی حد تک محفوظ ہو گئی اور اسلام کو مٹانے کا جو خاکہ یہودی ذہن نے تیار کیا تھا وہ خاک میں مل گیا۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی حجاز روانگی:

جنگ جمل کے اختتام پر سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو ان کی خواہش کے مطابق خود حجاز کی طرف

Marfat.com

رخصت کیا اور کئی میل تک ان کی مشایعت کی اور اپنے صاحب زادوں کو ان کے ساتھ بھیجا تا کہ راستے میں انھیں کوئی تکلیف نہ ہو۔ چنانچہ آپ کے دونوں صاحب زادے کئی میل تک پیدل سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ چلتے رہے اور آپ کو نہایت احترام اور توقیر سے رخصت کیا۔ یہ سفر یکم رجب المرجب سنہ ۳۶ھ کو پیش آیا۔

(البدایہ والنہایہ: ۷/ ۲۴۵، مسعودی: ۲/ ۳۷۷)

جنگ صفین اور سیدنا حسن رضی اللہ عنہ:

جنگ جمل کی خون ریز جنگ کے معاملے نے زیادہ خطرناک صورت اختیار کر لی۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا، سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور دیگر اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کو اس بات کی ذرہ برابر توقع نہ تھی کہ دشمنان اسلام معاملے کو اس حد تک پہنچا دیں گے۔ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور خصوصی طور پر سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہ کو حالات کے اس نقطے پر پہنچ جانے کا علم تھا۔ اسی وجہ سے انھوں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو ان اقدامات سے روکا جو انھوں نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف کیے۔ (ملاحظہ ہو البدایہ والنہایہ: ۷/ ۲۴۰)

سیدنا عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ اور سیدنا قعقاع بن عمرو رضی اللہ عنہ کی تمام کوششیں بے نتیجہ ثابت ہوئیں۔ سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ جو عشرہ مبشرہ میں سے تھے، جنگ جمل میں شہید ہو گئے۔ کچھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حالات کے اس طرح کروٹ بدلنے سے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا ساتھ چھوڑ دیا۔ اموی سادات بصرہ اور مدینہ میں اپنا مستقبل اچھا اور خوش گوار نہ سمجھتے ہوئے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس شام بھاگ گئے۔ ادھر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی انتظامیہ پر سبائیوں کا پورا پورا قبضہ تھا اور اب وہ کسی قیمت پر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو کسی صلح کی کوشش جاری رکھنے کی اجازت نہیں دیتے تھے کیونکہ اس میں ان کے لیے سراسر نقصان تھا۔ اسی اثنا میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے سبائیوں کے مشورے سے یہ طے کیا کہ مدینہ طیبہ کے بجائے کوفہ کو اپنا مرکز خلافت بنایا جائے کیونکہ وہاں ان کو اپنے لیے فضا زیادہ سازگار معلوم ہوئی۔ چنانچہ ۱۲ رجب المرجب سنہ ۳۶ھ کو آپ کوفہ تشریف لائے اور عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کی وہ بات بالکل درست ثابت ہوئی کہ:

''اے علی رضی اللہ عنہ! مدینہ سے باہر مت نکلیو۔ بخدا! اگر ایک دفعہ آپ مدینہ سے نکل گئے تو پھر مسلمانوں کی خلافت مدینہ میں کبھی بھی واپس نہیں لوٹے گی۔'' (البدایہ والنہایہ: ۷/ ۲۳۳، طبری: ۳/ ۲۷۴)

عراق میں آپ کے حامیوں کی تعداد زیادہ تھی کیوں کہ ابن سبا کی تحریک کا مرکز عراق اور مصر دو ہی تو صوبے تھے اور انہی دو صوبوں سے ساری مملکت میں انتشار پھیلا تھا جو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت پر منتج ہوا۔ تاریخ کا طالب علم یہ بات کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ دارالخلافت کی اس تبدیلی سے آپ کو مستقبل میں بہت مصائب اور پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑا۔ ایک تو آپ مدینہ طیبہ کے باہر کے ماحول اور مسلمانوں کے حقیقی مرکز سے دور ہو گئے۔ دوسرے آپ بالکل سبائیوں کے نرغے میں پھنس گئے اور آپ کی پوری سیاست اور انتظامیہ مالک الاشتر، کنانہ بن بشر اور دیگر سبائی سرغنوں کے ہاتھوں میں چلی گئی جس نے آپ کو مشکلات سے دوچار رکھا اور خلافت اسلامیہ کو پانچ

Marfat.com

چھ سال تک ابتلائے عظیم میں مبتلا رکھا۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے مسند خلافت پر متمکن ہونے کے بعد قریباً تمام عثمانی عمال کو معزول کر دیا جن میں ایک سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ آپ نے ان کے بجائے سہل بن حنیف کو شام کا گورنر بنا کر بھیجا لیکن سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے سپاہیوں نے ان کو شام کی حدود میں داخل بھی نہ ہونے دیا اور مقام تبوک ہی سے انھیں واپس کر دیا۔

(طبری جلد:۳، ابن اثیر:۳/۱۰۳)

اس کے بعد سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو کئی خطوط لکھے جن میں لکھا کہ مہاجرین و انصار نے میرے ہاتھ پر بیعت کی ہے، اس لیے یا تو تم میری اطاعت کرو یا پھر جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ۔ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے صاف الفاظ میں لکھا ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی معزولی سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ کے مشورے سے کی۔ چنانچہ لکھا ہے:

ولما ولی علی بن ابی طالب الخلافة اشاره علیه کثیر من امراء ه، ممن باشر قتل عثمان ان یعزل معاویه عن الشام ویولی علیها سهل بن حنیف فعزله۔ (البدایہ والنہایہ:۸/۲۱)

''سیدنا علی رضی اللہ عنہ جب خلیفہ ہوئے تو قاتلان عثمان نے انھیں مشورہ دیا کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو شام کی گورنری سے معزول کر دیا جائے اور ان کی جگہ سہل بن حنیف کو گورنر مقرر کر دیا جائے پس آپ نے انھیں معزول کر دیا۔''

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی یہ معزولی جنگ صفین پر منتج ہوئی اور مسلمانوں کی ایک کثیر تعداد اس میں کام آئی۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ اس جنگ کے معاملہ میں بھی سخت پریشان تھے۔ چنانچہ اس وقت ایک موقع پر اپنے فرزند اکبر سیدنا حسن رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

یالیت امی لم تلدنی ولیت انی مت قبل الیوم۔

''کاش کہ میری ماں نے مجھے نہ جنا ہوتا اور کاش کہ میں آج سے پہلے ہی مر گیا ہوتا۔''

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی ندامت:

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں جمل اور صفین کی خون ریز جنگوں کی صورت میں جو کچھ پیش آیا، سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو اس پر سخت افسوس تھا۔ چنانچہ علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے:

وعلی بن ابی طالب رضی الله عنه ندم علی امور فعلها من القتال وکان یقول

''علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ان کاموں پر نادم اور پشیمان ہو گئے تھے جو جنگ (جمل و صفین) کی صورت میں پیش آئے اور آپ فرمایا کرتے تھے۔''

Marfat.com

اس کے بعد علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے کچھ اشعار نقل کیے ہیں جن کا ترجمہ ہے:

① میں کچھ ایسا بے بس ہو گیا تھا کہ میرے پاس اس کے لیے کوئی عذر نہیں ہے۔

② آئندہ میں اس کے لیے ہمیشہ باخبر رہا کروں گا۔

③ اور متفرق اور منتشر رایوں کو جمع کر کے رکھا کروں گا۔

علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے مزید لکھا ہے:

''سیدنا علی رضی اللہ عنہ صفین کے ایام میں فرمایا کرتے تھے کہ حق تعالیٰ شانہ، نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اور سعد بن مالک رضی اللہ عنہ (ابی وقاص) سے کیا اچھا موقف اختیار کروایا اور وہ اس پر ثابت قدم بھی رہے۔ ان حضرات کا یہ موقف اگر اچھا ہے تو اس کی بہت بڑی جزا ہے اور اگر ان کا موقف غلط ہے تو بھی اس کی برائی بہت کم ہے۔''

پھر آپ نے لوگوں کو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی حکومت قبول کرنے کی ترغیب دی اور فرمایا:

''لوگو! معاویہ رضی اللہ عنہ کی حکومت کو برا مت سمجھنا، کیوں کہ اگر تم نے اس کو بھی کھو دیا تو تم دیکھو گے کہ کندھوں سے سر کیسے اڑتے ہیں۔''

تواتر کے ساتھ ایسی روایات موجود ہیں کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ پیش آمدہ حالات اور واقعات کو زندگی کے آخری ایام میں ناپسند کرنے لگے تھے۔ نیز آپ دیکھ رہے تھے کہ لوگوں میں ان حالات کی وجہ سے سخت اختلاف پیدا ہو گیا ہے اور وہ تشتت وافتراق کا شکار ہو کر مختلف فرقوں میں بٹ گئے ہیں، شر اور برائی ابھرنے لگی ہے۔ اس بات سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو اگر ان حالات کا پہلے سے علم ہوتا تو جو واقعات ان کو بعد میں پیش آئے تھے یا جو کچھ وہ کر چکے تھے وہ ہرگز نہ کرتے۔'' (منہاج السنہ جلد ۳/ ۱۸۰)

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی شہادت اور استخلاف سیدنا حسن رضی اللہ عنہ:

۱۷ رمضان المبارک سنہ ۴۰ ھ شب جمعہ کو عبدالرحمٰن بن ملجم خارجی نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو زہر آلود خنجر سے شہید کر دیا۔ ابن ملجم نے آپ پر حملہ کرتے وقت یہ نعرہ لگایا:

لاحکم الا اللّٰہ ، لیس لك و لاصحابك یا علی۔

حکم صرف اللہ کا ہے، اے علی رضی اللہ عنہ! تمھارا یا تمھارے ساتھیوں کا نہیں۔

زہر آلود خنجر آپ کی مبارک پیشانی پر لگا اور ایک کاری زخم آیا۔

(طبری: ۲/ ۸۴، مروج الذہب: ۲/ ۴۱، البدایہ والنہایہ: ۷/ ۳۲۸، مجمع الزوائد: ۹/ ۱۴۱)

مسجد قریب تھی۔ آپ نے آواز دی۔ لوگ دوڑتے ہوئے آئے۔ ابن ملجم پکڑا گیا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو مسجد میں لایا گیا۔ نماز فجر کی امامت کے فرائض آپ کی بجائے آپ کے بھانجے جعدہ بن ہبیرہ بن ابی وہب نے ادا کیے اور آپ نے اس کی اقتداء میں نماز فجر ادا کی۔ پھر فرمایا: ''ابن ملجم کو آرام سے رکھا جائے اور اس کو کسی قسم کی تکلیف نہ دی جائے۔'' (طبقات ابن سعد: ۳/ ۲۴، ابن اثیر: ۳/ ۱۹۲، البدایہ والنہایہ: ۷/ ۳۲۷)

Marfat.com

اس کے بعد آپ نے لوگوں کو وصیت فرمائی کہ اگر میں اس زخم کی وجہ سے انتقال کر جاؤں تو اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق قاتل کو قصاص میں قتل کر دینا، لیکن اگر میں جانبر ہو گیا تو پھر اس معاملہ میں خود غور کروں گا۔ اس کے بعد آپ نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

''قاتل سے قصاص لیتے وقت ایک ضرب لگانا کیوں کہ اس نے مجھے ایک ہی ضرب لگائی ہے اور اس کا مثلہ (ناک کان وغیرہ کاٹنا) نہ کرنا کیوں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے۔''

(طبری:۶/۸۹، ابن اثیر:۳/۱۹۵، ابن خلدون:۳/۱۱۳۳)

زخم کاری لگا تھا اور خنجر بھی زہر آلود تھا۔ لہٰذا علاج کے باوجود زہر کا اثر سارے جسم میں سرایت کر گیا۔

ابن ملجم نے بھی کہا:

''میں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ پر ایسا وار کیا ہے کہ اگر پورے شہر والوں پر ایسا وار ہوتا تو سارے کے سارے مر جاتے۔ بخدا! میں نے خنجر کو ایک ماہ تک زہر میں بجھایا اور ایک ہزار میں یہ خنجر لیا تھا اور ایک ہزار خرچ کر کے اس کو زہر آلود کیا تھا۔'' (طبری:۴/۱۱۳)

جندب بن عبداللہ اور دوسرے کئی ایک حضرات نے پوچھا کہ آپ اپنے بعد کسی کو خلیفہ مقرر فرما جایئے۔ بعض حضرات نے تو سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کا نام لے کر کہا کہ آپ کے بعد کیا ہم ان کے ہاتھ پر بیعت کر لیں؟ طبری نے لکھا ہے کہ آپ نے جواباً ارشاد فرمایا:

وما امرکم و لا انھا کم انتم ابصر۔

''نہ میں تم کو اس بات کا حکم دیتا ہوں اور نہ یہ روکتا ہوں، تم اس بارے میں زیادہ بہتر سمجھتے ہو۔''

(طبری:۶/۸۵، ابن اثیر:۳/۱۹۶، مروج الذہب:۳/۴۲)

لیکن بعض علماء نے لکھا ہے کہ آپ نے اس کے جواب میں ارشاد فرمایا:

''نہیں، بلکہ میں تمھیں اس طرح چھوڑے جا رہا ہوں جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمھیں چھوڑ گئے۔ پس اگر اللہ کو تمھاری بھلائی منظور ہوئی تو تمھیں ایک بہتر آدمی پر جمع کر دے گا جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تمھیں ایک بہترین شخص (سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ) پر جمع کر دیا تھا۔

(البدایہ والنہایہ:۸/۱۳۱، تاریخ الخلفاء:۱۹۴، تاریخ الاسلام ذہبی:۲/۲۶۶، ۳۲۰)

اس کے بعد کچھ اور وصیتیں فرمائیں اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ اور محمد بن حنفیہ کو بھی وصیتیں کیں۔

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے ان وصیتوں کو اپنی تاریخ میں اس طرح نقل کیا ہے:

''سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اپنے دونوں بیٹوں سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو وصیت فرمائی کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنا، نماز قائم کرنا، زکوٰۃ دینا، غصہ اور غضب کو برداشت کرنا، صلہ رحمی کرنا، جاہل اور ناواقف کے مقابلہ میں حلم اور بردباری سے کام لینا، دین کی سمجھ پیدا کرنا، ہر معاملہ میں استقلال اور

Marfat.com

ثابت قدمی کا مظاہرہ کرنا، قرآن حکیم کو محفوظ رکھنا، ہمسایہ کے ساتھ بہتر اچھا سلوک کرنا، نیکی کا حکم دینا، برائی سے روکنا، فواحش اور بے حیائی کی باتوں سے اجتناب کرنا اور ان دونوں بھائیوں (سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ) کو محمد بن حنفیہ کے بارے میں حسن سلوک کی وصیت فرمائی۔ اور محمد بن حنفیہ کو بھی حکم دیا کہ وہ اپنے ان دونوں بھائیوں سے اچھے طریقے سے پیش آئے اور ان کی عزت اور تعظیم کرے اور ان دونوں کے بغیر کسی معاملہ میں کوئی حتمی فیصلہ نہ کرے۔" (البدایہ والنہایہ: ۷/ ۳۲۷)

بعض کتابوں میں یہ بھی ہے کہ آپ نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو یہ وصیتیں بھی کیں۔ فرمایا:

"بیٹا! میرے بعد امت کو اتحاد و اتفاق کا سبق دینا اور کوئی ایسی بات نہ کرنا جس سے امت میں تشتت و انتشار پیدا ہو، کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا﴾ (آل عمران ۳:۱۰۳)

"یعنی اللہ تعالیٰ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑو اور آپس میں تفرقہ پیدا نہ کرو۔"

پھر فرمایا: "بیٹا! میری وفات کے بعد معاویہ رضی اللہ عنہ سے فوراً صلح کر لینا اور ان کے خلیفۃ المسلمین ہونے سے کراہت نہ کرنا کیونکہ اگر تم نے ان کو بھی اپنے ہاتھ سے کھو دیا تو پھر امت میں ایسا اختلاف و انتشار واقع ہوگا جس کے تلخ ترین نتائج ہوں گے۔" (ابن اثیر: ۳/ ۳۶، ازالۃ الخفا: ۲/ ۲۸۳)

زہر لمحہ بہ لمحہ اپنے اثرات دکھا رہا تھا۔ چنانچہ ۱۷ رمضان المبارک سنہ ۴۰ھ کو آپ پر حملہ ہوا اور تین روز موت و حیات کی کش مکش کے بعد ۲۰ رمضان المبارک سنہ ۴۰ھ کی رات کو آپ اس عدم ہستی نما سے ہستی عدم نما کی طرف انتقال فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ انتقال کے وقت آپ کی عمر ۵۸ سال تھی اور مدت خلافت ۴ سال ۹ ماہ۔ بعض روایات میں ۶۳ سال عمر مرقوم ہے۔ (طبقات ابن سعد: ۳/ ۲۵، البدایہ والنہایہ: ۷/ ۳۲۹)

سیدنا حسن رضی اللہ عنہ، سیدنا حسین رضی اللہ عنہ، سیدنا محمد بن حنفیہ اور آپ کے داماد اور بھتیجے عبداللہ بن جعفر طیار رضی اللہ عنہ وغیرہ حضرات نے غسل دیا۔ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی اور چار تکبیریں پڑھیں۔ طبری، ابن اثیر اور ابن کثیر وغیرہ نے نو تکبیرات نقل کی ہیں۔ (ابن اثیر: ۳/ ۱۹۷، البدایہ والنہایہ ۷/ ۳۲۹) لیکن ابن کثیر کی ایک دوسری روایت میں چار تکبیرات منقول ہیں اور یہی صحیح ہے۔ (البدایہ والنہایہ: ۸/ ۱۳) پھر آپ کو دارالامارۃ میں سپرد خاک کر دیا گیا۔ (طبری: ۴/ ۱۶۶، البدایہ والنہایہ: ۷/ ۲۳۰، ۸/ ۴۴)

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کوفہ میں ہوئی کیونکہ سبائیوں کے کہنے پر آپ نے مدینہ منورہ کی سرزمین کو خیر باد کہہ کر کوفہ کو اپنا دارالخلافہ بنایا تھا۔ کوفہ میں قریباً قریباً (بقول شیعہ حضرات) سب شیعان علی رضی اللہ عنہ رہتے تھے۔ چنانچہ مشہور شیعہ قاضی نور اللہ شوستری نے لکھا ہے کہ:

"وبالجملہ تشیع اہل کوفہ حاجت باقامت دلیل ندارد، وسنی بودن کوفی الاصل خلاف اصل ومحتاج بدلیل است اگرچہ ابوحنیفہ کوفی باشد۔"

Marfat.com

خلاصہ یہ کہ کوفہ والوں کا شیعہ ہونا کسی دلیل کا محتاج نہیں اور کوفی الاصل کا سنی ہونا خلاف اصل اور دلیل کا محتاج ہے۔ اگرچہ وہ ابوحنیفہ کوفی ہی کیوں نہ ہوں۔ (مجالس المومنین: ۱/ ۵۶)

لیکن یہ کوئی شخص ثابت نہیں کرسکتا کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ ان کے کسی شیعہ نے پڑھی ہو۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ کن لوگوں نے پڑھی۔ اس بارے میں ''کافی'' میں ہے:

''جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ جب امیر المومنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا تو سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ اور دو اور شخص جنازہ لے کر نکلے۔ انھوں نے چلتے وقت کوفہ کو داہنی طرف چھوڑا، پھر بلند زمین کی طرف آئے اور مقام غریٰ میں دفن کر کے لوٹ آئے اور قبرستان کا نشان مٹا دیا۔''

(اصول کافی: ۱/ ۴۵۸)

مشہور شیعہ عالم شیخ مفید لکھتے ہیں کہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ جب اپنے والد کو دفن کر کے واپس آ رہے تھے تو راستے میں انھیں شیعوں کی ایک جماعت ملی جنہوں نے آپ کی نماز جنازہ میں شرکت نہیں کی تھی (فلحقنا قوم من الشیعة لم یشهدوا الصلوٰة علیه)۔ یہ حضرات کہتے ہیں کہ ہم نے ان کو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی تعظیم و تکریم کے بارے میں آگاہ کیا جس کو ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ ان لوگوں نے کہا کہ ہم یہ سب کچھ دیکھنا چاہتے ہیں۔ ہم نے انھیں کہا کہ ہم سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی وصیت کے مطابق ان کی قبر کو زمین کے برابر کر چکے ہیں لیکن وہ ادھر چل پڑے۔ جب وہ واپس آئے تو انھوں نے ہمیں بتایا کہ جب ہم وہاں گئے تو ہمیں ان کی قبر مل گئی۔ پھر ہم نے اسے کھودا تو اندر کچھ بھی نہ پایا (انهم احتفروا فلم یجدوا شیئا)۔

(ارشاد شیخ مفید: ۹۱، اصول کافی: ۱/ ۴۸۵)

Marfat.com

سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کا عہد خلافت

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو دفن کر کے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ جب واپس لوٹے، تو سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو بیعت خلافت کی دعوت دی۔ یہ دعوت کوفہ کے دارالامارۃ میں دی گئی۔ چنانچہ لوگوں نے آپ کی دعوت کو قبول کرتے ہوئے آپ کے دست مبارک پر بیعت کر لی۔ (ملاحظہ ہو طبقات ابن سعد رضی اللہ عنہ: ۳/۲۵)

چنانچہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد اب سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی خلافت کا دور شروع ہوا۔ آپ کی بیعت کے بعد چند ماہ تک تو حالات پر سکون رہے لیکن بعد میں حالات نے کچھ ایسا پلٹا کھایا کہ آپ نے خلافت سے دست برداری کا اعلان فرما دیا اور خلافت سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دی۔ بعض روایات میں ہے کہ آپ نے خلافت صرف سات ماہ گیارہ روز کی۔ پھر خلافت سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دی۔ (سیر اعلام النبلاء: ۳/۲۶۳)

مبارک بادی پر طلاق:

علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک روایت نقل کی ہے کہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی ایک بیوی خثعمیہ قبیلہ سے تعلق رکھتی تھی۔ بعض روایتوں میں اس کا نام عائشہ بنت خلیفہ آیا ہے۔ جب سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی شہادت واقع ہوئی اور سیدنا حسن رضی اللہ عنہ مسند خلافت پر متمکن ہوئے تو آپ کی اس زوجہ نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ کو منصب خلافت مبارک ہو۔ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے اس کی اس بات کو پسند نہ فرمایا اور کہا:

اظهرت الشماتة بقتل علی ، انت طالق ثلاثًا۔

''تو نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی شہادت پر خوشی کا اظہار کیا ہے، لہٰذا تم پر تین طلاق۔''

آپ کی اس زوجہ نے کہا: بخدا! میرا یہ ارادہ ہرگز نہیں تھا، لیکن آپ نے اس کی اس بات کو قبول نہ کیا۔ پھر آپ نے بیس ہزار درہم اس کو بھیج کر اسے فارغ کر دیا۔ جب یہ رقم اس خاتون کے پاس پہنچی تو اس نے بڑی حسرت سے کہا:

متاع قليل من حبيب مفارق۔

''یعنی جدا ہونے والے حبیب کی طرف سے یہ قلیل سامان ہے۔''

(سیر اعلام النبلاء: ۳/۲۶۲، طبرانی حدیث نمبر: ۲۷۵۷، مجمع الزوائد: ۴/۳۳۹، سنن کبریٰ بیہقی: ۷/۳۳۷)

Marfat.com

سیدنا حسن رضی اللہ عنہ جیسا کہ گزشتہ صفحات میں بتایا گیا ہے مسلمانوں کی باہمی خون ریزی کے سخت خلاف تھے اور انھوں نے مختلف مواقع پر اپنے والد ماجد سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو بھی اس سے روکا جس کا احساس سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو بعد میں ہوا، لیکن جب زمام خلافت آپ کے ہاتھ میں آئی تو وہ قلب کی اتھاہ گہرائیوں سے قتال بین المسلمین کے خلاف تھے مگر اپنی فوج اور بعض امرائے سلطنت کے کہنے پر آپ نے مختلف جگہوں پر اپنے لشکر بھیجے، لیکن یہ سب کچھ وقتی تقاضے کے تحت تھا۔ آپ کے لشکر کے بعض برگشتہ افراد آپ کی ایذا رسانی کا سبب بنے اور آپ کے ساتھ برا سلوک کیا جس کی وجہ سے آپ کو سخت صدمہ پہنچا اور آپ نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کرنے کا ارادہ فرمالیا۔

اس سلسلے میں عمار الدھنی کی ایک روایت ہے کہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ مدائن تشریف لے گئے۔ آپ کے لشکر کے مقدمہ پر قیس بن سعد حاکم اور امیر تھے۔ پھر اس کے بعد آپ انبار کے مقام پر پہنچے تو وہاں ان کے اپنے لشکر کے لوگوں نے نیزوں سے آپ کو زخمی کر ڈالا اور آپ کا سامان وغیرہ بھی لوٹ لیا۔ (سیر اعلام النبلاء:۳، تاریخ بغداد:۱/۱۷۸)

بعض روایات میں ہے کہ جب آپ لشکر لے کر مدائن پہنچے تو آپ کی فوج میں کسی نے یہ مشہور کر دیا کہ قیس بن سعد رحمۃ اللہ علیہ قتل کر دیئے گئے ہیں۔ اس خبر کا اڑنا تھا کہ عراقی فوج میں بھگدڑ مچ گئی۔ کچھ لوگوں نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے خیمے پر حملہ کر دیا اور آپ کے تمام ساز و سامان اور مال و متاع کو لوٹ لیا اور جس فرش پر آپ تشریف فرما تھے اسے چھین لیا۔ (طبری:۵/۱۵۹، البدایہ والنہایہ ۸/۱۴، سیر اعلام النبلاء:۳/۲۶۳، ابن اثیر:۳/۲۰۳، تاریخ الاسلام ذہبی:۲/۲۰۸)

مشہور شیعہ مورخ اور محدث ملا باقر مجلسی نے لکھا ہے کہ قیس بن سعد انصاری رحمۃ اللہ علیہ کے جانے کے بعد آپ کے لشکر میں تفرقہ پیدا ہو گیا اور کوئی شخص بھی جنگ میں شریک ہونے کو تیار نہ تھا۔ آپ نے انھیں بہت وعظ و نصیحت کی۔ ہر قسم کی ترغیب بھی دی، ان کے وعدے اور مواعید بھی انھیں یاد دلائے، لیکن وہ لوگ ٹس سے مس نہ ہوئے۔ آخر عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ نے اٹھ کر انھیں ڈانٹا۔ ان کے ڈانٹنے پر کچھ لوگ تیار ہوئے لیکن دوسرے ہی روز جب لشکر کے کوچ کرنے کا وقت آیا تو ان میں سے اکثر بھاگ گئے۔ یہ دیکھ کر سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''مجھے فریب دیا جس طرح تم نے اپنے پہلے امام (سیدنا علی رضی اللہ عنہ) کو فریب دیا تھا، اور نہیں معلوم کہ میرے بعد تم کس امام سے مقاتلہ کرو گے۔'' (جلاء العیون:۳۱۲)

ابو حنیفہ الدینوری کا بیان ہے کہ ساباط پہنچ کر آپ کو اپنی فوج کی کمزوری، بزدلی، منافقت اور جنگ سے پہلوتہی کا اندازہ ہوا۔ یہ ایک نہایت خطرناک بات تھی۔ لہٰذا آپ وہیں رک گئے اور فوج کو مخاطب کر کے تقریر فرمائی:

''لوگو! میں کسی بھی مسلمان کی طرف سے اپنے دل میں کینہ نہیں رکھتا اور تم کو اسی نظر سے دیکھتا ہوں جس نظر سے اپنے آپ کو دیکھتا ہوں۔ میں تم لوگوں کے سامنے اپنی ایک رائے پیش کرتا ہوں۔ مجھے قوی امید ہے کہ تم میری اس رائے کو مسترد نہیں کرو گے۔ جس اتحاد و اتفاق اور یک جہتی کو تم ناپسند کرتے اور نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہو وہ اس تشتت و افتراق اور اختلاف و انتشار سے افضل اور بہتر ہے جسے تم چاہتے ہو۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ تم میں سے اکثر لوگ جنگ سے پہلوتہی کر رہے ہیں اور کنّی کترا رہے ہیں

Marfat.com

اور کمزوری اور بزدلی کا اظہار کررہے ہیں، اس لیے میں تم لوگوں کو تمھاری مرضی کے خلاف مجبور کرنا نہیں چاہتا۔" (اخبار الطوال: ۲۱۷، جلاء العیون: ۳۱۳)

آپ نے تقریر ختم فرمائی تو آپ کی فوج کے آدمی ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔ فوج میں ایک قسم کی ہل چل مچ گئی اور اس نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے خلاف بلوہ کر دیا۔ ملا باقر مجلسی ہی نے اس بارے میں لکھا ہے کہ:

"جب منافقین نے یہ کلام حضرت سے سنا اور ایک دوسرے پر نظر کی اور کہا کہ اس کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح منظور ہے اور چاہتے ہیں کہ منصب خلافت معاویہ رضی اللہ عنہ کو دے دیں۔ پس سب اٹھ کھڑے ہوئے اور کہا کہ معاذ اللہ یہ شخص اپنے باپ کی طرح کافر ہو گیا ہے۔ یہ کہہ کر بلوہ کیا اور آپ کا سب مال و اسباب لوٹ لیا یہاں تک کہ جائے نماز حضرت کے پاؤں کے نیچے سے کھینچ لی اور چادر دوش مبارک سے اتار لی۔ پس امام حسن رضی اللہ عنہ نے اپنا گھوڑا طلب کیا اور سوار ہوئے اور اہل بیت آنحضرت نے تھوڑے سے شیعوں کے ہمراہ حضرت کو درمیان میں لے لیا اور ساباط سے مدائن پہنچے تو جراح بن سنان اسدی شقی نے آپ کے گھوڑے کی لگام پکڑ لی اور خنجر ران مبارک پر مارا کہ ہڈی تک شگاف ہو گیا۔ اور بروایت دیگر پہلو پر خنجر مارا اور کہا: (معاذ اللہ) تم مثل اپنے باپ کے کافر ہو گئے۔" (جلاء العیون باب: ۴/فصل: ۵/۳۱۳، اخبار الطوال: ۲۱۷)

اخبار الطوال میں ہے کہ جب آپ کو خنجر مارا گیا اور آپ کے کپڑے اور مصلیٰ چھین لیا گیا تو ان کا نرغہ دیکھ کر آپ گھوڑے پر سوار ہوئے اور ربیعہ اور ہمدان کو آواز دی۔ انھوں نے دوڑ کر ان لوگوں کو آپ سے ہٹایا اور آپ ساباط سے مدائن روانہ ہو گئے۔ راستہ میں جراح بن قبیصہ نے جو آپ کی تاک میں چھپا ہوا تھا آپ پر حملہ کر دیا اور آپ کی ران پر شدید زخم آیا۔ جراح کو تو پکڑ کر قتل کر دیا گیا۔ آپ مدائن داخل تو ہو گئے لیکن زخم کی شدت کی وجہ سے زخم بھرنے تک وہیں مقیم رہے۔ (اخبار الطوال: ۲۱۷)

ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ صلح کو آپ نے اپنے لشکر کے سامنے پہلے ایک تجویز کے طور پر پیش کیا کیوں کہ آپ اپنی اس تجویز کا ردعمل دیکھنا چاہتے تھے۔ اس سے قبل کے حالات آپ کے سامنے تھے کہ یہ لوگ معمولی معمولی باتوں پر آتش بپا ہو جاتے تھے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے زمانے میں انھیں اپنی مرضی کے مطابق چلانا چاہتے تھے بلکہ کچھ عرصہ چلاتے بھی رہے۔ مدینہ طیبہ سے خلافت اسلامیہ کا دارالخلافہ کوفہ تبدیل کرنے پر انھیں مجبور کیا اور تبدیل کروا کے چھوڑا۔ اب اگرچہ مالک الاشتر، حکیم بن جبلہ، کنانہ بن بشر اور سبائی تحریک کے دوسرے قائدین کا خاتمہ ہو چکا تھا اور سبائیوں کا زور کافی حد تک ٹوٹ بھی چکا تھا، لیکن آپ نے پھر بھی حکمت عملی سے کام لیتے ہوئے پہلے بطور تجویز اس صلح کو پیش کیا مگر اس پر بھی ایک شدید ردعمل ظاہر ہوا۔ بعد میں آپ نے اپنی حکمت عملی سے اس پر بھی قابو پا لیا۔

زخم مندمل ہونے کے بعد آپ دوبارہ بعض لوگوں کے مجبور کرنے پر شامی فوج جو عبید اللہ بن عامر کی زیر

Marfat.com

قیادت مدائن کے قریب تھی، کے مقابلے کے لیے نکلے، اس درمیان میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ بھی فوج لے کر انبار پہنچ چکے تھے۔ یہاں سیدنا قیس بن سعد رحمۃ اللہ علیہ انصاری پہلے سے موجود تھے۔ دونوں فوجیں آمنے سامنے تھیں۔ ایک طرف سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اور عبید اللہ بن عامر اور دوسری طرف سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا قیس بن سعد رحمۃ اللہ علیہ، سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی شرافت ونجابت سے بھی آشنا تھے اور عراقیوں کی منافقت اور غداری سے بھی۔ عراقیوں کی جنگ سے پہلوتہی اور سیدنا حسن رضی اللہ عنہ پر حملہ کی خبریں بھی آپ کے کانوں میں پہنچ چکی تھیں۔ لہٰذا آپ ہرگز یہ برداشت نہیں کر سکتے تھے کہ ان منافقوں اور غداروں کے ہاتھوں سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی تذلیل ہو۔ چنانچہ آپ نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی خیر خواہی اور عراقیوں کی کارروائیوں کی اطلاع کے لیے آپ کو ایک خط لکھا کہ اے نواسۂ رسولؐ! یہ لوگ جو آپ کے سامنے تو آپ کی محبت وخیر خواہی کا دم بھرتے ہیں اور اپنی جان تک آپ پر نچھاور کرنے کے دعوے دار ہیں یہ رات میرے لشکر میں گزارتے ہیں اور میرے سپاہیوں کو آپ کے خلاف اکساتے ہیں۔ گویا یہ لوگ آپ کے لیے مار آستین ہیں۔ آپ ان سے بچ کر رہیے اور ان کے دام فریب میں نہ آیئے۔ آپ نے ان منافقین کے ناموں کی ایک فہرست بھی آپ کو بھیجی۔ چنانچہ ملا باقر مجلسی نے لکھا ہے:

''معاویہ رضی اللہ عنہ نے دوسرا خط امام حسن رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا اور فہرست اسمائے منافقین اصحاب آنحضرت انھوں نے اسے (یعنی معاویہ رضی اللہ عنہ کو) لکھا تھا اور اظہار اطاعت وانقیاد کیا تھا، اپنے نامہ میں ملفوف کر کے حضرت کے پاس بھیج دیا اور لکھا کہ تمھارے اصحاب نے تمھارے باپ سے موافقت اور تعاون نہ کیا اور آپ سے بھی موافقت اور تعاون نہ کریں گے۔'' (جلاء العیون باب:۴، فصل:۵/۳۱۴)

اگرچہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے ساتھ جو لشکر اور فوج تھی وہ غدار بھی تھی اور منافق بھی لیکن قیس بن سعد انصاری رضی اللہ عنہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقابلہ پر جمے رہے۔ ان کے ماتحت جو بارہ ہزار فوجی تھے، وہ کٹنے مرنے کے لیے تیار تھے لیکن سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو کچھ تو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے خطوط سے اور کچھ ان لوگوں کی کارروائیوں سے اپنی فوج کی غداری اور منافقت کی داستانیں معلوم ہو گئیں۔ چنانچہ سب سے پہلے آپ نے اپنے تایا زاد بھائی عبداللہ بن جعفر طیار رضی اللہ عنہ سے جو آپ کی ہمشیرہ سیدہ زینب رضی اللہ عنہ کے شوہر بھی تھے، اس بارے میں مشورہ کیا۔ آپ نے ان سے فرمایا:

''بھیا! میں نے ایک رائے قائم کی ہے۔ اس بارے میں تم سے مشورہ لیتا ہوں۔ امید ہے کہ تم میری ضرور تائید کرو گے۔ دیکھئے! ملک میں فتنہ وفساد کی آگ برابر بڑھ رہی ہے۔ کشتی امت منجدھار میں ہچکولے کھا رہی ہے۔ جمل اور صفین کے میدان مسلمانوں کے خون سے لالہ زار بن چکے ہیں۔ آپس کے تعلقات کا کوئی پاس نہیں رہا۔ راستوں سے امن وامان اٹھتا جا رہا ہے۔ سرحدیں بے کار ہو گئی ہیں۔ لہٰذا میں مسند خلافت چھوڑ کر مدینہ طیبہ چلے جانا چاہتا ہوں۔'' (ابن عساکر:۲/۲۱۲، تہذیب التہذیب:۲/۲۲۹)

ان کے علاوہ اور حضرات سے بھی آپ نے اس بارے میں مشورہ فرمایا۔ ہر ایک نے یہی کہا کہ ''امیر

Marfat.com

المومنین! آپ ہم سے اس بارے میں بہتر جانتے ہیں کیوں کہ آپ کی طبیعت سے ہر ایک آشنا ہے اور آپ کی اس روش سے بھی واقف ہے جو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں آپ کی تھی۔ آپ اس وقت بھی جنگ وقتال کے سخت مخالف تھے۔ اپنے ابا سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو بھی آپ نے ہمیشہ لڑائی اور خون ریزی سے روکا۔ لیکن اس زمانہ میں سبائی لیڈروں اور قائدین کی وجہ سے آپ کی تجاویز اور مشورے درخور اعتناء نہیں سمجھے جاتے تھے۔ آپ نہیں چاہتے تھے کہ سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ، سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ اور ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے مقابلہ کے لیے نکلا جائے یا مدینہ کو چھوڑ کر کوفہ کو دارالخلافہ بنایا جائے۔ اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے صفین کی جنگ لڑی جائے۔ اب جب کہ اقتدار کی کلید آپ کے اپنے ہاتھ میں آئی ہے اور صلح اور جنگ کے کلی اختیارات آپ کو تفویض ہوئے ہیں، کیونکہ آپ نے لوگوں سے بیعت لیتے وقت یہ شرط رکھی تھی کہ جس سے میں لڑوں اس سے تم لڑو گے اور جس سے میں صلح کروں اس سے تم صلح کرو گے۔ (سیر اعلام النبلاء: ۳/۳۲۶) اب آپ اپنے ان ارادوں کو عملی جامہ پہنانا چاہتے ہیں جو مالک الاشتر، کنانہ بن بشر، عبداللہ بن سباء، حکیم بن جبلہ اور دوسرے محرضین علی القتال کی وجہ سے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں صرف تجاویز اور مشوروں کی حد تک رہے۔ چنانچہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے:

''اور اسی طرح سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اپنے ابا (سیدنا علی رضی اللہ عنہ) اور بھائی کو ہمیشہ یہی مشورہ دیتے تھے کہ جنگ و قتال کو چھوڑ دیا جائے (لیکن ان کی یہ بات نہیں مانی جاتی تھی) جب زمام خلافت آپ کے ہاتھ میں آئی تو آپ نے جنگ بند کر دی اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے آپس میں جنگ وقتال کرنے والے دو گروہوں کے درمیان ان کے ذریعے صلح کروادی۔ اور خود سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو بھی آخر الامر اس بات کا پتہ چل گیا تھا کہ جنگ بند کرنے میں امت کے لیے زیادہ بہتری اور فائدہ ہے، بجائے جنگ کرنے کے۔''

(منہاج السنہ: ۲/۲۴۳)

بعض روایات میں ہے کہ مدائن کے محل میں سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے اپنے خاص ساتھیوں کو اکٹھا کیا اور نہایت کبیدہ خاطر ہو کر فرمایا کہ: ''اے اہل عراق! میں تمھیں بھلا دیتا اور غافل ہو جاتا، لیکن تین چیزوں کی وجہ سے میں تمھیں نہیں بھلا سکتا۔''

سیدنا حسین رضی اللہ عنہ سے مشورہ:

آپ نے اس بارے میں اپنے چھوٹے بھائی سیدنا حسین رضی اللہ عنہ سے بھی مشورہ کیا کہ میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کرنا چاہتا ہوں۔ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو ان کی یہ بات نہایت شاق گزری اور آپ کا یہ ارادہ آپ کو اچھا نہ لگا۔ آپ نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ پر زور دیا کہ وہ شامیوں سے جنگ وقتال جاری رکھیں لیکن سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اپنے بھائی کی جذباتی طبیعت سے بخوبی آشنا تھے اور یہ بھی سمجھ رہے تھے کہ یہ رائے ان کی اپنی نہیں بلکہ اور لوگوں کی ہے مگر نکل ان کے منہ سے رہی ہے۔ لہٰذا آپ نے اپنے بھائی سیدنا حسین رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

Marfat.com

والـله! لقد هممت ان اسجنك فی بیت واطبق علیك بابه حتی افرغ من هذا الشان ثم اخرجك ، فلما رأی الحسین ذالك سکت وسلم۔

(البدایہ والنہایہ:۸/۱۵،ابن اثیر:۳/۲۰۳)

''بخدا! (اگر تم نے میرے اس ارادے کی مخالفت کی تو) میں تم کو گھر میں قید کردوں گا۔ اور گھر کا دروازہ اس وقت تک تم پر بند رکھوں گا جب تک کہ میں اس کام (معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح) سے فارغ نہ ہو جاؤں۔ پھر تمھیں باہر نکالوں گا۔ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے جب بھائی کا یہ عزم دیکھا تو خاموش ہو گئے اور بھائی کی رائے کو تسلیم کرلیا۔''

اس سلسلے میں ایک اور روایت بعض کتابوں میں مرقوم ہے کہ جب سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو پتہ چلا کہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں تو آپ نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ سے کہا: ''کیا آپ اپنے باپ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی تکذیب اور معاویہ رضی اللہ عنہ کی تصدیق کرنا چاہتے ہیں؟'' سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''بخدا! میں نے جب بھی کسی کام کا ارادہ کیا تو تم نے ہمیشہ مخالفت ہی کی۔ بخدا! میں تمھیں اس وقت تک گھر میں نظر بند رکھوں گا جب تک کہ میں اپنے ارادہ کو پایۂ تکمیل تک نہ پہنچا دوں۔''

(تہذیب التہذیب:۲/۲۹۹،تہذیب ابن عساکر:۴/۲۲۴،۲۲۵،سیر اعلام النبلاء:۳/۲۶۵،علی وبنوہ:۲۰۳:طٰہٰ حسین)

طبری اور ابن اثیر نے لکھا ہے کہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی یہ بات سن کر سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''چپ رہ، اس معاملے کو میں تم سے بہتر جانتا ہوں۔'' جب سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے اپنے بھائی کے یہ تیور دیکھے تو فوراً کہا:

''آپ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے بڑے صاحب زادے ہیں اور ان کے خلیفہ بھی۔ ہماری بات آپ کی بات کے تابع ہے۔ لہٰذا آپ جو کچھ درست اور صحیح سمجھتے ہیں وہ کیجیے۔

(تہذیب التہذیب:۲/۳۰۰،طبری:۶/۹۲،ابن اثیر:۳/۲۰۳،سیر اعلام النبلاء:۳/۲۶۵ وغیرہ۔ البدایہ والنہایہ:۸/۱۶)

یہ تو انفرادی ردِعمل تھا، لیکن فوج میں نہایت شدید ردِعمل ہوا۔ سیدنا قیس بن سعد انصاری رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ جو بارہ ہزار فوجی تھے اور جو کٹ مرنے کے لیے تیار تھے، ان میں سے ایک شخص ابوعریق کا بیان ہے کہ ''شامیوں کے لیے ہماری تلواروں کی دھاروں سے خون ٹپک رہا تھا۔ جب ہم لوگوں کو صلح کی خبر ہوئی تو شدت غم سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ہماری کمر ٹوٹ گئی ہے۔ (الاستیعاب:۱/۴۳)

آپ کے ہمراہ جو فوج تھی اس میں بھی مؤرخین کے بیان کے مطابق چالیس ہزار کوفی ایسے تھے جو آپ کے ایک اشارۂ ابرو پر سر کٹانے کے لیے تیار تھے۔ (تہذیب ابن عساکر:۲/۲۱۹) لیکن آپ اس امت میں خون ریزی اور جنگ وقتال کو بالکل پسند نہیں فرماتے تھے۔ لہٰذا آپ نے حالات کا پورا جائزہ لیا اور اپنے گرد مخالفتوں کے پہاڑ دیکھے۔ خود اپنے بھائی کو بھی اپنا مخالف پایا، لیکن آپ اپنے عزم کو بہر صورت پورا کرنا چاہتے تھے اور سازشوں اور برے منصوبوں کی اس باڑھ کو توڑنا چاہتے تھے جو دشمنان اسلام نے دو مسلمان گروہوں کے اردگرد لگا رکھی تھی۔ چنانچہ آپ نے نہایت سوچ اور فکر کے بعد چند شرائط کے ساتھ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں دست برداری کا اعلان کر دیا۔

Marfat.com

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے صلح کی پیشکش:

اگر سیدنا حسن رضی اللہ عنہ صلح کے لیے آمادہ تھے تو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی بھی یہی خواہش تھی کہ اہل اسلام کی یہ خون ریزی ختم ہو اور مسلمان جیسے پہلے محبت و راحت سے زندگی گزارتے تھے وہی دور پھر ان میں واپس آ جائے۔ ان کی باہمی کدورتیں اور رنجشیں ختم ہو جائیں۔ شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی لکھا ہے کہ:

''سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ جنگ کی ابتداء کرنے والے نہیں تھے بلکہ آپ اس بات کے سب سے زیادہ خواہاں تھے کہ جنگ نہ ہو اور دوسرا گروہ (عراقی) جنگ کا خواہاں تھا۔'' (منہاج السنہ: ۲/۲۱۹)

اس بات کا ثبوت آپ نے جنگ صفین کے موقع پر بھی دیا جب آپ نے مسلمانوں کی خیر خواہی کی خاطر قرآن پاک کو نیزوں پر اٹھاتے ہوئے کہا تھا:

''یہ کتاب اللہ ہمارے اور تمھارے درمیان ثالث ہے۔ اہل شام کے نہ رہنے کے بعد شام کی سرحدات کی حفاظت کون کرے گا اور اہل عراق کے ختم ہو جانے کے بعد عراقی سرحدوں کی حفاظت کون کرے گا۔'' (ابن اثیر: ۳/۱۶۱)

اس سے قبل بھی آپ نے بہت کوشش کی کہ خون بہائے بغیر معاملے کا تصفیہ ہو جائے لیکن آپ اس بارے میں مصالحت کی جو بات بھی کرتے، سبائی لیڈر اس کو نتیجہ خیز ثابت نہ ہونے دیتے۔ البتہ اب ماحول بالکل تبدیل ہو چکا تھا۔ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے مسند خلافت پر متمکن ہونے سے پہلے ہی سبائی سرغنے اگلی دنیا میں جا چکے تھے۔ اب سیدنا حسن رضی اللہ عنہ سبائی لیڈروں کی حقیقت سے واقف ہو چکے تھے اور وہ خود سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کے خواہش مند تھے۔ اب بھی اگرچہ سبائی قائدین آپ کو جنگ پر مجبور کر رہے تھے لیکن سیدنا حسن رضی اللہ عنہ ان کی باتوں پر کان نہیں دھر رہے تھے۔ چنانچہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے اب پھر آتش جنگ کو سلگتے دیکھا تو آپ نے پھر صلح کی ایک اور پیشکش کی لیکن اب سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی مصالحتی پیش کش کے راستے میں روڑے اٹکانے والا کوئی موجود نہیں تھا۔ چنانچہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ، سیدنا حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے نقل کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا:

''بخدا! سیدنا حسن رضی اللہ عنہ بن علی رضی اللہ عنہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں پہاڑوں کی طرح فوجیں لے کر آئے تھے۔ سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں یہ فوجیں ایسی دیکھ رہا ہوں جو اپنے برابر والوں کو جب تک ختم نہ کر لیں گی، پیچھے نہیں ہٹیں گی۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا کہ اگر انھوں نے ان کو مار لیا انھوں نے ان کو قتل کیا تو ان کے امور کا ذمہ دار کون ہوگا اور ان کی عورتوں کی کون خبر گیری کرے گا؟ اور ساز و سامان کا کون ذمہ دار ہوگا؟ پس انھوں نے قریش کے دو آدمی جو بنی عبد شمس میں سے تھے، یعنی عبدالرحمٰن بن سمرہ اور عبداللہ بن عامر کو سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا اور کہا کہ ان کے پاس جا کر صلح کی

Marfat.com

پیش کش کرو اور جو وہ کہیں، تسلیم کرلو۔ پس یہ دونوں حضرات ان کے پاس گئے اور ان سے گفتگو کر کے صلح کے طلب گار ہوئے۔ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''ہم عبدالمطلب کی اولاد ہیں اور ہمیں مال خرچ کرنے کی عادت ہوگئی ہے اور ہمارے پاس جو یہ لوگ ہیں یہ خون خرابہ کرنے میں طاق ہیں۔ یعنی بغیر روپیہ دیئے ماننے والے نہیں۔ انھوں نے کہا کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ آپ کو اتنا روپیہ ضرور دیں گے اور وہ آپ سے صلح چاہتے ہیں جو آپ چاہیں وہ منظور کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: اس کی ذمہ داری کون لیتا ہے؟ ان دونوں نے کہا کہ ہم ذمہ دار ہیں۔ آپ نے جو جو کچھ فرمایا انھوں نے اس کے جواب میں کہا کہ ہم اس کا ذمہ لیتے ہیں۔ پس آپ نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کر لی۔''

''امام سیدنا حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ میں نے ابوبکرہ رضی اللہ عنہ (صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم) سے سنا۔ وہ فرماتے تھے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو منبر پر دیکھا، اس حال میں کہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ آپ کے پہلو میں تھے۔ آپ کبھی لوگوں کی طرف دیکھتے اور کبھی سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی طرف، اور فرماتے تھے: ''میرا یہ بیٹا سردار ہے اور امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے سے مسلمانوں کے دو بڑے گروہوں کے مابین صلح کرا دے گا۔'' (بخاری: ۱/۲،۳۷۲/۱۰۵۳)

اس حدیث سے کئی باتیں ثابت ہوئیں:

① ایک یہ کہ جنگ صفین کی طرح اب بھی صلح کی پیش کش میں پہل سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ ہی کی طرف سے ہوئی اور آپ ہی نے فوجوں کے ٹھٹھ دیکھ کر صرف مسلمانوں کی جانوں اور مالوں کے تحفظ کے لیے صلح کی پیش کش کی اور اپنے دو آدمیوں کو سفیر بنا کر سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بھیجا، اور جو جو شرط آپ نے پیش کی بلا تردد اور بلا ترمیم اس کو قبول کر لیا۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو فتح الباری: ۱۳، ۵۴ و دیگر شروح حدیث)

سیدنا حسن رضی اللہ عنہ چونکہ پہلے ہی صلح کے خواہاں تھے لہٰذا انھوں نے فوری طور پر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی صلح کی اس پیش کش کو قبول کر لیا اور ربیع الاول سنہ ۴۱ ھ میں کچھ شرائط پر دونوں حضرات کے درمیان ایک تحریری معاہدہ مرتب ہوا جس میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ خلیفۃ المسلمین ہوگئے اور سیدنا حسن رضی اللہ عنہ خلافت سے دست بردار ہوگئے۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کی شرح میں محدث ابن بطال کا قول نقل فرماتے ہیں:

هذا يدل على ان معاوية كان هو الراغب فى الصلح، وانه عرض على الحسن المال و رغبه فيه وحثه على رفع السيف و ذكره ما وعده به جده صلى الله عليه وسلم من سيادته فى الاصلاح۔ (فتح الباری: ۱۳/۵۴)

یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ ہی (پہلے) صلح پر راغب تھے اور انھوں نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ پر مال کی پیش کش کی اور اس مال کے قبول کرنے کی آپ کو ترغیب دی اور تلوار کے روکنے کو کہا، اور آپ کو

Marfat.com

آپ کے نانا کی وہ پیش گوئی یاد دلائی جس میں ان کی سیادت میں اصلاح کے متعلق فرمایا گیا تھا۔

② دوسری بات اس حدیث سے یہ ثابت ہوئی کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ بھی اسی طرح مومن اور مسلمان تھے جس طرح سیدنا علی رضی اللہ عنہ مومن اور مسلمان تھے۔ چنانچہ اس بات کا اقرار خود سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے ایک مراسلے میں فرمایا ہے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو جب اس بات کا علم ہوا کہ کچھ لوگ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں دشنام آمیز زبان استعمال کرتے ہیں تو آپ نے اپنے زیر حکومت علاقہ میں ایک گشتی مراسلہ (Circular) لوگوں کے پاس بھیجا اور اس میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی صحیح پوزیشن کو واضح فرمایا۔ آپ نے اس سرکلر میں تحریر فرمایا:

''سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے فرمان سے ہے جس کو آپ نے تمام ممالک میں روانہ فرمایا تھا۔ اس فرمان میں ان تمام واقعات کو بیان فرمایا جو ان کے اور اہل صفین کے درمیان واقع ہوئے اور ابتداء ہمارے واقعات کی یہ ہوئی کہ ہم میں اور اہل شام میں جنگ ہوئی اور خدا شاہد ہے کہ ہمارا اور ان کا رب ایک، ہمارا اور ان کا نبیؐ ایک اور ہماری اور ان کی دعوت اسلام بھی ایک، نہ ہم ایمان باللہ اور تصدیق بالرسول صلی اللہ علیہ وسلم میں ان سے زیادہ ہیں اور نہ وہ ہم سے زیادہ ہیں۔ پس ہمارا اور ان کا معاملہ ایک ہے۔ صرف خون عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہمارا ان سے اختلاف ہے۔ اور ہم اس سے بری ہیں۔'' (نہج البلاغہ: ۲/ ۱۱۸)

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے اس گشتی مراسلے سے پتہ چلا کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ آپس کے باہمی اختلاف کے باوجود ایک دوسرے کو مومن اور مسلمان ہی سمجھتے تھے، اور سیدنا حسن رضی اللہ عنہ بھی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو اپنے ابا کی طرح مومن ہی سمجھتے تھے، تبھی تو خلافت اسلامی ان کے سپرد کی اور خود دست بردار ہو گئے۔ یہ دونوں حضرات سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو مسلمان کیوں نہ سمجھتے جبکہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مسلمان کہا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان ابنی هذا سید ولعل الله ان یصلح به بین فئتین عظیمتین من المسلمین۔

''بے شک میرا یہ بیٹا سردار ہے اور اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے مسلمانوں کے دو بڑے گروہوں کے مابین صلح کرائے گا۔''

(بخاری: ۱/ ۳۷۲، ۲/ ۱۰۵۳، ترمذی: ۲/ ۲۴۱، البدایہ والنہایہ: ۸/ ۱۷، ۳۶، تہذیب ابن عساکر: ۴/ ۲۱۱، مستدرک حاکم: ۳/ ۱۷۵)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جن دو گروہوں کے مابین سیدنا حسن رضی اللہ عنہ مصالحت کرائیں گے وہ دونوں مسلمان ہوں گے۔ رسول اللہ کی یہ پیش گوئی سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں پوری ہوئی جب کہ آپ نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ صلح کر کے مسلمانوں کو آپس کی کئی سال کی خانہ جنگیوں سے نجات دلائی اور ان لوگوں کو خائب وخاسر کر دیا جو سیدنا معاویہ اور ان کے ساتھیوں کو مومن اور مسلمان ہی نہیں سمجھتے اور ان پر (معاذ اللہ) لعنت کرتے

Marfat.com

ہیں۔قرآن حکیم میں بھی ہے کہ:

﴿وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَیْنَهُمَا فَاِنْ بَغَتْ اِحْدٰهُمَا عَلَی الْاُخْرٰی فَقَاتِلُوا الَّتِیْ تَبْغِیْ حَتّٰی تَفِیْٓءَ اِلٰٓی اَمْرِ اللّٰهِ فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَیْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَاَقْسِطُوْا اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ﴾ (الحجرات۴۹:۹)

''اوراگر مومنوں کے دوگروہ آپس میں جنگ وقتال کرنے لگیں تو ان کے درمیان صلح کرادو، پھراگران میں ایک گروہ دوسرے پرزیادتی کرے تو اس سے لڑو جوزیادتی کررہا ہے یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف رجوع کرے۔ پھراگر رجوع کرلیا تو ان دونوں کے درمیان صلح کرادو عدل کے ساتھ اورانصاف کا خیال رکھو۔ بے شک اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔''

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کے دوگروہوں کی آپس کی ناچاقی خواہ قتل وخون ریزی تک ہی کیوں نہ پہنچ جائے ان کو دائرۂ اسلام سے خارج نہیں کرتی۔

مذکورہ بالا حدیث کی شرح میں شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ:

''یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ دونوں فریق، باوجود یکہ ایک اجتہادی طور پر راہ صواب پر تھا اور دوسرا خطا پر، ملت اسلام پر ہی تھے اور سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ صلح اوراس پر آپ کا استقرار اور دوام اس بات کی دلیل ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت صحیح تھی۔'' (لمعات)

ایسا ہی آپ نے مشکوٰۃ کی فارسی شرح اشعۃ اللمعات:۴/۶۸۸ پر لکھا ہے اور شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی منہاج السنۃ :۲/۲۴۲ پر اس کی تائید فرمائی ہے۔

شرائط صلح:

جیسا کہ بخاری کے حوالے سے نقل کیا گیا ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن عامر کو کلی اختیارات تفویض کرکے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا تھا۔ان دونوں حضرات نے آپ سے گفتگو کی اور سیدنا حسن رضی اللہ عنہ صلح پر راضی ہوگئے لیکن شرائط کی منظوری کا ضامن طلب کیا، چنانچہ آپ نے اپنی شرائط ان دونوں حضرات کے ہاتھ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس بھیج دیں جو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے فوراً قبول کرلیں۔ وہ شرائط مختلف تاریخوں میں مختلف بیان کی گئی ہیں لیکن مستند تواریخ میں حسب ذیل شرائط درج ہیں:

① ''معاویہ رضی اللہ عنہ کتاب اللہ، سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سیرت خلفائے صالحین کے مطابق امور سلطنت انجام دیں گے۔ (صالحه علیٰ ان یسلم علیه ولایة امر المسلمین علی ان یعمل فیهم بکتاب الله و سنة رسول الله و سیرة الخلفاء الصالحین)

(بحارالانوار:۱۰/۱۲۴، ایران، جلاء العیون:۳۱۵، فتح الباری:۱۳،۵۳)

Marfat.com

مشہور شیعہ محدث ومورخ علامہ علی بن عیسیٰ الاربلی نے ''خلفاء صالحین'' کے بجائے ''خلفاء راشدین'' کا لفظ لکھا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے:

''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم یہ وہ شرائط ہیں جن پر سیدنا حسن بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور معاویہ رضی اللہ عنہ بن ابی سفیان کے مابین صلح ہوئی۔ ان میں اولین شرط یہ ہے کہ میں تمھیں مسلمانوں کی حکومت سپرد کرتا ہوں۔ اس شرط پر کہ تم لوگوں میں کتاب اللہ، سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کی سیرت کی روشنی میں امور مملکت سرانجام دوگے۔ دوسری شرط یہ ہے کہ تمھیں اس معاہدہ کے بعد کسی کے ساتھ ایسا معاہدہ کرنے کی اجازت نہیں ہوگی۔

② کوفہ کے بیت المال کا کل روپیہ آپ کو دیا جائے۔ (طبری: ۷/۴، فتح الباری: ۳/۴۰۳، البدایہ والنہایہ: ۸/۱۴، ۴۱)

③ دارابجرد کا کل خراج آپ کو دیا جائے۔ (ایضاً)

تواریخ میں آتا ہے کہ دارابجرد کے لوگوں نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے خلافت سے دست بردار ہونے کے بعد خراج دینا بند کر دیا تھا، لیکن سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ چونکہ شرائط میں یہ بات لکھ کر دے چکے تھے لہٰذا آپ اپنی شرط کے ایفاء میں اس کے عوض اپنے پاس سے ساٹھ لاکھ درہم سالانہ اور اس کے علاوہ دوسرے تحائف اور ہدیئے ادا کرتے رہے۔ (البدایہ والنہایہ: ۸/۴۱)

④ کسی عراقی کو پرانی عداوت کی وجہ سے نہ پکڑا جائے اور بلا استثناء سب کو امان دی جائے۔

⑤ وظائف میں بنو ہاشم کو بنو امیہ پر ترجیح دی جائے۔

⑥ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو دو لاکھ سالانہ وظیفہ دیا جائے۔

⑦ اہل عراق کی بدزبانیوں کو برداشت کیا جائے۔ (اخبار الطوال: ۲۳۱)

طبری نے پہلی تین شرطیں لکھی ہیں۔ پھر دوسری روایت یہ لکھی ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک سادہ کاغذ پر اپنی مہر لگا کر اور دستخط کر کے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے پاس بھیج دیا تھا کہ آپ جو شرطیں لکھ کر دیں گے وہ مجھے منظور ہیں۔ چنانچہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے اس بات کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنی شرطیں دوگنی لکھ کر بھیج دیں جن کو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے قبول نہ کیا۔ یہ روایت بالکل غلط ہے اور ایک افسانے سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی۔

طبری اور ابن اثیر نے ایک شرط اور لکھی ہے کہ ''سیدنا علی رضی اللہ عنہ پر برسر عام سب وشتم نہ کیا جائے۔'' یہ شرط بھی کذب محض اور دروغ بافی پر مبنی ہے کیونکہ نہ تو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاں سیدنا علی رضی اللہ عنہ پر سب وشتم ہوتا تھا اور نہ ہی سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے اس فعل کو برسر عام نہ کرنے کی شرط لکھوائی تھی۔ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اگر یہ شرط لکھواتے کہ برسر عام سب وشتم نہ کیا جائے'' تو ایسے الفاظ نہ لکھواتے بلکہ یہ لکھواتے کہ مطلقاً سب وشتم نہ کیا جائے۔ شرط میں برسر عام کی قید صاف بتا رہی ہے کہ یہ شرط خاص ذہنوں کی وضع کردہ ہے کیونکہ اس وقت سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ آپ کی ہر شرط ماننے کے لیے تیار تھے اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے دونوں سفیروں نے اس بارے میں آپ کو یقین بھی دلایا تھا۔

اس کے برعکس تاریخ کے رپورٹر یہ بتاتے ہیں کہ سب وشتم کا سلسلہ خود سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے لشکر میں جاری

Marfat.com

تھا۔آپ کو جب اس بات کا علم ہوا تو آپ نے ایک گشتی مراسلہ جاری فرمایا جس میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت اور اسلام میں ان کا مقام بتلا کر لشکریوں کو اس فعل بد سے روکا۔ بعض روایات میں یہ بھی آتا ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے لشکری سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ، سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اور ان کے دیگر رفقاء پر سب وشتم اور لعن طعن کرتے تھے۔ بعض کتابوں میں یہ شرط بھی رقم ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے بعد سیدنا حسن رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوں گے۔ یہ شرط بھی بعد کے ذہنوں کی پیداوار ہے۔ یعقوبی، طبری، ابن اثیر، ابن کثیر، مسعودی اور دینوری وغیرہ مؤرخین نے اپنی کتابوں میں اس شرط کا کوئی تذکرہ نہیں کیا بلکہ ملا باقر مجلسی نے بھی اس کے خلاف لکھا ہے۔ (جلاء العیون: ۳۲۵)۔ آپ کے لشکریوں کی طرف سے آپ پر یہ اعتراض نقل کیا ہے کہ آپ نے یہ شرط کیوں نہ رکھی۔ البتہ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ نے ''استیعاب'' میں لکھا ہے کہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ صرف حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی زندگی ہی تک کے لیے ان کے حق میں دست بردار ہوئے تھے۔ (استیعاب، تذکرہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ) لیکن حافظ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ کا یہ بیان صحیح نہیں ہے اس لیے کہ مسعودی، یعقوبی وغیرہ مؤرخین، جو اپنی تواریخ میں ہر قسم کے رطب و یابس نقل کر دیتے ہیں، بھی اس شرط کا کہیں تذکرہ نہیں کرتے۔ صاحب ''کشف الغمہ'' نے بھی اس شرط کو نقل نہیں کیا۔ (دیکھیے کشف الغمہ: ۱۹۶/۲)

دوسری دلیل اس شرط کے صحیح نہ ہونے کی یہ ہے کہ یزید کی ولی عہدی کی بیعت لینے کے لیے جب سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ مدینہ طیبہ تشریف لے گئے تو کئی حضرات نے ان کی اس بارے میں مخالفت کی لیکن کسی نے یہ بات نہیں کی کہ آپ کی شرائط صلح میں ایک شرط یہ بھی تھی، لہٰذا آپ یزید کو کیسے ولی عہد بنا سکتے ہیں۔ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ چونکہ اب زندہ نہیں لہٰذا آپ کے بیٹے کے بجائے ان کی اولاد میں کسی کو خلیفہ ہونا چاہیے، لیکن یہ بات کسی نے نہیں کہی۔

علاوہ ازیں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد جب سیدنا حسین رضی اللہ عنہ یزید کے مقابلے میں کھڑے ہوئے اور اپنے دعویٰ خلافت کی تائید میں بہت سے دلائل دیئے جیسا کہ بعض مؤرخین نے لکھا ہے اور یزید کی مخالفت کے اسباب بھی بہت سے بیان کیے، اس وقت آپ نے اس شرط کو بطور دلیل کبھی پیش نہیں کیا کہ چونکہ میرے بھائی سیدنا حسن رضی اللہ عنہ، سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی زندگی میں وفات پا چکے تھے اس لیے اصول توارث کی رو سے ان کی جانشینی کا حق مجھے یا ان کی اولاد کو پہنچتا ہے حالانکہ یہ دلیل یزید کی حکومت کے خلاف ایک بہت بڑی دلیل تھی۔

اور جہاں تک سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا یزید کو اپنا ولی عہد بنانے کا تعلق ہے تو اس بارے میں حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا پہلے خیال تھا کہ وہ اپنی جانشینی کے لیے ایک شخص کو نامزد کرنے کے بجائے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی طرح چھ اشخاص نامزد کر جائیں گے جن میں سے کسی ایک کو ارباب حل وعقد اور صاحب فکر و نظر لوگوں کی اکثریت اپنی پسند سے منتخب کر لے گی۔ اس کام کے لیے آپ کے ذہن میں جو لوگ تھے ان کے اسمائے گرامی حسب ذیل ہیں:

① سیدنا سعید بن العاص رضی اللہ عنہ
② سیدنا عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ
③ سیدنا حسن بن سیدنا علی رضی اللہ عنہ
④ سیدنا مروان بن الحکم رضی اللہ عنہ

Marfat.com

لیکن ابن کثیر رحمہ اللہ ہی کی ایک روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کی طبیعت کا زیادہ رجحان ان سب میں سے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ بن سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو اپنا ولی عہد بنانے کا تھا کیونکہ وہ صلح پسند تھے اور امت مسلمہ کے لیے اپنے دل میں خاص جذبات رکھتے تھے اور ملت اسلامیہ میں نظم وضبط، یکجہتی اور اتحاد واتفاق کے خواہاں تھے لیکن جب سیدنا حسن بن سیدنا علی رضی اللہ عنہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی زندگی ہی میں انتقال فرما گئے تو آپ نے ملکی حالات اور بنو امیہ کی عصبیت کے تحت یزید کو اپنا ولی عہد مقرر فرمایا جس میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ جیسے راشد، بردبار، حلیم الطبع، وسیع الظرف اور براعظم افریقہ اور یورپ تک پھیلی ہوئی اسلامی مملکت کے ولی عہد ہونے کے جملہ اوصاف موجود تھے۔

چنانچہ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''جب سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ سے مصالحت کی تو آپ نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ ہی کو ولی عہد بنانے کا عزم کیا لیکن جب سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوگیا تو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا یزید کی طرف رجحان قوی ہوگیا۔ کیوں کہ وہ سمجھتے تھے کہ وہ خلافت کی اہلیت رکھتا ہے اور یہ رائے باپ بیٹے کی شدید محبت کی وجہ سے تھی اور اس لیے بھی تھی کہ وہ یزید میں دنیاوی شرافت اور شہزادوں کی سی خصوصیات، جنگی فنون سے آشنائی، سلطنت کے نظم وضبط اور اس کی ذمہ داری کے باردوش سے سبکدوش ہونے کی اہلیت دیکھتے تھے۔ اور ان کا خیال یہ تھا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اولاد میں سے کوئی اس بارے میں بہتر انتظام نہیں کر سکے گا۔ اسی وجہ سے انھوں نے سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا کہ میں ڈرتا ہوں کہ میں رعیت (پبلک) کو بکریوں کے ایک منتشر اور پراگندہ گلے کی طرح چھوڑ کر نہ چلا جاؤں جس کا کوئی راعی (چرواہا) نہ ہو۔'' (البدایہ والنہایہ: ۸/۸۰)

ان دلائل سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ ہی سرے سے غلط ہے اور یہ روایت صرف مخالفین سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی وفات میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا ہاتھ ثابت کرنے کے لیے وضع کی ہے۔ وہ اس طرح کہ جب یہ تسلیم کرلیا جائے کہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ صرف سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی زندگی تک کے لیے خلافت سے دست بردار ہوئے تھے اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے خاندان میں حکومت رکھنا چاہتے تھے تو پھر ان دونوں مقدمات سے یہ نتیجہ نکل آتا ہے کہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے زہر دلوا کر شہید کروایا تھا اور یہ الزام ایسا مکروہ ہے جس سے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ ہمیشہ کے لیے طعن وتشنیع کا ہدف بن جاتے ہیں۔

دست برداری کا اعلان:

صلح کی شرائط طے ہوجانے کے بعد سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے اپنے کمانڈر سیدنا قیس بن سعد انصاری رضی اللہ عنہ کو جو مدائن کے قریب سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں ڈٹے ہوئے تھے، صلح کی اطلاع دے کر واپس مدائن آنے کا

Marfat.com

حکم دیا۔ انھوں نے وہ خط اپنی فوج کو پڑھ کر سنایا اور کہا کہ اب صرف دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ یا تو بغیر امام کے جنگ جاری رکھیں اور دوسری یہ کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی اطاعت قبول کرلیں۔ فوج نے بڑی دانش مندی کا ثبوت دیتے ہوئے دوسری بات کو قبول کیا اور سیدنا قیس بن سعد انصاری رضی اللہ عنہ کو اپنی فوج کے ساتھ واپس مدائن آ گئے اور سیدنا حسن رضی اللہ عنہ واپس کوفہ چلے گئے۔ آپ کے کوفہ تشریف لے جانے کے بعد سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہاں آ کر شرائط کی زبانی تصدیق بھی فرمادی۔

مصالحت کے تمام مراحل طے ہونے کے بعد سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ ذرا زبانی بھی اس مصالحت کے متعلق بیان فرمادیں تاکہ لوگ سمجھ لیں کہ آپ اپنی خوشی سے مسند خلافت سے دست بردار ہوئے ہیں، نہ کہ کسی جبر و اکراہ سے۔ آپ کو اس میں اعتراض بھی کیا تھا۔ چنانچہ آپ فوراً اٹھے اور حمد و ثنا کے بعد مندرجہ ذیل الفاظ میں ایک اعلان فرمایا:

اما بعد: فان اکیس الکیس التقی وان اعجز العجز الفجور، الا وان هذا الامور الذی اختلفت فیه انا ومعاویة حق لامری کان احق به منی او حق لی ترکة لارادة اصلاح المسلمین و حصن دمائهم وان ادری لعله فتنة لکم و متاع الی حین۔

''امابعد: لوگو! دانائیوں میں سب سے بڑی دانائی تقویٰ ہے اور عجز میں سب سے بڑا عجز بداعمالیاں اور فسق و فجور ہے۔ خلافت کا معاملہ جس میں مجھ میں اور معاویہ رضی اللہ عنہ میں اختلاف ہے، یہ حق صرف ایک ہی آدمی کا ہے یا تو معاویہ رضی اللہ عنہ مجھ سے زیادہ حق دار تھے یا میں زیادہ حق دار تھا لیکن میں نے عام مسلمانوں کی بہتری اور انھیں خون ریزی سے بچانے کے ارادہ سے اس خلافت کو چھوڑ دیا ہے اور میرا خیال ہے کہ یہ تمھارے لیے آزمائش اور چند روزہ سرمایہ ہے۔''

مشہور مورخ ملا باقر مجلسی نے لکھا ہے کہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے نہ صرف خلافت سے دستبرداری کا اعلان فرمایا بلکہ ایک مجمع عام کے سامنے ان کی بیعت بھی فرمائی۔ چنانچہ وہ سیدنا جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے لکھتا ہے کہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ، سیدنا حسین رضی اللہ عنہ اور سیدنا قیس بن سعد انصاری رحمۃ اللہ علیہ جب شام تشریف لائے تو:

فاذن لهم معاویة واعدلهم الخطباء، فقال یا حسن! قم فبائع، فقام فبایع، ثم قال للحسین قم فبایع فقام فبایع.....الخ (بحارالانوار: ۱۰، ۱۲۴)

''سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے انھیں آنے کی اجازت فرمائی اور ان کی عزت افزائی میں خطیبوں کو بلایا اور سیدنا حسن رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اٹھیے اور بیعت فرمایئے۔ پھر سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور مجمع عام کے سامنے کھڑے ہو کر بیعت کی۔ پھر سیدنا حسین رضی اللہ عنہ سے کہا کہ کھڑے ہو کر بیعت فرمایئے، چنانچہ انھوں نے بھی کھڑے ہو کر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت فرمائی۔

Marfat.com

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ آپ کی یہ صلح جہاں آپ کے اصلاح بین المسلمین کے جذبہ کی توثیق کرتی ہے وہاں اس بات کی توثیق بھی کرتی ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے لیے بڑے شفیق اور رعیت کے لیے بڑے نرم دل تھے۔ اس کے علاوہ ملک کے انتظامی اور ترقیاتی معاملات میں بھی آپ بڑے دقیق النظر اور معاملات کے عواقب وانجام پر نگاہ رکھنے والے تھے۔ تبھی تو نواسۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے پوری ملت اسلامیہ کی زمام کار آپ کے ہاتھ میں دے دی۔ چنانچہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی اس صلح کا ذکر کرتے ہوئے حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''اس بات (صلح) میں اصلاح بین الناس اور خصوصی طور پر مسلمانوں کی خونریزی روکنے کی فضیلت ہے (اور سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کا یہ فعل) اس بات پر بھی دلالت کرتا ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اپنی رعیت پر بڑے نرم دل اور مسلمانوں پر بڑے شفیق تھے اور تدبیر سلطنت پر گہری نگاہ رکھتے تھے۔ نیز معاملات کے عواقب پر ان کی نگاہ پہنچتی تھی۔'' (فتح الباری:۳/۵۶)

ابونعیم اصفہانی اور امام بیہقی نے لکھا ہے کہ یہ صلح سنہ ۴۱ھ ماہ ربیع الآخر یا جمادی الاولیٰ میں نخیلہ کے مقام پر ہوئی اور اس موقع پر سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''میں نے یہ خلافت اہل اسلام کی بہتری اور مسلمانوں کے خون کی حفاظت کے لیے ترک کی ہے۔'' (حلیۃ الاولیاء:۲/۳۷، سنن کبریٰ بیہقی:۸/۱۷۳)

حاکم نیشاپوری نے ''مستدرک'' میں، حافظ ابن عبدالبر رضی اللہ عنہ نے ''الاستیعاب'' میں، ابن اثیر نے ''اسد الغابہ'' میں اور ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے ''الاصابہ'' میں لکھا ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ بن سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے صلح کر لی اور امر خلافت ان کے سپرد کر دیا اور معاہدے اور شرائط پیش کر کے ان کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت کر لی اور خود خلافت سے دست بردار ہو گئے۔

خلافت کی سپردگی کے لیے جو شرائط دونوں بزرگوں کے مابین طے ہوئی تھیں، سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پوری زندگی ان پر کاربند رہے حتیٰ کہ ابوحنیفہ الدینوری کو یہ لکھنا پڑا کہ:

''سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے پوری زندگی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے کوئی بری بات نہ دیکھی اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان حضرات سے طے شدہ شرائط میں سے کسی شرط کو نہ توڑا اور نہ ہی کسی احسان اور بھلائی کی بات کو تبدیل کیا۔'' (اخبار الطوال:۲۲۵)

تاریخ کی کتابوں کی ورق گردانی سے پتہ چلتا ہے کہ شرائط میں طے شدہ رقم کے علاوہ بھی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ، سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی مختلف تحائف اور ہدیوں سے خاطر و مدارت کرتے۔ (البدایہ والنہایہ:۸/۴۱) چنانچہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ دس دس لاکھ درہم دونوں بھائیوں کو دیتے اور ان کے بیٹے یزید بیس لاکھ درہم دیتے رہے۔ اتنی ہی رقم سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اور سیدنا عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کو دی جاتی۔ (شرح ابن ابی الحدید:۲/۸۲۳) ان

Marfat.com

سالانہ دس لاکھ درہموں کے علاوہ اور بہت سے ہدیے بھی سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو بھیجے جاتے (مقتل ابی مخنف:۷) سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کبھی اکیلے اور کبھی اپنے بھائی سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہر سال سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس جاتے اور وہ ان کی بہت عزت افزائی کرتے اور بہت سے عطیات اور تحائف ان کو دیتے اور سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد ہر سال سیدنا حسین رضی اللہ عنہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس جاتے اور وہ ان کو بہت سے عطیات وغیرہ دیتے اور ان کی بہت عزت افزائی کرتے۔ (البدایہ والنہایہ:۸/۱۵۰۔۱۵۱) بلکہ ایک دفعہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو چالیس لاکھ درہم اور ایک دفعہ دونوں بھائیوں کو بیس بیس لاکھ درہم دیئے۔ (البدایہ والنہایہ:۸/۱۳۷) اور ایک روایت میں ہے کہ کبھی چار لاکھ دیتے اور ایک لاکھ تو بطور وظیفہ ہر سال دیتے تھے۔ (البدایہ والنہایہ:۸/۱۳۷) اس قسم کی اور بھی بہت سی روایات تاریخ کی کتابوں میں ملتی ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اہل بیت نبوت کو آئے دن مختلف قسم کے عطیات اور تحائف دیتے اور ان کے اخراجات اور ضروریات زندگی کے لیے بڑی بڑی رقوم ہدیے کے طور پر پیش کرتے۔ سیدنا قیس بن سعد بن عبادہ انصاری رحمۃ اللہ علیہ اگرچہ ابتداء میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے مخالف تھے اور انھیں کچھ عراقیوں کی حمایت بھی حاصل تھی لیکن سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی مصالحت کے بعد انھوں نے بھی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کر لی۔ (ابن اثیر:۳/۱۶۳)

Marfat.com

مخالفت کا طوفان

سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے ابھی اس صلح کا ارادہ ہی فرمایا تھا کہ آپ کے لشکریوں نے آپ کے خلاف مخالفت کا طوفان بدتمیزی اٹھالیا۔ آپ پر قاتلانہ حملے کیے گئے اور آپ کے خیمے کو لوٹ لیا گیا۔ (طبری:۶/۹۲) ایک دفعہ نماز کی حالت میں ایک شخص نے آپ پر خنجر سے حملہ کیا جس سے ران میں ہڈی تک شگاف ہوگیا۔ (اخبار الطوال:۲۱۷، جلاء العیون:۳۱۳، سیر اعلام النبلاء:۳/۲۷۰) اس سے آپ کئی مہینے صاحب فراش رہے۔ ایک دن منبر پر بیٹھ کر فرمایا: لوگو ہمارے بارے میں اللہ سے ڈرو، ہم تمھارے امیر اور مہمان ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ہمارے بارے میں تمھیں نیک سلوک کرنے کا حکم دیا ہے۔ یہ سننا تھا کہ مسجد میں موجود تمام لوگوں نے رونا شروع کر دیا۔ (سیر اعلام النبلاء:۳/۲۷۰، طبرانی روایت:۲۷۶۱، مجمع الزوائد:۹/۱۷۲) لیکن جب آپ نے مجمع عام میں اپنی صلح کا اعلان فرمایا اور ان کے ہاتھ پر بیعت کی تو فوراً ہی آپ کے خلاف ایک شدید طوفان اٹھ کھڑا ہوا اور آپ کے لشکری اور ساتھی آپ سے سخت ناراض ہوگئے یہاں تک کہ آپ کے خلاف مختلف قسم کے آوازے کسے جانے لگے اور آپ کے اس فعل کو مسلمانوں کے لیے شرم وذلت کا باعث قرار دینے لگے۔ چنانچہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے لکھا ہے:

فكان اصحاب الحسن يقولون له ، ياعار المومنين!

''سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے ساتھی آپ سے کہتے تھے: اے مومنوں کے لیے شرم اور عار کے باعث!''

(فتح الباری:۱۳/۵۵، البدایہ والنہایہ:۸/۴۱، تاریخ الخلفاء ۹۱، تاریخ الاسلام ذہبی:۲/۲۰۸)

لیکن آپ جواب میں فرماتے:

العار خير من النار۔ (ایضاً)

''یہ عار اور شرم میرے لیے جہنم کی آگ سے بہتر ہے۔''

ابن اثیر اور علامہ ابوبکر بن العربی نے ''مسود وجوه المومنين'' (مومنوں کا منہ سیاہ کرنے والے) کے الفاظ نقل کیے ہیں۔ (ابن اثیر:۳/۲۰۴، العواصم من القواصم:۱۹۷)

ملا باقر مجلسی نے لکھا ہے کہ:

''شیخ کشی نے بہ سند معتبر امام محمد باقر رحمہ اللہ سے روایت کی ہے کہ ایک روز امام حسن رضی اللہ عنہ اپنے گھر کے

Marfat.com

دروازے پر بیٹھے ہوئے تھے کہ ناگاہ ایک سوار آیا۔اسے سفیان بن لیلیٰ کہتے تھے۔اس نے کہا:

السلام علیکم یا مذل المومنین۔

''اے مومنوں کو ذلیل کرنے والے! السلام علیکم۔''

(جلاء العیون:۳۲۴، الاخبار الطّوال:۲۲۱، تاریخ الخلفاء للسیوطی:۱۹۱، الامامۃ والسیاستہ لابن قتیبہ:۱/۱۷۱، المصنف ابن ابی شیبہ:۱/۹۴، ابن عساکر:۷/۳۵)

امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے کہ ایک شخص نے آپ کو "یامذل المومنین" کہا۔آپ نے اس کے جواب میں فرمایا: نہیں، بلکہ مجھے یہ بات ناپسند تھی کہ میں آپ لوگوں کو حکومت اور سلطنت کے لیے قتل کروں۔ (سیر اعلام النبلاء:۳/۲۷۲) اسی طرح کی ایک روایت حاکم نے ''مستدرک'' میں بھی نقل کی ہے۔

علامہ مجلسی نے اس سلسلے میں کئی روایات نقل کی ہیں۔ان میں سے ایک روایت احتجاج طبرسی سے نقل کی ہے۔چنانچہ لکھتے ہیں:

''کہ جب امام حسن رضی اللہ عنہ نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کی تو لوگ حضرت کی خدمت میں آئے اور بعضوں نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے بیعت کرنے کی وجہ سے طعن و تشنیع کی۔حضرت رضی اللہ عنہ نے فرمایا تم پر وائے ہو۔تم نہیں جانتے کہ میں نے تمھارے لیے کام کیا ہے۔بخدا سوگند! جو کچھ میں نے کیا ہے میرے شیعوں کے لیے ہر اس چیز سے بہتر ہے کہ آفتاب جس پر طلوع ہوتا ہے۔'' (جلاء العیون:۳۲۲)

اسی مجلسی نے اپنی دوسری کتاب بحار الانوار میں امام محمد باقر رحمۃ اللہ علیہ کا ایک اسی طرح کا قول نقل کیا ہے جس میں وہ فرماتے ہیں:

والذی صنعه الحسن بن علی کان خیراً لهذه الامة طلعت علیه الشمس۔

(بحار الانوار:۱۰،۱۶۴)

''سیدنا حسن رضی اللہ عنہ بن علی رضی اللہ عنہ نے جو کچھ کیا وہ اس امت کے لیے بہتر ہے ہر اس شئے سے جس پر سورج طلوع ہوتا ہے۔''

ایک شخص جسے ابوسعید کہتے تھے، امام حسن رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آیا اور کہا کہ آپ نے کیوں سستی کر کے معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کر لی حالانکہ معلوم تھا کہ حق آپ کا ہے اور وہ ظالم اور باغی ہے۔ (جلاء العیون:۳۲۲)

ملا باقر مجلسی بحوالہ احتجاج طبرسی لکھتے ہیں:

''ایک شخص امام حسن رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آیا اور کہا: ہماری گردنوں کو آپ نے ذلیل کیا اور ہم شیعوں کو آپ نے غلامانِ بنی امیہ بنایا۔حضرت نے فرمایا: کیونکر؟ اس نے کہا اس وجہ سے کہ خلافت آپ نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو دے دی۔حضرت نے فرمایا: بخدا سوگند! میں نے کوئی یاور نہ پایا۔اگر میں یاور پاتا تو رات دن معاویہ رضی اللہ عنہ سے جنگ کرتا یہاں تک کہ خدا میرے اور اس کے درمیان حکم کرتا، لیکن میں

Marfat.com

نے اہل کوفہ کو پہچانا اور امتحان کیا اور جان لیا کہ یہ لوگ میرے کام نہیں آئیں گے۔ان کی زبانیں میرے ساتھ اور دل بنوامیہ کے ساتھ ہیں۔'' (جلاء العیون:۲۳۶)

پھر بروایت سید مرتضیٰ علامہ باقر مجلسی نے لکھا ہے:

''جب امام حسن رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کی تو شیعہ آپس میں اظہار تاسف وحسرت کرتے تھے اور آرزوئے قتل رکھتے تھے۔جب صلح کے بعد دو سال گزرے تو حضرت کی خدمت میں آئے اور سلیمان بن صرد خزاعی نے حضرت کی خدمت میں عرض کیا کہ ہمارا تعجب معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کرنے سے برطرف نہیں ہوتا حالانکہ چالیس ہزار مردان کارزار اہل کوفہ آپ کے ہمراہ تھے کہ وہ آپ سے تنخواہ لیتے تھے اور اپنے گھروں میں تھے۔اور اسی قدر ان کے فرزندان واتباع آپ کے ساتھ تھے علاوہ ان لشکروں کے جو بصرہ اور حجاز میں تھے۔باوجود اس کے آپ نے معاویہ رضی اللہ عنہ سے پیمان محکم صلح نامہ میں نہ لیا اور بہرۂ کامل عطا میں نہ لکھوالیا۔اگر بروقت مصالحت اہل مشرق ومغرب کو آپ گواہ نہ کرتے اور نوشتہ اس سے لیتے کہ بعد اس کے خلافت آپ کی ہوتی تو ہمارا کام آسان تھا،لیکن ان کے اور آپ کے درمیان چند عہد ایسے ہوئے کہ لوگ ان پر مطلع نہ ہوئے۔'' (جلاء العیون:۳۲۵،الامامۃ والسیاستہ:۱/۱۷۱۔۱۷۲)

حجر بن عدی نے بھی آپ کو اس صلح پر عار دلانے کی کوشش کرتے ہوئے آپ سے کہا:

''اے رسول اللہ کے نواسے رضی اللہ عنہ! کاش کہ میں اس دن سے پہلے ہی مرگیا ہوتا۔آپ نے ہمیں عدل و انصاف سے نکال کر ظلم وجور میں پھنسا دیا ہے اور اس وجہ سے ہم نے حق کو چھوڑ کر باطل کو جس سے کہ ہم بھاگتے تھے،اختیار کرلیا اور ہمیں خست ودنایت کا سامنا کرنا پڑا۔'' آپ نے فرمایا کہ ''میں لوگوں کے درمیان اس خانہ جنگی کو ناپسند کرتا تھا،اور میں نے اپنے ساتھیوں کی بہتری اسی میں دیکھی۔''

اس کے بعد وہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی خدمت میں گئے اور انھیں بھی اسی طرح سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت سے عار دلانی شروع کی۔آپ نے جواب میں فرمایا:

انا قد بایعناہ وعاھدنا ولا سبیل الیٰ نقض بیعتنا۔(الاخبار الطوال:۲۲۰)

''ہم نے معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت اور اس سے وفا کا عہد کرلیا ہے،لہٰذا نقض عہد کی کوئی راہ نہیں۔''

جیسا کہ گذشتہ صفحات میں بتایا گیا ہے کہ نہ صرف آپ کے شیعوں نے اس بارے میں آپ کی مخالفت کی بلکہ شروع میں آپ کے سگے بھائی سیدنا حسین رضی اللہ عنہ بھی اس مصالحت کے سخت خلاف تھے اور انھوں نے صاف کہا کہ آپ قبر میں اپنے باپ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی تکذیب کرنا چاہتے ہیں اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی تصدیق،تو سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے ایک جواب سے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو خاموش کردیا۔آپ نے فرمایا:

اسکت فانا اعلم بالامر منك۔(طبری:۶/۹۲،ابن اثیر:۳/۲۰۳)

''حسین! چپ رہو میں اس معاملے کو تم سے بہتر جانتا ہوں۔''

Marfat.com

چنانچہ جب صلح کے بعد سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کی تو سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے بھی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی۔ (بحارالانوار:۱۰،۱۲۴، جلاءالعیون:۳۶۹، ناسخ التواریخ:۶/۴،۷۶، مہیج الاحزان ۴۸)

اعتراضات کے جوابات:

جب سیدنا حسن رضی اللہ عنہ پر ہر طرف سے اعتراضات کی بوچھاڑ ہوئی اور ہر جانب سے آپ کے ساتھیوں اور شیعوں نے طعن و تشنیع شروع کر دی تو آپ رضی اللہ عنہ نے معترضین کے جواب میں مختلف خطبات ارشاد فرمائے۔ ایک مقام پر فرمایا:

''بخدا سوگند! اس جماعت سے میرے لیے معاویہ رضی اللہ عنہ بہتر ہے۔ یہ لوگ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم شیعہ (ساتھی) ہیں اور میرا ارادۂ قتل کیا، میرا مال لوٹ لیا۔ بخدا سوگند! اگر معاویہ رضی اللہ عنہ سے عہد لوں اور خون حفظ کرواؤں اور اپنے اہل وعیال میں ایمن ہو جاؤں، اس سے بہتر ہے کہ یہ لوگ مجھے قتل کر دیں اور میرے اہل وعیال اور اعزا و اقارب ضائع ہو جائیں۔''

''بخدا سوگند! اگر میں معاویہ رضی اللہ عنہ سے جنگ کروں تو یہی لوگ مجھے اپنے ہاتھ سے پکڑ کر معاویہ رضی اللہ عنہ کو دے دیں۔ بخدا سوگند! اگر معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کروں اور عزیز رہوں یہ اس سے بہتر ہے کہ اس کے ہاتھ میں آ جاؤں اور وہ مجھے بخواری قتل کرے یا مجھ پر احسان کر کے چھوڑ دے اور تا روز قیامت بنو ہاشم میں یہ عار باقی رہے اور ہمیشہ فرزندان معاویہ رضی اللہ عنہ ہمارے فرزندوں اور ہمارے مردوں اور زندوں پر احسان کریں۔ راوی نے کہا: یا ابن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اپنے شیعوں کو مثل ان گوسفندوں (بکریوں) کے آپ چھوڑ دیتے ہیں جن کا کوئی محافظ نہ ہو۔ حضرت نے فرمایا: کیا کروں میں اس کام کو بہتر جانتا ہوں جو ثقاہت اور سچوں سے مجھے پہنچا ہے۔ (جلاءالعیون:۳۲۳)

اس خطبے میں آپ نے صلح کرنے کی مصلحت صرف اپنی اور اپنے اہل وعیال کے ننگ و ناموس کی حفاظت بیان فرمائی، لیکن دوسرے مقام پر یوں مرقوم ہے:

''معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس امر میں جو مجھ سے مخصوص اور جس کا میں سزاوار تھا، منازعہ کیا اور جب میں نے کوئی یاور نہ پایا تو بخیال اصلاح وحفظ خون ہائے امت خود دست بردار ہو گیا۔'' (جلاءالعیون:۳۱۶)

ایک اور مقام پر بروایت کلینی بسند معتبر امام محمد باقر رحمۃ اللہ علیہ لکھا ہے کہ:

''امام حسن رحمۃ اللہ علیہ کا سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کرنا اس امت کے لیے دنیا اور مافیھا سے بہتر تھا۔''

(جلاءالعیون:۳۲۵)

ان اقتباسات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے مصالحت کا ردعمل آپ کے ساتھیوں اور شیعوں میں نہایت شدید تھا۔ انھوں نے آپ کے خلاف مخالفت کا ایک طوفان اٹھایا، لیکن آپ نے اپنی حکمت

Marfat.com

عملی اور فراست ایمانی سے اسے فوری طور پر دبا دیا اور پوری امت کو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے جھنڈے تلے جمع کر کے کفر کے مقابلے میں لا کھڑا کیا۔ اور وہ تلواریں جو شہادت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد اپنوں کے خون سے آلودہ ہوئیں اب کفار اور دشمنان خدا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقابلہ کرنے کے لیے نکل آئیں۔ سلطنت اسلامی کی حدود و ثغور میں اضافہ اور توسیع ہونا شروع ہوگئی اور یورپ کے کلیساؤں اور افریقہ کے صحراؤں میں مسلمانوں کے گھوڑوں کے ہنہنانے کی آوازیں آنا شروع ہوگئیں اور سلطنت فاروقی وعثمانی کا نقشہ پھر آنکھوں کے سامنے پھرنا شروع ہوگیا۔

اجتماع امت:

جس سال سیدنا حسن رضی اللہ عنہ خلافت سے دست بردار ہوئے اور معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی اس کو ''عام الجماعت'' کہتے ہیں۔ کیونکہ ملت اسلامیہ پانچ چھ سال کے تفرقہ اور تشتت کے بعد اس سال ایک خلیفہ پر مجتمع ہوئی تھی۔ (فتح الباری: ۱۳/۵۳، طبری: ۶/۱۸۱، البدایہ والنہایہ: ۸/۱۲۱۔۱۳۱، اسد الغابہ: ۴/۳۸۷، تاریخ الخلفاء: ۱۹۴ وغیرہ)

سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد خارجی جنگوں اور اسلام کی نشر واشاعت میں جو تعطل واقع ہوگیا تھا، اس سے امت کو چھٹکارا مل گیا۔ آپس میں جو دلی منافرت پیدا ہو چکی تھی وہ کلیتہً جاتی رہی اور تمام مسلمان ایک پلیٹ فارم پر اسی طرح جمع ہوگئے جس طرح سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافتوں کے دور میں تھے۔ اسی لیے غیر مسلم مؤرخین تک نے لکھا ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ دولت اسلامیہ کے دوسرے موسس کبیر ہیں جو سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی سلطنت کی طرح صوفیانہ بھی تھی اور سیاسیانہ بھی۔ یہ نوجوان جس نے اپنے مشہور تاجر باپ (ابوسفیان) کی آغوش میں تربیت پائی تھی، اس کی قوت نظم مملکت پر واضح دلیل ہے کہ حکومت اسلامیہ کے قیام اور عراق کے خلفشار کو دور کرنے، چوری قتل اور آگ لگانے کی روک تھام میں جو مشکلات سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو پیش آئیں، آپ نے نہایت خوبی کے ساتھ ان پر کنٹرول کیا حالانکہ اہل بصرہ اور اہل کوفہ ان چیزوں کے عادی تھے۔

پوری امت مجتمع ہوگئی۔ اختلاف بالکل ختم ہوگیا اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ متفقہ طور پر پوری ملت اسلامیہ کے امیر المومنین مقرر ہوگئے۔ مسلمانوں کی وہ قوت جو آپس میں جنگ وجدال میں ختم ہو رہی تھی، اب دشمنان اسلام کے خلاف صرف ہونے لگی۔

خاندان بنو ہاشم نے بھی نہایت خوش دلی کے ساتھ امیر المومنین سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ عملی تعاون شروع کر دیا۔ چنانچہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے رضاعی بھائی اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے حقیقی چچا زاد بھائی قثم بن عباس رضی اللہ عنہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں جہاد میں شرکت کے لیے خراسان تشریف لے گئے۔ پھر غزوۂ سمرقند میں سعید بن عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی ماتحتی میں لڑتے ہوئے جام شہادت نوش فرمایا۔

(طبقات ابن سعد: ۷/۱۰۱، اسد الغابہ: ۴/۱۹۷، سیر اعلام النبلاء: ۳/۴۴۱، شرح نہج البلاغہ لابن میثم: ۵/۷۲)

Marfat.com

خود سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے یزید بن معاویہ کی زیر قیادت معرکہ قسطنطنیہ میں شرکت فرمائی۔

(البدایہ والنہایہ: ۸/۱۵۰، تہذیب تاریخ ابن عساکر: ۴/۳۱۱)

جس طرح خاندان بنو ہاشم نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی حکومت سے تعاون کیا اسی طرح آپ کی حکومت نے بھی خاندان بنو ہاشم کے افراد سے نہایت اچھا سلوک کیا۔ مدینہ طیبہ میں ایک قاضی کی ضرورت تھی۔ مروان بن الحکم رضی اللہ عنہ نے ایک ہاشمی بزرگ سیدنا عبداللہ بن الحارث بن نوفل بن حارث بن عبدالمطلب کو مدینہ کا قاضی مقرر کیا جو کہ بعض حضرات کے بقول مدینہ کے سب سے پہلے باقاعدہ قاضی تھے۔

(طبقات ابن سعد: ۵/۱۳، اسد الغابہ: ۴/۲۶۹)

مسند خلافت پر متمکن ہوتے ہی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک خطبہ ارشاد فرمایا:

''اے لوگو! میں تم سے بہتر نہیں ہوں۔ تم میں سے کئی حضرات ایسے ہیں جو مجھ سے بہتر ہیں جیسے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ وغیرہ جو کہ علم و فضل کے ستون ہیں، لیکن شاید میں سلطنت اور حکومت کے معاملات میں تمھارے لیے مفید ہو سکوں اور تمھارے دشمن کے لیے زیادہ تکلیف دہ اور مالی اعتبار سے تمھارے لیے زیادہ سود مند ہوں گا۔'' (البدایہ والنہایہ: ۸/۱۳۴، تاریخ الاسلام ذہبی: ۲/۳۲۲)

مؤرخ بلاذری نے لکھا ہے کہ آپ نے فرمایا:

''اے لوگو! بخدا! ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ کی سیرت کا اتباع کرنے سے بڑے بڑے پہاڑوں کو اپنے مقام سے ہلانا نہایت آسان ہے لیکن میں تمھارے لیے ایسا طرز عمل اور طریقہ اختیار کروں گا جو مجھ سے پہلے خلفاء سے تو کم درجہ میں ہوگا لیکن میرے بعد آنے والے اس کو نہیں پا سکیں گے۔''

(انساب الاشراف: ۴/۱۱۲)

یہاں یہ بات ذہن میں رہے کہ جن لوگوں نے فیصلۂ تحکیم سے قبل یا فیصلۂ تحکیم کے بعد سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا امیر المومنین ہونا لکھا ہے، وہ سراسر غلط ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ سیدنا معاویہ کے بارے میں یہ غلط فہمی مدتوں سے اچھے اچھے ذہنوں میں چلی آ رہی ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ جب سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں کھڑے ہوئے تھے اسی وقت سے وہ خلافت کے مدعی تھے، اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ فیصلۂ تحکیم کے بعد عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے اعلان کے مطابق انھوں نے اپنی خلافت کا دعویٰ کیا تھا، یہ دونوں باتیں پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچتیں۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ شروع سے لے کر سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی بیعت فرمانے تک اپنے آپ کو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا گورنر سمجھتے ہوئے ان کے قاتلوں سے صرف قصاص کے دعوے دار تھے۔ اس سے زیادہ نہ انھوں نے خود کبھی اپنی حیثیت جانی اور نہ ان کے ساتھیوں نے ہی انھیں اس سے زیادہ کبھی کوئی حیثیت دی۔ انھوں نے خلافت کا اعلان سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی دست برداری اور ان کے بیعت فرمانے کے بعد کیا۔ یہی اہل سنت کا مسلک ہے اور یہی صحیح ہے۔

Marfat.com

سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کا ایک عظیم کارنامہ:

خود مسند خلافت سے دست بردار ہو کر امت کو مختلف فتنوں اور باہمی خونریزی سے بچا لینا سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کا ایک بہت بڑا کارنامہ ہے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی پانچ سالہ خلافت میں مسلمان خود اپنے بھائیوں کی تلواروں سے ذبح ہوتے رہے۔ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ خلیفہ ہونے کے بعد اگر خلافت پر اصرار کرتے تو اس کے سوا کچھ نہ ہوتا کہ امت باہمی قتل و غارت میں ایک نامعلوم مدت تک ڈوبی رہتی۔ آپ نے اس کا علاج یہی سوچا کہ خلافت سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کر کے اپنی آئندہ زندگی یاد الٰہی میں گزار دی جائے تا کہ امت اس باہمی قتل و غارت سے محفوظ ہو جائے۔

سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کا یہ فعل کوئی اتفاقی یا طبعی امر نہیں تھا بلکہ شریعت کی واضح تعلیمات پر مبنی تھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بتا دیا تھا کہ آپ کے بعد مسلمانوں کی سیاست میں بگاڑ آنے والا ہے۔ چنانچہ آپ نے انتہائی واضح لفظوں میں حکم دیا تھا کہ اصلاح کے نام پر تم لوگ آپس میں لڑنے مت لگنا، بلکہ اپنی ذاتی ذمہ داریوں کو پورا کرنے میں مصروف رہنا۔ حدیث کی کتابوں میں ''کتاب الفتن'' میں کثرت سے اس قسم کی روایات موجود ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد تیس سال تک اسلامی فتوحات کا سلسلہ جاری رہا۔ ہر ماہ کسی نہ کسی بڑے علاقہ کی فتح کی خبر آتی تھی لیکن سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جو باہمی لڑائیاں شروع ہوئیں ان سے پانچ سال تک فتوحات کا سلسلہ بالکل ختم ہو گیا۔ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ اس بند دروازے کو جس شخص نے دوبارہ کھولا وہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ ہی تھے۔

چنانچہ حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے خلافت سے دست بردار ہونے کے بعد جب زمام خلافت سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں آئی اور پوری مملکت اسلامیہ کے خلیفہ مقرر ہوئے تو:

''دشمن کے ممالک میں جہاد کا سلسلہ پھر شروع ہو گیا اور اللہ کا کلمہ بلند ہونے لگا اور غنیمتیں زمین کے سب گوشوں سے سمٹ کر آپ کے پاس آنے لگیں اور مسلمان دوبارہ آپ کے دور خلافت میں عدل و انصاف اور آرام و آسائش سے اپنی زندگی کے دن گزارنے لگے۔'' (البدایہ والنہایہ: ۸/۱۱۹)

سنہ ۴۱ھ میں آپ کی خلافت اسلامیہ سے دست برداری بظاہر میدان عمل سے واپسی کا ایک فیصلہ تھا لیکن حقیقتاً یہ زیادہ بہتر طور پر میدان عمل کی طرف جانا تھا۔ یہ مسلمانوں کی قوت کو باہمی مقابلہ آرائی سے ہٹا کر خارجی میدان میں جدوجہد کی طرف موڑ دینا تھا۔ آپ کی اس واپسی نے اسلام کی تاریخ میں کامیابی کے نئے امکانات کے دروازے کھول دیئے۔ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اگر خلافت سے دست بردار نہ ہوتے تو عجب نہیں کہ اسلامی تاریخ پہلی صدی ہجری میں ختم ہو جاتی۔ مسلمان آپس میں لڑ لڑ کر برباد ہوتے رہتے اور قیاصرہ و اکاسرہ اور یہود و نصاریٰ اور منافقین دوبارہ مضبوط و توانا ہو کر ہمیشہ کے لیے اسلام کا استیصال کر دیتے۔ دنیا کے تمام حکمران اپنی حکومت کے استحکام کے لیے لوگوں کا خون بہاتے ہیں، فوجوں میں اضافہ کرتے ہیں تا کہ ان کی حکومت مضبوط ہو،

Marfat.com

لیکن سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے دنیا کے سامنے ایک نیا نمونہ پیش کیا۔ آپ نے اس حکومت کو چھوڑا جس کا ایک سرا سندھ اور دوسرا جبل الطارق تھا اور صرف اس لیے اتنی وسیع وعریض مملکت کو چھوڑا تا کہ مسلمان آرام وراحت کی زندگی بسر کرسکیں۔ صرف انسانوں کے خون بہانے سے بچنے کے لیے حکومت کو چھوڑ دینا یقیناً ایک بہت بڑا کارنامہ ہے۔

کچھ لوگوں نے آپ کی اس بات کو بزدلی اور پست ہمتی سے متہم کیا، لیکن آپ نے ان کے جواب میں فرمایا:

''عرب کے سر میرے قبضے میں تھے، جس سے میں صلح کرتا اس سے وہ صلح کرتے اور جس سے میں جنگ کرتا اس سے وہ جنگ کرتے، لیکن میں نے خالصتاً لوجہ اللہ اور مسلمانوں کے پاک خون سے بچنے کے لیے اس منصب کو چھوڑا۔'' (مستدرک حاکم: ۳/۷)

آپ کے اس فعل سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ پیش گوئی بھی پوری ہوئی جس کو بخاری میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو منبر پر اپنے پہلو میں بٹھا کر فرمایا تھا کہ:

''میرا یہ بیٹا سردار ہے، ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے مسلمانوں کے دو بڑے گروہوں میں صلح کرادے۔'' (بخاری جلد: ۱/۲، ۳۷۲، ۲/۱۰۵۳)

عراق سے مدینۃ النبیؐ:

خلافت سے دست برداری کے بعد سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اپنے بھائی سیدنا حسین رضی اللہ عنہ اور اپنے خاندان کے دیگر افراد کے ساتھ جن میں عبداللہ بن جعفر طیار رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے اور بنو ہاشم کے دیگر افراد بھی جو مدینۃ النبیؐ سے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ کوفہ چلے گئے تھے واپس مدینۃ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں مستقل طور پر آ گئے اور کوفہ کو ہمیشہ کے لیے خیر باد کہہ دیا۔ جب یہ قافلے والے راستے میں اپنے ساتھیوں اور حامی قبائل کے پاس سے گزرتے تھے تو بعض لوگ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں خلافت سے دست بردار ہونے پر عار دلاتے، ملامت کرتے اور ان کے لیے سخت الفاظ استعمال کرتے تھے۔ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ چونکہ نیک سرشت اور پاکیزہ فطرت انسان تھے اس لیے وہ ان لوگوں کے اس برے رویے اور سلوک سے اپنے اندر کوئی کمزوری محسوس نہیں کرتے تھے بلکہ وہ اپنے مصالحت کے اس کام سے نہایت خوش اور مطمئن تھے کہ انھوں نے یہ سب کچھ وقت کے تقاضے کے تحت بالکل درست اور صحیح فیصلہ کیا۔ انھیں اپنے اس فیصلے پر کوئی افسوس اور غم نہیں تھا۔

خلافت سے دست برداری کے بعد آپ تمام عمر مدینہ منورہ میں مقیم رہے اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کے لیے جو وظائف مقرر کیے تھے وہ تمام عمر انھیں باقاعدگی سے ملتے رہے۔ بعض اہل تاریخ نے لکھا ہے کہ جب سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے مصالحت کی تو اس وقت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی طرف سے جو مطالبات پیش ہوئے ان میں سے ایک مطالبہ یہ بھی تھا کہ کوفہ کے بیت المال میں فی الوقت جو نقد مال موجود ہے وہ سیدنا

Marfat.com

حسن رضی اللہ عنہ کو ملے گا۔اس وقت کوفہ کے خزانے میں ایک روایت کے مطابق پچاس لاکھ درہم تھے اور دوسری روایت کے مطابق ستر لاکھ درہم تھے۔سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ سب سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو دے دیئے۔اسی طرح دارابجرد کے علاقہ کی ساری آمدنی بھی سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے لیے مقرر کردی گئی تھی۔علاوہ ازیں ہر سال مختلف عطیات اور ہدایا سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی وفات سنہ ۴۹ھ تک ان کو دیتے رہے۔(البدایہ والنہایہ:۸/۴۱۔۴۲)

علامہ بلاذری نے لکھا ہے ایک دفعہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ بن سیدنا علی رضی اللہ عنہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاں تشریف لے گئے۔سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی باتوں سے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے اندازہ لگا لیا کہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ مقروض ہیں، لہٰذا سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا: بھتیجے! مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ پر کچھ قرض ہے؟ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے جواب میں کہا یقیناً میں مقروض ہوں۔سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا کتنا قرض ہے؟ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا ایک لاکھ، اس پر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے انھیں تین لاکھ درہم پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ ایک لاکھ درہم سے تو آپ اپنا قرض ادا کردیں اور ایک لاکھ درہم آپ اپنے اہل بیت اور اعزاء واقرباء میں تقسیم فرمادیں اور ایک لاکھ درہم خاص آپ کے لیے ہیں۔یہ تین لاکھ آپ قبول فرمالیں۔سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے یہ عطیہ وصول فرمالیا۔

(انساب الاشراف بلاذری تذکرہ سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ:۱/۸۴۔۸۵)

اسی بلاذری نے اپنی دوسری تصنیف میں لکھا ہے کہ:

''سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو صیدنامی چشمہ مع اس کے ملحقات کے عطا کیا گیا تھا اور وہ اس سے منتفع ہوتے تھے۔(فتوح البلدان:۳۰۷)

ملا باقر مجلسی نے بھی اس قسم کے کئی واقعات اپنی کتابوں میں لکھے ہیں جن میں سے کچھ ہم نے اس کتاب کے گذشتہ صفحات میں ذکر بھی کیے ہیں کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ، سیدنا حسن رضی اللہ عنہ، ان کے بھائی اور ان کے چچا زاد بھائی سیدنا عبداللہ بن جعفر طیار رضی اللہ عنہ اور دوسرے بنی ہاشم کو بہت سے تحائف، عطایا اور بہت سا مال وقتاً فوقتاً دیتے رہتے جس سے وہ حضرات اپنا قرض بھی ادا کرتے اور اس مال کو اپنے صرف میں بھی لاتے۔

(جلاء العیون، ملا باقر مجلسی:۲۷۰)

ایک بار سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لے گئے۔سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان دونوں بھائیوں سے کہا کہ میں اس بار آپ کی خدمت میں اتنا مال پیش کروں گا جتنا اس سے قبل آپ کی خدمت میں کسی نے پیش نہ کیا ہو۔چنانچہ آپ نے ان کو چار لاکھ درہم بطور عطیہ دیا۔(الاصابہ:۱/۳۲۹)

مؤرخین نے یہ بھی لکھا ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ ہر سال سیدنا حسن رضی اللہ عنہ، سیدنا حسین رضی اللہ عنہ، سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اور سیدنا عبداللہ بن جعفر طیار رضی اللہ عنہ کو دس لاکھ درہم بطور ہدیہ اور وظیفہ دیا کرتے تھے۔

(ابن ابی الحدید:۳/۷۰۵)

سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی زندگی میں اور ان کے انتقال کے بعد سیدنا حسین رضی اللہ عنہ بھی ہر سال سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ

Marfat.com

کے پاس تشریف لے جایا کرتے اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ ان کا انتہائی اکرام واعزاز کرتے اور ان کو عطایا اور ہدایا بھی پیش کرتے۔

نہ صرف ان دونوں بھائیوں (سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ) کو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ وظیفہ اور عطیات دیتے بلکہ ان کے چچازاد بھائی عبداللہ بن جعفر طیار رضی اللہ عنہ بھی آپ کے پاس جاتے اور ہر سال عطیات اور ہدایا لے کر آتے۔ چنانچہ ایک دفعہ بیس لاکھ درہم لائے۔ (مستدرک حاکم: ۳/۵۶۷،) ہر سال دس لاکھ لاتے۔

(ابن عساکر: ۱۶/۷۴۰)

مختصر یہ کہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ دونوں بھائیوں کو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانے میں کبھی معاشی طور پر تنگی کا احساس نہیں ہوا۔ ویسے تو شروع ہی سے ان دونوں کی معاشی حالت نہایت اچھی تھی کیونکہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں ان دونوں بھائیوں کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرابت کی وجہ سے پانچ ہزار درہم سالانہ وظیفہ مقرر کیا تھا۔ (سیر اعلام النبلاء: ۳/۲۵۹)

پھر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں بھی ان کو باقاعدگی سے یہ وظائف بغیر کسی کمی کے ادا ہوتے رہے پھر سیدنا علی رضی اللہ عنہ خلیفہ منتخب ہوئے تو انھوں نے بھی ان کے وظائف میں کوئی کمی نہیں کی، ان وظائف کے علاوہ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی ان کی مالی معاونت کرتے رہتے تھے۔ چنانچہ ذہبی نے سیدنا مقداد بن الاسود رضی اللہ عنہ کے بارے میں لکھا ہے کہ انھوں نے اپنے انتقال کے وقت جو سنہ ۳۳ھ میں ہوا سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے حق میں چھتیس ہزار درہم دینے کی وصیت کی جو ان کو دے دیئے گئے۔ (سیر اعلام النبلاء: ۱/۲۸۰) اب سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں دست بردار ہو کر جب آپ نے مدینہ منورہ میں مستقل قیام فرمایا تو آپ کو ہر سال لاکھوں درہم ملتے تھے جس کی وجہ سے آپ کی معاشی حالت اور زیادہ اچھی ہوگئی۔

مدینہ منورہ میں آپ کے مشاغل:

خلافت سے دست بردار ہو کر آپ نے مدینہ منورہ میں مستقل قیام فرمایا، اب آپ فکر معاش سے تو بالکل فارغ ہو گئے لہٰذا اب آپ کا مشغلہ صرف اور صرف عبادت خداوندی تھا۔ چنانچہ مؤرخین نے لکھا ہے کہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نماز باجماعت ادا کرنے کے بعد سورج نکلنے تک اپنی جائے نماز پر بیٹھے ذکر اللہ میں مشغول رہتے تھے۔ کبھی آپ رضی اللہ عنہ کے پاس اشراف قوم آ کر بیٹھ جاتے اور دینی اور علمی گفتگو کرتے۔ یہ مجلس آفتاب بلند ہونے تک قائم رہتی۔ جب آفتاب بلند ہوتا تو آپ پھر چاشت کے نوافل ادا فرماتے۔ پھر امہات المومنین رضی اللہ عنہن کے پاس تشریف لے جاتے اور ان کو سلام کرتے۔ کبھی ایسا ہوتا کہ امہات المومنین رضی اللہ عنہن انھیں کوئی ہدیہ عنایت فرماتیں۔ پھر آپ گھر تشریف لاتے۔ پھر شام کو بھی مسجد نبویؐ میں آپ کی عبادت کا یہی معمول ہوتا تھا۔

(البدایہ والنہایہ: ۸/۳۷، تہذیب ابن عساکر: ۴/۲۱۳)

Marfat.com

نماز تہجد کی ادائیگی بھی آپ کے معمولات میں شامل تھی۔ محدثین نے لکھا ہے کہ رات کی عبادت کا ان کا معمول یہ تھا کہ اول شب میں سیدنا حسن رضی اللہ عنہ قیام اللیل فرماتے اور آخر شب میں سیدنا حسین رضی اللہ عنہ قیام اللیل فرماتے تھے۔ (المصنف ابن ابی شیبہ: ۲/۲۷۲)

رات کو جب بستر پر سونے کے لیے تشریف لے جاتے تو سورۃ کہف کی تلاوت فرمایا کرتے تھے۔

(سیر اعلام النبلاء: ۳/۲۶۰)

وفات:

سیدنا حسن رضی اللہ عنہ ۲۱ رمضان المبارک سنہ ۴۰ ھ کو مسند خلافت پر متمکن ہوئے اور ربیع الآخر سنہ ۴۱ ھ کو مسند خلافت سے دست بردار ہوئے۔ اس لحاظ سے ساڑھے پانچ یا چھ ماہ آپ مسند خلافت پر متمکن رہے۔ دست برداری کے نو سال بعد (بعض روایات میں آٹھ اور بعض میں سات سال ہے) سنہ ۴۹ ھ میں مدینۃ الرسولؐ میں چالیس روز صاحب فراش رہ کر اس دار فانی سے دار باقی کو رحلت فرما گئے۔ (تاریخ الخمیس: ۶/۳۴۶)

حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ ایک بار سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے ایک خواب دیکھا کہ ان کی پیشانی پر قل ھو اللہ احد لکھا ہوا ہے۔ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ یہ خواب دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور اسے پسندیدہ اور اپنے حق میں بہتر خیال کیا لیکن جب اس زمانے کے مشہور بزرگ اور فقیہ نے جن کو علم تعبیر رویاء میں خاص درک حاصل تھا، یہ خواب سنا تو فرمایا کہ انھوں نے یہ خواب دیکھا ہے تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ بن سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا چند دنوں کے بعد انتقال ہو جائے گا۔ (البدایہ والنہایہ: ۸/۴۲)

بعض مؤرخین (جن میں مسعودی پہلا شخص ہے) نے لکھا ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے آپ کو زہر دلوایا تھا جس سے آپ کی وفات ہوئی لیکن اس روایت کی گوزشتر سے زیادہ حیثیت نہیں، نہ اس پر کوئی شرعی شہادت ہے اور نہ ہی کوئی معتبر اقرار، بلکہ علامہ ابن خلدون نے تو صاف لفظوں میں لکھا ہے کہ:

''یہ جو منقول ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کی اہلیہ جعدہ بنت اشعث سے مل کر زہر دلوایا تھا، یہ شیعہ حضرات کی روایات ہیں، اللہ کی پناہ اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی ذات اس سے یک قلم مبرا اور پاک ہے۔'' (ابن خلدن: ۲/۱۱۳۹)

تاریخ کی کتابوں میں کوئی معتبر روایت نہیں نقل کی گئی۔ قدیم مؤرخین نے تو زہر خورانی کی روایت کا سرے سے تذکرہ ہی نہیں کیا اور جن مؤرخین نے اس روایت کا تذکرہ کیا ہے انھوں نے بھی بغیر کسی راوی کا نام لیے صرف ''ذکر'' یا ''قیل'' یا ''یقال'' وغیرہ تمریض کے صیغوں سے اس کا تذکرہ کیا ہے جو ضعیف روایت پر دلالت کرتے ہیں۔ (ملاحظہ ہو یعقوبی: ۲/۲۶۶، مروج الذہب: ۲/۵۰، الاستیعاب: ۲/۱۴۴، اسد الغابہ: ۲/۱۱۵، الاصابہ: ۲/۱۳، تہذیب التہذیب: ۲/۳۱۰، البدایہ والنہایہ: ۸/۴۲، ابن اثیر: ۳/۲۲۸، ابن خلدون: ۲/۱۱۳۹، ابوالفداء: ۱/۱۸۳) اور اتنے اہم

Marfat.com

واقعہ کے لیے تمریض کے یہ صیغے کیا حیثیت رکھتے ہیں۔ چنانچہ طبقات ابن سعد، الاستیعاب اور الاصابہ وغیرہ میں جو روایات اس واقعہ کے بارے میں نقل کی گئی ہیں یہ ساری کی ساری بے سند ہیں اور کسی میں بھی یقین کے ساتھ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا نام نہیں لیا گیا بلکہ ان روایتوں میں یہ بھی آتا ہے کہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ سے جب اس زہر دینے والے کا نام پوچھا گیا تو انھوں نے نام بتانے سے یک قلم انکار کر دیا جیسا کہ ابن حجر عسقلانی رضی اللہ عنہ نے الاصابہ میں ابن سعید کی روایت کے حوالے سے نقل کیا گیا ہے کہ:

فاتاه الحسين بن علی فسئاله من سقاه فابیٰ ان یخبره۔

''پس سیدنا حسین بن علی رضی اللہ عنہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور ان سے پوچھا کہ آپ کو یہ زہر کس نے دیا۔ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے اس کا نام بتانے سے انکار کر دیا۔''

یہ روایت ذہبی نے بھی نقل کی ہے۔ (سیر اعلام النبلاء: ۳/۲۷۴)

اس روایت کے علاوہ ایک اور روایت مختلف کتابوں میں منقول ہے کہ ایک شخص عمیر بن اسحاق کہتے ہیں کہ ہم سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی عیادت کے لیے حاضر ہوئے۔ ہم نے آپ کی مزاج پرسی کی۔ دیکھا کہ آپ بار بار بیت الخلاء جا رہے ہیں۔ ہم نے اس کا سبب پوچھا تو فرمایا: بخدا! مجھے کئی بار زہر دی گئی اور جتنی سخت زہر اب کی بار دی گئی اس سے پہلے کبھی نہیں دی گئی۔ اور فرمایا کہ میرا جگر ٹکڑے ہو کر نکل رہا ہے۔ عمیر بن اسحاق کہتے ہیں کہ میں دوسرے روز بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ دیکھا آپ کی حالت نہایت خراب اور پریشان کن تھی۔ اس دوران حضرت حسین رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور انھوں نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ سے پوچھا: ''بھائی! مجھے بتایئے کہ آپ کو کسی نے زہر دیا ہے؟'' سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے کہا: ''ہاں'' سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''میں اس بارے میں تجھے کچھ نہیں بتانا چاہتا۔ اگر وہی ہے جس کے بارے میں میرا خیال ہے تو اللہ تعالیٰ زیادہ سخت انتقام لینے والے ہیں، وہ اس سے ضرور انتقام لیں گے اور اگر زہر دینے والے کے بارے میں میرا گمان غلط ہے تو پھر بخدا! میں نہیں چاہتا کہ کوئی ایسا شخص قتل ہو جائے جس نے یہ گناہ نہیں کیا۔ (سیر اعلام النبلاء: ۳/۲۷۳، حلیۃ الاولیاء لابی نعیم ۲/ ۳۸، البدایہ والنہایہ: ۷/۴۲)

اس روایت سے یہ بھی پتہ چلا کہ خود سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو بھی زہر دینے والے کا صحیح علم نہیں تھا۔ ان کا صرف گمان تھا کہ فلاں نے زہر دیا ہے اور انھوں نے کسی کا نام حتمی طور پر نہیں بتایا۔

جب زہر پینے والے نے زہر دینے والے کا نام نہیں بتایا کہ اسے کس نے زہر دیا ہے تو بعد والے راویوں کو کیسے پتہ چل گیا کہ زہر دینے والے معاویہ رضی اللہ عنہ تھے۔

یعقوبی نے شیعہ ہونے کے باوجود زہر دینے والے کا نام نہیں لکھا۔ (یعقوبی: ۲/۲۱۶)

''بیان کیا جاتا ہے کہ آپ کی بیوی جعدہ بنت الاشعث بن قیس الکندی نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اشارے سے آپ کو زہر دیا تھا۔'' (مروج الذہب: ۲/۵۰)

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف زہر خورانی کی نسبت نہ صرف درایتاً غلط اور غیر صحیح بلکہ روایت کے اعتبار سے

Marfat.com

بھی یہ روایت درست نہیں، اس لیے کہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی وفات سنہ ۴۹ھ میں واقع ہوئی۔ اس کے بعد سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے مختلف علاقوں میں کئی معرکے پیش آئے۔ ان معرکوں میں بنو ہاشم کے کئی حضرات شریک ہوئے۔ چنانچہ سنہ ۵۱ھ میں قسطنطنیہ کا معرکہ پیش آیا۔ اس لشکر میں سیدنا حسین رضی اللہ عنہ بھی شریک ہوئے جب کہ اس لشکر کا امیر یزید بن سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ تھا۔ (ملاحظہ ہو البدایہ والنہایہ: ۸/۱۵۱، تاریخ الاسلام ذہبی جلد ۱۱) اس جنگ میں سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بھی شریک تھے۔ (عمدۃ القاری: ۱۹۹، فتح الباری: ۶/۷۸ وغیرہ)

سیدنا حسین رضی اللہ عنہ اور دوسرے ہاشمی حضرات کا ان غزوات میں شریک ہونا اس بات کا قوی قرینہ ہے کہ زہر خورانی کا جو الزام اور افترا سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کیا جاتا وہ قطعاً غلط ہے اور اس کی کوئی حقیقت نہیں۔

پھر مؤرخین نے یہ بھی لکھا ہے کہ:

''سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد سیدنا حسین رضی اللہ عنہ معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس ہر سال تشریف لے جاتے۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ ان کی عزت و تکریم کرتے اور انھیں عطیات اور ہدیے دیتے۔'' (البدایہ والنہایہ: ۸/۱۵۱)

قبیلے کے اکابر اور اعزا و اقرباء کو جن لوگوں نے قتل کیا یا انھیں زہر دے کر مارا ہو ان لوگوں کے ہمراہ اور ان کی ماتحتی میں جنگوں میں شرکت نہیں کی جا سکتی۔ یہ بات عزت نفس اور قبائلی حمیت کے خلاف ہے۔

علامہ جلال الدین سیوطی نے زہر دینے کا الزام یزید بن سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے سر تھوپا ہے۔ چنانچہ لکھا ہے کہ:

''سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی وفات مدینہ منورہ میں زہر دینے کی وجہ سے ہوئی۔ ان کو ان کی بیوی جعدہ بنت الاشعث بن قیس نے یزید بن معاویہ کے اشارے پر زہر دیا تھا۔ (تاریخ الخلفاء: ۱۹۱)

ابوالفدا نے یزید اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ دونوں کا نام لے کر معاملے کو اور زیادہ اشتباہ میں ڈال دیا ہے۔ چنانچہ انھوں نے لکھا ہے:

''اور سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی وفات زہر سے ہوئی جو ان کی اہلیہ جعدہ بنت اشعث نے انھیں دیا تھا۔ کہا گیا ہے (قیل) کہ اس نے زہر معاویہ رضی اللہ عنہ کے اشارے سے دیا تھا۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ کے حکم سے دیا تھا۔''

علامہ ابن جوزی نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی وفات کا ذکر کرتے ہوئے کسی زہر وغیرہ کا ذکر نہیں کیا بلکہ مرض (بیماری) کا لفظ استعمال کیا ہے۔ چنانچہ لکھا ہے:

مرض الحسنؓ بن علی اربعین یوماً۔

''سیدنا حسن رضی اللہ عنہ چالیس روز بیماری میں مبتلا رہے۔'' (صفۃ الصفوۃ: ۱/۳۲۰، تاریخ الخمیس: ۲/۳۲۶)

الدمیری نے بیماری کی مدت دو ماہ لکھی ہے۔ (حیاۃ الحیوان: ۱/۶۶)

متذکرہ بالا اقتباسات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ زہر خورانی کی نسبت سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف درست

Marfat.com

اور صحیح نہیں، کیوں کہ اگر صحیح ہوتی تو اس بارے میں کسی شخص کا نام لیا جاتا کہ فلاں شخص نے کہا یا فلاں نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ سے سنا کہ مجھے فلاں آدمی نے زہر دیا ہے۔ ''قیل'' اور ''ذکر'' جیسے کمزور الفاظ سے اس کو بیان کرنا اس واقعہ کے غلط ہونے کی بین دلیل ہے بلکہ ابن خلدون جیسے ثقہ اور نقاد مورخ نے تو صاف لفظوں میں لکھ دیا ہے کہ زہر خورانی کا واقعہ شیعہ حضرات کا گھڑا ہوا ہے۔ (ملاحظہ ہو ابن خلدون: ۲/۱۱۳۹)

علامہ ذہبی اپنی تاریخ میں زہر خورانی کی روایت نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

قلت هذا شئی لا یصح فمن الذی اطلع علیه۔ (تاریخ الاسلام ذہبی: ۲/۲۱۹)

میں کہتا ہوں کہ یہ بات صحیح نہیں ہے۔ اور کون شخص اس پر مطلع ہوا (کیونکہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے تو نام بتایا ہی نہیں)۔

موجودہ صدی کے نامور مورخ احمد شلبی زہر خورانی کی روایت کو نقل کر کے لکھتے ہیں:

ولکن ذالك الاتهام لم یثبت۔ (التاریخ الاسلامی والحضارۃ الاسلامیہ: ۲/۳۳)

''لیکن یہ (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر) ایک اتہام ہے جو ثابت نہیں ہے۔''

حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس بارے میں لکھا ہے:

''بعض حضرات نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے زہر دیئے جانے کو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کیا ہے۔ یہ چیز دلائل شرعیہ سے ہرگز ثابت نہیں ہے اور نہ کسی معتبر اقرار سے اور نہ ہی کسی نقل یقینی سے یہ بات ثابت ہے، لہٰذا اس بات پر یقین کرنا ممکن نہیں ہے اور اس کو تسلیم کر لینا گویا کسی بات کو بلا دلیل تسلیم کرنے کے مترادف ہے اور یہ درست نہیں ہے۔ (منہاج السنہ: ۲/۲۲۵)

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس دعویٰ کا ان الفاظ میں انکار کیا ہے:

''(یعنی یزید کا سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی زوجہ کو زہر خورانی کے لیے کہنا) میرے نزدیک تو یہ بھی درست نہیں ہے اور یزید کے والد محترم سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں گمان کرنا کہ انھوں نے زہر دلوایا تھا یہ بات طریق اولیٰ درست نہیں ہیں۔ (البدایہ والنہایہ: ۸/۴۳)

اس سلسلے میں یہ بات بھی ذہن میں رکھنی ضروری ہے جسے ابوحنیفہ الدینوری (شیعہ) نے اپنی کتاب میں نقل کیا ہے۔ الدینوری کے اس اقتباس سے بھی صاف پتہ چلتا ہے کہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی زہر خورانی میں (اگر ان کی وفات زہر خورانی سے ہوئی ہے) سیدنا معاویہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی ہاتھ نہیں کیونکہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ سے جو معاہدہ کیا تھا وہ اس پر اپنی پوری زندگی کاربند رہے اور اس کی کسی شق سے آپ نے کبھی بھی انکار نہیں کیا۔ چنانچہ الدینوری نے لکھا ہے:

''سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ دونوں حضرات نے اپنی ذات کے بارے میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی زندگی میں ان سے کوئی بری بات اور کوئی ناپسندیدہ چیز نہیں دیکھی۔ جو شرائط معاہدہ میں سیدنا

Marfat.com

معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کے ساتھ طے کی تھیں آپ نے ان کو اپنی وفات تک ایفا کیا اور ان میں کوئی تغیر و تبدل نہیں کیا اور نہ ہی کسی شرط سے کبھی انکار کیا۔'' (الاخبار الطوال: ۲۲۵، مصر)

ان دلائل قاطعہ سے واضح ہوتا ہے کہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو زہر نہیں دیا گیا تھا اور اگر بالفرض دیا گیا تھا تو اس میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے بیٹے یزید کا کوئی ہاتھ نہیں تھا بلکہ یہ روایت سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو بدنام کرنے کے لیے وضع کی گئی ہے۔ چنانچہ کچھ مؤرخین نے اس روایت کو اپنی کتابوں میں بڑے اہم طریقے سے بیان کیا ہے اور اس پر خوب حاشیے چڑھائے ہیں۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو بحار الانوار: ملا باقر مجلسی: ۱۰/۱۷۳، ابی الحدید: ۴/۱۷، تاریخ طاہر مقدسی: ۶/۵، الامامۃ والسیاسۃ: ۱/۱۷۵، روضۃ الاصفیا: ۳/۷، اعیان الشیعہ: ۴/۷۰، سیرۃ علویہ محمد علی حیدر: ۱/۳۹۶ وغیرھم)

جنازہ:

سیدنا حسن رضی اللہ عنہ عام روایات کے مطابق چالیس روز بیمار رہے۔ بیماری کے ایام آپ نے نہایت صبر و تحمل سے گزارے اور ۵ ربیع الاول سنہ ۴۹ ھ یا ۵۰ ھ، مطابق فروری ۶۶۹ء کو آپ نے انتقال فرمایا۔ جنازہ جب جنازہ گاہ میں لایا گیا تو سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے گورنر مدینہ سیدنا سعید بن العاص الاموی رضی اللہ عنہ کو فرمایا کہ آپ جنازہ پڑھائیں کیونکہ قاعدہ شرعی یہ ہے کہ امیر وقت نماز جنازہ پڑھانے کا زیادہ حق دار ہے۔

(سیر اعلام النبلاء: ۳/۲۷۶۔۲۷۷، ابن ابی الحدید: ۴/۳۵، مختصر تاریخ ابن عساکر: ۷/۴۵)

وفات کے وقت آپ کی عمر ۴۷ سال تھی۔ خلافت سے دست برداری کے بعد قریباً نو سال مدینہ منورہ میں گزارے۔

آپ کی وفات پر ہر آنکھ نہ صرف نمناک بلکہ اشک بار تھی۔ پورے مدینہ میں صف ماتم بچھی ہوئی تھی۔ بازار بند اور گلیاں سنسان تھیں۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ مسجد نبویؐ کے صحن میں بآواز بلند کہہ رہے تھے: ''اے لوگو! آج رسول اللہ ﷺ کا محبوب اس دنیا سے اٹھ گیا ہے، لہٰذا خوب رولو۔'' (مات الیوم حب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فابکوا)۔ (سیر اعلام النبلاء: ۳/۲۷۷، البدایہ والنہایہ: ۸/۴۴، تہذیب التہذیب: ۲/۳۰۱)

جنازے میں اس قدر ہجوم تھا کہ تل دھرنے کو جگہ نہ تھی۔ (ولو طرحت ابرۃ ما وقعت الاعلی الانسان) یعنی اگر سوئی بھی پھینکی جاتی تو وہ بجائے زمین پر گرنے کے انسانوں پر گرتی۔ نماز جنازہ گورنر مدینہ سیدنا سعید بن العاص الاموی رضی اللہ عنہ نے پڑھائی اور جنت البقیع میں اپنی والدہ (اور ایک روایت کے مطابق اپنی دادی فاطمہ بنت اسد) کے پہلو میں دفن کر دیئے گئے۔ (البدایہ والنہایہ: ۸/۴۴)

یہاں یہ بات خاص طور پر ذہن میں رہے کہ آپ کی نماز جنازہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے نہیں پڑھائی بلکہ سیدنا سعید بن العاص الاموی رضی اللہ عنہ نے پڑھائی جو اس وقت سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے مدینہ کے گورنر تھے۔

(ابن ابی الحدید: ۴/۲۵، الاستیعاب: ۱/۳۷۳، سنن کبریٰ بیہقی: ۴/۲۹، مصنف عبدالرزاق: ۳/۴۷۲)

Marfat.com

اس روایت سے بھی اس بات کا پتہ چلا کہ بنو ہاشم کے تعلقات سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے نہایت اچھے تھے، تبھی تو ایک اموی گورنر کو سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ پڑھانے کے لیے کہا گیا۔

آپ کی وفات سے اگرچہ ہر شخص کو صدمہ تھا لیکن جس قدر صدمہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو تھا اتنا شاید ہی کسی اور کو ہو، کیونکہ وہ دیکھ رہے تھے کہ فتنے مختلف دروازوں سے جھانک رہے ہیں۔ سبائیوں کی کارروائیاں برابر جاری ہیں لیکن اب وہ زیر زمین ہیں۔ صرف سیدنا حسن رضی اللہ عنہ ہی کی وجہ سے فتنے اٹھنے کا امکان نہیں۔ اگر سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اٹھ گئے تو فتنے ضرور اٹھ کھڑے ہوں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

جب سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا اس وقت سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ دمشق میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس مقیم تھے۔ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی وفات کا سن کر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے تعزیت کی۔ پھر آپ کے بیٹے یزید نے تعزیت کی۔ تعزیت کے الفاظ اتنے فصیح و بلیغ تھے کہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ نے یزید کی لیاقت پر اظہار تعجب بھی کیا اور شکریہ بھی ادا کیا۔ (البدایہ والنہایہ: ۸/۳۱۱)

ایک غلط روایت:

یہاں پر ایک غلط روایت کا تذکرہ نہایت ضروری ہے اور وہ یہ کہ آپ کو اپنے نانا کے پہلو میں دفن ہونے کی بڑی تمنا تھی۔ آپ نے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے وہاں دفن ہونے کی اجازت مانگی جو کہ انھوں نے دے دی لیکن مروان بن الحکم نے انھیں وہاں دفن نہ ہونے دیا۔

یہ روایت یا اس قسم کی دوسری روایات جن لوگوں نے بھی نقل کی ہیں وہ سراسر غلط اور کذب ہیں۔ نہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے وہاں دفن ہونے کی خواہش کا اظہار فرمایا اور نہ بقول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ وہاں دفن ہو سکتے تھے کیونکہ وہ حجرہ جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دفن ہیں، اگرچہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی ملکیت ہے لیکن خود انھوں نے بھی جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آپ کے پہلو میں دفن ہونے کی خواہش کا اظہار کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''میرے پاس کسی اور کے دفن ہونے کی گنجائش ہی کہاں؟ کیوں کہ یہاں تو صرف میری قبر اور ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ کی قبور اور عیسیٰ بن مریم کی قبر کے سوا اور کسی کی قبر کی جگہ ہی نہیں۔''

بعض لوگوں کے دلوں میں مروان بن الحکم کے بارے میں بغض و عناد ہے۔ لہٰذا وہ اس کام میں انھیں ملوث کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں دفن ہونے کی خواہش کا اظہار ہی نہیں کیا تھا بلکہ ان کی وصیت وہ تھی جس کو ملا باقر مجلسی نے اپنی کتاب میں نقل کیا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

''کلینی نے بہ سند معتبر امام محمد باقر رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کی ہے کہ جب وقت احتضار امام حسن رضی اللہ عنہ ہوا تو امام حسین رحمۃ اللہ علیہ کو بلایا اور کہا کہ اے برادر گرامی میں تم کو چند وصیتیں کرتا ہوں۔ تم میری وصیتوں کی حفاظت کرنا۔ جب میں دنیا سے رحلت کروں، مجھے غسل دینا اور میرے نانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے جانا تا کہ ان کی زیارت

Marfat.com

کروں اور اپنا عہد ان سے تازہ کروں اور اس کے بعد مجھ کو میری مادر فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس لے جانا۔ بعد ازاں مجھے قبرستان بقیع میں لے جا کر دفن کرنا۔" (جلاء العیون اردو: ۱/۳۷۰)

یہ تھی وہ وصیت جس کو بعض لوگوں نے اپنے خبث باطن کا مظاہرہ کرنے کے لیے کیا رنگ دیا ہے اور لکھا کہ مروان بن الحکم نے انھیں وہاں دفن نہ ہونے دیا۔ چنانچہ روایت بنائی گئی کہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی خواہش تھی کہ روضہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں دفن ہونے کی سعادت حاصل ہو جائے۔ سیدہ عائشہ صدیقہ سلام اللہ علیہا سے اس کی اجازت بھی لے لی تھی لیکن بقول بعض مؤرخین مروان اور دیگر بنو امیہ اس میں حائل ہوئے اور خطرہ پیدا ہو گیا کہ کوئی فتنہ نہ کھڑا ہو جائے۔ چنانچہ اس موقع پر سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو سمجھایا کہ آپ کے بھائی نے اس بات کی وصیت کی تھی کہ اگر روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں دفن ہونے کے معاملے میں کوئی فتنہ کھڑا ہونے کا خطرہ پیدا ہو جائے تو مجھے بقیع میں میری جدہ (دادی اماں) کے پہلو میں دفن کر دیں۔ لیکن ایسی تمام روایات درست نہیں ہیں کیونکہ روضہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں صرف ایک ہی قبر کی جگہ ہے اور وہاں سیدنا عیسیٰ علیہ السلام دفن ہوں گے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ارشاد فرمایا ہے۔

Marfat.com

فضل وکمال

سیدنا حسن رضی اللہ عنہ ایک ایسے شخص کے فرزند ارجمند تھے جس کو اللہ تعالیٰ نے علم وعمل کی تمام خوبیوں سے نوازا ہوا تھا۔ آپ نے بھی چونکہ اسی ماحول بلکہ اسی آغوش میں تعلیم وتربیت حاصل کی تھی۔ لہٰذا یہ بھی علم وعمل کے مجمع البحرین تھے۔ اس وجہ سے اپنے اسلاف کی علمی وراثت کے حقیقی امین اور وارث تھے۔

حدیث میں آپ کی مرویات کی تعداد کل تیرہ ہے جن میں سے اکثر سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہیں۔ آپ کے زمرۂ رواۃ میں سیدہ عائشہ صدیقہ سلام اللہ علیہا کا نام بھی ہے۔

چنانچہ حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرنے والوں میں سیدنا حسن رضی اللہ عنہ بن سیدنا علی رضی اللہ عنہ بھی ہیں۔ اور حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست بھی احادیث نقل کی ہیں۔ (ملاحظہ ہو سیر اعلام النبلاء:/۹۸، تہذیب التہذیب:۲/۲۹۵)

اس سلسلے میں آپ کی ایک روایت دعائے قنوت کے بارے میں ہے۔ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے قنوت وتر کے کلمات سکھائے جنھیں میں قنوت وتر میں پڑھتا ہوں۔ وہ کلمات یہ ہیں:

اللهم اهدنی فیمن هدیت، وعافنی فیمن عافیت، وتولنی فیمن تولیت، و بارك لی فیما اعطیت، وقنی شرما قضیت، فانك تقضی لایقضی علیك، انه لایذل من والیت، ولایعز من عادیت، تبارکت ربنا وتعالیت، نستغفرك ونتوب الیك و صلی الله علی النبی۔

''یعنی اے اللہ تو مجھے ہدایت دے ان لوگوں میں جن کو تو نے ہدایت دی اور مجھ کو عافیت دے ان لوگوں میں جن کو تو نے عافیت دی ہے اور مجھے دوست بنالے ان لوگوں میں جن کو تو نے دوست بنالیا ہے اور برکت دے مجھے اس شئے میں جو تو نے مجھے دی اور مجھے اس برائی سے بچالے جو تو نے مقدر کر رکھی ہے کیوں کہ تو ہی حکم کرتا ہے اور تیرے اوپر حکم نہیں کیا جاسکتا۔ تیرا دوست ذلیل نہیں ہوتا اور تیرا دشمن عزیز نہیں ہوسکتا۔ اے ہمارے رب تو برکت والا اور بلند تر ہے، تجھ سے بخشش مانگتے ہیں اور تیری طرف رجوع کرتے ہیں اور درود ہو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر۔''

Marfat.com

(ابو داؤد رقم:۱۴۲۵۔۱۴۲۶، ترمذی رقم:۴۶۴، نسائی:۳/۲۴۸، مسند دارمی: ۱/۳۷۳۔۳۷۴، المصنف لابن ابی شیبہ:۲/۹۵،۶/۸۸، المصنف لعبد الرزاق:۳/۱۱۸، ابن خزیمہ رقم:۱۰۹۵، مسند ابی یعلیٰ رقم:۶۷۶۵۔۶۷۸۶، مستدرک حاکم:۳/۱۷۲، سنن کبریٰ بیہقی:۲/۲۰۹،۴۹۸، حلیۃ الاولیا:۳۲۱، مسند امام احمد بن حنبل:۱/۱۹۷)

اسی سلسلے میں ایک اور روایت جس کو امام ابراہیم نخعی کی روایت کہا جاتا ہے، یہ ہے:

اللهم انا نستعينك ونستغفرك ونؤمن بك ، ونتوكل عليك ونثنى عليك الخير ، ونشكرك ولانكفرك ، ونخلع ونترك من يفجرك ، اللهم اياك نعبد ولك نصلى و نسجد ، واليك نسعىٰ ونحفد ، ونرجوارحمتك ونخشى عذابك ، ان عذابك بالكفار ملحق۔

''اے اللہ! ہم تجھ سے مدد چاہتے ہیں اور تجھ سے مغفرت کے خواستگار ہیں۔ اور ہم تجھ پر ایمان رکھتے ہیں اور تجھ پر توکل اور بھروسہ رکھتے ہیں اور تیری اچھی تعریفیں کرتے ہیں اور ہم تیرا شکر ادا کرتے ہیں اور تیری ناشکری نہیں کرتے، اور ہم الگ ہوتے ہیں اور چھوڑتے ہیں اس شخص کو جو تیری نافرمانی کرتا ہے۔ اے اللہ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تیرے ہی لیے سجدہ کرتے ہیں اور تیری ہی طرف ہم دوڑتے ہیں اور تیری ہی عبادت میں مستعد ہوجاتے ہیں اور تیری رحمت کی ہم امید رکھتے ہیں اور تیرے عذاب سے ڈرتے ہیں۔ بے شک تیرا عذاب کافروں پر نازل ہونے والا ہے۔''

یہ دعا حدیث کی مختلف کتابوں میں مروی ہے۔ خالد بن ابی عمران کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قنوت سیدنا جبرئیل علیہ السلام نے رسول اللہ ﷺ کو سکھائی تھی۔ (کتاب الاعتبار فی بیان الناسخ والمنسوخ من الآثار:۸۹۔۹۰، حازمی) نیز سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ، سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے بارے میں مروی ہے وہ یہی قنوت پڑھا کرتے تھے۔

(ملاحظہ فرمائیں المصنف لابن ابی شیبہ:۲/۳۱۴۔۳۱۵، المصنف لعبد الرزاق:۳/۱۱۱، سنن کبریٰ بیہقی:۲/۲۱۰۔۲۱۱، طحاوی:۱/۲۴۹)

دعائے قنوت کی اس روایت کے علاوہ اور بھی کئی احادیث آپ سے مروی ہیں جس میں ایک آیت الکرسی کی فضیلت کے بارے میں بھی ہی سیدنا حسن بن سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

من قرأ آية الكرسى فى دبر الصلوٰة المكتوبة كان فى ذمة الله الى الصلوٰة الاخرىٰ۔

''جو شخص فرض نماز کے بعد آیت الکرسی پڑھے تو وہ دوسری نماز کے آنے تک اللہ تعالیٰ کی حفاظت اور ذمہ داری میں آجاتا ہے۔'' (مجمع الزوائد:۲/۱۴۸)

فرض نمازوں کے بعد آیت الکرسی کا پڑھنا دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہے، لیکن حسن بن

Marfat.com

علی رضی اللہ عنہ اس حدیث کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔

یہ تو حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معاملہ ہے۔فقہ میں بھی آپ کو اچھا خاصا درک حاصل تھا۔ چنانچہ حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے تیسرے درجے میں قلیل الفتاویٰ حضرات کے ذکر میں ابوالدرداء رضی اللہ عنہ، سیدنا نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ، سیدنا ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ اور سیدنا سعد بن زید رضی اللہ عنہ کے علاوہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ دونوں بھائیوں کو بھی اسی طبقے میں شمار کیا ہے۔(ملاحظہ ہو اعلام الموقعین :۱/۵)

خطابت:

خطابت میں آپ کو کوئی امتیازی کمال حاصل نہ تھا لیکن آپ کے خطبات میں سنجیدگی، متانت اور پند و موعظت پائی جاتی تھی۔ بعض حضرات کے نزدیک ان کا فن خطابت میں بڑا مقام تھا۔امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کا ایک خطبہ نقل کیا ہے جو پند و موعظت سے پر ہے۔فرماتے ہیں کہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ بن سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے کوفہ میں ایک خطبہ دیا جس میں فرمایا:

ان الحلم زينة، والوقار مروة، والعجلة سفه، والسفه ضعف، مجالسة اهل الدنائة شين، و مخالطة الفساق ريبة۔(سیر اعلام النبلاء:۳/۲۶۳، تہذیب ابن عساکر:۴/۲۲۲)

"علم انسان کے لیے باعث زینت ہے، وقار میں انسانیت جھلکتی ہے، جلد بازی سفاہت اور خفت عقل کی علامت ہے، سفاہت اور کم عقلی ایک کمزوری ہے، کمینے لوگوں کی صحبت کی ایک عیب ہے اور فساق سے مل بیٹھنا باعث تہمت ہے۔"

اس کے علاوہ آپ کے اور خطبات سے بھی متانت، سنجیدگی اور پند و موعظت کے جذبات ٹپکتے ہیں۔

حلم و بردباری:

آپ کی شخصیت کا ایک اہم وصف حلم و بردباری تھا۔اسی وجہ سے آپ کے منہ سے کبھی کوئی درشت کلمہ کسی کے بارے میں نہیں نکلا۔انتہائی غصے کی حالت میں کبھی کسی کو سب و شتم نہیں کیا۔زیادہ سے زیادہ انتہائی غصے کی حالت میں کسی کے بارے میں کوئی کلمہ استعمال فرماتے تو وہ تھا رغم انفه یعنی اس کی ناک خاک آلود ہو۔

جیسا کہ بتایا گیا ہے کہ خلافت سے دست برداری کے بعد آپ کے لشکریوں نے آپ کے بارے میں طعن و تشنیع کا کوئی لفظ ایسا نہ تھا جو استعمال نہ کیا ہو۔کسی نے "مذل المومنين" (مومنوں کو ذلیل و رسوا کرنے والے) اور کسی نے "مسود وجوه المومنين" (مومنوں کے چہروں کو کالا کرنے والے) وغیرہ کے الفاظ استعمال کیے لیکن حلم و بردباری کے اس پیکر مجسم نے صرف یہی جواب دیا کہ میں مسلمانوں کی باہمی جنگوں کو پسند نہیں کرتا۔اس سے زیادہ آپ نے ان لوگوں کو اور کوئی جواب نہیں دیا۔آپ کے مزاج میں اللہ تعالیٰ نے درشتی کا مادہ ہی شاید نہیں

Marfat.com

رکھا تھا۔ جب بھی کوئی شخص آپ سے درشتی سے بات کرتا تو آپ اس کے جواب میں نرم گوئی سے بات کرتے۔ یہ بردباری اور حلم آپ کی ذات میں فطرتاً تھا۔

یہی صفت اللہ تعالیٰ نے وافر مقدار میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ میں بھی رکھی تھی۔ شاید اس وجہ سے ان دونوں حضرات میں خلافت کے بارے میں مصالحت ہوگئی۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں ایک روایت یہ بھی ہے کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

معاوية احلم امتی واجودها۔

''معاویہ رضی اللہ عنہ میری امت میں سب سے زیادہ صاحب حلم، بردبار اور جود وسخا کے حامل ہیں۔''

(حماۃ السلام:۱۶۵)

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے بارے میں لکھا ہے:

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نہایت عمدہ سیرت کے حامل بہترین بردبار اور درگزر کرنے والے اور لوگوں کی خطاؤں اور عیوب پر پردہ پوشی کرنے والے تھے۔

آپ ہر معاملہ کو پہلے نرمی اور بردباری سے سلجھانے کی کوشش کرتے اور اس وقت تک سختی نہ کرتے جب تک آپ سختی کے لیے مجبور نہ ہو جاتے۔ چنانچہ خود فرماتے ہیں:

''جہاں میرے کوڑے سے کام نکلتا ہے وہاں میں تلوار کام میں نہیں لاتا اور جہاں میری زبان کام دیتی ہے وہاں میں کوڑا کام میں نہیں لاتا۔ اگر میرے اور لوگوں کے درمیان بال برابر بھی رشتہ قائم ہو تو میں اس کو نہیں توڑتا۔''

جب پوچھا گیا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے تو فرمایا:

''جب لوگ اس کو کھینچتے ہیں تو میں ڈھیل دے دیتا ہوں، اور جب وہ ڈھیل دیتے ہیں تو میں کھینچ لیتا ہوں۔'' (الاسلام والحضارۃ العربیۃ:۲/۱۴۷، یعقوبی:۲/۲۸۳)

یہ حلم و بردباری جو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ میں تھی یہی سیدنا حسن رضی اللہ عنہ میں بھی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی اور آپ ہر وقت درشتی کا جواب نرمی سے دیتے تھے۔ لوگ انھیں حلم و بردباری کا پہاڑ کہا کرتے تھے۔

(ابن عساکر:۴/۲۱۶)

بعض روایات میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمرو بن عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے مابین کسی زمین کے بارے میں کچھ تنازع پیدا ہو گیا۔ اس تنازع کو رفع کرنے کے لیے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے ایک تجویز پیش کی جس کو سیدنا عمرو بن عثمان رضی اللہ عنہ نے قبول نہ کیا۔ اس پر سیدنا حسن رضی اللہ عنہ ناراض بھی ہوئے اور انھیں غصہ بھی آیا، لیکن سیدنا عمرو بن عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں نہ تو کوئی درشت کلمہ کہا اور نہ ہی کوئی نازیبا لفظ زبان سے نکالا، صرف ناراضگی میں سیدنا عمرو بن عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں اتنا کہا ''رغم انفہ'' اس کی ناک خاک آلود ہو۔ راوی کہتا

Marfat.com

ہے کہ یہ سب سے درشت اور سخت کلمہ تھا جو میں نے ان کی زبان سے سنا۔اس سے زیادہ سخت کلمہ میں نے کبھی بھی ان سے نہیں سنا۔(البدایہ والنہایہ:۸/۳۹،تاریخ یعقوبی:۲/۲۳۷)

استغنا:

خاندان نبوت کا فرد ہونے کے ناطے طبیعت میں نہایت استغنا اور بے نیازی تھی۔ بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ آپ کے فضائل اخلاق میں استغنا اور بے نیازی سرفہرست ہے تو بے جا نہ ہوگا۔آپ نے نہ تو کبھی دولت کی ہی پروا کی اور نہ کسی منصب وعہدہ کی ہی۔ باوجود اس بات کے کہ آپ کے ساتھ بے شمار لوگ ایسے تھے جو اپنی جان اور اپنا مال آپ پر قربان کرنے کے لیے تیار تھے لیکن آپ نے پھر بھی خلافت جیسے جلیل القدر منصب سے دست بردار ہو کر مدینہ طیبہ میں خلوت وعزلت کی زندگی یاد الٰہی میں گزارنے کو ترجیح دی۔اس سے زیادہ استغنا کا اور کیا نمونہ اور مثال ہو سکتی ہے۔لوگوں نے آپ کو سرزنش بھی کی اور طعن وتشنیع کے الفاظ بھی استعمال کیے لیکن آپ نے ان باتوں کی ذرہ برابر پروانہ کی اور خلافت سے دست برداری کا اعلان کر دیا۔

سخاوت وفیاضی:

سخاوت وفیاضی بھی آپ کی کتاب زندگی کا ایک اہم باب تھا۔انفاق فی سبیل اللہ تو آپ کا خاندانی وصف تھا۔آپ بھی اپنے نانا اور باپ کی طرح اپنی دولت راہ خدا میں پانی کی طرح بہاتے۔عمر میں تین مرتبہ اپنا آدھا مال راہِ خدا میں فقراء ومساکین میں تقسیم کر دیا اور اس میں اتنا مبالغہ کیا کہ اپنے دو جوتوں میں سے ایک جوتا بھی راہ خدا میں دے دیا۔سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے شرائط صلح میں کوفہ کے بیت المال کا کل روپیہ اور دارابجرد کا کل خراج صرف اسی لیے مانگا تھا تا کہ اس مال سے حاجت مندوں کی حاجت روائی کی جا سکے اور سالانہ جو کچھ بھی آپ کو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے ملتا تھا وہ سارے کا سارا راہ خدا میں صرف ہو جاتا تھا بلکہ اس کو صرف کرنے کے بعد آپ اکثر مقروض بھی ہو جاتے۔

ابن عساکر نے اس بارے میں ایک واقعہ لکھا ہے کہ ابو ہارون کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم حج کے ارادے سے گئے۔جب مدینہ طیبہ پہنچے تو خیال آیا کہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضری دی جائے۔چنانچہ ہم آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنے حج کے بارے میں ذکر کیا۔جب ہم آپ کی مجلس سے فارغ ہو کر واپس آئے تو سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کے ہاتھ ہمارے ہر فرد کو چار چار سو درہم بھیجے۔ہم نے اس درہم لانے والے سے کہا کہ ہمیں اس مال کی ضرورت نہیں۔ ہم تو ویسے ہی ان کی زیارت کے لیے حاضر ہوئے تھے۔اس شخص نے کہا: آپ حضرات سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے نیک عمل کو واپس نہ کریں۔اب ہم سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پھر حاضر ہوئے اور عرض کی ہماری مالی حالت اچھی ہے۔ہمیں مال کی کوئی حاجت نہیں،لہٰذا آپ یہ رقم واپس لے لیں۔

Marfat.com

سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا: آپ حضرات میرے عمل خیر کو واپس نہ کریں۔ اگر میں اس سے زیادہ دیتا تب بھی وہ تمھارے لیے قلیل اور تھوڑا ہوتا۔ میں نے یہ صرف آپ کے زادِراہ کے لیے دیا ہے۔

(سیر اعلام النبلاء:۳/۲۶۱، تہذیب ابن عساکر:۴/۲۱۸)

آپ کے نہ صرف دوست بلکہ دشمن بھی آپ کی اس سخاوت اور فیاضی سے یکساں بہرہ مند ہوتے۔ چنانچہ ایک دفعہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ایک دشمن کے پاس زادراہ اور سواری نہیں تھی، اس نے اہل مدینہ سے اس بارے میں سوال کیا۔ لوگوں نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کا پتہ دیا کہ ان کے پاس جاؤ۔ وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کو اپنی حاجت بتائی۔ آپ نے اس کو زادراہ اور سواری دونوں مہیا کر دیئے۔ بعض لوگوں نے اعتراض کیا کہ آپ نے اپنے اور اپنے والد سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے دشمن کے ساتھ ایسا سلوک کیوں کیا؟ اس پر آپ نے فرمایا: ''کیا میں ان سے اپنی آبرو نہ بچاؤں۔''

حاجت مندوں کو کبھی خالی ہاتھ واپس نہیں لوٹاتے تھے بلکہ ان کی حاجت کے پورا کرنے کو نفل عبادت پر ترجیح دیتے تھے اور حقیقت میں یہی عین اسلام ہے۔ چنانچہ ایک مرتبہ آپ اعتکاف میں تھے کہ ایک حاجت مند آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنی حاجت کا اظہار کیا۔ آپ نے اعتکاف سے نکل کر اس کی حاجت پوری کر دی اور فرمایا:

''میرے نزدیک کسی بھائی کی حاجت پوری کرنا ایک ماہ کے اعتکاف سے بہتر ہے۔'' (ابن عساکر:۴/۲۱۴)

اس سلسلے میں المصنف لابن ابی شیبہ میں ایک روایت ہے کہ ایک دفعہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اپنے خطبہ میں فرمایا: ''تمھارے بھائی سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے مال جمع کیا ہے اور ان کا ارادہ ہے کہ وہ یہ مال تمھارے درمیان تقسیم کریں۔ لوگ یہ سن کر اکٹھے ہو گئے کہ یہ اعلان عام ہے، اس میں امیر و غریب کی کوئی تمیز نہیں۔ اتنے میں سیدنا حسن رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور لوگوں میں کھڑے ہو کر فرمایا کہ میں نے تم لوگوں میں سے صرف فقراء و مساکین کے لیے مال اکٹھا کیا ہے۔ یہ سننا تھا کہ صرف نصف آدمی مال حاصل کرنے کے لیے کھڑے ہوئے، کیوں کہ یہی فقراء اور مساکین تھے اور دوسرے نصف مساکین اور فقراء نہیں تھے اور مال وصول کرنے والوں میں سب سے پہلا شخص اشعث بن قیس تھا۔ (سیر اعلام النبلاء:۳/۲۶۰)

اس واقعے سے بھی پتہ چلتا ہے کہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ جود و سخا میں ایک اعلیٰ مقام کے حامل تھے اور فقراء اور غرباء سے اکثر شفقت و محبت سے پیش آتے۔ حاجت مندوں کی حاجت روائی کرتے اور غرباء میں مال اکثر تقسیم کیا کرتے تھے۔

کتابوں میں منقول ہے کہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے تین مرتبہ اپنا سارا مال و متاع اللہ تعالیٰ کے راستے میں صدقہ و خیرات کر دیا حتیٰ کہ اپنے موزے تک صدقہ میں دے دیئے۔ (سیر اعلام النبلاء:۳)

اسی طرح ایک مرتبہ ایک شخص اپنی ضرورت اور حاجت کے لیے دس ہزار درہم کا اللہ تعالیٰ سے سوال

Marfat.com

کررہا تھا۔ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے جب یہ سنا تو فوراً گھر تشریف لے گئے اور وہاں سے اس شخص کے لیے دس ہزار درہم بھیج دیئے تا کہ اس کی ضرورت پوری ہو جائے۔ (سیر اعلام النبلاء:۳/ البدایہ والنہایہ:۸/ ۳۷)

سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی فیاضی اور غریب پروری کے کئی واقعات تاریخ کے اوراق میں بکھرے پڑے ہیں اور آپ کی پوری زندگی اس بات کی بین دلیل ہے کہ آپ نے ہر دوست اور دشمن اور امیر و غریب کے ساتھ ہر قسم کا تعاون فرمایا، خواہ وہ تعاون مالی ہو یا غیر مالی۔

بعض روایات میں ہے کہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ اپنے والد ماجد سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے انتقال کے بعد ان کی طرف سے صدقہ وخیرات کرتے۔ (المصنف لابن ابی شیبہ:۳/ ۳۸۸)

سیدنا زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ بیت اللہ کا طواف کر رہے تھے کہ ایک شخص نے عرض کیا: ''ابو محمد رضی اللہ عنہ! میرے ایک کام کے لیے فلاں شخص کے پاس چلیں۔'' آپ اسی وقت طواف چھوڑ کر اس شخص کے کام کرنے کے لیے اس کے ساتھ چل دیئے۔ کسی شخص نے آپ کے اس عمل پر اعتراض کیا کہ آپ طواف ترک کر کے اس شخص کے کام کے لیے تشریف لے گئے۔ آپ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جو شخص کسی مسلمان کی حاجت روائی کے لیے جائے اور اس کی حاجت پوری ہو جائے تو اس کے لیے حج اور عمرہ کا ثواب ہے۔ اور اگر اس کی حاجت پوری نہ ہو تو بھی اس کو ایک عمرہ کا ثواب ملتا ہے۔ فرمایا: میں نے حج اور عمرہ دونوں کا ثواب حاصل کر لیا اور پھر طواف بیت اللہ کے لیے واپس آ گیا۔ (مختصر ابن عساکر:۷/ ۲۷)

زہد وتقویٰ:

سیدنا حسن رضی اللہ عنہ میں زہد وتقویٰ بھی کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ آپ کی زندگی میں تقویٰ اور پاکیزگی کے بے شمار واقعات ملتے ہیں۔ تقویٰ میں وہ چھوٹی چھوٹی باتوں کا بھی خیال رکھتے بلکہ بعض مرتبہ مبالغہ سے کام لیتے۔ سیدنا امام محمد باقر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سیدنا حسن رحمۃ اللہ علیہ اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ پردے کے احکام کو ملحوظ رکھتے ہوئے امہات المومنین رضی اللہ عنہن پر نظر نہیں کرتے تھے۔ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو جب اس بات کا پتہ چلا تو فرمایا کہ ان دونوں حضرات کے لیے امہات المومنین رضی اللہ عنہن کو دیکھنا شرعی طور پر جائز اور حلال ہے (ان رؤیتھن لھما تحل) (سیر اعلام النبلاء:۳/ ۲۹۵، طبقات ابن سعد:۸/ ۵۰)

البتہ دونوں حضرات سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے گھر میں اکثر آیا کرتے تھے کیوں کہ یہاں ان کی ہمشیرہ سیدہ ام کلثوم بنت علی رضی اللہ عنہ بیاہی ہوئی تھیں اور اس لحاظ سے سیدنا عمر الفاروق رضی اللہ عنہ آپ کے بہنوئی تھے۔ چنانچہ المصنف لابن ابی شیبہ میں ایک روایت ہے جس سے یہ ثابت کرنا مقصود ہے کہ کیا کوئی شخص اپنی بہن یا بیٹی کے بالوں کو دیکھ سکتا ہے۔ اس سلسلے میں ابن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ نے ایک روایت نقل کی ہے کہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ اپنی بہن ام کلثوم رضی اللہ عنہ کے ہاں جایا کرتے تھے۔ اس حالت میں کہ وہ اپنے سر کے بالوں کو کنگھی کر رہی

Marfat.com

ہوتی تھیں۔ (المصنف لابن ابی شیبہ:۴/۳۳۶) اس روایت سے پتہ چلا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے ہاں آپ بے تکلف تشریف لے جایا کرتے تھے۔

بعض روایات میں آتا ہے کہ اس زہد وتقویٰ کی تلقین سیدنا علی رضی اللہ عنہ اکثر آپ کو فرمایا کرتے تھے۔ کیونکہ اہل بیت نبوت کا امتیازی وصف زہد وتقویٰ ہی تو تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو زہد و تقویٰ کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا:

كن فی الدنيا ببدنك ، وفی الآخرة بقلبك۔

''ایسی زندگی گزار کہ تیرا بدن تو دنیا میں ہو جب کہ تیرا دل آخرت میں لگا ہوا ہو۔''

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے الفاظ کو سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے پوری زندگی عملی جامہ پہنایا اور آپ کی زندگی کے شب و روز فکر آخرت میں گزرتے تھے اور دنیا اور اس کے مال ومتاع کو وہ پرکاہ کی حیثیت بھی نہیں دیتے تھے۔

اکابر کی شفقت ومحبت:

سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے تھے اس لیے اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم ان سے بڑی شفقت ومحبت سے پیش آتے۔ چنانچہ عتبہ بن الحارث کہتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ انھوں نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو اٹھایا ہوا ہے اور کہہ رہے ہیں کہ یہ بیٹے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم شکل ہیں، سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے مشابہ نہیں ہیں اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ ہنس رہے تھے۔ (بخاری:۱/۵۳۰، یعقوبی:۲/۱۱۷، سیر اعلام النبلاء:۳/۲۴۹)

اور یہ ہے بھی درست کہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت مشابہت رکھتے تھے جیسا کہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔

(سیر اعلام النبلاء:۳/۲۴۹، المصنف لعبدالرزاق روایت نمبر:۲۰۹۸۴، ترمذی روایت نمبر ۳۷۷۸، طبرانی رقم:۲۵۴۳)

اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے یہ بھی ان دونوں حضرت کی ایک تکریم اور ان پر شفقت کا اظہار تھا کہ مال غنیمت میں کچھ کپڑا آیا تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس میں سے جوڑے دیئے۔ وہ کپڑا شاید کوئی عام سا تھا، اس وجہ سے اس میں سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے مناسب کوئی پوشاک نہ تھی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے یمن کے علاقے میں ایک شخص کو روانہ کر کے حکم بھیجا کہ ان دونوں صاحب زادوں کے مناسب لباس تیار کر کے بھیجا جائے۔ چنانچہ اچھی قسم کا لباس آیا جو ان دونوں صاحب زادوں کو پہنایا گیا۔ جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے وہ لباس انھیں پہنے دیکھا تو فرمایا: "الآن طابت نفسی" اب میری طبیعت خوش ہوئی ہے۔

(سیرۃ عمر بن الخطاب لابن جوزی:۹۷، البدایہ والنہایہ:۷/۱۰۶، مختصر ابن عساکر:۴/۳۲۲)

اسی طرح سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ جو عمر اور رشتہ دونوں میں سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ سے بڑے تھے ان دونوں کی نہایت عزت وتکریم فرماتے تھے۔ چنانچہ مؤرخین نے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ سیدنا عبداللہ بن

Marfat.com

عباس رضی اللہ عنہ ایک باغ میں سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ کھانا کھا رہے تھے۔ کھانا کھانے کے بعد سواری لائی گئی۔ جب اس پر سیدنا حسن رضی اللہ عنہ سوار ہونے لگے تو سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے ان کی رکاب تھام کر نہایت عزت وتکریم کے ساتھ ان کو سوار کرایا۔ پھر سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے لیے سواری لائی گئی۔ ان کو بھی سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ نے رکاب تھام کر نہایت عزت واحترام سے سوار کرایا۔

راوی مدرک بن زیاد کہتا ہے کہ جب یہ دونوں حضرات تشریف لے گئے تو میں نے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے کہا، آپ ان دونوں حضرات سے عمر میں بڑے ہیں اور آپ نے ان کی سواریوں کی رکاب تھام کر ان کو سوار کرایا۔ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''تم جانتے ہو کہ یہ کون لوگ تھے؟ یہ دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد ہیں۔ کیا یہ مجھ پر اللہ تعالیٰ کا انعام نہیں ہے کہ میں انھیں عزت واحترام کے ساتھ سوار کراؤں۔''

(مختصر تاریخ ابن عساکر: ۷/۲۲، البدایہ والنہایہ: ۸/۳۷)

سیاہ خضاب لگانا:

شریعت میں بالوں کو رنگنے کی بھی اجازت ہے بلکہ بعض روایات میں اس کی ترغیب بھی دی گئی ہے جیسا کہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے والد ابوقحافہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں کہا گیا تھا۔ چنانچہ عبداللہ بن ابی زہیر نخعی فرماتے ہیں:

رأیت الحسن بن علی یخضب بالسواد۔

(معجم کبیر طبرانی، رقم ۲۵۳۱، ۲۵۳۷، سیر اعلام النبلاء: ۳/۲۶۸)

''میں نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ بن سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کو دیکھا کہ وہ سیاہ خضاب لگایا کرتے تھے۔''

اسی طرح امام زہری فرماتے ہیں:

کان الحسن بن علی یخضب بالسواد۔ (مصنف عبدالرزاق: ۱۱/۱۵۶، حدیث ۲۰۱۹۰)

''سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما سیاہ خضاب استعمال کرتے تھے۔''

انگوٹھی کا پہننا:

اسلام میں انگوٹھی کا پہننا جائز ہے۔ کئی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم انگوٹھی پہنتے تھے۔ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ بھی انگوٹھی پہنا کرتے تھے۔ سیدنا جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ اپنے والد محمد باقر رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرتے ہیں کہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ اپنے بائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنا کرتے تھے۔ (سیر اعلام النبلاء: ۳/۲۶۸، ترمذی فی السنن رقم: ۱۷۴۳) اگرچہ اس روایت کے تمام راوی ثقہ ہیں لیکن یہ روایت منقطع ہے۔

ایک اور روایت میں ہے کہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ اپنے بائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنا کرتے تھے اور ان کی انگوٹھی کا نقش ''ذکر اللہ'' تھا۔

Marfat.com

حقوق کی ادائیگی:

حقوق دو قسم کے ہیں حقوق اللہ اور حقوق العباد، حقوق العباد کا تعلق بندوں سے ہے اور اسلام نے ان حقوق کی ادائیگی کی بڑی تاکید کی ہے۔ اسی وجہ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کسی شخص کے حق کو ادا کرنا نہایت ضروری سمجھتے تھے۔ وہ حق خواہ مالی ہو یا جسمانی۔ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی زندگی میں کوئی ایسا واقعہ نہیں ملتا جب کہ آپ نے دوسروں کے حقوق ادا نہ کیے ہوں۔ چنانچہ مؤرخین نے لکھا ہے:

''ایک شخص کا بیان ہے کہ میں نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ سے کچھ قرض لینا تھا۔ چنانچہ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ اس وقت غسل سے فارغ ہو کر حمام سے باہر تشریف لائے۔ آپ نے مہندی (حنا) لگائی تھی جس کا اثر ابھی آپ کے ناخنوں پر تھا۔ آپ کی لونڈی آپ کے ناخنوں سے حنا کے اثرات کو دور کر رہی تھی۔ میں نے حاضر ہو کر قرض کی ادائیگی کا تقاضے کیا۔ میرے تقاضے پر آپ نے اپنی لونڈی کو ارشاد فرمایا کہ جس برتن میں درہم رکھے ہیں وہ برتن لاؤ۔ جب خادمہ نے درہم لا کر پیش کیے تو سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے مجھے فرمایا کہ ان درہموں میں سے اپنا حق لے لو، یعنی جتنے تمھارے درہم ہیں وہ لے لو۔ میں نے عرض کیا کہ یہ درہم میرے حق سے زیادہ ہیں۔ آپ نے فرمایا: اپنا حق پورا کر لو۔ جب میں نے ان درہموں کو گنا تو میرے حق سے اسی (۸۰) درہم زیادہ تھے۔ اس پر سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ زیادہ درہم بھی تم ہی لے لو۔ اس کے بعد میں نے عرض کیا: ''حضرت! میرے لیے برکت کی دعا فرمائیں۔'' آپ نے میرے اہل، مال اور اولاد کے لیے برکت کی دعا کی

"فدعا لی بالبرکة فی مالی وولدی واهلی" (المصنف لابن ابی شیبہ:۶/۵۸۷)

دعوت کو قبول کرنا:

اسلام میں دعوت کو قبول کرنا سنت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ''استجابة الدعوة سنة'' دعوت کا قبول کرنا سنت ہے۔ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس سنت پر نہایت احسن طریقے سے عمل فرمایا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک بار صفہ کے مساکین کے پاس سے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کا گزر ہوا۔ دیکھا کہ وہ اپنا کھانا کھا رہے ہیں۔ انھوں نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ سے عرض کی کہ صبح کا کھانا حاضر ہے، تشریف لائیے۔ آپ سواری سے اترے اور ان کے ساتھ کھانے میں شریک ہو گئے اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تکبر کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا، کھانا تناول فرمانے کے بعد آپ نے اہل صفہ سے فرمایا کہ میں نے تمھاری دعوت قبول کی ہے اب تم میری دعوت قبول کرو۔ انھوں نے آپ کی دعوت قبول کر لی۔ اس پر سیدنا حسن رضی اللہ عنہ انھیں اپنے گھر لے آئے اور اپنی لونڈی رباب سے فرمایا کہ کھانے پینے کی جو چیز بھی تمھارے پاس موجود ہے وہ لا کر ان لوگوں کی خدمت میں پیش کر دو۔ (تہذیب ابن عساکر:۷/۱۲۹)

دعوت کی اس قبولیت سے پتہ چلتا ہے کہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ میں تکبر نام کی کوئی چیز نہ تھی۔ آپ غرباء اور مساکین کے ساتھ نہایت محبت اور شفقت سے پیش آتے تھے اور ان کی دل جوئی فرماتے تھے۔

Marfat.com

اصلاح عقائد:

دین کی بنیاد عقائد کی درستی اور اصلاح پر ہے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے زمانے ہی میں اہل بیت کی محبت کے بعض دعوے داروں نے اہل بیت کے نام سے دین میں کچھ غلط رسوم اور خرافات داخل کرنا شروع کر دی تھیں۔ آپ کو جب ان غلط عقائد کا پتہ چلتا تو آپ اس کی فوری اصلاح فرماتے اور اور اس کی تردید فرماتے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد اہل بیت سے محبت کے ان دعوے داروں میں سے بعض لوگوں نے یہ نظریہ تجویز کیا کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے عام مسلمانوں کی طرح وفات نہیں پائی بلکہ وہ صرف ہماری آنکھوں سے غائب ہوئے ہیں اور قیامت سے قبل پھر اس دنیا میں واپس تشریف لائیں گے۔ یہ نظریہ قرآن وسنت کے سراسر منافی ہے۔ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو ان لوگوں کے اس عقیدہ کا جب پتہ چلا تو عمرو بن الاصم کا بیان ہے میں ایک مرتبہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اس وقت عمرو بن حریث کے مکان پر فروکش تھے۔ عمرو بن الاصم کہتے ہیں کہ میں نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی خدمت میں عرض کیا: ''بعض لوگ یہ گمان رکھتے ہیں کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ قیامت سے قبل اس دنیا میں واپس تشریف لائیں گے۔'' یہ سن کر سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے تبسم فرمایا اور کہا کہ یہ لوگ جھوٹے ہیں۔ یہ لوگ ہرگز شیعان علی رضی اللہ عنہ نہیں ہو سکتے۔ اگر ہم کو اس کا یقین ہوتا تو ہم نہ تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی بیویوں کا عقد ثانی ہونے دیتے اور نہ ان کی میراث ہی تقسیم کرتے۔ (یہ عقیدہ ''عقیدۂ رجعت'' کہلاتا ہے اور آج بھی بعض لوگ اس عقیدے کے قائل ہیں۔)

عبادت الٰہی میں مصروفیت:

خلافت سے دستبرداری کے بعد آپ نے مدینہ منورہ میں مستقل قیام فرمایا اور اب سوائے عبادت الٰہی میں مصروف ومشغول ہونے کے آپ کا اور کوئی کام نہیں تھا۔ مؤرخین نے لکھا ہے کہ مدینہ میں آپ کی عبادت کا معمول یہ تھا کہ آپ فجر کی نماز جماعت کے ساتھ ادا فرماتے اور پھر طلوع آفتاب تک اپنی جگہ پر بیٹھے اللہ کے ذکر میں مشغول رہتے تھے۔ اس دوران میں کبھی اشراف قوم آ کر آپ کے پاس بیٹھتے اور آپ سے علمی اور دینی گفتگو کرتے۔ یہ مجلس آفتاب کے بلند ہونے تک قائم رہتی۔ جونہی آفتاب بلند ہوتا تو آپ چاشت کے نوافل ادا فرماتے۔ نوافل سے فراغت کے بعد آپ امہات المومنین رضی اللہ عنہن کی خدمت میں حاضر ہو کر ان کو سلام پیش کرتے اور ان کی دعائیں لیتے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا کہ امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن آپ کو ہدیہ کے طور پر کوئی چیز عنایت فرماتیں۔ آپ ان کے اس ہدیہ کو بخوشی قبول کر لیتے۔ اس کے بعد آپ اپنے گھر تشریف لے آتے۔

یہ تو آپ کا صبح کا معمول تھا۔ پھر شام کے وقت بھی آپ مسجد میں تشریف لے جاتے اور صبح کی عبادت میں مصروف رہتے۔ یہ آپ کا ہر روز کا معمول تھا۔ (تہذیب ابن عساکر: ۴/۲۱۳، البدایہ والنہایہ: ۸/۳۷)

Marfat.com

یہاں یہ بات ذہن میں رہے کہ آپ مروان بن الحکم کی گورنری کے زمانہ میں نماز انہی کی امامت میں پڑھتے تھے۔(البدایہ والنہایہ:۸/۲۵۸،المصنف لابن ابی شیبہ:۳/۳۷۸)

امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی سیدنا جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ کی روایت نقل کی ہے جو وہ اپنے دادا سے نقل کرتے ہیں۔چنانچہ فرماتے ہیں:

كان الحسن والحسين يصليان خلف مروان ولا يعيدان۔

''سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ مروان بن حکم کے پیچھے اپنی نمازیں ادا کیا کرتے تھے اور ان کو لوٹایا نہیں کرتے تھے۔''

اس سے یہ پتہ چلا کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی حکومت اور ان کے گورنروں سے آپ دونوں بھائیوں کے تعلقات نہایت اچھے تھے اور یہ جو بعض حضرات نے لکھا ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے گورنروں سے ان کے تعلقات کشیدہ تھے، یہ غلط ہے۔

جب کبھی آپ حج یا عمرہ کے لیے مکہ مکرمہ تشریف لے جاتے تو وہاں بھی آپ عبادت الٰہی میں مصروف رہتے۔بیان کرنے والے بتاتے ہیں کہ مسجد حرام میں نماز عصر آپ امام کے ساتھ ادا کرتے۔پھر حجر اسود کے پاس آتے اور اسے بوسہ دیتے اور بیت اللہ کا طواف کرتے اور تمام متعلقہ مقامات کا استلام کرتے۔اس کے بعد دو رکعت نوافل طواف ادا کرتے۔جب لوگوں کو پتہ چلتا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے ہیں تو وہ شوق زیارت میں ان کے اردگرد ہجوم کر دیتے۔(تہذیب ابن عساکر:۴/۲۱۲،البدایہ والنہایہ:۸/۳۷)

رات کو نماز تہجد بھی ادا فرماتے تھے اور سوتے وقت سورۃ کہف پڑھنا آپ کا روزانہ کا معمول تھا۔جب دونوں بھائی اکٹھے ہوتے تو سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اول شب قیام فرماتے اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ آخر شب۔

(المصنف لابن ابی شیبہ:۲/۲۷۲)

حج بیت اللہ:

جس طرح ہر مسلمان اپنے ذوق وشوق کے ساتھ حج بیت اللہ کے لیے جاتا ہے، سیدنا حسن رضی اللہ عنہ بھی حج کے لیے کئی مرتبہ تشریف لے گئے۔ایک روایت میں پندرہ (۱۵) دفعہ جانا لکھا ہے اور دوسری روایت میں پچیس (۲۵) دفعہ لیکن آپ نے قریباً ہر حج پیدل چل کر ادا فرمایا۔فرمایا کرتے تھے کہ مجھے اپنے رب سے حیا آتی ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہوں اور بیت اللہ کی زیارت پیدل چل کر نہ کی ہو۔آپ نے بیس حج پیدل چل کر کیے۔ایک دوسری روایت میں کہ آپ نے پچیس حج پیدل چل کر کیے۔یہ حج مدینہ منورہ سے کیے تھے۔یہ پیدل حج سواری دستیاب ہونے کے باوجود آپ نے پیدل کیے۔یہ پیدل چلنا صرف رضائے الٰہی کے لیے تھا۔

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے اس پیدل حج کرنے پر اکثر رشک فرمایا کرتے تھے اور فرماتے

Marfat.com

تھے کہ جوانی کے زمانے میں مجھ سے جو عمل خیر نہیں ہو سکے ان میں سے ایک پیدل حج بھی ہے۔ میں تو پیدل حج نہیں کر سکا اور سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہ نے پچیس مرتبہ پیدل چل کر حج کیا ہے۔

فضائل:

روایت میں ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو سیدہ فاطمہ سلام اللہ علیہا سے بڑی محبت تھی اور اسی طرح سیدہ رضی اللہ عنہا کے ان دونوں بیٹوں سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ سے بھی آپ کو شدید محبت تھی۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ان دونوں بھائیوں کی پیدائش پر ان کا نام حرب رکھا۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام تبدیل کر کے حسن رضی اللہ عنہ اور حسین رضی اللہ عنہ رکھا۔

(فضائل الصحابہ امام احمد بن حنبل: ۲/۷۷۲۔۷۷۳، مسند احمد: ۱/ ۹۸/ ۱۱۸، طبرانی رقم: ۲۷۱۳، ۲۷۷۴، ۲۷۷۵، مجمع الزوائد: ۸/۵۲)

خود سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں ایک ایسا شخص تھا جو حرب (جنگ) کو بہت پسند کرتا تھا۔ چنانچہ جب سیدنا حسن رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے تو میں نے اس کا نام حرب رکھنا چاہا لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا نام ''حسن'' رکھا۔ پھر جب سیدنا حسین رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے تو میں نے اس کا نام حرب رکھنے کی کوشش کی لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا نام ''حسین رضی اللہ عنہ'' رکھا اور فرمایا کہ میں نے اپنے ان دونوں بیٹوں کے نام ہارون علیہ السلام کے دونوں بیٹوں شبر اور شبیر کے نام پر رکھے ہیں۔ (سیر اعلام النبلاء: ۳/ ۲۴۷، طبرانی رقم: ۲۷۷۷)

ایک روایت یہ بھی ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کا نام اپنے چچا کے نام پر حمزہ رکھا اور حسین رضی اللہ عنہ کا نام جعفر رکھا لیکن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کے نام تبدیل کر کے حسن رضی اللہ عنہ اور حسین رضی اللہ عنہ رکھے۔

(سیر اعلام النبلاء: ۳/ ۲۴۷، مسند احمد: ۱/ ۱۵۹، طبرانی رقم ۲۲۸، مجمع الزوائد: ۸/۵۲)

اسی محبت اور شفقت کی وجہ سے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اکثر و بیشتر ان کے لیے تعوذ فرماتے تھے۔ چنانچہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ان دونوں نواسوں کے لیے تعوذ فرماتے تھے اور انھی الفاظ سے فرماتے تھے جن الفاظ سے سیدنا ابراہیم علیہ السلام اپنے دونوں صاحب زادوں سیدنا اسماعیل اور سیدنا اسحاق علیہما السلام کے لیے تعوذ فرماتے تھے۔

فضائل کے دوسرے زاویے:

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور بھی کئی زاویوں اور طریقوں سے اپنے ان دونوں نواسوں سے اپنی محبت کا اظہار فرماتے تھے۔ آپ ان کو اپنی سواری پر سوار کر لیتے۔ (المصنف لابن ابی شیبہ: ۹/ ۳۵) نماز کی حالت میں یہ آپ

Marfat.com

کی پشت مبارک پر سوار ہو جاتے اور رسول اللہ ﷺ جب نماز سے اپنا سر اٹھاتے تو انھیں ہٹا دیتے۔

جب کبھی یہ دونوں یا دونوں میں سے ایک آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتا تو آپ ﷺ انھیں چومتے اور محبت سے اپنے سینے سے لگاتے۔ چنانچہ یعلی رضی اللہ عنہ بن مرہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں دوڑتے ہوئے آئے۔ آپ نے ان دونوں کو اپنے سینے سے لگایا اور پھر دونوں کو باری باری چوما اور فرمایا: ''اے اللہ! میں ان دونوں سے محبت کرتا ہوں تو بھی ان سے محبت کر۔'' پھر فرمایا:

ایها الناس! ان الولد مبخلة مجبنة مجهلة۔

''اے لوگو! اولاد انسان کو بخیل بنا دیتی ہے، بزدل بنا دیتی اور پریشان کر دیتی ہے۔''

(سیر اعلام النبلاء: ۳/۳۵۵، مسند احمد: ۴/۱۷۲، الاسماء والصفات، بیہقی: ۱۶۴)

سیدنا بریدہ اسلمی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ سرکار دو عالم ﷺ مسجد نبویؐ میں خطبہ ارشاد فرما رہے تھے۔ اس دوران سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ دونوں سرخ قمیصیں پہنے لڑکھڑاتے ہوئے مسجد میں آ کر کھڑے ہو گئے۔ نبی اکرم ﷺ منبر سے نیچے تشریف لائے اور ان دونوں کو اٹھا کر اپنے سامنے بٹھا لیا اور فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا:

﴿اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ﴾ (التغابن ۶۴:۱۵)

''بے شک تمھارے مال اور تمھاری اولاد ایک آزمائش ہیں۔''

پھر ارشاد فرمایا کہ جب میں نے ان دونوں کو دیکھا کہ یہ لڑکھڑاتے ہوئے آ رہے ہیں تو میں صبر نہ کر سکا اور میں نے اپنا خطبہ روک کر ان کو پکڑ لیا۔

(ترمذی رقم: ۳۷۷۴، وقال اسنادہ حسن، سنن ابی داؤد رقم: ۱۱۰۹، ابن ماجہ رقم: ۳۶۰۰، نسائی: ۳/۱۹۳، مسند امام احمد بن حنبل: ۵/۳۵۴، سیر اعلام النبلاء: ۳/۲۵۶)

اقرع بن حابس تمیمی رضی اللہ عنہ اپنے آدمیوں (وفد) کے ساتھ آپ ﷺ کی خدمت اقدس میں بیٹھا ہوا تھا، اس نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ اپنے نواسے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو محبت سے چوم رہے ہیں۔ اقرع بن حابس رضی اللہ عنہ کے لیے یہ ایک عجیب منظر تھا۔ چنانچہ اس نے ازراہ تعجب عرض کی کہ آپ اسے چوم رہے ہیں جبکہ میرے دس بیٹے ہیں میں نے ان میں سے کسی کو بھی کبھی نہیں چوما۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کی بات کو سن کر فرمایا:

من لا یرحم لا یرحم۔ (البدایہ والنہایہ: ۷/۱۴۱)

''جو کسی پر رحم نہیں کرتا اس پر بھی رحم نہیں کیا جاتا۔''

پیار اور محبت ہی کی وجہ سے آپ کبھی ان کو اپنے دوش مبارک پر اٹھا لیتے۔ یہ بھی ان کی کتاب فضائل کا ایک اہم باب ہے کیونکہ راکب دوش رسول اللہ ﷺ ہونا ایک بہت بڑا اعزاز ہے۔ چنانچہ سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے سرکار دو عالم ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ نے سیدنا حسن بن سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو

Marfat.com

اپنے دوش مبارک پر اٹھایا ہوا تھا اور آپ فرما رہے تھے:

اللھم انی احبه فاحبه۔

''اے اللہ میں اس کے ساتھ محبت رکھتا ہوں تو بھی اس سے محبت فرما۔''

(معجم طبرانی رقم:۲۵۸۳، مشکوٰۃ:۵۶۸، نسائی:۵/۴۹، البدایہ والنہایہ:۸/۳۴، بخاری:۷/۷۵، مسلم رقم:۲۴۲۲)

آپ ﷺ نے نہ صرف ان دونوں سے محبت فرمائی بلکہ دوسروں کو بھی ترغیب دی کہ ان سے محبت کرو اور ان سے محبت کرنے والوں کے حق میں دعا بھی فرمائی۔ چنانچہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی فضیلت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ بن سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا:

اللھم انی احبه فاحبه واحب من یحبه۔ (مسند احمد:۲/۲۴۹، ۳۳۱)

''اے اللہ میں اس سے محبت رکھتا ہوں تو بھی اس سے محبت فرما اور اس شخص کے ساتھ بھی محبت فرما جو اس کے ساتھ محبت رکھتا ہے۔''

اہل جنت کے نوجوانوں کے سردار:

سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی کتاب فضائل کا سب سے اہم باب یہ ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ان کے بارے میں فرمایا:

الحسن والحسین سید اشباب اھل الجنة۔

''حسن رضی اللہ عنہ اور حسین رضی اللہ عنہ اہل جنت کے نوجوانوں کے سردار ہیں۔''

(ترمذی رقم:۳۷۶۸، مسند احمد بن حنبل:۳/۶۲، ۶۴، ۸۴، طبرانی رقم:۲۶۱۰، ۱۲۱۲، حلیۃ الاولیاء لابی نعیم:۵/۷۱، تاریخ بغداد للخطیب:۴/۲۰۷، ۱۱، ۹۰، مستدرک حاکم:۳/۱۶۶۔۱۶۷، مجمع الزوائد:۹/۱۸۲)

ان تمام فضائل کی وجہ سے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی ان سے محبت فرماتے تھے۔ چنانچہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک دفعہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں آپ کے جسم کے اس مقام کو بوسہ دینا چاہتا ہوں جہاں سرکار دو عالم ﷺ بوسہ دیا کرتے تھے۔ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے اپنے پیٹ سے قمیص اٹھائی اور سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ان کی ناف کو بوسہ دیا۔ (مسند احمد بن حنبل:۲/۲۵۵، ۴۲۷، ۴۹۳، طبرانی رقم:۲۵۸۰، ۲۷۶۴، وصححہ ابن حبان رقم:۲۲۳۸، مجمع الزوائد:۹/۱۷۷)

Marfat.com

ازواج واولاد

سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے بقول مورخین بہت سی شادیاں کیں اور کہتے ہیں کہ انھیں مطلاق (بہت طلاق دہندہ) کہا جاتا تھا۔ چنانچہ واقدی کی روایت ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: حسن رضی اللہ عنہ نکاح کرتے ہیں اور پھر طلاق دے دیتے ہیں۔ مجھے اندیشہ ہے کہ ان کا یہ عمل قبائل میں عداوت کا باعث نہ بن جائے۔ لہٰذا اے اہل کوفہ! تم اپنی بیٹیوں کی ان سے شادی نہ کرو کیوں کہ وہ بہت طلاق دہندہ ہے۔

(تہذیب ابن عساکر: ۴/ ۲۱۹، البدایہ والنہایہ: ۸/ ۳۸، سیر اعلام النبلاء: ۳/ ۲۶۷)

یہ روایت اور اس قسم کی دوسری روایات ہماری رائے کے مطابق درست نہیں ہیں اور ایک خاص سازش کے تحت انھیں بدنام کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور یہ سب کچھ صرف اس وجہ سے ہے کہ انھوں نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے مصالحت کر کے اور خلافت سے دست بردار ہو کر امت کی پانچ سالہ باہمی خون ریزی کو ختم کر کے اتحاد و اتفاق کی بنیاد رکھی۔ اگر سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے زیادہ شادیاں کی ہوتیں تو آپ کی اولاد بہت زیادہ ہوتی۔ بعض مورخین نے لکھا ہے کہ آپ نے نوے (۹۰) شادیاں کیں۔ اگر ہر عورت سے آپ کی ایک اولاد بھی ہوتی تو آپ کی کم از کم نوے اولادیں ہوتیں لیکن تاریخ کے اوراق میں آپ کے صرف بارہ صاحب زادے اور پانچ صاحب زادیاں ملتی ہیں لہٰذا ہمارے خیال میں یہ مورخین کی مبالغہ آرائی ہے اور ان کو بدنام کرنے کی ایک سازش۔

ازواج:

علمائے انساب نے ان کی مندرجہ ذیل ازواج کے نام ذکر کیے ہیں:

① خولہ بنت منظور الفزاریہ

② ام بشر بنت ابی مسعود عقبہ بن عمر

③ ام اسحاق بنت طلحہ بن عبید اللہ

④ جعدہ بنت اشعث بن قیس الکندی۔ (نسب قریش مصعب زبیری: ۴۶)

Marfat.com

اولادِ ذکور:

سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی اولادِ ذکور حسب ذیل بیان کی جاتی ہے:

①	الحسن بن الحسن رحمۃ اللہ علیہ (المثنیٰ)	یہ خولہ بنت منظور الفزاریہ کے بطن سے تھے۔
②	زید بن الحسن رحمۃ اللہ علیہ	یہ ام بشر بنت ابی مسعود عقبہ بن عمرو کے بطن سے تھے۔
③	عمرو بن الحسن رحمۃ اللہ علیہ	یہ دونوں صاحب زادے میدان کربلا میں اپنے چچا سیدنا حسین رضی اللہ عنہ
④	القاسم بن الحسن رحمۃ اللہ علیہ	کے ساتھ تھے اور وہیں شہید ہوئے، ان کی کوئی اولاد نہ تھی۔
⑤	ابوبکر بن الحسن رحمۃ اللہ علیہ	
⑥	عبدالرحمٰن بن الحسن رحمۃ اللہ علیہ	امہ ام الولد
⑦	سیدنا حسین بن الحسن رحمۃ اللہ علیہ	امہ ام الولد
⑧	طلحۃ بن الحسن رحمۃ اللہ علیہ	امہ ام اسحاق بنت طلحہ بن عبیداللہ

علامہ ابن حزم اندلسی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مشہور کتاب ''جمہرۃ الانساب'' میں اولاد حسن رضی اللہ عنہ بن سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے تحت مندرجہ ذیل نام دیئے ہیں:

①	سیدنا حسن بن الحسن (مثنیٰ رحمۃ اللہ علیہ)	امہ خولہ بنت منظور الفزاریہ
②	زید بن الحسن رحمۃ اللہ علیہ	امہ بشر بنت ابی مسعود الانصاری
③	عمرو بن الحسن رحمۃ اللہ علیہ	
④	الحسین بن الحسن رحمۃ اللہ علیہ	
⑤	القاسم بن الحسن رحمۃ اللہ علیہ	
⑥	ابوبکر بن الحسن رحمۃ اللہ علیہ	
⑦	طلحہ بن الحسن رحمۃ اللہ علیہ	امہ ام اسحاق بن طلحہ بن عبیداللہ
⑧	عبدالرحمٰن بن الحسن رحمۃ اللہ علیہ	
⑨	عبداللہ بن الحسن رحمۃ اللہ علیہ	
⑩	محمد بن الحسن رحمۃ اللہ علیہ	
⑪	جعفر بن الحسن رحمۃ اللہ علیہ	
⑫	حمزہ بن الحسن رحمۃ اللہ علیہ	

سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے صاحب زادے عبداللہ، القاسم اور ابوبکر اپنے چچا سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ میدان کربلا میں شہید ہوئے۔ (جمہرۃ الانساب: ۳۸، لابن حزم الاندلسی رحمۃ اللہ علیہ)

Marfat.com

اولادِ اناث:

① ام الخیر بنت الحسن
② ام عبداللہ بن الحسن
③ فاطمہ بنت الحسن
④ ام سلمہ بنت الحسن
⑤ رقیہ بنت الحسن۔ (نسب قریش مصعب زبیری:۴۶۔۴۹)

کتاب المحبر لابی جعفر بغدادی نے مندرجہ ذیل نام لکھے ہیں:

① ام الحسن بنت الحسن رحمۃ اللہ علیہ
② ام سلمہ بنت الحسن رحمۃ اللہ علیہ
③ ام عبداللہ بنت الحسن رحمۃ اللہ علیہ

کیا خلافت راشدہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی وفات کے ساتھ ختم ہوگئی؟

عام طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی وفات کے ساتھ خلافت راشدہ کا دور ختم ہوگیا تھا اور اس سلسلے میں ایک حدیث بیان کی جاتی ہے جس کو سیدنا سفینہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

الخلافة فی امتی ثلاثون سنة، ثم ملك بعد ذالك، ثم قال لی سفینة: امسك خلافة ابی بكر، ثم قال: وخلافة عمر و خلافة عثمان، ثم قال امسك خلافة علی، فوجدنا ثلاثین سنة، قال سعید: فقلت له: ان بنی امیة یزعمون ان الخلافة فیهم، قال كذبوا بنوالزرقاء بل هم ملوك من شرالملوك۔

''یعنی خلافت میرے بعد تیس سال تک رہے گی۔ اس کے بعد ملوکیت ہو جائے گی۔ پھر سیدنا سفینہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آپ خلافت ابوبکر رضی اللہ عنہ، خلافت عمر رضی اللہ عنہ، خلافت عثمان رضی اللہ عنہ اور خلافت سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا حساب کرلیں۔ ہم نے جب حساب کیا تو وہ تیس سال بنتے تھے۔ سعید (راوی حدیث) نے کہا کہ میں نے سیدنا سفینہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ بنوامیہ یہ گمان کرتے ہیں کہ ان میں بھی خلافت ہے۔ سیدنا سفینہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: وہ جھوٹ کہتے ہیں بلکہ وہ برے بادشاہوں میں سے بادشاہ ہیں۔'' (ترمذی:۲/۴۵)

یہ وہ حدیث ہے جس کی بنیاد پر خلافت راشدہ کو چار خلفاء میں محدود و محصور کیا جاتا ہے۔ چنانچہ اس وجہ سے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کو خلافت راشدہ میں شمار نہیں کیا جاتا حالانکہ وہ ایک صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم تھے اور ان کے عہد میں اکثر و بیشتر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہی اعلیٰ عہدوں پر فائز تھے۔ جس نے بھی اس حدیث کی وجہ سے خلافت

Marfat.com

راشدہ کو تیس سال میں محدود کیا ہے اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کو خلافتِ راشدہ شمار نہیں کیا اس نے اس حدیث کو اپنے اس غلط فیصلے کی بنیاد بنا دیا ہے حالانکہ یہ حدیث روایت اور درایت دونوں کے لحاظ سے غیر صحیح ہے اور اس کو کسی صورت بھی اس اہم فیصلے کی بنیاد نہیں بنایا جا سکتا۔

روایت کے اعتبار سے اس حدیث کے غیر صحیح ہونے پر مشہور محدث قاضی ابوبکر بن عربی رضی اللہ عنہ نے لکھا ہے:

هذا حديث لا يصح۔

''یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔'' (العواصم من القواصم:۲۰۱)

مشہور فاضل علامہ محبّ الدین الخطیب نے اس حدیث کی سند پر بحث کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ محدثین کرام رضی اللہ عنہ نے اس حدیث کو جو غیر صحیح کہا ہے وہ درست ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

"لان راويه عن سفينة سعيد بن جمهان، قد اختلفوافيه، قال بعضهم لاباس به، ووثقه بعضهم، وقال فيه الامام ابو حاتم: شيخ "لاتجيح به" وفى سنده حشرج بن نباته الواسطى، وثقه بعضهم، قال فيه النسائى: ليس بالقوى، وعبدالله بن احمد بن حنبل يروى هذا الجزء عن سويد الطحان، قال فيه الحافظ ابن حجر فى تقريب التهذيب:"لين الحديث"

''کیونکہ سیدنا سفینہ رضی اللہ عنہ سے اس کے راوی سعید بن جمہان ہیں، ان کے بارے میں محدثین کا اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ ان کی حدیث لینے میں کوئی حرج نہیں اور بعض نے توثیق کی ہے اور شیخ ابوحاتم فرماتے ہیں کہ ان کی حدیث سے حجت نہیں پکڑی جا سکتی۔ اس کی سند میں حشرج بن نباتہ ایک راوی ہیں۔ ان کی بھی بعض نے توثیق کی ہے، لیکن امام نسائی فرماتے ہیں کہ وہ قوی نہیں ہے اور عبداللہ بن احمد بن حنبل یہ حدیث سعید الطحان سے روایت کرتے ہیں جن کے بارے میں حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ تقریب التہذیب میں فرماتے ہیں: "لين الحديث" یعنی حدیث میں کمزور ہے۔ (ایضاً)

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے سعید بن جمہان کے بارے میں ایک خاص انکشاف فرمایا کہ

قال ابن معين روى عن سفينة احاديث لا يرويها غيره۔ (تہذیب التہذیب:۱۴/۴)

''محدث یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس نے سیدنا سفینہ رضی اللہ عنہ سے بعض احادیث ایسی روایت کی ہیں جو ان کے سوا کسی اور نے نہیں کیں۔''

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے بارے میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ایک قول نقل فرمایا ہے:

قال البخارى فى حديثه عجائب۔

''امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس کی حدیث میں عجیب وغریب باتیں ہوتی ہیں۔''

ان عجیب وغریب باتوں میں سے اور ان مخصوص احادیث میں سے جن کو سوائے اس راوی کے اور کسی

Marfat.com

نے سیدنا سفینہ رضی اللہ عنہ سے روایت نہیں کیا، ایک حدیث یہ بھی ہے جس میں خلافت راشدہ کو تیس (۳۰) سال میں محدود کیا گیا ہے۔ اس حدیث کو بھی سوائے سعید بن جمہان کے اور کسی نے سیدنا سفینہ رضی اللہ عنہ سے نقل نہیں کیا۔ یہ خبر جس کو سیدنا سفینہ رضی اللہ عنہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کر رہے ہیں، کوئی معمولی اور غیر اہم خبر نہیں ہے بلکہ ایک نہایت اہم اور غیر معمولی خبر ہے جس سے امت مسلمہ کا مستقبل وابستہ ہے لیکن تعجب کا مقام ہے کہ سیدنا سفینہ رضی اللہ عنہ کے سوا کسی اور صحابی رضی اللہ عنہ نے آپ سے اس کو نقل نہیں کیا اور نہ ہی سعید بن جمہان کے سوا کسی شخص نے سیدنا سفینہ رضی اللہ عنہ سے اس کو نقل کیا ہے۔ حدیث کے الفاظ بتا رہے ہیں کہ یہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول نہیں ہے بلکہ بعد کے کسی ذہن کی اختراع ہے اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ، سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی خلافتوں کی مدت کو جمع کر کے اس حدیث کے الفاظ بنائے گئے ہیں۔ حالانکہ ان چاروں خلفاء کی خلافتوں میں جب تک سیدنا حسن رضی اللہ عنہ بن سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے چھ ماہ جمع نہ کیے جائیں تو اس وقت تک تیس سال مکمل نہیں ہوتے، لیکن حدیث کے الفاظ میں ان کی خلافت کو تیس سال میں شمار نہیں کیا گیا بلکہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی خلافت پر ہی تیس سال پورے کر دیئے گئے ہیں جو کہ خلافِ واقعہ ہے۔ دوسری بات اس حدیث میں یہ ہے کہ سعید بن جمہان کہتے ہیں کہ میں نے سیدنا سفینہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ بنوامیہ یہ کہتے ہیں کہ ہم میں بھی خلافت ہے تو جواب میں سیدنا سفینہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

هم ملوك من شر الملوك۔

''وہ برے بادشاہوں میں سے بادشاہ ہیں۔''

اگر سیدنا سفینہ رضی اللہ عنہ کی رائے بنوامیہ کے بارے میں یہی ہوتی جس کا اظہار انھوں نے اس حدیث میں فرمایا ہے تو وہ کبھی بھی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور یزید کے ہاتھوں پر بیعت خلافت نہ کرتے۔ ان کا ان دونوں کے ہاتھوں پر غیر مشروط بیعت خلافت کر لینا اس بات کی بین دلیل ہے کہ وہ ان دونوں کی خلافت کو صحیح سمجھتے تھے۔

اس حدیث کے غیر صحیح ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ یہ متعدد صحیح احادیث کے مخالف اور معارض ہے۔ ان میں سے ایک صحیح ترین حدیث وہ ہے جس کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے کئی ایک محدثین نے اپنی اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے۔ یہ حدیث سیدنا جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنے باپ کے ساتھ حاضر ہوا تو میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا:

ان هـذا الامـر لا ينـقضى حتى يمضى فيهم اثنا عشر خليفة، قال ثم تكلم بكلام خفى على، قال فقلت لابى: ما قال، قالم كلهم من قريش۔

اسلامی حکومت اس وقت تک ختم نہ ہوگی جب تک ان میں بارہ خلفاء نہ ہوں۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں پھر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آہستہ آواز سے کوئی بات کہی جس کو میں نہ سن سکا۔ لہٰذا میں نے اپنے والد سے پوچھا کہ آپ نے کیا فرمایا۔ انھوں نے کہا: آپ نے فرمایا ہے کہ وہ سب (خلفاء)

Marfat.com

قریش میں سے ہوں گے۔

ایک روایت میں یہ الفاظ منقول ہیں:

لایزال ھذا الامر عزیزاً الی اثنا عشر خلیفة، قال ثم تکلم بشی لم افھم، فقلت لابی: ماقال؟ فقال کلھم من قریش۔

''اسلام بارہ خلفاء کے زمانہ تک عزت والا رہے گا۔ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آپ نے پھر کچھ اور بھی ارشاد فرمایا جس کو میں نہ سمجھ سکا۔ میں نے اپنے باپ سے پوچھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا فرمایا تھا۔ انھوں نے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ وہ بارہ خلفاء سب کے سب قریش میں سے ہوں گے۔''

(مسلم:۲/۱۱۹، بخاری مع فتح الباری:۲/۱۷۹)

ایک روایت میں یہ الفاظ میں منقول ہیں:

لایزال امر امتی صالحاً۔ (فتح الباری:۳/۱۸۰)

''میری امت کے معاملات بہتر اور اچھے رہیں گے۔''

اس قسم کی ایک اور روایت سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے کہ ان سے ایک شخص نے پوچھا: ''اے ابوعبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ! کیا تم لوگوں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ پوچھا تھا کہ اس امت پر کتنے خلیفہ حکومت کریں گے؟ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جب سے میں عراق آیا ہوں تجھ سے پہلے کسی نے یہ سوال مجھ سے نہیں کیا۔ پھر آپ نے فرمایا: ''ہاں، ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں پوچھا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ بارہ خلیفہ، بنی اسرائیل کے نقیبوں کی تعداد کے برابر (اثنا عشر کعدة نقباء بنی اسرائیل)۔

(مجمع الزوائد:۵/۱۹۰، مسند ابی داؤد طیالسی رقم:۹۶۷، ۱۲۷۸، مسند امام احمد بن حنبل میں بھی کئی مقامات پر یہ حدیث منقول ہے۔ تفسیر ابن کثیر:۲/۳۲، فتح الباری:۳/۸۱)

سنن ابی داؤد میں سیدنا جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کی اس روایت میں ان بارہ خلفاء کی ایک صفت یہ منقول ہے:

کلھم تجتمع علیه الامة۔ (سنن ابی داؤد مع عون المعبود:۴/۱۷۰)

''ان سب پر امت جمع ہوگی۔''

اب تاریخ اسلام پر نگاہ ڈالیں تو یہ پتہ چلتا ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد امت تشتت وافراق کا شکار ہوئی اور بجائے دشمنان اسلام کے ساتھ جہاد کرنے کے مسلمان خود آپس میں جدال وقتال کرنے لگے اور جمل اور صفین کے معرکوں میں مسلمانوں کا قیمتی خون پانی کی طرح بہا اور اسلام کی ترقی کا ستارہ غروب ہونے لگا۔ آخر ۵۔۶ سال کی بدنظمی اور افراتفری کے بعد سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت میں تمام امت نے ایک خلیفہ کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور ایک جھنڈے تلے جمع ہو کر کفار اور دشمنان اسلام کے ساتھ جہاد شروع کیا اور

Marfat.com

اسلام کی ترقی کا وہی دور شروع ہوا جو سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت اور ان سے پہلی خلافتوں کے دور میں تھا۔ چنانچہ اس سال کو ''عام الجماعۃ'' کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

مولانا شمس الحق عظیم آبادی فرماتے ہیں:

''سنہ ۳۵ھ میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کا حادثہ پیش آیا اور مسلمانوں میں تفرقہ پیدا ہوا اور سنہ ۳۶ھ میں جنگ جمل اور جنگ صفین کے حادثات رونما ہوئے۔ ان حادثات میں اسلامی سلطنت میں فساد اور افراتفری پیدا ہوگئی اور مسلمانوں کے مابین جنگ وجدل شروع ہوگیا۔ کفار سے کچھ مدت تک جہاد بالکل متروک ہوگیا اور ظاہری نگاہ میں ایسا محسوس ہونے لگا کہ اسلام کمزور اور مضمحل ہوگیا ہے اور اس کا کوکب ترقی غروب ہونے کو ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے (اس تشتت وافتراق کے دور کے بعد) خلافت کے کام کو منظم فرمایا اور بنوعباس کی خلافت کے ظہور تک خلافت کا سلسلہ پھر جاری وساری ہوگیا۔''

(عون المعبود: ۴/۱۷۱)

گویا کہ سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد کفار سے جہاد اور اسلام کی نشر واشاعت میں جو تعطل واقع ہوگیا تھا اس سے پوری امت کو چھٹکارا مل گیا۔ آپس میں جو دلی منافرت پیدا ہو چکی تھی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں وہ کلیتہً جاتی رہی اور تمام مسلمان ایک پلیٹ فارم پر اسی طرح اکٹھے ہوگئے جس طرح سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافتوں کے دور میں تھے۔ چنانچہ غیر مسلم مورخین کو بھی یہ کہنا پڑا کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ دولت اسلامیہ کے دوسرے ''موسس کبیر'' ہیں۔

سیدنا جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کی بارہ خلفاء کے بارے میں جو روایتیں اوپر نقل کی گئی ہیں ان میں ان خلفاء کی تعداد بتائی گئی ہے جن کے زمانے میں کلمۂ اسلام عزت والا اور مستحکم ہوگا اور اسلام کا نور کرۂ ارض کو منور کرے گا اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور قرآن حکیم کی عظمت کا پھریرا زمین کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک لہرائے گا۔ ان خلفاء کا دور دراصل خلافت راشدہ ہی کا دور ہوگا اور اس دور میں اسلام کو دن دگنی اور رات چوگنی ترقی ہوگی۔ اسی وجہ سے حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے لکھا ہے:

ومعنى هذا الحديث بشارة بوجود اثنا عشر خليفة صالحاً يقيم الحق ويعدل فيهم۔ (تفسیر ابن کثیر: ۲/۳۳)

''اس حدیث کے معنی میں بارہ نیک اور صالح خلفاء کی بشارت مضمر ہے جو کہ حق کو قائم کریں گے اور لوگوں میں عدل وانصاف برپا کریں گے۔''

یہ نیک دل اور صالح بارہ خلفاء جن کے دور خلافت میں اسلام معزز اور مستحکم ہوگا اور ان کا نظام حکومت قرآن وسنت کے مطابق ہوگا اور دنیا میں ہر جانب رشد وہدایت اور عدل وانصاف کا دور دورہ ہوگا وہ ہیں کون؟ ملا علی القاری رحمہ اللہ جو ایک مشہور محدث اور فقیہ ہیں، اس حدیث کے بارہ خلفاء کی تعیین کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

Marfat.com

''بارہ خلفاء سے مراد سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ، سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ، سیدنا علی رضی اللہ عنہ، سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ، یزید بن سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ، عبدالملک بن مروان، ولید بن عبدالملک، سلیمان بن عبدالملک، یزید بن عبدالملک، ہشام بن عبدالملک اور عمر بن عبدالعزیز ہیں۔''

معلوم ہوا کہ خلافت راشدہ صرف چار خلفاء میں محدود نہیں بلکہ بہت سے خلفا ہیں جن کی تعداد بارہ ہے، جیسا کہ حدیث صحیح میں آتا ہے:

اس بات کی تائید ایک اور حدیث سے بھی ہوتی ہے جو سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

كانت بنو اسرائيل تسوسهم الانبياء، كلما هلك نبى خلفه نبى، وانه لا نبى بعدى، وسيكون خلفاء فيكثرون، قالوا: ماتامرنا، قال: فوابيعة الاول فالاول۔(بخاری:۱/ ۴۹۱، مسلم :۲/ ۱۲۶، مسند احمد بن حنبل:۲/ ۲۹۷)

''بنی اسرائیل کے لوگ اپنے انبیائے کرام کے حق میں برے لوگ تھے، انھوں نے یکے بعد دیگرے کئی انبیاء کو ہلاک کیا، اور بے شک میرے بعد کوئی نبی نہیں، البتہ خلفاء ہوں گے اور وہ کثیر ہوں گے۔ سننے والوں نے عرض کیا ان کے بارے میں ہمارے لیے کیا حکم ہے، فرمایا ایک کے بعد دوسرے کی بیعت کر لینا۔'' (مفہوم)

اس حدیث میں جناب رسول اللہ ﷺ نے ''یکثرون'' کا لفظ استعمال فرما کر یہ واضح کیا کہ آپ کے بعد جو خلفاء ہوں گے وہ دو چار نہیں بلکہ کثیر ہوں گے۔ اس سے بھی معلوم ہوا کہ خلفاء راشدین کو چار میں محدود کرنا صحیح نہیں ہے بلکہ ان کی تعداد کثیر ہے جس کو دوسری حدیث میں بارہ کے عدد سے واضح کیا گیا۔ انھیں خلفاء کو ایک اور روایت میں ''راشدین'' کے لفظ سے تعبیر کیا گیا۔ چنانچہ فرمایا:

من يعش منكم بعدى فسيرىٰ اختلافاً كثيراً، فعليكم بسنتى و سنة الخلفاء الراشدين المهديين، تمسكوا بها، وعضوا عليها بالنواجذ، اياكم ومحدثات الامور، فان كل محدثة بدعة وكل بدعة ضلالة۔

(ترمذی:۲/۹۲، ابن ماجہ۔۵، ابوداؤد:۲/۲۷۹، مستدرک حاکم:۹۵، مسند دارمی:۲۶، مسند احمد بن حنبل:۴/۲۷)

''تم میں سے جو شخص میرے بعد زندہ رہا وہ بہت زیادہ اختلاف دیکھے گا۔ سو تم پر لازم ہے کہ تم میری اور میرے خلفائے راشدین کی سنت کو جو ہدایت یافتہ ہیں مضبوط پکڑو، اور اپنی ڈاڑھوں اور کچلیوں سے محکم طور پر اس کو قابو رکھو۔ اور تم نئی نئی چیزوں سے بچو کیونکہ ہر نئی چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔''

اگر کوئی یہ کہے کہ خلفاء تو غیر راشد بھی ہو سکتے ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ جو خلفاء غیر راشد ہیں، حدیث میں ان کے لیے خلیفہ کا لفظ استعمال نہیں ہوا بلکہ ملوک کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ لہٰذا خلفاء کہا ہی حدیث میں ان لوگوں کو گیا ہے جو راشد تھے۔ عدل وانصاف برپا کرنے والے اور قرآن وسنت کے مطابق حکومت کرنے والے تھے۔

Marfat.com

وہ خلفاء جن کو جناب رسول اللہ ﷺ نے ''راشدین'' اور ''مہدیین کے الفاظ سے تعبیر کیا ہے ان میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ بھی شامل ہیں کیونکہ ان کو سرکار دو عالم ﷺ نے ''ہادی'' اور ''مہدی'' فرمایا ہے۔ چنانچہ فرمایا:

اللھم اجعله هادیاً مهدیاً واهد به۔

''اے اللہ! معاویہ رضی اللہ عنہ کو ہدایت دینے والا اور ہدایت یافتہ بنا دیجیے اور اس کے ذریعہ لوگوں کو ہدایت دیجیے۔'' (ترمذی: ۲/۲۴۷، اسد الغابہ: ۴/۳۸۶، تاریخ بغداد ۱/۲۰۸)

جن کو آپ ﷺ نے ہادی اور مہدی فرمایا ہو، اگر وہ ''راشدین'' اور مہدیین'' میں شامل نہیں تو پھر میں نہیں سمجھتا کہ اس زمرہ میں کون شامل ہے۔ یہ صرف تعصب یا غلط پروپیگنڈے کا اثر ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو خلفائے راشدین مہدیین میں شمار نہیں کیا جاتا۔

اس ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ خلافت راشدہ کو تیس (۳۰) سال میں محدود کرنے والی حدیث روایتاً اور درایتاً دونوں اعتبار سے غیر صحیح ہے۔ علاوہ ازیں کئی ایسی روایات بھی ہیں جو اس روایت کی تردید کرتی ہیں۔ ان میں ایک روایت بارہ خلفاء والی ہے جس کو گذشتہ صفحات میں ذکر کیا گیا۔ اس سلسلے میں ایک اور روایت سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جس میں صحیح حقیقت حال کو واضح کیا گیا ہے۔ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''اسلام کی چکی ۳۵ یا ۳۶ یا سینتیس (۳۷) سال کے بعد بند ہو جائے گی۔ پھر اگر لوگ ہلاک ہوں تو ان کا بھی وہی راستہ ہے جو اور ہلاک ہونے والوں کا ہے۔ اگر ان کا دین ان کے لیے قائم رہ گیا تو ستر (۷۰) برس تک قائم رہے گا۔'' سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: ''یا رسول اللہ ﷺ! گذشتہ زمانہ ملا کر ستر برس یا صرف آئندہ کے؟'' جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''صرف آئندہ کے۔''

اس روایت کے بارے میں حکیم الامت حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''و مضمون ایں حدیث در خارج ظہور یافت زیرا کہ در سن خمس ثلاثین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مقتول شد و امر جہاد برہم خورد و باز در زمان سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ امر جہاد قائم گشت و ازاں تاریخ بعد ہفتاد سال دولت بنوامیہ متلاشی شد۔'' (مسلم: ۲/۱۱۹، بخاری مع فتح الباری: ۲/۱۷۹)

''اس حدیث کا مضمون خارج میں ظاہر ہوا کیونکہ سنہ ۳۵ ھ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید ہوئے اور جہاد کا انتظام درہم برہم ہو گیا۔ پھر حضرت سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جہاد کا انتظام قائم ہوا اور اس تاریخ سے ستر برس بعد بنوامیہ کی سلطنت زائل ہو گئی۔''

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خلافت راشدہ کی بھی دو قسمیں ہیں۔ خلافت راشدہ کا ایک دور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت پر ختم ہوا اور دوسرا دور خلفائے بنوامیہ پر ختم ہوا۔ لہٰذا جس طرح کی خلافت راشدہ پہلے دور کی تھی خلافت راشدہ کا دوسرا دور اس طرح کا نہیں تھا۔ جس کی کئی وجوہات ہیں۔ اس سلسلے میں حضرت شاہ ولی اللہ

Marfat.com

دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''نقل متواتر سے کہ جس سے زیادہ معتبر شرعیات میں کوئی نقل نہیں ہے یہ امر ثابت ہو چکا ہے کہ جو فتنہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے قریب پیدا ہوا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی جانب اشارہ کیا تھا اور ایسی تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا تھا جس سے زیادہ تفصیل دوسرے احکام شرعیہ میں نہیں پائی جاتی اور آپ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کو زمانہ خیر اور زمانہ شر کے درمیان حد فاصل قرار دیا ہے اور فرمایا کہ بعد شہادت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد خلافت علیٰ منہاج النبوۃ نہ رہے گی اور ''کاٹنے والی'' سلطنت ظاہر ہوگی۔ ''کاٹنے والی'' کے لفظ سے واقعات حرب وقتال کا پیش آنا اور ایک دوسرے پر حملہ کرنا اور سلطنت کے لیے ایک کا دوسرے کے ساتھ جھگڑنا بخوبی معلوم ہوتا ہے۔ اور اسی وجہ سے (کہ پہلی خلافتیں برطریق نبوت تھیں اور فتنے سے محفوظ تھیں) اکثر احادیث میں خلفاء ثلاثہ کو ایک ہی حکم میں جمع کیا گیا ہے یہاں تک کہ ظن قوی کے ساتھ معلوم ہوا کہ یہ تینوں بزرگوار کسی نہ کسی مرتبہ میں (یعنی خلافت کے برطریق نبوت ہونے اور فتنے سے محفوظ رہنے میں برابر ہیں اور ان کے ساتھ اس مرتبہ میں ان کا کوئی شریک نہیں ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض احادیث میں صاف صاف الفاظ فرما دیئے جن سے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کا ختم ہو جانا مفہوم ہوتا ہے۔''

(ازالۃ الخفا:۳۰۶)

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی اس عبارت سے مندرجہ ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:

① خلافت علیٰ منہاج النبوۃ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت پر ختم ہوگئی تھی، اس کے بعد والی خلافتیں اس پایہ کی نہ تھیں جس پایہ کی یہ پہلی تین خلافتیں تھیں۔

② ملک عضوض (کاٹنے والی سلطنت) سے مراد مسلمانوں کی باہمی چپقلش اور آویزش ہے جس کا آغاز سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت سے ہوا۔

③ سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافتیں دونوں باہم برابر تھیں۔ اگر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت ''خلافت راشدہ'' نہ تھی تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی خلافت بھی ''خلافت راشدہ'' نہ تھی۔

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی اسی کتاب میں اس مسئلے کو ان الفاظ میں حل کیا ہے۔ آپ حدیث "الخلافة من بعد ثلاثون سنة" (خلافت میرے بعد تیس سال رہے گی) پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ خلافت خاصہ (یعنی خلافت راشدہ) سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت سے ختم نہیں ہوئی بلکہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا زمانہ بھی اس میں داخل ہے کیوں کہ ان کا زمانہ شامل کیے بغیر تیس سال مکمل نہیں ہوتے لہٰذا اس حدیث کے معنی کی تحقیق بھی سمجھ لو۔ بات دراصل یہ ہے کہ خلافت خاصہ دو وصف سے مرکب ہے۔

Marfat.com

پہلا وصف خلیفۂ خاص کا موجود ہونا۔ دوسرا وصف اس کے تصرف یعنی احکام کا جاری ہونا اور سب مسلمانوں کا اس پر متفق و متحد ہو جانا۔ (ازالۃ اخلفا:۱/۲۰۷)

اس بحث کے بعد شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے یہ ثابت کیا ہے کہ خلافت خاصہ کے ان دو اوصاف میں سے پہلا وصف سیدنا علی رضی اللہ عنہ میں پایا جاتا تھا اور دوسرا وصف ان میں مفقود تھا جب کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ میں دوسرا وصف پایا جاتا تھا اور پہلا وصف ان میں مفقود تھا۔ اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت بالکل سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کی طرح تھی اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کو چونکہ خلافتِ ''راشدہ'' مانا جاتا ہے لہٰذا کوئی وجہ نہیں کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کو بھی خلافتِ ''راشدہ'' نہ مانا جائے۔ جب سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت ''خلافتِ راشدہ'' ہوئی تو ثابت ہوا کہ خلافت راشدہ چار خلفاء میں محدود نہیں۔

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے جلیل القدر پوتے شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ نے بھی خلافت راشدہ کی دو قسمیں بیان کی ہیں جو کہ حسب ذیل ہیں:

① خلافت منتظمہ

② خلافت غیر منتظمہ

پہلی خلافت کا اختتام سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت پر ہو گیا لیکن دوسری خلافت غیر منتظمہ میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کی مثال دی ہے مگر اسی خلافت راشدہ غیر منتظمہ میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت بھی آتی ہے کیونکہ شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ جس کو خلافت غیر منتظمہ کا نام دیتے ہیں وہ وہی خلافت ہے جس کو شاہ ولی اللہ نے ازالۃ الخفاء کے صفحہ:۲۰۷ پر بیان فرمایا ہے کہ خلافت کے دو وصفوں میں ایک وصف اس میں نہ پایا جاتا ہو اور خلافت کے دو وصف یہ ہیں:

① خلیفہ خاص کا موجود ہونا۔

② اس کا تصرف یعنی احکام کا جاری ہونا اور سب مسلمانوں کا اس پر متفق ہو جانا۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ میں وہ تمام صفات پوری طرح موجود تھیں جو خلافت خاصہ (خلافت راشدہ) کے لیے شرط اول ہیں لیکن اجتماع کلمہ مسلمین اور انتظام مملکت کی وہ دوسری شرط نہیں پائی جاتی تھی جو اس کے لیے ضروری ہے کیوں کہ ان کے دور میں مسلمانوں میں باہمی افتراق و انتشار رہا اور ان کا تصرف اقطار ارض میں نافذ نہیں ہوا۔ یہاں تک کہ اہل حل وعقد کی کثیر تعداد نے بھی آپ کی بیعت نہیں کی تھی۔ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ ہی نے لکھا ہے کہ:

''آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم در بسیارے از احادیث متواترہ مرویہ بطرق متعدد بیان فرمودند کہ امت بر حضرت مرتضیٰ جمع نشود۔'' (ازالۃ الخفاء:۲/۲۷۵)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد طریقوں سے مروی احادیث متواترہ میں بیان فرمایا ہے کہ امت سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی خلافت پر جمع نہ ہوگی۔

Marfat.com

کچھ اسی قسم کی بات شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی کہی ہے۔(منہاج السنۃ :۲/۱۶۴)
چنانچہ یہی وجہ تھی کہ اہل مدینہ نے آپ کے ساتھ جنگوں میں جانے سے انکار کر دیا تھا۔
(ملاحظہ ہو البدایہ والنہایہ:۷/۲۳۰،ابن اثیر:۳/۱۰۵،طبری:۵/۱۶۴)

اور تو اور خود سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے بڑے حقیقی بھائی سیدنا عقیل رضی اللہ عنہ بن ابی طالب نے بھی آپ کو چھوڑ دیا اور وہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس شام چلے گئے اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مل کر صفین کی جنگ لڑی۔چنانچہ لکھا ہے:

وفارق (عقیل) اخاه علیاً امیر المومنین فی ایام خلافته ، و هرب الی معاویة و شهد صفین معه۔(عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب:۱۵)

''اور عقیل رضی اللہ عنہ اپنے بھائی سیدنا علی رضی اللہ عنہ امیر المومنین سے ان کے ایام خلافت میں علیحدہ ہو گئے اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس چلے گئے اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ ہی کے ساتھ مل کر انھوں نے (سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے صفین کی جنگ لڑی)۔''

اس کے مقابلے میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ میں خلیفۂ خاص کی صفات اگرچہ ویسی نہ تھیں جیسی سیدنا علی رضی اللہ عنہ میں تھیں کیوں کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ بہر حال سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے افضل اور سابق فی الاسلام تھے لیکن دوسری شرط ان کے عہد خلافت میں بدرجہ اتم پائی جاتی تھی۔ان کے زمانہ میں تمام لوگ ایک خلیفہ پر مجتمع ہو گئے تھے اور امت میں انتشار و تفراق یک قلم ختم ہو گیا تھا یہاں تک کہ اس سال ہی کو ''عام الجماعۃ'' کہا جاتا ہے۔
(ملاحظہ ہو فتح الباری:۱۳،البدایہ والنہایہ:۸/۲۱،۱۳۱،اسد الغابہ:۴/۳۸۷،وغیرہ)

داخلی انتشار ختم ہوتے ہی دشمنان اسلام سے جہاد جو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں بند ہو گیا تھا پھر سے شروع ہو گیا اور پوری سلطنت میں کامرانی اور شادمانی کا پھریرا (Flag) لہرانے لگا۔چنانچہ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے:

الجهاد فی بلاد عدو قائم ، وکلمة الله عالیة والغنائم تردد الیه من اطراف الارض والمسلمون معه فی راحة وعدل وصفح وعفو۔(البدایہ والنہایہ:۸/۱۱۹)

''(سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں) دشمن کے ممالک میں جہاد کا سلسلہ جاری تھا اور اللہ کا کلمہ بلند ہو رہا تھا اور غنیمتیں زمین کے سب گوشوں سے سمٹ کر آپ کے پاس آتی تھیں اور مسلمان آپ کے دور خلافت میں عدل و انصاف اور راحت و آرام سے اپنی زندگی کے دن گزارتے تھے۔

گویا کہ ہر جانب مرفہ حالی کا دور دورہ تھا۔سلطنت کی پہنائیوں اور وسعتوں میں ہر جانب اضافہ ہو رہا تھا۔سمندر پار کے علاقوں میں اسلامی پھریرا لہرانے لگا۔رعیت کی گرویدگی اور شیفتگی آپ کے ساتھ پوری طرح وابستہ تھی اور آپ کے حسن سلوک نے رعایا کے ہر متنفس کا دل موہ لیا ہوا تھا۔

چنانچہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

Marfat.com

كان سيرة معاوية مع رعيته من خير !ميرالولاة وكان رعيته يحبونه، وقدثبت فـي الصحيحين عن النبى صلى الله عليه وسلم انه قال: خيار ائمتكم الذين تـحبـونهـم ويـحبـونكم ويصلون عليهم ويصلون عليكم، وشرار ائمتكم الذين تبغضونهم و تبغضونكم، وتلعنونهم ويلعنونكم۔(منہاج السنۃ:۳/۱۸۹)

''سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا اپنی رعایا سے سلوک بہترین حکمران کی طرح کا تھا اور آپ کی رعایا کو آپ سے انتہائی محبت تھی اور صحیحین کی حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''تمہارے بہترین امام اور امیر وہ ہیں جن سے تم محبت کرو اور وہ تم سے محبت کریں۔تم ان کے لیے دعائیں کرو اور وہ تمہارے لیے دعائیں کریں۔اور تمہارے بدترین امام اور امیر وہ ہیں جن سے تم بغض رکھو اور وہ تم سے بغض رکھیں اور تم ان پر لعنتیں بھیجو اور وہ تم پر لعنتیں بھیجیں۔''

ہمارے اس نظریے کی تائید مشہور مورخ بلکہ فلسفۂ تاریخ اور عمرانیات کے امام علامہ ابن خلدون نے بھی اپنی تاریخ میں کی ہے۔علامہ فرماتے ہیں:

''چاہیے یہ تھا کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی حکومت اور ان کے حالات وواقعات کو ان سے پہلے خلفاء (سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ، سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ، سیدنا علی رضی اللہ عنہ، اور سیدنا حسن رضی اللہ عنہ) کی حکومت اور حالات و واقعات کے ساتھ ذکر کیے جاتے کیوں کہ آپ عظمت وفضیلت، عدالت اور شرف صحابیت میں ان کے ساتھ ہیں۔اور اس بارے میں حدیث الخلافة من بعدى ثلاثون سنة (میرے بعد خلافت تیس برس تک رہے گی) کی طرف کوئی توجہ اور التفات نہیں کیا جائے گا۔کیوں کہ وہ حدیث روایت و درایت کے لحاظ سے صحیح نہیں۔ سچی بات یہ ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے سے پہلے خلفاء کے زمرہ میں شامل ہیں اور مورخین نے انھیں جو اپنی کتابوں اور تالیفات میں الگ اور بعد میں ذکر کیا ہے اس کے دو سبب ہیں:

''پہلا سبب یہ کہ ان کے زمانۂ خلافت میں مغالبہ کی صورت پیدا ہوگئی تھی حالانکہ اس سے قبل وہ ایک اختیاری اور اجتماعی چیز تھی۔ چنانچہ مورخین اسلام نے ان دونوں حالتوں میں فرق کر دیا ہے، اس وجہ سے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ ان خلفاء میں سے سمجھے جانے لگے جن میں مغالبے اور عصبیت کا پہلو شامل ہے۔ اس شئے کو ''اهـل الاهـواء'' ملوکیت سے تعبیر کرتے ہیں، لیکن سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو ان لوگوں کے ساتھ کوئی مماثلت اور مشابہت نہیں ہے۔وہ خلفائے راشدین میں سے ہیں۔اسی طرح ان کے بعد والے خلفاء کا حال ہے۔اس معاملے میں قانون شرعی یہ ہے کہ ان کے افعال واعمال کو قرآن حکیم اور احادیث صحیحہ کی روشنی میں دیکھا جائے۔جس کے افعال واعمال اس کے مطابق ہوں وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا صحیح خلیفہ (خلافت راشدہ) ہے اور جس کے افعال واعمال احادیث صحیح اور قرآن حکیم کے مطابق نہیں تو

Marfat.com

وہ ''بادشاہ'' ہے اگر چہ اس کو مجازی طور پر لوگ ''خلیفہ'' ہی کیوں نہ کہیں۔'' (تاریخ ابن خلدون:۲/۱۴۱، ملخصاً)

علامہ ابن خلدون نے دوسرا سبب جس کی وجہ سے مورخین نے ان کا ذکر خلفاء راشدین کے ساتھ ذکر نہ کیا اور جس کی وجہ سے لوگوں کو ان کے خلیفہ راشد ہونے میں غلط فہمی ہوگئی، یہ بیان کیا ہے:

''دوسرا سبب جس کی وجہ سے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو خلفاء اربعہ کے بجائے خلفائے بنوامیہ کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے یہ ہے کہ بنوامیہ کے خلفاء سب ایک سلسلۂ نسب سے تعلق رکھتے تھے اور ان سب سے عظیم اور بڑے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ تھے۔ اس وجہ سے ان کو اہل نسب ہی کے ساتھ (تاریخ کی کتابوں میں) ملا دیا گیا ہے۔ اور ان سے پہلے چاروں خلفاء مختلف سلسلۂ ہائے نسب سے تعلق رکھتے تھے۔ لہٰذا انھیں ایک ہی سلسلے میں ذکر کیا گیا ہے اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اگر چہ بنوامیہ میں سے تھے لیکن انھیں پہلے خلفاء کے ساتھ شرف و فضل میں قرابت کی وجہ سے ملا دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان کے زمرے میں سے اٹھائے اور ان کی اقتداء پر ہمیں اپنی رحمت سے نوازے۔'' (تاریخ ابن خلدون:۲/۱۱۴۲)

علامہ ابن خلدون کی اس عبارت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت اسی درجہ کی خلافت تھی جس درجہ کی خلافت سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور دوسرے خلفائے راشدین کی خلافت تھی۔ ان دونوں خلافتوں میں کوئی فرق نہیں تھا۔ ان خلافتوں میں حکومت کی کلیدی اسامیوں پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فائز تھے اور ملک میں کتاب و سنت کا قانون جاری وساری تھا اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت میں بھی حکومت کے عہدوں اور کلیدی اسامیوں پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہی تھے اور تمام مملکت اسلامیہ میں شریعت اسلامیہ کا قانون نافذ تھا اور ہر طرف رشد و ہدایت کا دور دورہ تھا۔ بلکہ یہ بھی بتایا کہ ان کے بعد بھی وہ خلفاء جنہوں نے اپنی حکومت کو قرآن و سنت کے مطابق چلایا وہ بھی خلیفہ راشد تھے اور خلافت راشدہ کو تیس سال میں محدود و مقید کرنے کی بھی پرزور تردید کی ہے، اور یہ بھی واضح کیا ہے کہ وہ حدیث جس کی رو سے خلافت راشدہ کو تیس سال میں محدود کیا جاتا ہے روایت و درایت کی رو سے درست اور صحیح نہیں ہے۔ اس حدیث کے علاوہ خلافت کو تیس سال میں محدود کرنے والوں کے پاس اور کوئی دلیل نہیں، اگر ہے تو پیش کریں اور اس حدیث پر تفصیلی بحث ہم نے گذشتہ صفحات میں کر دی ہے۔

جیسا کہ بتایا گیا ہے کہ خلافت راشدہ کے دو دور تھے۔ ایک دور تو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت پر ختم ہوگیا جیسا کہ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر فرمایا ہے۔ (ملاحظہ ہو ازالۃ الخفاء:۱/۲۰۷)

اور دوسرا دور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی خلافت سے شروع ہوا اور ان کے بعد کئی سال تک رہا کیونکہ جوں جوں زمانۂ نبوتؐ سے بُعد ہوتا گیا خلافت کے خصائص اور اوصاف میں بھی تغیر اور تبدل آتا گیا۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے عہد باکمال میں جو خصوصیات تھیں وہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی خلافت کے دوران نہ تھیں اور سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں جو خصوصیات تھیں وہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں نہ تھیں اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا زمانہ تو فتنہ و آشوب کا زمانہ تھا۔ اس میں تو اور بھی خلافت راشدہ کی خصوصیات میں کمی واقع ہوگئی۔ اسی طرح سیدنا

Marfat.com

معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں کچھ اور زیادہ کمی آئی لیکن جس طرح سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی خلافت ''خلافت راشدہ'' کی خصوصیات کی کمی کے باعث خلافت راشدہ ہی رہی، حالانکہ اکثریت نے آپ کے دست مبارک پر بیعت نہیں کی تھی۔ (منہاج السنۃ:۲/۲۲۷) اسی طرح سیدنا معاویہ کی خلافت بھی ''خلافت راشدہ'' ہی تھی، اگرچہ زمانۂ نبوتؐ سے مزید بُعد کے باعث اس میں خلافت راشدہ کی خصوصیات میں کچھ کمی آ گئی تھی لیکن وہ روح باقی تھی جو خلافت راشدہ کی جان ہے۔ اسی وجہ سے علماء نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ تک کی خلافت راشدہ کے مقام اور اس کے بعد کی خلافتوں کے مقام میں کچھ فرق کیا ہے۔ چنانچہ امام اہل سنت حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی سنت کو وہ مقام نہیں دیتے تھے جو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی سنت کو دیتے تھے۔

چنانچہ حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے:

احمد بن حنبل و کثیر من العلماء یتبعون علیاً فیما سنه کما یتبعون عمرو عثمان فیما سناه وآخرون من العلماء کمالك وغیره لایتبعون علیاً فیما سنه وکلهم متفقون علیٰ اتباع عمر و عثمان فیماسناه (منہاج السنہ:۴/۵۱، السکن:۱۱۱، مولانا ظفر احمد عثمانی)

''امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اور اکثر علماء سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی سنت کی اسی طرح اتباع کرتے ہیں جس طرح سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی سنت کی اتباع کرتے ہیں اور دوسرے علماء جیسے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی سنت کی اس طرح اتباع نہیں کرتے ہیں لیکن سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی سنن کی اتباع میں وہ سب متفق و متحد ہیں۔''

اس سلسلے میں کہ ہر خلیفۂ راشد سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ہی کی طرح ہو، مصر کے مشہور فاضل شیخ محب الدین الخطیب نے کیا اچھی بات ارشاد فرمائی ہے۔ فرماتے ہیں:

''اگر اہلیت کا پیمانہ اور مقیاس یہ ہے کہ خلیفہ اپنی مجموعی سیرۃ کے لحاظ سے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ہی کی مانند ہو تو پھر اسلام کی تاریخ میں اس طرح کا کوئی خلیفہ آپ کو ڈھونڈے سے نہیں ملے گا یہاں تک کہ عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ (جن کو سب خلیفۂ راشد کہتے ہیں) بھی اس مقام کو نہیں پہنچ سکتے۔ اگر ہم کسی ناممکن اور محال شئے کی آس لگائے بیٹھے رہیں اور ہم ایک اور ابوبکر رضی اللہ عنہ اور ایک اور عمر رضی اللہ عنہ کے ظہور کا امکان تسلیم کر لیں تب بھی وہ وہ ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ نہیں ہوں گے جو پہلے گزر چکے ہیں کیوں کہ وہ جس معاشرے اور ماحول کی پیداوار تھے وہ ہی اب سرے سے مفقود ہے۔ (لہٰذا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ جیسا ہونا ناممکن اور محال ہے) اور اگر اہلیت کا پیمانہ اور مقیاس سیرت و کردار میں راست روی اور استقامت، حرمت شریعت کی پاسداری اور احترام، احکام شریعت پر عمل اور اتباع، لوگوں کے ساتھ عدل و انصاف اور ان کے مصالح کا خیال، دشمنان اسلام کے ساتھ جہاد اور اسلامی دعوت کی اس کرہ عالم میں تشہیر اور نشر و اشاعت، تمام افراد اور جماعتوں کے ساتھ نرمی اور حسن سلوک، تو جس روز لوگ صحیح

Marfat.com

تاریخ اور حقیقت حال سے واقف ہوں گے ان پر یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو جائے گی کہ یزید بھی ان بہت سے افراد اور اشخاص سے کسی طرح کم نہیں جن کے قابل تعریف کارناموں اور محامد و فضائل سے اسلامی تاریخ کے اوراق بھرے پڑے ہیں۔'' (العواصم من القواصم: ۲۱۴، تعلیقہ)

اس ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر ہم سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے بعد والے خلفاء کی خلافت کو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خلافتوں کے معیار پر جانچنا شروع کر دیں گے تو پھر تو واقعی ان خلفاء کی خلافت اس معیار کی ثابت نہیں ہو سکتی جس معیار کی خلافت سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت تھی، یہاں تک کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی خلافت بھی اس معیار پر پوری نہ اترے گی اور اس کی وجہ زمانۂ نبوتؐ سے بُعد ہے کیونکہ زمانۂ نبوتؐ میں معاشرے اور ماحول میں جو نورانیت تھی وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد بتدریج کم ہوتی چلی گئی۔ اسی بات کو سیدنا انس رضی اللہ عنہ نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے:

''جس روز سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے مدینہ کی ہر شے روشن اور منور ہو گئی اور جس روز آپؐ کا انتقال ہوا اس روز مدینہ طیبہ کی ہر شئے تاریک ہو گئی۔''

(العواصم من القواصم: ۲۷، تعلیقہ شمائل ترمذی: ۲۷۴، جامع الاصول: ۳۱۹۔۴)

جوں جوں زمانۂ نبوتؐ سے دوری ہوتی گئی معاشرہ اور مسلم سوسائٹی میں برکات کی محرومی اور بدعات و فتن کا ظہور ہوتا گیا۔ چنانچہ مولانا ابوالکلام آزاد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''نبوتؐ و رحمت کی برکات کی محرومی و فقدان ایک تدریجی تنزل تھا اور بدعات و فتن کے ظہور اور احاطہ کی ایک تدریجی ترقی تھی کالحصیر عوداً عوداً، جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت سے شروع ہوئی اور جس قدر عہد نبوتؐ سے دوری بڑھتی گئی اتنی ہی عہد نبوتؐ اور خلافت رحمت کی سعادتوں سے امت محروم ہوتی گئی۔ یہ محرومی صرف امامت اور خلافت کبریٰ کے معاملہ ہی میں نہیں ہوئی بلکہ قوام و نظام امت کے مبادیات اور اساسات سے لے کر حیات شخصی و انفرادی کی اعتقادی اور عملی جزئیات تک ساری باتوں کا یہی حال ہوا۔'' (مسئلہ خلافت: ۱۴)

معلوم ہوا کہ ارباب اقتدار معاشرے ہی کی پیداوار ہوتے ہیں اور جب معاشرے میں بگاڑ پیدا ہو تو یقینی بات ہے کہ ارباب حکومت کی زندگی بھی اس سے متاثر ہو گی اور معاشرے کے اچھے اور برے اثرات سے اخلاقیات، معاملات، عبادات، دیانات، اقتصادیات، معیشت اور معاشرت، سب متاثر ہوں گے اور زندگی کا کوئی شعبہ ان سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکے گا۔ چنانچہ ایک شخص نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ آپ کے عہد خلافت میں وہ رنگ نظر نہیں آتا جو آپ سے قبل سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خلافتوں کے دور میں تھا۔ آپ کے عہد خلافت میں تشتت و افتراق پیدا ہو گیا ہے جب کہ ان حضرات کے زمانے میں امت کے تمام افراد میں اجتماع و ائتلاف تھا۔ آپ نے اس شخص کو جو جواب دیا وہ ہمارے اس خیال کی پرزور تائید کرتا ہے۔ آپ نے فرمایا:

Marfat.com

''ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ کے عہد کی رعایا مجھ جیسے لوگ تھے اور میری رعایا تم جیسے لوگوں پر مشتمل ہے۔''

(مقدمہ خلدون:۳۷۴)

ہماری اس بات کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے جو علامہ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کی ہے کہ عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ جب خلیفہ ہوئے تو انھوں نے سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے پوتے سیدنا سالم رحمۃ اللہ علیہ کو ایک خط لکھا کہ آپ مجھے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی ایک سیرت لکھ کر بھیجیں تا کہ میں اس کے مطابق نظام حکومت چلاؤں۔ سیدنا سالم رحمۃ اللہ علیہ نے انھیں جواب لکھا کہ اگر آپ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی سیرت کے مطابق عمل کر لیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے افضل اور بہتر ہیں کیونکہ:

زمانك ليس كزمان عمر ولا رجالك كرجال عمر۔ (الصواعق المحرقۃ:۲۱۰)

''نہ تو آپ کا زمانہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے جیسا ہے اور نہ ہی آپ کے ساتھی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں جیسے ہیں۔''

سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اس زمانے کے تمام علماء اور فقہا کو یہ بات لکھی تو سب نے وہی جواب دیا جو سیدنا سالم بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے دیا تھا۔

خلاصہ یہ کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے بعد چونکہ معاشرے کے ہر گوشے میں بگاڑ کے اثرات پیدا ہو گئے تھے۔ لہٰذا نظام حکومت بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔

لیکن تمام خلفاء جو مسند خلافت پر متمکن ہوئے ان کا نظریہ یہی تھا کہ حفظ دین و سیاست دنیا کی غرض سے امت کا سیاسی نظام شریعت اسلامیہ کے مطابق ہو کیونکہ خلافت اسلامیہ کی غرض و غایت جو قرآن حکیم نے بیان کی ہے وہ یہی ہے۔ چنانچہ حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ﴾ (الحج ۲۲:۴۱)

''وہ لوگ جنہیں ہم زمین میں حکومت عطا فرمائیں تو وہ نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں اور نیکی کا حکم دیں اور برائی سے روکیں اور تمام امور کا نظام اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے۔''

اور خلافت کی علماء نے یہ تعریف کی ہے:

''خلافت وہ ریاست عامہ ہے جو دنیا میں علوم دینیہ کے زندہ رکھنے اور (بذریعہ) ارکان اسلام کے قائم کرنے اور (بذریعہ) جہاد اور متعلقات جہاد کے قائم رکھنے کے جیسے لشکروں کا مرتب کرنا، مجاہدین کو وظائف دینا، مال غنیمت کو ان پر تقسیم کرنا اور (بذریعہ) عہدہ قضاء کے فرائض انجام دینے اور حدود قائم کرنے اور مظالم کو دور کرنے اور لوگوں کو اچھے کاموں کا حکم دینے اور برے کاموں سے منع کرنے کے بحیثیت نائب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بالفعل حاصل ہوئی ہو۔ (ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء:۱/۹)

Marfat.com

خلافت کی یہ تعریف سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت پر ہر لحاظ سے صادق آتی ہے کیونکہ ان کا عہد گورنری اور عہد خلافت دونوں صرف اور صرف دین اسلام کی سربلندی کے لیے تھے اور خلافت سے ان کی کوئی ذاتی غرض یا ذاتی مفاد وابستہ نہ تھا پھر ایک صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بات کی توقع بھی نہیں کی جاسکتی کہ وہ دنیا کو دین پر ترجیح دے گا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی پوری زندگی اس بات کی بین دلیل ہے کہ دین و دنیا میں سے کسی ایک کو ترجیح دینے کی جب بھی کوئی صورت پیدا ہوئی تو انھوں نے ہمیشہ دین کو ترجیح دی اور دنیا کو پائے استحقار سے ٹھکرا دیا۔ چنانچہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ بھی اپنے متعلق بیان کرتے ہیں:

ما کنت لاخیر بین اللہ و غیرہ الااخترت اللہ علی غیرہ مماسواہ۔

''حق تعالیٰ کی رضا اور دوسرے دنیوی مفادات میں جب بھی کوئی ٹکراؤ پیدا ہوا تو میں نے دوسرے تمام مفادات کو یک قلم ٹھکرا کر اللہ کی رضا کو پانے لیے پسند کرلیا۔

(البدایہ والنہایہ:۸/۱۳۴، الاستیعاب:۱/۲۵۵، منہاج السنۃ:۲/۲۰۳)

پھر مختلف احادیث میں جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلیفہ ہونے کے بارے میں بھی بشارت دی۔ چنانچہ ایک مرتبہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو وضو کروا رہے تھے۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ وضو فرماتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری طرف نگاہ اٹھائی اور فرمایا:

یا معاویہ! ان ولیت امراً فاتق اللہ و اعدل۔

''اے معاویہ رضی اللہ عنہ اگر تجھے حکومت ملے تو اللہ سے ڈرنا اور عدل وانصاف سے کام لینا۔''

(البدایہ والنہایہ:۸/۱۲۳، تطہیر الجنان:۱۵)

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''مجھے ہمیشہ یہ یقین رہا کہ میں ضرور امور مملکت میں مبتلا ہوں گا حتیٰ کہ میں خلیفہ ہوگیا۔'' (تطہیر الجنان:۱۵)

اسی طرح کی ایک اور روایت امام ابوبکر ابن ابی شیبہ نے نقل کی ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے اس وقت سے یقین تھا کہ مجھے خلافت ضرور ملے گی جب سے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا:

اذا ملکت فاحسن۔ (الصواعق المحرقۃ:۲۱۶)

''اے معاویہ رضی اللہ عنہ! جب تجھے حکومت حاصل ہو تو اچھے طریقے سے حکومت کرنا۔''

ان روایات پر بحث کرتے ہوئے علامہ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''غور فرمایئے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس بات کی خبر دی کہ ان کو حکومت حاصل ہوگی اور اس کے ساتھ نیک سلوک اور عفو و درگزر سے کام لینے کی بھی تلقین فرمائی۔ یہ حدیث سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی صحت خلافت پر دلالت کرتی ہے اور یہ کہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی خلافت سے دست برداری اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت ہو جانے کے بعد ان کی خلافت صحیح اور برحق ہے۔ اس لیے کہ جناب رسول

Marfat.com

اکرم ﷺ کا ان کو حسن سلوک کا حکم ارشاد فرمانا جو حکومت کے حصول کے بعد ہی ممکن تھا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ان کی خلافت برحق اور ان کے افعال اور تصرفات اسی طرح صحیح تھے جس طرح خلافت صحیح طریقہ سے حاصل کرنے کے بعد کسی خلیفہ کے ہوتے ہیں نہ کہ غلبہ اور استیلاء سے کرسی حکومت پر متمکن ہونے والے کے۔ کیوں کہ غلبہ واستیلاء سے خلافت حاصل کرنے والا شخص تو فاسق اور سزاوار عقوبت ہوتا ہے وہ نہ تو کسی بشارت کا مستحق ہوتا ہے اور نہ ہی اس بات کا کہ اس کو حسن سلوک اور عفو ودرگزر کی تلقین کی جائے، ہاں زجر وتوبیخ کا وہ ضرور مستحق ہوتا ہے اور یہ کہ اس کے برے اعمال اور فساد احوال کی اطلاع دی جائے۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ بھی اگر غلبہ واستیلاء سے مسند خلافت پر قابض ہوئے ہوتے تو جناب رسول اللہ ﷺ ضرور صراحت کے ساتھ یا کم از کم اشارتاً بیان فرما دیتے۔ جب آپؐ نے کوئی ایسا اشارہ بھی نہیں فرمایا بلکہ صراحت کے ساتھ ایسے امور کی خبر دی جو آپ کی خلافت کے برحق اور صحیح ہونے پر دلالت کرتے ہیں تو اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی خلافت سے دست برداری کے بعد سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ خلیفۂ برحق اور صحیح اور سچے امام تھے۔''

(الصواعق المحرقہ فی الرد علی اہل البدع والزندقہ: ۲۱۷)

اسی کتاب میں ایک اور مقام پر علامہ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ سیدنا معاویہ کی خلافت کے صحیح اور برحق ہونے پر بحث کرتے ہوئے آخر میں فرماتے ہیں کہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو امور خلافت سپرد کرنے کے بعد سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ صحیح معنوں میں خلیفہ ہو گئے تھے اور وہ خلیفہ حق اور امام صادق تھے۔ علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ ہیں:

فالحق ثبوت الخلافة لمعاوية من حينئذ وانه بعد ذالك خليفة حق و امام صدق۔ (الصواعق المحرقہ: ۲۱۶)

''صحیح اور حق بات یہ ہے کہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی صلح کے بعد سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت صحیح معنوں میں ثابت ہے اور اس صلح کے بعد وہ خلیفہ حق اور امام صادق ہیں۔''

اس ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ خلافت راشدہ تیس سال میں محدود نہیں ہے اور جس حدیث سے خلافت راشدہ کا تیس سال میں محدود ہونا منقول ہے وہ روایت درست اور صحیح نہیں ہے بلکہ اس کے مقابلے میں بارہ خلفاء والی حدیث صحیح ہے اور اسی وجہ سے علماء نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی خلافتوں کو بھی خلافت راشدہ قرار دیا ہے۔

ایک مرتبہ ایک شخص نے معافی بن عمر رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے سامنے عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا کیا مقام ہے؟ آپ کو یہ سوال سن کر غصہ آ گیا اور فرمایا:

لايقاس باصحاب النبى صلى الله عليه وسلم احد، معاوية صاحبه وصهره وكاتبه وامينه على وحى الله۔ (تطہیر الجنان: ۱۰)

Marfat.com

''اصحاب النبیؐ کے ساتھ کسی غیر صحابی کو قیاس کرنا درست نہیں اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ تو آپؐ کے صحابی رضی اللہ عنہ بھی تھے، سسرالی بھی تھے، اور آپؐ کے کاتب اور وحی الٰہی کے سلسلے میں کاتب امین بھی۔'' (مفہوم)

''سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی خلافت کو تو علماء نے راشدہ کہا ہے۔ جب ان کی خلافت راشدہ ہے تو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت بھی راشدہ ہوگئی۔ کیوں کہ وہ تو صحابی رسولؐ تھے۔ اس سے بھی معلوم ہوا کہ خلافت راشدہ تیس سال میں محدود نہیں ہے۔''

باپ کے بعد بیٹے کا خلیفہ ہونا:

بعض حضرات کے نزدیک باپ کے بعد بیٹے کا مسند خلافت پر متمکن ہونا جائز نہیں۔ اور ان کا یہ دعویٰ ہے کہ اسلام میں یہ بدعت سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے نہیں بلکہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے شروع ہوگئی تھی۔ ان حضرات کا یہ بھی کہنا ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے خود ان کو اپنے بعد نامزد کیا تھا یا پھر لوگوں کو اپنے بعد انھیں خلیفہ بنانے کی ترغیب دی تھی۔ ہمارے نزدیک ان کا یہ اعتراض غلط ہے۔ اس اعتراض کے دو حصے ہیں: پہلا یہ کہ کیا اسلام میں ولی عہدی اور نامزدگی جائز ہے؟ اور اگر جائز ہے تو کیا بیٹے کو ولی عہدی یا خلافت کے لیے نامزد کیا جاسکتا ہے؟ اس اعتراض کے پہلے حصے ''اسلام میں ولی عہدی یا نامزدگی جائز ہے یا نہیں؟'' کا جواب مورخ اسلام علامہ ابن خلدون اندلسی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مقدمہ میں دیا ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ اسی کو نقل کر دیا جائے۔ علامہ ابن خلدون فرماتے ہیں:

''امام (خلیفہ) ولی امت ہوتا ہے اور اس کا امین بھی، جو اپنی پوری زندگی میں اپنے فرائض اور ذمہ داریوں کا لحاظ رکھتا ہے اور اس کے مرنے کے بعد جو حالات پیش آنے والے ہوتے ہیں اس کا انتظام بھی حسب طاقت زندگی ہی میں کر جاتا ہے، وہ یہ کہ مثلاً امت کی غور و پرداخت کے لیے اپنا ایک ایسا جانشین مقرر کر جاتا ہے جس پر امت کو ایسا ہی اعتماد اور بھروسہ ہوتا ہے جس طرح اس پر تھا اور شریعت میں اجماع امت سے اس عمل (ولی عہد مقرر کرنے یا کسی کو نامزد کرنے) کا جواز ثابت ہے کیونکہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اجتماع میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو اپنا جانشین اور ولی عہد مقرر فرمایا تھا جس کو تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جائز سمجھا اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی اطاعت و پیروی اپنے اوپر لازمی قرار دی۔ اسی طرح سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی وفات سے قبل ولی عہدی کے مسئلہ کو عشرہ مبشرہ میں سے چھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی صواب دید پر چھوڑا اور ان کو اختیار دیا کہ وہ اپنے میں سے مسلمانوں کے لیے کوئی بھی خلیفہ منتخب کرلیں۔ ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مسئلہ انتخاب کو ایک دوسرے پر ٹالا۔ آخر اس انتخاب کا سہرا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے سر بندھا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے غور و فکر کر کے مسلمانوں کی دلی منشا معلوم کی تو سب کا دل سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی طرف جھکا ہوا پایا۔ اس لیے انھوں نے عثمان رضی اللہ عنہ سے بیعت کر لی کیونکہ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ بھی خود سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے پیش آمدہ معاملات میں اپنے اجتہاد کو چھوڑ کر

Marfat.com

اتباع شیخین کو لازم سمجھتے تھے۔ لہٰذا سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت سب کو تسلیم ہوئی اور وہ خلیفہ تسلیم کر لیے گئے اور ان کی اطاعت واجب سمجھ لی گئی۔ اب جس اجتماع میں یہ مسئلۂ انتخاب طے پایا اس میں وہ سب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم موجود تھے جو شیخین (ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ) سے بیعت کر چکے تھے۔ ان میں سے کسی نے بھی اس مسئلۂ ولی عہدی اور جانشینی پر اعتراض نہیں کیا بلکہ وہ سب خاموش رہے۔ اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ وہ باتفاق رائے اس طریق جانشینی کے جواز کے قائل تھے اور اس کی مشروعیت کو پہلے ہی جانتے تھے اور یہ بات معلوم ہو ہی گئی کہ اجماع شرعی مسائل کے لیے حجت مانا گیا ہے۔" (مقدمہ ابن خلدون: ۲۴۰)

علامہ قاضی ابویعلی حنبلی رحمۃ اللہ علیہ اس مسئلہ پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں:

"خلیفہ کے لیے یہ بات بالکل جائز ہے کہ وہ اپنے بعد کسی شخص کو اپنا ولی عہد بنائے۔ اس معاملہ (ولی عہدی) میں ارباب حل وعقد کی موجودگی ضروری نہیں، اس لیے کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو اپنا ولی عہد بنایا تھا اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے چھ صحابہ کرام کو نامزد کیا تھا اور یہ نامزدگی کرتے وقت ارباب حل و عقد کی موجودگی کو ضروری نہ سمجھا۔ اس کی عقلی توجیہہ یہ ہے کسی شخص کو ولی عہد بنانے کا مطلب اس کو خلیفہ بنانا نہیں، ورنہ ایک ہی طاقت میں دو خلفاء کا اجتماع لازم آئے گا جو کسی صورت جائز نہیں۔ اور جب یہ خلافت کا عہد نہیں ہے تو ارباب حل وعقد کی موجودگی کوئی ضروری نہیں۔ ہاں جس نے ولی عہد بنایا ہے اس کی وفات کے بعد ان کی موجودگی ضروری ہے۔" (الاحکام السلطانیہ: ۹)

علامہ ابن حزم رضی اللہ عنہ نے تو صاف الفاظ میں لکھا ہے کہ نصب خلافت کے لیے اسلام میں سب سے بہترین طریقہ نامزدگی ہی ہے کیونکہ اس سے بہت سی خرابیوں کا قلع قمع ہو جاتا ہے۔ چنانچہ علامہ فرماتے ہیں:

"پس ہمارے نزدیک امامت اور خلافت کا انعقاد کئی صورتوں سے ہو سکتا ہے۔ ان میں سب سے پہلی اور سب سے افضل صورت یہ ہے کہ مرنے والا اپنی مرضی سے کسی کو اپنی موت کے بعد خلیفہ مقرر کر جائے۔ اس نامزدگی میں یہ برابر ہے کہ وہ اپنی حالت صحت میں اس کو نامزد کرے یا اپنی بیماری میں اور یا اس دنیا سے رحلت کرتے وقت کیونکہ نص اور اجماع کے لحاظ سے اس کی کسی صورت میں بھی عدم جواز اور منع نہیں ہے۔ اور اسی طریقے سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو نامزد کیا تھا اور ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو اور سلیمان بن عبدالملک نے حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کو نامزد کیا تھا اور یہی وہ صورت ہے جس کو ہم پسند کرتے ہیں۔ اس کے سوا کسی بھی دوسری صورتوں کو مکروہ اور ناپسندیدہ سمجھتے ہیں کیونکہ اس صورت میں خلافت کا اتصال اور اسلام اور اہل اسلام کا انتظام قائم رہتا ہے لیکن اس کے برعکس دوسری تمام صورتوں میں اختلاف اور شور وشغب کا ہر وقت خطرہ لاحق رہتا ہے اور انارکی، امور شرعیہ میں انتشار، لوگوں کے اٹھ جانے اور ان کے اندر خلافت کے لیے حرص وطمع ے

Marfat.com

جذبات پیدا ہونے کا خوف رہتا ہے۔'' (الفصل فی الملل والنحل:۴/۱۶۹)

اب رہا دوسرا مسئلہ کہ بیٹے کو اپنا ولی عہد مقرر کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اس کا جواب بھی مورخ اسلام علامہ ابن خلدون اندلسی رحمۃ اللہ علیہ ہی سے سنیے۔ علامہ لکھتے ہیں:

''اب اگر خلیفہ اپنے باپ یا بیٹے کو اپنا ولی عہد مقرر کر دے تو اس پر بدگمانی نہیں کر سکتے اور اس معاملے میں اس کو متہم نہیں کر سکتے کیوں کہ جب وہ اپنی زندگی میں سارے امور و معاملات میں قابل اعتماد مانا گیا ہے تو وہ اپنی زندگی کے بعد کے معاملات میں جو فیصلے دے گیا ہو ان میں بھی ہم کو اس پر بدگمانی نہیں کرنی چاہیے اور اس پر کوئی اتہام نہیں لگانا چاہیے۔ یہ بات ان لوگوں کے مذہب کے سراسر خلاف ہے جو کہتے ہیں کہ امام کو اپنے بیٹے یا باپ کو ولی عہد مقرر کرنا باعث اتہام ہے، یا جو صرف بیٹے کو ولی عہد بنانا اتہام کا سبب جانتے ہیں اور حقیقت میں یہ عمل بدگمانی اور بدظنی سے بہت دور ہے۔ خصوصاً جب کوئی خاص مصلحت اس کی داعی ہو یا کسی خاص فتنہ و فساد سے تحفظ کے لیے یہ کیا گیا ہو تو ایسے وقت تو بدظنی کی سرے سے گنجائش نہیں ہوتی، جیسا کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے جب اپنے بیٹے یزید کو اپنا جانشین بنایا تو ان کے اس فعل پر بنی امیہ کے ارباب حل وعقد کا اتفاق ان کے لیے کافی حجت تھا اور پھر ان کو یوں بھی متہم نہیں کیا جا سکتا کہ ان کا یزید کو ترجیح دینا امت میں اتفاق و اتحاد قائم رکھنے کی مصلحت کے پیش نظر تھا۔ اور یہ حقیقت ہے کہ بنو امیہ اس وقت یزید کے سوا اور کسی کی ولی عہدی پر متفق نہیں ہو سکتے تھے، کیونکہ اہل حل وعقد عموماً بنو امیہ میں سے تھے اور بنو امیہ اس وقت اپنے سے باہر کسی اور کی خلافت پر راضی نہیں ہو سکتے تھے اور وہ تمام مسلمانوں کی عصبیت اپنی پشت پر رکھتے تھے۔ خود بھی باشوکت تھے اور دوسروں پر بھی اثر رکھتے تھے۔ انھی نزاکتوں کے پیش نظر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے بہتر لوگوں کو چھوڑ کر مسند خلافت کے لیے یزید کا انتخاب کیا اور افضل و بہتر کو چھوڑ کر مفضول کو مسند خلافت پر لائے تا کہ مسلمانوں کا باہمی اتحاد و اتفاق اور ان کی رائے میں یک جہتی کہیں ہاتھ سے نہ جاتی رہے جن کی بقاء کو شارع علیہ السلام نے بہت اہمیت دی ہے۔ ورنہ اس کے سوا سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں اور کیا کہا جا سکتا ہے کیوں کہ ان کی مسلمہ عدالت اور صحبت نبوی کو دیکھتے ہوئے زبان ان کے بارے میں بدگمانی کا خیال ظاہر کرنے سے گنگ ہے۔ مزید برآں اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کی موجودگی اور ان کا اس بارے میں سکوت اس بات کی کھلی دلیل ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ ہر بدظنی اور بدگمانی سے پاک ہیں اور ان کو کوئی الزام نہیں دیا جا سکتا۔ نہ تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہی کو کہ وہ تو ایسی شخصیتیں تھیں کہ حق کے اظہار سے خاموش نہیں رہ سکتی تھیں اور نہ ہی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اس مزاج کے تھے کہ وہ عزت و شان مملکت کی خاطر حق کو اختیار کرنے سے باز رہتے۔ ان بزرگوں کی عدالت ایسی غلط کاریوں سے بہت بلند و بالا ہے۔ یزید کی ولی عہدی کے اتفاقی مسئلہ سے اگر کسی نے اختلاف کیا تھا تو وہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ تھے مگر اجماع و اتفاق کے مقابلے

Marfat.com

میں شاذ و نادر اختلاف کی ظاہر ہے کہ کوئی وقعت نہیں ہوتی۔'' (مقدمہ ابن خلدون: ۲۴۰، ۲۴۱)

اس اقتباس سے معلوم ہوا کہ ابن خلدون رحمۃ اللہ علیہ نے اگرچہ یزید کی ولی عہدی کا جواب دیتے ہوئے یہ سب کچھ لکھا ہے تو یہی جواب سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی ولی عہدی کی نامزدگی کے بارے میں بھی ہوسکتا ہے کیونکہ اسلام تو اصول کی بات کرتا ہے۔ شخصیتوں کی بات نہیں کرتا۔ حقیقت یہ ہے کہ ارباب نظر کی بصیرت یہ کام کرتی ہے۔ کہ اگر یزید کے علاوہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کسی اور کو ولی عہد مقرر فرما دیتے تو مسلمانوں کا پچاس سالہ قصر خلافت یک قلم منہدم ہو جاتا۔ اس بارے میں علامہ ابن خلدون رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''اسی طرح سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید کو اپنا ولی عہد بنایا لیکن اگر وہ ایسا نہ کرتے تو خلافت اسلامیہ میں ایک شورش برپا ہو جاتی کیوں کو بنو امیہ اپنے خاندان سے خلافت کے منتقل ہونے کو کسی قیمت پر گوارا کرنے کے لیے تیار نہ تھے۔ اگر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کسی اور کو ولی عہد بناتے تو بنو امیہ خود ان پر پلٹ پڑتے، گو ان کے ساتھ پہلے سے جس قدر بھی حسن ظن ہوتا اور ان کی خوبی میں کسی کو شک و شبہ نہ ہوتا، وگرنہ اس کے برعکس سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں کوئی خیال کرنا عدل و انصاف کا خون کرنا ہے۔''

(مقدمہ ابن خلدون: ۲۳۵)

چند صفحات کے بعد علامہ ابن خلدون رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''لہٰذا اگر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ عصبیت کے تقاضے کے خلاف یزید کے علاوہ کسی اور کو مسند خلافت پر لاتے تو ان کی خلافت کون قبول کرتا اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ بالکل ختم ہو جاتی اور ملت اسلامیہ جس اختلاف کا شکار ہوتی وہ بھی ارباب بصیرت سے پوشیدہ نہیں۔'' (مقدمہ ابن خلدون: ۲۴۱)

اس ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ:

① سیدنا حسن رضی اللہ عنہ پہلے شخص ہیں جو اپنے باپ کے بعد مسند خلافت پر متمکن ہوئے۔

② سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے مسند خلافت پر نہیں بٹھایا تھا بلکہ اہل کوفہ نے ان کے ہاتھ پر بیعت کر کے انھیں اپنا سربراہ مقرر کیا تھا۔

③ لیکن اگر سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ہی انھیں اپنا ولی عہد اور جانشین بنایا تو پھر بھی اس دنیا سے جانے والا خلیفہ اپنا ولی عہد نامزد کر سکتا ہے، اس میں کوئی قباحت نہیں۔

④ باپ اپنے بیٹے کو بھی اس مسند خلافت پر متمکن کر سکتا ہے اور اس کو اپنا ولی عہد بنا سکتا ہے جیسا کہ علامہ ابن خلدون رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے۔

Marfat.com

تاریخ اسلام

عہدِ نبوی تا عہدِ خلفائے راشدین



مدظلہ العالی

حکیم محمود احمد ظفر

لشریات

Marfat.com